سلسلۂ مطبوعات علمیہ جامعہ عثمانیہ

تاریخ ہند

عہد برطانیہ

بی۔ اے۔ کے لئے

باب چہارم تا آخر کتاب یعنی یوروپین اقوام کے داخلۂ ہندوستان سے ۱۸۹۱ء تک کے تاریخی واقعات

مولفۂ
جے۔ سی۔ مارشمین، اسکوائر سی۔ یس۔ آئی

مترجمۂ
منشی فاضل حکیم سید محمد عبد السلام صاحب ایم۔ اے (علیگ)

سنہ ۱۳۴۱ھ م سنہ ۱۳۳۲ف م سنہ ۱۹۲۳ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ہند

عہد برطانیہ

باب اول

فصل اول پرتگالی عروج و ترقی

پانچ صدی سے اسلامی حملوں کا سیلاب وسط ایشیا سے چڑھکر دریائے سندھ کو عبور کر کے جنوب کی طرف بڑھتا رہا تھا۔ اب ایک عصر جدید کی ابتدا ایک یورپین بیڑے کے سواحل ہند پر نمودار ہونے سے ہوتی ہے۔ اور غیر ملکیوں کی ترقی کا رُخ جنوب سے شمال کی طرف نظر آتا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں خاص فتوحات کی نیت سے آئے تھے اور اہل یورپ محض تجارت کی غرض سے آئے۔ اہل مغرب کو قدیم زمانے سے مشرقی ممالک کی پیداوار کی خرید و تلاش کا بڑا شوق تھا اور یہاں کا مال اُنکے ملک تک بہت سے چکر دار راستوں سے جا کر پہنچا کرتا تھا۔ قرون وسطےٰ میں مشرقی تجارت نے جمہوریہ وینس و جینوا کو مالامال کر دیا تھا اور عام اضطراب یہ تھا کہ کسی طرح ہندوستان تک رسائی کا کوئی سیدھا راستہ نکل آئے۔ پندرھویں صدی کے اندر یورپ میں بحری حوصلہ مندی کا جوش بڑے زوروں پر ہو گیا تھا جسکا خاص اثر یورپ کی چھوٹی سی باہمت سلطنت پرتگال پر زیادہ نظر آتا تھا جہاں جہازرانی کی صنعت میں بھی بڑی ترقی کر لیگئی تھی۔ اس جوش کو فرمانروایان پرتگال کی طرف سے خاص امداد ملتی رہتی تھی۔ جنھوں نے متواتر کئی بحری مہمیں سلطنت کی طرف سے بترتیب دیگر روانہ کیں جو سواحل افریقہ تک بڑھتی چلی گئیں اور ہر سفر میں نئے نئے مقامات دریافت کر کے آئیں ؎
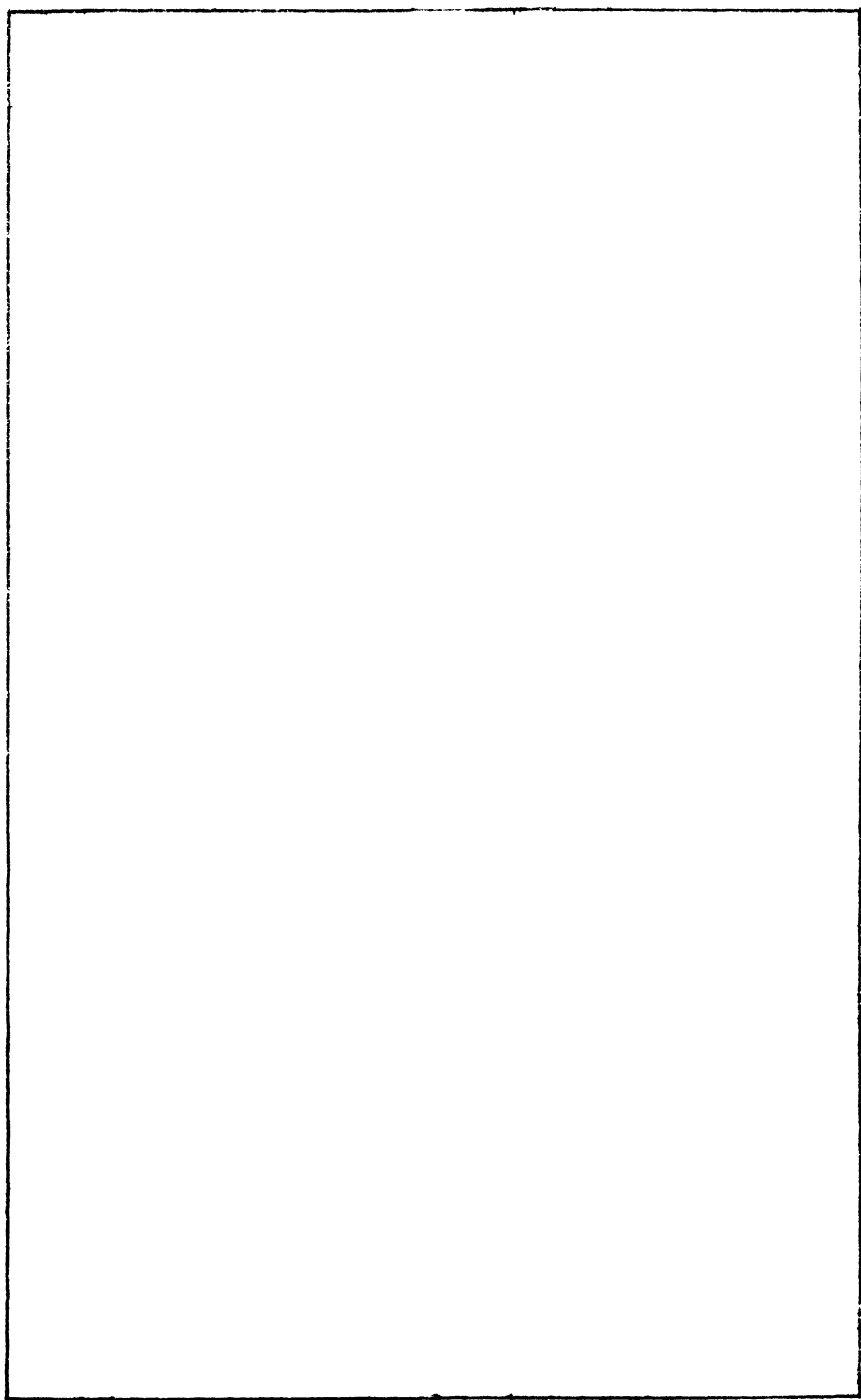
باب اول
فصل اول

انھوں نے زمورین کے وزیر کو ملا کر زمورین کے ذہن نشین یہ کر دیا کہ یہ لوگ جو اپنے تئیں تاجر ظاہر کرتے ہیں در اصل پرتگالی تاجر نہیں ہیں بلکہ بحری قزاق ہیں جو اپنے ملک سے جان بچا کر ادھر نکل آئے ہیں تاکہ مشرقی سمندروں میں رہزنیاں کریں۔ اس سے راجہ کے خیالات بالکل بدل گئے اور واسکوڈی گاما نے کئی ماہ تک ساحل پر مقیم رہنے کے بعد صفائی سے مایوس ہو کر واپسی وطن کے لیے لنگر اٹھا دیا۔ ۲۹۔ اگست ۱۴۹۹ء کو ۲۶ ماہ کی غیر حاضری کے بعد وہ دریائے ٹیگس کے دھلنے میں گھسا اور شاہانہ جلوس کے ساتھ بادشاہ اور رعایا نے اُسکا استقبال کیا جو سب کے سب اِن کارنمایاں انجام دیکر آنیوالے جہازوں کا خیر مقدم کرنے ساحل پر جمع ہو گئے تھے۔ اس سے چھ سال پہلے کولمبس نے نئی دنیا کا پتہ لگا کر یورپ کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور اس وقت واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کر کے اس حیرت کو اور بڑھا دیا کیونکہ ہندوستان ایسا ملک تھا جسکی دولت کے فسانے زبان زد خاص و عام تھے ؛

(صفحہ ۱۰۸)

کابرل کی سرکردگی میں دوسری مہم

شاہ پرتگال نے اس معاملہ کو اسی حد تک نہیں چھوڑ دیا بلکہ بڑی تعجیل کے ساتھ ایک اور مہم تیرہ جہازوں کی تیار کی جن پر بارہ سو بحری سپاہی رکھے گئے اور اسکی ناخدائی اس دفعہ بجائے واسکوڈی گاما کے کابرل کے سپرد کیگئی جو اسکے سرانجام کی زیادہ اہلیت رکھتا تھا۔ کابرل کے ساتھ آٹھ پادری بھی کیئے گئے اور اُسکو حکم دیدیا گیا کہ جو ملک آشتی و صلح کے ساتھ کلمۃ الحق کا خیر مقدم کرنیکو تیار نہو اُسکو آتش و تیغ کے سپرد کر دے۔ بحر اطلانٹک میں گھسنے کے بعد طوفان نے اُسکے بیڑے کو تھپیڑے مار کر ۱۵۰۰ء میں سواحل جنوبی امریکہ پر پہنچا دیا جہاں اُسنے برازیل کا پتہ لگا کر اُس پر قبضہ کر لیا اور اس وقت سے اب تک یہ ملک پرتگالی مستعمرات (Colonies) میں شامل ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر ۱۳۔ ستمبر ۱۵۰۰ء کو وہ کالی کٹ کے قریب لنگر انداز ہوا اور واسکوڈی گاما جو پانچ ملیبار لین اپنے ساتھ لیگیا تھا وہ شاہ زمورین کی خدمت میں واپس کیں اور زمورین نے بڑے اعزاز کے ساتھ اُسکا خیر مقدم کیا اور اُسکو ایک تجارت گاہ قایم کرنیکی اجازت دیدی۔ لیکن مسلمان سوداگروں نے کچھ ایسی

باب اول
فصل اول

راس امید

آخر کار جان ثانی شاہ پرتگال نے بارتھولومیو ڈیاس کی سرکردگی میں تین جہاز خاص اسلیئے بھیجے کہ اقلیم افریقہ کی حد جنوبی دریافت کر کے آئیں۔ بارتھولومیو پہلا جہازراں تھا جسنے راس امید کے گرد سفر کیا اور وہاں اس قدر طوفان خیز سمندر سے اُسکا سابقہ پڑا کہ اُسنے اسکا نام راس طوفان رکھدیا۔ مگر اُسکے سرور بادشاہ کو اس راستے سے ہندوستان پہنچنے کی امید بندھگئی اسلیئے اسنے اسکا نام راس امید رکھدیا۔

صفحہ ۱۰۷ (۱)

اسکے کچھہی عرصے بعد جینوا کے ایک حوصلہ مند جہازران کرسٹوفر کولمبس نے اس اطمینان پر کہ جانب مغرب سفر کرتے چلے جانے سے ہندوستان کا پتہ لگ جائیگا اپنی خدمات شاہ جان ثانی کے حضور میں پیش کیں مگر انکو شرف منظوری نہیں نصیب ہوا اس لیئے وہ اپنی اس جان جوکھم کی مہم پر شاہ اسپین کی سرپرستی میں روانہ ہوگیا اور ۱۴۹۲ء؁ میں امریکہ کا پتہ لگا لایا ہو

ہندوستان کا پتہ لگ گیا

ڈیاس نے راس امید کا پتہ لگا لیا تھا مگر اُسکے گیارہ سال بعد تک اس کھوج کو آگے چلانیکی کوئی کوشش نہیں کیگئی اور شاہ جان کی جگہ شاہ اینمویل تخت نشیں ہوگیا جسنے اس معاملے کو پھر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ میں لیا اور ۱۴۹۷ء؁ میں تین جہازوں کی ایک مہم راس امید کے گرد ہوکر ہندوستان کا راستہ دریافت کرنیکے لیئے روانہ کی۔ یہ چھوٹا سا مختصر وزن کے جہازوں کا بیڑہ واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں دیا گیا جو مذہبی رسوم کی ادائگی کے بعد بادشاہ اور رعایا کے پُرجوش بسفر رفتنت مبارکباد کے نعروں میں ۸۔ جولائی ۱۴۹۷ء؁ کو لسبن سے روانہ ہوا۔ راس امید تک بخیر و عافیت پہنچکر اُسنے ہمت کر کے اپنے جہازوں کو دریائے بے پایاں میں ڈال دیا اور ۲۳ دن تک ایسا سفر ہوا کہ اوپر نیلے آسمان اور نیچے نیلے پانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ مئے ۱۴۹۸ء؁ میں اُسنے ساحل مالابار کا پتہ لگا لیا اور اپنی مہم کو کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا کر کالی کٹ سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہوگیا۔ یہ شہر اُس حصۂ دکن میں واقع تھا جہاں اسلامیوں کے فاتحانہ قدم اب تک نہیں پہنچے تھے اور یہاں کے ہندو راجہ ملقب بہ زمورین نے پرتگالی امیرالبحر کا بڑے اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اُسکو اپنی مملکت میں تجارت کرنیکے حقوق عطا کر دیئے۔ لیکن مالابار کے پورے پچاس بندرگاہوں کی تجارت کا اب تک مصر اور عرب کے تاجروں نے بالکل اجارہ سا لے رکھا تھا اسلیئے ان کو ان یورپین دخیل کاروں کا قدم درمیان آجانا ناگوار گزرا اور

باب اول
فصل اول

اور اوسی وقت سے ہندوستان میں یورپین اقتدار کی بنیاد پڑگئی۔

المیڈا

۱۵۰۵ء میں شاہ پرتگال نے المیڈا کو روانہ کیا اور اُسکو وائسرائے ہند کا شاندار خطاب بھی عطا کر دیا دراں حالیکہ اُسکے قبضے میں ہندوستان کی چپہ بھر زمین بھی نہیں تھی۔ المیڈا کو ایک نئے اور زیادہ سخت دشمن سے دوچار ہونا پڑا۔ اہل وینس جو اب تک ہندوستان کی دولت خیز تجارت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے پرتگالیوں کی اس حرکت کو نفرت و مخاصمت سے دیکھنے لگے کہ وہ ہندوستانی تجارت کا رُخ پھیر کر اُسے راس امید کے پار گھسیٹے لیئے جارہے ہیں۔ جس تجارت نے اس وقت وینس کو بحیرۂ ایڈریاٹک کی ملکہ بنا رکھا تھا اُسکا بڑا حصہ مصر کے توسط سے وینس تک پہنچا تھا اسلیئے مصر میں اہل وینس کو بڑا خاص اقتدار حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے سلطان مصر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑہ بھیجکر پرتگالی دخیل کاروں کو بحر ہند میں سے نکال باہر کرے۔ اس بیڑے کے لیئے ضروری مال مصالحے کا انتظام اہل وینس نے اپنے ڈلامیٹا کے جنگلوں سے کر دیا۔ گجرات کے جہاز ران صوبہ کا مسلمان بادشاہ بھی پرتگالیوں کے روز افزوں بحری اقتدار کو مخدوش نظروں سے دیکھتا تھا اسلیئے اُسنے مصری بیڑے کے ساتھ شرکت عمل کرنے کے لیئے اپنے جہازوں کو بھی بھیجدیا۔ یہ متحدہ بیڑا بندرگاہ چول پر پرتگالی بیڑے کے مقابلے میں آیا اور اُسے شکست دیدی۔ نوجوان المیڈا بھی اسی آویزش میں مارا گیا اور اُسکے باپ نے اُسکے قتل کا انتقام لینے کا عہد کیا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ساحل کے نہایت اہم بندرگاہ ڈابل نے بھی اس آویزش میں حصہ لیا تھا تو اُسنے ۱۵۰۸ء میں اُسپر حملہ کر کے بیصرفہ خونریزی کی اور پھر اُسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ اسکے بعد وہ متحدہ بیڑے کی تلاش میں روانہ ہوا اور اُسکو بندرگاہ ڈیو پر لنگر زن پایا۔ اور وہاں اُسپر نہایت شاندار فتح حاصل کی لیکن اُسنے اپنی تمام نیکنامی کو اس ایک حرکت سے داغ لگا لیا کہ جوش انتقام سے مغلوب ہو کر اُسنے اپنے تمام اسیران جنگ کو قتل کر ڈالا۔

البوقرق

لیکن ان آویزشوں سے پیشترہی دربار لسبن نے البوقرق کو المیڈا کے باپ کا جانشین کر کے امیر البحری کے منصب پر سرفراز فرما دیا تھا اور اُسے پرتگالی بیڑے کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے لینے کے لیئے روانہ بھی کر دیا تھا۔ البوقرق بڑا حوصلہ مند اور والعزم امیر البحر تھا۔ اُسنے اول شہر کالی کٹ پر حملہ کیا مگر اس حملے میں اُسکی چوتھائی فوج

باب اول
فصل اول

روک ڈالیں کہ کابرل کو تجارتی مال ہی نہیں ملتا تھا اسلئے اُسنے ایک مرتبہ طیش میں آکر
ان تاجروں کا ایک قیمتی مال سے لدا ہوا جہاز گرفتار کر لیا اور اُسکا تمام مال اپنے جہاز پر
منتقل کر کے خالی جہاز میں آگ لگا دی۔ اسکے جواب میں پرتگالی تجارتگاہ پر حملہ کیا گیا
اور پچاس آدمی قتل کر ڈالے گئے۔ کابرل نے جواب الجواب میں مسلمانوں کے دس جہاز
اور گرفتار کر کے اُنکا مال بھی اپنے جہازوں پر منتقل کر لیا اور خالی جہازوں میں آگ
لگا دی۔ پھر اُسنے اپنے بیڑے سے شہر کالی کٹ پر خوب گولہ باری کی اور وہاں سے روانہ ہو کر
قریب کے ایک دوسرے بندرگاہ موسومہ کوچین پر پہنچا جہاں کا راجہ زمورین کا
باجگذار تھا۔ اس راجہ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد طے کر کے کابرل اپنے وطن لسبن کو
واپس چلا گیا ۔

واسکوڈی گاما کا دوسرا بحری سفر

کابرل کو جن نحوستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اُنکا لحاظ کر کے
کارکنان سلطنت اسپر آمادہ ہو گئے کہ وہ شاہ پرتگال کو
ان جان جوکھم کارناموں میں پھنسنے سے احتراز کرنیکا مشورہ دیں مگر شاہ پرتگال کے دل میں
مشرقی سلطنت قایم کرنیکے ولولے اُٹھ رہے تھے اسلئے اُسنے پاپائے روما سے
اُن تمام ممالک مشرقی کی سلطانی کا اجازت نامہ حاصل کیا جسکا پتہ پرتگالی بیڑہ لگائے
اور اسکے بعد اُسنے "شہنشاہ تجارت وفتوحات وجہاز رانی عرب وہندوستان" کا لقب
اختیار کیا اور فوراً پندرہ جہازوں کا ایک بیڑہ مسلح کر کے واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں
پھر دیا گیا جو ۱۵۰۲ء میں پھر کالی کٹ پہنچا اور اُس توہین کی تلافی کا مطالبہ کیا جو
کابرل کے ساتھ روا رکھی گئی تھی اور جب اُس تلافی سے انکار کیا گیا تو اسنے شہر کالی کٹ کو
آگ لگا دی اور وہاں سے روانہ ہو کر کوچین کے دوستانہ بندرگاہ پر آیا اور یہاں
پرتگالی تجارتگاہ کی حفاظت کے لئے محض مٹھی بھر آدمی پشیکو کی قیادت میں چھوڑ کر
یورپ کی واپسی کے لئے لنگر اُٹھا دیا۔ زمورین نے کالی کٹ پر اسلئے پیشقدمی کی کہ
راجہ کوچین کو پرتگالیوں کی پناہ دہی کی سزا دے۔ چنانچہ کوچین پہنچکر اُسنے
پرتگالی تجارتگاہ کا محاصرہ کر لیا۔ اگرچہ زمورین کی فوج پشیکو کی فوج سے پوری پچاس گنی تھی
مگر زمورین ہی کو ذلت کے ساتھ شکست ہوی اور یورپ کے سپاہی کی فوقیت اُسی وقت
سے ایشیا کے سپاہی پر ثابت ہو گئی اور جب سے اب تک اسی طرح قایم چلی آتی ہے

صفحہ (۱۰۹)

باب اول
فصل اول

اور اوسی وقت سے ہندوستان میں یورپین اقتدار کی بنیاد پڑ گئی ؛

البیڈا

۱۵۰۵ء میں شاہ پرتگال نے المیڈا کو روانہ کیا اور اُسکو وائسرائے ہند کا شاندار خطاب بھی عطا کر دیا درانحالیکہ اُسکے قبضے میں ہندوستان کی چپہ بھر زمین بھی نہیں تھی - المیڈا کو ایک نئے اور زیادہ سخت دشمن سے دوچار ہونا پڑا۔ اہل وینس جو اب تک ہندوستان کی دولت خیز تجارت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے پرتگالیوں کی اس حرکت کو نفرت و مخاصمت سے دیکھنے لگے کہ وہ ہندوستانی تجارت کا رُخ پھیر کر اُسے راس امید کے پار گھسیٹے لیئے جارہے ہیں۔ جس تجارت نے اسوقت وینس کو بحیرۂ ایڈریاٹک کی ملکہ بنا رکھا تھا اُسکا بڑا حصہ مصر کے توسط سے وینس تک پہنچتا تھا اسلیئے مصر میں اہل وینس کو بڑا خاص اقتدار حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے سلطان مصر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑہ بھیجکر پرتگالی دخیل کاروں کو بحر ہند میں سے نکال باہر کرے۔ اس بیڑے کے لیئے ضروری مال مصالحے کا انتظام اہل وینس نے اپنے ڈلامیٹ کے جنگلوں سے کر دیا۔ گجرات کے جہاز ران صوبہ کا مسلمان بادشاہ بھی پرتگالیوں کے روز افزوں بحری اقتدار کو مخدوش نظروں سے دیکھتا تھا اسلیئے اُسنے مصری بیڑے کے ساتھ شرکت عمل کرنیکے لیئے اپنے جہازوں کو بھی بھیجدیا۔ یہ متحدہ بیڑا بندرگاہ چول پر پرتگالی بیڑے کے مقابلے میں آیا اور اُسے شکست دیدی۔ نوجوان المیڈا بھی اسی آویزش میں مارا گیا اور اُسکے باپ نے اُسکے قتل کا انتقام لینے کا عہد کیا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ساحل کے نہایت اہم بندرگاہ ڈابل نے بھی اس آویزش میں حصہ لیا تھا تو اُسنے ۱۵۰۸ء میں اُسپر حملہ کر کے بیصرفہ خونریزی کی اور پھر اُسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ اسکے بعدہ متحدہ بیڑے کی تلاش میں روانہ ہوا اور اُسکو بندرگاہ ڈیو پر لنگر زن پایا اور وہاں اُسپر نہایت شاندار فتح حاصل کی لیکن اُسنے اپنی تمام نیکنامی کو اس ایک حرکت سے داغ لگا لیا کہ جوش انتقام سے مغلوب ہو کر اُسنے اپنے تمام اسیران جنگ کو قتل کر ڈالا ؛

البوقرق

لیکن ان آویزشوں سے پیشتر ہی دربار لسبن نے البوقرق کو المیڈا کے باپ کا جانشین کر کے امیر البحری کے منصب پر سرفراز فرما دیا تھا اور اُسے پرتگالی بیڑے کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے لینے کے لیئے روانہ بھی کر دیا تھا۔ البوقرق بڑا حوصلہ مند اور اولوالعزم امیر البحر تھا۔ اُسنے اول شہر کالی کٹ پر حملہ کیا مگر اس حملے میں اُسکی چوتھائی فوج

باب اول
فصل اول

روکاوٹیں ڈالیں کہ کابرل کو تجارتی مال ہی نہیں ملتا تھا اسلیئے اُسنے ایک مرتبہ طیش میں آکر
ان تاجروں کا ایک قیمتی مال سے لدا ہوا جہاز گرفتار کرلیا اور اُسکا تمام مال اپنے جہاز پر
منتقل کرکے خالی جہاز میں آگ لگادی۔ اسکے جواب میں پرتگالی تجارتگاہ پر حملہ کیا گیا
اور پچاس آدمی قتل کرڈالے گئے۔ کابرل نے جواب الجواب میں مسلمانوں کے دس جہاز
اور گرفتار کرکے اُنکا مال بھی اپنے جہازوں پہ منتقل کرلیا اور خالی جہازوں میں آگ
لگادی۔ پھر اُسنے اپنے بیڑے سے شہر کالی کٹ پر خوب گولہ باری کی اور وہاں سے روانہ ہوکر
قریب کے ایک دوسرے بندرگاہ موسومہ کوچین پہ پہنچا جہاں کا راجہ زمورین کا
باجگذار تھا۔ اس راجہ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد طے کرکے کابرل اپنے وطن لسبن کو
واپس چلا گیا ؛

واسکوڈی گاما کا دوسرا بحری سفر

کابرل کو جن نحوستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اُنکا لحاظ کرکے
کارکنان سلطنت اسپر آمادہ ہوگئے کہ وہ شاہ پرتگال کو
ان جان جوکھم کارناموں میں پھنسنے سے احتراز کرنیکا مشورہ دیں مگر شاہ پرتگال کے دل میں
مشرقی سلطنت قایم کرنیکے ولولے اُٹھ رہے تھے اسلیئے اُسنے پاپائے روما سے
اُن تمام ممالک مشرقی کی سلطانی کا اجازت نامہ حاصل کیا جسکا پتہ پرتگالی بیڑہ لگائے
اور اسکے بعد اُسنے "شہنشاہ تجارت وفتوحات وجہانرانی عرب وہندوستان" کا لقب
اختیار کیا اور فوراً پندرہ جہازوں کا ایک بیڑہ مسلح کرکے واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں
پھر دیا گیا جو ۲ء۱۵۰ میں پھر کالی کٹ پہنچا اور اُس توہین کی تلافی کا مطالبہ کیا جو
کابرل کے ساتھ روا رکھی گئی تھی اور جب اُس تلافی سے انکار کیا گیا تو اسنے شہر کالی کٹ کو
آگ لگادی اور وہاں سے روانہ ہوکر کوچین کے دوستانہ بندرگاہ پر آیا اور یہاں
پرتگالی تجارتگاہ کی حفاظت کے لیئے محض مٹھی بھر آدمی پشیکو کی قیادت میں چھوڑکر
یورپ کی واپسی کے لیئے لنگر اُٹھادیا۔ زمورین نے کالی کٹ پر اسلیئے پیشقدمی کی کہ
راجہ کوچین کو پرتگالیوں کی پناہ دہی کی سزا دے۔ چنانچہ کوچین پہنچکر اُسنے (صفحہ ۱۰۹)
پرتگالی تجارتگاہ کا محاصرہ کرلیا۔ اگرچہ زمورین کی فوج پشیکو کی فوج سے پوری پچاس گنی تھی
مگر زمورین ہی کو ذلت کے ساتھ شکست ہوی اور یورپ کے سپاہی کی فوقیت اُسی وقت
سے ایشیا کے سپاہی پر ثابت ہوگئی اور جب سے اب تک اسی طرح قایم چلی آتی ہے

باب اول
فصل اول

اُنکے ہاتھ سے نکل گیا مگر آخر کار پھر اُنھی کے قبضے میں آگیا۔ ۱۵۳۷ء میں گجرات کے مسلمان بادشاہ نے ترکی سلطان سے استدعا کی کہ اُسے کافروں کے پنجے سے نجات دلائے چنانچہ سویز پر ایک زبردست ترکی بیڑہ مسلح کیا گیا جسمیں سات ہزار ترک سپاہی تھے اور گجرات کی فوج بھی اُنکے شریک ہوگئی اور بیس ہزار مجموعی سپاہ نے ڈیو کو سخت محاصرے میں لے لیا۔ پرتگالی قلعدار سلویرا کے پاس اس وقت صرف چھ سو مردان کار تھے مگر اُسنے آٹھ ماہ تک مقاومت جاری رکھی اور بھوک پیاس کی اور دوسری ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں۔ آخر کار محاصرین نے مجبور ہوکر محاصرہ اُٹھا لیا اور اس غیر ملکی کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی جسنے سلطان روم اور شاہ گجرات کی متحدہ افواج کی پیش نہیں جانے دی تھی۔ پرتگالی ہند کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابل یادگار وہ اتحاد ثلثہ تھا جو احمد نگر اور بیجاپور کے بادشاہوں کے اور زمورین کے درمیان پرتگالیوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکے لئے عمل میں آیا تھا۔ ۱۵۷۰ء میں تینوں رئیسوں نے گوا کا محاصرہ کیا اور دس ماہ تک یہ محاصرہ قایم رہا آخر کار محاصرین نے بارہ ہزار جانوں کا نقصان اُٹھا کر محاصرہ اُٹھا لیا۔ ۱۵۳۸ء میں شاہ بنگال کو جب شیر سنگہ نے زیادہ تنگ کیا تھا تو اُسنے گوا میں اپنا سفیر پرتگالی گورنر جنرل کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ شیر سنگہ کے پنجۂ بدعت سے بنگال کو چھڑائے چنانچہ گورنر جنرل نے شاہ بنگال کی امداد کے لئے نو مسلح جہاز بھیجدئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ اہل یورپ کے قدم بنگال میں آئے۔ پرتگالیوں نے اپنی ایک تجارتگاہ ایک مقام پر قایم کی جسکا نام گولا تھا جسکے معنے اس زبان میں غلے کے کوٹھے کے ہوتے ہیں۔ اس مقام کو پرتگالیوں نے ہُگلی کہا اور یہاں اُنکی تجارت کو ایسی ترقی ہوئی کہ قریب ہی کی ایک منڈی ست گنگ جو پندرہ سو سال سے نہایت پر رونق چلی آتی تھی اُسکی تمام تجارت کھچکر ہُگلی میں چلی آئی۔ یہ چھوٹی سی تجارتگاہ بڑھتے بڑھتے ایک شاندار شہر ہوگئی جسمیں کثرت سے خوبصورت گرجا گھر بنے تھے اور اسکا استحکام اتنا زبردست تھا کہ آخر میں جس وقت مغلوں نے اسپر حملہ کیا ہے تو اُنکی تین پوری فوجیں بھی دھاوا کرکے اسکو فتح نہیں کر سکیں اور اُنکو مجبوراً سرنگوں سے کام لینا پڑا۔

(صفحہ ۱۱۱)

ولندیزیوں کا عروج اور پرتگالیوں کا زوال	سترھویں صدی کی ابتدا میں جبکہ پرتگالیوں کی عظمت شان

باب اول
فصل اول

ضائع ہوگئی پھر اُسنے یہ سوچا کہ اب تک جو پرتگالی بے قاعدہ حملے کرتے رہے ہیں اُن سے بہتر یہ ہوگا کہ ساحل کے کسی شہر پر ایک مستقل جائے قیام قائم کرلی جائے جہاں پرتگالی جہازوں کو بھی وقت پر پناہ مل سکے اور فوج کا مستقر بھی بن سکے چنانچہ اُسنے گوا کو لےلیا جو ساحل کنارا پر ۲۳ میل محیط کے ایک جزیرہ پر واقع تھا اور اُس ساحل کے نہایت قابل قدر بندرگاہوں میں سے تھا۔ اس طرح پرتگال کی ہندوستانی سلطنت کا صدر مقام گوا ہوگیا اور دیسی رئیسوں کی طرف سے جو کوششیں وقتاً فوقتاً اس مقام کو فتح کرنیکی کیجاتی رہیں اُن میں سے کسی میں بھی کامیابی نہو سکی۔ البوقرق نے اسکے بعد ایک مشرقی رئیس کے سے ٹھاٹ باٹ اختیار کرلیئے اور بڑی شان و شوکت سے اوسکے پاس دوسرے دیسی رئیسوں کے سفرا آنے جانے لگے۔ البوقرق نے مجمع الجزائر ملایا کے بعید صوبہ جات تک قدم بڑھالیئے اور اپنے تجارتی کاروبار کو سماترا۔ جاوا اور سیام تک پہنچادیا۔ اسکے بعد اُسنے مغرب کی طرف توجہ کی اور خلیج فارس کی بڑی پررونق منڈی ارمز پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح البوقرق کی قابلیت سے نو سال کے اندر ملک مشرق میں ایک زبردست یورپین مملکت قایم ہوگئی۔ اُسنے اپنا انداز ایسا رکھ چھوڑا تھا کہ گویا اُسے توسیع مملکت سے نفرت ہے پھر بھی تمام مشرقی سمندر میں اوسکی قوت کا ڈنکا بجتا تھا اور ساحل پر بارہ ہزار میل تک اُسی کا اقتدار غالب تھا جسپر اُسنے تیس تجارتگاہیں قایم کردی تھیں جنمیں سے کئی ایک تو بالکل مستحکم قلعے کی طرح تھیں۔ لیکن البوقرق کا آخری زمانہ اپنے ملک کی ناسپاسی کی وجہ سے خراب ہوگیا۔ عین اُسکی فاتحانہ رفتار کے دوران میں اُسکے دربار کی سازشیں اُسکے خلاف کامیاب ہوگئیں اور اپنی معزولی سے شکستہ دل ہوکر جس وقت وہ بندرگاہ گوا میں داخل ہوا تو ۱۵۱۵ء میں اُسکا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ عام یورپین اور دیسی طبقات کے رنج و ماتم کے ساتھ اُسی نوآبادی میں اُسے دفن کردیا گیا جو اُسنے قایم کی تھی ؎

(سنہ ۱۵۱۰ء)

سولھویں صدی

تمام سولھویں صدی کے دوران میں پرتگال کی بحری قوت نصف کرۂ شرقی میں سب سے زبردست رہی اور ہر جہاز ران قوم پر اُسکا رعب غالب رہا۔ انھوں نے جزیرۂ لنکا پر قبضہ کرلیا اور ۱۵۱۷ء میں مقام میکاؤ پر پہلی یورپین تجارتگاہ قایم کی۔ ۱۵۲۳ء میں انھوں نے چار سو جہازوں کا ایک زبردست بیڑہ تیار کیا جسپر بائیس ہزار فوج رکھی گئی جسمیں تین ہزار چھ سو یورپین تھے اور ڈیو کو تسخیر کرلیا۔ پھر یہ مقام کچھ عرصے کے لیئے

فصل دوم (صفحہ ۱۱۲)

فرانسیسیوں کی ترقیاں ۔ لغایت صلحنامۂ ایزلاشیپل

فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی

اہل پرتگال و ہالینڈ کو جو منافع ہندوستانی تجارت سے حاصل ہوئے تھے اُنکو دیکھکر فرانسیسیوں کو بھی اس تجارت مین حصہ لینے کا شوق پیدا ہوا اور سترھویں صدی کے نصف اُولیٰ میں فرانسیسیوں نے کئی کوششیں کیں کہ کوئی پاؤں ٹکانیکی جگہ ممالک مشرق میں مل جائے مگر کسی طرح کامیابی نہوسکی۔ آخرکار فرانس کے زبردست وزیر سلطنت کالبرٹ نے جو فرانسیسی بیڑے اور فرانسیسی بندرگاہوں کا بانی تھا اس معاملے کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا اور فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنا ڈالی۔ پہلا کارنامہ اس کمپنی کا مڈرگاسکر کا قبضہ تھا مگر بعد میں اس جزیرے کو اسلیئے چھوڑ دیا گیا کہ یہاں کی آب و ہوا بالکل ناموافق تھی اور یہاں کے اصلی باشندے سخت ناسازگار تھے چنانچہ فرانسیسی کمپنی نے غیرآباد جزیرۂ بوربن پر قبضہ کرکے اُسکے قرب ہی میں ایک بڑے جزیرۂ ماریشس پر قبضہ کر لیا۔ اپریل ۱۶۷۴ء میں سب سے پہلے مستعمرین (Colonists) میں سے ایک زبردست سرگرمیوں اور قابلیت والے آدمی مسمی مارٹن نے ساحل کورومنڈل پر ایک دیسی رئیس سے کچھ اراضی بطور عطیہ کے حاصل کی اور شہر پانڈیچری کی بنا ڈالی جسکو مستحکم کرنیکی بھی اُسکو رئیس مذکور نے اجازت دیدی۔ اسکے تین سال بعد اس شہر کو سیواجی نے اپنی جنوبی مہمات کے سلسلے میں دھمکی دی مگر مارٹن کے توڑ جوڑ سے یہ شہر بچ رہا۔ آخرکار یورپ میں ہالینڈ اور فرانس میں اعلان جنگ ہوگیا اور چونکہ ولندیزیوں کو پانڈیچری کی روز افزوں ترقی پر پہلے سے ہی رشک تھا اسلیئے انھوں نے اُنیس مسلح جہاز اسپر حملہ کرنیکو بھیجدیئے۔ مجبور ہوکر مارٹن کو قلعہ سپرد کر دینا پڑا اور سواحل ہند پر فرانسیسی مملکت قایم کرنیکی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تھا مگر چار سال بعد صلحنامہ رزویک کی رو سے پانڈیچری پھر فرانسیسیوں کے قبضے میں آگیا جسکو ولندیزیوں نے

باب اول فصل اول

معراج کمال تک پہنچ چکی تھی اُنکے مقابلے میں ایک اور یوروپین ہمچشم کھڑا ہوا جسنے اُنکا مقابلہ کرکے اُنکے قدم اکھیڑ دیئے۔ ہالینڈ نے اسپین کی حکومت کا جوا کندھے سے اُتارتے ہی بحری کارناموں میں غیر معمولی جوش اور حوصلہ مندی کے ساتھ قدم رکھا۔ سنہ ۱۵۹۶ء میں ولندیزیوں نے راس امید کے گرد ہوکر ممالک مشرق میں جانیکے لیئے ایک بحری ہم بھیجی جو گرم مصالحہ اور دیگر قیمتی مال تجارت سے لدی ہوئی واپس آئی اور اس سے اُنکے تجارتی جوش میں ایسا غیر معمولی ہیجان پیدا ہوگیا کہ پانچ سال کے اندر چار سے چھ سو ٹن وزن کے چھوٹے موٹے چالیس جہاز اس تجارت میں مصروف ہوگئے۔ ولندیزیوں نے رفتہ رفتہ جزائر تیز بو (Spice Islands) ملکا۔ اور سیلون کو پرتگالیوں کے ہاتھ سے چھین لیا لیکن یہ تسخیر بغیر نہایت سخت خونریزی کے عمل میں نہ آسکی۔ اسکے بعد ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی شرکت شاہ ایران نے کرکے ایک متحدہ بحری ہم تیار کی جسنے پرتگالیوں کو ارمزسے بھی نکال باہر کیا اور واسکوڈی گاما کے ہندوستان پہنچنے سے ڈیڑھ سو سال کے اندر پرتگال کے تمام مشرقی مقبوضات میں سے صرف گوا۔ مزبیق اور مکاؤ پرتگالیوں کے پاس باقی رہگئے۔ ولندیزیوں کی تجارت زیادہ تر مجمع الجزائر مشرقی کی طرف محدود رہی۔ خاص اقلیم ہند میں اُنکے پاس سوائے چند تجارت گاہوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

مرہٹوں سے صلح کرلی اور اُسکو مرہٹہ سرداروں نے بغیر شاہ دہلی کی منظوری کے یا شہنشاہ کے دکنی عامل نواب نظام الملک کے استصواب کے نواب کرناٹک بنا دیا۔ صفدر جنگ کا خاندان بھی پانڈیچری سے چلا گیا مگر چندا صاحب کا خاندان اب بھی فرانسیسی فصیلونکی پناہ میں رہا۔ راگھوجی بھونسلا کے ہاتھ سے یہ دوسری سونیکی چڑیا نکلی جاتی تھی اسلیئے اُسنے سولہ ہزار فوج اسلیئے بھیجی کہ چندا صاحب کے خاندان کی حوالگی اور ساٹھ لاکھ روپیہ جرمانے کا مطالبہ ڈیوما سے کرے۔ ڈیوما نے بھی بارہ سو فرانسیسیوں اور چار پانچہزار دیسی سپاہیوں کی ایک فوج مرتب کر رکھی تھی۔ اُسنے مرہٹہ سفیر کا بڑی عز و شان کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اُسکو اپنے تمام ذخائر حرب اور سلح خانے دکھائے اور فوج کو اُسکے سامنے قواعد کراکر دکھایا اور اُس سے نہایت اخلاق سے یہ کہا کہ اپنے آقا کو بعد سلام کے یہ پیام پہنچا دینا کہ جب تک ایک فرانسیسی بھی زندہ ہے اُس وقت تک سپر افگنی کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ ڈیوما کے اس استقلال و تمکین نے اور قلعے کے وافر وسائل نے راگھوجی کے دل پر بہت گہرا اثر کیا لیکن اصل میدان جسنے جیتا وہ فرانسیسی سنگین نہیں تھا بلکہ فرانسیسی شراب تھی۔ ڈیوما نے مرہٹہ سفیر کے ہاتھ بطور سوغات کے کچھ فرانسیسی شرابیں راگھوجی کے لیئے بھیجدی تھیں۔ راگھوجی نے اپنی بیوی کو دیں اور وہ اُنکو پی کر ایسی مسرور ہوئی کہ اُسنے مزید فرمائش کی۔ کچھ تو محبوبہ بیوی کی فرمائش کی تعمیل کا خیال اور کچھ ایک مستحکم یوروپین قلعے کی قواعد داں یوروپین فوج سے مقابلہ کرنیکا پس و پیش غرض دونوں نے ملکر پانڈیچری کا حملہ ملتوی کرا دیا اور کچھ اس قسم کا نامہ و پیام شروع ہوا جس کے آخر میں مرہٹہ فوجیں وہاں سے ہٹ کر چلی گئیں۔ ہندوستان کے دوسرے رئیسوں نے ڈیوما کو زبردست مرہٹوں کے مقابلے میں اس طرح اڑکر جیت جانے پر مبارکبادیاں دیں اور شہنشاہ دہلی نے ڈیوما اور اوسکے جانشینوں کے لیئے نواب کا خطاب عطا کیا اور ساڑھے چار ہزاری کے منصب سے بھی سرفراز فرمایا۔

(صفحہ)

ڈیوپلے کی سرگرمیاں

ڈیوما کی جگہ ڈیوپلے گورنر پانڈیچری ہوکر آیا۔ یہ غیر معمولی قابلیت کا آدمی تھا اور فرانسیسی ہند کی تاریخ میں سربرآوردہ ترین مدبر اسیکو سمجھا جاسکتا ہے۔ ڈیوپلے اپنی ذاتی تجارت میں خوب دولت پیدا کرچکا تھا

باب اول
فصل دوم

نہایت مستحکم کر کے ہندوستان کے ناقابل تسخیر قلعہ جات کے ذیل میں شامل کر دیا تھا۔ مارٹن نے پھر قبضہ پاتے ہی قلعے کے استحکام کو اور بھی زبردست کر دیا اور عام و خاص کے ساتھ اس قدر تواضع اور ایسی ایمانداری و صفائی کا برتاؤ کرنا شروع کیا کہ ہندوستانی نوآبادکار یہاں آ آ کر کثرت سے آباد ہونے لگے اور ۲۲ سال پہلے جس شہر کی بنا مارٹن نے صرف چھ یوروپین مستعمرین کے ساتھ ڈالی تھی وہ مارٹن کے انتقال کے وقت چالیس ہزار کا ایک شاندار اور پر رونق شہر بنگیا تھا۔ فرنچ کمپنی کا پٹہ ۱۷۱۹ء میں منسوخ ہوگیا اور یہ کمپنی بھی اُن جنوبی سمندر کے منصوبوں میں ہضم ہوگئی جو مسی سیپی کے متعلق ایم لاوزیر مالیہ فرانس نے تجویز کیے تھے۔ ایم لا نے اپنے جنوبی سمندر کے منصوبوں کو پامال ہوتے دیکھکر ایسٹ انڈیا کمپنی کو پھر انجمن تجارت کے نام سے زندہ کر دیا اور شہر پانڈیچری کی رونق جو کمپنی کے لوٹ جانے پر ماند ہوتی چلی تھی پھر اپنی اصلی آب و تاب پر آنے لگی اور جو گورنر وہاں آتے رہے اُنکی جدت پسند طبیعتوں نے اسمیں اور چار چاند لگائے کیونکہ وہ سب ایسے ہی آئے جو مشرقی ٹھاٹ باٹ دیسی رئیسوں سے کسی طرح کم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

(صفحہ ۱۱۳)

ڈیوما۔ گورنر پانڈیچری

ایم ڈیوما ۱۷۳۵ء میں پانڈیچری کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اسمیں اپنی فطری مستعدی کے ساتھ تواضع کی قابلیت بھی ایسی تھی جو ہندوستان کے یوروپین طبقے میں بہت کم نظر آتی ہے اس وجہ سے ہندوستان کے رئیس و رعایا سب خواہ مخواہ اسکی طرف کھچتے تھے۔ اسی زمانے میں راگھو جی بھونسلا راجۂ برار نے پچاس ہزار مرہٹہ سپاہ سے اس ملک پر یورش کی اور دوست علی نواب کرناٹک نے اُسکا راستہ روکنے کے لئے اُسکا مقابلہ کیا مگر شکست کھاکر سر میدان کام آگیا۔ اُسکے بیٹے صفدر جنگ اور داماد چندا صاحب نے ڈیوما سے استدعا کی کہ انہیں پانڈیچری میں پناہ دیجائے جو اُس زمانے میں ساحل کا مستحکم ترین قلعہ تھا۔ ڈیوما نے ان پناہگزینوں کا سرکاری طور سے استقبال کیا اور شاہی سلامی کے ساتھ دونوں شہزادوں کو معہ اُنکے رفقا کے لیکر اپنے سواروں اور پیدلوں کے جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد صفدر جنگ نے ایک کرور کا وعدہ کر کے

باب اول
فصل دوم

اُسی زمانے میں نواب کرناٹک نواب نظام الملک کی طرف سے مقرر کیا ہوا ایک شخص انور الدین تھا
اُسکو ڈیوپلے نے اس بات پر راضی کیا کہ وہ مدراس کے گورنر کو ایسا حکم دے
کہ فرانسیسی قلعے پر ہر قسم کی مجارحت سے انگریز لوگ محترز رہیں اور اُس وقت
پریزیڈنٹ مدراس نے بھی اس حکم کی تعمیل میں ہی مصلحت سمجھی۔ اسکے ساتھ ہی
ڈیوپلے کی تشویش اس سے اور کم ہوگئی کہ لیبرڈونالے ایک زبردست
فرانسیسی بیڑہ لیکر آپہنچا۔ لیبرڈونالے عدیم النظیر حوصلہ مندی کا آدمی تھا (صفحہ ۱۷۵)
اور اُسنے اپنی مستعدی اور انتظامی قابلیت سے اپنی گورنری ملریشیس
اور بوربن کے زمانے میں اُن جزیروں کو نہایت رونق و خوشحالی کے درجے تک
پہنچا دیا تھا۔ جس وقت لیبرڈونالے گورنر ہوکر پہنچا تھا تو اُسنے ماریشس کے
بڑے حصے کو گنجان اور دشوار گزار جھاڑی سے اٹا ہوا پایا تھا اور ایک نہایت نحیف الجثہ
وتن آساں قوم وہاں آباد تھی۔ تھوڑے ہی دن میں اُسی ماریشس میں مخازن۔
سلح خانے۔ فوجی قیامگاہیں اور قلعے تعمیر ہوگئے۔ پن چکیاں۔ گھاٹ اور نہریں بنگئیں
اور اس نوآبادی کو فرانسیسی قومی کارناموں میں وہ اہمیت حاصل ہوگئی جو ستر سال تک
برابر قائم رہی۔ لیکن لیبرڈونلے کی تمام شاندار قابلیتوں کی قدر و قیمت اُس کے
کبر و نخوت کے آگے خاک میں ملی ہوئی تھی۔ مختصر یہ کہ لیبرڈونالے کے سواحل ہند پر
پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد انگریزی اور فرانسیسی بیڑے برسر مقابلہ آگئے۔

نتیجۂ آویزش

ہندوستان میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی آویزش جو ۱۷۴۶ء کے
اس بحری معرکے سے شروع ہوئی موجودہ تاریخ ہند کے اہم ترین واقعات میں
شمار ہونیکے قابل ہے۔ اب تک جو خال خال مستعمرات سواحل کورومنڈل پر واقع تھیں
وہ اپنے پُرامن تجارتی مشاغل سے کام رکھتی تھیں اور اندرون ملک کے انقلاب حکومت
یا سلطنتوں کے عروج و زوال سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ بلکہ اس وقت تک
یہ حالت رہی تھی کہ اکثر یورپ میں انگلستان و فرانس برسر جنگ رہے اور اُن کی
ہندوستانی مستعمرات امن کی حالت میں ایک دوسرے کے پاس پاس قایم رہیں لیکن
اُس وقت تماشہ گاہ کا ایک نیا پردہ اُٹھ گیا تھا۔ دونوں کمپنیوں کے گورنر ایکدوسرے کے
ساتھ آویزش میں مصروف ہوگئے تھے۔ اپنی ضروریات کے لئے ہندوستانی تلنگے

باب اول
فصل دوم

اُسکے بعد وہ چندر نگر کا مہتمم بناکر بھیجا گیا تھا جہانکہ دریائے ہگلی کے کنارے پر ۱۶۷۶ء میں ایک فرانسیسی تجارتگاہ قایم کیگئی تھی۔ قیام کے وقت سے اس تجارتگاہ کو کبھی فروغ نہیں ہوا تھا اور کلکتے کی انگریزی تجارتگاہ برابر دولت و اہمیت میں ترقی کرتی چلی جارہی تھی لیکن ڈیوپلے کی قوت تخلیق نے دس سال کے عرصے میں چندر نگر کو بنگال کی متمول ترین تجارتگاہ بنادیا۔ جس وقت اس شہر کا اہتمام ڈیوپلے نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے تو بندرگاہ میں معمولی درجے کے آدھے درجن تجارتی جہاز کھڑے دکھائی دیتے تھے مگر جس وقت وہ گورنر پانڈیچری ہوکر وہاں سے روانہ ہورہا تھا تو اُسی چندر نگر میں جدہ۔ مکہ و بصرہ اور چین کے ساتھ تجارت کرنیوالے ستر سے زائد جہاز موجود تھے۔ اُسنے اندرون ملک کی بڑی بڑی منڈیوں میں اپنے آڑھتیئے مقرر کردئے تھے اور اپنے کاروبار کو تبت تک پھیلا دیا تھا۔ چندر نگر کے گرد ڈیوپلے نے استحکامات تعمیر کرادئے اور شہر میں دو ہزار نیئے مکانات اُسکی امداد سے بنگئے تھے۔ اکتوبر ۱۷۴۱ء میں ڈیوپلے کو گورنر پانڈیچری مقرر کیا گیا اور چونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ ممالک مشرق میں ظاہری شان و شوکت پر تمام سیاسی قوت کا دارمدار ہے اسلیئے اُسنے اس قدر شان و شوکت کا انداز قایم کیا اور سلطنت مغلیہ کے ایک نواب کی حیثیت سے ایسے آن بان کے آداب اپنے دربار کے مقرر کیئے کہ جس سے دکن کی رعایا اور امرا کی آنکھیں خیرہ ہوکر رہگئیں اور فرانسیسی عظمت و اقتدار کا گہرا نقش اُنکے دلوں پر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اُسنے قلعے کے استحکام پر توجہ کی لیکن ابھی وہ اسکو اتمام تک نہیں پہنچا چکا تھا کہ اُسے کمپنی کے مہتممین نے اطلاع دی کہ انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی ہے اور صورت حالات یہ ہے کہ فرانسیسی گورنمنٹ اس وقت پانڈیچری کی حفاظت کے لیئے روپیہ یا سامان حرب یا فوج کی امداد نہیں دے سکتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی اُسکے پاس یہ خبر بھی آئی کہ انگلستان سے ایک زبردست بیڑہ ہندوستان کو روانہ ہونیوالا ہے دراں حالیکہ ڈیوپلے اس وقت میں صرف ۴۳۶ فرانسیسی سپاہی میدان میں لاسکتا تھا اور اُسکے تصرف میں صرف ایک جنگی جہاز تھا۔ اس نازک وقت پر اُسنے دیسی رئیسوں سے امداد طلب کرنیکا عزم کیا جنکے ساتھ اُسکے پیشرو گورنروں نے بڑے اہتمام کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہمیشہ قایم رکھے تھے۔

وہاں کام آچکا تھا۔ ڈیوپلے نے فوراً اپنی فتح کی خبر کا تمام ہندوستان میں ڈنکا بجوادیا اور اُسکے پاس نواب آرکاٹ نواب نظام الملک بلکہ شہنشاہ دہلی کے پاس سے مبارکبادیاں آگئیں۔ اس واقعے کے بعد ہی ۱۷۴۹ء میں یورپ کے صلحنامۂ ایزلاشیپل نے جنگ انگلستان و فرانس کا خاتمہ کردیا اور مدراس انگریز مستعمرین کو واپس دلادیا۔ ڈیوپلے کی قسمت میں یہ داغ لکھا تھا کہ اُسنے اپنے قابل نفرت رقیبوں کو پھر اُنکے مقبوضات پر بحال ہوتے دیکھ لیا ۞

فصل سوم

صلحنامۂ ایزلاشیپل سے ۱۷۵۶ء تک

انگریزوں کا تنجور پر حملہ

یہ امید کی جاسکتی تھی کہ صلحنامۂ ایزلاشیپل کے بعد انگریز اور فرانسیسی شمشیر مخاصمت کو نیام میں رکھ لینگے اور اپنے پُرامن تجارتی مشاغل کی طرف رجوع ہوجائینگے لیکن بقول مشہور مورخ اُورمی کے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دونوں قومیں جنکے تحت تصرف میں اُس وقت بڑی بڑی فوجیں تھیں اور جنکو باہمی جنگبازی کی اجازت بھی نہیں تھی اب اس پر اُتر آئیں کہ دیسی رئیسوں کی باہمی آویزشوں میں اپنی فوجوں کو کام میں لانے لگیں جنمیں انگریزوں نے بالکل عقل و خرد کو بالائے طاق رکھدیا تھا اور فرانسیسیوں نے اپنے تئیں حرص و آز کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ انگریزوں نے اسکی مثال پہلے قایم کی۔ انکو ساحل پر کچھ علاقہ حاصل کرنیکی بڑی آرزو تھی۔ ساہوجی کو تنجور کے تخت سے اُتار دیا گیا تھا۔ اُسنے انگریزوں سے اپنی بازبحالی میں امداد مانگی اور شہر دیبی کوٹہ اور اُسکے مضافات معاوضے میں دینے کا وعدہ کیا۔ انگریزوں نے یہ سودا کرلیا اور میجر لارنس کی سرکردگی میں ڈیڑھ ہزار فوج بھیجدی جسنے ایک طویل اور بے ڈھنگے محاصرے کے بعد تنجور کو فتح کرلیا۔ لیکن میجر لارنس نے دیکھا کہ ساہوجی سے مخلوق سخت بیزار ہے اور کوئی امید ایسی نہیں کہ وہ اُسکی بازبحالی کو پسند کرے اسلیئے وہ مدراس آیا اور پریزیڈنٹ کو مشورہ دیا کہ موجودہ رئیس مسمی پرتاب سنگھ سے کچھ معاملہ طے کرلیا جائے ۞

دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ۴۔ نومبر ۱۷۴۶ء کو فرانسیسی دستے کے قائد کے ساتھ اگرچہ کوئی توپیں نہیں تھیں مگر اُسنے کرناٹک کی فوج پر ایسے جوش وخروش کے ساتھ حملہ کیا کہ نواب کا بیٹا جو ایک بڑے اونچے ہاتھی پر عَلَم اپنے ساتھ لئے بیٹھا تھا سب سے پہلے میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اُسکا بھاگنا تھا کہ پیچھے ہی پیچھے اُسکے دس ہزار قدم باز بھی سر پر پاؤں رکھکر چلے اور جب تک ارکاٹ کی فصیلیں اُنکی نظر کے سامنے نہ آگئیں تب تک اُنھوں نے کہیں دم نہیں لیا۔ یہہ آویزش اگرچہ دوسری آویزشوں کے مقابلے میں بہت مختصر تھی مگر اپنے نتائج کے اعتبار سے ہندوستان کے سب سے اہم اور فیصلہ کن معرکوں میں شمار ہونیکے قابل ہے کیونکہ اس معرکے سے یورپین مستعمرین کو پہلی مرتبہ اپنی قوت پر اعتماد پیدا ہو گیا اور ہندوستانی رئیسوں کے سر سے اہل یورپ کے مقابلے میں جنگبازی کی تمام ہوا نکل گئی۔ اسنے اہل یورپ کو یہہ سبق دیدیا کہ اپنی قلت تعداد کی کبھی پروا نہیں کیا کریں خواہ دشمن کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہو اور اسنے وہ طلسم بالکل شکست کر دیا جسکے اثر سے اب تک دیسی رئیسوں کی قوت کے سامنے اہل یورپ مسخر ہو رہے تھے۔

محاصرۂ پانڈیچری

فرانسیسیوں کی اس کامیابی نے فوراً نواب کو رُخ بدل دینے پر آمادہ کر دیا۔ اسوقت انگریزوں کے پاس ساحل پر صرف ایک مقبوضہ موسوم فورٹ سینٹ ڈیوڈ رہگیا تھا اور ڈیوپلے نے ۱۷۴۶ء میں اسپر بھی ایک مہم بھیجی۔ لیکن اسکی حفاظت انگریزی قوم کے سب سے پہلے مردان میدان ہند میں سے ایک بہادر میجر لارنیس کے ہاتھ میں تھی اور اُسنے وہ شاندار مدافعت کی کہ فرانسیسیوں کو چار ناکام حملوں کے بعد پسپائی پر مجبور ہو جانا پڑا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد انگریزی امیر البحر ایک زبردست بیڑے اور بڑی فوج کے ساتھ ساحل پر آکر لنگر زن ہوا اور یہ طے کیا گیا کہ بطور انتقامی کارروائی کے پانڈیچری کو تسخیر کیا جائے۔ بدقسمتی سے امیر البحر نے محاصرے کا اہتمام اپنے ہی ہاتھ میں رکھا لیکن چونکہ وہ فن حرب سے بالکل نابلد تھا اور کسیکے مشورے پر بھی کبھی عمل نہیں کرتا تھا اسلئے اُسکو نہایت ذلیل ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اُسنے ۱۷۴۸ء میں چار ہزار گورہ فوج کے ساتھ پچاس دن تک پانڈیچری کا محاصرہ قایم رکھا۔ باوجودیکہ اتنی بڑی گورہ فوج سے ہندوستان میں کبھی کام نہیں لیا گیا ہوگا مگر اس محاصرے کو مجبور ہو کر اُس وقت اٹھا دینا پڑا جبکہ چوتھائی حصہ انگریزی فوج کا

باب اول
فصل سوم

محمد علی بھاگ کر ترچناپلی میں پناہ گزیں ہوگیا جہاں سرکاری خزانہ بھی تھا۔ دوسرے دن مظفر جنگ بڑھتا چلا گیا اور ارکاٹ پر قبضہ کرلیا اور صوبیدار دکن کا لقب ضابطے کے مراسم کے ساتھ اختیار کیا اور کرناٹک کی حکومت چندا صاحب کو تفویض کردی۔ اسکے بعد مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں پانڈیچری گئے جہاں ڈیوپلے نے مشرقی شان و شوکت کے ساتھ اُنکا استقبال کیا اور مظفر جنگ نے اس امداد کے صلے میں ۸۱ مواضعات ڈیوپلے کو نذر کیئے۔

انگریز اور محمد علی

محمد علی نے جب دیکھا کہ وہ فاتحین کے مقابلے میں ترچناپلی پر قبضہ قایم نہیں رکھ سکتا ہے تو اُسنے پریزیڈنٹ مدراس سے امداد طلب کی جسنے ایکسو بیس سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ بھیجدیا۔ یہ ایک حقیر سی کوشش تھی مگر اسکا ایک اہم اثر یہ ہوا کہ انگریز لوگ محمد علی کے طرفدار بنگئے اور آئندہ کیلئے فرانسیسی اقتدار کا ردعمل کرنیکے لیئے انگریزوں نے اسکو قومی عزت کا معاملہ سمجھ لیا کہ برابر محمد علی کی طرفداری کیئے جائیں۔ اسی اثنا میں ناصر جنگ نے تین لاکھ سپاہ فراہم کی جسمیں نصف تعداد سواروں کی تھی اور یہ سپاہ معہ آٹھ سو ضرب اتواپ کے چندا صاحب اور مظفر جنگ کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ پانڈیچری سے پندرہ میل مقام والدا پر میجر لارنس بھی چھ سو گورہ فوج کے ساتھ ناصر جنگ کا شریک ہوگیا ادھر ڈیوپلے نے مظفر جنگ کی امداد کے لیئے فرانسیسی سپاہ کی تعداد کو بڑھا کر دو ہزار کردیا (صفحہ ۱۲۰) لیکن ٹھیک لڑائی چھڑنیکے وقت تیرہ فرانسیسی افسروں نے لڑنے سے انکار کردیا اور فوج کی اخلاقی حالت بالکل پست ہوگئی اور وہ سب کے سب سر پر پاؤں رکھکر پانڈیچری کو بھاگتے ہوئے نظر آئے چندا صاحب بھی اس پسپائی میں شریک ہوگیا لیکن مظفر جنگ نے اپنے ماموں کی قسموں پر بھروسہ کرکے اپنے تئیں اُسکے قدموں پر ڈالدیا اور ناصر جنگ اُسے پابزنجیر کرکے اپنے ساتھ لیگیا۔ ناصر جنگ نے محمد علی کو نواب کرناٹک بھی مقرر کردیا۔ اس ضرب سے ڈیوپلے کے تمام منصوبوں کا بالکل خاتمہ ہوتا ہوا نظر آنے لگا مگر اسکی آفرین کار طبیعت اُس وقت سے بہتر کسی شان میں پہلے نہیں ظاہر ہوئی ہوگی اُسنے ناصر جنگ سے تعلقات قایم کرنیکے لیئے سفرا روانہ کیئے اور اُنکے ذریعے سے اُسکو یہ علم ہوگیا کہ ناصر جنگ کے تین پٹھان باجگذار یعنے والیان کرنول۔ کڈاپا۔ اور سوا نور ناصر جنگ کی حرکتوں سے ناراض ہوکر بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔ ڈیوپلے نے ان رئیسوں سے نامہ و پیام شروع کیا اور ناصر جنگ پر رعب طاری کرکے اپنی شرائط منوا لینے کی غرض سے ایک فوجی مہم مسولی پٹم پر بھیجدی جسنے خاص شہر اور اُسکے مضافات پر قبضہ کرلیا

بسی کا جنجی کو تسخیر کرلینا

فرانسیسی جرنیل بسی نے محمد علی کی فوج پر حملہ کرکے اُسے سخت شکست دی اور اُسکا باقی حصہ بھاگ کر قلعۂ جنجی میں پناہ گزیں ہوگیا۔ بسی نے فوراً اس قلعے کا محاصرہ کرلیا اور

باب اول
فصل سوم

ڈیوپلے کی حوصلہ مندیاں | مگر ڈیوپلے کا مطمح نظر اس سے بالاتر تھا کہ وہ ساحل پر کسی حقیر سے شہر یا اُسکے چند میل کے معمولی مضافات کے حصول پر قانع ہو جائے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ اکیلی ایک بٹالین نے جسمیں کچھ حصہ یورپین سپاہیوں کا تھا اپنے سے دس گُنی خالص دیسی فوج کو بھیڑ بکریوں کی طرح آگے دھر لیا تھا۔ اس نئی فوجی قوت کے عروج نے دیسی رئیسوں پر ایک رُعب طاری کر دیا تھا اور ڈیوپلے نے اُس زمانے کے ہیجان اور باہمی رقابت و مخاصمت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں ایک فرانسیسی سلطنت کی بنا ڈالنے کا عزم کر لیا تھا۔ چندا صاحب دکن کا سب سے حوصلہ مند رئیس اپنے خاص مقبوضہ ترچناپلی سے بیدخل کر دیا گیا تھا اور مرہٹے اُسے قید کر کے ستارا لے گئے تھے جہاں وہ سات سال سے پڑا سڑ رہا تھا۔ چندا صاحب کرناٹک میں بہت ہر دلعزیز تھا اور ڈیوپلے نے یہ خیال کیا کہ فرانسیسی سلطنت قایم کرنیکے بلند منصوبوں کو اس سے بہت کچھ امداد ملیگی کہ انوارالدین کی جگہ جسکی حکومت کی طرف سے نفرت بھی بہت بڑھ گئی تھی چندا صاحب کو نواب کرناٹک بنا دیا جائے۔ چنانچہ سات لاکھ روپیہ فدیہ دیکر اُسنے چندا صاحب کو خلاصی دلائی۔ چندا صاحب نے نہایت سُرعت کے ساتھ فوج جمع کر لی اور کرناٹک کی سرحد کی طرف پیشقدمی کر دی ؎

(صفحہ ۱۱۹)

نوابنظام الملک کی وفات | اُسی زمانے میں بانئی سلطنت حیدر آباد یعنے نوابنظام الملک صوبیدار دکن کا بڑھاپے کی عمر میں انتقال ہو گیا اور دکن کے معاملات میں یکایک ابتری پھیل گئی جس سے فرانسیسی گورنر کے حریصانہ منصوبوں کے لیئے بڑی آسانیاں پیدا ہو جانیکی صورت نظر آنے لگی۔ نوابنظام الملک کے پانچوں بیٹوں میں ناصر جنگ ایسا تھا جو اکثر اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا مگر اتفاق سے وہی نوابنظام الملک کی وفات کے وقت انکے پاس تھا اسلیئے اُسنے فوراً خزانے پر قبضہ کر کے اعیان ریاست کو چاندی کی جوتی سے اپنا اطاعت شعار بنا لیا اور اپنی صوبیداری دکن کا اعلان کر دیا۔ لیکن نوابنظام الملک کا ایک نواسا مظفر جنگ تھا جسکو نوابنظام الملک نے اپنا ولیعہد بنایا تھا اور جسکی تخت نشینی کے لیئے خصوصی شاہنشاہ دہلی سے فرمان بھی حاصل کر لیا تھا۔ مظفر جنگ نے اپنے حقوق بزور شمشیر ثابت کرنیکے لیئے بہ تعجیل تمام سپاہ جمع کرنی شروع کر دی اور چندا صاحب بھی اس وعدے پر اُسکا شریک ہو گیا کہ بعد کامیابی نواب کرناٹک تسلیم کر لیا جائیگا۔ فرانسیسیوں نے فوراً مظفر جنگ کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور قابلترین فرانسیسی جنرل بسی کی سرکردگی میں ایک فوج بھی روانہ کر دی ؎

انوارالدین کی وفات | متحدہ افواج کا مقام امبور پر انوارالدین نے اول مقابلہ کیا جسمیں کرناٹک کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور انوارالدین میدان جنگ میں کام آگیا۔ انوارالدین کا بیٹا

باب اول
فصل سوم

کرشنا اور راس کماری کے تمام درمیانی علاقے کی گورنری باضابطہ عطا کر دی گئی۔ اسکے بعد ڈیوپلے نے چندا صاحب کو صوبیدار کے حضور میں پیش کیا اور یہ درخواست کی کہ نوابی کرناٹک کے منصب و اعزاز سے چندا صاحب کو سرفراز فرمایا جائے۔ اب چونکہ مظفر جنگ کو اپنے دار الحکومت کی طرف مراجعت کرنیکی جلدی تھی اسلیئے اُسنے ڈیوپلے سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ فرانسیسی فوج بطور بدرقے کے اُسکے ساتھ کر دی جائے چنانچہ جنرل بسی کو مع تین سو فرانسیسی اور تین ہزار قواعد داں ہندوستانی سپاہیوں کے مظفر جنگ کی ہمرکابی میں بھیجدیا گیا۔ ۱۷- جنوری ۱۷۵۱ء کو پانڈیچری سے شاہی ٹانڈا لدگیا لیکن اُسکے تین ہی ہفتے کے اندر تینوں رئیس جنھوں نے ناصر جنگ سے بغاوت کی تھی اب مظفر جنگ سے باغی ہوگئے۔ بسی نے اُنکی فوجوں کو بہت جلد منتشر کر دیا لیکن مظفر جنگ نے بسی کے مشورے پر عمل نکر کے مفرورین کا تعاقب شروع کر دیا اور اسی تعاقب کے سلسلے میں نواب کرنول کے نیزے نے مظفر جنگ کا کام تمام کر دیا۔ اس سے تمام حیدر آبادی لشکر میں فوراً ابتری پھیل گئی مگر بسی کے حواس برجا رہے اور اُسنے وزرا اور دیگر عیان سلطنت کو جمع کیا اور اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لاکر اُنھیں یہ مشورہ دیا کہ ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کو محبس سے نکال کر فوراً صوبیداری کے خالی منصب کو پُر کر دیں چنانچہ صلابت جنگ کو فوراً قیدخانے سے نکال کر تین کروڑ رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا گیا۔ اسکے بعد لشکر نے وہاں سے ترتیب کے ساتھ کوچ کیا اور دار الحکومت اورنگ آباد کو پہنچگیا۔ ڈیوپلے کے حوصلے اب بدرجۂ اتم پورے ہو چکے تھے اور فرانسیسیوں کی قوت معراج کمال تک پہنچ چکی تھی۔ صوبیدار کی حکومت کہنے کو تمام شمالی دکن پر تھی مگر در اصل قوت حکمرانی فرانسیسی سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی جسکا بول سب پر بالا تھا۔ جنوب میں تمام علاقہ جو دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع تھا ڈیوپلے کے زیر نگین تھا اور اُس علاقے کے تمام وسائل ڈیوپلے کے تحت تصرف تھے۔

(صفحہ ۱۳۲)

کلائیو

اب ہم کرناٹک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جہاں فرانسیسی اور انگریز ترچنا پلی پر قبضہ حاصل کرنیکے لیئے چار سال سے دست و گریباں ہو رہے تھے کیونکہ اس قلعے کو وہ اس ملک کے قبضے کے لیئے نہایت اہم سمجھتے تھے۔ اس وقت قلعے پر محمد علی کا قبضہ تھا جسکے ساتھ چھوٹی سی انگریزی فوج بھی تھی اور ڈیوپلے نے چندا صاحب کی شرکت سے ایک زبردست دستۂ فوج اس قلعے کی تسخیر کے لیئے جنرل لا کی سرکردگی میں بھیجا جو فرانس کے مشہور مشیر مالیہ ایم لا کا بھتیجا تھا۔ یہ موقع تھا جبکہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کے بانی مسمی کلائیو کی حربی قابلیت کا پہلی مرتبہ اظہار ہوا۔ کلائیو ایک غیر سرکاری دیہاتی شریف خاندان کا بیٹا تھا جو کمپنی کے صیغۂ اہل قلم سے متعلق ہو کر ۱۷۴۴ء میں ہندوستان آیا تھا۔ دو سال بعد وہ

باب اول
فصل سوم

فرانسیسی فوجوں کے اس قلعے کے سامنے نمودار ہونے سے چوبیس گھنٹے کے اندر فرانسیسی جھنڈا اس قلعے پر اُڑا دیا گیا حالانکہ اورنگ زیب کو اسی قلعے کا محاصرہ نو سال تک قائم رکھنا پڑا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ یورپین سپاہ نے ایسے قلعے پر حملہ کیا تھا جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور اس کامیابی نے اہل دکن کے دل ٹھا دیئے اور اُنھیں یقین کامل ہو گیا کہ یورپ کی شجاعت کے سامنے کوئی مقاومت یا مدافعت نہیں چل سکتی ہے

بسی کا ناصر جنگ کو شکست دینا

ناصر جنگ پر ان کارگزاریوں سے ایسا رعب چھایا کہ اُسنے بہ تعجیل تمام ڈوپلے کے تمام مطالبات کو منظور کر لیا جو یہ تھے کہ مسولی پٹم کے دونوں ضلعے ڈوپلے کو حوالے کر دئے جائیں۔ مظفر جنگ کو رہا کر دیا جائے اور چندا صاحب کو نواب کرناٹک بنا دیا جائے۔ صوبیدار دکن نے ان شرائط پر ایک معاہدہ ڈوپلے کے ساتھ طے کر لیا لیکن بسی نے اس سے پہلے تینوں باغی نوابوں کے ساتھ ایسا کچھ سمجھوتا کر لیا تھا کہ جس وقت وہ اُسے اشارہ دینگے اُسی وقت وہ ناصر جنگ کی فوج پر حملہ کر دیگا۔ ڈوپلے نے ناصر جنگ کو جن شرائط پر راضی کر لیا تھا اُنکی بسی کو خبر نہیں تھی کہ اُدھر سے آمادۂ بغاوت نوابوں نے اُسے حیدرآباد کی فوج پر حملہ کرنیکا ایما کیا۔ چنانچہ بسی تین ہزار ہندوستانی تلنگے اور آٹھ سو فرانسیسی سپاہی لیکر دس توپوں کے ساتھ صوبیدار کی فوج پر حملہ آور ہوا جو اٹھارہ میل کی مسافت کے اندر پھیلی ہوئی تھی اور اُسپر فتح کامل حاصل کی۔ ان واقعات کا مورخ کہتا ہے کہ کارٹے اور پیازو کے زمانے سے اب تک کبھی ایسی چھوٹی سی فوج نے اتنی بڑی سلطنت کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ جسوقت کہ تینوں باغی نوابوں کی فوجیں بھی فرانسیسی فوج سے ملنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھیں ناصر جنگ اپنے گھوڑے کو بڑھا کر رئیس کداپا کے مقابلے میں پہنچا اور اُسکی طرف تھوک کر کہا۔ لا ئے نمکحرام کیا حربہ رکھتا ہے۔ نواب کداپا نے اپنے بدقسمت آقا کے سینے میں پے درپے دو گولیاں رسید کیں اور اُسکا وہیں فیصلہ کر کے اُسکا سر کاٹ لیا اور بطور نذر کے مظفر جنگ کو پیش کیا ؎

(صفحہ ۱۲)

مظفر جنگ صوبیدار دکن

مظفر جنگ اُس وقت لشکر میں قید تھا اور ناصر جنگ نے حکم دیدیا تھا کہ اگر جنگ کا رُخ کچھ پلٹا نظر آئے تو فوراً مظفر جنگ کا سر کاٹ ڈالا جائے لیکن بجائے قتل ہونیکے وہ رہا ہوا اور اُسکی صوبیداری دکن کا اعلان کر دیا گیا۔ اسکے بعد وہ معہ چندا صاحب کے ڈوپلے کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اُنکا معاوضہ کرنے پانڈیچری کو روانہ ہو گیا۔ ڈوپلے نے شاہانہ لباس سے آراستہ ہو کر ان دونوں کا مشرقی شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا۔ ایک مرصع شامیانہ کھڑا کیا گیا جسکے سائے میں دکن کے سورماؤں کی موجودگی میں ڈوپلے نے مظفر جنگ کو صوبیداری کے شاہی لباس سے آراستہ کیا اور سب سے پہلے خود نذر پیش کی اور اُسی وقت صوبیدار دکن کی طرف سے ڈوپلے کو دیا ئے

باب اول
فصل سوم

جسکو پچاس دن تک صرف اُن مٹھی بھر آدمیوں نے برداشت کیا تھا جنکو میدان جنگ میں آنیکا پہلا موقع تھا۔ جس پامردی و استقلال کا اس مدافعت میں اظہار کیا گیا وہ پرانے سرد و گرم چشیدہ سپاہیوں کے شایانِ شان تھی۔ اس بہادر فوج کی سرکردگی ایک ایسے نوجوان قائد کے سپرد تھی جسکو اگرچہ بے لکان سرگرمی اور غیر متزلزل اعتماد ذاتی کے اوصاف ودیعت کیے گئے تھے مگر اب تک نہ اُسنے کوئی کتاب ایسی پڑھی تھی نہ قابل تجربہ کار افسروں سے کوئی تعلیم ایسی حاصل کی تھی جس سے اُسکو فن حرب میں کوئی باقاعدہ معلومات حاصل ہوجاتیں پھر بھی مدافعت ارکاٹ میں جن وسائل سے اُسنے کام لیا وہ ایسے تھے کہ بہترین ماہرانِ حرب بھی اُن سے بہتر نہیں تجویز کر سکتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ انگلستان کے زبردست مدبر پٹ نے بہت سچا خطاب مادرزاد سپہ سالار کا کلائیو کو دیا تھا۔

ترچناپلی پر ترکی بترکی

ارکاٹ سے واپسی کے بعد کلائیو مختلف قسم کی کارگزاریوں میں معروف رہا جن سب میں اُسنے اپنی مستعدی و قابلیت کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا۔ فرانسیسی جب ایک سال تک ترچناپلی کا محاصرہ بے نتیجہ قایم رکھ چکے تو یکایک وہ ایسی مجبوری کی حالت میں آکر پھنس گئے کہ جنرل لا نے خود ہتھیار ڈال دیئے اور تمام خیمے وخرگاہ و ذخائر وغیرہ حوالے کر دیئے۔ محاصرے کے ابتدائی زمانے میں محمد علی نے راجہ تنجور سے اور زبردست مرہٹہ سپہ سالار مراری لال سے امداد طلب کی تھی یہ مراری لال میسور کا مدارالمہام تھا۔ چندا صاحب نے جب اپنے فرانسیسی حمایتیوں کو تنجور اور مرہٹہ فوج کے سامنے ہتھیار ڈالتے دیکھ لیا تو مجبور ہو کر اُسنے اپنے تئیں تنجور سپہ سالار کے سپرد کر دیا مگر سپہ سالار مذکور نے محمد علی کے ایما سے چندا صاحب کو قتل کر ڈالا اور بزدل اور بے دفا جلا دینے محمد علی نے اپنے ہچشم اور اپنے عزیز کے قتل کے تماشے سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا اور اُسکا سر کٹوا کر ایک اونٹ کی گردن میں لٹکوایا اور شہر ترچناپلی کے گرد پانچ چکر اُس اونٹ کو فوجی جلوس کے ساتھ پھروائے۔ محمد علی نے تنجور کے سپہ سالار سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اس امداد کے معاوضے میں قلعۂ ترچناپلی اُسکو دیدیا جائیگا اور میجر لارنس کو اس سودے کی خبر بھی نہیں ہونے دی تھی دراں حالیکہ خود انگریزوں کی نظر میں اس قلعے کی حد سے زائد اہمیت تھی۔

باب اول
فصل سوم

اُس وقت مدراس میں موجود تھا جبکہ مدراس لیبرڈونا کے حوالے کیا گیا تھا مگر وہ کسی ترکیب سے وہاں سے نکل بھاگا اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں آگیا اور یہاں قلم کو بالائے طاق رکھکر اُسنے تلوار ہاتھ میں لی اور قلعے کی مدافعت میں شریک ہوگیا۔ امیر البحر بوسکاوین نے جو ناکام محاصرہ پانڈیچری کا کیا تھا اُسمیں بھی کلائیو شریک تھا اور بعد میں سنہ ۱۷۴۹ء کے معرکۂ دیوی کوٹہ میں شریک پیکار تھا جہاں اُسکی قابلیتوں نے میجر لارنس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیا۔ اُس وقت سنہ ۱۷۵۱ء میں پریزیڈنٹ مدراس نے جو دستہ ترچناپلی کے محصورین کی کمک کے لیئے بھیجا اُسمیں بھی کلائیو موجود تھا اور وہاں اُسنے فطری حربی قابلیت سے یہ محسوس کرلیا کہ جب تک محاصرین کی توجہ دوسری طرف نہ ہٹائی جائیگی تب تک اُنکو تسخیر ترچناپلی سے روک لینا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ مدراس واپس آگیا۔ اور مسٹر سینڈرس پریزیڈنٹ مدراس کو یہ مشورہ دیا کہ ارکاٹ دار الحکومت کرناٹک پر ایک فوجی مہم بھیجی جائے جسکا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ چندا صاحب کی فوج کا بڑا حصہ محاصرہ چھوڑکر ارکاٹ کی حفاظت کے لیئے لانا پڑیگا۔ حسن اتفاق سے پریزیڈنٹ بھی کلائیو کی قابلیتوں کا قائل ہوگیا تھا اسلیئے اُسنے اس تجویز کو منظور کرلیا اور اس مہم کی قیادت بھی کلائیو ہی کے سپرد کردی اور وہ دوسو گورہ سپاہی۔ آٹھ سو تلنگے اور آٹھ ایسے افسر اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوگیا جنمیں سے آدھے تو برابر تجارتی خدمات انجام دیتے رہے تھے اور آدھے نے کبھی لڑائی کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس فوج نے بلا مقاومت ارکاٹ پر قبضہ کرلیا مگر جیسا کہ کلائیو پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا چندا صاحب نے اپنی دس ہزار فوج محاصرے سے ہٹالی اور ارکاٹ پر قبضہ کرنے ادھر چلا آیا۔

کلائیو کی شہرۂ آفاق مدافعت سنہ ۱۷۵۱ء

یہ قلعہ ایک میل کے محیط میں تھا اور اسکی حفاظت کے لیئے محض نیچی اور ہلکی قسم کی فصیل اور بُرجیاں بنی ہوئی تھیں جنمیں سے اکثر بوسیدہ حالت میں تھیں اور خندق بالکل خشک بھی اور جگہ جگہ سے پٹ گئی تھی۔ اس قلعے پر قبضہ کرتے ہی کلائیو فوراً تعمیر استحکامات میں مصروف ہوگیا۔ دوران محاصرے میں اُسکا ایک افسر مارا گیا۔ دو زخمی ہوگئے اور ایک مدراس کو واپس چلا گیا۔ جو فوج کام کے قابل تھی اُسکی تعداد گھٹتے گھٹتے صرف ایکسو بیس گورہ اور دوسو تلنگوں پر آگئی لیکن اسی مٹھی بھر تعداد سے کلائیو نے سات ہفتے تک چندا صاحب کی بیشمار سپاہ کے تابڑ توڑ حملوں کی مدافعت کی جنکی پشت پر ڈھائی سو فرانسیسی بھی تھے۔ آخری حملہ اٹھارہ گھنٹے تک جاری رہا جسکے بعد کلائیو کو یہ دیکھکر بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی کہ دشمن نے اپنا ٹانڈا لادا اور مایوس ہوکر واپسی کی تیاری کرنے لگا۔ بقول مورخ اُورمی کے اس طرح وہ قابل یادگار محاصرہ ختم ہوگیا

(صفحہ ۱۲۳)

اسکے خواہشمند تھے خاص کر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی تو دل سے یہ چاہتی تھی کہ یہ منحوس
صورت حالات کسی طرح اصلاح پکڑلے جسکو پریزیڈنٹ مدراس نے بالکل بجا طور پر
ڈیوپلے کی آز پروری سے منسوب کیا تھا۔ سلطنت فرانس کی مجلس شوریٰ میں ڈیوپلے کی
مخالف ایک جماعت موجود تھی جسکی تعداد قلیل تھی لیکن ۱۷۵۳ء کی فوج کشی کی ناکامیو
سے اس مخالف جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ علاوہ برآں انگلستان کی مجلس شوریٰ
نے فرانسیسی وزارت کے نام واضح اور زوردار الفاظ میں ایک فہمایشی مراسلہ بھیجا
اور بطور مظاہرے کے اُسی فہمایش کے ساتھ امیرالبحر واٹسن کی سرکردگی میں چار جنگی جہاز
معہ ایک پوری بحری رجمنٹ کے بھیجدئے جس سے پیرس کی مجلس شوریٰ کو مجبور ہوکر
اس مسئلے کی طرف بطور خاص توجہ کرنی پڑی اور مجلس موصوفہ نے اپنے ایک رکن مسمیٰ
گوڈیہیو کا تقرر کرکے بھیجا جسکو فرانس کے تمام مشرق مستعمرات پر تمام و کمال ملکی و فوجی اختیارات
تفویض کردئے گئے تھے۔ یہ گوڈیہیو ایک زمانے میں ہندوستان میں فرانسیسی ایسٹ انڈیا
کمپنی کا ملازم رہ چکا تھا اور ڈیوپلے کے ساتھ اسکے تعلقات بڑے دوستانہ رہے تھے
مگر چونکہ سفلہ اور احسان فراموش طبیعت کا آدمی تھا اسلئے اُسنے مجلس شوریٰ سے
یہ اجازت لیلی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ڈیوپلے کو پابجولان کرکے ہندوستان
سے روانہ کرے دراں حالیکہ بظاہر وہ ڈیوپلے کے ساتھ بڑے تپاک اور
محبت کا برتاؤ کررہا تھا۔ بہرحال پانڈیچری پہنچکر گوڈیہیو نے ڈیوپلے کی (صفحہ ۱۲۵)
تباہی و ذلت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ سرکاری حسابات سے ظاہر تھا کہ
پچیس لاکھ روپیہ ڈیوپلے کا ذاتی کمپنی کے ذمے نکلتا تھا کیونکہ اس عہدے پر
آنے سے پہلے جو دولت اُسنے پیدا کی تھی اُسمیں وقتاً فوقتاً وہ حکومت کے
مصارف کے لئے دیتا رہتا تھا لیکن گوڈیہیو نے اس رقم کی واپسی کی اجازت
نہیں دی۔ ڈیوپلے کی یہ عادت تھی کہ وہ ہندوستانی اتحادیوں کو اپنی جیب سے
رقمیں دیدیا کرتا تھا اور اُنکی ادائگی کے لئے بعض اضلاع مکفول کرلیتا تھا یعنے اُنکی
آمدنی سے اپنا مطالبہ وصول کرلیتا تھا مگر گوڈیہیو نے ان اضلاع پر زبردستی قبضہ کرلیا
اور اُنکی آمدنی کمپنی کے حق میں وصول کرنی شروع کردی۔ اس طرح ذلت و فلاکت
کے ساتھ ڈیوپلے اپنے جلوہ گاہِ عز و شان سے ۱۴۔ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو فرانس روانہ

اس دو فیصلے پن سے نفور ہو کر میجر لارنیس خود مدراس چلا آیا اور تریچناپلی کے قلعے کو تھوڑی سی گورہ فوج کی حفاظت میں چھوڑ آیا۔ اسکے بعد محمد علی نے تنجور سپہ سالار سے نقض عہد کر دیا اسپر جھلا کر سپہ سالار مذکور فرانسیسیوں کا شریک ہو گیا اور ڈیوپلے نے فوراً از سر نو محاصرہ قایم کر دیا۔ دو سال تک اس قلعے کے اندر اور باہر فوجی کارروائیاں ہوتی رہیں اور مورخ اورمی کا دل فریب انداز بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس طول طویل جنگی کارروائی کے حملوں اور جوابی حملوں کی تفصیل اور کامیابیوں اور ناکامیوں کی توضیح کو ناظرین بغیر اکتائے ہوئے پڑھ سکیں۔ مختصر یہ کہ فرانسیسیوں کو میجر لارنیس کی اعلیٰ درجے کی جنگی چالوں کی وجہ سے تین مرتبہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا اور ایک موقعہ پر انگریزوں کو بھی قابل یادگار شکست کا منھ دیکھنا پڑا جبکہ اُنکے تمام ہندوستانی اتحادی بھی اُنکا ساتھ چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ آخرکار ڈیوپلے نے قرارداد باہمی کی تجویز پیش کی۔ انگریزوں کی طرف سے مسٹر فانسی ٹارٹ ایک نمائندہ ہوا اور دوسرا نمائندہ مسٹر پاک مقرر کیا گیا جسنے اپنے مقدس مذہبی عبا کو اُتار کر صیغۂ ملازمان ملکی کے لباس میں آجانا پسند کر لیا تھا۔ ان دونوں نمائندوں نے مبادیات مفاہمت پر ہی بحث ہوتے وقت محمد علی کے لیئے نوابی کرناٹک کا قضیہ پیش کر کے تمام قرارداد کو وہیں اُلجھا دیے ہیں ڈال کر رکھدیا۔ یہ کیسے امید کی جا سکتی تھی کہ ڈیوپلے ایسی شرط پر رضامند ہو جاتا کیونکہ اُسکو تو صوبیدار دکن کی طرف سے تمام کرناٹک کی گورنری تفویض ہو چکی تھی۔ غرض یہ کہ جنگی کارروائی پھر شروع ہو گئی اور اسی طرح کامیابیوں اور ناکامیوں کے ساتھ ایک سال تک اور بھی چلی گئی یہاں تک کہ یکم اگست ۱۷۵۴ء کو فرانس سے یکایک ڈیوپلے کا جانشین ڈیوپلے کی معزولی کا حکم لیئے ہوئے آپہنچا اور ڈیوپلے کی اولوالعزمی کا تمام کھیل وہیں بگڑ کر رہگیا ؛

(صفحہ ۱۲۴)

ڈیوپلے کا زوال ہندوستان میں فرانسیسی اور انگریز ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچے کھاتے تھے اور یورپ میں خاص فرانس اور انگلستان کا آپس میں میل تھا۔ دونوں کمپنیاں اپنی تمام قوت عمل کو اور اپنے تمام وسائل کو اُن دیسی رئیسوں کی طرفداری میں ضائع کر رہی تھیں جنکی وفاداری ہمیشہ مشتبہ رہتی تھی۔ اپنے حساب کتاب کے دفتروں کو چھوڑ کر انگریزی و فرانسیسی تاجر میدان جنگ میں آگئے تھے۔ مگر دونوں

باب اول
فصل سوم

مقدار میں ہو جائیں اور محمد علی کو دونوں نے نواب کرناٹک تسلیم کر لیا۔ یہ قرارداد فرانسیسی اغراض کے لئے نہایت مہلک تھی۔ اس سے اُنکے ہاتھ سے وہ سب کچھ نکل گیا جسکے لئے وہ اب تک دست و گریباں ہو رہے تھے یعنے نوابیِ کرناٹک۔ اضلاع شمالی سرکار۔ فرانسیسی اتحادی۔ فرانسیسی اقتدار اور فرانسیسی وقار سب کا صفایا ہو گیا۔ فریقین نے اپنے تئیں علی الدوام اسکا پابند کیا کہ مشرقی حکومت اور مناصب سے بالکل کنارہ کش رہینگے اور کبھی دیسی رئیسوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرینگے۔ لیکن ابھی ان الفاظ کی سیاہی بھی نہیں خشک ہوئی ہو گی کہ اسکے معنے پر پانی پھیر دیا گیا۔ یعنی یہ نوبت آگئی کہ ایک طرف تو انگریزی فوجیں اس غرض سے کوچ کر رہی تھیں کہ مدورا اور تناولی پر اپنے نواب کے لئے قبضہ کریں اور دوسری طرف ایک فرانسیسی دستہ تیرپور پر قبضہ کرنیکو جا رہا تھا۔ پھر کچھ مفاہمت کی امید بندھی مگر پھر ۱۷۵۶ء میں انگلستان و فرانس کے درمیان یورپ میں اعلان جنگ ہو جانے سے مصالحت کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور پانچ سال تک سرزمین ہند پر دونوں کمپنیوں کے کارندے اپنے مخاصمانہ منصوبوں کو طرح طرح سے پورا کرنے میں برابر سرگرم کار و پیکار رہے ؎

(صفحہ ۱۲۶)

فصل چہارم

جنرل بسی۔ فرانسیسی قوت کا انحطاط۔ دیسی ریاستیں

بسی دار الحکومت میں

اب ہم بسی کی شاندار شخصیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اُسنے شمالی دکن میں حاصل کر لی تھی۔ حربی قابلیت کے اعتبار سے بسی کا رتبہ کلائیو کے برابر ہے لیکن نظم سیاست کے اعتبار سے کلائیو اُس کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ بسی عرصہ دراز تک ہندوستان کے نہایت ممتاز طبقے کا ہم جلیس رہ چکا تھا اسلئے اُسے ہندوستانی طبیعت کی خصوصیات میں پوری معلومات حاصل تھیں۔ اُسنے ہندوستانیوں سے کام لینے کا ڈھب بھی خوب سیکھ لیا تھا

فصل سوم (اول)

ہوگیا۔ وہاں پہنچنے پر اول تو کچھ توقیر کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا گیا لیکن جس وقت کمپنی کے ڈائرکٹروں کو یہ علم ہوگیا کہ ہندوستان میں تمام اختلافات کا خاطر خواہ فیصلہ ہوگیا ہے اُسی وقت سے انھوں نے ڈیوپلے کے ساتھ مخاصمت کا برتاؤ شروع کر دیا اور دس سال تک یعنے اُسکی وفات کے وقت تک اُسکے حسابات کی طرف دیکھنا بھی گوارا نکیا چہ جائیکہ اُسکے مطالبات کی ادائگی کیجاتی۔ جن قرضخواہوں سے اُسنے گورنمنٹ کی ضروریات کے لئے اپنی ضمانت پر رقمیں لی تھیں وہ ہمزاد کی طرح اُسکی دم کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اُسکی زندگی کے آخری تین ماہ میں اُسکے سکونتی مکان پر بھی ناظر قرقی نے قبضہ کرلیا تھا۔ اپنی موت سے تین دن پہلے اُسنے اپنے روزنامچے میں یہ حسرتناک اندراج کیا۔

مینے اپنے ملک کو متمول بنانیکے لئے اپنی جوانی اور اپنی دولت قربان کردی اور میرا نامہربان وطن مجھکو بدکارترین انسان شمار کرتا ہے۔

اسطرح فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ناسپاسی کا دوسرا شکار بھی دنیا سے چل بسا۔ جن سربرآوردہ مدبریں نے یوروپین اقتدار کو ہندوستان میں قایم کیا ہے اُن سب میں ڈیوپلے کا نام ہمیشہ زیب فہرست رہیگا۔ وہ یوروپین فتوحات کا مقدمۃ الجیش تھا۔ اُسی نے اہل یورپ کو یہ سبق پڑھایا کہ دیسی ریاستوں پر محض معدودے چند اہل قلم اور مٹھی بھر اہل سیف سے کسطرح حکومت کیا کرتے ہیں اور اُسی نے ہندوستانی تلنگوں کی پہلی فوج بنائی تھی۔ ہندوستان کے کسی یوروپین مدبر نے ایسی ہمہ گیر سیاسی قابلیت کا کبھی اظہار نہیں کیا اور یہ بالکل بعید از قیاس نہیں ہے کہ اگر وہ ہندوستان میں دو تین سال اور برسر حکومت رہ جاتا اور وہ دو ہزار فرانسیسی فوج بھی اُسکے تحت تصرف میں دیدی جاتی جو گوڈیہیو اپنے ساتھ لایا تھا اور بسی اُسکا کارکن رہتا تو وہ فرانسیسیوں کو بالکل اُسی طرح دکن کا خود مختار مالک بنا دیتا جیسے دو سال بعد انگریز بنگال اور بہار کے مالک ہوگئے تھے۔

فرانس اور انگلستان کی قرارداد گوڈیہیو اور مسٹر سینڈرس بطور ہر دو کمپنیوں کے نمائندوں کے فوراً التواے مخاصمت پر رضامند ہوگئے اور اُنھوں نے ایک ایسی قرارداد کا مسودہ مرتب کیا جسکا منشا یہ تھا کہ قرارداد مذکورہ کی یورپ میں تصدیق ہو جاتے ہی دونوں کمپنیوں کے مقبوضات ہندوستان میں برابر

مملکت نواب نظام الملک کے ایسے بعید گوشے پر تھا کہ وہاں اچھی طرح حکومت وحفاظت کا انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں اورنگ آباد میں جہاں غازی الدین کا پڑاؤ تھا متوفی نواب نظام الملک کی ایک بیوہ رہتی تھیں جن کے ایک فرزند نظام علی بھی نواب نظام الملک کے صلب سے اُن کے ساتھ تھے اور وہ اپنے بیٹے کے لئے تخت دکن حاصل کرنا چاہتی تھیں غازی الدین اُن کی ضیافت میں شریک ہوا ہی تھا کہ اُسی شب میں انتقال کر گیا۔ قضا و قدر نے رات کی رات میں اُسکا کام تمام کر دیا۔ اور اُسکی فوج سبکی سب منتشر ہو گئی ؛

اضلاع شمالی سرکار

صوبیدار دکن کے دربار میں جو اقتدار بسی کو حاصل ہو گیا تھا اُسنے بسی کے بہت سے دشمن پیدا کر دئے تھے اور وزیر دکن پر اگرچہ بسی کے بہت احسانات تھے مگر اُسنے بھی اپنے محسن کی تباہی کے لئے سازش کرنی شروع کر دی۔ اوائل ۱۷۵۳ء میں بسی کو تبدیل آب وہوا کے لئے لب ساحل جانا پڑا اور بیوفا وزیر نے بسی کی یورپین فوج کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ملک کے مختلف اضلاع میں کار خاص پر بھیجدیا اور اُنکی تنخواہیں بھی روک لیں اور ریزیڈنٹ مدراس کے ساتھ بسی کے خلاف نامہ و پیام شروع کر دیا۔ اتفاق سے اُسکا ایک خط کسی نہ کسی طرح بسی کے ہاتھ پڑ گیا جسنے فوراً یہ سمجھ لیا کہ اگر اس وقت اپنا اقتدار قایم رکھنے کی بہت جلد کوشش نہیں کیگئی تو تمام حیثیت خاک میں مل جائیگی اسلئے دشمنوں کے منصوبوں کو شکست کرنیکے لئے فوری سرگرمی کی ضرورت ہے۔ باوجودیکہ ابھی تک اُسکی صحت بالکل درست نہیں ہو گئی تھی مگر اُسنے فوراً کوشش کرنیکا عزم بالجزم کر لیا۔ اور اُسکی جو فوج ملک کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی تھی اُسکو حیدر آباد کے قریب جمع ہونیکی ہدایات بھیجدیں اور پانسو میل کا کوچ اورنگ آباد تک کر کے اپنی ساڑھے چار ہزار فرنگی اور ہندوستانی فوج کے ساتھ اچانک دربار میں آدھمکا۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف اُسکا اقتدار ہی پھر قایم نہیں ہو گیا بلکہ صوبیدار دکن اور اُسکے وزیر پر کچھ ایسا رُعب طاری ہوا کہ بسی نے اپنی فوج کے اخراجات کی کفالت کے لئے شمالی سرکار کے چار ضلع بھی اپنے نام لکھوا لئے۔ یہ ضلع ساحل کورومنڈل پر اس طرح واقع تھے کہ اُنکی حدبندی ایک کوہستانی سلسلے کے ذریعے سے

کیونکہ وہ اُنکی عادتوں اور طبعیتوں کے مطابق اُنکے ساتھ وہ کچھ نرم گرم ملاکر برتاؤ کرتا تھا
جسمیں فرانیسی ہمیشہ انگریزوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ ۲۹-
جون سنہ ۱۷۵۱ء کو بسی نے صلابت جنگ کو تخت دکن دلایا اور اُسے شاہانہ جلوس
کے ساتھ اورنگ آباد کو لایا۔ لیکن صلابت جنگ کے بڑے بھائی غازی الدین نے
جو دربار دہلی میں ایک مقتدر منصب رکھتا تھا شاہ دہلی سے اپنی صوبیداری دکن کا
فرمان حاصل کرلیا اور مرہٹوں کو بہت سا علاقہ دینے کا وعدہ کرکے اُنکی فوجیں
اپنے ساتھ لیں اور جنوب کی طرف کوچ کردیا۔ چنانچہ غازی الدین کا اتحادی یعنی پیشوا
چالیس ہزار مرہٹہ سوار لیکر صلابت جنگ کو تخت سے اُتارنے چلا اور جتنے علاقے پر
سے گزرتا اُسے برباد کرتا جاتا تھا۔ بسی اپنے مٹھی بھر فرانسیسیوں اور دو ہزار دیسی
تلنگوں اور آٹھ دس میدانی توپوں کے ساتھ مرہٹہ سپاہ کے مقابلے کے لئے
میدان میں آیا۔ مرہٹے آندھی پانی کی طرح نعرے مارتے ہوئے بسی کی فوج پر امنڈ کر
آئے لیکن وہ بالکل سکون کے ساتھ اُنکی آمد کا انتظار کرتا رہا اور جب وہ ٹھیک
زد کے اندر آگئے تو اُسنے اُنکی گنجان صفوں کے اندر توپوں سے تابڑ توڑ گراب کی
باڑھیں مارنی شروع کیں اور چند منٹ میں اُنھوں نے بدحواس ہوکر پیٹھ پھیر لی اور
ابتری کی حالت میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہہ پہلا موقعہ تھا کہ مرہٹہ سواروں نے
جنکی دھاک دکن پر بیٹھی ہوئی تھی سر میدان کسی یورپین سپاہ کا مقابلہ کیا تھا
اور اس آویزش کے نتیجہ میں بسی کا اقتدار حد کمال تک پہنچ گیا۔ (صفحہ ۱۲۷)
بسی نے اپنی فاتحانہ کارروائی کو یہیں نہیں چھوڑ دیا بلکہ مفرورین کا تعاقب بڑے
زور شور کے ساتھ پونا سے بیس میل کے فاصلے تک کیا اور پیشوا کو مجبور ہوکر
تحریک صلح کرنی پڑی۔ مگر اس اثنا میں غازی الدین شمال کی طرف سے ڈیڑھ لاکھ فوج کے
ساتھ برابر بڑھتا چلا آرہا تھا۔ صلابت جنگ کی ذاتی فوج جو بسی کے زیر انتظام نہیں
تھی تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے آمادۂ سرکشی ہورہی تھی اور بسی نے صلابت جنگ کو
یہ عاقلانہ مشورہ دیا کہ کسی طرح پیشوا کو ملالے اور اُسکی ترکیب یہ بتائی کہ بیرار کے
مغرب میں دریائے تاپتی سے گوداوری تک جو علاقہ غازی الدین نے پیشوا کو
دیدینے کا وعدہ کیا ہے وہی صلابت جنگ بھی پیشوا کو دیدے کیونکہ وہ علاقہ

باب اول
فصل چہارم

فاصلے پر کار سرکار میں مصروف تھا اُس وقت اُسکی برخاستگی کا حکم حاصل کر لیا۔ بسی نے اپنے معمولی سکون کے ساتھ اپنی برخاستگی کا حکم حاصل کیا اور دریائے کرشنا کو عبور کر کے حیدر آباد کی طرف چلا۔ راستے میں جب اُسنے اپنے ذخائر حرب میں کمی دیکھی تو وہ قلعۂ چیرمل کی طرف لوٹ پڑا اور اُسکا اچھی طرح استحکام کر لیا۔ اُسکے ناسپاس آقا نے جسکو اُسنے قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھایا تھا اپنے تمام باجگذاروں اور ماتحتوں کو اپنے جھنڈے کے تلے جمع کیا اور اپنے محسن کے قلعے پر دو ماہ تک برابر حملے کرتا رہا مگر باوجودیکہ بسی کی دیسی فوج اُسکا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی تھی مگر وہ اپنی حربی قابلیت سے برابر مدافعت کرتا رہا۔ آخر کار خوش قسمتی سے اُسکے پاس ساحلی علاقے سے کمک پہنچ گئی اور محاصرے کی بلا اُسکے سر سے ٹل گئی۔ اب بسی کی باری تھی۔ صلابت جنگ نے مرعوب ہو کر صلح کی تحریک شروع کر دی اور بسی کی برخاستگی کو صرف تین ہی مہینے گزرنے پائے تھے کہ اُسکا اقتدار پھر ہمیشہ سے زیادہ زور شور کے ساتھ قایم ہو گیا۔ ادھر بسی کی پریشانیوں نے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اضلاع سرکار کے زمینداروں نے ۱۷۵۶ء میں بغاوت کر دی تھی اور بسی کو ان اضلاع میں امن قایم کرنیکے لئے کئی مہینے مصروف رہنا پڑ گیا۔ ان حوادث کا جو قدرتی اثر لازمی طور پر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں کی قسمت پر پڑ گیا وہ ضرور قابل توجہ ہے۔ یعنی اُسی زمانے میں کلائیو نے کلکتے کو دوبارہ تسخیر کر لیا جسکا حال بعد کو لکھا جائیگا۔ اور نواب مرشد آباد کو شکست دیدی اور نواب نے بسی کے پاس بصیغۂ ضروری استدعا بھیجی کہ اُسکی امداد کو آئے۔ لیکن اُسے اپنے ہی صوبے میں اپنا اقتدار حکومت بازبحال کرنیکی ضرورت تھی اسلئے وہ نہ آسکا اور جس وقت کہ وہ اپنے اضلاع میں امن قایم کر چکا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ اُڑیسہ کے راستے سے بنگال پر یورش کرنیکے لئے تیار ہوا اُس وقت یہ سنکر وہ صدمے سے دل پکڑ کر رہگیا کہ فرانسیسی نوآبادی چندر نگر پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اگر وہ اس واقعے سے پہلے بنگال پہنچ سکا ہوتا تو معرکۂ پلاسی کا نتیجہ غالباً کچھ اور ہی نکلتا۔

(صفحہ ۱۲۹)

بسی صلابت جنگ کو خلاصی دلاتا ہے ۱۷۵۶ء جس وقت بسی ساحلی علاقے میں گیا ہوا تھا اُس وقت صلابت جنگ سے فائدہ اُٹھا کر اُسکے وزیر نے دولت آباد کے قلعے پر قبضہ کر لیا

باب اول
فصل چہارم

ہوتی تھی جو سمندر کے متوازی پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ علاقہ طول میں ساڑھے چار سو میل برلب ساحل واقع تھا اور عرض میں تیس سے سو میل تک تھا۔ اسمیں بہت سے اچھے اچھے شہر تھے جنکو کارکنان قضا و قدر کی فیاضی نے اور اہل شہر کی جفاکشیوں نے نہایت دولت خیز تجارتی منڈیاں بنا دیا تھا۔ اور اس علاقے کی مجموعی سالانہ آمدنی پچاس لاکھ تھی۔ اُس زمانے کا مورخ لکھتا ہے کہ اس علاقے کے مل جانے سے فرانسیسی اتنی بڑی مملکت کے مالک ہوگئے کہ اب تک ہندوستان میں کسی دول یورپ کو نصیب نہیں ہوئی تھی حتٰے کہ پرتگالی بھی اپنے معراج کمال کے وقت اتنی بڑی مملکت ہندوستان میں نہیں رکھتے تھے۔

(صفحہ ۱۲۸)

بسی کا ابتلا

ساحل سے ۱۷۵۴ء میں واپس آکر بسی نے دیکھا کہ صوبہ دار دکن نے مرہٹوں کی شرکت میں میسور پر ایک فوجی مہم خود اپنی سرکردگی میں لیجانیکا عزم فرمالیا ہے تاکہ جو کچھ رقم خراج کے نام سے وصول ہوسکے وہ وصول کی جائے۔ بسی کو بھی باضابطہ حکم مل گیا کہ اپنے آقائے ولی نعمت کی ہمرکابی کے لئے تیار رہے۔ لیکن میسور کا مدار المہام فرانسیسی حکام پانڈیچری کا اتحادی تھا اور اُسنے محاصرۂ ترچناپلی میں شرکت کرنیکے لئے ایک زبردست فوج بھی بھیجی تھی۔ بسی اس وقت بڑے پس وپیش میں مبتلا ہوگیا مگر اُسکی غیر معمولی قابلیت نے اس وقت بھی اُسکی مشکل کو آسان کردیا۔ وہ صوبہ دار کی فوج کے ساتھ اپنے پانسو فرانسیسیوں کو لیکر شریک ہوگیا اور پوری مہم کی قیادت اُسی کے سپرد کردیگئی۔ بسی نے اپنی فوج کو اس قدر تیزی سے آگے بڑھایا کہ مدار المہام میسور حیرت سے منھ دیکھتا رہگیا اور فوراً مصالحت پر آمادہ ہوگیا چنانچہ بسی نے درمیان پڑکر نواب نظام الملک کو اسپر راضی کرلیا کہ میسور سے ۵۶ لاکھ پر معاملہ طے کرلے جو رقم مدار المہام کو رانیوں کے زیورات اور مندروں کے جواہرات لیکر بہم پہنچانی پڑے گی۔ اسکے بعد ۱۷۵۶ء میں نواب نظام الملک کی فوج کو مرہٹہ فوج کی شرکت میں لیکر نواب سوئنور کی بغاوت فرو کرنیکے لئے بسی لیکر گیا اور اُس نواب کو نواب نظام الملک کی سلطانی کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اُسکے دشمن جو تاک میں لگے رہتے تھے اُنھوں نے صوبہ دار کے سامنے بسی کی کارگزاریوں کو غلط لباس میں پیش کیا اور جس وقت کہ بسی دار الحکومت سے اور اپنے وسائل سے کئی سو میل کے

جو جیمز ثانی کی جلا وطنی کے وقت آئرلینڈ کو چھوڑ کر فرانس میں آبسا تھا۔ لیلی کی تعلیم و تربیت
چالیس سال کی عمر تک فن حرب میں ہوتی رہی تھی۔ اُسکی حربی قابلیت اس قدر مشہور تھی
کہ ۱۷۵۶ء میں جب فرانس اور انگلستان میں جنگ ہوئی تو اُس وقت جو زبردست بیڑہ
ہندوستان پر بھیجنے کی تجویز فرانسیسی وزارت کے زیر غور تھی اُسکی ناخدائی کے لئے
لیلی سے بہتر دوسرا شخص نہیں سمجھا گیا تھا۔ اپریل ۱۷۵۸ء میں لیلی پانڈیچری کے
ساحل پر اُترا اور فوراً سینٹ ڈیوڈ کے انگریزی کارخانے پر چڑھ دوڑا اور ایک ماہ
میں اُسے تسخیر کر لیا۔ اس وقت انگریزوں کو دکن سے نکال باہر کرنیکے لئے موقعہ بڑا
اچھا تھا۔ مدراس بالکل غیر مستحکم تھا اور وہاں کا بیڑا اور گورے سپاہی سب بنگال میں
مصروف کار تھے اور فرانسیسیوں کی جسطرح تری پر حکومت تھی اُسی طرح خشکی پر اقتدار تھا۔
لیلی نے بلا توقف مدراس پر حملہ کرنیکا عزم بالجزم کر لیا لیکن امیر البحر نے نہایت نا اتفاقی کر کے
اُسے اپنے جہازوں کی امداد دینے سے انکار کر دیا اور پانڈیچری کونسل نے مصارف
کی منظوری نہ دیکر اُسکے ہاتھ پاؤں بالکل ہی باندھ دئے۔ اس وقت سے سات سال پہلے
راجۂ تنجور نے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے مطالبات سے مجبور ہو کر چھپن لاکھ کا
ایک تمسک لکھدیا تھا جو بعد کو بالکل بیکار سمجھکر ڈیوپلے کے حوالے کر دیا گیا تھا۔
جب کوئی اور صورت نظر نہیں آئی تو کاونٹ لیلی نے اپنا جنگی خزانہ بھرنیکے لئے
اس رقم کی طرف نظر اُٹھائی اور اس تمسک کی ادائگی کے لئے بڑی سے بڑی یورپین
اور دیسی سپاہ جو وہ فراہم کر سکتا تھا ساتھ لیکر تنجور کی طرف کوچ کیا اور راستے میں
زبردستی رسد وغیرہ فراہم کرانیکے سلسلے میں ایک موقعے پر چھ برہمنوں کو توپ دم کر دیا۔
قلعہ تنجور کا دو ہفتے تک محاصرہ رکھا گیا اور قلعے میں راستہ پیدا ہو جانیکی اطلاع بھی مل چکی تھی
مگر ساحل پر ایک انگریزی بیڑے نے نمودار ہو کر فرانسیسی مخزن حرب کالیکار کو دھمکی
دینی شروع کر دی۔ اس وقت لیلی کے پاس بھی فی کس دو کارتوس رہگئے تھے اور دو ہی
دن کی رسد باقی تھی اسلئے اُسنے فوراً محاصرہ اُٹھاکر ساحل کا راستہ لیا۔

محاصرۂ مدراس ۱۷۵۸ء پانڈیچری پہنچکر لیلی نے کسی نہ کسی طرح کونسل سے کچھ رقم کی منظوری
محاصرۂ مدراس کے لئے حاصل کی جسکی چینٹک ہر وقت اُسکے
دل کو لگی رہتی تھی اور نومبر ۱۷۵۸ء میں دو ہزار یورپین پیدل اور تین سو یورپین سوار

باب اول فصل چہارم

اور نواب نظام الملک کے ایک بھائی کے ہاتھ میں زمام حکومت دیدی۔ صلابت جنگ کے سر پر تباہی منڈلانے لگی تھی۔ اسکے سر سے تاج ڈھلکا جارہا تھا اور ملک میں ابتری پھیل جانیکا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ بسی نے یہ خبر سنتے ہی ساحلی علاقے سے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کیا اور ایسے علاقے میں سے ہوکر آیا جسپر اُس سے پہلے کسی یورپین نے قدم نہیں دھرا تھا اور چار سو میل کا سفر اکیس دن میں طے کرکے اورنگ آباد پہنچا۔ اُسکے آتے ہی تمام فتنے ایسے فرو ہوگئے جیسے کوئی طلسم کسی لوح سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وزیر ایک فتنے کے دوران میں مارا گیا جو اُسی کے توڑ جوڑ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ دولت آباد کو ایک ہی حملے میں فتح کرلیا گیا اور فرانسیسی فوجوں نے ایسے مقام پر قبضہ کرلیا جو بالکل ناقابل تسخیر تھا؏

اب سات سال ہوچکے تھے کہ بسی دکن میں بادشاہ گر بنا ہوا تھا۔ اُسنے فرانس کے اغراض ومفاد کو ایسی مستحکم بنیاد پر قایم کردیا تھا کہ معمولی حادثات اُسمیں تزلزل نہیں پیدا کرسکتے تھے اور فرانس کا اقتدار جنوبی ہند میں ویسا ہی مستحکم ہوگیا تھا جیسا کہ فتح پلاسی کے بعد انگلستان کا اقتدار شمالی ہند میں تھا اور قرائن یہ کہتے تھے کہ یورپ کی یہ دونوں دولتیں ہندوستان کو برابر برابر تقسیم کرلینگی۔ لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دولت کی قوت وسیع تر اور مستحکم تر ہونیوالی تھی اور دوسری دولت کی قوت صرف ایک شخص کی نخوت وحماقت سے فنا ہو جانیوالی تھی ؏

بسی کی واپسی کاونٹ لیلی ۱۷۵۸ء میں فرانسیسی مقبوضات ہند کا گورنر ہوکر آیا اور کچھ اپنے اختیارات جتانیکے خیال سے اور کچھ رشک وحسد کی وجہ سے اُسنے بسی کو یہ حکم بھیجا کہ اپنی موجودہ کامیابیوں کی جولانگاہ کو چھوڑ کر مع اپنی تمام فوج کے پانڈیچری چلا آئے۔ بسی اطاعت شعاری کو سپاہی کا فرض اولی سمجھتا تھا چنانچہ جو ہندو مسلمان اُسکے نام سے لرزتے تھے اُن سبکو حیرت واستعجاب میں چھوڑ کر اُسنے کاونٹ لیلی کے حکم کی تعمیل میں فوراً دکن کو ایسے وقت میں چھوڑ دیا جبکہ اُسکی طاقت انتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور اُسکے جانیکے بعد فرانس کا آفتاب اقبال دکن میں ایسا غروب ہوا کہ پھر اُسے طلوع ہونا ہی نصیب نہوا ؏

نمبر (۱۴۰)

محاصرہ تنجور کاونٹ لیلی آئرلینڈ کے ایک رومن کیتھولک خاندان کا رکن تھا

باب اول
فصل چہارم

نہایت جم کر ۱۷۶۰ء میں لڑائی ہوئی جو معرکۂ وانڈیواش کے نام سے مشہور ہے اور اپنی سختی اور اپنے اثرات کے لحاظ سے اس وقت تک کے تمام ہندوستانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ تھا۔ فریقین نے دادِ شجاعت دی مگر آخر کار فرانسیسیوں کو شکستِ فاش نصیب ہوگئی۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جہدِ حیات وقیامِ سلطنت کی خاطر یہ آخری کشاکش تھی اور اسکے بعد سے فرانسیسی اقتدار کے قایم ہونیکی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ لیلی پسپا ہوکر پانڈیچری میں پناہ گزیں ہوا۔ باوجودیکہ اس وقت قومی عزت واقتدار کے لئے لازمی خطرات موجود تھے مگر اسکے ہمعصر اور ہمسر سردار بجائے اُس سے ہمدردی اور اتفاق کرنیکے ہر طرح کی عدول حکمی اور مخالفت پر سازباز کرچکے تھے چنانچہ اُسنے یہ بے بسی کا اندراج اپنے روزنامچے میں کیا ؎

اس وقت جبکہ نہ روپیہ پاس ہے۔ نہ کوئی جہاز ہے۔ نہ کوئی رسد کا انتظام ہے بہتر یہ ہے کہ پانڈیچری کو دشمن کے حوالہ کردیا جائے ؎

(صفحہ ۱۳۲)

محاصرہ وتسخیر پانڈیچری ۱۷۶۱ء اس اثنا میں کوٹ نے تمام فرانسیسی فوجوں کو اُن تمام قلعوں اور معرکے کے مقاموں سے بیدخل کردیا جن پر انھوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور پانڈیچری کا محاصرہ کرنیکی تیاریاں کیں۔ مجلسِ انتظامیہ کی ایک حماقت سے یہ محاصرہ بالکل ہی ناکام ہوگیا ہوتا کیونکہ مجلسِ موصوفہ نے یہ حکم بھیجدیا تھا کہ کرنل مونسن کو سپہ سالارِ درجۂ دوم تھا سپہ سالار درجۂ اول مقرر کردیا جائے جسکے معنے یہ تھے کہ کوٹ نے حال ہی میں جو کامیابیاں حاصل کی تھیں وہی اُسکے لئے گویا بدشگونیاں بنگئیں۔ لیکن حسنِ اتفاق سے کرنل مونسن کے ایک زخم ایسا آگیا تھا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہا تھا اسلئے پریزیڈینٹ مدراس نے کوٹ کو حکم دیا کہ وہ فوج کی قیادت اپنے ہی ہاتھ میں رہنے دے۔ جب بارش ہوتی رہی پانڈیچری پر ایک انفعالی ناکہ بندی قایم رکھی گئی اور بارش ختم ہونیکے ساتھ ہی محاصرے کی کارروائی سرگرمی کے ساتھ جاری کردی گئی لیلی کی ہر کارروائی میں وہ ملکی افسر رکاوٹیں ڈال رہے تھے جو سب کے سب اُس سے نفرت کرتے تھے اور جن میں سے حبِ وطن اور ایمانداری کے تمام جذبات فنا ہوگئے تھے۔ لیکن لیلی نے محاصرے کی سختیوں کو برابر برداشت کیا اور جب تک کہ دو دن کی رسد باقی نہ رہ گئی اُس وقت تک پامردی سے مدافعت کئے گیا یہاں تک کہ دشمنوں کے دل سے

باب اول فصل چہارم (صفحہ ۱۳۱)

اور ایک زبردست ہندوستانی سپاہ ساتھ لیکر مدراس پر پیشقدمی کی۔ قلعہ بند فوج میں اس وقت ایکہزار سات سو اٹھاون یورپین اور دو ہزار دو سو دیسی سپاہ تھی لیکن اُنکی قیادت پرانے پختہ کار لارنس کے ہاتھ میں تھی جسکے مددگار تین افسر اور بھی تھے جنھوں نے اسی کی نظر کے تلے تربیت حاصل کی تھی۔ محاصرہ دو ماہ تک بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا گیا اور آخرکار ایک راستہ پیدا ہوجانیکی اطلاع بھی مل گئی لیکن عین وقت پر لیلی کے افسروں کے انکار پیکار نے اسکے منصوبوں کو بیکار کر دیا اور ساحل پر ایک انگریزی بیڑے کے نمودار ہوجانے نے اُسے محاصرہ اٹھا دینے پر مجبور کر دیا۔ یہیں پر اُسکی نحوستوں کا خاتمہ نہیں ہوگیا بلکہ کلائیو کی بھیجی ہوئی ایک سپاہ نے اضلاع شمالی سرکار پر بھی قبضہ کرلیا اور اب چونکہ صلابت جنگ کے بھی تمام تعلقات فرانسیسیوں سے منقطع ہوگئے تھے اسلئے اُسنے بھی اپنے تئیں انگریزی سپہ سالار کرنل فورڈ کے ساتھ ایک معاہدہ اس مضمون کا طے کرلیا کہ آئندہ کسی فرانسیسی کو اپنی ملازمت میں نہیں رکھیگا۔

بحری آویزشیں

لیلی پانڈیچری کو واپس آیا اور اُسکے افسر سپاہی اور دیگر لشکری نشۂ سرکشی میں سرشار ہورہے تھے لیکن اُسکی امیدیں پھر کچھ ہری ہونے لگ گئیں جبکہ گیارہ جہازوں کا ایک فرانسیسی بیڑا آکر پہنچگیا جسمیں سب سے چھوٹے جہاز پر بھی پچاس توپیں چڑھی ہوئی تھیں مگر اسکے مقابلے کے لئے انگریزی بیڑا بھی اُس سے کم زبردست نہیں تھا۔ ۱۷۵۹ء میں جو بحری معرکہ ہوا اُسمیں فریقین کے بیڑے اس وقت کے لئے بیکار ہوگئے مگر شکست کسیکو نہیں ہوئی۔ اسکے بعد باوجود حکام پانڈیچری کی فہمائشوں التجاؤں اور دھمکیوں کے فرانسیسی امیرالبحر جزیرۂ فرانسہ کو چلا گیا اور سمندر کو انگریزوں کے قبضے میں چھوڑ گیا۔ فرانسیسی فوج کی دس ماہ کی تنخواہ بقایا میں تھی اسلئے اُسنے بغاوت کردی اور مدراس کی طرف چل کھڑی ہوئی مگر اُنکے بقایا کا کچھ حصہ ادا کرکے انکو بمشکل تمام واپس بلایا گیا۔ لیلی نے پھر ایک ٹکر اور لڑائیکا ارادہ کیا اور دندیواش پر یورش کرکے اسکے شہر پر قبضہ کرلیا اور قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ انگریزی فوج کوٹ کی سرکردگی میں اس قلعے کی خلاصی کے لئے بڑھی کوٹ اپنی حربی قابلیت کے اعتبار سے کلائیو سے دوسرے درجے پر شمار کیا جاتا تھا۔ فریقین میں

باب اول
فصل پنجم
(صفحہ ۱۳۳)

فصل پنجم

دیسی ریاستیں من ابتدائے غارتگری دہلی ۱۷۳۹ء الغایۃ معرکہ پانی پت ۱۷۶۱ء

احمد شاہ ابدالی

اب ہم اُن واقعات کا کچھ تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جو نادر شاہ کے ۱۷۳۹ء کے
حملۂ دہلی کے وقت سے ۱۷۶۱ء کے معرکۂ پانی پت تک دیسی ریاستوں میں پیش
آتے رہے۔ نادر شاہ نے واپسی ایران پر جو ظلم و تشدد مخلوق پر روا رکھا تھا اُسکا خاتمہ
آٹھ سال بعد اُسکے قتل پر ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کی جان کے لئے نادر شاہ سے بھی زبردست
ایک نیا دشمن احمد شاہ پیدا ہو گیا جو افغانی قبیلۂ ابدالی کا سردار تھا اور جو ۱۷۴۷ء کے
اختتام سے پہلے قندھار کا بادشاہ تسلیم کیا گیا اور چند روز میں تمام ماوراے سندھ علاقہ کا
خود مختار حاکم بنگیا۔ احمد شاہ ہم ہندوستان پر نادر شاہ کی ہمرکابی میں آیا تھا اور اُس وقت
کی آسان کامیابیوں سے ہمت پاکر اسنے ایکی دفعہ بطور خود ہندوستان کا رخ کیا اور صوبۂ
لاہور پر قبضہ کرکے سرہند پر پیشقدمی کر دی۔ مگر یہاں شہزادۂ احمد ولیعہد دہلی نے اُسے
شکست فاش دی اور اُسے مجبور ہو کر پھر سندھ پار جانا پڑا۔ محمد شاہ دہلی پر تیس سال تک
حکومت کرکے اور اپنے زمانے میں سلطنت کو روز بروز کمزور تر کرکے ۱۷۴۸ء میں انتقال کر گیا
اور اُسکی جگہ اُسکا بیٹا شہزادۂ احمد تخت نشیں ہوا جسنے نواب اودھ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔
اب وزیر نے جب یہ دیکھا کہ حکومت کی بد نظمی سے فائدہ اُٹھاکر ایک افغانی قبیلہ روہیلا نے
روہیلکھنڈ میں اپنی قوت کو بہت وسیع و مستحکم کر لیا ہے اور کرتا جا رہا ہے تو اُسنے اُن پر
حملہ کر دیا مگر اُنکے ہاتھ سے شکست فاش کھائی اور تمام اودھ کو روہیلوں نے بالکل روند ڈالا
آخر نواب وزیر نے مجبور ہو کر یہ خطرناک تدبیر اختیار کی بہت منت سماجت کرکے
ملہار اور سندھیا دو مرہٹہ سرداروں کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا جنکی مدد سے اُسنے
روہیلوں کو اپنے ملک سے نکال کر اُنکے کوہستان تک اُنکا تعاقب کیا۔ دونوں مرہٹے
سرداروں کی آتش حرص بجھانیکے لئے نواب وزیر نے اُنھیں اجازت دیدی کہ وہ روہیلکھنڈ کا
مفتوحہ علاقہ جتنا چاہیں لوٹ لیں چنانچہ یہ علاقہ مرہٹوں کی بے صرفہ غارتگری کے اثر سے

اُسکے لئے بیساختہ تعریف نکلنے لگی۔ فاتحیں جس وقت پانڈیچری میں گھسے ہیں تو اُنکے دل اُن رجمنٹوں کی حالت کو دیکھکر بھر آئے جنکا ہر شاندار اور قوی ہیکل سپاہی بھوک اور تکان کی سختی سے گھُل گھُلاکر محض ہڈیوں کا ہار رہگیا تھا۔

فرانسیسی مجلسِ انتظامیہ نے لیلی کے نام اس سے پہلے ایسے احکام بھیجے تھے کہ انگریزی مستعمرات کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ یہ مراسلہ کسی طرح انگریزوں کے ہاتھ پڑ گیا چنانچہ انگریزی مجلس انتظامیہ کے حکم سے پانڈیچری پر گدھے کا ہل پھروا دیا گیا اور ایک سقف بھی اُس شاندار شہر میں آسمان کے تلے باقی نہیں رکھی گئی۔ وہ جنگ جسمیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد انگریز اور فرانسیسی پندرہ سال سے برابر مصروف ہوتے رہے تھے اب ایسی ختم ہوگئی کہ فرانسیسی اقتدار بھی اُسکے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔ ہندوستان میں سلطنت کے قیام کی پرحوصلہ امیدیں جو لیبر ڈونالے۔ ڈیوپلے۔ بسی اور لیلی سب کے دلوں میں جلوہ گر رہ چکی تھیں اب بالکل فنا ہوگئیں۔ سنہ ۱۷۶۳ء کے صلحنامۂ پیرس کے ذریعے سے اگرچہ تمام فرانسیسی نوآبادیات واپس کر دی گئیں مگر اُنھیں ہندوستان میں اپنی سیاسی اہمیت نہیں حاصل ہوسکی۔

لیلی کا حشر — لیلی فرانس کو واپس طلب کر لیا گیا اور اُسے قیدِ فرنگ میں ڈال دیا گیا جہاں وہ تین سال تک پڑا سڑتا رہا۔ اسکے بعد اُسے عدالت میں ملزم بنا کر کھڑا کیا گیا اور اُسے قانونی امداد لینے کی بھی اجازت نہیں دیگئی اور آخر کار اُسپر یہ جرم عاید کیا گیا کہ اُسنے اپنی کمپنی اور اپنے بادشاہ کے اغراض کو بالقصد نقصان پہنچایا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اُسکے لئے سزائے موت تجویز ہوئی۔ اُسکو ایک میلے کی گاڑی پر بٹھاکر قتلگاہ کو پہنچایا گیا اور اُسکا سر قلم کر دیا گیا۔ پندرہ سال کے اندر ناسپاس وطن نے یہ تیسرا اشکار کیا

باب ۱۰
فصل پنجم

اپنی فوجوں کو شہر دہلی لوٹ لینے کی اجازت دیدی۔ اور پھر ایک دفعہ نادر شاہ کے زمانے کی بیصرفہ غارتگری و خونریزی کا نظارہ کئی روز تک شہر میں قایم رہا۔ اسکے بعد ہی ایک مذہبی تہوار کے موقع پر کئی ہزار ہندو پجاریوں کو متھرا میں قتل کر ڈالا گیا مگر اسی حالت میں ابدالی کے لشکر میں بھی ایک وبا پھوٹ پڑی اور اُسے مجبور ہو کر پھر سندھ پار چلا جانا پڑا۔ جاتے وقت وہ اپنے بیٹے تیمور کو پنجاب کا عامل مقرر کر گیا اور شاہ دہلی کی خاص التجا پر روہیلا سردار نجیب الدولہ کو سپہ سالار مقرر کر گیا تاکہ وہ غازی الدین کی فریب کاریوں سے شہنشاہ کی حفاظت کرتا رہے۔

مرہٹہ عظمت و شان

غازی الدین نے جب بادشاہ کو بھی اسطرح اپنے سے پھر جاتے دیکھا تو اُسنے مرہٹہ سردار رگھناتھ راؤ عرف رگھوبا کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا جسنے ایک ماہ محاصرہ کر کے ۱۷۵۸ء میں دہلی کو تسخیر کر لیا اور وہاں سے پنجاب پر پیشقدمی کی اور تیمور کی فوج کو افغانستان کی طرف واپس بھگا دیا اور دریائے سندھ کے کنارے پہلی مرتبہ مرہٹہ علم نصب کر دیا اور ایک مرہٹہ سردار کو پنجاب کی حکومت سپرد کر کے پونا کو واپس آگیا۔ پیشوا پہلے سے احمد نگر پر قبضہ کرنیکی فکر میں تھا اور آخر کار اُسنے فریب کاری سے اُسپر قبضہ کر ہی لیا۔ اس دراندازی کی وجہ سے پیشوا کی دونوں بھائیوں یعنے صلابت جنگ اور نظام علی سے جنگ چھڑ گئی۔ ان دونوں بھائیوں میں اب میل ہو گیا تھا لیکن اب دکن میں بسی تھا نہ اُسکی قواعد داں سپاہ تھی بلکہ بسی کا بہترین ہندوستانی افسر ابراہیم خاں بھی برخاست ہو کر اپنے ساتھ اپنا زبردست توپ خانہ اور تجربہ کار توپچی لئے ہوئے پیشوا کے پاس ملازمت اختیار کر چکا تھا ابتدائی آویزشوں کے بعد ہی یہ نتیجہ نکلا کہ نواب نظام الملک کو مجبور ہو کر ۱۷۶۰ء میں اُن تمام شرایط پر راضی ہونا پڑا جنکا مطالبہ پیشوا نے کیا۔ چنانچہ دکن کے چار اہم قلعے پیشوا کو حوالے کر دئے گئے۔ احمد نگر پر پیشوا کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا اور اسقدر مزید علاقہ اُسکے حوالے کیا گیا جسکی سالانہ آمدنی ۶۲ لاکھ تھی۔ اس طرح دکن کے صوبہ جات متعلقہ سلطنت مغلیہ میں سے کٹ کٹا کر بہت تنگ علاقہ باقی رہگیا۔ اس وقت مرہٹوں کی قوت معراج کمال پر پہنچ گئی تھی۔ دریائے سندھ اور دریائے کولرون سے

(صفحہ ۱۳۵)

باب (۱) فصل پنجم

برسوں نہیں پنپ سکا ۔

احمد شاہ کا دوسرا اور تیسرا حملہ

احمد شاہ نے گھر جا کر پھر اپنی فوجوں سے محنت لینی شروع کی اور جب اُنکی تربیت حسب دلخواہ ہو چکی تو پھر پیشقدمی کر کے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کر لیا اور اپنا ایک سفیر اس غرض سے دہلی بھیجا کہ ان دونوں صوبوں کو باضابطہ فاتح کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ایک رشوت خوار خواجہ سرا کے بہکانے میں آکر احمد شاہ کے اس مطالبے کو منظور کر لیا۔ نواب وزیر اس وقت روہیلوں کے تعاقب میں معروف تھا۔ یہ خبر سنتے ہی بہ تعجیل تمام دہلی پہنچا لیکن وہ اتنی دیر کر کے آیا تھا کہ اب ان صوبوں کی واپسی ممکن نہ تھی چنانچہ اُسنے جھنجھلاہٹ میں آکر اس خواجہ سرا کو دعوت کے بہانے سے بلا کر قتل کرا ڈالا۔ اس چیرہ دستی نے احمد شاہ کو بہت برافروختہ کیا اور اُسنے فوج کا انصرام غازی الدین کے سپرد کر دیا۔ یہ غازی الدین نواب نظام الملک کا پوتا اور اُس شہزادے کا بیٹا تھا جسے اُسکی سوتیلی ماں نے اورنگ آباد میں زہر دیکر مار ڈالا تھا۔ اس طرح شہنشاہ اور وزیر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور شہر دہلی چھ ماہ تک خونریزیوں کا منظر بنا رہا۔ آخر کار غازی الدین نے اپنی امداد کے لئے ہلکر کے سرفروشوں کو بلا لیا اور نواب وزیر نے جب اس خونخوار گروہ کے مقابلے کی تاب اپنے میں نہ پائی تو مفاہمت پر راضی ہو گیا اور اُسکو شہنشاہ نے اودھ اور الہ آباد اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت دیدی اور اس طرح یہ دونوں صوبے ہمیشہ کے لئے سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو گئے۔ چند روز میں غازی الدین کی خودسریاں حد درجہ بڑھ گئیں اور جس وقت کہ وہ بھرتپور کے محاصرے میں معروف تھا اُس وقت بادشاہ بہ نفس نفیس ایک جرار سپاہ کے ساتھ اُسکے گرفتار کرنیکے لئے روانہ ہوا مگر شاہی فوجوں کو شکست ہو گئی بادشاہ خود غازی الدین کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور نمکحرام ملازم نے اپنے آقائے ولی نعمت کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور شاہی خاندان کے ایک شہزادے کو عالمگیر ثانی کا لقب دیکر ۱۷۵۴ء میں تخت پر بٹھا دیا۔ اسکے بعد غازی الدین نے پنجاب پر پیشقدمی کی اور احمد شاہ ابدالی کے عامل کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ یہ حال سنتے ہی احمد شاہ نہایت عجلت کے ساتھ انتقامی حملہ کر کے آیا اور ۱۷۵۶ء میں پنجاب کو پھر فتح کر لیا اور دہلی پر پیشقدمی کر دی۔ غازی الدین نے نہایت عاجزانہ اظہار اطاعت شعاری شروع کیا اسلئے ابدالی نے اُسکی تو جان بخشی کر دی لیکن تاوان جنگ وصول کرنیکے طور پر

(صفحہ ۴۳)

اسکے شاندار اسباب آرائش کو سیواجی کے جفاکش کوہستانیوں کے ٹوٹے پھوٹے ساز و سامان کا بالکل ضد سمجھنا چاہیئے کیونکہ اب مرہٹوں کو بھی مسلمان بادشاہونکی شان و شوکت کا چسکا پڑتا چلا تھا۔ سرداروں کے بلند اور وسیع خیموں کے گرد پشمین زر دوزی کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف اُسمیں جواہرات آویزاں تھے۔ لشکر کے ساتھ کثرت سے نہایت زرق برق کوتل گھوڑے اور قیمتی عماریوں کے ہاتھی بھی بھیجے گئے تھے۔ نصف صدی کے دوران میں جس قدر مال و دولت پر ہتھا پھیری کیگئی تھی اُس سب کا اس موقعے پر اظہار کر دیا گیا تھا۔ افسروں کی وردیاں بالکل سنہری تھیں اور فوجی خزانہ دو کرور روپے سے بھرا ہوا تھا ملک بھر میں جتنے مرہٹہ سردار تھے سبکو بھاؤ کی ہمرکابی کے لئے طلب کر لیا گیا تھا اور تمام مرہٹہ سپاہی قومی جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے تھے۔ اس آویزش کو ہندو مسلمان کی جنگ کے نام سے شہرت دیدی گئی تھی اسلیئے راستے میں جگہ جگہ خصوصاً راجپوتانہ میں بہت سے ہندو رئیس مرہٹہ فوج میں شریک ہوتے جاتے تھے سورج مل جاٹ سردار بھی اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ آملا تھا۔ مگر مرہٹہ سپاہ کے ساتھ دو سو بھاری توپوں کا بھی لداوا تھا اور سورج مل نے نہایت عاقلانہ مشورہ بھاؤ کو دیا کہ اس خدا واسطے کے بوجھ کو گوالیار میں چھوڑ دے اور جنگ کا وہ طریقہ اختیار کرے جو مرہٹوں کا قومی طریقہ تھا یعنے ہر جگہ کی رسد کو لوٹ لیا کرے اور جہاں دشمن کی فوج کے دستے علحدہ مل جائیں اُن پر اطمینان سے ہاتھ صاف کر لیا کرے۔ لیکن بھاؤ نے اس مشورے سے نخوت کے ساتھ منھ پھیر لیا اور سورج مل اپنی فوج لیکر معہ چند دیگر راجپوت سرداروں کے مرہٹہ لشکر سے کنارہ کش ہو گیا۔ بھاؤ سب سے پہلے دہلی آیا اور ایرانیوں اور افغانیوں سے جو محل۔ مقبرے یا دوسرے معبد رہگئے تھے اُنھیں لوٹ کھسوٹ کر مسمار کر دیا ۱۷۶۱ء میں دونوں فوجیں میدان پانی پت میں مقابلے پر آئیں جہاں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ اب تیسری مرتبہ پھر ہونے والا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں پچپن ہزار تنخواہ دار باقاعدہ سوار پندرہ ہزار بے تنخواہ لٹیرے سوار۔ اور پندرہ ہزار وہ پیدل تھے جنکو بسی کی تربیت نصیب ہو چکی تھی اور اب بسی کے بہترین دیسی سپہ سالار ابراہیم خاں کی

باب اول
فصل پنجم

کناروں پر اُنکا یکساں عظمت و شان کے ساتھ نام لیا جاتا تھا اور ہندوستان اور دکن میں اُنکا رعب برابر چھایا ہوا تھا اور وہ خود گردن فرازی کے ساتھ ہندوستان میں ایک نئی ہندو سلطنت قائم کرنیکے دم خم ظاہر کر رہے تھے۔

ابدالی کا چوتھا حملہ

رگھوبا نے شمالی ہند میں مرہٹہ اغراض کی توسیع کی خاطر ہلکر و سندھیا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تاکہ روہیلکھنڈ پر پھر ایک غارتگرانہ تاخت کر سکے درآں حالیکہ اس سے پہلے سندھیا صرف ایک ماہ کے عرصے میں اسی علاقے کے تیرہ سو مواضعات برباد کر چکا تھا۔ لیکن اس منصوبے میں رگھوبا کو کامیابی نہیں ہوئی اور نواب وزیر نے اُسے شکست دیکر جمنا پار بھگا دیا۔ یہ کشاکش جاری ہی تھی کہ یکایک احمد شاہ نے چوتھی مرتبہ اپنے مقبوضات کی توسیع و استحکام کے لئے ستمبر ۱۷۵۹ء میں زبردست فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر لیا۔ نمک حرام غازی الدین نے اس آمد کی خبر سنکر احمد شاہ بادشاہ دہلی کو فوراً قتل کرا دیا کیونکہ وہ اُسے اندھا کر چکا تھا اور ڈرتا تھا کہ کہیں ابدالی کی نظر آنکھوں سے محروم بادشاہ پر نہ پڑ جائے۔ دہلی کے تخت پر ایک مجہول الاسم شہزادے کو اُسنے بٹھا دیا لیکن اُسکی حکومت کبھی مسلم نہیں ہوسکی۔ ہلکر اور سندھیا کے پاس اس وقت تیس ہزار سوار تھے مگر وہ دونوں ایکدوسرے سے دور دور تھے اسلئے ابدالی نے یہ عزم کر لیا کہ انکے مل جانے سے پہلے ہر ایک کی الگ الگ خبر منالے۔ چنانچہ اُسنے سندھیا کو شکست دی جسمیں سندھیا کی دو ثلث فوج ضائع ہوگئی۔ اسکے بعد ہلکر کو بھی سخت خونریزی کے بعد شکستِ فاش اُٹھانی پڑی۔ ان نحوستوں کی خبروں نے پیشوا اور اُسکی مجلسِ حکومت کی سرگرمیوں میں ایک تازہ روح پھونکدی چنانچہ ایک زبردست فوج تیار کیگئی جسکی سرکردگی سداشیوراؤ بھاؤ کے سپرد کیگئی۔ یہ بھاؤ پیشوا کا ابنِ عم تھا اور نہایت پختہ کار اور بڑا بہادر اور مستعد سپہ سالار تھا لیکن اسمیں ایک عیب یہ تھا کہ نہایت مغلوب الغضب اور ناعاقبت اندیش تھا اور اپنی قابلیتوں پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ رکھتا تھا۔

معرکۂ پانی پت　(صفحہ ۱۳۶)

اس وقت جو فوج احمد شاہ ابدالی کے مقابلے کے لئے چلی اُس سے بڑی فوج مرہٹے کبھی میدان میں نہیں لائے تھے۔

باب اول
فصل پنجم

معرکہ پانی پت کے اثرات

سلطنت مغلیہ کو تو معرکۂ پانی پت کے ساتھ ہی ختم سمجھ لینا چاہئے
اسکا تمام علاقہ ٹوٹ پھوٹ کر مختلف ریاستیں بن کھڑی
ہوئیں تخت کا دعویدار بہار میں کچھ کرائے کے سپاہی لئے لوٹ مار کرتا پھرتا تھا
اور وہ قوم جسکو قضا و قدر نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھکر ہندوستان کی
مختلف اقوام کو ایک چھتر کے سائے تلے جمع کرنیکے لئے مقرر کر دیا تھا اب اپنے
اقتدار حکومت کی بنیاد دوادے گنگ میں قائم کر چکی تھی - چنانچہ اب ہم انگریزی قوم کے
عروج و ترقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ؏

فصل ششم

ایسٹ انڈیا کمپنی بنگال میں

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی

مشرقی تجارت سے پرتگال نے سولھویں صدی کے دوران
میں جو دولت حاصل کی تھی اُسنے انگلستان میں بھی یہ شوق
پیدا کیا کہ اس دولت میں کچھ حصہ بٹایا جائے - چنانچہ ڈریک - کیونڈش اور
دوسرے جہازرانوں میں بحری حوصلہ مندیوں کا ایک جوش پیدا ہوا جسکی
سرپرستی ملکہ الیزبتھ نے فرمائی اور یہ سب مشرقی سمندروں میں نئے مقامات
دریافت کرنیکے شوق میں بحری سفروں پر روانہ ہوتے رہے - (صفحہ ۱۴۸)
۱۵۸۳ء میں فچ اور دوسرے تین حوصلہ مندوں نے اقلیم ہند کے پورے
عرض و طول کا سفر کیا اور یہاں کی بادشاہتوں کے تمول اور شان و شوکت کے
جو فسانے یہ لوگ اپنے گھر لیکر آئے اس سے انگریزی قوم کو ایک نہایت زرخیز
تجارت کے خواب ہر وقت دکھائی دینے لگے - بحری حوصلہ مندیوں کا یہ جوش یہ کچھ
عرصے کے لئے اُس بحری سفر کی ناکامی سے ٹھنڈا پڑ گیا جو تین سال تک کپتان
لنکاسٹر نے اس جستجو میں کیا تھا مگر پھر اس خبر سے اسمیں جان پڑ گئی کہ ہالینڈ کی پہلی
تجارتی مہم ہندوستان پہنچ بھی گئی اور وہاں سے نہایت قیمتی مال ساتھ لیکر

مرکوز کی ہوئی تھے۔ افغانی فوج میں اسی ہزار چیدہ سپاہی تھے اور اتنی ہی بے قاعدہ فوج بھی تھی۔ اور ستر توپیں تھیں۔ اول تو چند پے در پے جھڑپیں ایسی ہوئیں جنھیں سے بعض اچھے خاصے معرکے سے موسوم کی جا سکتی ہیں اسکے بعد مرہٹوں نے ایک مورچہ بند پڑاؤ ڈال لیا جسمیں مبارزین وغیر مبارزین کو ملاکر اس وقت تین لاکھ نفوس جمع ہوگئے۔ ذرا سے عرصے میں اس کثیر التعداد گروہ کو رسد کی فکر ہونے لگ گئی۔ افسروں نے جب اپنے تئیں ایسے مورچے میں گھرا ہوا پایا جسکی ہر طرف سے ناکہ بندی ہو رہی تھی اور جانوروں کے مرتے جانے سے رسد کم پڑتی جا رہی تھی اور سپاہیوں کے سر پر فاقہ منڈلانے لگا تھا تو انھوں نے اپنے سپہ سالار سے مطالبہ کیا کہ باہر نکل کر مردانہ وار انکو مقابلے کے لیئے آگے بڑھائے۔ چنانچہ ۷ جنوری ۱۷۶۱ء کو ہولناک معرکۂ پانی پت شروع ہوا اور مرہٹہ سرداروں نے اپنے قومی وقار کو نہایت شان کے ساتھ قائم کرنا شروع کیا۔ لیکن کوئی دو گھنٹے کے بعد پیشوا کے بیٹے بشواش راؤ نے مہلک زخم کھایا اور سداشیو راؤ بھاؤ میدان چھوڑ کر بھاگا اور فوج میں ابتری پھیل گئی۔ نہ پناہ مانگی گئی نہ پناہ دیگئی اور خونریزی نہایت ہولناک ہوئی۔ مرہٹہ فوج کا چوتھائی حصہ بھی جان بچاکر بھاگ نہیں سکا اور یہ حساب لگایا گیا کہ ابتدائے معرکے سے انتہا تک کل اتلاف جان معہ غیر مبارزین کے دو لاکھ ہوا۔ اس سے بڑھکر سخت یا اس سے زیادہ فیصلہ کن شاید ہی کبھی کوئی رن پڑا ہو۔ تمام مرہٹہ سلطنت کے طول و عرض میں شاید ہی کوئی خاندان ایسا بچا ہو جسکو اپنے کسی نہ کسی عزیز کا ماتم نکرنا پڑا ہو۔ پیشوا کے دل پہ اس خبر کا ایسا دہلا کا بیٹھا کہ وہ آخر کار جانبر ہی نہو سکا اور پھر مرہٹہ سلطنت کو وہ شان اور وہ استحکام کبھی نصیب نہیں ہوا۔ نربدا کے شمال میں تمام مرہٹہ مفتوحات ہاتھ سے نکل گئے۔ اگرچہ وہ سب علاقے بعد کو ہاتھ آگئے مگر اب ان پہ علیحدہ علیحدہ سرداروں نے قبضے کیئے جنکے اغراض آپس میں متحد نہیں تھے اسلیئے مرکزی حکومت کے ساتھ مختلف سرداروں کی وابستگی میں اور بھی فرق آگیا اور ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ لیکر الگ ہوگیا۔ ابدالی نے اس طرح ہندو قوت کو توڑ مروڑ کر ہندوستان کی طرف پیٹھ موڑلی اور پھر کبھی یہاں کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔

صفحہ ۱۳۱

باب اول
فصل ششم

احمد آباد اور دوسرے شہروں میں تجارتگاہیں قایم کرنیکی اجازت ملگئی اور شہنشاہ جہانگیر نے ان حقوق کی تصدیق بھی فرمادی تھی۔

سر ٹامس رو کی سفارت

کچھ ہی عرصے بعد کمپنی نے شاہ جیمز اول کو اسپر راضی کرلیا کہ وہ سر ٹامس رو کو اپنا سفیر بناکر دربار دہلی میں بھیجے جہاں سر ٹامس کا بڑے امتیاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور کمپنی کے لیئے مزید مراعات عطا فرمائی گئیں۔ کمپنی نے پرتگالیوں سے ارمز بھی چھین لیا اور خلیج فارس میں بھی تجارتی استحکام حاصل کرلیا مگر یہ مقام بعد کو بےمصرف ثابت ہوا۔ سنہ ۱۶۲۰ء میں کمپنی کے کارندوں نے پہلی مرتبہ وادی گنگا میں قدم رکھا اور پٹنہ میں ایک تجارتگاہ قائم کی لیکن حقیقتاً کمپنی کو بنگال میں قدم جمانا اپنے ایک ڈاکٹر مسٹر بوٹن کی وطن پرستی کے طفیل میں نصیب ہوا۔ اس زمانے میں شہنشاہ دہلی دکن میں تھا۔ اُسکی شہزادی یکایک سخت علیل ہوگئی۔ اور سورت میں کمپنی کے ہمہم کے پاس کسی ہوشیار معالج کو بھیجنے کا فرمان پہنچا۔ مسٹر بوٹن کو فوراً روانۂ خدمت کیا گیا اور خدا نے اُسکے ہاتھ سے شہزادی کو شفا دلادی۔ پیشگاہ خسروی سے ارشاد ہوا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ مگر عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنی ذات کے لیئے کچھ طلب کرنے کے بجائے اپنے آقاؤں کے لیئے بنگال میں تجارتگاہیں کھولنے کی پروانگی مانگی جو فوراً دیدیگئی۔ اسکے دو سال بعد شہنشاہ کے منجھلے شہزادے نے جو صوبیدار بنگال مقرر کیا گیا تھا اپنا دربار راج محل میں قائم کیا۔ حرم سرائے سلطانی کی ایک خاتون کی طبیعت پھر ناساز ہوگئی۔ پھر ڈاکٹر بوٹن کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پھر خدا نے شفا دی اور پھر عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنی ذات کے لیئے کوئی انعام نہیں لینا چاہا اور کمپنی کے لیئے ہگلی اور بالاسور میں تجارتگاہیں قائم کرنیکی اجازت حاصل کی۔

دستور ۱۳۹

مدراس

کمپنی کی پہلی تجارتگاہ ساحل کورومنڈل پر مسولی پٹم میں قائم کی گئی تھی اور وہاں سے ارمیگانو کو منتقل کردیگئی تھی۔ مگر اس جگہ بھی کاروبار کو فروغ نہیں ہوا اسلیئے مہتمم تجارتگاہ نے چندرگری کے راجہ کی دعوت کو قبول کرکے بیجانگر میں اپنا کاروبار منتقل کردیا اور موضع مدراس پٹم میں ایک قطعۂ زمین کا عطیہ حاصل کیا جو تجارتی اغراض کے اعتبار سے نہایت بے ڈھنگا مقام تھا۔ بہرحال

واپس بھی لوٹ آئی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۰۰ء میں لندن کے سوداگروں۔ لوہے والوں۔ بزازوں اور دوسرے تاجروں نے تیس ہزار ایک سو تینتیس (۳۰۱۳۳) پونڈ کے چندے سے ایک انجمن مشرقی ممالک کے ساتھ تجارت کھولنے کی غرض سے قائم کی۔ سنہ ۱۶۰۱ء میں ملکہ الیزبتھ نے اس انجمن کی حیثیت کو سرکاری طور پر تسلیم کرنیکا پٹہ بھی عطا فرما دیا اور اس انجمن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا لقب اختیار کرکے ڈیڑھ صدی تک اپنی تمام قوت عمل کو صرف اغراض تجارت پر معروف رکھا اور پھر اپنی تجارتگاہوں کی محافظت کیلئے ہتیار اٹھایا اور ارتقاء کائنات کے قانون کے مطابق درجہ بدرجہ ترقی کرکے اقلیم ہند کی مالک بنگئی ؎

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا کارنامہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ سب سے پہلے مجمع الجزائر مشرقی کے جزائر تیز بو (Spice Islands) کی طرف مبذول ہوئی جہاں اس وقت پرتگالیوں سے سبقت لیجانے کی جد وجہد میں ولندیزی (Dutch) معروف تھے۔ اس زمانے میں مشرقی تجارت کی اصلی غرض یہ تھی کہ گرم مصالحہ۔ مرچ سیاہ۔ قرنفل اور جائفل ممالک مشرق سے لیجاکر اُنکے معاوضے میں انگلستان سے لوہا۔ قلعی۔ سیسہ۔ کپڑا۔ چھری چاقو۔ شیشہ آلات سیماب اور رنگی ہوئی کھالیں لائی جائیں۔ پہلی تجارتی مہم ٹوربے سے اپریل سنہ ۱۶۰۱ء میں روانہ ہوئی۔ بعد کے دس سال میں آٹھ بحری سفر اور کیئے گئے جنمیں ڈیڑھ سو فیصدی سے زائد کا منافعہ ہوا۔ اس منافعے کا کچھ حصہ اُس مال غنیمت پر بھی مشتمل تھا جو بحیثیم یورپین تاجروں کے جہازوں کو لوٹ کر حاصل کیا گیا تھا اور یہ آمدنی اُس زمانے کی جہازراں قوموں کی نظر میں بالکل حلال طیب تھی۔ سنہ ۱۶۱۱ء میں کمپنی نے کچھ جہاز سورت بھی بھیجے جو اُس زمانے میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی زبردست منڈی تھی مگر پرتگالیوں نے اِن دخیل کاروں کو اندر قدم نہ رکھنے دینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا اسلیئے اُنھوں نے دریائے تاپتی کے دہانے پر اپنے مسلح جہازوں کی قطار کھڑی کر رکھی تھی چنانچہ دونوں قوموں کے جہازوں میں خوب خوب مڈبھیڑیں ہوئیں جنکے آخر میں پرتگالی جہاز بالکل بیکار ہوکر شکست کھا گئے اور چونکہ پرتگالیوں کی چیرہ دستی سے دیسی رعایا عام طور پر خوفزدہ رہتی تھی اسلیئے اس فتح سے انگریزوں کی شہرت خود بڑھگئی اور سنہ ۱۶۱۲ء میں انکو سورت

باب اول
فصل ششم

بارہ جنگی جہازوں کے ساتھ جن پر دو سو توپیں اور ایک ہزار سپاہی کی قوت تھی
اسلیئے بھیجا گیا کہ وہ چٹگانگ پر قبضہ کرلے اور اُسکے مضافات کی حوالگی اور
ٹکسال قائم کرنیکے حقوق کا مطالبہ کرے۔ لیکن ان حوصلہ مندیوں کو سخت مایوسی کا
سامنا کرنا پڑا۔ وہ بیڑا طوفان سے تباہ ہوگیا اور اُسکا کچھ بچا ہوا حصہ کسی طرح
ہگلی پہنچا جہاں مدراس سے آئے ہوئے چار سو سپاہی بھی انمیں شامل ہوگئے۔
اس زبردست بحری مہم نے نمودار ہوکر نواب کو اسپر مجبور کیا کہ وہ صلح کی تحریک کرے۔
مگر مبادیات صلح طے ہونے سے پہلے تین نشہ میں بدمست جہازی بازار میں چلے گئے اور
نواب کی پولیس سے لڑ پڑے۔ اس لڑائی نے ایسا طول کھینچا کہ دونوں طرف کے
سپاہی جمع ہوگئے اور اچھا خاصہ معرکہ پیش آگیا جو معرکۂ ہگلی کے نام سے مشہور ہے۔
اس معرکے میں نواب کی فوج کو شکست ہوگئی جسکے بعد امیر البحر نے شہر میں آگ لگا دی
اور پانسو مکانات جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے۔ کمپنی کے مہتمم تجارتگاہ کو بڑا خوف ہوا
کہ کہیں نواب کی فوج نہ اُمنڈ کر چلی آئے اسلیئے وہ اپنے تمام عملے کو لیکر موضع چٹانٹی کو
چلا گیا اور وہاں سے سندربن کی دلدل کے ایک جزیرہ میں پناہگزیں ہوا جہاں
اُسکے متعلقین کے نصف تعداد رطوبی بخار سے فوت ہوگئی۔ اسکو اس مصیبت سے نواب کے
اُس سفیر نے آکر نجات دلائی جو صلح کی تجاویز لیکر آیا تھا۔ ادھر مجلس انتظامیہ نے جو کہ
اپنے نصب العین کی تعمیل زبردستی کرانے پر تلی ہوئی تھی اپنے مہتمم بمبئی کو یہ حکم دیدیا
کہ سورت کی ناکہ بندی کردے جو ساحل مغربی پر حجاج کیلیے کا بندرگاہ تھا۔ چنانچہ
عازمان حج کی روانگی میں رکاوٹ پڑ گئی۔ اس موقع پر اورنگزیب کا
احساس فرائض مذہبی اُسکی نخوت پر غالب آگیا اور اُسنے فوراً اُن کافروں سے
مفاہمت کرنی چاہی جنھوں نے مکے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک معاہدہ طے پاگیا
اور مسٹر چارنک مہتمم تجارتگاہ کلکتہ سندربن کے دلدلی جزیرے سے پھر موضع چٹانٹی کو
واپس آگیا لیکن وہ وہاں عرصے تک مقیم نہیں رہ سکا۔ مجلس انتظامیہ نے ہگلی کی
کامیابی کا حال سنکر یہ عزم کرلیا کہ اب اس جنگ کو تکمیل تک ضرور پہنچایا جائے اور
سنہ ۱۶۸۸ء میں کپتان ہیتھ کو کئی جنگی جہازوں کے ساتھ بنگال بھیجا۔ کپتان ہیتھ نے
بنگال پہنچکر معاہدۂ مذکور الصدر کو ناجائز قرار دیدیا اور جنگی کارروائیاں پھر شروع کردیں

صفحہ (۱۴۱)

باب اول فصل ششم

اس مقام پر ۱۶۳۹ء میں کمپنی نے ایک قلعہ بنایا جسکا نام انگلستان کے صاحب خدمت ولی کے نام پر فورٹ سینٹ جارج رکھا گیا اور مرور زمانے کے ساتھ اس قلعے کے گرد شہر مدراس آباد ہوتا گیا ؂

بمبئی

سورت کمپنی کے ساحل مغرب کے بندرگاہ کی حیثیت سے ۱۶۶۲ء تک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ مگر اسی سال میں چارلس ثانی شاہ انگلستان کی شادی پرتگال کی شہزادی انفنٹا کیتھرین سے ہوئی اور شاہ پرتگال نے اپنی شہزادی کے جہیز میں بندرگاہ بمبئی دیدیا۔ سلطنت انگلستان نے اس بندرگاہ کو خرچ زیادہ اور آمدنی کم دیتا ہوا دیکھکر کمپنی کے حوالے کردیا جسنے اپنا تمام سورت والا عملہ یہاں منتقل کرلیا۔ بنگال میں کمپنی کی تاریخ چالیس سال تک قابل تذکرہ واقعات سے معرا ہے۔ البتہ وہاں اسکو بڑی خوشحالی نصیب ہوئی اور اُسکا کاروبار اتنا چلنے لگا کہ بنگال کو ایک احاطہ قرار دیکر علٰحدہ پریزیڈنٹ وہاں مقرر کرنا پڑا۔ لیکن رفتہ رفتہ ڈاؤگیٹ کے حساب کتاب کے دفتروں کے سادہ لوح سوداگروں پر ملک گیری کی ہوس غالب آنی شروع ہوگئی جس نے انکو تباہی کے قعر عمیق کے کنارہ پر لا کھڑا کیا ؂

(نمبر ۱۴۰)

چیونٹی نے پر نکالے

کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے سلطنت انگلستان سے محکمۂ امیر البحری کے اختیارات حاصل کرلیئے تھے جنمیں تمام دخیلکاروں کو گرفتار کرلینے کی پروانگی بھی شامل تھی۔ اس کمپنی کے کثیر منافعے کو دیکھکر لندن میں ایک اور ہمچشم کمپنی قائم ہوگئی اور اُسکی بیخکنی ضروری معلوم ہونے لگی۔ پرانی کمپنی کے کارکنوں نے نئی کمپنی کے کارکنوں کو بنگال سے بالکل بیدخل کرنیکے لیئے سلطنت مغلیہ کے صوبیدار بنگال سے دہانۂ دریا پر ایک قلعہ تعمیر کرنیکی اجازت مانگی لیکن عامل موصوف نے اس استدعا کو گستاخی پر محمول کیا اور کمپنی کے مال برآمد پر محصول بڑھا دیا جو شاہی فرمان کے سراسر خلاف تھا۔ اس سے پہلے بھی اس قسم کی گوشمالیوں کا عمل درآمد ہوتا رہتا تھا مگر تحفے تحائف پیش کرکے اُنسے معافی مل جاتی تھی۔ لیکن اس دفعہ کمپنی نے بھی تعلی کی اور اپنی شکایات کی تلافی کا فیصلہ سلطنت مغلیہ کے ساتھ اظہار مخاصمت کے ذریعے سے کرنا چاہا درانحالیکہ سلطنت موصوفہ اس وقت میں اپنے معراج کمال پر تھی۔ شاہ انگلستان کی اجازت سے ۱۶۸۵ء میں امیر البحر نکانسن کو

(صفحہ ۱۴)
باب اول
فصل ششم

تعمیر فورٹ ولیم

اب کمپنی کے پاس بنگال میں اپنی ذاتی ایک نو آبادی ہو گئی تھی۔ اور اُسے فکر تھی کہ مدراس اور بمبئی کی طرح اسکو بھی حفاظت کے خیال سے مستحکم کرلے لیکن سلطنت مغلیہ کی حکمت عملی کے خلاف تھا کہ اس قسم کے قلعہ جات کی تعداد اس طرح بڑھنے دے۔ دوسرے دونوں احاطوں میں جو قلعے تھے وہ بھی اُس وقت تعمیر ہو گئے تھے جبکہ اُن علاقوں پر مغلوں کی حکومت نہیں پھیلی تھی اسلیئے بنگال میں قلعہ بنانیکی استدعا کو نواب بنگال نے نامنظور کر دیا لیکن ۱۶۹۵ء میں زمیندار بردوان نے علم بغاوت بلند کیا اور اُڑیسہ کا افغان سردار رحیم خاں بھی اُسکا شریک ہو گیا اور دونوں نے ہُگلی کو لوٹ لیا اور تمام غیر مُلکی مستعمرات کو دھمکی دینی شروع کی۔ اس وقت تمام غیر ملکیوں نے اس بے پناہ خطرے کو نواب کے ذہن نشین کیا اور خود نواب پر اس بغاوت سے کچھ ایسی بدحواسی طاری ہو گئی تھی کہ اُسنے انھیں عام اجازت دیدی کہ اپنی اپنی حفاظت کا بطور خود انتظام کر لیں۔ چنانچہ فوراً ہر ہاتھ کام پر لگا دیا گیا۔ ولندیزیوں نے چنسورا میں فرانسیسیوں نے چندرنگر میں اور انگریزوں نے کلکتے میں اپنے اپنے استحکامات تعمیر کرا لیئے۔ انگریزوں نے اپنے حکمران بادشاہ کے نام پر اپنے قلعے کا نام فورٹ ولیم رکھا۔

ہمچشم کمپنیاں

اب ایسٹ انڈیا کمپنی کو خاص لندن ہی میں ایک زیادہ خطرناک دشمن نے دھمکی دینی شروع کی۔ ہندوستانی تجارت کے دھڑا دھڑ فائدوں نے تجارتی رقیبوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا تھا جو سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری کو توڑ دینا چاہتے تھے کسی نہ کسی طرح ۱۶۹۳ء میں کمپنی نے اپنے پٹے کی تجدید کرا ہی لی۔ لیکن چند ہی ماہ بعد ایوان عام میں ایک قرارداد اس مضمون کی منظور ہو گئی کہ ہر انگریز کو یہ حق حاصل ہے کہ سوائے ایوان حکومت کی خاص ممانعت کی حالت کے اور ہر قسم کی تجارت ممالک مشرق کے ساتھ کر سکے۔ اس سے اُن لوگوں کو اور شہ ملگئی جو پہلے ہی سے اس تجارت کے لیئے منھ پھاڑے بیٹھے تھے اور انھوں نے بھی ایوان حکومت میں ایک عرضداشت پیش کی کہ انکو بھی ایک ضابطے کا پٹہ عطا کر دیا جائے اور اپنی عرضداشت کو زور دینے کے لیئے بیس لاکھ کا قرضہ آٹھ فیصدی شرح سود پر دینے کی آمادگی

اور کمپنی کے تمام عملے اور جائداد کو پندرہ جہازوں پر بار کر کے وہ سیدھا بالاسور پر
جا دھمکا اور اُسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور وہاں سے پھر لوٹ کر چٹگانگ
آگیا۔ مگر یہاں اُسکی امید کے خلاف یہ قلعہ زیادہ مستحکم ملا اسلیئے بغیر کوئی انتقامی
کارروائی کیئے وہ یہاں سے سیدھا مدراس چلا گیا اور کمپنی کے متعلقین و جائداد کو
وہاں اُتار دیا۔ ان دیدہ دلیریوں نے اورنگ زیب کو نہایت برافروختہ کیا
اور اُسنے حکم دیدیا کہ ہندوستان میں جتنی انگریزی تجارت گاہیں ہیں وہ
سب بحق سرکار ضبط کر لی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہونے پر کمپنی کے
پاس سوائے دو قلعہ بند تجارتگاہوں یعنی بمبئی اور مدراس کے اور کچھ باقی
نہیں رہگیا۔ آخر مجبور ہوکر سر جان چائلڈ گورنر بمبئی نے دو مقتدر اشخاص کو
اورنگ زیب کی خدمت میں استدعائے صلح دیکر بھیجا۔ اُس زمانے کی بیجاپور کی
فتوحات سے اورنگ زیب نے اپنی محروسات کو تمام ہندوستان پر حاوی کر لیا تھا
مگر باوصف اسکے کہ اُسکی قوت خشکی میں ناقابل مقابلہ تھی تری کے مالک اب بھی
انگریز تھے اور اُنھوں نے تمام مغلیہ بندرگاہوں کی ناکہ بندیاں کر رکھی تھیں اور حج کے
جانیکا راستہ بھی روک رکھا تھا اور تجارت بھی بالکل بند کر دی تھی۔ ادھر ہندوستان کی مخلوق کو
انگریزی تجارت کے معطل ہو جانے سے جو تکلیف ہو رہی تھی وہ بھی اورنگ زیب کی نظر سے پنہاں نہیں تھی کیونکہ
کمپنی کی خرید و فروخت کی مقدار ایک کروڑ سالانہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ اورنگ زیب اسپر رضامند
ہو گیا کہ ان کافروں کی گستاخیوں سے درگزر کر کے انکی تجارتگاہیں انھیں واپس
کر دے۔ نواب بنگال نے جو اس وقت انگریزوں کا طرفدار ہو گیا تھا منشائے
سلطانی سے فوراً مسٹر چارنک کو اطلاع دی اور اُس سے خواہش کی کہ بنگال کو
واپس لوٹ آئے۔ چنانچہ مسٹر چارنک ۲۴۔ اگست ۱۶۹۰ء کو چٹانٹی پر آ اُترا اور
قریب ہی کے ایک موضع موسومہ کلکتے میں ہندوستان کے آئندہ دارالحکومت کی
بنیاد قائم کی۔ غرض حوصلہ مندی کا یہ دورہ پانچ سال سے زائد قائم نہیں رہا اور
آئندہ پچاس سال کے لیئے کمپنی کے متعلقین کو یہ سبق مل گیا کہ اپنی حیثیت صرف
ایک تجارتی انجمن کے کارکنوں سے زائد نہ سمجھا کریں اور اپنی طرز ماندوبود کو
اس حد سے آگے نہ بڑھنے دیں ۔

باب اول
فصل ہفتم

عاجزیاں اور پہلو تہیاں ہیں جن سب کا انتقامی خاتمہ معرکۂ پلاسی پر ہو جاتا ہے اور بس ہو

مرشد قلی خاں جس سال دونوں کمپنیاں متحد ہوئیں اُسی سال میں مرشد قلی خاں بنگال کا دیوان یعنے مشیر مال مقرر ہوا - وہ ایک غریب دکنی برہمن کا لڑکا تھا جسکو اصفہان کے ایک تاجر نے خرید کر مسلمان کرلیا تھا - اپنے آقا کی وفات پر اُسنے دیوان برار کی ملازمت اختیار کرلی اور اپنی مالی قابلیت کی وجہ سے اورنگ زیب کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی جسنے اُسکو ۱۷۰۲ء میں دیوان صوبۂ بنگال کے منصب پر سرفراز کردیا - اسکے کچھ ہی زمانے بعد اُسکو بنگال - بہار اور اُڑیسہ کی صوبیداری دربار شاہی سے عطا فرمادی گئی اور اُسنے اپنا دار الحکومت اپنے نام پر بسائے ہوے شہر مرشد آباد میں منتقل کرلیا - مرشد قلی خاں خوب جانتا تھا کہ بنگال کی تمام مرفہ الحالی کا انحصار بحری تجارت پر تھا اسلیئے اُسنے مغل اور عرب سوداگروں کو ہر طرح کی امداد دینی شروع کی - وہ یورپین تاجروں کی قلعہ بند تجارتگاہوں کو خصوصاً انگریزوں کے قلعہ کو نہایت حسد کی نظر سے دیکھتا تھا اور جب وہ اپنے منصب پر استقلال سے متمکن ہوگیا تو اُسنے اُن تمام حقوق کو پامال کرنا شروع کردیا جو انگریزی کمپنی نے پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیئے تھے ؛

کمپنی کا سفیر دہلی میں کلکتے کے پریزیڈنٹ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے معاملے کو پیشگاہ خسروی میں رجوع کرے اور ۱۷۱۵ء میں ایک سفارت دہلی روانکی جسکے ساتھ ہی ایسے قیمتی تحائف بھیجے گئے کہ مجلس انتظامیہ کا بھی دل دہل گیا - مرشد قلی خاں نے اپنی شکایتوں کی عرضداشت کو مسترد کرا دینے کے لیئے ہر طرح سے دربار خسروی میں اپنے تمام رسوخ و اقتدار سے کام لیا اور اگر ایک اتفاقی واقعہ نہ پیش آجاتا تو وہ کامیاب بھی ہو جاتا - شہزادہ فرخ سیر کی نسبت ایک راجپوت کماری سے ہوئی تھی مگر دلہن پر کسی مرض کا یکایک ایسا دورہ پڑ گیا کہ اُسکی وجہ سے رسم شادی رُک گئی تھی اور شاہی طبیب اُسکے علاج سے قاصر تھے - انگریزوں کے ایک طرفدار وزیر کی سفارش پر مسٹر ہیملٹن طبیب سفارت کو طلب کیا گیا اور خدا نے اُسکے ہاتھ میں شفا دی - احسان شناس شہنشاہ نے فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے مگر عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنے پیشرو ڈاکٹر بوٹن کی تقلید کرسکے

(صفحہ ۱۴۱)

باب اول
فصل ششم

ظاہر کی۔ چنانچہ یہ عرضداشت فوراً منظور کرلیگئی۔ پرانی کمپنی اس رقم کی ایک تہائی سے زائد نہیں پیش کرسکی تھی چنانچہ اُسکو یہ حکم دیا گیا کہ تین سال کے اندر اپنا حساب صاف کرلے۔ لیکن دونوں کمپنیوں کی رقابت پہلے ہی سال کے اندر کافتہ الناس کے مفاد کے منافی ثابت ہونے لگی۔ اُنکے باہمی مقابلے نے ہندوستان کے ہر بازار میں پیداوار کی قیمت بڑھادی اور ہر چیز کمیاب ہونے لگی۔ دیسی حکام کی خوشامدیں دونوں کمپنیوں کو کرنی پڑتی تھیں اور وہ دونوں کو خوب ہی خوب مونڈتے تھے یہانتک کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا سات لاکھ روپیہ جو تجارتی کاروبار میں صرف ہونا چاہیئے تھا صرف رشوتوں ہی میں اڑگیا۔ سورت میں نئی کمپنی کے آدمیوں نے پرانی کمپنی کے کارکنوں کو گرفتار کرکے تمام شہر کی گلیوں میں گھسیٹتے ہوئے لیجاکر نقض امن کرنیوالوں کی حیثیت سے حکام مغلیہ کے حوالے کردیا۔ اب انگریزی قوم کو اُن نحوستوں کا احساس ہوا جو دونوں ہمچشم کمپنیوں کے علٰحدہ علٰحدہ وجود سے طاری ہوگئی تھیں اور آخرکار ۱۷۰۲ء میں دونوں کو ملاکر "متحدہ انجمن تجارت ممالک مشرقی" نام رکھدیا گیا۔ اُنکے پہلے حقوق سلطنت نے منظور فرمالیئے اور ایوان حکومت نے نیا پٹہ بھی عطا کردیا اور دونوں کمپنیوں کے کارکنوں میں اتحاد باہمی کی وجہ سے سرگرمی و مستعدی کی ایک تازہ روح پھنک گئی۔ کلکتے کے استحکامات کو چپکے ہی چپکے لیکن نہایت پائداری کے ساتھ تعمیر کیا جاتا رہا جس سے دیسی تاجروں کو بھی اپنی حفاظت کا اتنا اطمینان ہوگیا کہ وہ بھی کثرت سے اسی شہر میں آبسے اور چند ہی روز میں یہی گانوں بنگال کا سب سے پُررونق شہر بنگیا۔ لیکن کلکتے کی تاریخ اس وقت سے معرکۂ پلاسی تک یعنے پچاس سال کے دوران میں اور خصوصاً مرشد قلی خاں کی صوبیداری کے زمانے میں اُن رشوت ستانیوں اور بالجبر استحصالوں کی ایک فہرست ہے جو سلطنت مغلیہ کے عمّال کی طرف سے معرض عمل میں آتے رہتے تھے اور اُن ترکیبوں اور تدبیروں کی ایک تفصیل ہے جو ان آئے دن کی دھونسوں سے بچنے کے لئے مہتمم تجارتگاہ کام میں لایا کرتا تھا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ایک طویل فسانہ ہے جسمیں ایک فریق کی چیرہ دستیاں اور دیدہ دلیریاں ہیں اور دوسرے فریق کی

(صفحہ ۲۴۴)

باب اول
فصل ششم

سوائے ایک بیوی کے کبھی دوسری طرف نظر نہیں کرتا تھا۔ اپنے نجی کے معاملات میں نہایت میانہ رو تھا اور خیر خیرات میں شہرۂ آفاق تھا۔ اُسکے عہد حکومت میں صوبہ جات متعلقہ کی مرفہ الحالی کو بڑی ترقی نصیب ہوئی۔ مرشد قلی خاں کا ۱۷۲۵ء میں انتقال ہوا اور اُسکا جانشین اُسکا داماد شجاع الدین ہوا جو خراسان کا ایک ترکمان سردار تھا اور جسنے اپنے خلاف دربار خسروی میں سازشیں برپا ہونیکے باوجود بھی اپنے منصب کو خاص طور سے اسلیئے قائم رکھا کہ سالانہ خراج خزینۂ سلطانی میں برابر وقت پر بھیجے جاتا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں شجاع الدین کا بیٹا سرفراز خاں اُسکا جانشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نادرشاہ نے آکر دہلی کو غارت کیا تھا چنانچہ مصلحت وقت دیکھکر سرفراز خاں نے سکہ و خطبہ اپنے نام پر جاری کرا دیا تھا

فصل ہفتم

غارتگری کلکتہ و تسخیر بنگال

علی وردی خاں

ایک سال کے اندر ایک ترک تاتار مسمی علی وردی خاں جو بہار کا عامل مقرر کیا گیا تھا کسی نہ کسی رشوت خوار وزیر کا منھ بھر کر صوبہ داری بنگال کا منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اُسنے ۱۷۴۱ء میں سرفراز خاں پر حملہ کرکے اُسے شکست دیدی اور قتل کر ڈالا۔ علی وردی خاں بیس سال تک برابر انصرام حکمرانی میں مصروف رہا اور اُس منصب کا اپنے تئیں نہایت اہل ثابت کیا جو اُسنے ایسے ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا اور یہ علی وردی خاں کی مستعدی اور پامردی ہی کا طفیل تھا کہ بنگال مرہٹہ صوبہ ہونے سے بچگیا۔ جس وقت کہ راگھوجی بھونسلا کرناٹک میں مصروف کار تھا اُسکا ایک سپہ سالار بھاسکر پنت بنگال میں گھس پڑا اور کٹک سے راج محل تک دریائے بھاگرتی کا تمام مغربی علاقہ تاراج کرکے رکھدیا۔ ۱۷۴۲ء میں اُسکی فوج کا ایک دستہ اچانک مرشد آباد کے سامنے نمودار ہو گیا اور اُسکے مضافات کو لوٹ لیا اور وہاں سے کے متمول

باب اول فصل ششم

اپنی ذات کے لیئے کچھ انعام نہیں مانگا بلکہ یہی استدعا کی کہ کمپنی نے جن استدعاؤں کے ساتھ وفد بھیجا ہے اُنکو شرف منظوری عطا فرمایا جائے۔ اُنمیں سے ایک استدعا یہ بھی کہ کلکتے کے مضافات میں ۳۸ مواضعات کمپنی کو بہ قیمت دیدیئے جائیں۔ ان مراعات پر صوبیدار بنگال کے طرفداروں اور کارکنوں نے کثرت سے اعتراضات کیئے مگر آخرکار انکو شرف منظوری حاصل ہوکر ہی رہا۔ یہ مواضعات دریا کے دونوں طرف دس دس میل تک پھیلتے چلے گئے تھے اور ان پر قبضہ حاصل ہو جانے سے کمپنی کا پورا اقتدار بحری تجارت پر قائم ہو جاتا۔ مگر مرشد قلی خاں نے زمینداروں کو بطور خود بلاکر یہ حکم دیدیا کہ اگر کسی نے ایک انچ بھی زمین فروخت کی تو اُسکے خون سے اُسکا معاوضہ لیا جائیگا۔ چنانچہ وہ شاہی فرمان محض ردی کاغذ کا پرزہ ہوکر رہگیا ؛

مرشد قلی خاں کا عہد حکومت ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں مرشد قلی خاں کا شمار مشاہیر روزگار میں کیا جاتا ہے۔ وہ مالی قابلیت ٹوڈرمل کے برابر رکھتا تھا۔ اُسنے اراضی کی نہایت صحیح پیمائش کرائی اور شرح لگان پر نظر ثانی کی۔ اُسنے صوبہ کو مختلف چکلوں میں تقسیم کیا اور ہر چکلہ پر تحصیل محاصل کے لیئے ایک حاکم مقرر کیا جو رفتہ رفتہ دولتمند اور بارسوخ زمیندار بنگیا۔ اور جسنے مرور زمانے کے ساتھ راجہ کا لقب حاصل کرلیا۔ ان راجاؤں میں سے صرف ایک بردوان کا راجہ اب تک اپنی زمینداری پر جوں کا توں قائم ہے۔ مسلمان حکام کو غربال کی مانند سمجھا جاتا تھا جسمیں بالکل پانی نہیں ٹھیر سکتا ہے اور ہندو حکام کو اسفنج سمجھا جاتا تھا جسکو دباکر ہر وقت آب حیات نکالا جاسکتا تھا۔ چنانچہ انھی سے بیصرفہ تحصیل محاصل کا کام لیا جاتا تھا البتہ مسلمانوں سے استحصال کرنیکا انکو اختیار نہیں تھا۔ بنگال کی آمدنی سوا کرور سے کچھ اوپر تھی جسمیں سے ایک ثلث تو حکومت کی ضروریات کے لیئے محفوظ کرلی جاتی تھی اور ایک کرور باقاعدہ خزینۂ سلطانی میں داخل ہونیکے لیئے بھیجدی جاتی تھی اور عموماً صوبہ دار خود اس جلوس کے ہمراہ جاتا تھا اور اس خراج کو خود بارگاہ خسروی میں پیش کرتا تھا۔ مرشد قلی خاں اگرچہ تحصیل کے معاملے میں بہت سخت گیر تھا مگر دادرسی کے معاملات میں نہایت منصف تھا۔

۱۷۲۵ء

باب اول
فصل ہفتم

جو ایک بست سالہ نوجوان تھا اور اپنی تلون مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے حکمراں ہونے سے پہلے رعایا کی نفرت و بیزاری مول لے چکا تھا۔ سراج الدولہ نے عرصے سے انگریزوں کے خلاف نفرت و عناد کا اظہار کر رکھا تھا اور اُسکی تخت نشینی کے وقت مجلس انتظامیہ نے خاص طور سے ہدایات بھیجدی تھیں کہ کلکتے کی حفاظت کا بہت پورا انتظام کر رکھا جائے۔ انگریزی تجارتگاہ کے تمول کا شہرہ عام ہو رہا تھا اور نوجوان نواب نے اسے تاک رکھا تھا کہ موقعہ ملتے ہی اسپر جھپٹ پڑے اور اتفاق سے ایک صورت ایسی پیش آگئی کہ وہ موقعہ نواب کو جلد ہی مل گیا۔ اپنے نواب ہونیسے پہلے سراج الدولہ نے ڈھاکے کے ہندو گورنر سے اچھی طرح استحصال بالجبر کیا تھا اور اُسے قید خانے میں ڈالدیا تھا۔ اُسکے بیٹے کشن داس نے اپنے مال اور اپنے خاندان کی حفاظت کے خیال سے جگنناتھ جی کی جاترا کے بہانے سے بڑے جلوس کے ساتھ کلکتے کا راستہ لیا جہاں مسٹر ڈریک پریزیڈنٹ نے اُسکا نہایت دلی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ بوڑھے نواب کے انتقال کے بعد ہی سراج الدولہ نے پریزیڈنٹ کو حکم بھیجا کہ کشن داس کو معہ اُسکی تمام زر و دولت کے حوالہ کر دے۔ اور اس حکم کے بعد ہی دوسرا حکم یہ آیا کہ ایسی اطلاع ملی ہے کہ انگریزوں نے کلکتے میں ایک قلعہ تعمیر کر لیا ہے اُسکو فوراً گرا دیا جائے۔ مسٹر ڈریک نے یہ جواب دیدیا کہ صرف اُس فصیل کی مرمت کیگئی ہے جو دریا کے رُخ پر ہے۔ وہ بھی اسلیئے کہ فرانسیسیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ مگر اُس پناہگزیں کی حوالگی سے صاف انکار کر دیا جو اُسکی حمایت میں آگیا تھا۔ نوجوان صوبیدار اس وقت میں اپنے چچازاد بھائی عامل پورنیا کی سرکوبی کے لیئے جا رہا تھا مگر جس وقت کہ پریزیڈنٹ کا جواب اُسے ملا وہ سخت برافروختہ ہوا اور اپنی سپاہ کو فوراً کلکتے کی طرف پھیر دیا تو

(صفحہ ۱۴۷)

تسخیر کلکتہ

شہر کلکتہ اس وقت اس قسم کی یورش کے واسطے تیار نہیں تھا۔ گزشتہ پچاس سال کے پر امن زمانے میں استحکامات کی طرف سے عدم توجہی برتی گئی تھی اور کوٹھیاں فصیلوں کی جڑ تک بنتی چلی گئی تھیں۔ فرانسیسیوں نے ہمیشہ اپنی نوآبادی کا خیال رکھا تھا اور اُنکو جتنی توجہ اپنے استحکامات کی طرف رہی تھی انگریزوں کی غفلت بالکل اُسکی ضد تھی۔ چندرنگر اس وقت اس قدر مستحکم تھا کہ ہر قسم کے

باب اول
فصل ہشتم

ساہوکاروں سے ڈھائی کرور روپیہ زبردستی کا نذرانہ وصول کیا۔ اسکے بعد مرہٹہ سپہ سالار نے ہُگلی پر یورش کی اور اُسے لوٹ لیا اور مصیبت کی ماری مخلوق نے غیر ملکی مستعمرات میں پناہ گزیں ہوکر جان بچائی۔ کلکتے کے پریزیڈنٹ نے صوبیدار سے اپنی نوآبادی کے گرد خندق کھودنیکی اجازت مانگی جو فوراً ملگئی اور کام نہایت عجلت و سرگرمی کے ساتھ لگا دیا گیا۔ لیکن دشمن کے چلے جانے پر ملتوی کردیا گیا اور پھر یہ خندق کبھی پوری نہیں ہوسکی۔ یہی وہ شہرۂ آفاق مرہٹہ خندق ہے جو اگرچہ لندن کی قدیم دیوار کی طرح معدوم ہوچکی ہے مگر عرصے تک شہر کے بارہ پتھر کی حدود کا کام دیتی رہی اور اہل شہر کو اس خندق کی وجہ سے کھائی کے مینڈک کا خطاب مل گیا تھا؎

(۱۷۴۲ء)

اُڑیسہ مرہٹوں کو دیدیا گیا مرہٹوں کو اگرچہ اچھی طرح شکست ہوگئی تھی مگر وہ اپنی تاختوں کی ہر سال تجدید کرتے رہتے تھے۔ اس ملک کے مغربی اضلاع کے باشندوں کے دل سے اُن تباہیوں کی یاد کئی پشتوں تک محو نہیں ہوسکی اور برگیوں یعنے مرہٹوں کے حملوں کو اُنیسویں صدی تک یاد کرکے مخلوق لرزہ براندام ہوجاتی تھی۔ دس سال کی ایسی متواتر آویزش سے خستہ حال ہوکر جس سے ملک تباہ ہوگیا تھا اور ملک کی آمدنی تمام غارت ہوگئی تھی پچھتر سال کا بوڑھا علی وردی خاں ۱۷۵۲ء میں مجبوراً اسپر رضامند ہوگیا کہ مرہٹہ راجہ برار کو بنگال کی آمدنی پر چوتھ دیا کرے اور اُڑیسہ بالکل ہی اُسکے حوالے کردے۔ مگر نوابان بنگال اب بھی اپنے نام کے ساتھ اڑیسہ کی نوابی کی دُم لگائے رہتے تھے درانحالیکہ اب اُنکے قبضے میں سبنریکا کے مغرب میں اُڑیسہ کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہگیا تھا۔ علی وردی خاں نے اپنی عمر کے باقی پانچ سال ان غارتگروں کی پھیلائی ہوئی تباہیوں کی درستی کرنے میں صرف کیئے اور اسّی سال کی عمر میں ۱۷۵۶ء میں انتقال کیا۔ اُسکے دوسرے ہی سال ان تینوں صوبوں کی حکومت ترکمانوں کے ہاتھ سے نکلکر انگریزوں کے پاس آگئی اور ہندوستان کی سلطنت انگلشیہ کا سنگ بنیاد پڑ گیا ؎

سراج الدولہ علی وردی خاں نے اپنی حکومت اپنے عزیز نواسے کے لیئے چھوڑی

باب اول
فصل ہفتم

آخر وقت تک مدافعت کی جائیگی۔ قلعہ بند فوج نے اڑتالیس گھنٹے تک مدافعت کی اور اس عرصے میں جہازوں کو برابر امداد کے لئے انگلی کے اشارات کے ذریعے سے مطلع کیا جاتا رہا اور اگر وہ چاہتے تو آسانی سے آکر تمام بہادر مدافعین کو بچا لیجاتے مگر ایک جہاز بھی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ۲۱۔ جون ۱۷۵۶ء کو دشمن نے مزید سرگرمی سے حملہ کرنا شروع کیا۔ آدھی سے زائد قلعہ بند فوج زخمی اور ہلاک ہوگئی اور گورہ سپاہی کسی طرح موقع پاکر آبدار خانے میں گھس گئے اور اتنی پی گئے کہ کسی کام کے نہیں رہتے۔ مجبور ہو کر مسٹر ہالویل کو باہمی مفاہمت پر راضی ہو جانا پڑا اگرچہ دوران تحریک میں نواب کے سپاہی بے ایمانی کر کے قلعے کے اندر گھس پڑے اور اُس پر قبضہ کر لیا اور فوراً خزانے کی تلاش میں مصروف ہوگئے لیکن خزانے کی کوٹھریوں میں صرف پانچ لاکھ روپیہ ملا جس سے نواب کی برافروختگی کی کوئی حد نہیں رہی ؎

کال کوٹھری

نواب شام کے قریب اپنے لشکر میں چلا گیا۔ تمام یورپین قیدیوں کو ایک برآمدے میں جمع کیا گیا اور نواب کے فوجی افسر کسی ایسے مکان کی تلاش میں گئے جسمیں ان قیدیوں کو رات کی رات ٹھیرایا جاسکے مگر کوئی ایسا مکان مل نہیں سکا اسلئے انھیں اُس کوٹھری میں گھس جانیکا حکم دیدیا گیا جو قلعے کے فوجی ملزموں کے حوالات کے کام آتی تھی۔ یہ کوٹھری مشکل سے بیس فٹ مربع ہوگی اور صرف ایک کھڑکی اسمیں تھی۔ پانچ چار سرکش سپاہیوں کے لئے یہ کوٹھری خاصی آرام کی جگہ تھی مگر اس سخت گرمی کے مہینے میں ایکسو چھیالیس اشخاص کے لئے تو یہ موت کے گھر سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ بدبخت اسیران بلا دم گھونٹنے والی گرمی اور حلق خشک کر دینے والی پیاس سے بہت جلد حواس باختہ ہوگئے اور پہرہ داروں سے التجائیں کرنے لگے کہ کسی طرح بندوق سے اُنھیں ہلاک کر دیں تاکہ اسطرح تڑپ تڑپ کر ترس ترس کر ہلکان ہونے سے نجات مل جائے۔ رفتہ رفتہ اُنمیں سے اکثر آغوش مرگ میں بے خبر سو گئے اور جب صبح کو دروازہ کھولا گیا تو صرف ۲۳ باہر گھسیٹ کر نکالے گئے جو اگرچہ زندہ تھے مگر مردوں سے بدتر تھے اور جنکی صورتیں دیکھنے سے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ یہ کال کوٹھری کا واقعہ کہلاتا ہے جس نے سراج الدولہ کی اوندھی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے سیہ کاری کا ٹیکا لگا دیا۔ مگر ہندوستانی طبقے نے

باب اول
فصل ہفتم

دیسی حملے کی مدافعت کرسکتا تھا۔ لیبرڈونائے کی تسخیر مدراس کے بعد مجلس انتظامیہ نے یہ احکام بھیجدیئے تھے کہ کلکتے کے استحکامات کی تکمیل کرلی جائے اور جیسے جیسے بوڑھے صوبیدار کی صحت کمزور ہوتی جاتی تھی مجلس موصوفہ کی طرف سے ان تاکیدات کی تجدید ہوتی جاتی تھی لیکن کمپنی کے کلکتے والے کارکن روپیہ گھسیٹنے میں اس درجہ مصروف تھے کہ انھیں ان احکام کی طرف توجہ کرنیکا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا اور انکی یہ غفلت آخری لمحہ تک اس درجہ بڑھی رہی کہ اُس سے صرف اُنکی بزدلی ہی بڑھ سکی۔ کوئی حفاظتی فوج مرتب نہیں کیگئی تھی اور ایک بے ایمان ٹھیکہ دار نے جو بارود بہم پہنچائی تھی وہ کم وکیف میں یکساں سقیم تھی۔ قلعے کی فوج میں صرف ایکسو چوہتر ۱۷۴ آدمی تھے جنمیں سے دس بھی ایسے نہیں تھے جنھوں نے کبھی توپ چلتی دیکھی ہو اور محاصرین کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ پھر بھی اس جم غفیر کے مقابلے میں کلائیو ویسی شاندار مدافعت کرسکتا تھا جیسی اُسنے آرکاٹ پر کی تھی لیکن کلکتے کا گورنر ڈریک تھا اور قلعہ دار منکن تھا جنمیں ایک کو بھی کلائیو کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ نواب کی فوج نے ۱۷۔ جون ۱۷۵۶ء کو شہر کا محاصرہ کیا اور دوسرے ہی دن شہر پر قبضہ کرلیا۔ اور قلعہ بند انگریزوں نے یہ طے کرلیا کہ عورتوں اور بچوں کو اُن جہازوں پر بھیجدیا جائے جو قلعے کے قریب ہی لنگرانداز تھے۔ مگر جیسے ہی پانی کی طرف کے چور دروازے کھولے گئے ویسے ہی کشتیوں کی طرف بھگوڑے بلا امتیاز مرد وعورت کے چلے چنانچہ کئی کشتیاں الٹ بھی گئیں۔ دشمن نے کئی بان جہازوں کی طرف پھینکے جنمیں سے ایک بھی کسی جہاز پر نہیں گرا مگر جہاز کے افسروں نے فوراً لنگر اُٹھا دیئے اور دو میل کے فاصلے پر جاکر ٹھیرے۔ صرف دو کشتیاں چوردروازوں کی سیڑھیوں پر رہگئیں اور مسٹر ڈریک بغیر ہدایات انتظام دیئے ہوئے چپکے سے ایک میں سٹک گیا۔ اسکے پیچھے ہی فوج کا افسر دوسری کشتی میں بیٹھ گیا اور دونوں کے دونوں آرام سے جہازوں پر پہنچگئے۔ عین وقت پر چھوڑ بھاگنے کی یہ ذلیل کارروائی جس وقت مخلوق کو معلوم ہوئی اور بقیہ انگریزوں کے لیئے سوائے قلعے میں ٹھیرے رہنے کے اور کوئی مفر باقی نہیں رہا تو مایوسی نے اضطراب کا خاتمہ کردیا اور اتفاق رائے سے مسٹر ہالویل کو سبکا سردار منتخب کیا گیا اور یہ دل میں ٹھان لیگئی کہ

صفحہ ۱۴۴

باب اول
فصل ہفتم

سب سے پہلے کمپنی کے نقصانات بنگال کی تلافی ضروری اور لازمی ہے۔ چنانچہ فوراً ایک مہم ترتیب دیکر کلائیو کی سرکردگی میں دیگئی اور وہ مدراس سے واٹسن کے بیڑے کو بھی لیکر روانہ ہوا جسکے ساتھ نو سو گورہ اور پندرہ سو ہندوستانی سپاہی تھے

بازتسخیر کلکتہ

۱۵- دسمبر ۱۷۵۶ء کو کلائیو اور واٹسن ہگلی میں داخل ہوکر فلتا پہنچے جہاں بزدل ڈریک معہ اپنے ساتھی بھگوڑوں کے پناہ گزیں تھا۔ دریا کے چڑھاؤ پر کچھ فاصلے سے ایک چھوٹا سا قلعہ بج بج تھا جسپر نواب کے ایک ہندو سپہ سالار کا قبضہ تھا جسکی قیادت میں نواب نے اپنی فوج چھوڑ دی تھی کلائیو نے اس قلعے پر حملہ کیا اور ایک گولا سپہ سالار کی پگڑی کے برابر سے جو سنناتا ہوا نکلا ہے تو وہ سیدھا کلکتے کو بھاگتا نظر آیا۔ وہاں بھی اُسے اپنی حفاظت کا پورا اطمینان نہیں ہوا اور وہ قلعے کو پانسو سپاہیوں کی سپردگی میں چھوڑ کر سیدھا مرشد آباد پہنچا اور ۲- جنوری ۱۷۵۷ء کو فورٹ ولیم کلائیو کے حوالے کر دیا گیا۔ اور اُسکی فصیلوں پر کمپنی کا علم پھر نصب کر دیا گیا۔ نواب نے اپنا دل یوں سمجھا لیا تھا کہ اب انگریز ہرگز اس علاقے میں قدم نہیں رکھینگے اور جب اُسنے پھر اُنکی دیدہ دلیری کا حال سنا تو وہ نہایت ہی برافروختہ ہوا۔ اُسنے کلائیو کے نامہ و پیام کے سننے سے بالکل انکار کر دیا اور نہایت تعجیل کے ساتھ چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ چڑھ دوڑا۔ آویزش کو ناگزیر پاکر کلائیو نے جارحانہ پہلو اختیار کرنا مناسب سمجھا اور اپنی تمام فوج لیکر جسمیں چھ سو جہازیوں کا اضافہ ہوگیا تھا ۵- فروری ۱۷۵۷ء کو کلکتے سے خروج کیا اور سورج نکلنے سے پہلے نواب کی فوج پر چھاپہ مار دیا۔ سورج نکلنے کے وقت ایسی گہری کہر چھاگئی تھی کہ انگریزی فوج کچھ پریشان سی ہونے لگی اور حملے کا زور کچھ ڈھیلا پڑ گیا مگر اُدھر نواب کی یہ حالت ہوئی کہ اب تک اُسے اس آگ برسنے کا تجربہ نہیں ہوا تھا اور اب جو اُسنے اپنے کئی سرداروں کو اپنے ارد گرد گرتے دیکھا تو اُسکے ہوش خطا ہو گئے اور اُسنے گھبرا کر فوراً صلح کی تحریک شروع کر دی اور ۹ فروری ۱۷۵۷ء کو ایک معاہدہ طے پاگیا۔ کمپنی کے تمام سابقہ حقوق اُسے واپس مل گئے اور ٹکسال قائم کرنے اور کلکتے کا استحکام کرنیکی بھی پروانگی ملگئی اور اس طرح اس معرکہ

صفحہ ۱۵

باب اول
فصل ہفتم

اس واقعے کو کچھ بھی غیر معمولی نہیں سمجھا حتی کہ اُس زمانے کا مستند مسلمان مورخ اسکا تذکرہ تک اپنی تصنیف میں نہیں کرتا ہے ؎

کمپنی کا استیصال

نواب اسکے بعد مرشد آباد آگیا اور کمپنی کی تمام جائداد علاوہ کلکتے کے جو دوسری بنگالی تجارتگاہوں میں بھی تھی بحق سرکار ضبط کر لی اور جس طرح ستر سال پہلے اورنگ زیب کے زمانے میں کمپنی بنگال سے بالکل نکال دیگئی تھی اسی طرح اب بھی بالکل بیدخل کر دیگئی ؎

کلائیو کی نقل وحرکت

۱۷۵۶ء

لیکن خدائی انتقام کا وقت سر پر آرہا تھا مجلس انتظامیہ دکن میں بسی کی پیشقدمی کو بڑی رشک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی اور اسکو روکنے کے واسطے پیشوا کے ساتھ رابطۂ اتحاد قائم کرنیکا ارادہ کر چکی تھی۔ کلائیو جسکا انگلستان پہنچنے پر مجلس انتظامیہ اور محکمۂ وزارت نے خاص عزو امتیاز کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا پھر ایک بڑی فوج کے ساتھ ۱۷۵۵ء میں اس غرض کیلئے بمبئی بھیجا گیا کہ بسی کی پیشقدمی کو روکنے کی مناسب کارروائی کرے۔ لیکن یہاں آکر اُسنے پریزیڈنٹ بمبئی اور اُسکی کونسل کو ایسے سخت جوکھم کے کام میں ہاتھ ڈالنے کے بالکل خلاف پایا۔ اسی زمانے میں امیر البحر واٹسن بھی اتفاقیہ بمبئی پہنچگیا اور یہ طے پایا کہ اس وقت جو اتفاقیہ بحری و بری قوت کا اجتماع ہوگیا ہے اُس سے بحری قزاق آنگریا کا زور توڑنے میں کام لیا جائے۔ اس سردار کی قوت ایسی بڑھگئی تھی کہ اُسنے یہاں تک دلیری اختیار کر لی تھی کہ سال گذشتہ میں اُسکے غارتگر جہازوں نے پچاس۔ چھتیس اور اٹھارہ توپوں کے تین ولندیزی جہازوں کو مغلوب کرکے دو کو بالکل جلا ڈالا تھا۔ غرض یہ کہ انگریزی بیڑہ مع تمام خشکی کی فوج کے گیریا پر حملہ آور ہوا جو اس قزاق سردار کا مستقر تھا اور حملہ شروع ہونیکے ایک گھنٹے میں قزاقوں کا تمام بیڑہ شعلہ زن ہو رہا تھا سلحہ خانے میں دو سو توپیں اور کثرت سے گولا بارود کا ذخیرہ ملا اور خزانے میں بارہ لاکھ روپیہ بھی ملا جو فاتحین نے قابل تعریف عقلمندی کے ساتھ آپس میں بلا تامل تقسیم کر لیا۔ اسکے بعد واٹسن اور کلائیو مدراس آئے جہاں کلکتے کی تباہی کی خبریں پہنچ چکی تھیں اور اگرچہ اس وقت بھی ایک جماعت کی رائے یہی تھی کہ پہلے بسی کے خلاف پیشقدمی کی جائے مگر کونسل کی کثرت رائے یہی ہوئی کہ

باب اول
فصل ہشتم

کلائیو کو بھی اس اتحاد میں شریک ہونیکی دعوت دیگئی اور کمپنی کے لیئے دلفریب مراعات اسکے معاوضے میں پیش کی گئیں اور چونکہ بقول خود اسکو یقین تھا کہ جب تک نواب کا ساعفریت حکمران رہیگا تب تک نہ ملک کو سکون نصیب ہوسکتا ہے نہ اہل ملک کو چین مل سکتا ہے اسلیئے وہ بھی فوراً ان منصوبوں میں شریک ہوگیا۔ ایک خفیہ معاہدہ مرتب کیا گیا جسمیں شرط یہ تھی کہ انگریز اپنے زور سے میر جعفر کو تخت نشیں کردیں اور میر جعفر اسکے معاوضے میں انھیں پونے چار کروڑ روپیے دے۔ امی چند کو کسی طرح اس معاہدے کی بھنک لگ گئی چنانچہ اسنے نواب کے سامنے سارا بھانڈا پھوڑ دینے کا ڈر اوا دیا جسکا نتیجہ یہ نکلتا کہ تمام سازشی فوراً قتل کردیئے جاتے۔ امی چند نے اپنی زبان بندی کے لیئے تیس لاکھ روپیے نذرانہ یکشت اور پانچ روپیے سیکڑہ ستوری کا مطالبہ کیا۔ کلائیو کو جب اس ہولناک مطالبے کی خبر ہوئی تو اسنے اپنا دل سمجھانیکو یہ اصول وضع کیا کہ ایسے بدمعاش کے توڑ جوڑ کا کاٹ کرنیکے لیئے حکمت عملی اور فریب جائز ہے۔ چنانچہ اسنے ایک مصنوعی دستاویز سرخ کاغذ پر مرتب کرکے اسکو دکھادی جسمیں اسکے مطالبے کے مطابق بھی ایک شرط تھی مگر اصل دستاویز جسپر متعاقدین نے اپنی مہریں کی تھیں دبا رکھی کیونکہ اسمیں امی چند کے اس مطالبے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس صدمے سے امی چند دیوانہ ہوگیا اور ایک سال کے اندر بکتا جھکتا دنیا سے چل بسا مگر یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ کلائیو کی تمام شجاعانہ اور سرگرم زندگی میں یہی ایک حرکت ایسی ہے جسکی کسی طرح جائز توجیہہ نہیں کی جاسکتی دراں حالیکہ وہ خود اسکو ہمیشہ جائز سمجھتا رہا اور یہی کہتا رہا کہ موقع پڑے تو سو مرتبے یہی حرکت پھر کرنے پر تیار ہوں۔ مگر یہ اپنا اپنا معیار اخلاق ہے۔

معرکۂ پلاسی

۱۳۔ جون ۱۷۵۷ء کو کلائیو نے چندر نگر سے کوچ کیا۔ اس وقت اسکے ساتھ نو سو گورہ فوج تھی جسمیں ۳۹ پیدل پلٹن کا بھی کچھ حصہ شامل تھا جسکے علم پر اب تک لاطینی الفاظ السابقون فی الہند منقش ہیں۔

باب اول
فصل ہفتم

دمدم کا خاتمہ ہوگیا ۔

تسخیر چندرنگر

اسکے کچھ ہی عرصے بعد فرانس اور انگلستان میں باقاعدہ جنگ چھڑ جانیکی خبریں آگئیں۔ فرانیسی مستعمرہ چندرنگر جسمیں سات سو فرانیسی فوج تھی کلکتے سے بتیس میل دریا کے چڑھاؤ پر واقع تھا اور بہت سی ہندوستانی فوج بھی اسمیں موجود تھی۔ اور بسی اپنی فتحمند فوج کو لئے ہوئے شمالی سرکار میں چارسو میل کے فاصلے پر مقیم تھا۔ نواب نے صلحنامۂ دمدم پر دستخط کر چکنے کے بعد ہی بسی پر زور ڈالنا شروع کیا کہ اپنی فوج کے ساتھ بنگال پر پیشقدمی کرے اور انگریزوں کو اس ملک سے نکال باہر کرے۔ کلائیو سمجھتا تھا کہ اگر دونوں فرانیسی فوجیں مل گئیں تو کمپنی کی حالت مخدوش ہو جائیگی اسلئے اُسنے اس اتحاد سے پہلے ہی چندرنگر پر قبضہ کر لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اُسنے چندرنگر پر خشکی کی طرف سے حملہ کیا اور واٹسن نے تری پر سے گولہ اندازی شروع کی اور نو دن کی شجاعانہ مدافعت کے بعد یہ شہر نہایت باعزت شرائط پر انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس تسخیر کی تکمیل کے بعد کلائیو نے یہ الفاظ کہے کہ اب ہماری پیشقدمی یہیں تک ختم ہو کر نہیں رہ سکتی اور اسکی یہ پیشین گوئی سو سال کی پے در پے ترقی نے پوری کر دی جو انگریزوں کو دریائے سندھ کے پار تک لیگئی ۔

نواب کے خلاف سازشیں

اس اثنا میں نواب کی سخت گیری اور درشت مزاجی سے اُسکے وزراء و امراء کی طبیعتیں برابر اُسکی طرف سے نفور ہوتی چلی گئی تھیں۔ ہر روز کوئی نئی طرز ستم ایجاد ہوتی تھی اور مئی ۱۷۵۷ء میں علی وردی خاں کے برادر نسبتی میر جعفر نے جو بخشی فوج تھا ریاست کے تمام حکام اور سیٹھ ساہوکاروں کے ساتھ ملکر نوابی اپنے لئے حاصل کرنیکی سازش شروع کی۔ اس زمانے میں مرشدآباد میں ایک شخص امی چند تھا جو چالیس سال تک کلکتے میں رہکر کمپنی کے تاجروں کے ساتھ ٹھیکے لے لیکر بڑی دولت جمع کر چکا تھا اور بالکل شہزادوں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ شخص معرکۂ دمدم کے بعد کلکتے سے نواب کے ساتھ مرشدآباد چلا گیا تھا (۱۵۷ء) اور برابر دربار میں حاضر رہتا تھا اور رفتہ رفتہ اُسنے ریاست کے کاروبار میں اتنا دخل پیدا کر لیا تھا کہ سازشیوں نے اسکو بھی اپنا شریک بنانا ضروری سمجھا۔

باب اول
فصل ہفتم

حوالے کر دیا جو اُسکی تلاش میں پھرتے تھے - چنانچہ مرشد آباد چھوڑنیکے آٹھ دن بعد وہ پھر کشاں کشاں مرشد آباد لایا گیا - میر جعفر کے بیٹے نے اُسے فوراً قتل کرا ڈالا اور اُسکی بدحیثیت نعش کو دوسرے دن تمام شہر میں گھسٹوایا گیا اور دوسرے دن اپنے نانا کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔

کلائیو مرشد آباد میں

۲۹ - جون ۱۷۵۷ء کو کلائیو مرشد آباد میں داخل ہوا اور سیدھا دیوان خانۂ خاص کو چلا گیا جہاں جملہ اعیان و اکابر جمع تھے - وہاں کلائیو نے میر جعفر کو تخت پر بٹھایا اور بہ حیثیت صوبیدار بنگال بہار و اُڑیسہ کے اُسے سب سے پہلے نذر پیش کی - انگریزوں کی حیثیت میں صرف بارہ ماہ کے مختصر سے عرصے میں جو تغیر رونما ہو گیا تھا وہ پرستان کے فسانوں سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے - علت و معلول کے تابع تاریخی واقعات ایسی جلدی رنگ نہیں بدلا کرتے ہیں - جون ۱۷۵۶ء میں کلکتے کو لوٹا گیا - جلایا گیا اور کمپنی کا بالکل صفایا کر دیا گیا تھا - جون ۱۷۵۷ء میں کمپنی نے صرف اپنا تجارتی مستقر ہی نہیں حاصل کر لیا بلکہ اپنے یورپین ہمچشموں کا زور بھی توڑ دیا - نواب کو شکست دیکر تخت سے بھی اُتار دیا اور ایک ایسی حکومت کا فیصلہ کر دیا جو انگلستان سے بھی زیادہ وسیع اور کثیر الآباد تھی - مرشد آباد کے خزانہ میں سے دو کروڑ سے زائد تو فاتحین کو ہی تقسیم کر دیا گیا اور موعودہ معاوضے کی پہلی قسط میں بھی اسی لاکھ روپیہ دیدیا گیا جو بڑے جلوس کے ساتھ کلکتے کو خاص اُسی سڑک سے لایا گیا جس سے ہو کر سال بھر پہلے سراج الدولہ کلکتے کا مال غنیمت لئے ہوئے گزرا تھا - کمپنی کے لیئے کلائیو نے مرہٹہ خندق کے گرد کی صرف چھ سو گز زمین معاف میں لے لی اور کلکتے کے جنوبی اضلاع کی زمینداری کے حقوق بھی لے لئے - اپنے لئے اُسنے وہ تمام دل فریب نذرانے لینے سے انکار کر دیا جو مرشد آباد کے متمول رئیس اُسکی نظر عنایت حاصل کرنیکے لئے اُسے پیش کر رہے تھے - اور صرف اُسی سولہ لاکھ پر قناعت کی جو میر جعفر نے اظہار امتنان کے طور پر خاص اُسکی ذات کے لیئے پیش کئے تھے - بعد کو جب اُسکے ملک نے اُسکی خدمات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ایوان عام میں اُسپر استحصال بالجبر کا الزام لگایا گیا تھا

(صفحہ ۱۵۴)

باب اول
فصل ہفتم

اور اکیس سو دیسی تلنگے تھے اور دس ضرب توپیں تھیں۔ وہ کٹوا تک بڑھتا چلا گیا
جہاں اُسنے جنگی مجلس مشاورت منعقد کی جسنے مزید پیشقدمی کے خلاف رائے دی
لیکن اسکے بعد فوراً ہی اُسکو اپنی پیشقدمی تقاضائے مصالح حرب کے مطابق
نظر آئی اور وہ آگے بڑھکر نخلستان پلاسی تک آگیا نواب سراج الدولہ کی
پچاس ہزار سوار اور پیدل سپاہ بھی اسی مقام کے قریب خیمہ زن تھی۔ میر جعفر نے
قسم کھاکر وعدہ کیا تھا کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے یا عین لڑائی کے وقت
ضرور آکر کلائیو کی شرکت کریگا لیکن وہ آکر بھی تاتک نہیں اور کہیں دور ٹھیر کر ہوا کا
رُخ دیکھتا رہا۔ ۲۳۔ جون ۱۷۵۷ء کے قابل یادگاروں کو نواب کی فوجیں انگریزی
فوج کے ایک چھوٹے سے دستے پر جھپٹیں اور کلائیو نے بھی حملہ کرنے کے لئے اپنی تمام
سپاہ کو حرکت دی۔ دشمن نے اپنا میدانی توپ خانہ پیچھے ہٹالیا اور اُسکے سپہ سالار اعظم
میر مدن نے کاری زخم کھایا اور نواب کے سامنے جان توڑکر ٹھنڈا ہو گیا۔ سراج الدولہ پر
اس نظارے سے ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ ایک بادرفتار سانڈنی پر سوار ہوا اور اپنے
دو ہزار سواروں کو ساتھ لیکر سرپر پانوں رکھکر بھاگا اور مرشدآباد پہونچنے سے پہلے پیچھے مڑکر بھی
نہیں دیکھا۔ اُسکی بیسر فوج اُسکے بھاگتے ہی منتشر ہوگئی اور یہ معرکہ جسنے بنگال اور بہار کی
قسمت کا فیصلہ کردیا بلکہ آخر میں ہندوستان ہی کے وارے نیارے کردیئے صرف
بہتر مقتول و مجروح کے نقصان کے بعد بے تکلف سر ہوگیا۔ کلائیو کو فتح حاصل ہوتے ہی
میر جعفر بھی کسی طرف سے معہ اپنی فوج کے اُسکو مبارکباد دینے کے لئے آپہنچا تاکہ اپنا
حصہ بھی بٹالے۔ سراج الدولہ نے مرشدآباد پہنچکر دیکھا کہ اُسکے تمام اکابر و اعیان سلطنت
اسکی رفاقت سے منہ موڑ چکے ہیں اور پورا ایک دن رنج و غم کی حالت میں بسر کرکے اُسنے
بھیس بدلا اور اپنے ایک خواجہ سرا اور ایک مدخولہ کو ساتھ لیا اور محل کی کھڑکی سے
نیچے اُترا اور ایک کشتی پر سوار ہو کر اس امید پر نکل کھڑا ہوا کہ کہیں فرانسیسی قائد ایم لا کو
ڈھونڈھ نکالے جسکو بسی نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ بنگال کی طرف بھیجدیا تھا۔
وہ دریا کے چڑھاؤ پر چڑھتا چلا گیا اور کھانا تیار کرانیکے لئے راج محل پر لنگر انداز ہوا
اور وہاں ایک ایسے فقیر کے جھونپڑے میں گیا جسکے کان اُسنے ایک سال پہلے
کٹوا دیئے تھے۔ اس فقیر نے اپنے دشمن کو فوراً پہچان لیا اور اُسے پکڑ کر اُن لوگوں کے

(صفحہ ۱۵۲)

باب دوم فصل اول

دار الحکومت سے چھپکر نکل گیا اور اُس نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہندوستان میں اس وقت سرفروشوں کی کثرت تھی جو ہر رئیس کے جھنڈے تلے جمع ہونیکو تیار تھے اور شہزادے کو چالیس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لینے میں کچھ بھی دقت نہیں ہوئی۔ نواب وزیر اودھ نے بھی شہزادے کا ساتھ دیا اور شہزادے نے بہار پر حملہ کرنیکے ارادے سے اپنی فوجیں شہر پٹنہ کے مقابلے میں لاڈالیں۔ کلائیو نے فوراً اس شہر کی حفاظت کے لیئے کوچ کر دیا اور اسکی آمد کی خبر پاتے ہی ولیعہد نے فرار پر قرار کیا۔ اس فرار میں شہزادے کو ایسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اُس نے مجبور ہو کر اپنے تئیں کلائیو کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور اکبر و اورنگ زیب کے خلف اور وارث کو اپنی ضروریات کی کفالت کے لیئے آٹھ ہزار روپے کا عطیہ لینا بڑی خوشی سے گوارا ہو گیا ۔

چنورہ کی لڑائی ۱۷۵۹ء

صفحہ ۱۵۴)

جو اثر بنگال کی حکومت میں اپنے اقتدار و وقار کی وجہ سے کلائیو کو حاصل ہو گیا تھا اس سے میر جعفر کے اقتدار کو بڑا صدمہ پہنچ گیا تھا اور میر جعفر اور اس کے خاندان کے دل سے یہ داغ نہیں مٹ سکتا تھا کہ یہی اجنبی جو آج تخت حکومت پر چھائے چلے جارہے ہیں کل اسی تخت کے سائے تلے کانپتے ہوئے دست بستہ حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ نواب نے کلائیو کے اقتدار کا رد عمل کرنیکے لیئے ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور اہل ہالینڈ سے جو مقام چنورہ میں تھے سازش کرنی شروع کی۔ جاوا کے گورنر کو انگریزوں کا وہ اقتدار پہلے سے ہی کھٹک رہا تھا جو انھوں نے بنگال میں حاصل کر لیا تھا اور اُس نے خیال کیا کہ اسوقت طوفان بے تمیزی برپا ہے ممکن ہے کہ لوٹ میں کچھ ہاتھ لگ جائے چنانچہ اُس نے نواب کے منصوبوں کو مدد پہنچانیکے لیئے سات جہازوں کا ایک بیڑا چنورہ بھیجدیا جسمیں سات سو یورپین اور آٹھ سو نہایت قواعد دان ملایا کے سپاہی تھے۔ کلائیو یہ عزم کر چکا تھا کہ وہ بنگال میں کسی ہمچشم یورپین قوم کے اقتدار کو گوارا نہیں کریگا چنانچہ باوجودیکہ اس وقت دونوں قومیں برسر مصالحت تھیں مگر اس نے اُن جہازوں کو گرفتار کر لیا اور کرنل فورڈ کو حکم دیدیا کہ فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکدے۔ کرنل موصوف کو ایک ایسی قوم کی فوج پر حملہ کرنے سے تامل ہوا جس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم تھے اور اُس نے تحریری حکم طلب کیا۔ جس وقت کرنل کا خط کلائیو کے ہاتھ میں پہنچا ہے اس وقت وہ میز پر بیٹھا تاش

تو اُسنے نخوت کے ساتھ یہ الفاظ کہے تھے۔

جس وقت میں مرشد آباد کے خزانے میں اپنا داخل ہونا یاد کرتا ہوں جہاں
کہ میرے دہنے بائیں آگے پیچھے سونیکے ڈھیر تھے اور جواہرات ان کے
علاوہ تھے تو مجھے اپنی اعتدال پسندی پر خود تعجب ہونے لگتا ہے۔

کلکتے کے ہاتھ سے نکل جانیکی خبر مجلس انتظامیہ کو پہنچنے میں گیارہ ماہ لگ گئے تھے
اور اُسکے ساتھ ہی ہفتے بعد مجلس موصوف نے اُسکی بازتسخیر کی خوشخبری سن لی اور معرکۂ
پلاسی کے شاندار نتائج کا مژدہ بھی اُنکے کانوں تک پہنچ گیا۔ ستر سال پہلے مجلس موصوف
نے امیر البحر نکلسن کو زبردست فوج کے ساتھ اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ ایک
سیاسی قوت کی حیثیت سے کمپنی کے قدم بنگال میں جمادے لیکن اس مہم کی ناکامی پر
کمپنی نے اپنی تمام حوصلہ مندیوں کے خواب پریشان اس قدر فراموش کردیئے تھے
کہ اب باوجودیکہ ہندوستان کا زرخیز ترین صوبہ اُسکے قدموں میں پڑا ہوا تھا
مگر اُنکی صرف اتنی سی خواہش تھی کہ مہتمان کارخانہ جات دو سال تک ہندوستان ہی
کی واصلیاتی سے تجارتی کاروبار چلائے جائیں اور صدر دفتر انگلستان سے
روپیہ نہ طلب کریں۔

جنگ پلاسی کے بعد سے ہیسٹنگز کے زمانے تک بنگال میں کارروائیاں

۱۷۵۸ء

اس وقت شہنشاہ دہلی جو اپنے مطلق العنان وزیر غازی الدین کے ہاتھ میں
کٹھ پتلا بنا ہوا تھا اسلیئے ولیعہد سلطنت شہزادہ علی گوہر کسی نہ کسی طرح

پٹنے آیا اور نو دن تک شہر کا سخت محاصرہ کیئے پڑا رہا۔ مدافعت کو جاری رکھنے کی تمام امیدیں توٹتی جارہی تھیں کہ محصورین نے فصیل پر سے کپتان ناکس کو ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ آتے دیکھا۔ کرنل کیلیاڈ نے کپتان ناکس کو نہایت عجلت سے بھیجدیا تھا اور کپتان مذکور مرشد آباد سے پٹنے تک بنگال کی چلچلاتی دھوپ میں تیرہ دن میں آپہنچا تھا اور اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانیکے لیئے خود بھی پیدل آیا تھا۔ دوسرے ہی دن کپتان ناکس نے شاہی فوج پر حملہ کیا اور اسکو شکست فاش دیکر بھگادیا۔ نواب پورنیا اب تک اپنی حالت کو چھپائے ہوے کپتان ناکس کا طرفدار بنا ہوا تھا مگر اسوقت اس نے خود ہی اپنا نقاب الٹ دیا اور شاہ عالم کی امداد کو بارہ ہزار سپاہی اور بیس توپیں لیکر آگے بڑھا۔ محصورین کی حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ کپتان ناکس اپنے دوسو یورپین ایک رسالہ اور پانچ میدانی توپوں کے ساتھ نواب پورنیا کی فوج پر بھی ٹوٹ پڑا اور چھ گھنٹے کی سخت جدال و قتال کے بعد نواب کی فوج کو بھی شکست کامل دیدی ہندوستانی مورخ اس جنگ کے حالات میں کپتان ناکس کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور لکھتا ہے کہ جس وقت یہ چھوٹی سی جانباز سپاہ حملہ کرنیکو نکلی ہے تو شہر والونکا ہجوم فصیل پر تھا اور اُنکے دلوں میں امید و بیم کے ہزاروں خیالات موجزن تھے مگر جس وقت یہ سورما عرق میں ڈوبے ہوئے اور گرد و غبار میں چھپے ہوے شہر میں داخل ہوئے ہیں تو مرحبا و مبارکباد کا غل زمین سے آسمان تک اُٹھتا چلا جاتا تھا۔ یہ مختصر سا کارنامہ اُن چند اولوالعزمیوں کی فہرست میں شامل ہونیکے قابل ہے جنکی وجہ سے انگریزوں کی سپہگری کی وہ دھاک ہندوستان میں بندھتی چلی جاتی تھی جسکی وجہ سے ہندوستان کی سلطنت اُنکو نصیب ہوکر رہی۔ کرنل کیلیاڈ اور میرن اس کارزار کے بعد پٹنے پہنچے وہیں میرن کے خیمے پر بجلی گری اور وہ عدم آباد کو سدھار گیا اور ملک کو ایک ایسے عفریت سے خلاصی مل گئی جسکے صندوقچے میں ایک فہرست ایسے تین سو ناموں کی نکلی جنکو وہ تباہ و برباد کرنیکے لیئے

باب دوم
فصل اول

کھیل رہا تھا چنانچہ اسی خط کی پشت پر پنسل سے اُس نے یہ الفاظ لکھ دئے۔ "انسے فوراً جنگ کرو۔ میں تمہارے پاس کونسل کا تحریری حکم کل بھیجدونگا۔" غرض یہ کہ ڈچ فوج پر چنسورہ کے قریب پہنچتے پہنچتے حملہ ہوگیا اور انکو شکست بھی دیدی گئی۔ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی نواب کا بیٹا سات ہزار فوج کے ساتھ نظر آیا جو خاص اِس غرض سے آیا تھا کہ اگر جنگ کا پانسہ انگریزوں کے خلاف پڑتا تو وہ ڈچ فوجوں کے ساتھ شریک ہوجاتا۔ کلائیو نے اہل ہالینڈ سے بطور تاوان کے وہ تمام خرچ بھی وصول کیا جو اس مہم میں برداشت کرنا پڑا تھا جو اُنکے منصوبوں کو پامال کرنیکے لئے بھیجی گئی تھی۔ جس وقت کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے اِس سے جواب طلب کیا تو اُسنے ایک نہایت متکبرانہ وخودسرانہ جواب انکو بھیجدیا کیونکہ وہ عرصے سے انکے اثر سے بالکل نکل چکا تھا۔ اسکے بعد ۲۵۔ فروری ۱۷۶۰ء کو وہ انگلستان کو روانہ ہوگیا ؛

شہزادۂ علی گوہر کا دوسرا حملہ ۱۷۶۰ء

کلائیو کی روانگی کے وقت شہزادۂ علی گوہر دوسری مرتبہ بہار پر حملہ کرنیکے لئے بڑھ رہا تھا۔ راستے میں شہزادے کو یہ اطلاع ملی کہ شہنشاہ کو غازی الدین وزیر نے دغا سے قتل کرادیا چنانچہ شہزادے نے فوراً شاہ عالم کا لقب اختیار کرکے اپنی شہنشاہی کا اعلان کردیا۔ نواب وزیر اودھ نے پھر شہزادے کا اسی امید پر ساتھ دیا تھا کہ بہار کو اودھ کی مملکت میں شامل کیا جاسکیگا اور متحدہ فوجیں پھر پٹنہ کے سامنے آموجود ہوئیں۔ اس وقت لارنس اور کلائیو کی ماتحتی میں تعلیم پایا ہوا خاص فوجی افسر مسمی کرنل کیلیاڈ اس شہر کی حفاظت کے لئے چلا اور اسکے ساتھ ہی نواب کے بیٹے میرن کی فوجیں بھی ہوگئیں۔ چنانچہ ان دونوں فوجوں نے شاہی سپاہ کو شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ شاہ عالم نے پھر مرہٹوں سے امداد کا وعدہ حاصل (صفحہ ۱۵۵) کرکے کوہستان کے راستے سے اپنی فوجیں اچانک مرشد آباد پر قبضہ کرلینے کی غرض سے بڑھائیں مگر کرنل کیلیاڈ بھی خبر پاتے ہی اُسکے پیچھے چلا اور مرشد آباد سے تیس میل کے فاصلے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوگیا۔ شاہ عالم کو جب اپنے مرہٹے حمایتیوں کی کوئی خبر نہیں ملی تو وہ مقابلے سے ہٹ گیا اور پھر سیدھا

باب دوم
فصل اول

ایک پوری فوج لیکر نواب کو معزول کرنیکے لیئے مرشد آباد گیا اور طوعاً و کرہاً اس ضعیف رئیس نے گدی چھوڑ کر کلکتے آجانے پر رضامندی ظاہر کردی۔ میر قاسم نے نہایت مستعدی و قابلیت کے ساتھ موجودہ مشکلات کا تدارک کرنا شروع کیا۔ اس نے دربار کے غیر ضروری اخراجات میں معقول قطع و برید کی۔ ریاست کے افسروں سے تمام ناجائز نا بہ الاحتفاظ اُگلوایا۔ لگان اراضی پر نظر ثانی کی اور ریاست کی آمدنی میں ایک کروڑ روپے کا اضافہ کرلیا۔ کمپنی کا جو کچھ مطالبہ اسکے ذمے تھا اور کونسل کے ممبروں سے جو وعدے اسکے تھے ان سبکو اس نے نہایت ایمانداری سے پورا کیا لیکن اسکی اصلی غرض برابر یہ رہی کہ اپنے تئیں کونسل کے ممبروں کے اثر سے کسی طرح نکال لے اور محض کٹھ پتلی نہیں بلکہ در اصل با اختیار صوبہ دار بن جائے اُس نے دار الحکومت کو مرشد آباد سے مونگیر تبدیل کردیا جو کلکتے سے سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور اس قلعے کا بہت اچھی طرح استحکام بھی کرلیا۔ تین سال کے عرصے میں اُس نے پندرہ ہزار پیدل اور پچیس ہزار سوار کا لشکر بھی تیار کرلیا۔ اُس نے ایک زبردست اسلحہ خانہ قائم کیا۔ ٹوپی دار بندوقیں تیار کرائیں۔ توپیں ڈھلوائیں اور اپنی قوت کے استحکام میں بڑی ترقی کرلی تھی کہ یکایک کلکتے کی کونسل کی مطلق العنان جماعت کی طرف سے ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوا اور میر قاسم کو صرف چند ماہ کے عرصے میں تخت حکومت پر سے صاف اُڑا لیا گیا۔

سنہ ۶۲-۱۷ء قدیم زمانے سے ریاست کی آمدنی کا جزو اعظم اُن محاصل سے پورا ہوتا تھا جو اس مال پر لگائے جاتے تھے جو ملک میں سے ہو کر نکلتا تھا۔

(صفحہ ۱۵۷) شہنشاہ دہلی کے ایک فرمان کی رو سے کمپنی کا مال تجارت جو بیرون ہندوستان جانیکی غرض سے لیا جاتا تھا بلا محصول بھیجا جاسکتا تھا اگر اس کے ساتھ کونسل کے پریزیڈنٹ کا دستخطی پروانہ بغرض تصدیق موجود ہو۔ جنگ پلاسی کے بعد سے تمام شاہی اختیارات منتقل ہو کر کمپنی کے ہاتھ میں آگئے اور کمپنی کے ملازمین نے نجی کے طور پر اندرون ملک میں تجارتیں کرنی شروع کیں اور اپنے ذاتی کاروبار کے لیئے بھی اوسی قسم کی مراعات کا مطالبہ کیا۔ ہندوستانی سوداگر دنی

باب دوم
فصل اول

انتخاب کر چکا تھا۔
مسٹر ونسی ٹارٹ گورنر

کلائیو کی ذات کو بنگال کی برطانوی حکومت کے ساتھ ایسی نسبت حاصل ہو گئی تھی کہ سرکاری ملازمین کو اوسکی روانگی پر یہ معلوم ہونے لگا کہ حکومت کا صرف ڈھانچہ ہی باقی رہگیا ہے اور روح نکل گئی ہے۔ اُسکا جانشین مسٹر ونسی ٹارٹ ہوا جو بڑا ایماندار آدمی تھا مگر اخلاقی قوت اُسمیں نہیں تھی۔ یہ شخص مدراس کے صیغہ ملازمت سے تعلق رکھتا تھا اسلیئے اسکا تقرر بنگال کونسل کے ممبروں کو ناگوار گزرا اور انھوں نے ہر بات میں اسکی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرنی شروع کی۔ گورنر کی کمزور طبیعت کی پریشانیاں بڑہانیکے لئے کونسل کے ممبروں نے یہ ترکیب کی کہ اُن تین پُرانے ممبروں کو براہ تحکم موقوف کر دیا جنھوں نے کلائیو کے اس گستاخانہ مراسلے پر دستخط کیئے تھے جو اُس نے مجلس انتظامیہ کو بھیجا تھا۔ ان تینوں ممبروں کی جگہ قواعد تسلسل کے اعتبار سے ایسے تین شخصوں سے پر کیگئیں جو مسٹر ونسی ٹارٹ سے قلبی نفرت رکھتے تھے اور بڑے تند مزاج بھی تھے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنر کی مخالفت ہر معاملے میں اتفاق کرکے کی جاتی تھی اور اسکی کوئی تجویز کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ شہزادہ میرن کی وفات سے پیچیدگیاں اور بڑھگئی تھیں۔ اگرچہ وہ نہایت مطلق العنان اور بدکردار تھا لیکن اسکے باپ کی حکومت اُسی کی بہادری و دلیری پر قائم تھی اور اُسکے مرتے ہی انتظام مملکت میں خودسری و مطلق العنانی کا ہر طرف سے ظہور ہونے لگا۔ فوجوں نے اپنی چڑہی ہوئی تنخواہوں کے تقاضے کے طور پر محل شاہی کا محاصرہ کر لیا اور میر جعفر نے اپنے داماد میر قاسم کو اسلیئے کلکتے بھیجا کہ کونسل سے مالی امداد حاصل کرے لیکن مرشد آباد کا جو خزانہ تھا وہ خالی ہو چکا تھا اور وہاں ایک حبہ بھی باقی نہیں تھا۔ اب چونکہ یہ امید بھی نہیں رہی تھی کہ نواب پھر اس خزانے میں کچھ جمع کر سکیگا اسلیئے کونسل نے یہ طے کیا کہ میر جعفر کو معزول کر دے اور میر قاسم کو اس شرط پر گدی نشین کر دے کہ وہ اپنے قرضہ اُتارنیوالے انگریز محسنوں کو بیس لاکھ روپیہ دے اور خوبی بنگال میں تین زرخیز صوبے کمپنی کے سپرد کر دے۔ مسٹر ونسی ٹارٹ بہ نفس نفیس

(صفحہ ۱۵۶)

سوء اتفاق سے اس وقت کمپنی کا کارخانہ پٹنہ مسٹر ایلس کے اہتمام میں تھا جو میر قاسم کا نہایت قدیمی دشمن تھا اور جو ملکی حکام میں نہایت ناعاقبت اندیش تھا۔ وہ پہلے سے یہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح میر قاسم کی حکومت کا خاتمہ ہو اور اس پر امن زمانے میں اُس نے اپنے گنتی کے یورپین سپاہیوں سے شہر پٹنہ پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد جب نواب کے میر سالار نے یہ سنا کہ یورپین سپاہی نشہ سے بدمست ہو رہے ہیں تو وہ پھر شہر کو واپس آیا اور اُسپر قبضہ کر لیا اور مسٹر ایلس اور اُس کے افسر جو دریائک بھاگ کر جا چکے تھے گرفتار کر لیئے گئے۔ جب میر قاسم کو مسٹر ایلس کی نامعقول دخل درمعقولات کا علم ہوا تو اُس نے فوراً یہ حکم جاری کر دیا کہ صوبے میں جتنے انگریز ہیں وہ سب گرفتار کر لیئے جائیں۔ اسپر فریقین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نواب نے اپنی فوج میں اور اضافہ کر لیا اور شکست خوردہ شاہ عالم اور نواب وزیر اودھ کو بھی اپنی شرکت کے لیئے بلا لیا جو برابر ادھر گرد منڈلاتے پھر رہے تھے۔ انگریزی سپاہ نے جسمیں ۶۵۰ یورپین۔ ۱۲۰۰ دیسی پیدل اور دیسی سوار و نکا ایک رسالہ تھا ۲۔ جولائی ۱۷۶۳ء کو لڑائی شروع کر دی اور اسکا بھی خیال نہیں کیا کہ بارش کا زمانہ ابھی شروع ہی ہوا ہے جو فوجی کارروائیوں کے لیئے نہایت غیر موزوں ہوتا ہے۔

(صفحہ ۱۸۸)

نواب کی سپاہ کے ہراول کو مقام کٹوا پر شکست فاش دیدی گئی۔ مقام گیریہ پر جو فوج انگریزی سپاہ کی پیشقدمی روکنے کے لیئے ٹھیری ہوئی تھی اس سے اور انگریزی فوج سے چار گھنٹے تک نہایت سخت رن پڑا۔ شاید کبھی کسی دیسی فوج نے ایسی ہمت و پامردی سے انگریزی فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا ہوگا جیسا کہ نواب کی اس نئی بھرتی کی ہوئی فوج نے کیا تھا۔ لیکن اُنکی وہ ہمت و پامردی انگریزی فوجوں کے جوش و خروش کے مقابلے میں پیش نہ جا سکی اور نواب کی فوج اپنی توپیں اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ ابتدائے نومبر ۱۷۶۳ء میں انگریزی سپہ سالار نے اودوا نالے کے قلعہ بند حصار کو فتح کر لیا اور نواب پٹنے کی طرف بھاگ گیا اور جاتے وقت اپنے تمام انگریزی قیدیوں کو

باب دوم
فصل اول

اپنا تجارتی مال محصول سے بچانیکے لیئے یہ ترکیب نکالی کہ وہ ملکی حکام سے ایسے پروانے کچھ رقم خرچ کرکے حاصل کر لیا کرتے تھے اور ایسے حکام کے پاس جو خانگی ملازمین تھے انھوں نے اس دلالی میں خوب روپیہ پیدا کیا اور ایک ایک صاحب کا نوکر کئی کئی ہزار روپیئے مہینا کمانے لگا۔ علاوہ براں دیسی سوداگر اکثر انگریزی جھنڈا کشتیوں پر بلند کر لیتے تھے اور چونکہ اس جھنڈے کا احترام برقرار رکھنے کی ضرورت تھی اسلیئے جب کبھی ایسی کشتیوں کو نواب کے ملازم گرفتار بھی کیئے تو انکو چھڑانے کے لیئے کمپنی کے سپاہی بھیجے جاتے تھے۔ اس طرح ملک کی تجارت بالکل مفلوج ہوتی چلی جارہی تھی بلکہ رعایا کے امن و آسایش میں فرق آتا جارہا تھا کیونکہ دونوں حکمران جماعتوں میں خطرناک تصادم کی نوبت آتی جاتی تھی۔ یہ درازدستیاں کلائیو کے زمانے میں شاذ تھیں مگر اسکی روانگی کے بعد عام اور مخدوش ہوگئیں۔ ان ابتریوں کا انتظام کرنے کے لیئے مسٹر ونسی ٹارٹ خود مونگیر گیا اور وہاں اُس نے نواب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ کمپنی کے ملازمین کے ذاتی اسباب تجارت پر نو روپیہ سیکڑہ محصول لگایا جائے دراں حالیکہ خود نواب کی رعایا پر بعض اوقات پچیس روپیہ سیکڑہ محصول لگ جاتا تھا۔ اس معاہدے کے بعد جب گورنر کلکتے واپس آیا تو اُس نے تمام کونسل کو اپنے خلاف متفق پایا اور اُن سب نے گورنر کو ایسا معاہدہ کرنیکا بالاتفاق غیر مجاز قرار دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ڈھائی روپئے سیکڑہ سے زائد محصول کسی حالت میں نہیں دیا جائیگا اور وہ بھی صرف نمک پر۔ اسپر ۱۷۶۳ء میں نواب نے یہ ارادہ کیا کہ تمام ملکی و غیر ملکی سوداگروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے اور پورے صوبے میں گزرنیوالے مال کا محصول معاف کر دیا۔ کونسل نے اس کارروائی کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا اور اس شخص سے جسکو انھوں نے گدی نشین کیا تھا یہ مطالبہ کیا کہ وہ ایسے تاجروں پر وہی شرح محصول قائم رکھے جو تھی اور صرف انگریزی جھنڈے کو مستثنیٰ کر دے۔ اس نامعقول تجویز کی صرف دو ایماندار آدمیوں نے مخالفت کی اور وہ مسٹر ونسی ٹارٹ اور مسٹر ہسٹینگز تھے ؛

دیدہ دلیری سے اسکا نام ہرجانہ رکھا تھا۔ ان تکلیف دہ مصیبتوں نے اور بیماری اور ضعیفی نے آخر بوڑھے نواب کو بالکل بٹھا ہی دیا اور مرشد آباد واپس آتے ہی جنوری ۱۷۶۵ء میں اُس نے اس دار فانی کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرلیا۔

گزشتہ آٹھ سال سے کمپنی کے بڑے بڑے ملکی و فوجی حکام کا نہایت سود مند مشغلہ نواب گری تھا اور یہ چوتھا موقعہ جو خوش قسمتی سے پھر آگیا تھا کب ہاتھ سے جانے دیا جاتا تھا۔ مجلس انتظامیہ نے اپنے ملازمین کی بددیانتیوں سے تنگ آکر اُنسے اس بات کے مچلکے لکھوا لیئے اور احکام صادر فرما دیئے تھے کہ آئندہ کو کسی ادنیٰ یا اعلیٰ باشندۂ ہند سے کسی قسم کا تحفہ یا نذرانہ نہیں وصول کرینگے۔ لیکن ان احکام کو زیادہ وقعت نہیں دی گئی۔ ابھی وہ مچلکے کونسل کی میز پر رکھے ہی تھے کہ میر جعفر کے بیٹے کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ بیس لاکھ روپیہ ممبران کونسل کے بھینٹ چڑھائے تب اُسے گدی نشینی کی اجازت ملیگی۔ ان ممبران کونسل کے طرز عمل میں کلائیو کی روانگی کے بعد سے پانچ سال تک وہ دراز دستی اور مطلق العنانی نظر آتی ہے جسکی نظیر کسی ملک کی کسی وقت کی تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ بڑی بڑی خطیر رقموں کا مطالبہ اُنکی طرف سے نہایت نا ملائم ذرائع کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اسکی تعمیل کے لیئے بہت ہی تھوڑا وقفہ دیا جاتا تھا۔ عام اخلاق کے تمام اصولوں کو ٹھکرا دیا جاتا تھا اور عیش پرستی۔ شراب خواری اور بدکرداری ہر ادنیٰ اعلیٰ افسر میں اس درجے موجود تھی کہ بہت جلد حکومت کے ہی سرنگوں ہو جانیکا خدشہ لگا ہوا تھا۔

۱۷۶۴ء میر قاسم سے جنگ ہونیکے چھ ماہ بعد نواب وزیر اودھ نے پھر اس زمانے کی بدنظمی و ابتری سے فائدہ اٹھا کر صوبۂ بہار پر قبضہ کرنا چاہا اور مفرور شہنشاہ اور معزول نواب بنگال کی معیت میں ایک زبردست مگر بے قاعدہ فوج لیکر پٹنہ کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ مگر اسکا حملہ کامیاب نہو سکا اور وہ اپنی فوجوں کو بکسر پر ہٹا لے گیا۔ اسی اثناء میں انگریزی فوج کے سپہ سالار میجر منرو نے یہ دیکھا کہ دیسی سپاہیوں میں بغاوت کے تمام آثار نمایاں ہیں اور وہ تنخواہوں

باب دوم
فصل اول

مار ڈالنے کا حکم دیدیا۔ اسکے دیسی افسروں نے نفرت کے ساتھ بے ہتھیار بہادروں کے خون میں ہاتھ رنگنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم سپاہی ہیں جلاد نہیں ہیں۔ لیکن ایک شخص مسمی رمینڈ جسکا نام بعد کو نفرت سے سمرو رکھدیا گیا تھا اور جو کسی زمانے میں فرانسیسی فوج میں سپاہی تھا اس زمانے میں نواب کی ملازمت میں تھا۔ اس سیاہ رو نے اپنی خدمات پیش کیں اور سیدھا اس مکان پر گیا جہاں اسیران بلا محبوس تھے اور کھڑکیوں کی جھلملیوں میں سے فیر پر فیر کرنے شروع کیئے یہاں تک کہ اڑتالیس غیر فوجی انگریز اور ایکسو انگریزی سپاہی فرش پر کھیت ہوکر رہگئے۔ یہ فوج کشی چار مہینے میں پٹنے کی تسخیر اور میر قاسم کے فرار سے تکمیل کو پہنچگئی۔ میر قاسم بھاگ کر اودھ میں پناہ گزین ہوا مگر نواب وزیر اودہ نے اپنے مصیبت زدہ پناہ گزین کا تمام زر و جواہر لوٹ کھسوٹ لینے میں کچھ باک نہیں کیا۔

میر قاسم کے ساتھ لڑائی کا سلسلہ ختم ہوجانے پر کونسل نے پھر میر جعفر کو گدی نشین کرنا چاہا۔ میر جعفر اس وقت بہتر سال کی عمر پاچکا تھا اور جذام میں مبتلا ہونیکی وجہ سے چل پھر بھی نہیں سکتا تھا۔ کونسل نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ ان تینوں ضلعوں کی حوالگی کی تصدیق کرے جو میر قاسم نے کمپنی کو دیدیئے تھے اور کمپنی کے ملازمین کے مال کو اُس راہداری کے محصول سے مستثنیٰ کرے جسکی وجہ سے یہ جنگ وقوع میں آئی تھی اور ملکی و فوجی حکام کو مختلف نذرانے اور تحائف پیش کرے۔ لیکن چند ماہ کے عرصے میں چونکہ حکومت کو میدان میں ایک بڑی سپاہ رکھنی پڑتی تھی اسلیئے وہ دیوالے کے قریب آگئی کیونکہ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک تمام اہلکار اور حکام خیانت و تغلب آزادی سے کرنے لگے تھے۔ پھر میر جعفر کلکتے آیا تاکہ خزانے کو بھرنے کے وسائل کے متعلق کونسل سے مشورہ کرے۔ کونسل کے ممبروں نے اس سے پانچ لاکھ روپیہ ماہانہ کا مطالبہ اُتنے عرصے تک کے لیئے کیا جب تک کہ جنگ قائم رہ چکی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اصرار کیا کہ وہ یکمشت رقم دس لاکھ کی اس وقت دے اور پھر پچاس لاکھ پورے کردے۔ یہ رقم ممبروں نے خاص اپنے لیئے طلب کی تھی اور

(صفحہ ۱۵۶)

اسکے ساتھ صرف حقارت کا ہی برتاؤ نہیں کیا بلکہ بے انصافی بھی کی۔ اور اسکو مجبوراً عدالت دیوانی میں اس سالانہ وظیفے کی وصولی کے لیئے چارہ جوئی کرنی پڑی جو میر جعفر نے اُسکی ذات کے لیئے مقرر کیا تھا اور جو مجلس انتظامیہ نے ناسپاسی کرکے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ میر قاسم کے ساتھ لڑائی ہونا۔ انگریزوں کا قتل عام ہونا اور تمام نظام حکومت کا ابتر ہو جانا ایسی مصیبتیں تھیں جنسے کمپنی کے وہ تمام زریں منصوبے خاک میں ملے چلے جا رہے تھے جو وہ عرصے سے باندھ رہی تھی۔ مالکان کمپنی کو اپنا سرمایہ جوکھم میں پڑتا نظر آنے لگا چنانچہ ان سب نے مجلس انتظامیہ کو اس امر پر مجبور کیا کہ پھر کلائیو کو انصرام معاملات کے لیئے بھیجا جائے اور مجلس موصوفہ نے بادل ناخواستہ اس مطالبے کی تعمیل کی۔ کلائیو ۳۔ مئی ۱۷۶۵ء کو کلکتے میں اُترا اور اُسنے دیکھا کہ کمپنی کا تمام عملہ بدکرداریوں میں مصروف تھا اور مجبوراً اسکو یہ رپورٹ کرنی پڑی کہ تمام عملے میں ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک پانچ سو آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جنکی باضابطگی پر اطمینان کیا جاسکے۔ اُسنے پہلا کام یہ کیا کہ اُن مچلکوں پر تکمیلی دستخط کرائے جو انڈیا ہاؤس نے وصولی نذرانے کی ممانعت کے متعلق نافذ کیئے تھے۔ بددیانت عہدہ داروں نے یہ کہکر اعتراض کیا کہ گورنر کو کیا حق حاصل ہے کہ اس قسم کا مطالبہ کرے مگر اس نے اُن سبکا منھ اس دندان شکن جواب سے بند کردیا کہ جو شخص اپنے مچلکے پر دستخط نہیں کریگا اسکو فوراً برخاست کرکے انگلستان واپس بھیجدیا جائیگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معترضین کو سوائے تسلیم کے چارہ کار ہی نہیں رہا۔ اس طرح سات ہفتے میں نظام حکومت میں اپنا اقتدار قائم کرکے کلائیو شمالی صوبے کی طرف مسائل حکمرانی کا تصفیہ کرنیکو روانہ ہو گیا جو اسکی مداخلت کے انتظار میں تھے۔ میر قاسم کی طرح کسی دوسری سرکشی کا سدباب کرنیکے لیئے اُسنے یہ مناسب سمجھا کہ نواب مرشدآباد کے ہاتھ سے فوجی انصرام بالکل نکال لیا جائے چنانچہ ملکی آمدنی میں سے تریپن لاکھ روپیہ سالانہ اس کام کے لیئے نواب کو دیا جانا منظور کیا گیا کہ وہ اس رقم سے اپنے دربار کا اور دیوانی فوجداری معاملات کا انتظام کرے۔ امیر نوجوان نواب فرحت سے پکار اٹھا۔

باب دوم
فصل اول
(صفحہ ۱۶۰)

اضافہ اور انعامات طلب کر رہے ہیں۔ میجر موصوف نے اس وقت امن استقلال کو ہاتھ سے ندیا اور یہ عزم بالجزم کر لیا کہ اس بغاوت کی روح کو فنا کرکے چھوڑا جائے۔ چنانچہ چوبیس سرغناؤں کو دیسی افسروں کی فوجی عدالت کے سامنے ماخوذ کرکے پیش کیا گیا۔ عدالت موصوفہ نے اُنکے لیئے سزائے موت تجویز کی اور اُنمیں سے بیس کو توپ سے اڑا دیا گیا اور اُسی دم فوج میں امن قائم ہوگیا۔ یہ اس سلسلۂ بغاوت میں سے پہلی بغاوت تھی جو وقتاً فوقتاً دیسی فوج میں پھوٹتی رہیں جسکا مواد ایک صدی سے کچھ کم عرصے کے اندر یک پکا کر کالوں کے غدر کی صورت میں پھوٹ پڑا جسمیں تمام بنگال کی فوج تتر بتر ہوکر رہگئی۔ موسم باراں ختم ہوتے ہی میجر منرو نے بلا تامل اپنی اُسی فوج کو بکسر کی طرف بڑھایا جسکی طرف سے ابھی بغاوت کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ نواب وزیر اودھ اپنی پچاس ہزار فوج کے ساتھ کئی ماہ سے یہاں پڑا ہوا تھا اور ایک ہی لڑائی میں ۲۳۔ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو اسکی تمام فوج شکست کھاکر اپنا خیمہ و خرگاہ اور ایکسو تیس توپیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ بکسر کی فتح اپنی پیشرو پلاسی کی فتح کا تتمہ بنگئی۔ یعنے اُسنے اُس آزاد سلطنت کی قوت کو بالکل توڑ دیا جو شمالی ہند میں حکمران تھی اور اُسنے کمپنی کو وادی گنگا کا خود مختار حاکم کوہ ہمالیہ سے سمندر تک بنا دیا۔ نواب وزیر اودھ نے بھاگ کر بریلی میں پناہ لی اور اپنی ضبط شدہ ممالک کو واگذاشت کرنیکے لیئے اُس نے کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ تاوان دینے اور سپہ سالار کو ایک بہت بڑا اندرانہ پیش کرنیکی استدعا کی مگر اس گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس فتح کے بعد ہی شہنشاہ دہلی آکر انگریزی لشکر میں شریک ہوگیا اور اُسنے اپنے اگلے دوست نواب وزیر اودھ کی مملکت میں حصہ پانیکی تحریک شروع کی اور کونسل اس تقسیم پر ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ پھر کلائیو بنگال میں آگیا۔

۱۷۶۰ء میں جب کلائیو انگلستان پہنچا تو بادشاہ اور اسکے زبردست وزیر پٹ نے اسکو بڑی عزت کے ساتھ شرف ملاقات بخشا۔ پٹ نے اسکو مادر زاد سپہ سالار کہکر پکارا اور آئرلینڈ میں ایک جاگیر اور لارڈ کا خطاب اسکو عطا کیا گیا۔ لیکن چونکہ مجلس انتظامیہ میں اب تک اسکے دشمنوں کا زور تھا اسلیئے مجلس موصوفہ نے

باب دوم
فصل اول

مسلمان مورخ جو اس عظیم الشان کارروائی کے اس سادگی سے سرانجام پانے پر اظہار حقارت کرنا چاہتا ہے اس واقعے کا تذکرہ ان طنزیہ الفاظ میں کرتا ہے۔

ایک مہتم بالشان کارروائی جسکے انصرام کے لیئے مدبر وزرا اور قابل سفرا کے مامور کرنیکی ضرورت پڑتی اتنے تھوڑے سے وقفے میں سرانجام پا گئی جو ایک گدھے کی خرید و فروخت کے لیئے بھی مشکل سے کافی ہو سکتا تھا۔

مگر اس عجلت و سادگی سے زیادہ تعجب خیز وہ بلند پروازی ہے جو کلائیو کے خیالات کو اس وقت حاصل ہو گئی تھی۔ سنہ ۱۷۶۴ء میں جب ہندوستان کو روانہ ہونیکے لیئے وہ مجلس انتظامیہ سے رخصت ہونے لگا ہے تو اُسنے اُنسے یہ استدعا کی تھی کہ انتہائے ضرورت اگر مجبور کر دے تو فبہا ورنہ مجلس و صوفہ کو ہرگز اس منصوبے کی تائید نہیں کرنی چاہیئے کہ کمپنی کے مقبوضات کو ان تینوں ضلعوں سے آگے بڑھایا جائے جو میر قاسم نے کمپنی کے نذر کیئے ہیں۔ لیکن اس نصیحت کو سولہ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہی کلائیو اُسی مجلس انتظامیہ کو یہ مبارکباد دیرہا تھا کہ کمپنی بہادر اب تین مملکتوں کی شہنشاہ ہو گئی ہے۔ لیکن ان متکبرانہ منصوبوں اور اعلانوں کے باوجود بھی وہی کلائیو پھر کمپنی کے مقبوضات کو محدود رکھنے کی تجاویز پر زور دیتا ہے اور منصب دیوانی حاصل کر لینے کے بعد بھی اُسی مُنہ سے یہ کہتا ہے کہ ان صوبوں کی شمال مغربی سرحد یعنے کرمناسہ سے آگے کمپنی کے مقبوضات کو وسعت دینے کا منصوبہ اس قدر حد سے بڑھا ہوا اور دور از کار ہو گا کہ کوئی ذی فہم حکومت اُسکا خیال بھی دل میں لانا پسند نہیں کریگی۔ لیکن اس اعلان صالح کو چور اسی سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ انگریزی خط سرحد دریائے اٹک سے پار نکلکر درۂ خیبر تک بڑھتا چلا گیا تھا۔

یورپین افسروں کی بغاوت سنہ ۱۷۶۵ء

منصب دیوانی کا معاملہ ابھی طے ہوا ہی تھا کہ وہ نئی سلطنت بیخ و بن سے ہلنے لگی جسکے متعلق کلائیو نے مجلس انتظامیہ کو یقین دلایا تھا کہ مدتوں تک اس سلطنت سے ہمکو تمام ہندوستان کے رئیسوں کی مجموعی قوت بھی محروم نہیں کر سکتی۔

باب دوم
فصل اول

الحمد للہ علی احسانہ اب میں جتنے دل چاہیگا ارباب نشاط اپنی خدمت کے لیئے رکھونگا۔
نواب وزیر اودھ نے کمپنی کے ساتھ زبردستی کی جنگ مول لیکر اپنی مملکت کو
ضبط کرادیا تھا لیکن کلائیو اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ کمپنی کے مقبوضات کو
مزید وسعت دی جائے اسلیئے اُسنے یہ ارادہ کیا کہ سوائے دو اضلاع کڑا
اور الہ آباد کے اور تمام مملکت نواب وزیر اودھ کو واپس کردی جائے۔
یہ دو ضلع اُسنے شہنشاہ دہلی کے وظیفے کے لیئے رکھ لینے ضروری سمجھے جسنے اب
اپنے تئیں بالکل کمپنی کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ کلائیو نے اس خانماں ویران بادشاہ
کے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا اور علاوہ اُن دو اضلاع کی آمدنی کے پچیس لاکھ
روپیہ سالانہ وظیفہ بھی اسکے لیئے ہندوستان کی آمدنی میں سے مقرر کردیا۔
اب جبکہ مدتوں سے اودھ کا الحاق انگریزی حکومت کے ساتھ ہوچکا ہے
اگر ہم قبل از الحاق کے سو سال کے زمانے کو دیکھیں تو ہمکو یہ کہنا پڑتا ہے کہ
اگر کلائیو اسی وقت اودھ کا الحاق بھی بنگال اور بہار کی طرح کرلیتا تو وہ صرف
کمپنی کی حکومت کا ہی فائدہ نکرتا بلکہ اودھ کی رعایا پر بھی برکت نازل ہونیکے
سامان مہیا کردیتا۔
شہنشاہ دہلی نے کئی مرتبہ کمپنی کو منصب دیوانی پر سرفراز کرنیکا ارادہ ظاہر
فرمایا تھا جسکے معنے یہ تھے کہ تینوں صوبوں کی مالیات کا انتظام کمپنی کے سپرد
کردیا جائے اور کلائیو کو اس وقت موقع اچھا نظر آیا کہ اس منصب کی ضابطے
سے سرفرازی حاصل کرلے۔ ان تینوں صوبوں میں اڑیسہ بھی تھا درانحالیکہ
یہ تمام صوبہ سوائے شمالی ضلع کے مرہٹوں کے قبضے میں تھا۔ اس منصب دیوانی
کی تکمیل ۱۲۔ اگست ۱۷۶۵ء کو ہوئی اور برطانوی ہند کی سیاسی اور آئینی تاریخ
میں یہ دن ہمیشہ قابل یادگار رہیگا۔ تخت کے عوض کلائیو کے خیمے میں دو کھانیکی (صفحہ ۱۶۲)
میزیں برابر کرکے رکھدی گئیں اور اُنکے اوپر ایک کرسی رکھدی گئی جپر زردوزی
کی پوشش پڑی ہوئی تھی۔ شہنشاہ نے اس کرسی پر نشست فرمائی اور ایک
ایسی مملکت جسمیں ڈھائی کروڑ نفوس کی آبادی تھی اور تین کروڑ سالانہ کی آمدنی تھی
کلائیو کو بہ حیثیت قائم مقام ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردی۔ اس زمانے کا

گرفتار کر کے ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا۔

اس طرح دو ہفتے کے اندر اسکے غیر متزلزل استقلال نے تمام بغاوت کی ہستی کو مٹا کر رکھدیا۔ مگر اسکو اچھی طرح علم تھا کہ گورنمنٹ کے تمام افسروں کی شکایات نہایت بجا تھیں اور مجلس انتظامیہ کا یہ اصول عمل نہایت نامعقول تھا کہ اُسنے انکے بھتوں کو اس درجہ کم کر دیا تھا کہ وہ کسی طرح انمیں گزارہ بھی نہیں کر سکتے تھے ساتھ اُسکے انکو یہ بھی ممانعت کر دی تھی کہ وہ کسی طرح کی تجارت بھی نہ کریں در اں حالیکہ انکے گردو پیش اتنے کثرت سے وسائل تمول پھیلے ہوئے تھے کہ اُنھیں خواہی نخواہی ہاتھ بڑھانیکی ترغیب ہوتی تھی۔ چنانچہ اسنے ایک سوسائٹی اس غرض سے قائم کی کہ وہ اجارہ داری کے اصول پر نمک کی درآمد برآمد کرے اور اُسکے منافع میں سے بہت معقول جزو مالکان کمپنی کے نام سے محفوظ کر کے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ کمپنی کے ملکی۔ فوجی۔ طبی۔ اور مذہبی ملازمین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسکو بھی مجلس انتظامیہ نے بہت جلد مسترد کر دیا اور اسکی جگہ صوبے کے موازنۂ آمدنی پر ڈھائی روپیہ سیکڑہ کی دستوری ان ملازمین کے لئے مقرر فرمادی تھی۔

کلائیو کی واپسی ۱۷۶۷ع ہندوستان میں بائیس مہینے قیام کرنیکے بعد ایک مرض کے شدید دورے کی وجہ سے کلائیو کو وطن واپس جانا پڑا۔

بنی نوع انسان کے معاملات کی رفتار پر ایسا مستقل اور ایسا مہتم بالشان اقتدار حاصل کرنا دنیا میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اُسنے صرف یہی نہیں کیا کہ کمپنی کو ایک ایسی مملکت کا مالک بنا دیا جو وسعت میں انگلستان سے زائد تھی اور آمدنی میں ایک حقیقی سلطنت تھی بلکہ اُسنے ممالک مشرقی میں ایک ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کر دی جسکی تعمیر میں راز توسیع مضمر تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اُسی کے دم قدم سے ایشیا میں یورپ کا اقتدار ایسا قائم ہو گیا کہ وہ برابر مستحکم تر ہوتا جارہا ہے اور اُسکا متزلزل ہونا بعید از قیاس ہوتا جاتا ہے۔ انگلستان میں اول اول تو اسکے شایان شان

(صفحہ ۱۶۴)

باب دوم
فصل اول

اور یورپین افسروں کی شورش نے اس سلطنت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ یورپین افسروں کو ہمیشہ سے میدان جنگ میں رہنے کی حالت میں علاوہ تنخواہ کے بھتہ ملا کرتا تھا اور اسکی مقدار میر جعفر نے اپنی گدی نشینی کے وقت سے دوگنی کر دی تھی۔ اسکے بعد جب وہ چھاؤنیوں میں پہنچ گئے تو بھی یہ بھتہ بند نہیں کیا گیا اور وہ لوگ اسکو اپنا ایک مستقل حق سمجھنے لگے تھے۔ جب ہندوستان کی مالیات کا انتظام مجلس انتظامیہ نے اپنے ہاتھ میں لیا تو انھوں نے دیکھا کہ ملک کی تمام آمدنی فوجی اخراجات ہضم کیے جا رہے ہیں چنانچہ انھوں نے اس غیر معمولی بھتے کی بکقلم موقوفی کے احکام صادر فرما دیے تھے مگر کونسل کے پست ہمت ممبروں نے فوجی افسروں کے تحکمانہ انداز سے خائف ہو کر اس حکم کی تعمیل ملتوی کر رکھی تھی۔ جس وقت کلائیو انگلستان سے روانہ ہونے لگا ہے تو تخفیف پر عمل درآمد کرنیکا فرض اُسپر ڈالا گیا اور اُس نے یکم جنوری ۱۷۶۶ء کو یہ روبکار جاری کیا کہ المضاعف بھتہ موقوف کیا جاتا ہے۔ فوجی افسروں نے اس حکم کی مخالفت کرنیکے لیئے ایک باہمی سازش کی اور آپس میں یہ طے کر لیا کہ دو سو یورپین آفیسر ایک ہی وقت میں اپنے استعفے داخل کر دیں اور چونکہ مرہٹوں کی پچاس ہزار کی ایک فوج اُسی زمانے میں بہار پر بڑھتی چلی آ رہی تھی اسلیئے ان افسروں کو یقین تھا کہ گورنمنٹ مجبور ہو کر اُنھیں مُنہ مانگی شرائط پر پھر بلا کر رکھ لیگی۔ (صفحہ ۱۶۳)

لیکن انکا ایک ایسے شخص سے کام پڑا تھا جسکا استقلال دیوار آہنی کی طرح سخت تھا اور اس نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا کہ میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ ان مطالبات کے آگے جھک جاؤں فوجی سنگینوں کو اپنی گردن میں بھونک دی جانے دوں۔ اس نے مختلف سر لشکروں کو یہ احکام بھیجے کہ ہر افسر کا استعفا منظور کر لیا جائے اور اُسے گرفتار کر کے کلکتے بھیجدیا جائے۔ اُسنے مدراس سے دوسرے فوجی دستوں اور افسروں کو طلب کر لیا اور تمام نوآبادی میں جتنے یورپین افسر بہم پہنچ سکے انکو فوج میں ملازم رکھ لیا اور جو لوگ باغیوں کے شریک نہیں ہوئے تھے

باب دوم
فصل اول

تجارت میں مصروف ہوگئے اور انکے جاہ و منصب سے جسقدر انکو اس کام میں امداد مل سکتی تھی اس سے ہرگز دریغ نہیں کیا۔ کونسل میں نہ اتنی طاقت تھی کہ ان بدکرداریوں کو روکتی نہ خود کونسل میں کسی ایماندار کا دل چاہتا تھا کہ یہ کارروائیاں رک جائیں۔ رسد رسانوں۔ ٹھیکہ داروں اور میر عمارتوں کے مطالبوں نے تمام خزانے کو نچوڑ لیا اور جس شخص کو کبھی ریاست سے کسی قسم کا مطالبہ کرنے یا حساب پیش کرنیکا موقع مل جاتا تھا وہ گھر بیٹھے امیر ہو جاتا تھا۔ ان تمام برائیوں پر ایک اور آفت یہ آگئی کہ ۱۷۷۰ء میں سخت قحط رونما ہوگیا جسنے جنوبی بنگال کی ایک ثلث آبادی کا صفحۂ ہستی سے نشان اڑا کر کھیلو

فصل دوم

مدراس اور بمبئی میں واقعات کی رفتار ۱۷۶۱ء-۱۷۷۲ء

وادی گنگا میں رفتار واقعات پر ایک نظر ڈال کر اب ہم اُن واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس دوران میں دکن میں پیش آتے رہے۔ انھی کے سلسلے میں ہمیں اُن سازشوں۔ غداریوں اور مخاصمتوں پر بھی تبصرہ کرنا پڑیگا جنمیں مرہٹے نواب نظام الملک اور حیدرعلی برابر مصروف رہے تھے ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کے زوال نے انگریزوں کے آوردہ محمد علی کو نواب کرناٹک بنا دیا۔ اپنے زمانے کے دیسی رئیسوں میں محمد علی اپنی اخلاقی کمزوری اور اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اسکی فوج ایک بے ترتیب ہجوم سے زیادہ وقیع نہیں تھی اور کمپنی کی حکومت پر پچاس ہزار مربع میل کی ایسی مملکت کی حفاظت کا بار تھا جسکے خزانے پر کمپنی کا قبضہ نہیں تھا۔ یہ ملک بیس سال تک بغیر کسی معقول نظام حکومت کے رہ چکا تھا اور متواتر یورشوں کی وجہ سے بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ قسمت سے اب اسکو حکومت نصیب ہوئی تو ایسے مسرف اور آوارہ مزاج رئیس کی جسپے بار بار گراں بار سود کی شرحوں پر

صفحہ ۱۲۵

باب دوم فصل اول

آؤ بھگت کیگئی لیکن اسکی قسمت کا پانسہ بہت جلد پلٹ گیا۔ اسکی عظمت وشان نے اسکے بہت سے حاسد اور بدگو پیدا کر دیئے تھے۔ اُسنے اپنی دیانت داری اور مستقل مزاجی کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے دشمن پیدا کر لئے تھے اور اُن سب نے کمپنی کے حصے صرف اس غرض سے خریدنے شروع کیئے کہ کسی طرح کمپنی کے کاروبار میں دخیل ہوکر کلائیو سے انتقام لے سکیں مجلس انتظامیہ کا ایک رکن مسمی سلیوان جس کا انڈیا ہاؤس پر بھی بہت اثر تھا نہایت بدنیتی کے ساتھ کلائیو کے پیچھے پڑ گیا اور مجلس انتظامیہ نے بھی اپنی قدیم مخالفت کی بنا پر اپنی کمظرفی کا اسکے خلاف اسطرح اظہار کرنا شروع کیا کہ جن لوگوں کو اس نے خیانت یا بغاوت کے الزاموں میں ماخوذ و معزول کیا تھا اُنکو اُنکے عہدوں پر بحال کر دیا۔

شاہی وزرا بھی اس طوفان بے تمیزی میں شریک ہوگئے ۱۷۷۳ء میں پیرو کار سرکار نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ تمام عطیات ضبط کر لیئے جائیں جو اسکی ذات کے واسطے ہندوستانی رؤسا نے عنایت کیئے تھے۔ ایوان عام میں اسکے مخالفوں کی طرفسے اسکے چال چلن کو ناقابل دید وشنید بدکرداریوں اور بددیانتیوں کا مجموعہ قرار دیکر جلے دل کے پھپولے پھوڑے گئے لیکن ایوان عام نے اس تجویز سے اظہار منافرت کیا جو اسکی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے بدنامی کا سیاہ داغ لگا نیکے لئے سوچی گئی تھی اور اسکی جگہ یہ تجویز منظور فرمائی گئی کہ اُسنے اپنے مُلک کی قابل تعریف و قابل عظمت خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اسکی غیور طبیعت ان بدسلوکیوں کو برداشت نکر سکی جو اسکے ساتھ روا رکھی گئی تھیں اور اس طرح جسمانی و قلبی علالتوں سے گھٹ گھٹ کر اُسنے ۱۷۷۴ء میں داعی اجل کو آخر کار لبیک کہا۔

پانچ سال کی طوائف الملوکی ۱۷۶۷ء–۱۷۷۲ء

اسکے بعد کے پانچ سال تک کی حکومت کا زمانہ انگریزی قوم کے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ کلائیو کا زبردست ہاتھ بیچ میں سے نکلنا تھا کہ کمپنی کے ملازموں کی حرص و آز نے تمام نظام حکومت کو دفعتہً مفلوج کر کے رکھدیا۔ جن چلکوں پر انھوں نے دستخط کیئے تھے اُنکو ردی کاغذ کے پرچوں سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا اور نہایت بیباکی سے تمام ملازمین اندرون ملک میں نج کے کاروبار

حیثیت سے آیا تھا لیکن بعد کو اپنی مذہبی خدمات سے دست بردار ہو کر ملکی خدمات میں شامل ہو گیا اور زر کثیر جمع کر لیا تھا اور انگلستان واپس آکر جاگیر دار بنا دیا گیا تھا احاطہ مدراس کی پست ہمت کونسل نے انگریزی کمانڈر کو فوراً احکام بھیجدیئے کہ تمام فوجی کارروائیاں فوراً ملتوی کر دے اور حیدر آباد جاکر معاہدہ طے کر کے نیکی کارروائی کرے۔ چنانچہ ۱۲- نومبر ۱۷۶۶ء کو کمانڈر نے یہ ذلیل معاہدہ طے کیا کہ کمپنی کے قبضے میں اضلاع شمالی سرکار اسلئے رہینگے کہ وہ کمپنی کو ہندوستان کے شہنشاہ کی طرف سے عطا فرمائے گئے ہیں لیکن ان اضلاع کے قابضین کے اعتبار سے کمپنی صوبہ دار دکن کو اسکے نائب کے طور پر سات لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کیا کریگی یہی نہیں - مدراس گورنمنٹ ایک قدم اور آگے بڑھ گئی اور اُسنے اپنے تئیں دکن کی سیاسیات کی پیچیدگیوں میں بھی اُلجھا لیا یعنے یہ بھی شرط کرلی کہ نواب نظام الملک کی حکومت کے معاملات کی درستی میں امداد دینے کے لئے کمپنی اپنی دو پیدل پلٹنیں اور نو ضرب توپیں بھی مستعار دیگی دراں حالیکہ گورنمنٹ مدراس کو یہ علم تھا کہ یہ شرط نواب نظام الملک نے خاص طور سے اسلیئے لی تھی کہ وہ انگریزوں کو حیدر علی سے بھڑانا چاہتے تھے ؛

حیدر علی کا عروج و اقبال حیدر علی اُن تین خوش قسمت آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے سولھویں اور سترھویں صدی میں گوشۂ گمنامی سے نکلکر یہاں تک علوے مرتبت حاصل کیا کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے بانی بنگئے اسلئے اس عجیب و غریب حکمران کے عروج و ترقی کی تفصیل ناظرین کی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ سنہ ۱۵۶۵ء میں جب بیجانگر کی قدیم سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوا تو اسکے ایک صوبہ میسور پر ایک ہندو خاندان نے قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اپنے علاقے کو بڑھانا شروع کیا۔ اگرچہ اس نئی ریاست پر برابر مرہٹوں کی یورشیں ہوتی رہیں مگر حکمراں خاندان نے اپنی آزادی کو دو صدی تک بچائے رکھا یہاں تک کہ آخر حیدر علی نے انکو تخت سے بیدخل کر دیا۔ حیدر علی کا خاندان پنجاب سے ترک وطن کر کے چلا آیا تھا اور حیدر علی کا باپ کسی طرح ایک چھوٹی سی فوج کا جمعدار ہو گیا تھا۔

(صفحہ ۱۲۶)

باب دوم
فصل دوم

مدراس سے ایسے قرضے وصول کرنیکی ضرورت رہتی تھی جو قرضدار کے اقتدار کو اور قرضخواہ کے اخلاق کو تباہ کئے چلے جاتے تھے۔ گورنر مدراس کو اسکی ضرورت پڑی کہ نواب محمد علی سے اس بچاس لاکھ کی رقم کا مطالبہ کرے جو نواب کو گدی نشین کرنیکے لئے کمپنی کو صرف کرنی پڑی تھی مگر نواب کا خزانہ بالکل خالی تھا اسلئے اُسنے یہ تجویز کی کہ چند دوسرے رئیسوں سے اس مطالبے کی ادائی کے قابل چندہ جمع کیا جائے اور خاص کر راجہ تنجور سے اسمیں امداد لی جائے جس سے پہلے بھی چوبیس لاکھ کی ایک رقم چار قسطوں میں بطور نذرانے کے زبردستی وصول کی جا چکی تھی۔ سنہ ۱۷۶۳ء کے صلحنامہ پیرس کی رو سے فرانسیسیوں کو وہ تمام مقبوضات واپس ملگئے تھے جو ہندوستان میں انکے قبضے میں تھے اور اسکی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انگریز اور فرانسیسی محمد علی کو نواب کرناٹک اور صلابت جنگ کو صوبہ دار دکن تسلیم کریں۔ اس صلحنامے سے اٹھارہ مہینے پہلے صلابت جنگ کو اسکے بھائی نواب نظام علی خاں نے معزول کرکے خود اُن کی جگہہ لیلی تھی ادھر تو نواب نظام علی خاں کو یہ علم ہوا کہ صلابت جنگ کے حقوق کو یورپ کے متعاقدین نے تسلیم کرلیا ہے اور اُدھر صلابت جنگ نے وفات پائی ؛؛

اضلاع شمالی سرکار سنہ ۱۷۶۵ء

۱۲۔ اگست سنہ ۱۷۶۵ء کے قابل یادگار دن کو کلائیو نے منصب دیوانی کے ساتھ ہی شہنشاہ دہلی سے ایک فرمان اور بھی حاصل کیا تھا جسکی رو سے نواب کرناٹک کو نواب نظام الملک کی ماتحتی سے بالکل آزاد کردیا گیا تھا اور شمالی سرکار کے اضلاع کمپنی کو عطا فرما دئے گئے تھے یہ ساحل کورمنڈل کے اضلاع اب تک جنرل بسی کے قبضے میں رہے تھے اور وہ اپنی فوج کے مصارف اُنسے پورے کرتا تھا۔ بسی کے چلے جانیکے بعد ان صوبوں کو کرنل فورڈ نے فرانسیسیوں سے چھین کر کمپنی کے قبضے میں لے لیا تھا۔ نواب نظام علی خاں کسی طرح ان اضلاع کو اپنی مملکت سے جدا ہونے پر راضی نہیں تھے اسلئے جب اُن کو یہ علم ہوا کہ ان پر قبضہ کرنیکے لئے انگریزی فوج جا رہی ہے تو انھوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ میں اپنی فوج بھیجکر انکو خاک سیاہ کرادونگا۔ اس زمانے میں مدراس کا گورنر مسٹر پاک تھا۔ یہ شخص کمپنی کے ساتھ مذہبی پادریوں کی

باب دوم
فصل دوم

اپنے دربار کو زیادہ شان و شوکت کے ساتھ مزین کر کے شاہانہ آداب قائم کر دیئے تھے۔

حیدر علی نواب نظام الملک اور مرہٹوں میں لڑائی ۱۷۶۱ء

جب جنگ پانی پت کی دل شکن خبر بالاجی راؤ پیشوا کو پہنچی تو اسکا دل پھٹ گیا اور وہ اس صدمے سے جاں بر نہو سکا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا مادھو راؤ جانشین ہوا جو اس وقت صرف اٹھارہ سال کی عمر کا تھا۔ نواب نظام الملک نے مرہٹہ مقتدر کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ تمام علاقہ مرہٹوں کے پنجے سے چھڑانا چاہا جو مرہٹوں کے عروج کے زمانے میں نواب نظام الملک کے مورث اعلیٰ نے مرہٹوں کو حوالے کر دیئے تھے چنانچہ انھوں نے بھونسلا راجہ ناگپور کے ساتھ اتحاد کر کے ۱۷۶۳ء میں پونا پر حملہ کیا اور اسکو لوٹ لیا اور جلا ڈالا۔ پیشوا کے چچا رگھوبا اسکا جواب دینے کے لئے حیدر آباد کے علاقے پر دھاوے مارنیکے لئے روانہ ہو گیا اور متخاصمین کی فوجیں دریائے گوداوری کے کناروں پر مقابل ہو گئیں۔ لڑائی سے پہلے رگھوبا نے راجہ ناگپور کو بتیس لاکھ کا علاقہ دینے کا لالچ دیکر راضی کر لیا تھا اور عین لڑائی شروع ہوتے وقت بھونسلا نے نواب نظام الملک کا ساتھ چھوڑ کر رگھوبا کا ساتھ دیا جس سے نواب نظام الملک کو سخت شکست ہوئی اور اسکی فوج کا بڑا حصہ کام آگیا۔ لیکن ادھر تو مرہٹوں کو بھونسلا راجہ پر یہ طیش آرہا تھا کہ وہ اپنی برادری کے خلاف نواب نظام الملک کا شریک ہو گیا تھا ادھر نواب نظام الملک اسپر اسلئے برافروختہ تھے کہ اسنے عین وقت پر دھوکہ دیا تھا اسلئے کچھ ایسی صورت پڑ گئی کہ بعد کو نواب نظام الملک اور پیشوا متفق ہو گئے اور انھوں نے ناگپور کی مملکت پر ۱۷۶۶ء میں یورش کر دی اور بھونسلا کو اس علاقے کے بہت بڑے حصے سے بیدخل کر دیا جو اسنے اپنی غداری کے ذریعے سے حاصل کیا تھا۔

مرہٹوں کا میسور پر حملہ

اب تک مرہٹوں نے میسور کو اپنی امانت گاہ سمجھ رکھا تھا کہ جب کہیں اور لوٹ مار کے لئے میدان نہیں خالی ہوتا تھا تو وہ میسور پر ہاتھ صاف کر لیتے تھے۔ لیکن حیدر علی کے ہاتھ کے تلے ایک زبردست حکومت کا عروج حاصل کرنا جسکے تصرف میں اس وقت بیس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل سے تھے اور اسمیں سے آدھی فوج

باب دوم
فصل دوم

حیدر علی سنہ ۱۷۰۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۷ سال کی عمر تک اُسنے کوئی امتیاز نہیں
حاصل کیا تھا۔ سنہ ۱۷۴۹ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں حصول اقتدار
کے لیئے کشاکش جاری تھی۔ اس وقت محاصرہ دیون ہلی کے موقعے پر میسور کے
مدار المہام کی توجہ حیدر علی کی طرف منعطف ہوی اور اسکو ایک اچھے
دستے کا میر لشکر بنا دیا گیا۔ اس چھوٹی سی کتاب میں حیدر علی کی ترقی مدارج
کی تفصیل کی گنجایش نہیں ہے اسلیئے اتنا کہدینا کافی ہے کہ اُسنے غلط اندراجات
کے ذریعے سے اپنا رسوخ بڑھانا شروع کیا اور اپنی چالبازی اور ہوا پرستی کے
ذریعے سے ریاست میں زبردست فوجی رسوخ حاصل کر لیا۔ آخرکار فوج کو
پورے طور سے اپنے قابو میں لیکر اُسنے ریاست کے کمزور راجہ کو اس بات پر مجبور کیا
کہ وہ زمام حکومت سے دستبردار ہوکر گوشہ عُزلت پسند کرے اور ایک سالانہ
وظیفے پر قناعت کرے مگر یہ وظیفہ بھی بعد کو کم کر دیا گیا۔ حیدر علی نہایت بہادر سپاہی
نہایت قابل اور تجربہ کار سپہ سالار اور نہایت مدبر حکمران تھا۔ سیواجی اور
رنجیت سنگھ کی طرح حیدر علی بھی نوشت خواند سے بے بہرہ تھا یہ امر کافی
استمال کی گنجایش رکھتا ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی آجکل کے
مقابلے کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کرسکتا تھا یا نہیں مگر اسمیں ذرا شبہ و شک
کی گنجایش نہیں ہے کہ یہ تینوں شخص سلطنتیں قائم کرسکتے تھے اور ان پر حکومتیں
کرسکتے تھے۔ حیدر علی ساٹھ سال کی عمر میں میسور کا حکمراں ہوا اور بیس سال تک
اپنے ہمسایوں کے نذر کو توڑ توڑ کر اپنی قوت کو بڑھانے میں مصروف رہا۔ دو سال
کے عرصے میں اُسنے اپنا علاقہ دریائے کرشنا تک بڑھا لیا اور سنہ ۱۷۶۳ء میں علاقہ
بیدنور کو روند ڈالا جو ساحل غربی کے اُس مرتفع علاقے میں واقع ہے۔
جہاں سے کنارا کے قابل جہازرانی صوبے پر زد پڑتی ہے۔ بیدنور کا دارالحکومت
جو دکن بھر میں متمول ترین شہر تھا بغیر خونریزی کے ہاتھ آگیا اور اسکے بعد
جو مرفہ الحالی حیدر علی کو نصیب ہوئی وہ اُسی شہر کی بے انتہا دولت سے
منسوب کی جاسکتی ہے۔ اس نے اس سے پہلے والے حیدر نائک کا لقب
ترک کرکے حیدر علی خاں بہادر کا شاہانہ خطاب اختیار کر لیا تھا اور اب اُسنے

(صفحہ ۱۶۷)

وعدہ کرلیا اور حیدر علی نے اسکے معاوضے میں نواب نظام الملک کو بیس لاکھ روپے نقد اور چھ لاکھ سالانہ بطور خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اتحادی فوجوں کی تعداد بیالیس ہزار سوار اٹھائیس ہزار پیدل اور سو ضرب توپیں تھیں۔ اور انگریزی فوج میں صرف ایک ہزار تیس تیغ زن سوار اور پانچ ہزار آٹھ سو سنگین انداز پیدل اور سولہ توپیں تھیں۔ اس غیر متناسب تعداد کے باوجود بھی کرنل سمتھ نے دو مرتبہ اتحادی فوجوں کو شکست دی اور انکی چونسٹھ توپیں چھین لیں۔ ان مبارز طلبوں کے دوران میں حیدر علی کا سب سے بڑا بیٹا ٹیپو سلطان جو اسوقت سترہ سال کی عمر کا تھا اچانک پانچ ہزار سوار سے چڑھ دوڑا اور مدراس کے حکام کی مفصلات کی کوٹھیاں لوٹ لیں اور اگر اسکی فوج کے آدمی لوٹ کھسوٹ میں مصروف نہو جاتے تو مدراس گورنمنٹ کے اراکین بھی کسی طرح جان بچاکر نہیں نکل سکتے تھے۔ اسی اثنا میں بنگال گورنمنٹ نے کرنل پیچ کی سرکردگی میں ایک بحری مہم اس غرض سے بھیجی کہ نواب نظام الملک کی توجہ اُدھر بٹائے۔ کرنل پیچ نے ساحل پر اُترتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کردیا اور پیشقدمی کرتا ہوا حیدرآباد سے اسّی میل کے فاصلے پر مقام ورنگل تک چلا آیا۔ یہ دیکھتے ہی نواب نظام الملک نے حیدر علی کا ساتھ چھوڑ دیا اور انگریزوں سے صلح کرنیکی تدبیر میں فوراً مصروف ہوگئے۔ (صفحہ ۱۶۹)

ریاست حیدرآباد کے حالات اسوقت نازک تھے اس ریاست کو دو معرکوں میں کرنل اسمتھ کے ہاتھ سے شکست مل چکی تھی۔ اس کے شمالی علاقے پر انگریزی بحری فوج نے قبضہ کرلیا تھا اور اس وقت مسٹر پاک ریزیڈنٹ اور مدراس کونسل جسطرح چاہتے شرائط طے کرا لیتے۔ کم سے کم یہ امید ضرور تھی کہ نواب نظام الملک کے ساتھ وقت ضرورت امداد کرنیکے جس وعدے کا انگریزوں نے اپنے تئیں پابند کرلیا تھا مسٹر پاک اسکے کالعدم ہونیکا ضرور اعلان کردیگا۔ لیکن کئی ہفتے کے نامہ و پیام کے بعد مسٹر پاک نے پھر ۱۷۶۸ء میں ایسی شرائط طے کیں جو کمپنی کے تمام کارناموں میں ذلیل ترین معاہدے کے نام سے موسوم کی جاسکتی ہیں۔ اس معاہدے میں پھر وہی ذلت آمیز شرط اضلاع سرکار کے عوض نواب نظام الملک کو خراج ادا کرنیکی تھی

باب دوم
فصل دوم

اعلیٰ درجے کی قواعد داں ہستی پونا کی مجلس شوریٰ کی نظروں میں نفرت کے ساتھ کھٹکنے لگا اور اُسنے اس نوخیز کی دیدہ دلیری کی سزا دینی ضروری سمجھی۔ چنانچہ ۱۷۶۵ء میں میسور پر ایک فوج بھیجی گئی اور حیدر علی کو پہلی مرتبہ مرہٹہ فوجوں کا سامنا کر کے سخت شکست کھانی پڑی۔ دوسرے سال پیشوا کی فوجیں پھر میدان میں آئیں اور میسور کی فوج کو پھر شکست کھانی پڑی جسمیں دس ہزار آدمی مارے بھی گئے اور حیدر علی نے اسی میں سلامتی دیکھی کہ اپنے اپنا بہت سا غصب کیا ہوا علاقہ مرہٹوں کے حوالے کر دیا اور بتیس لاکھ روپیہ تاوان جنگ دیکر جان بچائی۔ ان نقصانات کی تلافی کرنیکے لئے حیدر علی نے مالابار کے بحری صوبے پر حملہ کیا جسکو اب تک کوئی مسلمان حکمران تسخیر نہیں کر سکا تھا۔ مالابار کے فوجی سرداروں نے جو نائر کہلائے جاتے تھے نہایت جاں بازی سے مدافعت کی پھر بھی تمام صوبہ انکے ہاتھ سے نکل ہی گیا اور زمورین کی راج دھانی کالی کٹ پر میسور کا پھریرا اڑا دیا گیا۔ ان فاتحانہ پیشقدمیوں سے یکایک حیدر علی کو اپنے گھر کی حفاظت کی ضرورت نے واپس لوٹایا کیونکہ ابکی دفعہ مرہٹوں نے نواب نظام الملک کے ساتھ اتحاد عمل کر لیا تھا اور یہ وہی اتحاد تھا جسمیں مدراس گورنمنٹ کو بھی ۱۲۔ نومبر ۱۷۶۶ء کے معاہدے کے مطابق طوعاً و کرہاً امدادی فوج سے شریک ہونا پڑا تھا۔ نواب نظام الملک نے فوراً تکمیل معاہدہ کا مطالبہ کیا اور بُری گھڑی سے کرنل سمتھ کو امدادی فوج کے ساتھ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کا شریک ہو کر حیدر علی کا زور توڑنے کیلئے بھیجا گیا۔ ۱۷۶۷ء میں مرہٹے نواب نظام الملک کو پیچھے چھوڑ کر بڑھ گئے اور ماہ جنوری میں دریائے کرشنا کو عبور کر کے اُنکے غارتگر رسالوں نے حیدر علی کے شمالی علاقوں میں لوٹ مار مچانی شروع کر دی اور حیدر علی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ بتیس لاکھ روپے بھینٹ چڑھا کر اُنھیں حملہ کرنیسے روکے اور واپس کر دے تو

(صفحہ ۱۶۸)

کرنل سمتھ جب نواب نظام الملک کے لشکر میں پہنچا تو اسکو معلوم ہوا کہ نواب موصوف حیدر علی سے نامہ و پیام کر رہے ہیں کہ حیدر علی کے ساتھ مل کر انگریزی فوج پر حملہ کریں چنانچہ کرنل موصوف اپنی فوج کو لیکر کرناٹک کی سرحد کی حفاظت کے لیے ہٹ آیا اس نامہ و پیام کا نتیجہ یہ نکلا کہ نواب نظام الملک نے فوراً انگریزی فوج پر یورش کر دینے کا

باب دوم
فصل دوم

ودمدافعانہ اتحاد قائم کیا۔ یعنے جو جو علاقے متعاقدین کے ہاتھ سے اس جنگ میں جاتے رہے تھے وہ انکو پھر واپس مل گئے اور انگریزوں کو اس شرط کا پابند ہونا پڑا کہ اگر کسی وقت کسی طرف سے حیدرعلی پر حملہ کیا جائے یا وہ خود کسی پر [illegible] مدراس کونسل نے تیسری مرتبہ

حیدرعلی کے ساتھ جنگ ۱۷۶۸ء

حیدرعلی کو اس عہدنامے کے شرائط کا پورا پورا احساس تھا جسمیں اسکو ذلت کے ساتھ باغی و غاصب قرار دیا گیا تھا اور انگریزی حکومت کو اسپر آمادہ کیا گیا تھا کہ مملکت میسور کو پارہ پارہ کردے چنانچہ وہ اپنی سیاسی جہد حیات کے لئے تیاریاں کرنے میں دل و جان سے مصروف ہوگیا۔ بمبئی گورنمنٹ کی بھیجی ہوئی ایک بحری مہم نے حیدرعلی کے چند جہازوں کو تباہ کردیا تھا اور اسکے سواحل ملابار کے چند مقبوضات کو تسخیر کرلیا تھا۔ لیکن حیدرعلی نے فوراً ہی اپنا کھویا ہوا علاقہ چھین لیا اور مشرقی اضلاع میں جنگی کارروائیاں کرنیکی طرف جھک پڑا۔ مدراس گورنمنٹ نے اپنی حماقت سے جو لڑائی حیدرعلی کے ساتھ مول لیلی تھی اسکی تکمیل میں بھی اس گورنمنٹ کی طرف سے اتنی ہی بے عقلی اور نااہلی کا اظہار ہوا جتنی اس معاہدے کی تکمیل میں ظاہر کیگئی تھی جسنے اس جنگ میں پھنسایا تھا۔ افواج کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنیکے لیئے دو جنگی قائم مقام بھیجدیئے گئے اور رسد رسانی کا اہتمام کرناٹک کے پست ہمت نواب کے سپرد کردیا گیا جسنے کمپنی کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مگر اس سے سوائے کام بگاڑ دینیکے اور اُمید بھی کیا کی جاسکتی تھی۔ باوجود ان تمام بدعنوانیوں کے بھی کرنل سمتھ نے حیدرعلی کا تقریباً نصف علاقہ تسخیر کرلیا اور اُسکے کئی مہتم بالشان قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ حیدرعلی کو یہ ڈر تھا کہ کہیں مرہٹے بھی انگریزوں کے شریک ہوکر نہ ٹوٹ پڑیں اسلیئے اُسنے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس موقعے پر سپر ڈال دے اور انگریزوں کو بارہ محل کا علاقہ اور دس لاکھ روپے دیکر صلح کرنی چاہی۔ مگر پریزیڈنٹ موجودہ فتوحات پر بھول گیا تھا اور اُسنے ایسی مبالغہ آمیز اور ناقابل عمل شرائط پیش کیں کہ

باب دوم
فصل دوم

حیدر علی کو مجبوراً مرنے مارنے پر تیار ہونا پڑا۔ کرنل سمتھ نے چونکہ مدراس کونسل کو
[illegible]

معاف کر دیئے جا دیے۔ اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ گنٹور نواب نظام الملک
کے بھائی بسالت جنگ کے حین حیات تک بسالت جنگ کے قبضے میں
رہیگا در آں حالیکہ نواب نظام الملک کا یہ عطیہ اپنے بھائی کے حق میں کمپنی کے نزدیک بالکل ناجائز تھا۔
حیدر علی جو گزشتہ سات سال سے بادشاہ اور فرماں روا کے نام سے خطاب کیا
جاتا تھا اس معاہدے میں حیدر نائک کے ذلیل لقب سے یاد کیا گیا ہے اور
اُسپر باغی وغاصب ہونیکا الزام لگایا گیا ہے اور انگریزی حکومت کے لئے یہ
جائز رکھا گیا ہے کہ وہ حیدر نائک سے کرناٹک اور بالاگھاٹ کو چھین لے
اور اس علاقے کو نواب نظام الملک کی طرف سے بطور جاگیر کے اپنے قبض وتصرف میں رکھے
اور سات لاکھ سالانہ اسکے عوض نعلبندی کی رقم نواب نظام الملک کو دیتی رہے۔ مزید
براں یہ کہ مرہٹوں کو بھی اسمیں سے برابر چوتھ دیتی رہے در اں حالیکہ مرہٹے
اس معاہدے میں کوئی فریق نتھے۔ تمام حماقتوں پر طرہ یہ کہ
مدراس کونسل نے بمبئی اپنے تئیں دکن کی خدوش و پیچ در پیچ سیاسیات میں
پھنسادیا تھا۔ اور یہ بھی شرط طے کرلی تھی کہ ضرورت کے وقت وہ پلٹنوں اور
چھ توپوں سے نواب نظام الملک کی امداد بھی کرینگے۔ کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے اس
صلحنامے کو منظور وقبول کرنے سے ان الفاظ کے ساتھ انکار کردیا:۔

> ہم ممبران مجلس انتظامیہ تمھارے اس تمام طرز عمل کو ناپسندیدگی کی نظر سے
> دیکھتے ہیں جو تم نے اصلاع سرکار کے متعلق نامہ وپیام کرنے میں ابتدا
> سے انتہا تک اختیار کیا ہے۔ اور جب ہم اس بے اندازہ دولت پر
> نظر کرتے ہیں جو کمپنی کے ملازموں نے اس نامہ وپیام کے دوران میں
> حاصل کرلی ہے تو ہمکو اس عام رائے کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نامہ وپیام۔
> معاہدات اور صلحنامہ جات کے متعلق یہ تمام جوش وخروش در اصل
> بجائے کمپنی کے فوائد کے ذاتی اغراض کے ساتھ وابستہ ہے۔

ومدافعانہ اتحاد قائم کیا۔ یعنے جو جو علاقے متعاقدین کے ہاتھ سے اس جنگ میں جاتے رہے تھے وہ انکو پھر واپس مل گئے اور انگریزوں کو اس شرط کا پابند ہونا پڑا کہ اگر کسی وقت کسی طرف سے حیدر علی پر حملہ کیا جائے یا وہ خود کسی پر حملہ کرے تو وہ اُسکی امداد کریں۔ اس طرح مدراس کونسل نے تیسری مرتبہ کمپنی کو دکن کی پرخطر و پرانقلاب سیاسیات میں الجھایا اور اسطرح دوسری جنگ میسور کا خاتمہ ہوا۔ جو مقبوضات حاصل کئے گئے تھے وہ سب ہاتھ سے نکل گئے۔ جو روپیہ صرف کیا گیا تھا وہ سب ضائع گیا اور کمپنی کا فوجی اقتدار بھی خاک میں مل گیا۔

حیدرعلی اور مرہٹوں کی جنگبازی ۱۷۷۰ء

حیدر علی نے جب مدراس گورنمنٹ سے اپنا قضیہ طے کرلیا اور اُس سے امداد کا وعدہ لیلیا تو اُسنے وہ مطالبات روک لئے جو مرہٹے اُس پر مانگتے تھے اور اُنکے علاقے پر حملہ کردیا۔ پیشوا نے میسور کو پوری طور سے نیچا دکھانیکے ارادے سے بڑی زبردست سپاہ فراہم کی اور حیدر علی کا قلعے پر قلعہ فتح ہونے لگا اور اُسکے علاقے کے علاقے تباہ ہونے لگے اور اُسکو دبکر صلح کرنیکی ضرورت پڑی مگر چونکہ پیشوا ایک کروڑ روپے نذرانہ طلب کرتا تھا اسلئے نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اسکے بعد ۱۷۷۱ء میں حیدر علی پینتیس ہزار سپاہ اور چالیس توپوں کے ساتھ ملکوٹا پر بڑھا مگر یہاں اُسنے اپنے تئیں بُری طرح سے جال میں پھنسا ہوا پایا۔ آٹھ دن کی متواتر گولہ باری کو برداشت کرنیکے بعد اُسنے ایک رات کو چپکے سے سرنگاپٹم کی طرف پسپائی کی کوشش کی جو وہاں سے بائیس میل کے فاصلے پر تھا۔ مگر مرہٹوں کو اسکی اطلاع مل گئی اور اُنھوں نے اُسے راستے میں آلیا اور ایسی بُری طرح اُسکی پسپا ہونیوالی فوج پر مار پڑنے لگی کہ اگر مرہٹہ فوجیں لوٹ کھسوٹ میں مصروف نہ ہو جاتیں تو حیدر علی کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچ سکتا۔ اسکے بعد مرہٹوں نے حیدر علی کے دارالحکومت کا محاصرہ کرلیا اور اسنے مجبور ہوکر پریزیڈنٹ مدراس سے اس امداد کی استدعا کی جو معاہدے کے مطابق اسے دینی چاہیئے تھی۔ پریزیڈنٹ اور کونسل نے

باب دوم
فصل دوم

حیدر علی کو مجبوراً مرنے مارنے پر تیار ہونا پڑا۔ کرنل سمتھ نے چونکہ مدراس کونسل کو اُنکی ناقابل عمل شرائط پر فہمایش کی تھی اسلئے کونسل نے اُسے میدان جنگ سے واپس بلالیا اور اُسی گھڑی سے لڑائی کی ہوا بدلنے لگی۔ حیدر علی نے محاصرہ بنگلور کو اُٹھوادیا اور اپنی فطری سرگرمی و مستعدی سے کام لیکر اپنے تمام کھوئے ہوئے قلعے انگریزوں سے چھین لئے۔ پھر وہ بارہ محل میں گھس پڑا اور وہاں سے جنوب کی طرف مڑکر تنجور پر جا دھمکا اور راجہ سے چار لاکھ روپے زبردستی کا نذرانہ وصول کرکے پھر شمال کو مدراس کی طرف بڑھا۔ کمپنی کے کارکنوں کی اسوقت کی پریشانی کا اچھی طرح سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب حواس باختہ کونسل کی باری تھی کہ سازگاری کے ذرائع تلاش کرے۔ چنانچہ اس طرف سے چالیس دن کے التوائے جنگ کی استدعا کی گئی اور حیدر علی نے بدقت تمام بارہ دن کا التوا منظور کیا اور اُسکے ختم ہوتے ہی اپنی ہیبت ناک کارروائیاں شروع کردیں۔ کرنل سمتھ پھر اپنے عہدۂ سپہ سالاری

(صفحہ ۱۷۱)

پر سرفراز کردیا گیا تھا اور ابکی مرتبہ حیدر علی اُسکو مدراس سے ایکسو چالیس میل کے فاصلے تک اپنے پیچھے لگا لیگیا اور یہ عزم بالجزم کرلیا کہ مدراس کی فصیلوں کے تلے اس جنگ کا آخری فیصلہ کرکے رہیگا۔ چنانچہ اپنے چھ ہزار چیدہ سواروں کو اپنے ساتھ لیکر وہ چستی کے ساتھ لوٹا اور برسم یلغار ساڑھے تین دن میں ایکسو تیس میل کا دھاوا کرکے مدراس سے صرف چار میل کے فاصلے پر مقام سنٹ ٹوم پر نمودار ہوا اور یہاں سے یہ مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے تو فوراً کرنل سمتھ کو تاکیدی احکام بھیجے جائیں کہ وہ جو میرے تعاقب میں آرہا ہے اُنھی قدموں راستے میں رُک جائے۔ دوسرے پریزیڈنٹ صاحب بہ نفس نفیس شرائط معاہدہ طے کرنیکے لئے میرے پڑاؤ میں آئیں ورنہ لمحہ بھر میں مدراس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائیگی۔ مدراس گورنمنٹ کو سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اُس وقت حیدر علی میدان مار چکا تھا اسلئے اُسنے من مانی شرطیں پیش کیں۔ ۳۔ اپریل ۱۷۶۹ء کو ایک صلحنامے پر دستخط کئے گئے جسکی خاص شرائط یہ تھیں کہ فریقین نے اپنے اپنے مفتوحات سے دست برداری کی اور باہمی محاربانہ

باب دوم
فصل دوم

اور بارشیں شروع ہونیسے پہلے دہلی کی طرف لوٹ آئیں۔ لارڈ کلائیو کے ساتھ ۱۷۶۵ء میں منصب دیوانی کا معاملہ طے ہونیکے بعد سے شہنشاہ دہلی اپنی اُس جاگیر میں امن و آسائش سے رہا کرتا تھا جو کمپنی نے اُسکے لیئے وقف کردی تھی اور اضلاع کڑا و الہ آباد کی آمدنی سے موج اُڑاتا تھا اور دہلی کے گرد و نواح کے اضلاع جو ابتک تخت دہلی سے منسوب سمجھے جاتے تھے نجیب الدولہ کے زیرنگیں تھے۔ نجیب الدولہ کے انتقال پر اُسکا بیٹا ضابطہ خاں انکا مدار المہام ہوگیا تھا۔ تقاضائے فطرت یہ تھا کہ شاہ عالم کو اپنے بزرگوں کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونیکی اور اپنا شاندار دربار اپنے قدیم دارالحکومت میں قائم کرنیکی تمنا ہو۔ مرہٹے بھی اسکو تخت پر بٹھانیکی اُسی کے برابر تمنا رکھتے تھے کیونکہ اس طرح انکو اپنا اقتدار قائم کرنیکا بہترین موقع ملتا تھا اور اُسکے پردے میں وہ اپنی اہمیت کو حد سے زیادہ بڑھا سکتے تھے۔ باوجودیکہ کلکتے کی کونسل نے گوشہ نشین شہنشاہ کو اس منصوبے پر عمل پیرا ہونیکے خطرات سے اچھی طرح آگاہ و متنبہ کردیا تھا مگر وہ مرہٹوں کے پنجۂ مکر میں پھنس گیا اور انھوں نے ۲۵- دسمبر ۱۷۷۱ء کو اُسے تخت نشین کرہی دیا۔

(صفحہ ۱۷۳)

دوسرے سال مرہٹے پھر روہیلکھنڈ پر آنازل ہوئے اور روہیلا سردار کو مجبور ہوکر نواب وزیر اودھ سے استعانت کرنی پڑی۔ شاید تاریخ عالم میں بہت کم معاملات اسقدر پردۂ خفا میں رہ سکے ہونگے جیسے وہ مکاتیب و مراسلات رہ سکے ہیں جو روہیلوں مرہٹوں اور نواب وزیر اودھ کے درمیان اس معاملے میں آئے گئے۔ یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ مرہٹوں نے اس شرط پر واپسی کا وعدہ کیا کہ روہیلا سردار چالیس لاکھ روپے نذرانہ پیش کرے یا اتنی رقم کا وعدہ کرے اور اس وعدے کی ضمانت نواب وزیر اودھ دے۔ نواب وزیر نے ۱۷۷۲ء میں اس معاہدے کی ضمانت دی اور روہیلا سردار رحمت خاں سے اس مطالبے کی پہلی قسط کے پانچ لاکھ روپے بھی وصول کرلیئے۔ مگر مرہٹوں کو اسمیں سے ایک حبہ دینا بھی گوارا نہیں کیا اسی اثنا میں مرہٹے اپنے اس مطالبے کو اس شرط پر منسوخ کرنیکو تیار ہوگئے

باب دوم
فصل دوم

اسکو ضروری سمجھا کہ کمپنی کی بات اور عزت قائم رکھنے کے لئے حیدر علی کو اس وقت پر امداد دی جائے لیکن اس سے کچھ ہی پہلے یہ صورت پیش آچکی تھی کہ نواب کرناٹک نے کچھ ایسی دو فصلی تحریریں وزیر انگلستان کے پاس بھیجی تھیں کہ وزارت کی طرف سے یہ حماقت کی گئی تھی کہ سرجان لنسے کو بادشاہ کا قائم مقام بنا کر دربار کرناٹک میں بھیج گیا تھا۔ اس موقعے پر سرجان لنسے نے مدراس کونسل کی مخالفت کی اور بہ حیثیت شاہ انگلستان کے قائم مقام ہونیکے کمپنی کے قائم مقاموں کو اسکا حکم ماننا پڑا۔ بدکردار نواب نے صرف کونسل کو اس موقعے پر نیچا دکھانے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اسنے سرجان لنسے کو اسپر آمادہ کیا کہ اسنے کونسل پر یہ زور دیا کہ مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کرلیا جائے۔

(صفحہ ۱۷۲)

جب حیدر علی کو برطانوی امداد کا بھروسہ بھی نہ رہا تو اسکے پاس سوائے اسکے اور چارہ کار نہ تھا کہ نہایت گراں قیمت پر اپنی جاں بخشی کرائے چنانچہ اسنے مرہٹوں کو چھتیس لاکھ روپے نذرانہ نقد دیا یہ چودہ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا اور اپنا اتنا علاقہ مرہٹوں کے حوالے کردیا کہ جو کچھ باقی بچا وہ وسعت میں اس مملکت میسور سے بھی کم تھا جو اٹھارھویں صدی کی ابتداء میں تھی۔ اسنے انگریزوں کے اس وقت پر دھوکہ دینے کو کبھی فراموش نہ کیا نہ ہرگز معاف کیا اور دس سال کے بعد ہی اسنے اسکا ہولناک تاوان وصول کیا۔

ہندوستان پر مرہٹہ یورش ۱۷۶۹ء

جنگ پانی پت نے مرہٹوں کو ہندوستان سے بالکل نکال دیا تھا۔ مگر اسکے آٹھ سال بعد ہی پیشوا نے پچاس ہزار سوار اور کثیر تعداد پیدل کی ایک جرار فوج مع زبردست توپ خانے کے اس غرض سے فراہم کی کہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت ہندوستان میں پھر حاصل کی جائے اور اپنی تاخت و تاراج کا سلسلہ پھر شروع کیا جائے۔ اس فوج کی پہلی یورش راجپوت رئیسوں پر ہوئی جنسے پیشوا نے دس لاکھ روپے بطور نذرانہ وصول کئے۔ پھر یہ فوج جاٹ رئیسوں پر چڑھ دوڑی جنھوں نے ۶۵ لاکھ روپے نذرانہ دینے کا وعدہ کیا۔ اسکے بعد ۱۷۷۰ء میں یہ فوجیں روہیلوں کے اضلاع پر جا دھمکیں اور گنگا جمنا کے تمام دوآب کو روندتی چلی گئیں

باب دوم
فصل دوم

اس حکومت کے جو کل پرزے خاص انگلستان میں تھے وہ بھی خاص تجارتی اغراض کے لیئے ڈھالے گئے تھے اور انتظام سلطنت کے لیئے کسی طرح موزوں نہیں تھے۔ ہندوستان کی ملازمتیں جو بے اندازہ دولت جمع کرنیکا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں تمام وکمال مجلس انتظامیہ کے ارکان کے ہاتھ میں تھیں اور یہ ارکان کمپنی کے حصہ داروں کی کثرت رائے سے منتخب کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ہر رائے کی اتنی قیمت سمجھی جاتی تھی کہ ۱۷۶۳ء میں (صفحہ ۱۷۶)
اس زمانے کی ایک متمول و با اثر جماعت موسومہ مالک جہازات (Ships Husbands) نے پندرہ لاکھ کے حصے صرف اس غرض سے خرید کیئے کہ اس طرح انکو انتخاب ارکان میں تین سو رائیں مل سکینگی۔ انڈیا ہاؤس ایسی بدکرداریوں اور دلالیوں کا منظر پیش کرتا تھا جیسا انگلستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ غرض یہ ہندوستانی گورنمنٹ کلکتہ اور لندن دونوں جگہہ نہایت سقیم و متعفن ہوگئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایوان عام کی طرف سے بلا واسطہ تحقیقات کیئے جانیکا عام مطالبہ قوم کی جانب سے کیا جانے لگا اور یہ مطالبہ اور زیادہ بڑھ گیا جب کمپنی کے سر پر ایکدم مالی مشکلات کی بلا نازل ہوگئی۔ کمپنی کے ہندوستانی ملازمین کی بددیانتیوں نے کمپنی کا خزانہ خالی کر دیا تھا۔ باوجودیکہ کمپنی کے پاس ڈھائی کرور سالانہ کی آمدنی کے مقبوضات ہی تھے مگر اسکے ذمے سوا کرور کا قرضہ لندن میں اور ایک کرور کا قرضہ کلکتے میں تھا۔ پھر اس دیوالیہ پن کی حالت میں مالکان کمپنی نے اپنے حق میں ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ منافعہ تقسیم کرنیکا کثرت رائے سے فیصلہ کیا۔ جب تک انگلستان کا بنک قرض دے سکا مجلس انتظامیہ برابر اس سے قرض لیتی رہی اور اسکے بعد ملکی ایوان تجارت سے دس لاکھ قرضہ ملنے کی استدعا اسلیئے کی کہ کہیں پیسہ پاس نہونیسے انڈیا ہاؤس کے دروازے نہ بند ہوجائیں۔ وزرا نے مجلس انتظامیہ کو ہدایت کی کہ ایوان عام کی طرف یہ معاملہ رجوع کریں چنانچہ وقت سے پہلے ایوان عام کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد کیا گیا۔ ایک منتخب جماعت کے سپرد شہادتیں

کہ روہیلے مرہٹوں کے شریک ہوکر مملکت اودھ پر حملہ کریں اور اگر فتح ہوگئی تو مفتوحہ علاقہ دونوں میں برابر سے تقسیم کرلیا جائیگا۔ لیکن روہیلوں نے ان شرائط کو منظور نہیں کیا اور نواب وزیر اودھ کا ساتھ دینا پسند کیا۔ مرہٹوں کے کئی لشکر اضلاع روہیلکھنڈ پر تاخت و تاراج کے لئے ٹوٹ پڑے لیکن اودھ۔ روہیلکھنڈ اور انگریزوں کی امدادی فوجوں نے انکو مزید پیشقدمی سے روکے رکھا۔ اسی زمانے میں مادھوجی راؤ پیشوا کا پونا میں انتقال ہوگیا اور اسکے جانشین نے کرناٹک پر حملہ کرنیکا منصوبہ باندھا اور وہاں کی مہم کو تیار کرنیکے لئے اپنی فوجوں کو ہندوستان سے واپس طلب کیا چنانچہ تین یورشوں کے مال غنیمت سے لدی ہوی یہ فوجیں اپنے ملک کو ۱۷۷۳ء میں واپس روانہ ہوگئیں۔ اس سے پہلے سال کے اختتام پر شہنشاہ دہلی نے مرہٹوں کی دراز دستی اور آزپروری سے تنگ آکر سرمید ان انکا مقابلہ کیا تھا لیکن شاہی فوج کو کامل ہزیمت کھاکر پسپا ہونا پڑا اور شہنشاہ نے مرہٹوں کی خونخوار پلٹنوں کے خیر مقدم کے لئے شہر دہلی کے دروازے کھول دیئے تھے اور انکے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کرلیا تھا۔

اس زمانے میں ہندوستان کی برطانوی گورنمنٹ ایک عجیب بے ضابطگی کا نمونہ تھی۔ لندن کی ایک تجارتی کمپنی کے کارکنوں نے اتنے بڑے بڑے صوبوں کی حکومت حاصل کرلی تھی جو انگلستان سے بھی زیادہ وسیع تھے۔ وہ صلح و جنگ بہ اختیار خود کررہے تھے۔ تخت و تاج کو الٹ پلٹ کررہے تھے اور رنہا ہا نہ آمدنیاں ادھر سے ادھر کردیتے تھے۔ کمپنی کے ہندوستانی ملازم جو صرف تین چار سو روپے ماہوار کے تنخواہ دار تھے جب گھر لوٹ کر آتے تھے تو بے اندازہ دولت انکے پاس ہوتی تھی اور وہ ایسے ٹھاٹھ سے رہتے تھے کہ پوتڑوں کے رئیسوں کو بھی مات کردیتے تھے۔ ان ہندوستانی نوابوں کے ڈراموں میں خاکے اڑائے جاتے تھے اور یہ لوگ مجمع عام میں آنے سے اسلئے ہچکچاتے تھے کہ انکے دل میں اپنی ظلم و ستم سے کمائی ہوی ناجائز دولت کا چور رہتا۔

باب سوم

فصل اول

مسٹر ہسٹنگز کا عہد حکومت مسٹر فرانسیس کی روانگی تک

وارن ہسٹنگز کے ابتدائی حالات اس فرمان کے منشاء کے مطابق وارن ہسٹنگز کو ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر فرمایا گیا۔
وارن ہسٹنگز ۱۷۵۰ء میں کمپنی میں اہلکار ہوکر کلکتہ آیا تھا اور اول سات سال تک اسکا کام یہ تھا کہ ریشمین کپڑے اور تنزیب وغیرہ کے نرخ مقرر کیا کرے اور بیجکوں کی نقلیں کیا کرے۔ جنگ پلاسی کے بعد جو مہتم بالشان واقعات پیش آنے لگے انہیں اسکی قابلیت کی ترقی ہونیکا پہلا موقع ملا اور کرنل کلائیو نے ۱۷۶۰ء میں اُسے دربار مرشد آباد میں کمپنی کا وکیل بناکر بھیجا یہ عہدہ کمپنی کی ملازمت میں اُس زمانے میں درجۂ دوم کا نہایت اہم عہدہ تھا۔ تین سال کے بعد ۱۷۶۳ء میں وہ اپنی باری کے لحاظ سے کونسل کا ممبر منتخب ہوگیا اور اُس نے ہمعصروں کی اُن بدکرداریوں کی سختی سے مخالفت کی جنکی وجہ سے میر قاسم کے ساتھ لڑائی مول لینی پڑی تھی۔ پندرہ سال کی ملازمت کے بعد ۱۷۶۵ء میں وہ انگلستان کو واپس آگیا اور اپنے ہمعصروں کے مقابلے میں بہت افلاس کی حالت میں گیا دراں حالیکہ مسٹر فانسی ٹارٹ جو اسی کے ساتھ جہاز پر گیا تھا اپنے ساتھ پچاس لاکھ سے کچھ ہی کم رقم لیگیا تھا۔ کچھ سال کے قیام انگلستان کے بعد مجلس انتظامیہ نے اسکو پھر کمپنی کی ملازمت میں لے لیا اور اُسے مدراس کی کونسل میں دوسرا ممبر مقرر کیا گیا۔ اس عہدے پر اُس نے ایسی مستعدی وقابلیت کا اظہار کیا کہ آخر ۱۷۷۲ء میں اُس کا انتخاب بنگال کی گورنری پر عمل میں آگیا تھا۔

ہسٹنگز گورنر بنگال ۱۷۷۲ء ہسٹنگز نے نظام حکومت کو نہایت طوائف الملوکی

باب دوم
فصل دوم

قلمبند کرنیکا کام کیا گیا اور اس وقت پہلی دفعہ وہ بدکرداریوں اور بے انصافیوں کے مناظر قوم کے سامنے بے نقاب کیئے گئے جنسے ہندوستان میں برطانوی قوم کی پیشانی پر ذلت کا بدنما داغ لگایا گیا تھا۔ اور پارلیمنٹ نے فوراً یہ ارادہ کرلیا کہ ہندوستانی معاملات کے انصرام کو یکقلم اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ کمپنی نے اپنے دستاویزی حقوق پر اس طرح حملہ کیئے جانے پر سخت احتجاج کیا لیکن ملک بھر میں جو عام منافرت اُسکی طرف سے طاری ہوگئی تھی اسکی وجہ سے کمپنی کو وزارت کے رحم وکرم پر اپنے تئیں چھوڑ دینا پڑا۔ اسکے تمام دولاب عمل کے سقیم کل پرزوں کی اصلاح کی گئی۔ مجلس انتظامیہ کے ارکان کا انتخاب بجائے سالانہ کے چار سال کی میعاد کے لیئے رکھا گیا۔ مالکوں کی رائے صرف چار رائے کے برابر قرار دیگئی عام اس سے کہ وہ کتنے ہی حصوں کے مالک ہوں اور بارہ سو مالک ایک جنبش قلم سے ناقابل رائے دہندگی قرار دیدیئے گئے۔ گورنر بنگال کے عہدے کو تبدیل کرکے گورنر جنرل کردیا گیا جسکی تنخواہ سالانہ ڈھائی لاکھ روپیے مقرر کی گئی اور اُسکی امداد کے لیئے چار ممبروں کی ایک کونسل مقرر کی گئی جسکے ہر ممبر کی تنخواہ سالانہ ایک لاکھ روپے تھی۔ ویسٹ منسٹر کی عدالتوں کے نمونے پر ایک عدالت عالیہ قائم کی گئی جسمیں ایک چیف جسٹس یعنے حاکم اعلیٰ اور تین مددگار جج رکھے گئے۔ وہ ضابطہ جسکا نام ریگولیٹنگ ایکٹ یعنے ضابطہ قانون سازی رکھا گیا تھا انگلستان کے عملے کا انتظام پوری طور سے پاک صاف کرنے میں کامیاب ہوگیا مگر اُسنے ہندوستان میں برطانوی اقتدار حکومت کو بیخ وبن تک ہلاڈالا ؂

روہیلکھنڈ کی مملکت پر عرصے سے دانت تھا اور مرہٹے ابھی اپنے ملک کو واپس گئے ہی تھے کہ اُس نے اپنی امداد کے لئے ہسٹنگز پر زور ڈالنا شروع کیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ اگر روہیلکھنڈ اودھ کے ساتھ ملحق ہو گیا تو کمپنی کو چالیس لاکھ روپیہ نقد اور دو لاکھ روپیہ ماہانہ اُس فوج کے اخراجات کی کفالت کے لئے دیا جائیگا جو اس امداد کے لئے بھیجی جائیگی۔ نواب وزیر نے یہ استدلال کیا کہ مرہٹوں کے پنجے سے خلاصی پانیکے لئے روہیلوں نے اودھ کو چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اودھ کی فوجوں نے کمپنی کی فوج کی امداد سے مرہٹوں کو روہیلکھنڈ سے نکال باہر کیا مگر روہیلوں نے احسان فراموشی کر کے رقم موعودہ دینے سے انکار کر دیا۔ نواب وزیر کی للچانیوالی شرائط ایسے وقت پیش کی گئی تھیں جبکہ قرضوں اور ذلتوں سے تنگ آکر مجلس انتظامیہ نے ہر ڈاک سے کونسل پر ترسیل زر کا تقاضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ کلکتے کا خزانہ صرف خالی ہی نہیں تھا بلکہ اُس پر ایک کروڑ سے زاید کا قرضہ بھی تھا۔ نواب وزیر کو ملک کا لالچ تھا اور ہسٹنگز کو روپے کی ضرورت تھی چنانچہ ہسٹنگز نے اپنے دل کو یوں سمجھایا کہ وزیر کا قول صحیح ہے اور روہیلوں کی احسان فراموشی مستوجب سزا ہے خاص طور سے اسلئے کہ اس منصفانہ انتقام کی کارروائی سے کمپنی کے اغراض و مقاصد کو بھی ترقی حاصل ہو جائیگی۔

نواب وزیر اودھ کے ساتھ معاہدہ ۱۷۷۳ء

ہسٹنگز بنارس گیا اور اس معاملے میں نواب کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا اور اسی وقت نواب وزیر کو کڑا اور آلہ باد کے دونوں ضلعے بھی حوالے کر دئے جو کلائیو نے اودھ سے لیکر شہنشاہ دہلی کے گزارے کے لئے دیدئے تھے اور جو شہنشاہ دہلی نے دباؤ میں آکر مرہٹوں کی طرف منتقل کر دئے تھے۔ اس انتقال مملکت سے کمپنی کے خزانے میں پچاس لاکھ روپیہ اور آگیا۔ نواب کو جب انگریزی فوج کی امداد کا اطمینان ہو گیا تو اُس نے روہیلا سرداروں سے اُس رقم کا بقایا طلب کیا جس میں سے صرف پانچ لاکھ کی

(صفحہ ۱۰۰)

باب سوم فصل اول

کی حالت میں پایا۔ کلائیو نے جو دوگونہ نظام حکومت قائم کیا تھا اور جسے ملکی حکمت عملی کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا تھا آخرکار ملک کے لئے ایک مصیبت بنگیا۔ وصول تحصیل کا انتظام جو کسی حکومت کا اہم ترین شعبہ ذمہ داری ہوسکتا ہے تمام وکمال اُن ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا جو نواب مرشد آباد کے نا آشنا دربار کی ماتحتی میں کام کرتے تھے اگرچہ برائے نام ان پر انگریزی رزیڈنٹ کی نگرانی تھی مگر حقیقتاً وہ سب بالکل مطلق العنان تھے غریب رعایا پر تحصیل کے ان اہلکاروں اور زمینداروں کی طرف سے بڑی بڑی سختیاں کی جاتی تھیں اور یہ سب ریاست کو تباہ کر کے اپنا پلیٹ بھرتے تھے۔ ان سقوم کے انتظام ونگرانی کے لئے ۱۷۶۹ء میں نگران کار مقرر کئے گئے تھے مگر وہ رعایا کی زبان اور اراضی کی شرح لگان سے بالکل ناآشنا تھے اسلئے وہ اپنے آزیر دور عملے کے افسروں کے ہاتھ میں بالکل کھلونہ بنگئے تھے۔ آخرکار مجلس انتظامیہ نے خود دیوان بننے کا عزم کیا

(صفحہ ۱۷۶) تحصیل کا انتظام اپنے سرلیکر اپنے یورپین ملازمین کے ذریعہ سے وصول کی کارروائی کرنی چاہی۔ اس وقت طلب کارروائی کا سرانجام ہسٹنگز کو سپرد کیا گیا اور اُس نے اپنے فطری استقلال وتندہی کے ساتھ اسکی تکمیل شروع کردی تھی

ہسٹنگز کی اصلاحات ۱۷۷۳ء

ممبران کونسل کی بلاواسطہ نگرانی وہدایت کے تحت میں نیا بند وبست قائم کیا گیا۔ دیوانی وفوجداری عدالتوں کا انصرام ان ملازمین کمپنی کے سپرد کیا گیا جن سے محکلے لے لئے گئے تھے۔ اور خزانے کو مرشد آباد سے منتقل کر کے کلکتہ لے آیا گیا جو اس وقت سے بنگال کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ بغیر کسی قانون داں کی امداد کے اُس نے اپنی قائم کی ہوئی عدالتوں کے لئے ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا جس سے اُسکی قابلیت کی حیرت انگیز ہمہ گیری کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔ یہ تمام بنیادی تبدیلیاں چھ ماہ کے مختصر عرصے میں عمل میں آگئیں تھ

جنگ روہیلا ۱۷۷۴ء

ہسٹنگز کے عہد حکومت کے پہلے فوجی کارنامے نے سوءِ اتفاق سے اُسکی نیکنامی پر بہت منحوس اثر ڈالا۔ نواب وزیر اودھ کا

باب ۳
فصل ۱

۲۰۔ نومبر ۱۷۷۴ء کو نئی گورنمنٹ کے افتتاح کا اعلان کر دیا گیا۔ ان ممبروں میں سے کرنل مونسن شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اُس نے سواحل پر خدمات انجام دی تھیں جنرل کلیورنگ بادشاہ کا خاص آدمی تھا اور اُس کا وزیر پر بہت بڑا اثر تھا اور تیسرا ممبر مسٹر فرانسیس تھا جو اپنی تصنیف جونیس کے لئے بہت مشہور ہو چکا تھا اور اگرچہ بڑا قابل آدمی تھا مگر بہت ہی کینہ توز بھی تھا۔ یہ لوگ اس خیال کے ساتھ آئے تھے کہ کمپنی کی گورنمنٹ جبر و تشدد اور بدکرداری کا ایک مجموعہ ہے اور خود ہسٹنگز بے انصافی کا وہ عفریت ہے جسکی مخالفت کرنا ہر پاکباز انسان کا فرض منصبی ہے۔ پہلے ہی اجلاس میں جب ہسٹنگز نے اُنکے ساتھ نشست کی تو اُنھوں نے اپنی کثرت رائے سے اُسے مغلوب کر لیا اور اُسے نظام حکومت کے تمام اختیارات سے محروم کر کے رکھدیا۔ اُنھوں نے فوراً یہ کارروائی کہ مسٹر مڈالٹن کو واپس طلب کیا جسکو ہسٹنگز نے کمپنی کا قائم مقام بنا کر اودھ میں بھیج رکھا تھا اور اپنے ایک دوست مسٹر برسٹو کو اس عہدے کے پُر کرنے کے واسطے تعینات کر دیا اور اس طرح ہسٹنگز کے نفی اختیارات کا تمام ہندوستان میں اعلان کر دیا۔ اُنھوں نے تحکمانہ انداز سے اودھ کی امدادی فوج کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ اپنا دستۂ فوج واپس لے آئے اور نواب وزیر سے تمام بقایا کا فوری مطالبہ کرے اور اُسکی ادائی کے لئے دو ہفتہ کی میعاد دیدے اور اسطرح اودھ کی سلامتی کو اور برطانوی حکومت کے اعتماد کو برابر کے خطرے میں ڈالدیا۔

(صفحہ ۸۰

اسی ردو بدل کے دوران میں نواب وزیر اودھ کا ۱۷۷۵ء میں انتقال ہو گیا جسپر مسٹر فرانسیس نے اعلان کیا کہ کمپنی اور اودھ کی حکومتوں کے درمیان جتنے معاہدے ہوئے تھے وہ سب کالعدم ہو گئے سوائے اُس ایک معاہدہ کے جو ادائی بقایا کے متعلق تھا۔ چنانچہ مسٹر فرانسیس نے نواب وزیر کے موجودہ جانشین کو اس بات پر مجبور کیا کہ ایک نئے معاہدہ پر دستخط کرے اور باوجودیکہ ایک وقت میں مسٹر فرانسیس ہی نے ہسٹنگز پر یہ الزام لگایا تھا کہ اُس نے کمپنی کی فوجیں کرائے پر نواب وزیر کو

ایک ہی قسط اب تک ادا کی گئی تھی۔ حافظ رحمت خاں روہیلا سردار نے اُس تمام رقم کے ادا کرنیکا وعدہ کیا جو نواب وزیر کی طرف سے مرہٹوں کو دیگئی ہو۔ درانحالیکہ مرہٹے پونا سے احکام پاکر واپس گئے تھے اور نواب وزیر کی کوشش کو اُس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اودھ کی طرف سے مرہٹوں کو کچھ بھی نہیں دیا گیا تھا اسلیئے حافظ رحمت خاں کی اس تجویز کو حقارت سے دیکھا گیا۔ حافظ رحمت خاں نے جب دیکھا کہ اب طوفان برپا ہونیکو ہی ہے تو اُس نے باہمی مفاہمت کی استدعا کی لیکن غدار نواب وزیر نے اپنا دعوےٰ دو کروڑ تک بڑھا دیا۔ اسلیئے روہیلوں نے آخری وقت تک اپنی حفاظت کا عزم بالجزم کرلیا اور چالیس ہزار فوج مقابلے کے لیئے میدان میں لے آئے مگر اُنکو شکست فاش ہوئی اور جانباز حافظ رحمت خاں مع اپنے تینوں بہادر بیٹوں کے میدان میں کام آگیا۔ نواب وزیر اپنی فوجوں کو لیئے ہوئے آتش جنگ کی لپٹ سے دور ٹھیرا ہوا تھا لیکن لڑائی کے فتح ہوتے ہی اُس نے اپنی فوجوں کو غارتگری کے لیئے آزاد چھوڑ دیا۔ اس حالت کو دیکھکر انگریزی سپہ سالار بیساختہ چلا اُٹھا کہ آج کے دن کی عزت ہمارے لیئے تھی اور غنیمت ان قزاقوں کے لیئے ہے۔ یہ ایک منحوس معاملہ اُن چند بدنما داغوں میں سے تھا جو ہسٹنگز کے دامن عزت پر لگائے جاتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روہیلے جنھوں نے تھوڑے زمانہ سے اس صوبے پر قبضہ کیا تھا ہندوستان اور دکن کے دیگر افغانی قبائل کی طرح خطرناک اور زبردست ہمسائے تھے اور کسی زمانے میں مرہٹوں کے شریک ہوکر اودھ کو ضرور روند ڈالتے جسکی حفاظت کرنیکی کمپنی کی حکومت پابند تھی مگر یہ جنگ تو نواب وزیر کی آزپروری اور انگریزی خزانے کی دیوالیہ پن کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ رہا یہ امر کہ اس جنگ کی وجہ سے پانچ لاکھ نفوس خانماویران ہوکر گنگا پار نکل گئے اور تمام ملک ہو کا مقام اور ویرانہ بنگیا یہ ایشیائی مبالغہ ہے۔

کلکتہ کی نئی گورنمنٹ ۱۷۷۴ء جنگ روہیلا کے چھ ماہ بعد عدالت عالیہ کے چاروں جج اور تین نئے ممبر کونسل کے کلکتہ کے ساحل پر اُترے اور

بچنے کی گورنر جنرل نے کوشش کی ہو اور جسکے ذریعے سے اُس نے چالیس لاکھ روپیہ اپنی ذات کے لئے پیدا کر لینے میں امداد نہ لی ہو۔ سب سے زیادہ اہم اور قابل یادگار وہ الزام تھا جو نند کمار کی طرف سے لگایا گیا۔ یہ شخص ایک برہمن تھا جس نے کلکتہ اور مرشد آباد کے معاملات میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا اور اپنی مکاریوں اور سازشوں سے ایک کروڑ روپے کا مالک بنگیا تھا۔ یہ شخص اپنی بد دیانتی کی وجہ سے مجلس انتظامیہ کی طرف سے کونسل کی نظروں میں متواتر ذلیل ٹھرایا گیا تھا۔ اس موقعپر اس شخص نے پیشقدمی کی اور ہسٹنگز کے ذمے اس الزام کا ادّعا کیا کہ گورنر جنرل نے مُنّی بیگم سے تین لاکھ روپیہ اس غرض سے رشوت میں لیا ہے کہ بیگم مذکورہ کو نواب مرشد آباد کے محلات کے انتظام کا نگراں کار مقرر کردیا ہے۔

مخالف ممبران کونسل نے یہ تجویز کی کہ خاص اجلاس کونسل میں نند کمار کو ہسٹنگز کے مقابلے میں کھڑا کریں لیکن ہسٹنگز نے صاف کہدیا کہ میں اپنے رتبہ اور شان سے واقف ہوں کہ میں گورنمنٹ کا اعلیٰ حاکم ہوں اور ایسے اجلاس کی صدارت نہیں کرسکتا جسکو رذیل و ذلیل معاشرت کے لوگوں کی موجودگی سے گندہ کیا جائے۔ اُس نے اجلاس برخاست کردیا اور وہاں سے چلا گیا مگر اُسکے مخالفوں نے پھر جنرل کلیورنگ کو صدر بناکر اجلاس شروع کیا اور نند کمار کو طلب کیا جس نے بھرے اجلاس ہسٹنگز کی زرپرستی کا خاکہ اُڑایا اور مُنّی بیگم کی طرف سے ایک خط پیش کیا جو اس مابہ الاحتظاظ کی تصدیق کرتا تھا۔ کونسل نے فوراً یہ تجویز کی گورنر جنرل نے خفیہ طور پر ساڑھے تین لاکھ کی ناجائز رقم وصول کی ہے اس لئے اُس سے مطالبہ کیا جائے کہ یہ رقم سرکاری خزانے میں داخل کرے۔ بیگم نے بعد کی تحقیقات میں اس خط کے لکھنے سے بالکل انکار کیا اور بہترین مبصرین خطاطی نے شہادت دی کہ بیگم کے دستخط مصنوعی تھے لیکن مہر اصلی معلوم ہوتی تھی اور یہ راز اُس وقت تک نہیں کھل سکا

دیں مگر اس وقت خود مسٹر فرانسیس نے ڈہی سودا کیا بلکہ کمپنی کی فوجوں کا کرایہ اور بھی بڑھا کر کیا۔ اسکے ساتھ ہی اُس نے نواب وزیر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ صوبۂ بنارس کمپنی کے حوالہ کردے جسکی سالانہ آمدنی بائیس لاکھ تھی۔ متوفی وزیر نے دو کروڑ روپیہ جمع کیا تھا جو اُسکی محلسرا کے تہ خانوں میں دفن تھا۔ اُسکی ماں اور اسکی بیوہ بیگم نے ایک وصیت نامے کی رو سے اُسکے تمام مال جائداد پر دعوے کیا مگر وہ وصیت نامہ کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ وزیر مرحوم کے ذمے کمپنی کا بہت قرضہ تھا اسکے علاوہ اُسکی سپاہ کو جسکی تعداد ایک لاکھ تھی سال بھر سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ جو خزانہ وہ چھوڑ مرا تھا وہ دراصل ریاست کا خزانہ تھا اور سب سے پہلے ریاست کے قرضوں کی ادائی اُس سے ہونی چاہئے تھی لیکن مسٹر برسٹو نے موجودہ نواب وزیر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے معاہدے پر دستخط کرے جسکی رو سے کلکتہ گورنمنٹ کی کفالت کے تحت میں اُس خزانے کا تین چوتھائی حصہ اُن بیگموں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ فوجوں نے اپنی تنخواہ کے لئے بغاوت کر دی اور یہاں تک اطلاعیں پہنچ گئی تھیں کہ بیس ہزار نفوس کا کشت و خون بھی ہو گیا مگر کمپنی کی فوج کی موجودگی کی وجہ سے سلطنت آتش بغاوت سے بچ گئی۔

ہسٹنگز کے خلاف الزامات ۱۷۷۵ء جیسے ہی یہ علم لوگوں کو ہوا کہ ہسٹنگز کے اختیارات مفقود ہو گئے ہیں اور جو ممبران کونسل برسر اقتدار ہیں اُنکی نظروں میں رسوخ پیدا کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہسٹنگز پر الزامات لگائے جائیں ویسے ہی خبریں لانیوالوں کا ایک جم غفیر کلکتہ پہنچ گیا اور ہسٹنگز کے مخالفوں کی نشست گاہوں کے برآمدے اُنسے بھرے نظر آنے لگے۔

طرح طرح کے الزامات اُس کے خلاف گھڑے گئے اور بڑے شوق سے ضابطے میں لے لئے گئے اور اتحاد ثلاثہ نے کونسل کے باضابطہ روزنامچے میں یہ ثبت کر دیا کہ دنیا کی کوئی صنف خیانت ایسی نظر نہیں آتی جس سے

میں غیر منصفانہ تھی - کیونکہ ہندوستان کے قانون کے مطابق یہ جرم اتنا سنگین نہیں تھا نہ ہندوستانی اہل الرائے اسکو اس درجہ سنگین سمجھتے تھے مگر جس عدالت عالیہ کے سامنے اسکو پیش کیا تھا اُس نے انگریزی قانون کا اثر ہندوستانی مقدمے پر ڈال دیا - چنانچہ اس قتل کا بار دو فریقوں پر برابر برابر ڈالا جاسکتا ہے۔ اُن میں سے ایک فریق تو عدالت عالیہ تھی اور دوسرا فریق وہ حکومت ثلاثہ تھی جسکو اعلیٰ اختیارات حاصل تھے مگر اُن تینوں ممبروں نے اس پھانسی کی سزا کو اتنے عرصے تک بھی ملتوی کرنا پسند نہیں کیا کہ معاملہ کو انگلستان تک رجوع کیا جاسکے دراں حالیکہ اُن کو یہ علم ہوگا کہ وہاں سے بدنصیب مجرم کی جان بچ سکتی تھی ؟

ہیسٹنگز کا استعفیٰ ۱۷۷۶ئ کونسل اور ہیسٹنگز نے اپنے تنازعات کو مجلس انتظامیہ کے سامنے رجوع کیا اور مجلس موصوفہ نے کثرت رائے سے ہیسٹنگز کو قابل الزام قرار دیا مگر مالکان کی مجلس عُلیہ نے اس الزام کو مسترد کردیا اور ہیسٹنگز کی قابلیت و دیانت پر اعتماد کا اظہار کیا کلکتہ میں روزمرہ کی فضیحتوں سے تنگ آکر اور اپنے مخالفوں کی خصومتوں اور توہینوں سے پریشان ہوکر ہیسٹنگز نے اپنے لندن کے وکیل کو یہ ہدایت بھیجدی تھی کہ اُسکی طرف سے استعفیٰ داخل کردے مگر دو تین ماہ بعد جب پھر اُسکے حواس برجا ہوئے تو اُس نے وکیل مذکور کو یہ ہدایت بھیجی کہ وہ استعفیٰ واپس لے لے - لیکن وکیل مذکور نے جب کہ لیڈن ہال اسٹریٹ اور ڈاؤننگ اسٹریٹ یعنے کمپنی اور وزارت میں دونوں جگہ ہیسٹنگز کے خلاف ہوا چلتی دیکھی تو اس نے اپنی ذمہ داری پر مجلس انتظامیہ سے یہ ظاہر کیا کہ میں اپنے موکل کی دست برداری پیش کرتا ہوں - اس کے بعد کئی مہینے تک مجلس انتظامیہ میں ہیسٹنگز کے مخالفین و موئیدین کا بڑا سخت مباحثہ ہوتا رہا جس کا فیصلہ کثرت رائے سے یہی ہوا کہ ہیسٹنگز اپنے عہدہ سے استعفیٰ پیش کرچکا ہے دراں حالیکہ مباحثہ کرنیوالوں کے سامنے وہ کاغذات رکھے تھے جو ہیسٹنگز نے واپسی استعفیٰ کے متعلق بھیجے تھے مگر انھوں نے

سوم
ل

جبتک کہ نند کمار کی موت کے بعد نہایت بڑے بڑے درجے کی مہروں کے چربے اُس کے بستے میں سے نہ برآمد ہوئے۔ اپنے دامن دیانت سے یہ دھبہ مٹانیکے لئے ہسٹنگز نے نند کمار اور اُسکے کئی دوسرے شریکوں پر سازش کرنیکی عدالت عالیہ میں نالش کی اور ججوں نے الزام کو نمبر پر لیکر نند کمار کو ضمانت پر خلاصی دی۔

نند کمار کی پھانسی اور موت کی سزا ۱۷۷۵ء

اس مقدمے کے شروع ہونیسے آٹھ ہفتے بعد کلکتے کے ایک ہندوستانی سوداگر نے نند کمار پر ایک جعل کا مقدمہ قائم کیا۔ یہ مقدمہ پہلے پرانی عدالت میں قائم کیا گیا تھا اور نند کمار کو حوالات کر دیا گیا تھا مگر ہسٹنگز نے مداخلت کر کے اُسے وہاں سے چھڑا لیا تھا۔ عدالت عالیہ کے قیام کے بعد یہ مقدمہ اور دیگر زیر تجویز مقدمات عدالت عالیہ میں منتقل کر دئے گئے۔ نند کمار کے خلاف جعل کا الزام نہایت واضح شہادتوں سے ایسی جیوری کے اجلاس میں ثابت ہو گیا جسمیں کلکتے کے معزز ترین یورپین شامل تھے اور نند کمار کو مجرم قرار دیا گیا اور شہر کے نمایاں ترین موقعے پر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس معاملے کو بھی عرصے تک ہسٹنگز کے دامن شہرت پر بدنما دھبہ سمجھا گیا۔ (۱

اعلیٰ اعلیٰ طبقوں میں بھی یہ چرچے کئے جاتے تھے کہ ہسٹنگز نے اس برہمن کو قانون کی آڑ لیکر قتل کرایا اور یہ پھانسی آئندہ الزامات کا گلا دبانیکے لئے دی گئی۔ لیکن حق کو ثابت کر دکھانیوالے زمانے نے شکوک کے بادل بالکل ہٹا کر چھوڑے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ ہسٹنگز نے جو الزام نند کمار پر لگایا تھا اور ہندوستانی تاجر نے جو الزام اُسپر لگایا تھا اُنکا ایک ہی وقت میں آ جانا بالکل امر اتفاقی تھا۔ ذرہ بھر بھی شہادت ایسی نہیں تھی جو ہسٹنگز کا کسی طرح کا اُس جعل کے مقدمے سے تعلق ظاہر کرتی ہو اور ہمکو ہسٹنگز کا یہ قول صحیح ماننا پڑتا ہے کہ نہ اُس نے اس مقدمے کے دائر کرنیکا کوئی ایما کیا نہ اس میں کسی قسم کی امداد پہنچائی۔ البتہ جو سزا تجویز کی گئی تھی وہ اگرچہ اُس زمانے کے انگلستان کے خونخوار قوانین کے مطابق تھی مگر ہندوستان

ہوتے جارہے تھے۔ چاروں مرہٹہ سردار یعنے سندھیا۔ ہلکر۔ گیکواڑ اور بھونسلا جو دراصل پیشوا کے سپہ سالار تھے رفتہ رفتہ پیشوا کے قابو سے نکلتے جارہے تھے اور خود مختار رئیسوں کی حیثیت حاصل کرتے جارہے تھے جنکے تصرف میں اُس وقت تمام مرہٹہ سلطنت کی دو تہائی آمدنی تھی۔ اُس سلطنت کی فوجی قوت جس میں ایک لاکھ اعلیٰ درجہ کے سوار اور اُسی کے تناسب سے پیدل اور توپ خانہ تھا اب اکیلے پیشوا کی نگرانی ہی میں نہیں رہی تھی بلکہ اُسکا بڑا حصہ اُن نوخیز رئیسوں کے قبضے میں تھا اور اُن میں سے ہر رئیس اپنے اپنے اغراض اور مقاصد کی تکمیل میں علیحدہ علیحدہ مصروف تھا۔ نوجوان پیشوا مادھوراؤ جو اپنی برادری اور مجلس شوریٰ میں کسی سے کمتر اقتدار و قابلیت نہیں رکھتا تھا نومبر ۱۷۷۲ء میں انتقال کر گیا اور اُسکی جگہ اُسکا چھوٹا بھائی نرائن راؤ گدی نشین ہوا جس نے مرہٹہ فوجوں کو دریائے گنگا کے کنارے سے واپس بلا لیا تھا جس کا حال ہم اس سے پہلے باب میں لکھ چکے ہیں۔ نوماہ کی مختصر حکومت کے بعد نرائن راؤ قتل کر دیا گیا اور عام مرہٹوں کا یہ خیال تھا کہ یہ قتل نرائن راؤ کے چچا رگھوبا کے ایما سے وقوع میں آیا ہے۔ جو بذات خود بہادر سپاہی تھا مگر جنم کا ناشدنی اور نہایت کوتہ اندیش تھا اور ہمیشہ اُسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۷۷۳ء میں رگھوبا نے اس خالی تخت سلطنت پر جلوہ کیا اور فوراً نواب نظام الملک کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ریاست کا کچھ علاقہ مرہٹوں کے حوالے ہو گیا۔ مگر بعد میں یہی علاقہ رگھوبا کو واپس دینا پڑا۔ اسکے بعد اُسنے حیدر علی کو سنبھالا لیکن وہاں سے سوائے کورے وعدوں کے اور کچھ وصول نہ ہو سکا۔ ان جنوبی مہمات سے اُسے یکایک دارالحکومت کو اسلئے واپس آنا پڑا کہ اُس کے خلاف وزرائے پونا نے ایک زبردست اتحاد قائم کر لیا تھا ان وزیروں کو یہ اطلاع ملی تھی کہ متوفی پیشوا کی بیوہ کے کوئی بال بچہ ہونیوالا ہے۔ اسلئے اُنھوں نے اُسکی حفاظت کی غرض سے اُسے چپکے سے ایک پہاڑی قلعے میں بھیجدیا مگر صرف اس خیال سے کہ کہیں لڑکی نہ پیدا ہو جائے کچھ برہمنیاں بھی

(صفحہ ۱۸۲)

اس اسامی کو پُر کرنیکا انتظام شروع کردیا۔ اس ردوبدل کی خبروں نے کلکتہ
میں سخت ہلچل پیدا کردی۔ کونسل کے اعلیٰ ممبر جنرل کلیورنگ نے انصرام
حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا ارادہ کرلیا اور اُسکے ہمعصر ممبروں نے
اسکی گورنر جنرلی کا حلف بھی لے لیا لیکن ہسٹنگز اپنے استعفیٰ کی واپسی
کے عذر پر اڑا ہوا تھا اسلئے اُس نے قلعے اور خزانے کی کنجیاں حوالے
کرنے سے صاف انکار کردیا اور تمام فوجی اور ملکی حکام کے نام روبکار جاری
کردئے کہ سوائے اُس کے کسی دوسرے کے احکام کی تعمیل نکریں - یہ
تنازعہ مخاصمت کی صورت اختیار کرتا جاتا تھا جو حکومت کے اغراض کے
لئے سخت مضر ہوتا مگر ہسٹنگز نے یہ سلامت روی کا طریقہ اختیار کیا کہ اس
مسئلے کو تصفیہ کے لئے عدالت عالیہ میں رجوع کردیا اور عدالت موصوفہ
نے اسپر متواتر مباحثہ شروع کیا اور ہر ہر پہلو پر صبح کے چار بجے تک غور
کرکے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ سرجان کلیورنگ کا ادعائے حکومت ناجائز
ہے۔ اسکے تھوڑے ہی دن بعد سرجان کلیورنگ کا انتقال ہوگیا اور ہسٹنگز
نے اپنی المضاعف رائے کے زور سے پھر اپنے اختیارات حاصل کرلئے۔
لیکن مسٹر فرانسیس نے نہایت اہتمام کے ساتھ ہر سیاسی۔ فوجی اور انتظامی
معاملے میں اسکی مخالفت کرنی شروع کردی۔ آخرکار یہ قضیہ بھی اُس زمانے کے
وحشیانہ طریقے کے مطابق طے ہوا یعنے ہسٹنگز اور مسٹر فرانسیس نے ڈیوئیل
(یعنے مقاتلہ) کیا جس میں مسٹر فرانسیس ہسٹنگز کے پستول سے زخمی ہوگیا
اور اسکے بعد ہی انگلستان کو واپس چلا گیا ؂

فصل دوم

مرہٹوں سے جنگ بازیاں

اب ہمیں پھر اُن معاملات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جنکا تعلق مرہٹہ
برادری سے تھا جسکی نظم وترتیب میں مہتم بالشان انقلابات ظہور پذیر

سالسٹ پر بھی قبضہ کرنیکے لئے بھیجی جانیوالی ہے اور چونکہ بمبئی گورنمنٹ بمقابلہ مرہٹوں کے پرتگالیوں کو بدتر ہمسایہ سمجھتی تھی اسلئے گورنمنٹ مذکورنے ان دونوں مقامات پر عارضی قبضہ کرلینے کی کارروائی شروع کردی۔ ادھر مجلس مدار المہامی نے سندھیا اور ہلکر کو رگھوبا کی شرکت سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی اور ایک زبردست فوج ۱۷۷۴ء میں رگھوبا پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کردی۔ مقام واسڈ پر رگھوبا کو اس فوج نے سخت شکست دی اور رگھوبا اپنے دس ہزار سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگا اور کرنل کیٹنگ کے لشکر میں پناہ گزیں ہوا جو اُس وقت بمبئی کی امدادی فوج کو لیکر سورت پہنچ چکا تھا۔

معاہدۂ سورت ۱۷۷۵ء

اس مقام پر ایک معاہدے کا مسودہ رگھوبا کی منظوری کے لئے پیش کیا گیا جسکی شرائط یہ تھیں کہ بمبئی گورنمنٹ تین ہزار فوج سے رگھوبا کی امداد کرکے اُسے منصب پیشوائی پر بحال کردے اور اُسکے معاوضے میں رگھوبا اتنا علاقہ کمپنی کو دے جسکی سالانہ آمدنی اُنیس لاکھ روپیہ ہو اور اٹھارہ لاکھ روپے نقد دے اور سالسٹ اور بسین کو علی الدوام کمپنی کے حوالے کردے۔ یہ وقت ایسا سخت تھا کہ رگھوبا کسی طرح اس معاہدے کے منظور کرنے میں پس و پیش نہیں کرسکتا تھا۔ اس معاہدۂ سورت نے بمبئی گورنمنٹ کو اول جنگ مرہٹہ میں پھنسایا اور یہ معاہدہ کلکتہ کی اعلیٰ کونسل اور وارن ہسٹنگز کے استمزاج بغیر طے کرلیا گیا تھا۔

جنگ اراس ۱۷۷۵ء

بمبئی گورنمنٹ نے اس طرح مجلس مدار المہامی سے لڑائی مول لیکر کرنل کیٹنگ کو احکام بھیجے کہ وہ فوراً پونا پر چڑھائی کردے۔ کرنل کیٹنگ نے مرہٹہ فوج کو مقام اراس پر زبردست قدم جمائے ہوئے پایا اور یہ وہ مقام تھا جہاں انگریزی اور مرہٹہ فوجیں پہلی مرتبہ سر میدان ایک دوسرے کے مقابلے کے لئے آئیں البتہ اس سے پہلے ایک مرتبہ ۱۶۶۴ء میں غیر فوجی انگریزوں نے مقام سورت کے کارخانے میں سیواجی کی دلیرانہ مدافعت ضرور کی تھی۔ اگرچہ مرہٹہ فوجیں انگریزی فوج سے دس گنی

سوم

خفیہ طور سے اُسکے ساتھ خدمت کرنے کے لئے بھیجدیں۔ ۱۷۷۴ء میں اِس بیوہ رانی کے بیٹا پیدا ہوا جسکا نام مادھوراؤ رکھا گیا اور اُسکی تخت نشینی کا بطور پیشوا مادھوراؤ ثانی کے نام سے اعلان کرکے ایک مجلس مدار المہامی انصرام حکومت کے لئے قائم کر دی گئی۔ رگھوبا نہایت تعجیل کے ساتھ پونا کو واپس آیا اور سب سے بڑے مرہٹہ سپہ سالار مراری راؤ کی امداد سے جس نے کلائیو اور لارنس کے ساتھ تیغ آزمائی کی تھی مدار المہامی کی فوج کو شکست فاش دیدی لیکن بجائے اسکے کہ وہ اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا دار الحکومت تک بڑھ جاتا اور اُس وقت کی ابتری و پریشانی سے فائدہ اُٹھالیتا اُس نے اپنا رُخ برہان پور کی طرف پھیر لیا اور نربدا سے پار اُتر گیا۔ یہاں سندھیا اور ہلکر بھی اُس سے روہیلکھنڈ سے واپس آتے ہوئے ملے مگر وہ گیکواڑ کی فوجوں کو اپنا شریک کرنیکے لئے کوچ کرتا ہوا گجرات چلا گیا۔

گورنمنٹ بمبئی سے نامہ و پیام ۱۷۷۵ء

اب رگھوبا نے پریزیڈنٹ بمبئی کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا اور فوجی امداد کے معاوضے میں بہت سا روپیہ اور علاقہ پیش کیا جو گورنمنٹ بمبئی نے بڑے شوق سے منظور کرلیا۔ کمپنی کے مقبوضات اس طرف ایک صدی سے صرف بمبئی پر محدود تھے اور اُسکی للچائی ہوئی نظریں بندرگاہ بسین اور جزیرۂ سالسٹ پر عرصے سے پڑ رہی تھیں جنکے اور بمبئی کے درمیان صرف ایک تنگ خلیج حائل تھی۔ پریزیڈنٹ نے پیشوا کی اس شرط پر فوجی امداد کرنیکا وعدہ کیا کہ پیشوا تمام فوجی اخراجات ادا کرے اور یہ دونوں مقبوضات علی الدوام کمپنی کے حوالے کردے۔ مگر رگھوبا اُس بندرگاہ اور اُس جزیرے کو اپنے قبضے سے نہیں نکلنے دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ مرہٹوں کو اسلئے بے انتہا عزیز تھے کہ تیس سال ہوئے ۱۷۳۹ء میں اُنکو ایک یورپین دولت پرتگال سے چھینا گیا تھا۔ بہرحال رگھوبا کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوگیا اور ڈیڑھ ہزار کی ایک برطانوی فوج اُسکی امداد کے لئے بھیجدی گئی ابھی یہ نامہ و پیام جاری تھا کہ بمبئی گورنمنٹ کو یہ اطلاع ملی کہ گوآ سے ایک زبردست مہم بسین اور

۱۸۳

باب سوم
فصل دوم

بمبئی گورنمنٹ نے یاصرار یہ فہمائش کی کہ یہ نہایت کوتہ اندیشی ہے کہ اب تک جو اقتدار گورنمنٹ مذکورہ کو حاصل ہو چکا ہے اسے اس طرح مٹایا جائے فتح مند فوجوں کو میدان سے واپس بلایا جائے اور انگریزوں کے اقرار صلح کو توڑکر قومی توہین روا رکھی جائے مگر اعلیٰ کونسل نے ایک سماعت نہیں کی۔

کرنل اپٹن نے پونا پہنچکر قابو پرست وزیروں کو انگریزی کونسلوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ پایا۔ انھوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدبر گورنر جنرل کی اس دور اندیشی کی تعریف کی جس نے صلحنامہ مرتب کرنیکے احکام جاری فرمائے تھے لیکن جسوقت کرنل اپٹن نے یہ تجویز کی کہ سالسٹ اور بسین کمپنی کے حوالے کر دئے جائیں تو وزرائے پونا نے نہایت متکبرانہ انداز اختیار کرکے یہ مطالبہ کیا کہ رگھوبا کو فوراً ہمارے حوالے کر دیا جائے اور اب تک جو مرہٹہ مقبوضات کمپنی کے قبضے میں آگئے ہیں اُنکو فوراً واگزاشت کیا جائے۔ ان متکبرانہ مطالبات نے مسٹر فرانسیس اور اُسکے خواجہ تاشوں کو بھی مشتعل کر دیا اور اُنھوں نے بھی رگھوبا کی مدد کرنیکا عزم کرلیا۔ چنانچہ فوجوں کو پھر میدان میں جانیکا حکم دیدیا گیا اور کلکتہ سے روپیہ بمبئی کو بھیجا گیا۔ لیکن پونا گورنمنٹ تھوڑے سے مزید جوش و خروش کے بعد ٹھنڈی پڑ گئی اور مصالحت پر آمادہ نظر آئی چنانچہ کرنل اپٹن کے ساتھ ۱۷۷۶ء میں معاہدہ پورندر طے کیا گیا۔ اس معاہدہ کی شرائط یہ تھیں کہ رگھوبا اپنی فوجوں کو توڑ دے اور گوداوری کے کنارے ایک مقام پر جاکر امن سے بیٹھ جائے کمپنی نے جتنے مقبوضات حاصل کر لئے تھے وہ سب واگزاشت کئے جائیں سوائے سالسٹ کے جسکو اگر گورنر جنرل چاہے تو اپنے قبضے میں رکھ سکے اور بارہ لاکھ روپیہ بطور عنایت اخراجات جنگ کے لئے دیا جائے۔

جب ہم ان تمام فوائد پر نظر کرتے ہیں جو انگریزوں کو اس تو عجلتی میں حاصل ہو چکے تھے تو ہمکو پریزیڈنٹ بمبئی کا اس رائے میں ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے

کے قریب تھیں اور آپس میں دونوں کا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا مگر مرہٹہ سپہ سالاروں کو سخت شکست کا منھ دیکھنا پڑا اور وہ بدحواس ہو کر نربدا پار بھاگتے چلے گئے اور راستے میں اپنی توپیں بھی نربدا میں غرق کر گئے۔ گیکواڑ جو اب تک الگ تھلگ رہا تھا اب جلدی سے رگھوبا کی مدد پر آمادہ ہو گیا اور اسکو بہت کچھ مالی امداد بھی دینے کا وعدہ کیا اور کمپنی کو بھی بھڑوچ کی آمدنی دینے کا وعدہ کیا۔ اس شکست کے ساتھ ہی اس طرف مرہٹوں کے بیڑے کو انگریزی بیڑے نے بھی شکست دیدی اور یہ فوجکشی انگریزوں کی امیدوں سے بہت زیادہ کامیاب ہو گئی اور بمبئی کی حقیر گورنمنٹ کے قبضے میں چھبیس لاکھ سالانہ کا علاقہ آگیا۔ ادھر پونا کی گورنمنٹ پر بری بنی اور نواب نظام الملک والی حیدرآباد نے اس سے بہت سا علاقہ حاصل کر لیا تو

کمپنی کی ان تمام خوش آئند امیدوں پر مسٹر فرانسیس اور اُس کے ساتھیوں کی حماقتوں اور ہٹ دھرمیوں نے پانی پھیر دیا۔ اُن سب نے اس معاہدے کو غیر مدبرانہ۔ مخدوش اور غیر منصفانہ قرار دیا اور سب سے بڑا سقم اسمیں یہ نکالا کہ وہ اعلیٰ کونسل کی منظوری کے بغیر طے کیا گیا تھا در انحالیکہ اعلیٰ کونسل کو دوسرے احاطوں کی چھوٹی حکومتوں کے معاملات کی نگرانی کرنیکے اختیارات تھے۔ چنانچہ کلکتہ کی کونسل نے یہ احکام قطعی صادر فرمادئے کہ معاہدے کو کالعدم سمجھا جائے اور انگریزی فوجوں کو میدان جنگ سے فوراً واپس طلب کر لیا جائے۔ اس معاہدے کو تو وارن ہسٹنگز نے بھی پسند نہیں کیا تھا مگر موجودہ صورت معاملات کو اُس نے مدبرانہ نظر سے دیکھکر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ چونکہ اب کمپنی کی گورنمنٹ میدان جنگ میں اُتر چکی ہے اسلئے اس جنگ کو دلیری کے ساتھ چلانا اور امکانی تعجیل کے ساتھ ختم کرنا چاہئے۔ مگر کونسل نے کثرت رائے سے کرنل اپٹن کو اس غرض سے پونا بھیجدیا کہ بمبئی گورنمنٹ کی اب تک کی تمام کارروائی سے باضابطہ بےتعلقی کا اظہار کر دے اور پونا کی مجلس مدار المہامی سے علیحدہ نامہ و پیام کرے۔ باوجودیکہ

باب سوم
فصل دوم

کمپنی کو برداشت کرنے پڑے تھے اور یہ لکھا گیا کہ مجلس انتظامیہ اس معاہدے پر قائم رہنے کا فیصلہ ضرور کر چکی ہے مگر وہ بمبئی گورنمنٹ کو اجازت دیتی ہے کہ اگر اس معاہدے کی کسی شرط کی تکمیل میں فریق ثانی کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی دیکھے تو وہ خود فوراً رگھوبا کا ساتھ دے۔ چنانچہ پریذیڈنٹ بمبئی کو بہت جلد کئی موقع ایسے معاہدے کی تعمیل سے کوتاہی کرنیکے مل گئے جس کا احترام کرنیکا کبھی مرہٹوں کا ارادہ ہی نہیں تھا اور اس نے رگھوبا کی امداد کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان تیاریوں میں زیادہ سرگرمی اس واقعے سے ہوگئی کہ پونا کی مجلس شوریٰ میں یکایک ۱۷۷۸ء میں ایک ایسا انقلاب رونما ہو گیا کہ رگھوبا کے جنبہ دار برسراقتدار ہوگئے اور پریذیڈنٹ بمبئی کے پاس پونا سے ایک سفیر یہ استدعا لیکر آیا کہ رگھوبا کو فوجی حفاظت کے ساتھ بہت جلد پونا پہنچا دیا جائے۔ چندہی ماہ کے عرصے میں ایک دوسرا انقلاب آیا جس نے بھر نانا فرنویس کی جماعت کو غالب کر دیا اور رگھوبا کی پارٹی کو ہٹا دیا مگر بمبئی کونسل اب بھی رگھوبا کا ساتھ دینے پر اڑی رہی۔ بمبئی کونسل نے رگھوبا کے ساتھ اپنی جان لڑا رکھی تھی کیونکہ وہ اسکو اپنی عزت و آبرو کا معاملہ سمجھتے تھے چنانچہ بغیر کافی تیاریوں کے۔ بغیر کسی سے اتحاد کیئے ہوئے حتیٰ کہ بغیر کسی ایسے سپہ سالار کے جس پر بھروسہ کیا جاسکے کونسل مذکور نے یہ عزم کر لیا کہ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو پوری مرہٹہ سلطنت کے مقابلے کے لیئے جھونک دیں۔ نانا فرنویس نے بھی اس آنیوالے طوفان کا سدباب کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنی افواج میں اضافہ کیا۔ اپنے قلعوں میں کافی رسد کا انتظام کر لیا اور اپنے بیڑے کو از سر نو مرتب و مسلح کر لیا تو

(صفحہ ۱۸۶)

مہم پونا ۱۷۷۸ء

اس وقت رگھوبا کے ساتھ ایک تازہ معاہدہ کیا گیا جو اپنے شرائط کے اعتبار سے معاہدۂ سورت سے کچھ ہی مختلف تھا چار ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ جسمیں چھ سو یورپین تھے مرہٹہ دارالحکومت کو فتح کرنے کے لیئے کرنل ایجرٹن کی سرکردگی میں بھیجا گیا جو ہرگز اس ذمہ داری کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس فوج کے ساتھ علاوہ دیگر مواشی کے اُنیس ہزار تو

کہ یہ معاہدہ کمپنی کے اغراض و نیکنامی کے لئے حد سے زیادہ مضرت رساں تھا۔
یہ رگھوبا کے ساتھ سخت زبون بدعہدی تھی اور اس نے اُس تمام اعتماد کو
خاک میں ملا دیا جو ہندوستان کے رئیسوں کو انگریزی گورنمنٹ کے قول
و قرار پر ہوتا جاتا تھا۔ اور اُس نے گورنمنٹ پونا کو اپنی قوت کا ایسا غلط اندازہ
کرا دیا جس سے آئندہ بہت سی مشکلات پیش آکر رہیں۔

اس معاہدے پر دستخط ہو جانیکے چار ماہ بعد مجلس انتظامیہ کا مراسلہ
وصول ہوا جس میں معاہدہ سورت کو پسند فرمایا گیا تھا اور یہ ہدایت کی گئی تھی
کہ رگھوبا نے جو علاقہ حوالے کیا ہے وہ کمپنی کے قبضے میں رکھا جائے اور
علاوہ احاطۂ بمبئی کے دوسری گورنمنٹیں بھی رگھوبا کی امداد کرنے میں حصہ لیں۔
بمبئی گورنمنٹ کو جو ذلت اس معاملے میں اعلیٰ کونسل کی بے موقعہ مداخلت کی
وجہ سے اُٹھانی پڑی تھی اُس سے متاثر ہو کر اُس نے معاہدۂ پورندر کو
ہوا میں اڑا دیا اور رگھوبا کو بمبئی بلا کر اُسکا ایک معقول درماہہ مقرر کر دیا۔
پونا گورنمنٹ نے اس نقض عہد کے خلاف احتجاج کیا مگر اب اس گورنمنٹ کی
قوت کمزور پڑ گئی تھی کیونکہ یہاں کے پرانے وزیر سکھارام باپو اور نئے
وزیر نانا فرنویس میں مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔ پونا کے معاملات میں مزید
پیچیدگیاں اس وجہ سے پڑ گئیں کہ مارچ ۱۷۷۷ء میں ایک فرانسیسی المذہب
مسمی سینٹ لیوبین پونا پہنچا اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے شاہ فرانس نے سفیر بنا کر
بھیجا ہے اور اب انگلستان اور فرانس میں لڑائی چھڑنے والی ہے۔ اُس نے
کہا کہ مجھے شاہ نے یہ پیام لیکر بھیجا ہے کہ فرانس کی طرف سے پونا کو ڈھائی ہزار
یورپین سپاہی اور دس ہزار ہندوستانی فوج کے لئے آلات حرب
اور قواعد سکھانیکے لئے اور سپہ سالاری کرنیکے لئے افسر پیش کئے جاتے ہیں۔
نانا فرنویس نے اُسکی بات کا اعتبار کر لیا اور اُسکو بندرگاہ چول اس
غرض سے سپرد کر دیا کہ وہاں قیام کر کے اُن افواج کا انتظار و استقبال کرے۔
اسکے بعد دوسرا مراسلہ مجلس انتظامیہ کی جانب سے وصول ہوا جس میں
اُن نقصانات پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا جو معاہدۂ پورندر کی رو سے

باب سوم
فصل دوم

اسبات پر مجبور ہوتا پڑا کہ ایک فاتح دشمن کے سامنے ایفائے عہد کی ضمانت بھی پیش کرے۔ مجلس انتظامیہ نے کرنل ایجرٹن۔ کرنل کوک برن اور کرنل کرناک کو فوراً کمپنی کی ملازمت سے برخاست کر دیا۔ مگر اس وقت بمبئی مرہٹوں کے سامنے بے پناہ تھی اور اسکی سلامتی کا انحصار جنرل گوڈارڈ کی ہندوستان سے آنیوالی امدادی مہم پر باقی رہگیا تھا۔

جنرل گوڈارڈ کی مہم ۷۸-۱۷۷۷ء

ہمیں پھر ایک سال پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ ہسٹنگز چونکہ کونسل میں اپنا اقتدار پھر حاصل کر چکا تھا اسلیئے اُس نے بمبئی کونسل کی اس تجویز کی تائید کی تھی کہ رگھوبا کا ساتھ دیا جائے اور اس غرض کے لیئے اُس نے ہندوستان کے پار کلکتے سے بمبئی کو ایک فوجی مہم بھیجنے کی بھی منظوری صادر فرمائی تاکہ پونا میں فرانسیسیوں کے توڑ جوڑ کا ردعمل کیا جاسکے اور بمبئی گورنمنٹ کے اقتدار کو مستحکم کیا جاسکے اس فوج میں چار پانچ ہزار کے درمیان آدمی تھے اور اسکو حکم دیا گیا تھا کہ جمنا کے کناروں سے بمبئی تک ہزار میل کا وہ اجنبی راستہ طے کرے جسمیں جگہ جگہ اُن ریاستوں سے گزرنا پڑتا تھا جنکے متعلق دوستی کا کم اور دشمنی کا زیادہ گمان تھا۔ مسٹر ڈانڈاس وزیر ہند نے اس مہم کو ہسٹنگز کے پُروحشت کارنامے سے نامزد کیا تھا لیکن ایسے ہی پروحشت کارناموں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مٹھی بھر غیر ملکیوں نے ہندوستان میں انگریزی اقتدار و حکومت کو قائم کرلیا۔ اس مہم کی سرکردگی جنرل گوڈارڈ کے سپرد کی گئی جو برطانوی ہند کی تاریخ میں سربرآوردہ ترین نام آوروں میں سے تھا۔ جنرل گوڈارڈ نے اس قدر ضابطہ اپنی فوج میں قائم رکھا۔ اس قدر بندھے ہوئے وقت پر ادائگیاں کرتا رہا اور راستے میں جو رئیس یا قبیلے اسکو ملے انسے اس قدر تالیف قلوب کے ساتھ پیش آتا رہا کہ وہ اسکی تمام ضروریات کو بہ طیب خاطر پورا کرتے چلے گئے۔ رئیس بھوپال نے اپنی فیاضانہ مہمان نوازی سے اس معاملے میں خاص طور سے امتیاز حاصل کیا درآں حالیکہ پونا گورنمنٹ نے اسکو سخت انتقام کی دھمکی بھی دی تھی۔

(صفحہ)

صرف میل ہی تھے چنانچہ یہ مہم دو میل روزانہ کے حساب سے چلتی رہی اور دشمن کی فوجیں مزے میں اسکے ارد گرد موقع موقع سے جمع ہونے لگیں۔ کرنل ایجرٹن نے زمام قیادت کرنل کو کیرن کے سپرد کر دی لیکن تمام فوجی نقل و حرکت کی ذمہ داری و نگرانی کرنل کرناک سے متعلق تھی جو اس فوج کے ساتھ بطور ملکی افسر کے بھیجا گیا تھا۔ انگریزی فوج جب تلی گاتو پہنچی تو اسکو آتش زدہ پایا اور وہاں اُسے یہ خبر ملی کہ مرہٹوں نے چنچوڑ کو بھی بلکہ خود دار الحکومت کو بھی آگ لگا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کرنل کرناک پر بے آب دانہ مرجانیکا اس قدر خوف غالب ہوا کہ اگرچہ وہ اس وقت پونا سے صرف اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھا اور اسکے لشکر میں ابھی اٹھارہ دن کا توشہ باقی تھا مگر اُس نے اول تو پونا سے نامہ و پیام کی سلسلہ جنبانی کی پھر یکایک پسپائی کا عزم کر لیا۔ اس سلسلہ جنبانی کے جواب کا انتظار کیئے بغیر کرنل موصوف نے اپنی بھاری توپوں کو ایک تالاب میں پھینکدیا اور ہلکا ہو کر بھاگا اور اسکے تعاقب میں دشمن بھی سرگرمی سے چلا۔

ورگانو کا اقرارنامہ ۱۷۷۹ء

۱۲- جنوری ۱۷۷۹ء کی شام کو انگریزی فوج نے ورگانو میں پڑاؤ کیا۔ مرہٹوں نے بھی رات کے وقت اپنی توپیں وہاں لگا دیں اور صبح ہوتے ہی انگریزی فوج پر بڑے زور شور سے گولہ باری شروع کر دی۔ کرنل کرناک گھبرا کر پکار اُٹھا کہ اب پسپائی بھی ممکن نہیں چنانچہ اُس نے نانا فرنویس سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی مگر نانا فرنویس نے یہ جواب دیدیا کہ کسی قسم کے شرائط کی سماعت اُس وقت کی جاسکتی ہے جبکہ رگھوبا کو حوالے کر دیا جائے۔ کمشنر اس وقت اس مطالبے کی تعمیل ضرور کر گزرتا مگر رگھوبا نے انگریزوں کو اس ذلت سے اس طرح بچالیا کہ اُس نے اپنے تیئں سندھیا کے حوالے کر دیا اور اس سردار کی مداخلت سے انگریزی فوج بھی اس طرح تباہی سے بچ سکی کہ اُس نے ایک اقرارنامہ داخل کیا کہ ۱۷۷۳ء سے اب تک جتنے مرہٹہ مقبوضات کمپنی کے قبضے میں جاچکے ہیں وہ سب واپس کیئے جائینگے اور یہ پہلا موقع تھا کہ برطانوی گورنمنٹ کو

کنارے اس موسم کے لیئے ٹھیر گیا ہا

تسخیر گوالیار ۱۷۸۰ء

اسی دوران میں جو فتوحات انگریزی فوجوں کو ہندوستان کے شمال جنوب میں حاصل ہوئیں وہ بھی اتنی ہی شاندار تھیں ہیسٹنگز نے دو ہزار چار سو پیدل معہ سوار اور توپ خانے کے ایک نہایت اولوالعزم اور پختہ کار افسر میجر پوپہم کی سرکردگی میں روانہ کیئے تاکہ چھوٹی سی ریاست گوہد کی سندھیا کی یورش سے حفاظت کریں جو آگرہ سے ساٹھ میل جانب جنوب مشرق واقع تھی۔ میجر پوپہم فروری ۱۷۸۰ء میں روانہ ہوا اور لاہار کو تسخیر کر کے بغیر قلعہ شکن توپوں کی موجودگی کے محض اپنے بہادر سپاہیوں پر بھروسہ کر کے قلعۂ گوالیار کی طرف کوچ کر دیا جو کہ ایک اونچی عمودی پہاڑی پر بالکل گول بنا ہوا تھا اور ہندوستان بھر میں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سر آئر کوٹ کرناٹک کے بوڑھے سورما نے جو اس زمانے میں بنگال کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا اس قلعے کے تسخیر کرنیکی کوشش کو دیوانگی سے تعبیر کیا مگر پوپہم نے اس شاندار کارنامے کے سرانجام کے لیئے جان ہتیلی پر رکھ لی تھی اور اس قلعے کا محاصرہ کیئے دو ماہ تک چپ چاپ پڑا ہوا اپنے منصوبے پکاتا رہا۔ ۳۔ اگست ۱۷۸۰ء کی رات کو کپتان بروس کی سربراہی میں بیس یورپین جنگ آزما اور دو کمپنیاں دیسی فوج کی چار افسروں کی سرکردگی میں چٹانوں کے زینوں اور فصیلوں پر اپنی جنگی سیڑھیاں لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعے کے محافظ دستے پر ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ اُس نے بہت معمولی مدافعت کی اور دن نکلتے نکلتے بغیر ایک جان بھی ضائع ہوئے برطانوی پھریرا قلعے کی فصیلوں پر لہرا رہا تھا۔ اس شاندار فتح کی خبروں سے تمام ہندوستان گونج اٹھا اور ورگانو کے ذلیل اقرارنامے کی بےعزتی کے داغ کو مٹانے میں کامیاب ہو گیا جسکے متعلق ہیسٹنگز کی رائے تھی کہ یہ داغ کروڑوں خرچ کر کے مٹانیکا تھا۔ میجر کماک جو میجر پوپہم کی جگہ سپہ سالار مقرر ہوا اپنے ساتھ مزید کمک لیتا آیا تھا اور اُس نے سندھیا کے مالوی مقبوضات ہی پر

برہانپور پہنچکر جنرل گوڈارڈ کو بمبئی کی فوج کی بدطالعی کی خبر ملی اور اُس نے اپنا سورت کا راستہ چھوڑ دیا اور اس طرح اُس بیس ہزار فوج کی مڈبھیڑ سے بچگیا جو پونا سے اُسکا راستہ روکنے کے لئیے روانہ کی گئی تھی۔

جنرل گوڈارڈ کے سواحل غربی پر وقت سے پہنچ جانے اور اس شاندار مہم کی شہرت ہوجانے نے احاطۂ بمبئی کو تباہی سے بچا لیا اور برطانوی تلوار کی دھاک پھر قائم کر دی۔ بمبئی گورنمنٹ نے اور ہیسٹنگز نے ہم آہنگ ہوکر اقرارنامۂ ورگانو کو کالعدم قرار دیدیا اور جنرل گوڈارڈ کو گورنر جنرل نے ہدایت کی کہ پونا گورنمنٹ کے ساتھ معاہدۂ پورندر کی بنا پر ازسرنو نامہ و پیام شروع کرے۔ اسی اثناء میں سندھیا نے رگھوبا کے بھگا دینے میں خفیہ امداد کی اور وہ پونا سے بھاگ کر سیدھا سورت پہنچا جہاں جنرل گوڈارڈ نے اسکی نہایت درجہ آؤ بھگت کی اور پچاس ہزار روپے مہینہ اسکا وظیفہ مقرر کر دیا۔ رگھوبا کی اس طرح آؤ بھگت ہونے سے پونا گورنمنٹ کو سخت اشتعال ہوا چنانچہ اُس نے اس اتحاد میں شریک ہونیکا عزم کرلیا جو حال ہی میں کمپنی کے خلاف قائم کیا گیا تھا۔ اور جنرل گوڈارڈ نے جو اپنے مطالبات کا آخری جواب مانگا تھا اسکی تعمیل میں گورنمنٹ پونا نے صاف یہ پیام بھیجدیا کہ کسی قسم کے معاہدے کی گفتگو صرف اس وقت کی جاسکتی ہے جبکہ رگھوبا کو حوالے کر دیا جائے اور سالسٹ کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ جنرل گوڈارڈ نے مرہٹہ پیامبروں کو رخصت کرکے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اسکے ساتھ ہی جنرل گوڈارڈ نے ایک مجاربانہ اور مدافعانہ معاہدہ گیکواڑ کے ساتھ طے کیا جسکی شرائط یہ تھیں کہ پیشوا تیس ہزار سوار کی جمعیت سے انگریزی لشکر میں شریک ہوجائے اور ماہی کے شمال جتنے مرہٹہ مقبوضات ہیں اُن پر گیکواڑ قبضہ کرے اور جنوب کے بعض اضلاع پر کمپنی کو قبضہ کر لینے دے۔ ۱۰۔ فروری ۱۷۷۹ء کو جنرل گوڈارڈ نے احمد آباد کا شاندار شہر فتح کر لیا جو آجکل گجرات کا صدر مقام ہے۔ اور سندھیا اور ہلکر کی بیس ہزار حملہ آور فوج کو شکست دینے کے بعد نربدا کے

پھر حملہ کیا اور کرنل ہارٹلے کو دور وزتک اپنے دو ہزار تھکے ہارے
سپاہیوں اور چھ سو بیماروں کے ساتھ بیس ہزار مرہٹہ سواروں کے
دھاوے پر دھاوے برداشت کرنے پڑے۔ تیسرے دن مرہٹہ
سپہ سالار میدان میں کام آگیا اور اُسکی فوج بددل ہوکر میدان سے
ہٹ گئی۔ جنرل گوڈارڈ ایک زبردست لشکر کے ساتھ سواحل مغربی
کے کوہستان پر چڑھ گیا تاکہ وہاں سے پونا پر آگرے لیکن اوسپر مرہٹوں
نے پیہم حملے کرنے شروع کردیئے اور آخری حملہ ہلکر کی پچیس ہزار فوج نے
۱۷۸۱ء میں ایسا سخت کیا کہ جنرل موصوف کو اپنے ساڑھے چار سو آدمی
بھینٹ چڑھاکر بمبئی کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ یہی ایک شکست تھی جس کا
منحوس منھ جنرل گوڈارڈ کو اپنی فاتحانہ زندگی میں کبھی دیکھنا پڑا تھا۔

راجہ ناگپور نے باہمی قرارداد کے مطابق اپنے بیٹے چمناجی
کو ۱۷۸۰ء میں تیس ہزار فوج کے ساتھ کٹک بھیجا مگر وہ اپنے اتحادیوں کا
ساتھ دینے میں کچھ سردمہری سے کام لے رہا تھا اسلیئے اُس نے راستے میں
سات مہینے لگا دیئے۔ کٹک پہنچکر چمناجی کے پاس روپے کی کمی آگئی اور
اُس نے ہیسٹنگز کا سولہ لاکھ کا نذرانہ اس شرط پر قبول کرلیا کہ اپنے تئیں
اس اتحاد سے بے تعلق کرلے۔ اس طرح ہیسٹنگز نے اس اتحاد کے
سب سے خطرناک رکن کو توڑ لیا اور بنگال کو غارتگرانہ تاخت کا شکار بننے
سے بچا لیا۔ مدراس کو حیدر علی کے دباؤ سے بچانیکے لئے ہیسٹنگز نے
بنگال کی فوج کا ایک دستہ بھیجنا چاہا مگر چونکہ حال ہی میں ہندوستانی
سپاہی بحری سفر سے بچنے کے لئے سرکشی پر آمادہ ہوکر اپنے افسروں کو
قتل کرچکے تھے اسلیئے انکو کنارے کنارے سات سو میل کے فاصلے پر ایسے
خشکی کے راستے سے روانہ کرنیکی پر خطر تجویز ۱۷۸۱ء میں اختیار کی جو اجنبی
اور غالباً متخاصم صوبہ جات میں سے ہوکر گزرتا تھا۔ یہ دوسرا پر وحشت
فوجی کارنامہ ہیسٹنگز کا تھا لیکن اس وحشت نے بھی دیسی رئیسوں پر رعب
جما دیا اور انگریزوں کا سکہ ہندوستان میں بٹھا دیا۔ روپیہ وصول کرکے

(صفحہ ۱۹۰)

حملہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسکے خاص دارالحکومت کو بھی دھمکی دینے لگا یہانتک کہ سندھیا پونا کا دربار چھوڑ کر اپنی مملکت کی حفاظت کے لئے دوڑا ہوا آیا۔ میجر کماک کار آزمودہ سپاہی نہیں تھا اور اس نے سندھیا کی کثیر التعداد فوج سے اپنی فوج کو محصور ہوجانے دیا۔ اسکے لشکر میں تقریباً فاقہ کشی کی نوبت آگئی اور اُسکو ہتھیار ڈالدینے پر مجبور ہوجانا پڑتا اگر کپتان بروس رات کے وقت سندھیا کی فوج پر اچانک حملہ نہ کر دیتا۔ اس شبخون کا اثر نہایت زبردست ہوا اور سندھیا نے اپنے ہاتھی۔ گھوڑے۔ خیمہ و خرگاہ اور ہزاروں جانیں کھودیں اور سب پر طرہ یہ کہ اپنی نیکنامی کھودی دراں حالیکہ اُسی زمانے میں اسکے ہمچشم ہلکر کو جنرل گوڈارڈ پر کامیاب حملہ کرنے میں سرفرازی حاصل ہوگئی۔

انگریزوں کے خلاف اتحاد ۱۷۷۹ء

۱۷۷۹ء کے اختتام کے قریب ہیسٹنگز کو یہ اطلاع ملی کہ کمپنی کی طاقت کا استیصال کامل کر دینے کی غرض سے نواب نظام الملک نے ایک اتحاد کی تجویز کی ہے جسمیں سوائے گیکواڑ کے ہندوستان کے تمام رئیس شامل ہوگئے ہیں اور تمام احاطوں پر ایک ہی وقت میں حملے کیئے جائینگے۔ حیدر علی مدراس پر حملہ کریگا۔ سندھیا۔ ہلکر اور پونا کے سپرد بمبئی کا حملہ کیا گیا تھا۔ اور راجہ ناگپور کا یہ کام تھا کہ وہ صوبۂ کٹک میں ہوکر بنگال میں داخل ہو۔ اسی زمانے میں انگلستان فرانس سے برسرپیکار تھا اور اس اتحاد کے مشورے پونا میں ہورہے تھے۔ اب تک کمپنی کو کبھی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور اسکو رفع کرنیکے لیئے ہیسٹنگز ہی کے غیر معمولی تدبر و تفکر کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے حیدر علی نے میدان سنبھالا اور آندھی پانی کی طرح کرناٹک پر چڑھ دوڑا جسکا حال ابھی بیان کیا جائیگا۔ بمبئی کو اپنے ہی بل بوتے پر چھوڑ دیا گیا تھا اور وہاں کا گورنر اس نازک موقع پر عہدہ برآ ہو سکا۔ منجھلے کرنل ہارٹلے نے مرہٹوں سے کونکان کو صاف کردیا تھا۔ مگر اسپر نانا فرنویس نے

باب سوم
فصل دوم

دست بردار ہو جائے اور تمام اسیران جنگ کو آزاد کر دے ورنہ گورنمنٹ
پونا اسکے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کریگی۔ نانا فرنویس نے اس معاہدے کو
منظور کرنیکے بعد بھی چھ مہینے تک اسکی تصدیق کو تعویق میں ڈالے رکھا اور
ساتھ ہی ساتھ وہ حیدر علی کے ساتھ اسکے ڈھب کی شرطیں اس معاہدے کو
منسوخ کرنیکے لیئے طے کرتا رہا۔ اس معاہدے کی تصدیق کے لیئے ہیسٹنگز کی
تشویش اس وقت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی جبکہ ۵۔ دسمبر ۱۷۸۲ء کو اسکے
پاس ایوان عام کی اس تجویز کی نقل آئی جسکا مطلب یہ تھا کہ ہیسٹنگز نے
انگریزی قوم کی عزت و اصول کے خلاف عمل کیا ہے اسلیئے مجلس انتظامیہ کا
یہ فرض ہے کہ اسے اپنے عہدے سے معزول کر دے۔ اگر اس
تجویز کی نقل ہندوستان میں پھیل جاتی تو اس سے اس معاہدے
کی تصدیق ہی نہیں رک جاتی بلکہ تمام ہندوستانی رئیسوں کے
دربار میں انگریزی حکومت کا اقتدار خاک میں مل کر رہ جاتا۔ خدا کا کرنا
ایسا ہوا کہ ۷۔ دسمبر ۱۷۸۲ء کو حیدر علی کا انتقال ہو گیا اور مصیبتوں کی
گھٹائیں اڑ گئیں اور نانا فرنویس نے فوراً پیشوا کی مہر اس معاہدے پر
ثبت کر دی۔ اس طرح جو معاہدہ مرہٹہ سرداروں کے ساتھ کیا گیا تھا
وہ بیس سال تک جوں کا توں قائم رہا۔

فصل سوم

مدراس کے واقعات ۱۷۷۱ء

تنجور کے واقعات ۱۷۷۱ء

اب ہم احاطہ مدراس اور جنوبی ہند کی رفتار واقعات
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چھوٹی سی ہندو ریاست
تنجور بڑی حد تک حیدر علی کے ساتھ اس لڑائی کے زمانے میں غارتگرانہ
تاختوں سے محفوظ رہی جسکا اختتام مدراس کی فصیلوں کے تلے ہوا تھا۔

راجہ ناگپور نے دو ہزار سوار اس مہم کے ساتھ شریک کارزار ہونیکے لئے دیدینے کا وعدہ کیا جو آخر کار کرنل پیرس کی سرکردگی میں بخیریت تمام مدراس پہنچ گئے ؛

سندھیا کے ساتھ صلح ۱۷۸۱ء

میجر کماک کی فوج سے شکست کھا کر سندھیا کی آنکھیں کھلیں کہ قلب مملکت میں فاتح دشمن گھسا ہوا ہے اسلیئے اگر اب بھی پیکار جاری رکھی جائیگی تو سوائے اسکے کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ اُسے اپنا ملک چھوڑ کر نربدا پار بھاگنا پڑیگا اور مرہٹہ برادری کی نظروں میں ذلیل ہونا پڑیگا۔ چنانچہ اُس نے صلح کی سلسلہ جنبانی برطانوی سپہ سالار سے کی جسکو ہیسٹنگز نے بڑی خوشی کے ساتھ لبیک کہا۔ چنانچہ ایک صلحنامہ سندھیا کے ساتھ مرتب کیا گیا جسکی رو سے سندھیا کا وہ تمام علاقہ جو جمنا کے غرب میں واقع تھا سندھیا کو دیدیا گیا اور سندھیا نے کمپنی اور پونا کی گورنمنٹوں میں صلح کے لیئے نامہ و پیام کرنیکا وعدہ کیا اور خود بالکل غیر جانبدار رہنے کا عہد کر لیا ہیسٹنگز کو مرہٹوں کے ساتھ صلح کر لینے کی اس وجہ سے اور زیادہ فکر دامنگیر ہوگئی کہ ایک فرانسیسی مہم ساحل پر پہنچ چکی تھی جس سے اُسے خطرہ ہو گیا تھا کہ کرناٹک میں سے انگریزوں کا بیج تک اُڑ جائیگا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ ختم کر لینے کی خاطر ہیسٹنگز یہاں تک تیار تھا کہ اُن سے جتنا علاقہ حاصل کیا گیا تھا وہ سب قربان کر ڈالے حتیٰ کہ بندرگاہ بسین کی بھی پرواہ نکرے ؛

معاہدۂ سالبائی ۱۷۸۲ء

چند ناکام کوششوں کے بعد سندھیا کے توسل سے آخر کار معاہدۂ سالبائی ۱۷۔ مئی ۱۷۸۲ء کو مرتب کیا گیا۔ سندھیا اس معاہدے میں ضامن بنا اور اس طرح مرہٹہ سرداروں میں اسکو مزید اقتدار حاصل ہو گیا اس عہدنامے کی یہ شرائط تھیں کہ کمپنی نے معاہدۂ پورندر کے بعد سے جتنے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا وہ سب واپس کر دے اور حیدر علی اپنی تمام فتوحات کرناٹک سے

مگر لارڈ موصوف بہ نفس نفیس تنجور گیا اور اپنے ہاتھ سے راجہ کو گدی نشین کر کے آیا۔

اس بحالی کو ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ مدراس کے ایک ملکی افسر پال بین فیلڈ نے تنجور کی آمدنی پر دعوے کیا۔ مدراس کے ملازمان کمپنی کی بے باک بد دیانتی کا اُس زمانے میں اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ہندوستان میں ایک کوڑی لیکر نہیں آیا ہو اور اسکی تنخواہ کبھی تین سو روپے ماہانہ سے زائد نہیں ہوئی ہو وہ اپنے دعاوی پر اتنا مطمئن ہو کہ اُس سے اس میں کوئی بات اعتراض کے قابل نظر نہ آئی ہو کہ اسکے پاس تنجور کی آمدنی کو مکفول کرنیوالے تمسک سولہ لاکھ کی مالیت کے نواب کے خلاف ہوں اور منفرد اشخاص کے نام کے اتنے تمسک ہوں کہ جن سے موجودہ پیداوار میں سے سات لاکھ روپے اس شخص کا مطالبہ قائم ہوتا ہو۔ بڑے طویل غور و خوض کے بعد کونسل مدراس نے پال بین فیلڈ کے دعوے کو خارج کر دیا۔ لیکن چونکہ خود ممبران کونسل اور بہت سے دوسرے ملکی حکام نواب کرناٹک کے ذمے اپنا اصلی یا مصنوعی قرضہ رکھتے تھے جسکی مجموعی مقدار ڈیڑھ کروڑ تک پہنچی تھی اسلیئے انھوں نے یہ خیال کیا کہ بین فیلڈ کا دعوے خارج کرنیسے اُنکے دعووں کو بھی صدمہ پہنچیگا اسلیئے اس معاملے میں نظر ثانی کی کارروائی کی گئی۔ لارڈ پائیگوٹ اور اسکے ہمخیالوں نے ان کارروائیوں کی سختی سے مخالفت کی لیکن پانچ کے مقابلے میں سات کی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ پال بین فیلڈ کا دعوے جائز ہے۔

لارڈ پائیگوٹ کی نظر بندی ۱۷۷۶ء

کونسل میں اختلاف بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ لارڈ پائیگوٹ نے دو ممبروں کو معطل کر دیا اور سر رابرٹ فلیچر کمانڈر انچیف کو گرفتار کرا لیا لیکن بقیہ ممبروں نے اسکے جواب میں خود گورنر کو نظر بند کر کے گورنمنٹ پر قبضہ کر لیا۔ مجلس انتظامیہ نے اسپر یہ حکم دیا کہ لارڈ پائیگوٹ کو فوراً اسکے عہدے پر بحال کیا جائے اور اُس کے بعد وہ بہ اختیار خود اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدے۔ اسکے

اس وقت محمد علی نواب کرناٹک نے پیشدستی کی اور مدراس گورنمنٹ سے
راجہ تنجور کو لوٹنے میں امداد مانگی جس طرح کہ اُس کے آباؤ اجداد لوٹ
چکے تھے۔ نواب کے مطالبات نہایت بے اندازہ تھے مگر
تھوڑے سے ٹینک تذبذب کے بعد پریزیڈنٹ مدراس تنجور میں ایک فوج بھیجنے پر
راضی ہو گیا۔ اہل تنجور نے بڑے جوش وخروش سے مقابلہ کیا مگر آخرکار اُن کا
قلعہ توڑ ڈالا گیا اور نواب کرناٹک کے منجھلے بیٹے نے بغیر انگریزی سپہ سالار
سے مشورہ کیئے ہوئے راجہ کے ساتھ ایک صلحنامے پر دستخط کر دیئے جس کی
رو سے تنجور نے پچاس لاکھ روپیہ کرناٹک کو تاوان دینے کا اپنے تئیں پابند
کر لیا۔ ابھی دو سال نہیں گزرنے پائے تھے کہ ۱۷۷۳ء میں محمد علی نے پھر مدراس
کونسل سے اس عذر پر راجہ کا استیصال کامل کرنیکی امداد طلب کی کہ راجہ نے
تاوان کی پانچویں قسط بھی ادا نہیں کی ہے اور وہ حیدر علی اور مرہٹوں سے
خفیہ نامہ و پیام بھی کر رہا ہے۔ باوجود اسکے کہ پریزیڈنٹ مدراس کو یہ علم تھا
کہ اسی تاوان کی ادائگی کا انتظام کرنیکے لیئے مصیبت زدہ راجہ کو اپنے شاہی
جواہرات بلکہ اپنا کچھ علاقہ بھی رہن کرنا پڑا تھا جو اُس نے بجائے انگریزوں کے
پاس مدراس میں رہن کرنیکے اہل ہالنڈ کے پاس نگاپٹم میں مکفول کر دیا تھا
لیکن پریزیڈنٹ موصوف نے اپنی بد طینتی کو کام میں لاکر اس راجہ کی بربادی کے
ارادے سے اتفاق کر لیا۔ چنانچہ ستمبر ۱۷۷۳ء میں ایک فوج بھیجدی گئی۔ راجہ کو
گدی سے اُتار دیا گیا اور اسکی ریاست مطلق العنان نواب کے سپرد کر دی گئی
۱۷۷۵ء میں مجلس انتظامیہ نے اس تمام رد و بدل کو نہایت نفرت کی نظر سے
دیکھا اور مسٹر وچ پریزیڈنٹ مدراس کو فوراً کمپنی کی ملازمت سے نکال دیا اور
فوری احکام ناطق صادر فرمائے کہ راجہ کا ملک راجہ کو سپرد کر دیا جائے۔ لارڈ
پائیگوٹ جو چالیس سال تک مدراس کی ملکی خدمت میں رہکر چالیس لاکھ روپے
جمع کر چکا تھا اور انگلستان کی واپسی پر آئرلینڈ میں جاگیر دار بن چکا تھا اب گورنر
مدراس بناکر پھر ہندوستان بھیجا گیا اور اگرچہ نواب نے لارڈ موصوف کو
ساٹھ لاکھ روپیہ مجلس انتظامیہ کے اس حکم کی تعمیل روکنے کی خاطر دینا چاہا

جتنی جلد ممکن ہوا ادا کیا جائیگا۔ ان اطمینان دلانیوالے وعدوں سے خدا خدا کرکے ہیسٹنگز اس قابل ہوا کہ اُس نے نواب نظام الملک کو اس لڑائی میں حصہ لینے سے باز رکھا جو انگریزوں کے سر پہ بلا کی طرح منڈلا رہی تھی ؎

حیدر علی کی ترقیاں ۱۷۷۳ء

حیدر علی کے خلاف دوسری جنگ ۱۷۸۰ء میں شروع ہوئی۔ لیکن اُسکی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی آٹھ سال تک کی تیاریوں اور ترقیوں پر ایک تبصرہ کرلیا جائے۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ملکوٹا پر جو شکست فاش حیدر علی کو نصیب ہوئی تھی اُس سے اُس کے مقبوضات گھٹکر نہایت محدود رقبے تک پہنچ گئے تھے مگر پیشوا کے قتل کے وقت پونا میں جو ابتری پھیلی اُس سے فائدہ اُٹھا کر اُس نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر حاصل کرلی تھی۔ نومبر ۱۷۷۲ء میں اُس نے ریاست کُرگ کو تسخیر کرلیا جس نے نہایت زبردست مدافعت کی تھی مگر وہاں حیدر علی نے نہایت وحشیانہ خونریزی کی تھی۔ یعنے اُس نے فی سر پانچ روپیہ کا انعام مقرر کر دیا تھا۔ اور یہ انعام اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا اور جب تک سات سو سروں کا ڈھیر نہیں لگ گیا اُس نے خونریزی کو روکنے کا حکم نہیں دیا۔ ۱۷۷۳ء میں اُس نے وہ تمام مقبوضات مرہٹوں سے چھین لئے جن سے انھوں نے اُسے بیدخل کر دیا تھا اور مالابار پر بھی اپنی حکومت قائم کرلی۔ ان پے در پے فتوحات سے ڈر کر اور جو امداد حیدر علی نے رگھوبا کو دینے کا وعدہ کیا تھا اُس سے پریشان ہوکر پونا کی گورنمنٹ نے اُس کے خلاف نواب نظام الملک سے اتحاد کرلیا اور دونوں کی متحدہ فوجیں ۱۷۷۶ء میں میدان جنگ میں آئیں۔ لیکن اِن فوجوں کے سپہ سالاروں کو حیدر علی کی طرف سے ایسی بھاری رشوت پہونچی کہ یہ مہم بیکار ثابت ہوئی اور حیدر علی کی حکومت دریائے کرشنا کے کناروں تک پھیل گئی۔ باوجودیکہ نواب محمد علی کے نامعقول اثر اور سرجان لنسے کے بے ہنگام تحکم سے متاثر ہوکر مدراس گورنمنٹ اُسے امداد دینے سے صاف انکار کرچکی تھی مگر وہ برابر ایسی تحریکیں کرتا رہا کہ مرہٹوں کی روز افزوں مخاصمتوں کو

ساتھ ہی سات ممبران کونسل کی بھی برخاستگی کے احکام نافذ فرمائے اور سر ٹامس رمبولڈ کو جو بنگال میں کمپنی کی ملازمت میں تھا صدر حکومت بنادیا گیا لیکن اسپر بھی انتظام ٹھیک طور سے نہیں چل سکا اور سر ٹامس رمبولڈ کو بھی اس جگہ سے علیحدہ کرنا پڑا ؛

گنتور سرکار ۱۷۷۹ء

بسالت جنگ نے جنکے پاس گنتور سرکار کا ضلع اپنے بھائی نواب نظام الملک کی طرف سے جاگیر میں تھا کچھ عرصے سے ایک چھوٹی سی فرانسیسی فوج کو اپنی ملازمت میں رکھ چھوڑا تھا لیکن مدراس گورنمنٹ کی خواہش پر اوس نے اس فوج کی جگہ ایک انگریزی دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اسکے اخراجات کے لیئے ضلع سرکار حوالے کر دیا تھا - یہ معاہدہ ابھی ہوا ہی تھا کہ اس ضلع کو دس سال کے لیئے نواب محمد علی کو اجارے پر دیدیا گویا اس کے قرضخواہوں کے حوالے کر دیا گیا - مسٹر ہالینڈ کو اس غرض سے حیدر آباد بھیجا گیا کہ اس معاملے کو نواب نظام الملک کے گوشگزار کر دے مگر نواب نظام الملک نے اس کو سنکر اسپر نہایت ناراضی کا اظہار کیا کہ انکے ایک جاگیر دار سے بالا بالا معاملہ کیوں کر لیا اور انکے خاندانیوں کے معاملات میں مداخلت کیوں کی گئی - ساتھ ہی جب مسٹر ہالینڈ نے یہ استدعا مدراس گورنمنٹ کی طرف سے پیش کی کہ سات لاکھ روپیہ سالانہ کی وہ رقم اب معاف کر دی جائے جو کمپنی کو اضلاع سرکار کے عوض میں بطور خراج کے دینی پڑتی ہے تو نواب نظام الملک کے نفرت وغصے کی انتہا نہ رہی اور انھوں نے حکام مدراس پر سخت عہد شکن ہونیکا الزام لگایا - اس اشتعال و نفرت کے جذبات کا یہ اثر ہوا تھا کہ نواب نظام الملک نے انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل ہی نکال باہر کر دینے کے لیئے ایک عام اتحاد قائم کرنے میں سرگرمی سے کوشش کرنی شروع کی جسکا ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں - ہسٹنگز نے جب ان واقعات کو سنا تو اس نے مدراس گورنمنٹ کی ان تمام کارروائیوں کا نواب نظام الملک کے دربار میں ردعمل کرنیکی کوشش کی اور نواب نظام الملک کو یہ یقین دلایا کہ انگریزی گورنمنٹ کے ارادے نیک نیتی اور صلح جوئی پر مبنی ہیں - گنتور سرکار پر ہرگز قبضہ نہیں کیا جائیگا اور اضلاع سرکار کا خراج

کی تھی مگر وہ بذات خاص تمام انتظامات کی نگرانی کرنے لگا اور اختتام ماہ جون ۱۷۸۰ء تک اُس نے ایسا جرار لشکر تیار کر لیا جو شاید کبھی کسی ہندوستانی رئیس کے جھنڈے تلے جمع ہوا ہو۔ اس لشکر میں نوّے ہزار سوار اور پیادے تھے اور اُسکے بڑے حصے کو یورپین ماہرین حرب نے قواعد سکھائی تھی۔ اُسکے توپ خانے میں بھی سو توپیں تھیں جن کو یورپ کے فن حرب کے مطابق قابلیت سے ترتیب دیا گیا تھا اور اُسکی رسد رسانی کا انتظام اُسکے ہندو وزیر پورنیا کے ہاتھ میں تھا جو اُس کا قابل ترین افسر تھا اور جس نے کوئی دقیقہ اپنے کام کی تکمیل میں اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ادھر تو یہ زور شور کا طوفان مدراس کی طرف بڑھ رہا تھا اور اُدھر مدراس گورنمنٹ اپنے خواب خرگوش میں مصروف تھی اور کمانڈر انچیف نے اعلان کر دیا تھا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس خواب سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں۔ حیدر علی نے اپنی تیاریاں ختم کرتے ہی میسور کی ہر مسجد و مندر میں جہاد کا اعلان کرا دیا اور ۲۰۔ جولائی ۱۷۸۰ء کو کرناٹک پر برق خاطف کی طرح گڑگڑا کر گرا اور اُسکی پیش قدمی کی خبریں شعلہ زن دیہات و قصبات اور قتل و غارت شدہ علاقہ جات سے ملنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے اُن تمام وسائل بیرحمی کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے جو اُسکی خونخوار طبیعت تجویز کر سکتی تھی۔ بدنصیب مخلوق کو زبردستی مع اپنے اہل و عیال و مواشی کے جانوروں کی طرح ہانک کر میسور بھیجا جانے لگا اور جس نے ذرا پس و پیش کیا اُس کو وہیں ٹھکانے لگا دیا جاتا تھا۔ سوائے اُن چار قلعوں کے جو انگریز لفٹنٹوں کی سپردگی میں تھے اور تمام قلعوں کو نواب کے زر پرست یا پست ہمت قلعہ داروں نے حوالے کر دیا۔ (صفحہ ۱۹۵)

مدراس کی فوج کی روانگی ۱۷۸۰ء

مدراس کی فوج اس وقت آٹھ ہزار نفوس سے زائد نہیں تھی اور اُس میں سے ڈھائی ہزار کرنل بیلی کی ماتحتی میں گنتور میں مقیم تھی۔ اور جبتک سینٹ ٹامس کی پہاڑی سے جو مدراس سے نو میل کے فاصلے پر تھی دھوئیں کے دل بادل نہ نظر آنے لگے

توڑنےکے لئے اُن کا ہاتھ بٹایا جائے۔ اُس نے صرف کچھ مقدار آلات حرب اور رسد کی استدعا کی تھی اور تھوڑی سی فوج مانگی تھی جسکے معاوضے میں وہ معقول رقم پیش کرتا تھا لیکن مدراس کونسل پر اب تک کرناٹک کا بہت بڑا اثر تھا اسلیئے اس نے اُسکی تمام تحریکوں کو مسترد کر دیا یہاں تک کہ اُسکو اپنا دائمی دشمن بنا لیا۔

سوم ۱۹۴

فرانس کے ساتھ جنگ ۱۷۷۹ء

اُسی زمانے میں فرانس اور انگلستان میں جنگ چھڑ جانیکی خبریں موصول ہوئیں اور پانڈیچری جس کی قلعہ بندی نئے سرے سے کی جا چکی تھی دس دن کی سخت مدافعت کے بعد تسخیر ہو گیا مدراس گورنمنٹ نے اس تسخیر کی اطلاع حیدر علی کو دیتے وقت کنایتاً یہ بھی لکھا کہ انگریزوں کا ارادہ فرانسیسی نو آبادی ماہی کے خلاف ایک مہم بھیجنے کا ہے۔ یہ مقام ساحل مالابار پر ایک چھوٹا بندرگاہ ہے اور تین سال سے حیدر علی کے پاس اسی بندرگاہ کے ذریعے سے یورپ سے سامان رسد اور فوجی آدمی پہنچا کرتے تھے۔ حیدر علی نے یہ جواب دیا کہ میں اپنی پوری قوت سے فرانسیسی قلعہ بند فوج کی امداد کرونگا۔ مگر باوجود اسکے بھی انگریزوں نے ماہی پر حملہ کر ہی دیا اور اگرچہ حیدر علی کا جھنڈا بھی فرانسیسی جھنڈے کے ساتھ ہی ماہی پر لہرا رہا تھا مگر ماہی انگریزوں کے ہاتھ سے تسخیر ہو گیا۔ اس سے حیدر علی کو جو اشتعال اور صدمہ ہوا ہو گا اُسکا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ اُسی حالت میں پونا سے ایک سفیر اُسکے پاس یہ تجویز لیکر آیا کہ پونا گورنمنٹ اور حیدر علی کو انگریزوں کی غداری کی برابر شکایت ہے اسلیئے حیدر علی کو بھی اُس اتحاد عامہ میں شریک ہونا چاہیئے جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکے لیئے قائم کیا گیا ہے۔ پونا گورنمنٹ نے باہمی تنازعات کے معقول تصفیے کا بھی وعدہ کیا اور چوتھ کے دعوے سے دست برداری کی اور دریائے کرشنا تک جو علاقہ حیدر علی حاصل کر چکا تھا اُسکی بھی تصدیق کر دی اس لیئے حیدر علی نے وہاں کی تجویز کو بڑے شوق سے منظور کیا۔

حیدر علی کرناٹک پر طوفان کی طرح نازل ہوتا ہے ۱۷۸۰ء

اب اُس نے نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں کیں۔ باوجودیکہ حیدر علی کی عمر اس وقت ۸۰ سال

فوج کے طرف تین سو جوان باقی رہ گئے تھے اُس وقت بھی یہ جوان لڑنے پر مصر تھے مگر کرنل بیلی نے ان بہادروں کی جانیں ضائع نہ ہونے دیں اور امن کا بیرق بلند کیا اس وقت حیدر علی کے سپاہی ان بہادروں پر جھپٹے اور آن سب کو وہیں قتل کر ڈالتے اگر چند فرانسیسی افسر اُن کو اس سے باز نہ رکھتے۔ چھیاسی افسروں میں سے ستر قتل یا زخمی ہو گئے تھے اور تمام فوج معہ اپنی رسد، خیمہ و خرگاہ اور آلات حرب کے بالکل فنا ہو گئی تھی۔ اگر کمانڈر انچیف اُس وقت بھی پیش قدمی کر دیتا جس وقت کہ گولہ باری کی آواز اُس نے سنی تھی تو بھی دونوں طرف کے حملے کی وجہ سے حیدر علی حواس باختہ ہو کر سخت شکست کھا جاتا لیکن پست ہمت سر ہیکٹر منرو نے کنجیورم کے تالاب میں اپنی بھاری توپوں کو غرقاب کر دیا۔ اپنے سامان رسد کو تباہ کر دیا اور نہایت ابتری اور تعجیل کاری کی حالت میں مدراس کی طرف بھاگا اور دشمن کی فوجیں اسکے تعاقب میں چلیں۔ (صفحہ ۱۹۶)

اس مصیبت کی اطلاع لیکر فوراً ایک جہاز کو کلکتے روانہ کیا گیا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ بازی سے تو ایک مصیبت آ ہی رہی تھی اسکے ساتھ حیدر علی کے خلاف لڑائی کے چھڑ جانے سے یہ دوسری بلا نازل ہو گئی جسکی ابتدا میں ہی انگریزی فوج کو ایسی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا جسکی نظیر برطانوی فوجی کارناموں کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن ہیسٹنگز کی قابلیت و استقلال نے کبھی دنیا کو ایسی حیرت میں نہیں ڈالا جیسا کہ اس موقع پر۔ وہ کہتا ہے۔

"برطانیہ کے نام کی عظمت قائم رکھنے کی اور کمپنی کے اغراض و مقاصد کی نگہداشت کرنیکی جتنی امیدیں میرے دلمیں تھیں ان سبکی جگہ صرف اس ایک خیال نے لے لی کہ اس وقت برطانیہ کا نام اور کمپنی کے اغراض و مقاصد جو کرناٹک میں ہیں صرف ان کی حفاظت کی ضرورت ہے چنانچہ میں نے اپنے اس خیال کے مطابق بہترین تدبیریں معروف ہو جانے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی"

اُس وقت تک مدراس گورنمنٹ نے فوج کی روانگی کا حکم نہیں دیا نہ سرہیکٹر منرو
کنجیورم کو اس غرض سے روانہ ہوا کہ آرکٹ کا محاصرہ اُٹھانیکی کارروائی کرے
جہاں وہ سامان حرب تھا۔ جو نواب کے قبضے میں تھا اور جس کا حیدرعلی نے
محاصرہ کر رکھا تھا کرنل بیلی کو بھی حکم دیا گیا کہ سرہیکٹر منرو کی فوج کا شریک ہوجائے
لیکن کرنل موصوف دریائے کرتیلا کے کنارے پر اس دن ٹھیرا رہگیا جس دن
وہ پایاب تھا مگر دوسرے دن بارش کی وجہ سے اُس میں طغیانی آگئی اور
دس روز تک اُس پر ناؤ نہیں لگ سکتی تھی۔ حیدرعلی نے ان دونوں
انگریزی فوجوں کو ملنے سے روکنے کیلئے بہترین حصۂ فوج کے ساتھ اپنے
بیٹے ٹیپو سلطان کو روانہ کیا اور کرنل بیلی اور ٹیپو سلطان سے ۶ ستمبر ۱۷۸۰ء کو مڈبھیڑ ہوئی
جس میں ٹیپو سلطان کو ایسا آڑے ہاتھ لیا گیا کہ ادھر اس نے اپنے والد کو
یہ اطلاع بھیجی کہ بغیر کمک آئے انگریزی فوج پر اثر ہونا ممکن نظر نہیں آتا
اور اُدھر کرنل بیلی نے سرہیکٹر کو یہ اطلاع دی کہ کرنل موصوف کا سرہیکٹر
سے مقام کنجیورم میں آکر ملنا ناممکن ہے۔ بجائے اسکے کہ سرہیکٹر اپنی تمام
فوج کے ساتھ خود کوچ کرتا اوس نے کرنل فلیچر کو گیارہ سپاہیوں کے
ساتھ کرنل بیلی سے مل جانیکے لئے روانہ کردیا۔ حیدرعلی پر انگریزی فوجوں کی
اتنی وحشت غالب تھی کہ اُس نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگر دونوں انگریزی
فوجیں مل جائینگی تو وہ آرکٹ کا محاصرہ اٹھا کر یہاں سے پیچھے ہٹ جائیگا
کرنل فلیچر اور کرنل بیلی ۹ ستمبر ۱۷۸۰ء کی شام تک ایک دوسرے کی طرف
بڑھتے رہے اور اگر کرنل بیلی اپنی حماقت سے اپنی فوج کو رات بھر کے لئے
آرام لینے کا حکم نہ دیتا تو دونوں فوجیں آپس میں مل جاتیں۔ حیدرعلی
نے جب دیکھا کہ سرہیکٹر نے کوچ کرنیکی کوئی تیاری نہیں کی تو وہ اپنی تمام
فوج کرنل بیلی کے مقابلے کیلئے لے آیا۔ اُس نے رات کے سناٹے میں
اپنی توپوں کو نہایت اُستادی سے نصب کردیا اور ۱۰ ستمبر کی صبح کو
انگریزی پڑاؤ کو میسور کی تمام فوج سب طرف سے گھیر چکی تھی۔ انگریزی
فوجیں زمانۂ قدیم کے سورماؤں کی طرح لڑیں اور جس وقت یورپین

باب سوم
فصل چہارم

قبضہ کر لیا تھا اور اس وقت واندیورش کے محاصرے میں مصروف تھا جسکی مدافعت لفٹنٹ فلنٹ اس وقت اُتنی ہی جانبازی سے کر رہا تھا جیسی کلائیو نے ایک زمانے میں ارکاٹ کی حفاظت کی تھی۔ متخاصم فوجیں چار ماہ تک سکوت میں رہیں کیونکہ انگریزوں کے پاس کافی رسد کا انتظام نہیں تھا اور حیدر علی پر سر آئر کوٹ کی دہشت غالب تھی۔ بہر حال اسکے بعد سر آئر کوٹ نے حرکت کی اور چلمبرم کے قلعہ بند مندر پر حملہ کر دیا لیکن یہاں سے اُسکو پسپا ہونا پڑا۔

جنگ پورٹو نووو ۱۷۸۱ء

حیدر علی کی اس فتح سے کچھ ہمت بندھی اور اُس نے بڑے پیمانے پر مقابلہ کرنیکا ارادہ کیا اور ڈھائی دن میں سو میل کوچ کر کے یکم جولائی ۱۷۸۱ء کو مقام پورٹو نووو پر انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن چھ گھنٹے کے سخت کشت وخون کے بعد حیدر علی نے شکست فاش کھائی۔ اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی ضایع ہوئے اور سر آئر کوٹ کا نقصان صرف تین سو کا ہوا۔ ادھر بنگال کے دستے کو بڑی قابلیت کے ساتھ کرنل پیرس سمندر کے کنارے کنارے لیئے چلا آیا اور راستے میں اُسے کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور وہ ماہ جولائی ۱۷۸۱ء میں مقام پلیکاٹ پہنچگیا۔ حیدر علی نے اس فوج کا راستہ روکنے کے لیئے ٹیپو روانہ کیا اور سر آئر کوٹ نے اس فوج سے مل جانیکے لیئے ڈیڑھ سو میل کا سفر کر کے ۲۔ اگست ۱۷۸۱ء کو اُسے آخر کار جا ملا۔ حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کا وا پسی میں مقابلہ کرنیکے لیئے اپنے تمام لشکر کو جمع کر لیا اور اُس مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں ٹھیک سال بھر پہلے اُس نے کرنل بیلی کی فوج کو فنا کر کے رکھدیا تھا کیونکہ اُس کے نجومیوں نے اُسے یقین دلا دیا تھا کہ یہ جگہ اور یہ دن اُس کے لیئے نحس نہیں ہے۔ یہاں جو لڑائی ہوئی اُس کا نتیجہ مشتبہ سا رہا کیونکہ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی فتح کی سلامی کی توپیں سر کیں۔

جنگ سولنگر ۱۷۸۱ء

ستمبر کے مہینے میں مقام سولنگر پر تیسری آویزش وقوع میں آئی۔ جس میں حیدر علی کو شکست کامل ہوئی۔ اُس کے پانچ ہزار سپاہی ضایع ہوئے اور انگریزوں کا نقصان صرف ایک سو ہوا۔ اسکے بعد ہی انگریزی فوجیں چھاؤنیوں میں واپس آگئیں کیونکہ مدراس کا موسم خوفناک

(صفحہ ۱۹۸)

ہسٹنگز نے مدراس کے قائم مقام گورنر وائٹ ہال کو معطل کردیا جس نے گنٹور سرکار کو نواب نظام الملک کو واپس دینے سے انکار کردیا تھا اور اُسے جتنے سپاہی مل سکے ان سبکو مع پندرہ لاکھ روپے کے مدراس بھیجدیا اور یہ حکم دیدیا کہ یہ رقم صرف فوج کے مصارف کے لیئے ہے اور غیر فوجی حکام اُسپر ہاتھ نہ لگائیں۔ چنانچہ یہ تمام ہم مسلح کرکے تین ہفتے کے اندر روانہ کردیگئی۔ بوڑھے کار آزما سر آئر کوٹ نے جس نے فرانسیسی قوت کو بیس سال پہلے سواحل پر فنا کرکے رکھدیا تھا اس وقت اپنی خدمات اس فوج کی قیادت کرنیکے لیئے اور اپنی فتوحات کے قدیمی میدان میں جاکر کمپنی کی کھوئی ہوئی عزت کو پھر حاصل کرنیکے لیئے پیش کیں۔ ہسٹنگز نے ایک خطرناک دلیری یہ بھی کی کہ اس وقت جو رقم کمپنی کو لندن بھیجی جاتی تھی وہ بھی اس کام میں صرف کرنیکے لیئے روک لی لیکن پھر بھی اسکے وسائل کافی نہیں ہوئے اور اپنے عہد حکومت میں اسکو پہلی مرتبہ قرض لینے کی ناگوار ضرورت پیش آئی۔

فصل چہارم

مدراس کے معاملات ۱۷۸۱ء سے ۱۷۸۴ء تک

کرنل بیلی کی شکست کے آٹھ ہفتے بعد سر آئر کوٹ مدراس پہنچا لیکن اُس نے فوج کا سامان حرب ایسی لچر حالت میں اور رسد کا انتظام ایک ایسے ملک میں جہاں دشمن کی فوجوں نے سخت قتل وغارت کیا تھا اتنا دشوار پایا کہ وہ دس ہفتے سے پہلے نقل وحرکت کرنیکے قابل نہ ہوسکا۔ لیکن اُسکی آمد نے مدراس والوں کے افسردہ دلوں کو سہارا دیا اور حیدر علی کے اُن منصوبوں کا بھی سدباب کردیا جو وہ انگریزوں کو خشکی میں سے نکال کر سمندر میں دھکیل دینے کے متعلق باندھ رہا تھا کیونکہ اب اُسکا پرانا مدمقابل سامنے آگیا تھا۔ نواب کرناٹک کے غدار برہمن قلعہ دار کی سازش سے حیدر علی نے ارکاٹ پر

باب سوم
فصل چہارم

محفوظ رہنی چاہیئے تھی بدخرچ نواب اور اسکے زبردست قرضخواہوں نے لے لی اور گورنمنٹ کو آخر کار مجبور ہو کر تمام صوبۂ کرناٹک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اور نواب کو تمام آمدنی کا صرف چھٹا حصہ دینا منظور کیا گیا ؛

کرنل برتھویٹ ۱۷۸۲ء

کرنل برتھویٹ کو دو ہزار سپاہ کے ساتھ ٹیپو کے حملوں سے تنجور کی حفاظت کرنیکے لیئے مدراس سے روانہ کیا گیا تھا مگر رہنماؤں نے دھوکہ کر کے اُسے ایسے موقع پر پہنچا دیا جہاں اس کا سامنا ٹیپو سلطان کے بیس ہزار سوار بیس ہزار پیدل اور بیس توپوں سے ہو گیا۔ اٹھائیس گھنٹے تک برتھویٹ کی فوج جان جھوک کر اس بے جوڑ مقابلے پر اڑی رہی لیکن آخر کار اُسے مغلوب ہونا پڑا۔ فلسفی مورخ مل کہتا ہے کہ دنیا کے تمام فوجی کارنامے اس چھوٹی سی فوج کی ثابت قدمی اور پامردی کی نظیر مشکل سے پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس شکست کی تلافی اُس فاتحانہ خروج سے ہو گئی جو دوسرے ساحل پر میجر ابنگڈن نے قلعۂ تلیچری سے کیا تھا جہاں وہ اٹھارہ ماہ سے محصور تھا مگر اپنے خروج میں اُس نے بارہ سو قیدی اور ساٹھ توپیں حاصل کیں ؛

(صفحہ ۱۹۹)

حیدر علی کی مایوسی ۱۷۸۲ء

اب حیدر علی شکستہ دل ہوتا چلا۔ اسکے فرانسیسی مددگار اب تک نمودار نہیں ہوئے تھے ہسٹنگز اتحاد عام میں سے سندھیا نواب نظام الملک اور بھونسلا کو متحد کرلینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پیشوا اب انگریزوں کے ساتھ شریک ہو جانیکی دھمکی دیرہا تھا اور حیدر علی سے وہ تمام علاقہ چھین لینے پر آمادہ تھا جو اُس نے دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان حاصل کیا تھا۔ اُس نے اپنے وفادار وزیر سے اپنی اس حماقت پر افسوس ظاہر کیا کہ اُس نے کمپنی سے کیوں لڑائی مول لی۔ اُس نے خوب کہا

بہت سے بیلیوں اور برتھویٹوں کی شکستیں انگریزوں کو فنا نہیں کر سکتیں۔ میں اونکے تمام وسائل کو خشکی پر برباد کر سکتا ہوں مگر میں سمندر کو کیسے خشک کر سکتا ہوں اور میں ایسی جنگ سے خدا واسطے ہی تھک جاؤنگا جس میں مجھے لڑائی میں فتح نہیں نصیب ہوتی۔

سواحل مغرب کو وہ اپنی مملکت کا غیر محفوظ ترین حصہ سمجھتا تھا اور اُس نے

۱۷۸۰ء

کارروائی کے لیئے نامناسب ہوگیا تھا۔ اور ابھی ایک ایسی فوج کشی تکمیل کو پہنچ چکی تھی جس سے ایک طرف تو حیدر علی کے فاتحانہ منصوبوں کو سر آئر کوٹ کی مہارت حرب نے خاک میں ملا دیا تھا اور دوسری طرف انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت بھی سامان رسد اور آلات حرب کی کوتاہی سے ناممکن ہوگئی تھی

سات سال کے قلیل عرصے میں مدراس کے دو گورنر مجلس انتظامیہ کے حکم سے برخاست ہو چکے تھے۔ ایک کو ہسٹینگز نے معطل کر دیا تھا اور ایک کو خود اسیکی کونسل نے معزول کر دیا تھا۔ گورنمنٹ مذکورہ نواب کرناٹک کے ساتھ معاملات کرنیکی وجہ سے نہایت زبون اخلاقی حالت کو پہنچگئی تھی اور مجلس انتظامیہ نے یہ تجویز کی کہ زمام حکومت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دی جائے جسکو مقامی تعلقات سے کوئی واسطہ نہو اور جسپر عام زبونی اخلاق کا کوئی اثر نہ پڑ سکے۔ چنانچہ انھوں نے لارڈ میکارٹنے کا انتخاب کیا جو بڑا تجربہ کار مدبر اور نہایت آبرو دار آئرش جاگیر دار تھا۔ لارڈ میکارٹنے جون ۱۷۸۱ء میں مدراس آیا اور اسکے ساتھ انگلینڈ اور ہالینڈ میں جنگ برپا ہونیکی خبر بھی ہندوستان آئی۔ حیدر علی نے اہل ہالینڈ سے اتحاد پیدا کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی کیونکہ دونوں کی غرض مشترک انگریزوں کے خلاف اجتماع عمل کرنا تھا۔ اہل ہالینڈ کی خاص نوآبادی ساحل کورومنڈل پہ نگاپٹم تھی جس میں ساڑھے چھ ہزار فوج انکی رہتی تھی اور یہ مقام جانب جنوب مدراس سے ایکسو ساٹھ میل پہ واقع تھا

تسخیر نگاپٹم ۱۷۸۱ء

سر آئر کوٹ کی نصیحت کے خلاف لارڈ میکارٹنے نے تنجور اور مدراس سے ایک مہم ترتیب دی۔ ہیکٹر منرو کو اسکی قیادت سپرد کی گئی اور جہازیوں اور ملاحوں کی بھرتی سے اس مہم کو نہایت زبردست بنایا گیا۔ اور نگاپٹم کو اس مہم کے ذریعے سے نومبر ۱۷۸۱ء میں تسخیر کر لیا گیا۔ اسمیں سامان حرب کی بہت بڑی مقدار اور دو قیمتی بمسک انگریزوں کے ہاتھ آئے۔ اسکے دو ہی ماہ بعد ہالینڈ والوں کا سب سے شاندار سیلون کا بندرگاہ ٹرنکومالی بھی فتح کر لیا گیا۔ لیکن باوصف ان فتوحات کے جنگ کا اثر مدراس کے مالیات پر بہت زیادہ پڑنے لگا۔ کرناٹک کی تمام آمدنی جو اسکی حفاظت کے لیئے

مڈبھیڑوں کے بعد درست کرنیکیلئے بمبئی جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ گورنر نے اس سے یہ ظاہر کیا کہ اسکی روانگی سے کمپنی کے معاملات کس نازک حالت کو پہنچ جائینگے کیونکہ حیدر علی تمام کرناٹک کا مالک بن چکا تھا۔ جنرل بسی کے ہر لحظہ امدادی فوج کے ساتھ آدھمکنے کا خدشہ لگا ہوا تھا اور فرانسیسی تمام سمندر کے مالک بنے ہوئے تھے اور اُس رسد وغیرہ کی ناکہ بندی کیئے ہوئے تھے جسپر مدراس کی گزربسر منحصر تھی۔ لیکن امیر البحر مذکور نے ایک فہمائش کی بھی سماعت نہیں کی اور ۱۵۔ اکتوبر ۱۷۸۲ء کو لنگر اٹھا دیا۔ اُسی رات کو سخت طوفان بادوباراں آیا۔ سیلون تک ساحل پر شکستہ تختے نظر آتے تھے۔ بڑے سے بڑے جہاز اپنی لنگر گاہوں پر غرق ہو گئے اور سیکڑوں کنارے پر کھڑی ہوئی کشتیاں چاولوں سے لدی ہوئی ایسی ڈوبیں کہ پھر اُبھر ہی نہ سکیں۔ چار دن بعد امیر البحر بکرٹن انگلستان سے ایک زبردست بیڑے کے ساتھ بندرگاہ پر پہنچا اور چار ہزار فوج مدراس پر اُتار کر باوجود مدراس گورنمنٹ کی حفاظت ساحل کے لیئے ٹھیرنیکے اصرار کے اپنے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیئے لنگر اوٹھا دیا۔ اب مدراس پر قحط کی بلا ہر طرف سے نازل ہو گئی۔ حیدر علی کی قتل و غارت نے گرد و پیش کی بدنصیب مخلوق کو پناہ و امن کی تلاش میں مدراس تک پہنچا دیا تھا اور کچھ عرصے تک ہفتے وار اوسط اموات ڈیڑھ ہزار تک ہوتا رہا۔ سرآئرکوٹ کی صحت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ اُسے بنگال جانے پر مجبور ہونا پڑا اور طوفان کی وجہ سے فوجی کارروائیاں بالکل رُکی پڑی تھیں

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

ماہ فروری میں میسور کی فوج کے مقام ٹیلچری پر شکست کھانیکے بعد ہی کرنل ہمبرسٹن جو کمانڈرانچیف ہو گیا تھا اپنی فوجوں کو بڑھاتا ہوا قلب میسور تک پہنچ گیا اور حیدر علی کے سب سے مستحکم قلعہ پال گھاٹ کا محاصرہ کر لیا مگر بمبئی گورنمنٹ نے اُسے فوری پسپائی کے احکام بھیجدیئے۔ اودھر حیدر علی نے بھی اس محاصرے کی خبر پاتے ہی اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس فوج کی پیشقدمی روکنے کے لیئے بھیجدیا تھا جو دارالحکومت میں گھسی چلی آ رہی تھی۔

اپنے تمام وسائل کا اجتماع اسی حصے میں کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اُس نے یہ احکام جاری کر دیئے تھے کہ ارکاٹ کے قلعے کو بالکل منہدم کر دیا جائے اور کرناٹک کو بالکل ویران کر دیا جائے اور انسانی آبادی کا کوئی نشان بھی قائم نہ رکھا جائے مگر یہ سیہ کاریاں اس وجہ سے معرض التوا میں پڑ گئیں کہ فرانسیسی بیڑا اسکی امداد کو آپہنچا تھا۔

بحری آویزشیں ۱۷۸۲ء

فرانسیسی بیڑے کی کمان سفرن کے ہاتھ میں تھی جو فرانس کے بہترین امیر البحروں میں سے تھا۔ اُس کا مقابلہ امیر البحر ہیوز کے اُس بیڑے سے ہوا جو ٹرنکومالی کو تسخیر کر کے واپس آرہا تھا اور اس آویزش کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا۔ اسکے بعد سفرن پورٹو نوو پہنچا اور یہاں اُس نے دو ہزار فرانسیسی سپاہی اور ایک ہزار قواعد داں افریقی اُتارے۔ ماہ جون ۱۷۸۲ء میں سر آئر کوٹ نے آرنی کو تسخیر کرنے کی کوشش کی جو حیدر علی کا سب سے بڑا مخزن ملک جنوب میں تھا لیکن اس قلعے کی فصیلوں کے تلے ایک غیر فیصلہ کن آویزش کے بعد حیدر علی اپنے خزانے اور سامان رسد کے بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اسکے بعد دو بحری ٹڈ بھیڑیں بغیر کسی معقول نتیجے کے ہوئیں اور سفرن اپنے جہازوں کو پھر کیل کانٹے سے درست کر کے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ لارڈ میکارٹنے کو یہ خبر پہنچی کہ ایک دوسری فرانسیسی فوج گالی تک پہنچ چکی ہے اس لیئے اسکو ٹرنکومالی اور لنکاپٹم کی حفاظت کی طرف سے سخت تشویش پیدا ہو گئی اور لارڈ میکارٹنے نے امیر البحر ہیوز پر سختی سے تقاضہ کیا کہ ٹرنکومالی کی حفاظت کے لیئے دوڑے مگر امیر البحر مذکور کو یہ مداخلت ناگوار گذری اور اُس نے اپنی نقل و حرکت میں سستی کی اور جس وقت وہ بندرگاہ مذکور میں داخل ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہاں کا قلعہ تو چار دن ہوئے فتح ہو چکا ہے۔ اسکے بعد ہی پھر انگریزی اور فرانسیسی بیڑوں میں تصادم ہوا مگر پھر کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ اس سال کی چوتھی بحری آویزش تھی جو سب کی سب متخاصم بیڑوں کی سرگرمی اور محارب فوجوں کی ناقابلیت کی وجہ سے قابل امتیاز تھیں۔ امیر البحر ہیوز نے مدراس کو واپس آکر اپنے جہازوں کو چار سخت

باب سوم
فصل چہارم

فوج کی قیادت جنرل اسٹوارٹ کے سپرد کردی گئی جو نالائق ہونیکے علاوہ نہ کسی کی بات مانتا تھا نہ اپنی ضد سے پیچھے ہٹتا تھا۔ لارڈ میکارٹنی نے اسپر تاکید کی کہ حیدر علی کی فوجوں میں جو پریشانی حیدر علی کی وفات سے پھیلی ہوئی تھی اس سے فائدہ اٹھائے مگر جنرل موصوف نے اس خبر پر یقین کرنے سے انکار کردیا اور یہ سنہری موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ باوجودیکہ جنرل اسٹوارٹ کے پاس بمقابلہ سرائر کوٹ کے زیادہ جرار لشکر تھا اور بہتر وسائل رسد تھے مگر اس نے بے ہاتھ پاؤں ہلائے سولہ دن یوں ہی گذر جانے دیئے۔ جنرل اسٹوارٹ کے اس نکمے پن سے جو پریشانی اس وقت گورنمنٹ کو ہورہی تھی حسن اتفاق سے وہ اس طرح رفع ہوگئی کہ ٹیپو سلطان یکایک دوسرے ساحل کی طرف کوچ کرگیا۔ برطانوی فوج کی اس حصے میں پیشقدمی کی جو ڈرانیوالی خبریں اسے پہنچیں انکی وجہ سے وہ فوراً اس سمت کو متوجہ ہوگیا اور ورانحالیکہ ہر گھڑی جنرل لیسی کی آمد کا انتظار تھا مگر اس نے بھی راہ نہیں دیکھی اور اپنا ٹانڈا لدوا کر اس زبردست خطرے کے تدارک کے لیئے چل کھڑا ہوا۔

لیسی اور اسٹوارٹ

۱۰۔ اپریل ۱۷۸۳ء کو لیسی مقام کڈالور پر اترا اور یہاں آتے ہی اس نے دو ہزار تین سو فرانسیسی اور پانچہزار ہندوستانی لشکر کی قیادت سنبھالی لیکن اسکو یہ معلوم کرکے بڑا صدمہ ہوا کہ خود ٹیپو سلطان اسکی شرکت کے لیئے صرف ساڑھے تین ہزار فوج ہی چھوڑ گیا تھا۔ اب چونکہ جنرل اسٹوارٹ کے پاس دیر لگانیکے لیئے کوئی عذر نہیں رہا تھا اسلیئے اس نے بھی کڈالور کی طرف کوچ کیا۔ اسکے ساتھ اس وقت اعلیٰ درجے کا توپخانہ اور ساڑھے چودہ ہزار کا لشکر تھا جس میں سے تین ہزار یوروپین تھے۔ اسکی فوج اتنی زبردست تھی کہ کبھی اسوقت تک احاطۂ مدراس نے ایسی فوج نہیں ترتیب دی۔ اور اسمیں کسی بات کی کمی نہیں تھی البتہ ایک قابل سپہ سالار کی کسر تھی۔ یہ فوج کیسی تمناؤں کے ساتھ اپنے بوڑھے بزرگ آزما سردار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھتی تھی جو انھیں سید ھانت نصرت تک لے پہنچتا لیکن سرآئر کوٹ جسے ہیسٹنگز نے سمجھا بجھا کر بنگال سے پھر مدراس بھیجدیا تھا مدراس پہنچنے کے تیسرے دن عدم آباد کو کوچ کرچکا تھا۔

اس واپس ہونیوالی انگریزی فوج کے مقابلے میں مقام پینانی پر ٹیپو سلطان کی فوجیں آگئیں اور چار صفوں میں اُسپر سختی سے حملہ کیا لیکن ٹیپو کی فوجوں کو سخت نقصان اٹھاکر پیچھے ہٹنا پڑا۔ ٹیپو نے اس حملے کو ملتوی کرکے سب طرف سے انگریزی فوج کا گھیرا ڈال لیا اور اپنی بھاری توپوں کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ۲۲۔ دسمبر ۱۷۸۲ء کو اسکی فوجوں نے یکایک اپنا خیمہ و خرگاہ اٹھایا اور وہاں سے چلتی پھرتی نظر آئی۔ ایک سانڈنی سوار شام کے وقت بصیغۂ ضروری ایک مراسلہ لیکر آیا تھا جس میں خبر تھی کہ حیدر علی کی مظفر و منصور روح جانب فردوس پرواز کرگئی ہے۔ متواتر جنگبازی کی کلفت سے شکستہ ہوکر اور عرصے تک پیٹھ کے سرطان میں مبتلا رہکر ۷۔ دسمبر ۱۷۸۲ء کو اسّی سال کی عمر میں حیدر علی نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا اور صفحات تاریخ پر اپنا روشن نام بہ حیثیت نہایت قابل مدبر۔ نہایت اولوالعزم جنگجو اور نہایت کامیاب حکمراں کے چھوڑ گیا تھا۔

ایشیائی فوج جب اپنے سردار سے محروم ہوجاتی ہے تو ہمیشہ بدنظمی و سازشوں کی آماجگاہ بنجاتی ہے۔ اس موقع پر یہ خدشہ اس وجہ سے اور زیادہ تھا کہ حیدر علی کا جانشین دارالحکومت سے چار سو میل دور تھا۔ لیکن حیدر علی کے قابل ترین وزیر کی تدبیر سے اس خطرے کا تمام و کمال تدارک ہوگیا تھا۔ حیدر علی کی موت کو نہایت احتیاط سے خفیہ رکھا گیا۔ اسکی نعش کو خوشبودار ادویہ سے معطر کرکے اس طرح سرنگاپٹم بھیجدیا گیا جس طرح کہ کسی قیمتی مال غنیمت کا صندوقچہ بھیجا جاتا ہے۔ تمام احکام اوسی کے نام سے جاری ہوتے رہے اور اُسکی بند فینس معمولی جلوس کے ساتھ معمولی اوقات پر گشت کرنے اسکے خیمے کے پردے کے پیچھے سے نکلا کرتی تھی۔ ٹیپو نے دارالحکومت میں پہنچکر فوجوں کو بیش قرار انعامات تقسیم کرکے خوش کیا اور ایسی سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہوا جس میں اس وقت تین کرور کا خزانہ۔ اور بے اندازہ قیمت کے جوہرات اور ایک لاکھ کی نہایت مکمل سپاہ تھی۔

جو بلا پندرہ سال سے مدراس پریزیڈنسی پر نازل ہورہی تھی وہ حیدر علی کی وفات کے بعد بھی احاطۂ مذکور کے پیچھے لگی رہی۔ سرآئرکوٹ کی روانگی سے

باب سوم فصل چہارم

میسور کے خلاف اُن سواحل پر بھیجی تھی۔ حیدر علی کی موت کی خبر پاتے ہی جنرل میتھیوز کو اپنی مرضی اور عقل کے خلاف بید نور پر قبضہ کرنیکے لئے کوچ کرنیکا حکم دیا گیا۔ یہ مقام میسور کے مرتفع علاقے میں واقع ہے۔ اس کوہستان کی چڑھائی اسکے ہر ہر قدم پر معقول استحکامات بھی تھے انگریزی فوج کی پیشقدمی میں بڑی سختی سے رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں مگر بیالیسویں ہائیلینڈرس پلٹن کی ہمت مردانہ نے ان تمام مصیبت کی گھاٹیوں کو طے کرلیا۔ لیکن جس وقت انگریزی فوج قلعے کے سامنے پہنچی تو وہ قلعہ خلاف امید اور بغیر کسی شرائط کے تسخیر ہوگیا۔ میسور کا ایک سپہ سالار جو حیدر علی کو بہت عزیز تھا اسکے بیٹے ٹیپو سلطان کو اس سے سخت عناد تھا۔ اس سپہ سالار کو اتفاقیہ ایک خط ٹیپو سلطان کا بید نور کے ایک فوجی افسر کے نام کا مل گیا جس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ سپہ سالار مذکور کو اسکے عہدے سے معزول کردیا جائے اور اگر ممکن ہو تو قتل کر ڈالا جائے۔ اس جلن میں اس سپہ سالار نے وہ قلعہ ہی انگریزی جنرل کے حوالے کردیا۔ لیکن اس قلعے پر قبضہ پاکر انگریزی سپہ سالار نے اپنی نگہداشت میں کمی کردی اور اپنے سپاہیوں کو مال غنیمت کی تلاش میں مضافات میں پھیل جانے کی اجازت دیدی ٹیپو سلطان فوراً اس قلعے کو واگذاشت کرانے کیلئے دوڑا اور اسکو پھر اُس وقت تسخیر کرسکا جبکہ تمام شہر بالکل ایک کھنڈروں سے بھرا ویرانہ ہوگیا تھا۔ اسکے بعد ٹیپو سلطان نے منگلور کا محاصرہ کیا جو اس جنگ کی سب سے شاندار یادگار ہے۔ قلعہ بند فوج بیالیسویں ہالینڈر پلٹن تھی جسکی قیادت کرنل کیمبل جیسے دلیر سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی۔ اس فوج میں سات سو گورے اور دو ہزار کالے سپاہی تھے برخلاف اسکے محاصرہ کرنیوالی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی اور اسکے پاس سو توپیں تھیں۔ اس قلعہ بند چھوٹی سی فوج نے جو جو مصیبتیں فاقہ کشی کی برداشت کی ہیں اُن سے زائد شاید ہی کسی فوج پر نازل ہوئی ہوں۔ اس فوج نے نو مہینے تک بے نظیر دلیری کے ساتھ مدافعت کی اور صرف اس وقت قلعے کو سپرد کیا جبکہ ساری فوج میں سے صرف ساڑھے آٹھ سو ڈھانچے باقی رہگئے تھے ؛

دصفحہ

انگریزی مہم کڈالور کی طرف تین میل روزانہ کی رفتار سے چلی اور خاص کڈالور کا محاصرہ ۷۔ جون ۱۷۸۳ء کو کر لیا گیا۔ ۱۳۔ جون ۱۷۸۳ء کو بسی نے خروج کیا اور معقول آویزش کی نوبت آئی جسمیں بسی کو شکست ہوئی اور اسکی تیرہ توپیں بھی چھن گئیں مگر یہ فتح انگریزوں کو بہت مہنگی پڑی کیونکہ انکی طرف سے اڑسٹھ افسر اور نوسو بیس یوربین سپاہی کام آئے۔ اُسی دن سفرن بھی ساحل سے دور نمودار ہوا اور فرانسیسی اور انگریزی بیڑوں میں پھر مڈبھیڑ ہو گئی مگر پہلے کی طرح پھر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اسکے بعد امیر البحر ہیوز تو اپنے جہازوں کو درست کرنیکے لیئے مدراس کی طرف چلا گیا اور سفرن نے بسی کی امداد کے لیئے دو ہزار چار سو جہازی اور سپاہی اُتارے۔ ۲۵۔ جون ۱۷۸۳ء کو بسی نے پھر خروج کیا مگر پھر سخت نقصان اٹھا کر قلعہ بند ہونا پڑا۔ لیکن جنرل اسٹوارٹ تین ہفتے تک کڈالور کے اردگرد وقت ضائع کرتا رہا اور محاصرے میں کوئی کامیابی کی صورت نہیں پیدا کر سکا اور اسکا لشکر روز بروز بیماریوں، تکانوں اور زخموں سے ضائع ہونے لگا۔ بسی یہ انتظار کر رہا تھا کہ انگریزی جنرل کی حماقتیں اپنی حد پر پہنچ جائیں تو ایک کاری ضرب لگائے جسکا یقینی اور لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ انگریزی فوج کو پسپائی اور ذلت نصیب ہوتی اور غالباً خود مدراس کے محاصرے کی تسخیر کی بھی نوبت آجاتی۔ مگر حسن اتفاق سے اس مصیبت سے کمپنی کو اس طرح نجات ملگئی کہ ہندوستان میں یہ خبر آگئی کہ انگلستان اور فرانس میں صلح ہو گئی ہے۔ فریقین نے فوراً اپنی اپنی شمشیر مخاصمت کو نیام میں کر لیا اور ٹیپو سلطان کو فرانسیسی فوجوں کی امداد سے بالکل محروم ہو جانا پڑا۔ یہ جنرل اسٹوارٹ جب مدراس پہنچا تو اُسے لارڈ میکارٹنے نے قید کر دیا اور انگلستان کو روانہ کر دیا۔ یہ جنرل اسٹوارٹ وہ شخص تھا جس نے لارڈ پائیگوٹ کو قید کیا تھا اور نواب کرناٹک کا یہ ظریفانہ فقرہ ضرور قابل تحریر ہے کہ جنرل اسٹوارٹ نے ایک لاٹ صاحب کو قید کیا اور ایک لاٹ صاحب نے جنرل اسٹوارٹ کو قید کیا۔

مہم بمبئی | ٹیپو سلطان کی اچانک و انگی سواحل مغرب کی طرف اس انگریزی مہم کی کامیابیوں کی وجہ سے وقوع میں آئی تھی جو بمبئی گورنمنٹ نے مقبوضات

باب سوم
فصل چہارم

سفیر استدعائے صلح کے لیئے اسکے دربار میں بھیجے ہیں ٹیپو سلطان کے سفیروں میں اور مدراس کے وکیلوں میں بعض تنازعات مبادیات صلح میں ایسے پیش آگئے کہ معاملے کو پھر مدراس رجوع کرنا پڑا۔ مدراس کونسل نے اپنی تمام حالت پر ایک نظر ڈالکر بجائے اسکے کہ کرنل فلرٹن کو یہ حکم دیتی کہ سرنگاپٹم تک پیشقدمی کرتا چلا جائے اور لڑائی کو کامیابی کے ساتھ ختم کردے اُسے یہ حکم دیا کہ اپنی تمام فتوحات سے دست بردار ہوکر اپنی فوج کو واپس لے آئے ہسٹنگز کو چونکہ ہندوستانی طبیعت سے بڑی حد تک واقفیت تھی اسلیئے ان وکیلوں کے ذریعے سے نامہ وپیام کی تدبیر کو ناپسند کیا تھا اور اسکی یہ رائے تھی کہ اگر نامہ وپیام بھی کرنا تھا تو خاص دارالحکومت کی دیواروں کے تلے کرنل فلرٹن کے ذریعے سے کیا جانا بہتر ہوتا مگر اب ہسٹنگز کچھ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ مجلس انتظامیہ نے اسکی کارروائیوں پر اظہار ملامت کرنا ازسرنو شروع کردیا تھا اور اسکی اپنی کونسل کے ممبو بھی اُسکا ساتھ دینے سے پہلوتہی کرنے لگے تھے۔ چنانچہ صلح کے نامہ وپیام اور ترتیب شرائط کا کام مدراس گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں رہا جس نے اپنی قدیم دستاویزی کمزوری کا ثبوت اس موقع پر بھی دیا۔

صلحنامۂ منگلور ۱۷۸۴ء

انگریزی وکیلوں کو بہت آہستہ آہستہ ملک میں گشت کرایا گیا انکو جگہ جگہ روکا جاتا تھا اور ہر ہر موقع پر انکو ذلت کا سامنا کرایا جاتا تھا۔ منگلور کے تسخیر ہوجاتے پر انکو منگلور کے لشکر میں لیجایا گیا اور وہاں عین انکے خیموں کے سامنے سولیاں کھڑی کرکے انکی توہین کی گئی آخرکار اُس صلحنامے پر دستخط کیئے گئے جسکی رو سے فریقین نے اپنی اپنی فتوحات سے دست برداری داخل کردی۔ اس صلحنامے کے متعلق صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُتنا ذلت آمیز نہیں تھا جتنے وہ تمام معاہدے اور صلحنامے تھے جو مدراس گورنمنٹ پندرہ سال سے کرتی چلی آرہی تھی۔ یہ صلحنامہ کمپنی کی نیکنامی پر جس قدر داغ لگانیوالا تھا اُسی قدر قیام امن کے اغراض کے بھی منافی تھا اور اسکی وجہ سے ایک اور ایسی سخت جنگ کی ضرورت پڑگئی تھی جس سے ٹیپو سلطان کا وہ خناس نکل سکے جو اس صلح کی وجہ سے اسکے دماغ میں سما گیا تھا اور جسکا اظہار

کرنل فلرٹن کی کامیابی ۱۷۸۳ء

ادھر تو ٹیپو سلطان اپنی قوت و شہرت کو اس محاصرے پر ضائع کر رہا تھا جس میں اُسے اپنی آدھی فوج بھینٹ چڑھانی پڑی اُدھر مدراس گورنمنٹ نے ساڑھے تیرہ ہزار کی ایک فوج جزیرۂ نمائے دکن کو عبور کر کے قلب میسور میں روانہ کی اور اس فوج کی قیادت کرنل فلرٹن کو سپرد کی گئی جو کمپنی کے مردان کار میں ایک بہترین سپاہی تھا اور یہ سپہ سالار اس جنگ کو بہت جلد کامیابی کے ساتھ ختم کر دیتا مگر مدراس کے حکام کی حماقتوں نے اسکی پیش نہ جانے دی۔ کرنل فلرٹن نے پال گھاٹ کا مشہور قلعہ تسخیر کر لیا تھا اور نہایت اہم شہر کمبتور پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور وہ خاص دار الحکومت میسور کی طرف پیش قدمی کرنیوالا تھا جہاں اُسے یقینی کامیابی حاصل ہوتی کیونکہ ٹیپو سلطان کی فوج منگلور کے محاصرے میں مصروف تھی مگر کیا یک اسکے پاس مدراس گورنمنٹ کے احکام پہنچے کہ تمام فوجی کارروائیاں ملتوی کر دے اور مقبوضہ مقامات کو خالی کر دے۔ ہیسٹنگز کے مخصوص احکام کی مخالفت کر کے لارڈ میکارٹنے نے ٹیپو سلطان کے ساتھ عین اسوقت پر نامہ و پیام شروع کر دیا تھا جبکہ پیشوا معاہدہ سالبائی کی شرائط کے مطابق ٹیپو سلطان کو یہ دھمکی دے رہا تھا کہ وہ انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لے ورنہ مرہٹہ فوجوں کے مقابلے کے لیئے تیار ہو جائے۔ گورنر مدراس نے بہ اختیار خود التوائے جنگ کرنیکی بھی اطلاع تا تصفیۂ نامہ و پیام ٹیپو سلطان کو دیدی تھی اسلیئے کرنل فلرٹن کی پیشقدمی کو بھی ایکدم روک دیا گیا تھا۔ لارڈ میکارٹنے ہندوستانی رئیسوں کی اس طینت سے واقف نہیں تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ صلح کے نامہ و پیام بجائے کامیاب ہونیکے اکثر بے نتیجہ رہتے ہیں۔

ٹیپو سلطان نے حقارت آمیز خموشی کے ساتھ تین ماہ تک اس تجویز کا کوئی جواب ہی نہیں دیا اسکے بعد اُسنے اپنے ایک نہایت چالاک افسر کو حکام مدراس کو احمق بنانیکے لیئے بھیجا چنانچہ مدراس گورنمنٹ اسپر راضی ہو گئی کہ اپنی طرف سے دو سفیر ٹیپو سلطان کے لشکر میں منگلور بھیجے اس طرح ٹیپو سلطان کو یہ موقع مل گیا کہ ہر ہندوستانی رئیس تک فخریہ یہ بات پہنچائے کہ انگریزی گورنمنٹ نے بڑے رتبے والے

اور اگر وہ ضمانت نہیں دیتے یا نہیں دے سکتے تو انکو حوالات کر دیا جاتا تھا اگر انکی وہ گرفتاری ناجائز ثابت ہو جاتی تو بھی انکو اپنی اس ذلت اور زیر باری کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔

اس سے تمام ملک میں ایک مصیبت کی ایسی لہر دوڑ گئی جیسی کہ تیس سال سے مرہٹوں کے جتھوں کے زمانے کے بعد سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ زمینداروں کی گرفتاریوں اور ذلتوں نے ادھر تو زمینداروں کے رعب و داب میں اور انکی ساکھ میں فرق ڈالدیا اور ادھر رعیت کو سرکش بنا دیا کہ وہ لگان دینے میں بیباک ہو کر لیت و لعل کرتے تھے اور اگر بعض نا دہندوں کو قید کر دیا جاتا تھا تو ان کے مختار انھیں مشورے دیتے تھے کہ وہ عدالت عالیہ سے حکمنامۂ چالان جاری کرنیکی استدعا کریں چنانچہ جب وہ کلکتہ پہنچ جاتے تھے تو انکو رہا کر دیا جاتا تھا۔ ان تمام کارروائیوں کو عذر ٹھہرا کر زمیندار لوگ اپنی طرف کے مطالبات گورنمنٹ کے خزانے میں داخل کرنے سے لیت و لعل کرنے لگے اور چونکہ اس زمانے میں گورنمنٹ کی آمدنی کا بڑا انحصار لگان اراضی ہی پر تھا اسلیئے گورنمنٹ کے خزانے کو سخت خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔

صوبے کا محکمہ گیرائی جس سے متعلق ایک کروڑ تین لاکھ رعایا کے جان و مال کی نگہداشت تھی۔ نواب مرشد آباد اور اس کے گیرائی (صفحہ ۶ و فوجداری حکام کی سپردگی میں دیا ہوا تھا۔ لیکن عدالت عالیہ کے جج یہ کہتے تھے کہ نواب محض ایک کابوس ہے۔ ایک کٹھ پتلی ہے۔ جسکو کسی قسم کے اختیارات عمل میں لانیکا کوئی حق نہیں ہے بلکہ ایک موقع پر تو انہوں نے نواب کے خلاف اپنی حقارت آمیز رائے کو شائع بھی کرا دیا۔ عدالت عالیہ کا یہ دعوے تھا کہ صوبہ جات کی جو عدالتیں کمپنی کی گورنمنٹ نے قائم کی تھیں انکے احکام کٹھ پتلیوں کے بادشاہ کے حکموں سے بہتر کوئی اصلیت نہیں رکھتے تھے۔ انکی نظر میں خود ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی ہندوستان میں کوئی اختیارات حاصل نہیں تھے سوائے اسکے کہ وہ ایک تجارتی

اسکے اس اظہار مباہات سے ہوتا ہے۔۔

"انگریزی وکیل صلحنامے کے کاغذات کو ہاتھ میں لیئے اپنے سر عجز ننگے کیئے دو گھنٹے تک کھڑے ہر طرح کی خوشامدوں اور التجاؤں کے ساتھ خواستگار رحم ہوتے رہے۔ پونا اور حیدر آباد کے وکلانے بھی نہایت عاجزانہ التجائیں انکی سفارش میں کیں چنانچہ حضرت سلطان ظل سبحانی کو آخر کار انکے حال زار پر رحم آگیا اور انکی عرضداشت منظور فرمائی"

فصل پنجم

عدالت عالیہ چیت سنگھ بیگمات اودھ۔ عہد ہیسٹنگز کا اختتام انگلستانی معاملات

عدالت عالیہ ۱۷۷۴ء

اب ہم پھر بنگال کے واقعات کو لیتے ہیں۔ بنگال میں جو عدالت عالیہ ۱۷۷۴ء میں قائم کی گئی تھی اسکی غرض یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں کے پنجے سے نجات دلائے اور انگریزوں کو انکے اپنے قانون کی برکتوں سے متفیض کرے۔ جو جج مقرر کیئے گئے تھے وہ انگریزی قانون کے ہر شعبے کو استعمال کرنیکے مجاز کیئے گئے تھے۔ اور ان کو شاہی عدالت کے پورے اختیارات عطا کیئے گئے تھے اس طرح جان بوجھکر یا لاعلمی سے پارلیمنٹ نے اس نئی مملکت میں دو مجاز حکومتیں قائم کردی تھیں اور انکے اختیارات کے حدود نہیں قائم کیئے تھے چنانچہ اُن میں تصادم ہونا ناگزیر تھا جو ہو کر رہا۔ پہلی ضرب اس دوعملی کی زمینداروں پر پڑی۔ زمینداروں کا یہ دستور تھا کہ اپنی رعیت سے اپنے مطالبات لگان سختی کر کے وصول کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ بغیر سختی کے بیباقی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ عدالت عالیہ نے اپنے اجلاس شروع کرتے ہی ایسے زمینداروں کے خلاف گرفتاری کے حکمنامے جاری کرنے شروع کر دیئے جن پر مختاروں اور وکیلوں کی ترغیب سے رعیت نے نالشیں عدالت موصوفہ میں دائر کردی تھیں۔ یہ زمیندار زبردستی کلکتہ کی عدالت میں گھسیٹ کر لائے جاتے تھے

باب سوم فصل پنجم

اثنا میں ہسٹنگز نے ایک اور علاج بہت اچھا یہ کر دیا اس نے کمپنی کے آخری مرافعے کی عدالت یعنے صدر عدالت میں چیف جج کی جگہ عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کو سات ہزار روپے مشاہرے پر پیش کی۔ چیف جسٹس موصوف نے اس عہدے کو قبول کر لیا مگر مشاہرہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس انتظام کے ہوتے ہی شاہی عدالت کی تمام دراز دستیاں فوراً رک گئیں۔ اس تقرر پر لیڈن ہال اسٹریٹ اور ایوان عام میں سخت نکتہ چینی کی گئی اور چیف جسٹس سر الیجا کو فوراً انگلستان بلا لیا گیا۔ یہ انتظام ملک کے اغراض کے لئے حد درجہ مفید ثابت ہوا۔ ہسٹنگز نے تمام جوڈیشل صیغے کو از سر نو ترتیب دے لیا تھا اور اگرچہ اس نے کمپنی کے ملکی ملازموں میں سے بہترین حکام منتخب کر کے عدالتوں کے حاکم بنائے تھے مگر وہ سب قانونی کام کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے چیف جسٹس سر الیجا نے جو بڑی قابلیت اور تجربے کا مقنن تھا ان تمام نو آموز افسروں کے کام کو ضابطے ور قاعدے کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اس غرض کے لئے چیف جسٹس مذکور نے قوانین کا ایک ضابطہ تیار کیا جو نہایت واضح تھا طوالت سے خالی تھا اور ہندوستانی طبیعت کی سادگی کے لئے نہایت موزوں تھا اور بعد کو جتنے قوانین بنے ہیں اُن سب کا سنگ بنیاد یہی ضابطہ ہوا ہے۔

جیت سنگھ

اس زمانے کی مالی مشکلات بمقابلہ گزشتہ سال کے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ حیدر علی کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی جو تمام کرناٹک کو روندے ڈال رہا تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی۔ تمام فوجی کارروائی کے مصارف کی کفالت صرف بنگال پر آ پڑی تھی کیونکہ یہی ایک صوبہ ایسا تھا جہاں آمدنی ہوتی تھی۔ گراں بار قرضے لئے جا چکے تھے اور حکومت کی ساکھ میں فرق آنے لگا تھا اور ہسٹنگز اب ایسے سامان ڈھونڈنے لگا جس کو خدا پیدا کر دیتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی آئین کے مطابق ایک باجگذار رئیس ہمیشہ اسکا ذمہ دار تھا کہ جب کبھی اسکے مالک کو ضرورت

جماعت تھی بلکہ وہ کہتے تھے کہ خود گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل بھی اُن کے
فیصلوں کے موافق عمل کرنیکا پابند ہے اور اگر گورنر جنرل یا کوئی دوسرے
ملکی حکام عدالت عالیہ کے حکم نامہ جات کی نافرمانی کریں تو وہ سب قابل
مواخذہ ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ جج جو کچھ کرتے اور کہتے تھے اپنے
ایمان سے کہتے اور کرتے تھے مگر مصیبت تو یہ تھی کہ یہاں حکومت کی بنیادہی
متزلزل ہوئی جارہی تھی اور تمام ملک پر ایک طوائف الملوکی کا دورطاری
ہوجانیکا خطرہ لگا ہوا تھا۔

عدالت عالیہ کی درازدستی کیجرا کے مقدمے میں اپنی انتہا کو پہنچگئی۔ ایک
ہندوستانی نے ایک راجہ پر ایک مقدمہ دائر کیا جو کلکتہ سے فاصلے پر رہتا تھا
اور عدالت عالیہ کے حدود اختیار سے باہر تھا۔ لیکن دو پولس کے افسر اشی پولیس
مسلح سپاہیوں کے ساتھ راجہ پر حکمنامۂ گرفتاری کی تعمیل کرنیکو عدالت عالیہ
کی طرف سے بھیجے گئے تاکہ راجہ کو کشاں کشاں کلکتہ میں لائیں۔ یہ جمعیت راجہ کے
زنان خانے میں گھس گئی اور گھر کے بتوں پر بھی قبضہ کرلیا مگر خود راجہ کسیطرح بچکر نکل گیا
اس وقت ہسٹنگز کو خیال ہوا کہ گورنمنٹ کا وقار قائم رکھنے اور
اس کی رعایا کی حفاظت کرنیکا موقع ہے چنانچہ اُس نے یہ حکم دیا کہ اس تمام
جماعت کو راستے میں سے روک لیا جائے اور محبوسین کو کلکتہ پہنچنے پر خلاصی
دیدیجائے۔ آئندہ کے لیئے ایسی آفتیں نازل ہونیکا سدباب کرنیکے لیئے اُسنے
ایک اعلان عام شائع کرادیا کہ ہر طبقے کے جاگیردار عدالت کے حدود اختیار سے
اپنے تئیں باہر سمجھیں سوائے اُن خاص جاگیرداروں کے جو اپنی ذات کو
اپنی خوشی سے اتباع احکام عدالت کا پابند کردیں۔ اسپر عدالت نے خود
گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے خلاف ایک فیصلہ صادر فرمایا مگر آخرالذکر
نے اس فیصلے کو حقارت آمیز خموشی سے دیکھ لیا اور بس۔

انگلستان کے ایوان عام میں یوربین اور ہندوستانی دونوں
جماعتوں کی طرف سے شکایات کا تدارک فرمانیکے لیئے درخواستیں
بھیجی گئیں لیکن تین سال سے پہلے اسکا کوئی انتظام نہو سکا۔ تاہم اس

باب فصل

سب طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ اور خود اسکے اور اسکے تیس ہمراہیوں کے پاس سوائے اپنی تلواروں کے اور کوئی بچاؤ کا ذریعہ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے وہ گروہ بجائے بے پناہ گورنر جنرل پر حملہ کرنے کے اپنے راجہ کے شریک ہونیکے لئے دریا پار چلا گیا۔ باوجودیکہ اس تمام صوبے میں آتش بغاوت پھیل گئی تھی مگر ہسٹنگز نے اپنے فطری استقلال کو ہاتھ سے ندیا۔ اور اسی نازک وقت میں اُس نے سندھیا کے ساتھ گفتگوئے صلح کی ابتدا کی اور اسکی تکمیل بھی کر کے صلحنامۂ سالبائی مرتب کر لیا اور یہ تمام کارروائی ایسے اطمینان اور دلجمعی سے کر لی جیسے وہ اپنے کلکتے کی کوٹھی میں بیٹھا ہوا کر رہا ہو۔ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ سندھیا کو کمپنی کے مستقبل پر کتنا اعتماد تھا کہ باوجودیکہ اسکو تمام صورت حالات کا علم تھا مگر اس نے کمپنی کے پیش کردہ شرائط نامے پر اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ تھوڑے سے عرصے میں ہر طرف سے امدادی فوجیں پہنچنی شروع ہو گئیں لیکن ہسٹنگز اپنی اس حالت کو قابل اطمینان نہ پاکر رات کے وقت ایک کھڑکی میں سے اپنی جان بچاکر نکلا اور خود ایک کشتی کو کھیتا ہوا چنار گڈھ پہنچ گیا۔

چیت سنگھ کی شکست ۱۷۸۱ء راجہ نے بیس ہزار فوج جمع کر لی تھی مگر اس فوج کو متواتر شکست ہوئی اور اسکا آخری قلعہ بجگڈھ جس میں اس کا سارا مال متاع تھا اسکی رانیوں نے حوالے کر دیا۔ انگریزی فوج کے کمانڈر میجر پوپہم نے ہسٹنگز کے ایک خط کے کسی بے احتیاطی کے جملے سے غلط فہمی میں پڑکر راجہ کا چالیس لاکھ کا خزانہ فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم کر دیا جس سے ہسٹنگز کو سخت صدمہ ہوا کیونکہ وہ اس روپے سے کمپنی کی مالی مشکلات کے رفع کرنے میں کام لینا چاہتا تھا۔ ہسٹنگز کی تمام ملازمت میں یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکے لئے کوئی معقول عذر پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ سلطنت کی ایک اشد ضرورت کے وقت ہسٹنگز کا اپنے ولی نعمت کی امداد کرنیسے پہلوتہی کرنا سخت نافرمانی تھی مگر پچاس لاکھ کا جرمانہ صرف پانچ لاکھ کی ادائیگی میں تساہل کرنے پر

پڑے تو وہ غیر معمولی امداد کے مطالبے کی تعمیل کرے۔ جیت سنگھ راجہ بنارس کے دادا نے اپنے زمانے کی طوائف الملوکی میں اپنے لئے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرلی تھی جو وہ نواب وزیر اودھ کے جاگیر دار کے طور پر اپنے قبضے میں رکھتا تھا۔ مسٹر فرانسس نے نواب وزیر کو مجبور کرکے یہ جاگیر کمپنی کیطرف منتقل کرائی تھی اور ایک سند اسکے متعلق دیدی تھی جسکی رو سے جاگیر دار کو پچیس لاکھ روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس وقت ہسٹنگز نے جیت سنگھ سے پانچ لاکھ نقد اور بہار کی حفاظت کے لئے دو ہزار سوار کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ نہایت آئینی تھا اور راجہ نے کچھ عرصے تک اسکی تعمیل بھی کی لیکن بعد کو اس نے افلاس کا عذر کرکے اسکی ادائیگی سے پہلوتہی کرنی چاہی۔ ہسٹنگز کو یہ یقین دلایا گیا کہ راجہ کے پاس ڈیڑھ کرور روپیہ جمع ہے اور یہ خبر ایک حد تک صحیح بھی تھی۔ چنانچہ ہسٹنگز نے جیت سنگھ کے لیت و لعل کو جرم سے تعبیر کیا اور بقول خود یہ عزم کرلیا کہ اس سے اسکی معافی کا معاوضہ داخل کرائیگا اور اسکے قصور ادائیگی قرض کا سخت انتقام لیگا اور اسکے اس جرم سے کمپنی کو فائدہ پہنچانیکا ایک ذریعہ نکالیگا۔ غرض یہ ہسٹنگز کو ۱۷۸۱ء میں خود بنارس جانیکی نوبت آئی اور راجہ نے اسکی ناراضگی کو رفع کرنیکے لئے راستے ہی میں اس سے آکر ملاقات کرلی اور اسکی خدمت میں پچیس لاکھ پیش کرنا چاہا۔ لیکن ہسٹنگز نے اپنا مطالبہ بڑھا کر پچاس لاکھ کردیا تھا۔ بنارس پہنچکر ہسٹنگز نے راجہ کے ذمے جتنے الزام تھے انکی ایک تحریری تفصیل اسکے حوالے کی اور راجہ کو حراست میں لے لیا اور اسکے محل پر پہرہ بٹھانے کی غرض سے جو دو کمپنیاں دیسی سپاہ کی لایا تھا وہ متعین کردیں۔ اسپر تمام آبادی مشتعل ہوکر ان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑی اور چونکہ وہ اپنے ساتھ کوئی مخزن نہیں لائے تھے اسلئے جوش اشتعال میں رعیت نے ان سب کو مع انکے تمام افسروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ ایسے طوفان بے تمیزی میں راجہ بھی دریا پار کرکے فرار ہوگیا اور گورنر جنرل کی حالت نہایت مخدوش ہوگئی۔ اس وقت وہ ایسے شہر میں تھا جو اپنی شورش پسندی کے واسطے مشہور تھا اور ایک شعلہ خو مخلوق اسے

باب سوم
فصل پنجم

بیگمات کا حق کلکتہ گورنمنٹ کی مہر کے ذریعے سے تسلیم کیا جا چکا تھا اور اس مہر کا احترام واجب تھا۔ ہسٹنگز کو خود اس کارروائی کے سفلہ پن کا اتنا کم خیال تھا کہ اسے یہ گمان بھی نہیں گزرا کہ اسکے پاکباز مخالفین اسکا بتنگڑ بنا کر کھڑا کر دینگے لیکن بعد کی نسلوں نے اخلاق انسانی کی حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے اور آداب ملازمت کی اچھی طرح چھان بین کر لی ہے اور باوجودیکہ ہسٹنگز کو اس لین دین میں کوئی ذاتی غرض نہیں تھی اور اسکی اس حرکت کی محرک کمپنی کے اغراض کے ساتھ وابستگی ہوئی تھی پھر بھی اس پر عام لعنت ملامت کیجا چکی ہے ۔

ہسٹنگز کا اختتام عہد حکومت ۱۷۸۳ء

غرض یہ کہ مجلس انتظامیہ نے ان تمام کارروائیوں کو سختی سے ناجائز قرار دیا اور اسکی کونسل کے ممبر بھی اس وقت اسکی مخالفت کرنے میں متفق ہوگئے چنانچہ اُس نے نہایت سچی یہ شکایت کی تھی کہ تمام ہندوستان کی حفاظت کا ذمہ دار تو اُسے اکیلے کو بنا دیا گیا تھا یعنے سب کے سب اپنے ڈھنگوں سے اسکی سلامتی کو خطرے میں ڈالتے جا رہے تھے اور اب جبکہ اسکی ذلت کے اسباب کو ہندوستان کے ہر دربار میں مشتہر کیا جا رہا ہے تو تمام کونسل میں اسکی طرفداری میں صرف ایک رائے رہگئی ہے۔ ۲۰۔ مارچ ۱۷۸۳ء کو جو مراسلہ اُس نے مجلس انتظامیہ کے ملاحظے کے لئے ارسال کیا تھا اُس میں اُس نے اول تو اُس صبر و استقلال کا تذکرہ کیا جسکے ساتھ اُس نے ان تمام ذلتوں کو گوارا کر لیا تھا جو اوپر تلے اُسے

(صفحہ ۲۱)

اس طویل دور ملازمت میں پہنچائی گئی تھیں اور پھر صاف الفاظ میں گورنمنٹ کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرنیکا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ مجلس انتظامیہ کے احکام کی تعمیل میں وہ ۱۷۸۴ء میں خود لکھنؤ گیا اور وہ جاگیریں بیگمات کے لئے بحال کیں جو اُن سے ضبط کر لی گئی تھیں۔ نواب وزیر اودھ کے ساتھ کمپنی کا تمام حساب و کتاب طے کیا اور انگریزی ریزیڈنٹ کو وہاں سے ہٹا لیا۔ کلکتہ پہنچکر اُس نے تمام ہندوستانی رئیسوں کو الوداعی خطوط لکھے کیونکہ سب کے سب اسکی نہایت عزت کرتے تھے اور فروری ۱۷۸۵ء میں انگلستان

باب سوم
فصل پنجم
(صفحہ ۲۰۹)

کردینا بالکل انتقامی کارروائی تھی اور اسکو اسکے عہد حکومت پر ایک بدنما دھبہ سمجھا گیا ہے۔ راجہ کے خزانے کا اس طرح ضائع ہو جانا ہسٹنگز کے لیئے نہایت پریشانی کا باعث ہوا۔ اس وقت میدان میں ساٹھ ہزار فوج تھی اور خزانہ بالکل خالی تھا۔ نواب وزیر اودھ کے ذمے کمپنی کا بقایا ڈیڑھ کرور روپیہ تھا اور ہسٹنگز نے اس وسیلۂ آمدنی کی طرف نظر اُٹھائی مگر قبل اسکے کہ اسمیں وہ کوئی کارروائی کرے نواب وزیر خود اسکی خدمت میں چنارگڑھ حاضر ہوا اور اسے یہ اطلاع دی کہ اودھ کا خزانہ بالکل خالی ہو گیا ہے اسلیئے علاقۂ اودھ کی حفاظت کے لیئے جو انگریزی فوج رکھی گئی ہے اب اسکی کفالت ممکن نہیں۔ اسکے بعد وزیر اودھ نے بیگمات کے خزانے کا اشارتاً تذکرہ کیا اور ترکیب سے یہ بھی کہہ گیا کہ اگر اس خزانے کی ضبطی کی اجازت مل جائے تو کمپنی کے مطالبات ادا ہو سکتے ہیں۔ اسکے ساتھ یہ بھی اطلاع ہسٹنگز کو دیگئی مگر اسکا لانیوالا کرنل ہینے کا سا غیر معتبر راوی تھا کہ بیگمات اودھ نے چیت سنگھ کی اس بغاوت کو امداد دی ہے۔ اور اسکی فوج اور روپے سے مدد کی ہے۔ چنانچہ سراسیمگی کے عالم میں اسوقت ہسٹنگز کے دل میں یہی آیا کہ ان بیگمات نے کمپنی سے جنگ کی ہے اور اُس نے نواب وزیر کے اصرار پر عمل کر کے اُسے یہ اجازت دیدی کہ بیگمات پر ہاتھ صاف کرلے۔ چنانچہ ۱۷۸۲ء میں ان بیگمات کے تہہ خانوں سے چھتیس لاکھ روپیہ زبردستی نکالا گیا اور کلکتے بھیجا گیا مگر یہ روپیہ اسوقت تک نہیں نکل سکا جب تک انکے دو خواجہ سراؤں کو انتہا سے زیادہ اذیتیں نہ پہنچائی گئیں۔ اس تشدد کی حرکت کا ہسٹنگز کو ہرگز اُسوقت تک ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک کہ اس تمام معاملے کو اول سے آخر تک اُسکی ذاتی بے انصافی سے نہ تعبیر کیا جائے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ اس خزانے پر بیگمات کا کوئی جائز حق نہیں تھا۔ یہ ریاست کی ملکیت تھی اور ریاست کے ذمے جو مطالبات تھے اسکی ادائیگی کے لیئے کام میں لایا جانا چاہیئے تھا مگر اسپر بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس وقت سے چھ سال پہلے اس خزانے پر

باب سوم
فصل پنجم

گئے۔ لیکن اس تمام تماشے میں سب سے زیادہ قابل یادگار وہ منظر تھا جسکو نجوم خرد کی کہکشاں سے تعبیر کرنا چاہیے یعنی منتظمین ایوان کی نشستیں جنکو فاکس برک۔ شیریڈان اور گرے اور ونڈھم جیسے قابل لوگ زینت دیرہے تھے جنکے نام انگلستان کی تاریخ میں بقائے دوام کی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اس عظمت وشان کی مجلس کے سامنے وہ وارن ہسٹنگز جو کبھی اقلیم ہند کے راعی ورعایا کو فرامین ہدایات نافذ کیا کرتا تھا اس وقت اپنی ملزمیت کا فرمان سننے کے لیئے کھڑا کیا گیا تھا۔ مقدمے کی پیروکاری جمہوریت پسند (صفحہ ۲۱۱)

(Whigs) فرقے کے سپرد تھی جس نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا جس سے بہتر آجتک دیکھنے میں نہیں آئی مگر ایسی مخاصمانہ پیروی کی کہ اسکی بھی آجتک نظیر نہیں ملتی ہے۔ پیروکاران سرکار نے ہسٹنگز کے واسطے سارق۔ ظالم۔ غارتگر۔ فریبی۔ جعلساز۔ ٹھگ۔ بے ایمانوں کا سردار اور دوزخ کے بچھو کے القاب سے یاد کیا اور پھر بھی اُنھیں یہ افسوس رہا کہ اسکے جرائم کی پوری تشریح کرنیوالی صحیح اصطلاحات انگریزی کی زبان میں نہیں ملتیں۔ یہ مقدمہ سات سال تک گھسٹا اور اسکا اختتام ہسٹنگز کی کامل اور باعزت بریت پر ہوا لیکن اسمیں اسکے دس لاکھ روپے خرچ ہوگئے اور وہ بالکل قلاش ہوکر رہگیا ۔

ہسٹنگز کی شخصیت

ہسٹنگز کے عہد حکومت کا سب سے بڑا عیب جو لینے فلسفی مورخ مل بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ بلاشک وشبہ ان قابل تریں عمال میں سے تھا جنکو کبھی کمپنی نے اپنی ملازمت میں رکھا تھا بلکہ ان تمام قابل لوگوں میں ایک بھی سوائے اسکے ایسا نہ تھا جو ان دشواریوں سے حواس باختہ نہ ہوجاتا جسکا اسکو سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسمیں شک نہیں کہ اسکی بعض حرکات ضرور قابل گرفت تھیں لیکن بعض مورخ اسکے عہد ملازمت کی شان وشوکت کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اُسکے تمام قصوروں کی پردہ پوشی کرسکے اور اُسی کے زمانے کے نہایت قابل مدبر کی اسکے متعلق یہ رائے تھی کہ اگرچہ اسکا عہد حکومت عیوب سے

باب سوم
فصل پنجم

جانیوالے جہاز پر سوار ہو گیا تھا۔

ہسٹنگز پر الزامات

بادشاہ اور ملکہ نے اُسے مراحم خسروانہ کے ساتھ شرف باریابی بخشا اور مجلس انتظامیہ نے بھی نہایت شاندار الفاظ میں اسکا خیر مقدم کیا۔ اور سوائے ایک مستثنےٰ کے عام طور پر وزارت نے اسکے ساتھ دوستانہ سلوک روا رکھا اور خود مسٹر ڈانڈاس نے جس نے ایوان عام میں خاص طور سے کہ ہے الفاظ میں اسپر اظہار لعنت و ملامت کیا تھا اس وقت اس کو شہنشاہ ہند کے لقب سے یاد فرمایا۔ لیکن وزیر اعظم مسٹر پٹ نہایت سختی سے اسکے خلاف تھا۔ اُس نے اگرچہ اسکی قابلیت اور کامیابی کی داد دی مگر بادشاہ کو یہ صلاح دینے سے انکار کیا کہ اسے کسی قسم کا اعزاز یا منصب عطا فرمایا جائے ریڈ منڈ برک جس نے سیاسیات ہند کا مطالعہ کرنا عرصے سے اپنا خاص مشغلہ بنا رکھا تھا ہسٹنگز کا اس درجے مخالف ہو گیا تھا کہ اسکی مخالفت عناد تک پہنچ گئی تھی۔ پھر اب مسٹر فرانسس کو پارلیمنٹ کی ممبری مل چکی تھی اور اُس نے برک کے کان ہسٹنگز کے خلاف اپنے ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے اس درجے بھر دیئے تھے کہ برک نے اسکی تمام کارروائیوں کو ایوان عام میں مجرمانہ ثابت کرنا چاہا۔

چنانچہ ۱۷۸۶ء میں ایوان عام کو یہ ترغیب دے لی گئی کہ بائیس الزامات کی وجہ سے ہسٹنگز کو ایوان خاص کے سامنے ضابطے کی جوابدہی کے لئے ملزم بنا کر کھڑا کیا جائے۔ ان میں سے تین الزام خاص طور سے سنگین تھے یعنے رہیلوں کے ساتھ جنگ کرنا۔ چیت سنگھ کے ساتھ بدسلوکی کرنا اور بیگمات کے خزانے پر ہاتھ صاف کرنا۔ باقی کے الزامات تو مسٹر فرانسس کے بغض و عناد کے کرشمے تھے۔ یہ مقدمہ ۱۳۔ فروری ۱۷۸۸ء کو شروع ہوا اور اس سے سو برس پہلے جو پادریوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا اسکے بعد سے انگلستان بھر میں اس سے زیادہ دلبستگی کا اظہار انگلستان میں اور کسی مقدمے کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ ملکہ معظمہ۔ شہزادیاں۔ ولیعہد سلطنت اور دوسرے شہزادے اور تمام امرائے دولت اپنے لباس قاقم زیب تن کئے شاہانہ وضع کے ساتھ مقدمے کی افتتاحی کارروائی ملاحظہ کرنیکے لیئے ویسٹ منسٹر ہال کو

باب سوم
فصل پنجم

کثرت رائے سے ہسٹنگز کو بلا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجلس انتظامیہ نے اس فیصلے کو منظور کر لیا تھا مگر حسن اتفاق سے اسوقت مجلس مالکان میں اپنی اعلیٰ مجلس کے مقابلے میں زیادہ قابل اور معاملہ فہم ارکان تھے اور اس مجلس نے ہسٹنگز کی اعلیٰ خدمات کے لئے اسکے شکریے کی تجویز منظور کی۔ ہندوستان میں جو گراں قیمت لڑائیاں ہوئیں انکی وجہ سے جن مالی مشکلات میں کمپنی کو مجبور ہو کر ایوان عام سے ایک کرور قرضے کی استدعا کرنی پڑی۔ جو منظور فرمالی گئی مگر اس امنظوری سے کمپنی کی حیثیت اور کمزور ہوگئی جو پہلے ہی سے ان کمیٹیوں کی مخالف رپورٹوں سے کمزور ہوتی چلی تھی چنانچہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو از سر نو ترتیب دینے کے لئے ایک عام تحریک پیدا ہوگئی تو

فاکس کا انڈیا بل ۱۷۸۳ء

اس وقت مسٹر فاکس نے بہ حیثیت وزارت اتحاد کے سر پنچ کے اپنا انڈیا بل پیش کیا جسکا مسودہ اسکے ہم عصر مسٹر برک نے تیار کیا تھا۔ اس تجویز کا منشا یہ تھا کہ گورنمنٹ کے تمام اختیارات چار سال کے لئے کمپنی سے ایک جماعت (Board of Control) نگران کار کی طرف منتقل کر دیئے جائیں جس میں ایسے سات ارکان ہوں جو اول الوان عام کی طرف سے اور پھر خاص بادشاہ کی طرف سے نامزد کیئے جائیں اور تجارت کا انتظام نو مددگار منتظموں کے ذریعے سے کیا جائے۔ اس وقت اس رقم کا اندازہ کیا گیا جو انڈیا ہاؤس کے ذریعے سے کمپنی کے ملازموں پر خرچ کی جاتی تھی تو یہ معلوم ہوا کہ اس سرپرستی میں سالانہ دو کرور روپیہ خرچ ہوتا تھا اس لئے یہ طے کر لیا گیا کہ اگر ان اختیارات کو بھی وزارت اپنی طرف منتقل کرلیگی تو اس سے کمپنی کا تمام نظام ہی درہم برہم ہو جائیگا۔ مجلس انتظامیہ کو اس بل سے اپنے بالکل فنا ہو جانیکا خدشہ پیدا ہو گیا اور اس نے تمام لندن میں یہ شکایت پھیلادی کہ کمپنی کے دستاویزی حقوق کو اس بل کے ذریعے سے پامال کیا جا رہا ہے اور عام مخلوق کے جذبات کو ایک سوانگ نکال کر اور مشتعل کر دیا جس میں مسٹر فاکس کو اس روپ میں دکھایا گیا تھا کہ گویا کارلو خان[1] اس کا نام ہے اور اپنے ہاتھی پر بیٹھا ہوا انڈیا ہاؤس پر حملہ

[1] ظرافت سے مسٹر فاکس کا نام کارلو خان بنالیا ہے۔

باب سوم
فصل پنجم

بالکل پاک نہیں ہے مگر وہ اس لائق ہے کہ اگر اسکے سر میں کوئی جگہ بھی بالوں سے خالی ہو تو اسکو پھولوں کے سہروں سے ڈھانپ دینا چاہیئے۔ ایسے وقت میں جبکہ انگلستان کا بادشاہ اور اسکے وزرا ملک مغرب میں ایک سلطنت ہاتھ سے کھو رہے تھے وہیسٹنگز مشرق میں نئی ایک نئی سلطنت قائم کر رہا تھا جب اُس نے زمام حکومت ہاتھ میں لی ہے تو کمپنی کی حکومت صرف وادی گنگا تک محدود تھی۔ وہ الحاق ممالک کا مخالف تھا اور در اصل اُس نے کسی علاقے کا الحاق کیا بھی نہیں۔ لیکن اسکے حوصلے کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ کمپنی کے اثر و اقتدار کو ہندوستان کے ہر دربار تک پہنچا کر اسکو اقلیم ہند کی مقتدر ترین دولت بنا دے اور یہ مقصد وہ باوجود ہر قسم کی مشکلات کے حاصل کر کے رہا جس وقت وہ ملازمت سے سبکدوش ہوا ہے تو کمپنی کو ہندوستان بھر میں سب سے مقتدر اور سب سے زبردست قوت تسلیم کر لیا گیا تھا جسکی ایک نظر مہر کے متلاشی اور جسکے اندازۂ قہر سے ڈرنیوالے ٹیپو سلطان نواب نظام الملک اور پانچوں مرہٹے رئیس تھے علاوہ بریں اب تک کسی برطانوی حکمران نے اس درجہ عظمت اور سچی محبت رعایا کے دل میں اپنی طرف سے نہیں پیدا کی جتنی اس نے کی اور اب سو برس بعد بھی ہسٹین صاحب کا نام بڑی عزت کے ساتھ زبانوں پر آتا رہتا ہے؛

کمیٹیوں کی رپورٹیں

۱۷۸۱ء میں کلکتہ کے باشندوں کی عرضیاں عدالت عالیہ کی زیادتیوں کے خلاف ایوان عام میں پیش ہو کر ایک ایسی کمیٹی کے سپرد کر دیگئی تھیں جسکی روح رواں مسٹر برک تھا اور اس کمیٹی نے بارہ قابلانہ رپورٹیں پیش کر دی تھیں۔ حیدر علی کی کرناٹک کی یورشوں کی اطلاع وصول ہونے پر ایک خفیہ کمیٹی مقرر کیگئی تھی جسکا صدر مسٹر ڈنڈاس مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں ہسٹنگز اور گورنر بمبئی و مدراس پر الزام لگایا تھا اور یہ تجویز کی تھی کہ ہسٹنگز کو بنگال سے اور مسٹر ہارن بی کو بمبئی سے واپس بلا لیا جائے کیونکہ انھوں نے وہ طرز عمل اختیار کیا تھا جو قوم کی عزت اور اصول عمل پر دھبہ لگانیوالا تھا اور جسکی وجہ سے ہندوستان مصیبتوں کا اور کمپنی پر غیر ضروری اخراجات کا بار پڑ گیا تھا۔ ایوان عام نے

(صفحہ ۲۱۶)

باب سوم
فصل پنجم

بے نتیجہ حق اب بھی انھیں حاصل تھا لیکن سیاسی حیثیت سے انکا عدم و وجود برابر کر دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسکے یہ بھی ایک علیحدہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ فتوحات کے منصوبوں پر عملدرآمد کرنا یا الحاق علاقہ جات کی کارروائی کرنا برطانوی قوم کی مرضی۔ اصول عمل اور عزت کے خلاف ہے۔ لیکن ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی توسیع کو روکنے کی اس کوشش نے بھی صرف یہ ثابت کیا کہ آدمی کے ارادے خدا کے ارادوں کے سامنے کس قدر ہیچ ہیں ؂

نواب ارکاٹ کے قرضے ۱۷۸۴ء

مسٹر ڈنڈاس کو اس جماعت نگران کار کا صدر مقرر کیا گیا اور پہلا سوال جو اسکے سامنے پیش کیا گیا وہ نواب ارکاٹ کے قرضوں کے متعلق تھا۔ کئی سال سے اس نواب کا گزارہ ایسے قرضوں پر چل رہا تھا جو بھاری بیاج اور سود پر دیئے جاتے تھے اور جنہیں وہ کرناٹک کے اضلاع برابر مکفول کرتا چلا جاتا تھا۔ جب اس نواب کے دربار کو ارکاٹ سے مدراس میں منتقل کر دیا گیا تو مدراس بھی سازشوں اور جعلسازیوں کا آماجگاہ بن گیا۔ ہر طبقے کے لوگ کمپنی کے ملازم اور غیر ملازم حتیٰ کہ ممبران کونسل تک اس لین دین کے کاروبار میں مصروف و مشغول ہو گئے کیونکہ یہ روپیہ کمانیکا نہایت آسان ذریعہ نکل آیا تھا ہر شخص کو یہ شوق تھا کہ اس سونیکے درخت تک پہنچ جائے جو بقول ان لوگوں کے اس وقت پوری بہار پر تھا۔

جس وقت ہسٹنگز نے حیدر علی کے ساتھ جنگ ہوتے وقت کرناٹک کی آمدنی کو جنگی مصارف کی کفالت کے لیئے اپنے ہاتھ میں لیا تو اُس نے کرناٹک کے وسائل پر سے اس بارگراں سنگ کو ہٹانیکی خاطر ان قرضوں کا معاملہ باہمی سرسری طور پر طے کرنا چاہا۔ اور یہ تجویز کی کہ سود میں سے چوتھائی وضع کر کے ایک خاص میعاد تک سود اس پر لگا کر کل مقدار قرضہ متعین کر دی جائے اور یہ مقدار بالاقساط ادا کر دی جائے۔ لیکن قرضخواہ کسی ایسی تجویز پر رضامند ہونیکو تیار نہیں تھے جس سے یہ انکا سونیکا درخت ہی

(۲۴۴)

باب سوم فصل پنجم

کررہا ہے۔ لیکن ایوان عام نے اس بل کو ایک کے مقابلے میں دو کی کثرت رائے سے منظور کرلیا۔ اسکے بعد یہ چال چلی گئی کہ بادشاہ کو یہ یقین دلایا گیا کہ اس تجویز کے یہ معنے ہیں کہ بادشاہ اپنا تاج اپنے فرق مبارک سے اُتار کر مسٹر فاکس کے سر پہ رکھدیگا چنانچہ بادشاہ نے ایک غیر آئینی اثر استعمال کرکے ایوان خاص کو اپنے موافق کرکے اس بل کو نامنظور کرادیا اور بادشاہ نے اُسی شب اس وزارت کو توڑدیا۔

مسٹر پٹ کا انڈیا بل ۱۷۸۴ء | اسکے بعد مسٹر پٹ جسکی عمر چوبیس سال کی تھی وزیر بنایا گیا اور انصرام حکومت انگلستان اسکے ہاتھ میں

(صفحہ ۲۱۳)

دیا گیا۔ اُس نے اپنی طرف سے ایک انڈیا بل پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ ایک جماعت نگران کار بادشاہ کی طرف سے مقرر فرمائی جائے جسکو یہ اختیارات ہوں کہ ہندوستان کے مالیہ کی اور ملکی اور فوجی نظام حکومت کے متعلق تمام کارروائیوں کی معاملات کی اور دیگر متعلقات کی جانچ پڑتال اور نگرانی کرے اور مناسب ہدایات صادر کرے۔ اسکے ساتھ ہی ایک خفیہ کمیٹی جس میں مجلس انتظامیہ کا ایک صدر۔ ایک نائب صدر اور ایک اعلیٰ ممبر رکھا گیا تھا اس غرض سے قائم کی جائے کہ وہ جماعت نگران کار کے زیر ہدایات کام کرے اور جتنے مراسلات کوئی اہمیت رکھنے والے ہوں انکی درآمد برآمد کی ذمہ دار ہو۔ اس طرح مجلس انتظامیہ کے باقی اکیس ممبروں کو ہندوستان کے نظام حکومت سے بالکل بیدخل و بے اثر کردیا گیا تھا۔ مسٹر فاکس کی تجویز نے کمپنی کو بالکل ہی فنا کردیا تھا مگر مسٹر پٹ کی تجویز کے مطابق کمپنی کے پاس اپنی مالی سرپرستی باقی رہگئی تھی اور اپنی معاشرتی حیثیت سلامت رہگئی تھی اور اپنے جاہ و منصب کی آرائش موجود رہگئی تھی مگر جو حقیقی اختیارات تھے وہ سب سلطنت کی طرف منتقل ہوگئے تھے۔ وہ مالکان کمپنی جنھوں نے حال ہی میں ایوان عام کے ہسٹنگز کی معزولی کے فیصلے کو ایک طرف اوٹھاکر رکھدیا تھا اب جماعت نگران کار کے فیصلوں میں کسی قسم کی مداخلت کرنیکے بھی قابل نہیں رکھے گئے تھے۔ اگرچہ بحث مباحثے کا

باب سوم
فصل پنجم

تازہ بتازہ قرضے لینے شروع کر دیئے اور جس وقت پرانے قرضوں کی آخری قسط ادا ہوئی ہے اس وقت نئے دعوے تیس کرور کی مالیت کے پیش کیئے گئے۔ اب پارلیمنٹ نے یہہ ارادہ کیا کہ ان تمام دعووں کی سختی سے جانچ کیجائے اور مدراس میں ایک جماعت انکی تحقیقات کے لئے مقرر کی گئی اور دوسری جماعت لندن میں مدراس والی جماعت کے فیصلوں کی اپیل سننے کے لیئے ترتیب دیگئی۔ ان دونوں جماعتوں کو پچاس سال تک کام کرنا پڑا جسپر ہندوستانی گورنمنٹ کا ایک کرور روپیہ صرف ہوا مگر وہ مطالبات تیس کرور سے ڈھائی کرور پر آکر ٹھیرے کو

کرناٹک کی آمدنی ۱۸۰۱ء

کرناٹک کی آمدنی کے متعلق بھی مسٹر ڈنڈاس کی کارروائیاں نہایت برے نتیجوں پر پہنچیں۔ نواب کو اُس وقت مختلف ابواب سے بہت زیادہ آمدنی وصول ہونے لگی تھی جبکہ وہ کمپنی کے زیر انتظام تھے بمقابلہ اس آمدنی کے جو اسکو اپنے افسروں کے ذریعے سے انتظام کرنے میں وصول ہوتی تھی۔ مگر کمپنی کے زیر انتظام چلے جانے سے نواب کے ملازموں اور قرضخواہوں کو اب لوٹ مار کا موقع نہیں ملتا تھا اس لیئے ان لوگوں نے اُسے یہ ترغیب دی کہ انتظام مملکت کی بحالی پر اصرار کرے۔ مجلس انتظامیہ کے مشورے کے خلاف مسٹر ڈنڈاس نے یہ احکام صادر کر دیے کہ تمام اضلاع نواب کو واپس کر دیئے جائیں جسکے معنے یہ تھے کہ قرضخواہوں کے ہاتھ میں دیئے جائیں۔ ان قرضخواہوں کی بھری پانچوں گھی میں تھیں اور خود مدراس گورنمنٹ کی حالت اس وقت یہ تھی کہ کرناٹک کی حفاظت کے لیئے جو فوج رکھی گئی تھی اسکو سات ماہ کی تنخواہ بھی نہیں ملی تھی اسلیئے گورنمنٹ مذکور کا دیوالہ نکلنے والا تھا۔

(صفحہ ۲۱۵)

باب سوم
فصل پنجم

جڑ سے کٹ جاتا ہو۔

مسٹر ڈنڈاس کی غیر معمولی کارروائیاں ۱۷۸۴ء

مسٹر پٹ کے انڈیا بل میں اسکی منظوری دیگئی تھی کہ ادائگی سے پہلے ان تمام مطالبات کی تحقیقات کی جائے اور مجلس انتظامیہ نے اس تحقیقات کو بڑی سرگرمی سے شروع کیا۔ لیکن مسٹر ڈنڈاس نے اس معاملے کو مجلس انتظامیہ کے ہاتھ سے نکال لیا اور تمام مطالبات کو بلا تحقیقات ادا کر دینے کا عزم کیا۔ ہندوستانی رئیسوں کو اس راز کی خبر ہو چکی تھی کہ ہندوستانی گورنمنٹ کی مخالفت کرنیکا سب سے بہتر طریقہ انگلستان اور ہندوستان میں یہ ہے کہ بہت سی پارلیمنٹ کی ممبریاں خرید لی جائیں۔ نواب ارکاٹ نے اس تدبیر کو بڑے شاندار پیمانے پر استعمال کرنا شروع کیا۔ پال بین فیلڈ کو بہت بڑا سرمایہ دیکر لندن بھیجا گیا۔ اسنے یہ ممبریاں خرید نیکے لیئے اپنا دفتر وسٹ منسٹر میں قائم کیا اور ۱۷۸۴ء کے انتخاب عام میں آٹھ ممبر ایسے منتخب کرائے جنکی رائیں پارلیمنٹ میں وزارت کے اشارے پر چل سکتی تھیں اور مسٹر ڈنڈاس کے بلا تحقیقات ادائگی مطالبات کے فیصلے کو اسی قسم کے اثرات سے منسوب کیا جا سکتا تھا جو ایسے ممبروں کے ذریعے سے پارلیمنٹ پر ڈالا گیا تھا جو پال بین فیلڈ کے روپے کے ذریعے سے بنائے گئے تھے۔ اس لین دین میں پال بین فیلڈ کو مفت میں ساٹھ لاکھ روپیہ مل گیا۔ مسٹر ڈنڈاس کے اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتہائی مطالبات قائم ہوکر کل قرضہ اصل سوا دو کرور کا نکلتا تھا اگر کمپنی کو مع سود کے اسکی ادائگی میں پانچ کرور روپے دینے پڑے۔

نئے مصنوعی قرضے

مسٹر فاکس کے انڈیا بل میں ایک فقرہ یہ تھا کہ کمپنی کا کوئی ملازم ملکی یا فوجی اگر روپے پیسے کا لین دین آئندہ کسی دیسی رئیس کے ساتھ کریگا تو وہ قانوناً مجرم قرار دیا جائیگا لیکن مسٹر پٹ کے بل میں کوئی ایسا فقرہ نہ تھا اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ابھی پرانے قرضوں کی ادائگی کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ نواب اور اسکے دوستوں نے

باب چہارم فصل اول

اسکے برابر والے تھے۔ چنانچہ وزارت نے یہ طے کیا کہ ہندوستان کی گورنر جنرلی کے واسطے ایک نہایت معقول شخصیت کا خاندانی آدمی منتخب کیا جائے جسکو پابند کرنیوالی ہندوستانی تعلقات یا رشتہ داری کی کوئی زنجیریں نہ موجود ہوں۔ اول لارڈ میکارٹنے گورنر مدراس کو اس عہدے کے لیئے تجویز کیا گیا لیکن چونکہ لارڈ موصوف نے وزارت کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کرکے مسٹر ڈنڈاس کو اپنی طرف سے بدظن کر رکھا تھا اسلیئے لارڈ کارنوالس بجائے اُسکے نامزد کیا گیا۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے عہدے کا انصرام ۱۷۸۶ء میں لیا۔ کارکنان قضا و قدر کی یہ ستم ظریفی دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص تو ہندوستان کی حکومت کے لیئے انتخب کیا گیا جس نے مقام پارک ٹاؤن پر برطانوی فوج سے جنرل واشنگٹن کے سامنے ہتھیار رکھوا دیئے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ انگلستان کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ آدمی جس نے انتہا سے زیادہ نازک موقعوں پر ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جانیسے بچا لیا تھا ہولناک جرائم و بدکرداریوں کا الزام لگاکر اُسپر مقدمے چلائے گئے۔

(صفحہ ۲۱۶)

لارڈ کارنوالس کی حیثیت

لارڈ کارنوالس کی حکومت نہایت سازگار اسباب کے ساتھ شروع ہوئی ہسٹنگز کا عہد حکومت بالکل بیدست پائی کا نمونہ اسلیئے بنا ہوا تھا کہ انڈیا ہاؤس اور ڈاؤننگ سٹریٹ دونوں جگہوں پر اُسکے قدیم مخالفین انگلستان میں موجود تھے یعنے نہ وزارت میں کوئی اُسکا موافق تھا نہ مجلس انتظامیہ میں۔ برخلاف اسکے لارڈ کارنوالس کو مسٹر پٹ کا کامل اعتماد نصیب تھا اور وہ جماعت نگراں کار بھی اسپر بھروسہ رکھتی تھی جسکی ماتحتی میں کمپنی کی مجلس انتظامیہ تھی اور جسکا صدر مسٹر ڈنڈاس تھا۔ اسی زمانے میں گورنر جنرل کے عہدے کے ساتھ کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی شامل کردیا گیا اور لارڈ کارنوالس کو تمام فوجی انتظامات و اخراجات کو بھی اپنے قابو میں رکھنے کا بہت اچھا موقع مل گیا۔ ہسٹنگز کی کونسل بھر میں صرف اپنی واحد رائے اپنی طرفداری

باب چہارم
فصل اول

باب چہارم
فصل اول

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت - جنگ میسور

مسٹر میکفرسن قائم مقام گورنر جنرل ۱۷۸۵ء

ہسٹنگز کی روانگی کے بعد مسٹر میکفرسن کونسل کے ممبر اعلیٰ نے عارضی طور پر گورنمنٹ کا انصرام ہاتھ میں لیا۔ یہ شخص ہندوستان میں کمپنی کے ایک جہاز کا خزانچی بنکر گیا تھا لیکن ہندوستان پہنچکر اسنے نواب کرناٹک کی ملازمت اختیار کرلی اور اسکا ایک وکیل بنکر انگلستان کو گیا تھا۔ یہاں ڈیوک آف گرفٹن اسکی قابلیتوں کا بڑا قدردان تھا اور اسکے اثر سے یہ مدراس کے ملکی حکام کے زمرے میں ملازم ہوکر پھر ہندوستان آیا اور مدراس سے آخرکار ترقی پاکر بنگال کونسل کی ممبری پر سرفراز کیا گیا۔ اُسکے بائیس ماہ کے مختصر عہد حکومت کا قابل ستائش کارنامہ یہ ہے کہ اُسنے ایسی اقتصادی اصلاحات کا عملدرآمد کیا جن سے سالانہ اخراجات میں ڈیڑھ کروڑ روپے کی تخفیف ہوگئی۔

لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ۱۷۸۶ء

جنگ پلاسی کے بعد سے ایسا عملدرآمد رہا تھا کہ کمپنی کے مقبوضات کی حکومت ایسے شخص کے سپرد کردی جاتی تھی جو کہ کمپنی کے ہندوستانی عملۂ ملازمین سے تعلق رکھتا تھا لیکن بعد کو یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ ایسا آدمی اپنے مقامی معلومات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مقامی دیرینہ تعلقات کی پابندیاں اسکے واسطے مضر ثابت ہوتی ہیں اور وہ اُن لوگوں کو مشکل سے قابو میں رکھ سکتا ہے جو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے

باب چہارم
فصل اول
(صفحہ ۲۱۷)

کی حالت میں جیتا تھا وہ احمق سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے تغلب و خیانت کو نہایت عام پایا۔ خزانچی سرکاری روپے کو نرخ کے طور پر بارہ روپے سیکڑہ پر چلا رہا تھا۔ کمانڈر انچیف نے اپنے دو عزیزوں کو دو رجمنٹیں بھرتی کرنیکا بڑا کام سپرد کر رکھا تھا اور ثابت یہ ہوا کہ یہ دونوں عزیز اُن رنگروٹوں کی تنخواہیں تو برابر وصول کرتے تھے لیکن کسی ایک نفر کا وجود بھی سوائے کاغذ کے اور کہیں نہیں تھا۔ لگان اراضی کے کلکٹر جنکے ہاتھ میں فوجداری اختیارات کے حربے بھی ہوتے تھے مصنوعی ناموں سے تمام ضلع کی تجارت کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے تھے اور دھڑا دھڑ روپیہ کما رہے تھے راجہ بنارس کے دربار کے رزیڈنٹ کے عہدہ کو چار لاکھ سالانہ کی آسامی سمجھا جاتا تھا درانحالیکہ اس عہدے کی ضابطے کی تنخواہ ہزار روپے ماہانہ سے زائد نہیں تھی۔

لارڈ کارنوالس کی انتہائی پابندی ضابطہ سنہ ۸۹-۱۷۸۶ء

لارڈ کارنوالس نے ان بدکرداریوں کی اصلاح کی طرف نہایت سخت پابندی ضابطہ کے ساتھ توجہ کی۔ اُس نے کھوج لگا لگا کر جعلسازیوں کو ہر کونے سے نکالا۔ اور تمام کام دلانیوالی ایجنسیوں اور بے انتہا منافعہ اُٹھانیوالے ٹھیکوں اور اجاروں کو یکقلم بند کر دیا۔ اُس نے انگلستان کے بارسوخ و مقتدر گروہ کو اس حرکت سے بالکل روکدیا کہ وہ کبھی اپنے دوستوں یا عزیزوں کو اور کبھی اُن لوگونکو جو اُنکی قمار بازی کے تختہ مشق ہو جاتے تھے ہندوستان کی ملازمت کے واسطے بھیج سکیں حتی کہ اُس نے اس اخلاقی جرات سے کام لیا کہ ایک شخص کے متعلق شہزادۂ ولیعہد کی سفارش ماننے سے بھی انکار کر دیا اور صاف لکھدیا کہ شہزادے صاحب ہمیشہ کسی نہ کسی مہمل یا رکیک خدمت کی مجھے تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ مگر سرکاری ملازمت کی تمام گندگی اُس وقت تک بالکل صاف نہیں ہو سکی جب تک اُس نے بھی مجلس انتظامیہ کو اُسی بات کا یقین نہیں دلا دیا جسکے لیئے کلائیو اور ہسٹینگز کہتے کہتے

باب چہارم
فصل اول

برخلاف اسکے لارڈ کارنوالس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جب کبھی وہ ضرورت محسوس کرے تو اپنے تمام ہمعصر ممبروں کی رائے کو منسوخ کرکے اپنی رائے سے کارروائی کرلے۔ ہسٹنگز کے زمانے سے پہلے سے یہ رواج سا ہو رہا تھا کہ مجلس انتظامیہ کے ارکان اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو سب سے بہتر تنخواہوں کی ہندوستانی اسامیوں پر نامزد کردیتے تھے اور چونکہ ایسے لوگوں کا بلا واسطہ مجلس انتظامیہ سے تعلق ہوتا تھا اسلیئے ان تعلقات کے اثر سے گورنمنٹ کے ہاتھ انکے خلاف بہت کچھ بندھے رہتے تھے اور یہ لوگ طرح طرح کی بدکرداریوں اور زبوں کاریوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے ہسٹنگز نے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا تھا مگر اسکی اعانت کے لیئے ضابطے کی اتنی قوت انگلستان میں نہیں تھی کہ اُسے کامیابی ہوتی برخلاف اسکے لارڈ کارنوالس کو پٹ اور مسٹر ڈنڈاس کی امداد کا گھمنڈ تھا اور اُس نے اس طرز عمل کے یکقلم بند کردیئے جانے پر یہ کہکر زور دیا کہ اگر اس کو جاری رکھا جائیگا تو میں استعفا دیدونگا اسلیئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ لارڈ کارنوالس کے آتے ہی تفرقہ پردازیوں اور سازشوں کی روح ایکدم فنا ہوگئی اور گورنمنٹ کا آہنگ ہی دوبالا ہوگیا ٭

لارڈ کارنوالس کی اقتصادی اصلاحات ۸۹-۱۷۸۶ء

لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت کے پہلے تین سال بدکرداریوں کی اصلاح میں صرف ہوئے ان تمام بدکرداریوں کی وجہ موجہ یہ معلوم ہوئی کہ مجلس انتظامیہ نے زمانۂ قدیم سے یہ سفیہانہ اصول عمل اختیار کر رکھا تھا کہ کمپنی کے ملازموں کو تنخواہیں کم دی جاتی تھیں اور انکو بالائی رقوم زیادہ دلا دی جاتی تھیں۔ یہ تنخواہیں تو کمپنی کے خاص خزانے سے دی جاتی تھیں اور بالائی رقمیں رعایا کی جیبوں سے نکلتی تھیں چنانچہ بقول لارڈ کارنوالس کے حقیقت حال یہ تھی کہ جو شخص ہندوستان سے انگلستان کو دولتمند بنکر جاتا تھا وہ بددیانت سمجھا جاتا تھا اور جو مفلسی

باب چہارم
فصل اول

جو نواب ارکاٹ کا ہوا تھا۔ مگر لارڈ کارنوالس نے اودھ کی بدنظمی پر اُس کے
حکمران کے کان ضرور کھول دیئے خواہ اسکا کچھ نتیجہ نہ نکلا ہو۔ نواب
وزیر کو صرف اس سے بحث تھی کہ کسی طرح کچھ ہاتھ آئے۔ اور بس۔ اسی کا
سبب یہ تھا کہ زمینداروں کو رعیت پر چیرہ دستیاں کرنے دی جاتی تھیں۔
پھر عمال ریاست ان زمینداروں سے اُگلواتے تھے اور سب
کے بعد شاد سلامت عمال ریاست اور وزرا کی اس لوٹ میں سے
حصہ بٹاتے تھے اور یہ تمام روپیہ سیہ مستی و عیش پرستی میں صرف کیا جاتا تھا۔

گنتور سرکار ۱۷۸۸ء

نواب نظام الملک کے ساتھ جو معاہدہ ہو چکا تھا اسکی
رو سے اُن کے بھائی بسالت جنگ کی وفات کے بعد
اضلاع گنتور سرکار کمپنی کو مل جانے چاہیئے تھے۔ بسالت جنگ کا
انتقال ۱۷۸۲ء میں ہو گیا مگر نواب نظام الملک ان اضلاع کے حوالے کرنے میں
پس و پیش کرتے رہے۔ لارڈ کارنوالس کو رخصت کرتے وقت مجلس انتظامیہ
نے بتاکید یہ ہدایت کر دی تھی کہ ان اضلاع کی حوالگی کا مطالبہ ضرور کیا جائے
چنانچہ ۱۷۸۸ء میں لارڈ کارنوالس نے کچھ فوج سرحد پر ڈال دی اور رزیڈنٹ
حیدر آباد کو ہدایت کی کہ معاہدے کی پوری تکمیل کا تقاضہ کرے۔ نواب
نظام الملک نے رزیڈنٹ کی خواہشات منظور کرلیں لیکن اس کے
ساتھ ہی انگریزی گورنمنٹ کی نسبت یہ اعتماد ظاہر کیا کہ وہ بھی مستعدی
کے ساتھ معاہدے کی دوسری شرائط پر عمل کرے گی۔ وہ شرائط
یہ تھیں کہ ایک تو جب کبھی نواب نظام الملک کو ضرورت پڑے انگریزوں
کی طرف سے اُن کو دو پلٹنوں اور چھ توپوں کی امداد دی جائے
دوسرے انگریز کرناٹک اور بالاگھاٹ کو تسخیر کرکے نواب
نظام الملک کے حوالے کر دیں جن پر اس وقت حیدر علی نائک نے
زبردستی قبضہ کر رکھا تھا۔ ادھر انگریزوں کو نواب نظام الملک نے
یہ لکھا اُدھر انھوں نے اپنا سفیر ٹیپو سلطان کے پاس اس غرض سے بھیجا
کہ باہمی اتحاد کے ذریعے سے انگریزوں کا ہندوستان

باب چہارم
فصل اول

ہار گئے تھے اور وہ یہ غلط اصول کفایت شعاری تھا کہ آدمیوں کو بڑی بڑی ذمہ داری اور اعتماد کے عہدوں پر مقرر کیا جائے جہاں وہ اگر چاہیں تو ناجائز طور سے کچھ ہی مہینوں میں بڑی دولت کما لیں اور انکو معقول تنخواہیں اُن ذمہ داریوں کے قابل نہ دی جائیں۔ اس غلطی کے محسوس ہونیکے بعد سے سرکاری ملازمت برابر معقولیت اور عمدگی اختیار کرتی چلی جارہی ہے اور اب باوجودیکہ سلطنت کی وسعت بھی نہایت درجہ بڑھ گئی ہے مگر سرکاری ملکی ملازموں کی ذلت بحیثیت مجموعی اپنی دیانتداری اور نیکوکاری کا وہ نمونہ پیش کرسکتی ہے جسکی نظیر دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت میں نہیں ملسکتی ؛

معاملات اودھ ۱۷۸۶ء

لارڈ کارنوالس سے بھی نواب وزیر اودھ نے وہی استدعا کرنی شروع کی جو وہ کئی سال پہلے سے برابر کرتا چلا آرہا تھا یعنے یہ کہ اسکے علاقے کے لیئے جو کمپنی کی فوجیں اُسکی مملکت میں مقیم تھیں انکو وہاں سے واپس طلب کرلیا جائے۔ لیکن ہندوستان پر سندھیا کی سریع السیر دستبرد نے اور سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے لارڈ کارنوالس کو یہ سمجھا دیا کہ اس وقت فوجوں کا ہٹا لینا سخت خطرے سے خالی نہیں ہوگا پھر بھی اُس نے اس زرمعاوضہ میں ایک ثلث کی کمی کردی جو اس فوج کے مصارف کے لیئے خزانہ اودھ کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسکے ساتھ ہی نواب وزیر اودھ کو اُن مردارخواروں کے پنجے سے بھی نجات دلادی گئی جو زاغ وزغن کی طرح برطانوی اقتدار کے پردے میں اسکی بوٹیاں نوچے کھاتے تھے۔ انھی میں ایک کرنل ہنفسے تھا جس نے چند سال ہی کے عرصے میں تیس لاکھ کی پونجی کمالی تھی۔ علاوہ بریں لارڈ کارنوالس نے ایک گراں بہا احسان نواب وزیر پر یہ بھی کیا کہ اُس نے تمام دعووں کے تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا جو نواب وزیر کے بج کے یورپین یا ہندوستانی قرضخواہوں نے پیش کیئے تھے اور اسطرح نواب وزیر اودھ کا وہ حشر نہیں ہوا

(صفحہ ۲۱۴)

باب چہارم
فصل اول

چھ ماہ بعد چھڑی اسکو اس مراسلے کے اثر کے ساتھ منسوب کرنا اصل واقعے سے ایسا ہی خلاف ہے جیسا کہ اُس مہم کی تیاریوں کو اس مراسلے سے منسوب کرنا جنہیں راجہ ٹراونکور کے خلاف ٹیپو سلطان اس مراسلے سے چھ ماہ پہلے مصروف تھا؛

ٹراونکور اور گورنمنٹ مدراس

ٹراونکور سواحل ملابار کے جنوبی حد پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ یہ چھوٹی سی ریاست صلحنامہ منگلور کی رو سے برطانوی حمایت میں آگئی تھی۔ ٹیپو سلطان عرصے سے اس ریاست پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا اور اُسپر حملہ کرنیکے لیئے فوج تیار کر رہا تھا اور راجہ نے بھی اپنے وسائل مدافعت کو زیادہ مستحکم کرنیکے لیئے اہل ہالینڈ کے جوار میں دو شہر خرید کرلیے تھے۔ ٹیپو سلطان ان شہروں کی حوالگی کا اس بناپر مطالبہ کیا کہ یہ دونوں شہر راجہ کو چین کے ہیں جو سلطنت میسور کا باجگذار ہے۔ راجہ نے لارڈ کارنوالس کی طرف رجوع کیا اور لارڈ موصوف نے مدراس کے حکام کو یہ ہدایت کردی کہ ٹیپو کو اطلاع دیدیں اور راجہ کو بھی اسکی نقل بھیجدیں کہ اگر یہ دونوں شہر خود اہل ہالینڈ کے بلا واسطہ اور خود مختارانہ قبضے میں ہوتے تب بھی انکو راجہ کے پاس رہنے دینے میں کمپنی کی گورنمنٹ راجہ کی امداد کرتی۔ مگر مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ نے جو اپنے تمام پیشرووں کے مقابلے میں نہایت مطلق العنان تھا اس مراسلے کو ٹیپو تک نہیں پہنچایا بلکہ طرہ یہ کہ راجہ سے ایک لاکھ پگوڈا (سکہ طلائی) کا مطالبہ خاص اپنی ذات کے لیئے کیا تاکہ راجہ کو امداد دینے کی کارروائی کی جائے اس گورنر کے زمانے میں سواحل کی حفاظت کے لیئے جو فوج رکھی گئی تھی وہ بھی نہایت ناکمل طریقے پر تیار رکھی جاتی تھی اور انکی تنخواہیں عرصے تک چڑھنے دی جاتی تھیں اور پھر سب سے بڑی حرکت یہ ہوتی تھی کہ باوجود لارڈ کارنوالس کی مخصوص ہدایات کے علاقے کی آمدنی نواب کرناٹک کے قرضخواہوں کے مطالبوں میں دی جاتی تھی جنمیں سے ایک گورنر مدراس بھی تھا۔

سے استیصال کر دیا جائے ٹیپو سلطان نے فوراً اس اتحاد کو منظور کیا اور حیدر آباد کی ایک شہزادی سے عقد کرنا چاہا لیکن فرزند چین قلیچ خاں کا شریف خون ایک نائک کے ساتھ ایسا رشتہ پیدا کرنے پر جوش کھانے لگا اور یہ معاملہ آگے نہ بڑھا۔

لارڈ کارنوالس کی کوتہ اندیشی ۱۷۸۹ء

لارڈ کارنوالس اس معاملے سے سخت بدحواس ہوا ۱۷۶۸ء کے معاہدے کے بعد کمپنی کی گورنمنٹ دو مرتبہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو اس صوبے کا جائز حکمران تسلیم کر چکی تھی اور اب دو پلٹنوں سے حیدر آباد کی امداد کرنا خطرناک پیچیدگیوں کا باعث بنا جاتا تھا۔ ساتھ اسکے یہ بھی کمپنی کے اغراض کے لئے بہت ضروری تھا کہ نواب نظام الملک کسی طرح ٹیپو سلطان کے کہنے میں نہ آجائیں۔ ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونیکے لئے لارڈ کارنوالس نے ایک ضابطے کا خریطہ نواب نظام الملک کو بھیجا جس میں یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر صوبۂ زیر بحث کمپنی کے قبضے میں حیدر آباد کی فوجوں کی امداد سے آگیا تو وہ بیشک نواب نظام الملک کے حوالے کر دیا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ کمپنی کی فوجیں نواب نظام الملک کی امداد کے لیئے اس شرط پر بھیجی جاسکینگی کہ انکو کمپنی کے کسی حلیف یا اتحادی کے خلاف نہ استعمال کیا جائیگا۔ ان اتحادیوں کی ایک فہرست بھی لارڈ کارنوالس نے بھیجدی تھی جس میں ٹیپو سلطان کا نام نہیں تھا ٹیپو سلطان کو یہ معلوم کرکے قدرتاً اشتعال پیدا ہوا کہ گورنر جنرل کا منشاء سلطنت میسور کے حصے بخرے کرنیکا ہے اور گورنر جنرل انگریزی فوج کو نواب نظام الملک کے حوالے اسی غرض سے کریگا کہ وہ سلطنت میسور کے خلاف کام میں لائی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ لارڈ کارنوالس کا یہ مراسلہ نہایت کوتہ اندیشی پر مبنی تھا لیکن ٹیپو سلطان کے ساتھ جو جنگ اس کے

(صفحہ ۲۱۹)

باب چہارم
فصل اول

سے رسد رسانی کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اُنکی وجہ سے
فوج کی روانگی کئی ماہ تک ملتوی رہی مگر جنرل میڈوز آخر کار ۲۶- مئی ۱۷۹۰ء
کو ترچناپلی سے پندرہ ہزار فوج ساتھ لیکر کوچ کر گیا۔ کوئمبتور جولائی ۱۷۹۰ء
میں تسخیر کر لیا گیا اور پال گھاٹ اور ڈنڈیگل جو ناقابل تسخیر قلعے سمجھے
جاتے تھے ستمبر ۱۷۹۰ء میں قبضے میں آگئے۔ مگر بے احتیاطی سے پورے
لشکر کے دو حصے کر دیئے گئے تھے اور ٹیپو سلطان نے ایک ماہرانہ نقل و حرکت
سے اپنی فوجیں دونوں کے درمیان میخ کی طرح ٹھونک دیں جس سے
انگریزوں کے ایک حصہ فوج کو توپوں اور جانوں کا سخت نقصان برداشت
کرنا پڑا۔ جب لارڈ کارنوالس نے دیکھ لیا کہ ان مختصر فوجکشیوں سے
کام نہیں چل سکتا اور جنگ سر پر آہی گئی تو اُس نے بھی اپنے پیشرو ہیسٹنگز
کی دلیرانہ تجویز پر عمل کرکے ایک زبردست امدادی فوج سمندر کے
کنارے کنارے اس علاقے میں ہوکر بنگال سے مدراس بھیجی جس میں کوئی
دوست انگریزوں کا نہیں تھا۔ اور باوجودیکہ ٹیپو سلطان نے نہایت قابلانہ
نقل و حرکت سے اس فوج کو مدراس والی فوج کے اتصال سے روکنا
چاہا مگر بغیر کسی مڈبھیڑ کے دونوں انگریزی فوجیں آپس میں مل گئیں۔ اسکے
بعد ٹیپو سلطان جانب جنوب کوچ کر گیا اور جنرل میڈوز اُسکے عقب میں روانہ ہوا۔
مگر ان بے نتیجہ پیشقدمیوں اور پسپائیوں نے فوجوں پر نہایت درجہ
تکان طاری کر دی اور اُنکا اعتماد اپنے سپہ سالار کی قابلیت پر کم ہوگیا۔
غرض یہ کہ فوجکشی ناکام ثابت ہوئی اور لارڈ کارنوالس نے زمام قیادت
اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم کر لیا۔

دوسری فوجکشی ۹۱-۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس ۱۲- دسمبر ۱۷۹۰ء کو مدراس پہنچا
اور میدان میں جانیکی نہایت زور شور سے
زبردست تیاریاں شروع کیں۔ اس اثنا میں ٹیپو سلطان نے شمال کی جانب
کوچ کیا اور تمام کرناٹک کو پامال کرکے جنوب کی طرف واپس ہوا اور
پانڈیچری پہنچا اور ایک وفد لوئس شانزدہم شاہ فرانس کی خدمت میں

باب چہارم
فصل اول

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ٹیپو نے ۱۷۸۹ء میں سرحد ٹراونکور یعنے اس دیوار پر حملہ کر دیا جو راجہ نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لیئے تیار کی تھی مگر اس حملے میں اُسے دو ہزار آدمی کھو کر پسپا ہونا پڑا - اس سے مشتعل ہو کر اُس نے سرنگاپٹم سے اپنا قلعہ شکن توپ خانہ طلب کیا اور اطراف وجوانب سے کمک منگا بھیجی - اس طرح کمپنی کے ایک حمایتی پر بلا وجہ جائز حملہ کیا جانا صریح طور پر کمپنی کے خلاف اعلان جنگ کرنا تھا مگر مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس نے ٹیپو سے یہ تجویز کی کہ اس مابہ النزاع کا باہمی تصفیہ کر لیا جائے اور اسکے فوراً بعد اپنے عہدہ کو چھوڑ کر انگلستان چلا گیا۔

اتحاد ثلاثہ ۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس نے برطانوی عزت و اقتدار کے لحاظ سے یہ ضروری سمجھا کہ ایک حمایتی کی امداد کیجائے اور اُس اعلان جنگ کو منظور کر لیا جائے جو ٹیپو نے پیش کر دیا ہے - اس وقت ایسا موقع نہیں تھا کہ پارلیمنٹ کے احکام کے انتظار بالتصریح میں وقت ضائع کیا جائے اس لیئے لارڈ کارنوالس فوراً مدافعانہ و محارحانہ اتحاد کی شرائط دکن کی دونوں زبردست طاقتوں یعنے نواب نظام الملک اور پیشوا کے سامنے پیش کیں - اور ان دونوں کو ٹیپو سے اس قدر نفرت تھی اور اسکا اس قدر خطرہ لگا ہوا تھا کہ انھوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ یہ شرائط منظور کر لیں چنانچہ ایک اتحاد ثلاثہ قائم ہوا جسکی شرائط یہ تھیں کہ مرہٹے اور نواب نظام الملک ایک ہی وقت فی الحال دس ہزار سوار سے انگریزوں کے شریک ہو کر ٹیپو سلطان کی مملکت پر حملہ کریں اور اگر ضرورت ہو تو مزید فوج سے بھی امداد میں دریغ نکریں متحدہ افواج کے ہاتھوں سے جتنے قلعے اور جسقدر علاقہ سلطنت میسور کا تسخیر کیا جائیگا وہ سب برابر برابر تینوں اتحادیوں میں تقسیم کر لیا جائیگا۔

(صفحہ ۲۲۰)

جنرل میڈوز کی ناکام فوجکشی ۱۷۹۰ء

جنرل میڈوز جو مسلمہ جنرلی قابلیت کا حاکم تھا اسوقت گورنر اور کمانڈر انچیف ہو کر مدراس پہنچ چکا تھا اور لارڈ کارنوالس نے اس فوجکشی کا اہتمام جنرل موصوف کے سپرد کیا - مسٹر ہالینڈ گورنر سابق کی نامعقول تغافل شعاری

باب چہارم
فصل اول

فاتحین کو دار الحکومت کا منظر جی بھر نظر آنے لگا تھا لیکن اتنی ہی نوبت پہنچی تھی کہ افسوس کے ساتھ لڑائی کا خاتمہ دیکھنا پڑا۔ کئی ہفتے سے فوج کو رسد کی قلت کی وجہ سے سخت تکلیف تھی۔ ذخائر جو پہلے ہی کوچ کے وقت کم تھے اب بالکل ختم ہو چکے تھے اور ٹیپو سلطان کے سپاہ و رسالوں نے تمام رسد کو روک کر لشکر کے گرد ایک بے آب و دانہ چٹیل میدان پیدا کر دیا تھا۔ ۲۰۔ مئی ۱۷۹۱ء کو توپ خانے کے افسروں نے یہ رپورٹ کی کہ بیلوں کی حالت ایسی نزار ہو گئی ہے کہ اب وہ کسی طرح بھاری توپوں کو نہیں کھینچ سکتے اور لارڈ کارنوالس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب سلامتی اسی میں ہے کہ فوج کی پسپائی عمل میں آئے۔ جنرل ایبر کرومبی جو بمبئی سے امدادی فوج لیکر لارڈ کارنوالس کی شرکت کے لیئے ساحل مغرب کی طرف سے بھیجا گیا تھا سرنگا پٹم سے چالیس میل کے فاصلے تک بڑھ گیا تھا اسکو بھی فوری احکام بھیجے گئے کہ اپنی قلعہ شکن توپوں کے کچھ حصے کو ضائع کر دے اور بقیہ کو دفن کر کے ساحل کی طرف پیچھے ہٹ جائے۔ دوسرے دن خود لارڈ کارنوالس نے بھی اپنے قلعہ شکن توپ خانے کو برباد کر دیا اور مدراس کی طرف اپنی منحوس پسپائی شروع کر دی۔

مرہٹہ فوج

اتحاد ثلاثہ کے جس معاہدے پر یکم جون ۱۷۹۰ء کو دستخط کیئے گئے تھے اسکی رو سے گورنمنٹ پونا نے اپنے تئیں دس ہزار فوج ٹیپو سلطان کے مقابلے کے لیئے دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن نانا فرنویس وزیر نے ٹیپو سلطان کے وکیلوں کو اپنے دربار میں رہنے دیا اور اسکی غرض جو خود اُس نے ظاہر کی یہ تھی کہ آخری وقت تک بھی ٹیپو سلطان اگر چاہتا تو مرہٹوں کو انگریزوں کی جانبداری سے باز رکھ سکتا تھا بشرطیکہ وہ کچھ علاقہ مرہٹوں کے نذر کر دیتا۔ (صفحہ ۲۲۲) جب یہ امید ٹوٹ گئی اور مرہٹہ فوجیں میدان میں آ گئیں اس وقت بھی یہی ثابت ہوا کہ نانا فرنویس کی اصلی غرض یہ تھی کہ برطانوی توپ خانے سے ان قلعوں کی تسخیر کا کام لے جو ٹیپو سلطان نے مرہٹوں سے چھین لیئے تھے چنانچہ دھارواڑ کے محاصرے میں چھ مہینے صرف کیئے گئے تھے۔ یہی

باب چہارم
فصل اول

یہ استدعا لیکر بھیجا کہ سلطنت میسور کی امداد چھ ہزار یورپین فوج سے کی جائے جسکا معقول معاوضہ دیا جائیگا۔ مگر فرانس کا بدقسمت بادشاہ اس وقت ورطۂ انقلاب میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اوس نے صرف یہ جواب دیا۔

(صفحہ ۲۲۱)

یہ بھی بالکل امریکہ کا سا معاملہ ہے جسکا خیال مجھے کبھی بغیر افسوس و ندامت کے نہیں آتا۔ اس وقت میری جوانی کی خام کاری سے فائدہ اٹھالیا گیا اور اب فرانس کو اسکا خمیازہ اٹھانا پڑ رہا ہے۔ مگر یہ سبق ایسا سخت مل رہا ہے کہ اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

۱۱- فروری ۱۷۹۱ء کو تمام انگریزی فوج مقام ویلور پر جمع ہو گئی اور بغیر کسی مدافعت کے بنگلور تک کوچ کرتی چلی گئی جو ۲۱- فروری ۱۷۹۱ء کو تسخیر ہو گیا مگر اس سے پہلے ٹیپو سلطان وو اسپہ کوچ کر کے اپنے خزانے اور حرم سرا کو یہاں سے نکال لے گیا تھا۔ نواب نظام الملک کی دس ہزار کی امدادی فوج سال گزشتہ سے حیدرآباد میں جمع تھی مگر انھوں نے ٹیپو سلطان کے علاقے میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک انکو یہ اطمینان نہ ہو گیا کہ ٹیپو سلطان جنوب کی طرف سرک گیا ہے اور اب کسی مڈبھیڑ کا دھڑکا نہیں ہے ۱۷۹۱ء میں نواب نظام الملک کی فوج نے انگریزی لشکر کے شریک ہونے میں اُسی وقت سے تعجیل شروع کر دی جس وقت انکو یہ معلوم ہو گیا کہ بنگلور تسخیر ہو گیا۔ لیکن اس فوج کی صفوف میں نہ کوئی پابندی قواعد تھی نہ کوئی دلیری تھی اور ادھر اُدھر اترائے پھرنے والے فوجی افسر اپنے رسد جمع کرنیوالے دستوں کو بھی اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے یہاں تک کہ ان دستوں نے انگریزی چوکیوں سے آگے بڑھنے کی قسم کھالی ؛

جنگ اری کھڑا ۱۷۹۱ء

لارڈ کارنوالس نے اب براہ راست سرنگاپٹم دار الحکومت میسور پر کوچ کر دیا اور ٹیپو سلطان بھی دو دو ہاتھ لڑنے کو تیار ہو بیٹھا۔ یہ لڑائی اری کھڑا پر ہوئی اور ٹیپو کو اسمیں سخت شکست ہوئی۔ جس پہاڑی پر سے آخری گولہ چلایا گیا ہے اسکی چوٹی پر سے

نے پھر میدان سنبھالا اور اس مرتبہ اسکی ہمرکابی میں اتنا زبردست بدرقہ تھا جو اس سے پہلے ہندوستان میں نظر نہیں آیا تھا۔ ٹیپو سلطان بھی اسوقت کی تیاریوں کو دیکھکر بیساختہ پکار اٹھا۔

میں جو وسائل انگریزوں کے دیکھتا ہوں اسنے مجھے ذرا
خطرہ نہیں ہے بلکہ مجھے ڈر اُنکا ہے جو وسائل میں اُن کے
ساتھ اس وقت نہیں دیکھتا ہوں۔

اس لشکر میں بائیس ہزار فوج تھی اور چھیاسی میدانی اور قلعہ شکن توپیں تھیں تعداد کے اعتبار سے البتہ نواب نظام الملک کی آٹھ ہزار فوج نے طاقت میں اضافہ کر دیا تھا مگر یہ فوج زیادہ کام کی نہ تھی اسکے علاوہ کچھ مرہٹہ فوج بھی آکر شامل ہوگئی تھی۔ ۵۔ فروری ۱۷۹۲ء کو یہ تمام فوج ایسے موقع پر پہنچگئی جہاں سے سرنگاپٹم صاف نظر آتا تھا۔ یہ شہر دریائے کاوری کے ایک جزیرے پر بسا ہوا تھا۔ اسکے گرد تین خطوط مدافعت تھے اور ہر خط پر سئو سئو توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور ان تمام خطوط کے گرد کانٹے دار درختوں کی ایسی جھاڑی تھی جسمیں سے آدمی یا جانور کسی طرح نہیں گزر سکتا تھا۔ دریائے کاوری کے شمالی کنارے پر ٹیپو سلطان کا لشکر پڑا ہوا تھا اور یہ مقام نہایت مستحکم تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ۶۔ فروری ۱۷۹۲ء کو جاسوسی جماعت کے ساتھ جاکر اس مورچے کو لینا چاہا اور اسی رات کو اسپر دھاوا کرنیکا عزم کر لیا۔ مرہٹوں اور نواب نظام الملک کے سپہ سالاروں کو یہ معلوم کرکے سخت حیرت ہوئی کہ انگریزی کمانڈر اندھیری رات میں معمولی کپتان کی طرح بغیر توپیں ساتھ لیئے خطوط مدافعت پر شبخون مارنیکو نکلا ہے۔ یہ آویزش جو رات بھر جاری رہی اسی وقت ختم ہوئی جب ٹیپو سلطان کے تمام مورچوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور برطانوی فوج نے خاص جزیرے میں قدم جما لیئے تھے۔ اسکے بعد ہی لارڈ کارنواس کی کمک پر جنرل ایبرکرومبی چھ ہزار فوج سے آپہنچا اور فوجی کارروائیاں ایسے زور شور سے جاری رکھی

(صفحہ ۲۲۴)

باب چہارم
فصل اول

وجہ ہوئی کہ ۱۷۹۰ء کی پہلی فوج کشی میں پیشوا کی فوج نے کوئی بھی مدد نہیں دی تھی۔ ۱۷۹۱ء کی دوسری فوجکشی میں مرہٹہ فوج آکر لارڈ کارنوالس کے لشکر میں متذکرہ صدر پسپائی کے پہلے ہی دن شامل ہوگئی۔ اگر لارڈ کارنوالس کو اس کمک کی آمد کی خبر پہنچ جاتی تو اس فوج کشی کا نتیجہ کچھ اور ہی نکلتا لیکن ایک تو لارڈ کارنوالس کا محکمہ خبر رسانی ہی نہایت ردی تھا دوسرے ٹیپو سلطان کے قابل تعریف محکمہ جاسوسی نے تمام خبر رسانی کو راستے ہی میں روک لیا تھا۔ مرہٹہ لشکر کا بارونق بازار جو تمام ہندوستان کے مال غنیمت سے مالامال تھا انگریزی لشکر کے بدرونق اور مفلس بازار کی بالکل ضد تھا اور جو ذخائر مرہٹے اپنے ساتھ لائے تھے وہ اگرچہ نہایت ہی گراں قیمتوں پر ملتے تھے پھر بھی فاقے کے مارے انگریزی سپاہیوں کے لیئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھے۔ مرہٹہ سردار جو میدان میں آنیکے وقت سے اب تک برابر غارتگری کرتے چلے آرہے تھے اس وقت اپنی بےزری کا عذر لیکر آئے اور لارڈ کارنوالس سے چودہ لاکھ کا مطالبہ فوجی اخراجات کے لیئے کیا اور لارڈ موصوف کو یہ مطالبہ اس ڈر سے منظور کرنا پڑا کہ کہیں یہ زر آشنا جاکر ٹیپو سلطان کے شریک نہو جائیں۔ اس موقع پر لارڈ کارنوالس نے بھی ہسٹنگز کے طرز عمل کا تتبع کیا اور جو روپیہ کمپنی کو بھیجنے کے لیئے جہازوں پر بار کرادیا گیا تھا وہ بھی واپس منگا لیا۔

تیسری فوجکشی کی تیاریاں ۱۷۹۱ء

مدراس واپس آکر لارڈ کارنوالس نے اپنی فوج کو بارہ محل اور اُن دوسرے قلعوں کی تسخیر میں مصروف کیا جن سے سارا صوبہ بھرا پڑا تھا۔ جس آسانی اور سرعت کے ساتھ کرشنا گری نندی دُرگ۔ ساون دُرگ اور دوسرے ایسے قلعے فتح ہوگئے جو ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے اُس سے زیادہ کسی چیز نے انگریزوں کی اعلیٰ فوجی مہارت اور بہادری کا رعب واقتدار دیسی رئیسوں پر نہیں قائم کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کسی معمولی قلعے کی تسخیر میں چھ مہینے لگ جاتے تھے تو اہل قلعہ اپنے تئیں خاص طور سے خوش نصیب سمجھتے تھے۔ ابتدائے جنوری ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس

ایک تہائی علاقہ چالیس لاکھ سالانہ کی آمدنی کا الحاق کیا ہو۔

توسیع سلطنت کا قضیہ

پارلیمنٹ سے توسیع مملکت کی ممانعت کا فرمان صادر ہو جانیکے بعد یہ پہلا علاقہ تھا جو کمپنی کی مملکت کے ساتھ ملحق کیا گیا۔ جس وقت مسٹر پٹ نے ۱۷۸۴ء میں اپنا انڈیا بل پیش کیا ہے تو اُسنے یہ کہا تھا کہ میری غرض اس بل کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ میں گورنر بنگال کو زیادہ حوصلہ مند اور فتوحات کا شائق بننے سے روکوں۔ باوجودیکہ توسیع مملکت کو سب خطرناک سمجھتے تھے اور اس کا خوف جبتک کہ انگریزوں نے کل ہندوستان فتح کیا برابر انڈیا ہاؤس اور ڈاؤننگ اسٹریٹ میں قائم رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہند میں انگریزی حکمت عملی کا میلان بیس برس سے یہی چلا آتا تھا کہ مملکت میں توسیع نہ کیجائے۔ کلائیو نے اودھ کی اس مملکت کو ۱۷۶۵ء میں واپس کر دیا تھا جو بطور ثمرات جنگ کے نتیجے میں آئی تھی اور وہ ان تمام منصوبوں کا مخالف تھا جو انگریزی مملکت کو کرمناسہ سے آگے بڑھانیکے لیئے باندھے جائیں۔ ہسٹنگز ایک زمانے میں شمالی اضلاع سرکار سے بیدخل ہو جانے پر تیار ہو گیا تھا لارڈ کارنوالس نے انصرام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سواحل ملا بار سے قبضہ اٹھا لینے کا اور بمبئی کو محض ایک کارخانے کی حیثیت سے قائم رہنے دینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اور ۱۷۸۲ء میں جب لارڈ شیلبرن وزارت سے سرفراز ہوا تو اُسنے مدراس کو بھی چھوڑکر صرف بمبئی اور بنگال پر قبضہ رکھنے کی تجویز کی تھی۔ اگر اس زمانے کے سرکاری حکام کی خواہشات و اصول عمل کے مطابق کمپنی کی محروسات کا طول و عرض رکھا جاتا تو وہ گھٹ گھٹا کر نہایت ہی محدود رہ جاتیں۔

اسباب توسیع

کمپنی کی مملکت کی توسیع جسکو مجلس انتظامیہ ایوان حکومت اور وزارت نے برابر بُرا سمجھا اور بُرا کہا ایسے واقعات کی وجہ سے عمل میں آگئی جو ان حکام کے قبضۂ قدرت کے باہر تھے۔

باب چہارم
فصل اول

تسیئں کہ ٹیپو سلطان کو اسکے خاص سرداروں نے یہ یقین دلا دیا کہ اب میسور کی فوجوں
پر بھروسہ کرنا فضول ہے اور اب سوائے اطاعت کے چارۂ کار ہی نہیں
ہے ٹیپو سلطان کو بھی اس وقت اپنے ہاتھ سے اپنی سلطنت نکل جانیکا پورا پورا
خطرہ ہو گیا اور اُس نے وہ تمام سخت شرائط منظور کرلیں جو لارڈ کارنوالس
نے عائد کیں یعنے وہ اپنی نصف مملکت فاتحین کے حوالے کردے تین کرور
روپے تاوان جنگ داخل کرے اور اپنے دو بیٹوں کو بطور یرغمال
کے سپرد کرے۔ پیشوا اور نواب نظام الملک کے سپہ سالاروں نے بھی اس معاملے کو
کو بکلم انگریزی مختار کے سپرد کردیا لیکن جب گفتگوئے صلح اتمام کو پہنچ گئی تو
مرہٹہ سپہ سالار نے اپنے اور نواب نظام الملک کے لئے ساٹھ لاکھ روپیہ
صلح کی گفتگو میں شرکت کے معاوضہ کا طلب کیا لیکن آخر کار اس کی
آدھی رقم پر معاملہ طے ہو گیا۔ چھ سال بعد جب سرنگا پٹم کو پھر انگریزوں نے
فتح کیا تو وہاں ایسے نوشتے دستیاب ہوئے کہ انگریزوں کے اتحادیوں
کے سپہ سالار اس نامہ و پیام کے دوران میں برابر ٹیپو سلطان کے ساتھ خفیہ
نامہ و پیام کرتے رہے تھے مگر انکی غدارانہ غایت خوش قسمتی سے اسلئے
نہیں حاصل ہو سکی کہ لارڈ کارنوالس نے اپنی شرائط فوری صیغے میں پیش
کی تھیں اور صلحنامے کی تکمیل بھی نہایت تعجیل کے ساتھ ہو گئی۔ معاہدہ اتحاد
سنہ ۱۷۹۰ء کا منشاء یہ تھا کہ تمام علاقے اور قلعے جو متحدہ افواج کی فوجی
کارروائیوں سے قبضے میں آئیں ہر سہ متعاقدین میں برابر برابر تقسیم
کئے جائیں مرہٹوں نے جنگ میں کوئی امداد نہیں دی تھی۔ در اصل اُن کی
بڑی فوج آکر انگریزی لشکر میں اسوقت شریک ہوئی ہے جبکہ اس صلحنامے پر
دستخط ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ نواب نظام الملک کی
فوج کو کچھ کام نہیں کرنا پڑا تھا۔ لیکن لارڈ کارنوالس نے
نہایت ایمانداری واحتیاط سے اصلی معاہدے کی
پابندی کا ارادہ کیا اور تاوان جنگ کا ایک ثلث اور مفتوحات کا
ایک ثلث اپنے ہر ایک اتحادی کے حوالے کردیا اور کمپنی کی محروسات میں صرف

(صفحہ ۲۲۴)

کمزوروں کے خلاف کسی درازدستی کو تحمل دیا جاتا تھا بالغ نظری اور دور اندیشی کا مقتضا یہ سمجھ میں آتا تھا کہ زیادتی کرنیوالے کے وسائل کو قطع کرنیکے لیئے اسکو اسکے علاقہ کے کسی خاص حصے سے محروم کیا جائے تاکہ وہ آئندہ درازدستیوں کا اعادہ نہ کرسکے۔ اسطرح برطانوی سلطنت ہندوستان میں ایک ایسی ضرورت کے اتباع میں وسعت پاتی رہی ہے جسکے اسباب کی کوئی تشریح یا توجیہ نہیں کیجاسکتی ہے۔ مگر وہ اسباب ایسے متواتر اور خودبخود وارد ہوتے رہے ہیں کہ انہوں نے صرف انڈیا ہاؤس اور وزارت کی مخالفت کو اور انگریزی قوم کے اظہار بیزاری ہی کو مغلوب نہیں کرلیا بلکہ ایوان حکومت کی زبردست قوت پر بھی غالب آگئے۔ ایوانِ حکومت نے لارڈ کارنوالس کی تمام کارروائیوں کے جواز کی تصدیق کردی حتی کہ الحاق مملکت پر بھی ناجوازی کا کوئی فتویٰ نہیں صادر کیا اور اور بادشاہ نے اسکو مارکوئیس کا شاندار خطاب ومنصب عطا فرمایا۔ اس نظیر کی اسکے بعد سے برابر تقلید کی گئی ہے اور جس گورنر جنرل نے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کو وسعت دی ہے اسی کو ایوانِ حکومت کے شکریے اور خاص بادشاہ سلامت کی طرف سے اعزاز کا افتخار حاصل ہوا ہے۔

فصل دوم

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت۔ مالی و فوجداری اصلاحات سندھیا کی ترقی

مالی اصلاحات

اگرچہ جنگ میسور کی شاندار کامیابی نے لارڈ کارنوالس کو بے انتہا قابل ستائش ٹھرایا۔ مگر اسکے عہد حکومت کی دوامی شہرت کا انحصار اسکی مالی و فوجداری اصلاحات پر ہے۔ اب تک کمپنی کے

باب چہارم
فصل اول

زمانۂ قدیم سے تمام ہندوستانی ریاستوں کا اصول حیات قدم عشق پیشہ رہا ہے۔ آج سے پچیس صدی پہلے سب سے پہلے ہندو مقنن نے اوصاف شاہی میں فتوحات کو سب سے بڑا درجہ دیا ہے۔ منوجی نے کہا ہے۔

جو کچھ بادشاہ کے پاس موجود نہیں ہے وہ اُسکو فوجی طاقت سے حاصل کرنا چاہیئے۔

اور یہ ایسی نصیحت تھی جسکو کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں نے بھی اس قدیمی اصول عمل کو اختیار کیا اور اسکا عمل صرف غیر مذہب کی ریاستوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہم مذہبوں کے مقابلے میں بھی کیا۔ ہر نیا خاندان حکومت اپنے ہمسایوں کے علاقوں پر حملہ کرنا اور انکو اپنی مملکت میں ملحق کر لینا شروع کر دیتا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں ہندوستان کی سیاست میں معمول سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اُبال آتا رہا۔ اس زمانے کی چاروں زبردست قوتیں یعنے ٹیپو سلطان۔ نواب نظام الملک پیشوا اور سندھیا جو گزشتہ ساٹھ سال کے عرصے میں معرض وجود میں آگئی تھیں صرف اپنی پیشقدمی کے اصول عمل کی وجہ سے قائم اور مستحکم رہیں۔ مشکل ہی سے کوئی سال ایسا گزرتا تھا کہ ہندوستان یا دکن کے کسی رئیس کے حقوق پر کوئی حملہ نہ کیا جاتا ہو۔ یہ صورت حالات تھی کہ کمپنی بھی منصۂ شہود پر آئی اور اُسنے اپنے کارخانوں کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی اور اپنی فوجوں کی اعلیٰ قواعد دانی اور بہادری کی وجہ سے ہندوستان کی اول درجے کی جنگی قوتوں میں اُسکا شمار ہونے لگا اور آخرکار ہندوستان کے رئیسوں کی مخدوش و بدگمان نظریں اس پر پڑنے لگیں۔ یہ دیسی رئیسوں کی آتش مزاجیاں اور چیرہ دستیاں تھیں جن سے اکثر اس جنگبازی کی نوبت آئی جس میں انگریزوں کو حصہ لینا پڑا درانحالیکہ انگریزی حکام کی حوصلہ مندی یا حرص کو اُن میں کوئی دخل نہیں تھا۔ (صفحہ ۲۲۵) کسی طرف سے اگر ذرا سی علامت کمزوری کی بلکہ کوئی نشان اعتدال پسندی کی نظر آجاتی تھی تو وہ مخاصمت پیدا کرنیکا حیلہ ہوتا تھا اور جب کبھی

باب چہارم
فصل دوم

جھونپڑے اور ایک گدڑے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔ مسٹر شور جو ہندوستان کا قابل ترین افسر مال تھا اور جسکی نگرانی میں بندوبست کیا جارہا تھا یہ رائے رکھتا تھا کہ کوئی جامع اور مانع شرط ایسی ہونی چاہیئے جسکی منشاء کے مطابق زمینداروں کے مطالبات کا معقول اور منصفانہ طور پر تصفیہ کیا جاسکے لیکن سوء اتفاق سے رعیت کے حقوق کی استحصال بالجبر سے حفاظت کرنیکے لیئے جو ضابطہ منظور کیا گیا تھا وہ مبہم اور سقیم تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ کاشتکار کو قانونی چارہ جوئی کرنیکا حق حاصل تھا لیکن ایک غریب کاشتکار سے یہ امید رکھنا حماقت تھی کہ وہ ایک دولتمند اور زبردست زمیندار کے مقابلے میں اپیل کرکے کامیابی حاصل کرسکیگا۔ یہ ایک سقم اس بندوبست کے دامن پر بلاشبہ ایک دھبہ تھا ورنہ اور ہر طرح سے اگر یہ بندوبست برکت نہ تھا تو نعمت ضرور تھا؛

دوامی بندوبست ۱۷۹۳ء

جس وقت بندوبست ختم ہوچکا تو یہ سوال پیش ہوا کہ یہ دہ سالہ ہونا چاہیئے یا دوامی۔ لارڈ کارنوالس کی رائے یہ تھی کہ ایک مشخص و مستقل بندوبست ہی اُس بیماری کا حقیقی علاج ہے جسمیں اس وقت تمام ملک مبتلا تھا بلکہ آیندہ جو تباہی کے ڈرانیوالے آثار چھائے ہوئے تھے ان سبکا بھی علاج اسی سے ہوجائیگا اور اس نوازش سے زمینداروں کو اپنی زمینوں کو آباد رکھنے کا اور اپنی رعیت کو خوشحال رکھنے کی بہت بڑی وجہ ترغیب و تحریص پیدا ہوجائیگی۔ برخلاف اسکے مسٹر شور نے اپنی بہتر واقفیت کی بنا پر گورنر جنرل کی اس رائے سے نہایت اصرار کے ساتھ اختلاف کیا کہ بندوبست کو مستقل یا ناقابل ترمیم بنایا جائے اُسنے یہ استدلال کیا کہ گورنمنٹ نے اب تک زمین کی قابلیت اور پیداوار کا نہایت ہی اوپری اندازہ کیا ہے اور لگان اراضی ریاست کے وسائل کے رگ پٹھے کی مانند ہوتا ہے اور اس وقت جبکہ تہائی بنگال ایک جنگل کی حیثیت رکھتا ہے اور جاگیروں کی حدبست بھی نہیں کی گئی ہے لگان اراضی کو ہمیشہ کے لیئے مستقل طور پر قایم کردینا دوراندیشی سے

(صفحہ ۲۲۷)

تیس سالہ دوران حکومت میں جو تبدیلیاں مالی انتظامات میں کی گئی تھیں وہ راعی ورعایا کی اغراض کے لیئے برابر کی مضرت رساں ثابت ہوئی تھیں اور لارڈ کارنوالس نے اپنی آمد کے بعد ہی فوراً اسکو محسوس کر لیا کہ زراعت اور اندرونی تجارت دونوں تیزی سے تنزل پذیر ہو رہی تھیں اور رعایا کا کوئی طبقہ سوائے ساہوکاروں کے خوشحال نہیں نظر آتا تھا۔ مجلس انتظامیہ کو بھی یہ ضرورت محسوس کرائی گئی کہ کوئی قطعی اصول عمل ایسا اختیار کرے جس سے تباہی کی تیز رفتاری رک جائے چنانچہ مجلس موصوفہ نے ۱۲-اپریل ۱۷۸۶ء کا قابل یادگار مراسلہ بھیجا جسکا منشاء خاص یہ تھا کہ قدیم زمینداروں کے ساتھ بندوبست کا فیصلہ کیا جائے اور محض کاشتکاروں یا عارضی لگان دینے والوں کے ساتھ نہ کیا جائے۔ یہ بندوبست دہ سالہ ہوا اور اسکو ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ کوئی سرکاری حق ہے بلکہ ایسا سمجھا جائے کہ ریاست اور زمیندار دونوں کا فائدہ اسی میں ہے یعنے فریقین کے مصالح کو مدنظر رکھا جائے اور اگر تجربے سے یہ بندوبست اچھی طرح کارآمد ثابت ہو تو اسکو ہمیشہ کے لیئے قائم کر دیا جائے۔ لارڈ کارنوالس نے تین سال اس کوشش میں صرف کیئے کہ اس موضوع پر معلومات بہم پہنچائے کہ بندوبست کا بنیادی اصول کونسا مستحسن ہوگا۔ ملکیت اراضی اب تک برابر سلطنت کی سمجھی جاتی تھی مگر مجلس انتظامیہ نے یہ عاقلانہ اور فیاضانہ اصول اختیار کیا کہ آئندہ سے یہ ملکیت زمیندار کی سمجھی جائے اور اسطرح زمینداروں کو اپنی اراضی کے ساتھ ایک حقیقی اور دوامی دلبستگی پیدا ہوگئی۔ اراضی بھی اس اصول کے مطابق ایک حقیقی جائداد ہوگئی اور زمینداروں کی زبردست اور خوشحال جماعت پیدا ہوگئی۔ زمیندار اور رعیت کے تعلقات کا سوال بڑا اہم تھا اور اسمیں نہایت پیچیدگیاں پیدا ہوتی تھیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ سوال اب تک معقول طریقے سے حل نہیں ہو سکا ہے۔ زمیندار ہمیشہ رعیت سے کوڑی کوڑی جو اسکے پاس ہوتی تھی اُگلوا لیتے تھے اور بیچارے کاشتکار کے پاس سوائے ایک

(صفحہ ۲۲۶)

باب چہارم
فصل دوم

اس سبکا کوئی لحاظ اس بندوبست میں نہیں رکھا گیا ہے نہ کوئی اس قسم کی شرط رکھی گئی ہے۔ بہرحال گورنمنٹ اس وقت سے اس وقت تک اس بندوبست کے پیمان کو نہایت دیانت کے ساتھ لفظ بلفظ نباہتی چلی آرہی ہے اور اُسنے وہ مثال ایفائے عہد کی پیش کی ہے جسکی نظیر ہندوستانکی سابقہ تاریخ میں نہیں ملسکتی ہے۔

دیوانی و فوجداری عدالتیں

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت اپنی مالی اور دیوانی فوجداری معقول تبدیلیوں کی وجہ سے بھی ممتاز ہے۔ تمام تحصیلات کی نگرانی ایک جماعت اعلیٰ کے سپرد کی گئی جو کلکتہ میں قائم کیگئی تھی ہر ضلع میں اور خاص خاص شہروں میں ایک ایک دیوانی عدالت قائم کی گئی جسکی افسری کمپنی کے اُن ملازمین کو دیگئی جو اپنے حلفیہ اقرارنامے داخل کر چکے تھے۔ چار عدالتہائے اپیل کلکتہ ڈھاکہ۔ مرشدآباد اور پٹنے میں قائم کی گئیں جنکے فیصلوں کے خلاف عدالت صدر میں مرافعہ کیا جاسکتا تھا جسکا نام چیف کورٹ تھا اور جسکے افسر ممبران کونسل مع گورنر جنرل تھے۔ چاروں اپیل کی عدالتوں کے حاکم سال میں دو مرتبہ دورے پر جایا کرتے تھے تاکہ فوجداری معاملات جو دورہ سپرد ہوں انکی تحقیقات کریں۔ مقامی ججوں کو فوجداری اختیارات ایسے دیئے گئے تھے کہ معمولی مقدمات میں فیصلے کر دیا کریں اور سنگین معاملات کو حاکمان عدالتہائے عالیہ کے دورہ سپرد کر دیا کریں بیس بیس میل کے علقے میں ایک ایک ہندوستانی افسر دارو غہ کے نام سے مقرر کیا گیا تھا جو ملزموں کو حکمنامۂ گرفتاری پر یا بلا حکمنامہ گرفتار کرتا تھا اور ملزم اور گواہوں کی حاضری عدالت کے مچلکے یا ضمانتیں لے لیا کرتا تھا۔

(صفحہ ۲۲۸)

ضابطہ

دہیں سال سے تمام عدالتوں کا دستور العمل وہ مجموعۂ قوانین تھا جو سرالیجیا امپی نے اغراض انصاف کے لیئے مرتب کر دیا تھا۔ لارڈ کارنوالس نے یہ ارادہ کیا کہ رعایا کے جان۔ مال اور حقوق کے متعلق تمام قوانین کو ایک ضابطے کی صورت میں مدون کر لیا جائے اور اسکے ترجمے فارسی اور بنگالی میں تیار کرالیئے جائیں۔ مسٹر بارلو

بعید ہے۔ اور سنئے یہ کہا کہ یہ جو ادّعا کیا جاتا ہے کہ بندوبست سے زمینداروں میں ایک مالکانہ روح پیدا ہوجائیگی جو انکے لئے محرک عمل ہوگی یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر تمام زمینداری صیغے کو دیکھا جائے تو اسکا خلاصہ صرف دو لفظوں میں کیا جاسکتا ہے یعنے زمینداروں کی طرف سے وصول کرنے کی کوشش اور رعیت کی طرف سے جان بچانے کی خواہش۔ ایسی صورت میں کوئی بہتری کی امید رکھنی فضول ہے۔ یہ مسئلہ لیڈن ہال اسٹریٹ سے رجوع کیا گیا اور بعض ارکان مجلس انتظامیہ نے اپنے ذاتی ہندوستانی تجربات کی بنا پر اور بعض نے مسٹر شور کے اثر سے یہ فیصلہ کیا کہ بندوبست دہ سالہ ہونا چاہیئے۔ اسکے بعد یہ مسئلہ جماعت انتظامیہ کے سامنے پیش کیا گیا مسٹر پٹ نے ہندوستانی معاملات کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اتنا کسی پہلے وزیر نے نہیں کیا تھا۔ مسٹر ڈنڈاس اور مسٹر چارلس گرانٹ کی امداد سے ایک ہفتے تک اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض اور آخرکار یہ فیصلہ کیا گیا کہ بندوبست دوامی ہونا چاہیئے چنانچہ ۲۲۔ مارچ ۱۷۹۳ء کو یہ فیصلہ کلکتہ میں شائع کردیا گیا۔ کمپنی نے اب تک جتنی انتظامی کارروائیاں اختیار کی تھیں اُن سب میں یہ کارروائی سب سے زیادہ اولوالعزمانہ اور دلیرانہ تھی۔ اسکے تحت میں زراعت کی برابر توسیع ہوتی رہی ہے اور صوبے کی دولتمندی برابر ترقی کرتی رہی ہے زمیندار اور اسکے ماتحت جن جن لوگوں کو اراضی کے معاملات سے وابستگی رہی ہے سب کے سب دولتمند ہوگئے ہیں اور کاشتکاروں کی آسائش کے سامان بھی زیادہ فراہم ہوگئے ہیں لیکن اب اسکا بالعموم اعتراف کیا جارہا ہے کہ بندوبست کو دوامی شکل میں قائم کرنا ایک فاش غلطی تھی اور اگر کم میعاد رکھنے میں کچھ ہرج تھا تو پچاس سالہ میعاد رکھنے سے بھی یہی غرض حاصل ہوسکتی تھی جواب ہوگئی۔ ملک کی حفاظت کے لئے جو غیر معمولی مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں اور نظام معاشرت کے ترقی کرنیسے جو زیادتی مد اخراجات عملہ ملازمان میں ناگزیر ہوتی رہتی ہے

کیا جائے جنسے حلفیہ اقرارنامہ لے لیا گیا تھا۔ ایسے ملازمین کل تین سو تھے اور تمام اعلیٰ عہدے انھی کے سپرد تھے اور ہندوستانیوں کو ہر عہدے سے بالکل محروم کر دیا گیا تھا البتہ دو مستثنیات تھے ایک پچیس روپیہ ماہوار کا داروغہ اور ایک ادنیٰ درجے کے دیوانی معاملات کی سماعت کرنیوالا منصف جو اپنی تنخواہ انھی مقدمات کی رسوم سے پاتا تھا اور گویا مقدمہ بازی کا شوق دلانیوالا تھا۔ اسطرح باعزت حوصلہ مندی کے تمام دروازے ہندوستانیوں پر بند کر دیئے گئے تھے اور اس بیدخلی کے مہلک نتائج بہت جلدی تمام نظام حکومت کی ناقابلیت کی صورت میں نظر آنے لگ گئے۔

تسخیر پانڈیچری ۱۷۹۳ء ۱۷۹۳ء میں قابل تذکرہ صرف ایک اور واقعہ تسخیر پانڈیچری کا اس وقت ہوا جبکہ انقلاب فرانس کی ابتدا میں فرانس اور انگلستان میں اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ اسی سال میں لارڈ کارنوالس ماہ اکتوبر میں سات سال کی قابل یادگار حکومت کے بعد انگلستان روانہ ہو گیا اور اس عرصے میں اُسنے اس سلطنت کی روانی و پاکیزگی میں بہت کچھ اضافہ کر دیا تھا جو اول کلائیو کی ہمت مردانہ نے قائم کی تھی اور ہسٹنگز کی قابلیت نے اسکو استحکام دیا تھا۔ لارڈ کارنوالس کی علوئے شخصیت اور اُسکی پامردی و استقلال نے اسکی اعتدال پسندی اور بردباری کے ساتھ ملکر ہندوستانی رئیسوں کو اُس سے مرعوب مگر اُسکا گرویدہ بنا دیا تھا اور اُسکے یورپین ملازم بھی بہ طیب خاطر اُسکی اطاعت پر آمادہ رہتے تھے۔

سندھیا کی ترقیاں پیشوا کی طرف سے انگریزوں کے ساتھ جو ۱۷۸۲ء کے معاہدۂ سالبائی کو سندھیا نے طے کیا تھا اوسکی وجہ سے سندھیا کی حیثیت مرہٹہ برادری میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اب وہ پونا کا فقط ایک جاگیردار نہیں رہا تھا بلکہ خود مختار رئیس بنگیا تھا اور انگریزوں کا اتحادی مانا جاتا تھا اور اُسنے بھی اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں اپنی فتوحات کو توسیع دینے کا عزم کیا کیونکہ ایسے منصوبے کے لیئے

باب چہارم
فصل دوم

جو ایک قابل ملکی افسر تھا مگر قانونی تعلیم اُسے باقاعدہ نہیں دی گئی تھی اس نئے ضابطے کے مدون کرنیکے لیئے منتخب کیا گیا اور اُسنے سر ایلیجیا امپی کے قواعد و ضوابط کو بہت کچھ بڑھا کر ضابطے کی ایک ضخیم کتاب بنادی لیکن متن میں کوئی ترمیم یا اصلاح نہیں کی۔ یہ قانون کی کتاب اگرچہ برطانوی ہمدردئ انسانی کی ایک یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہے مگر یہ اُس مخلوق کی عادت و ضروریات کے مطابق نہیں تھی جو سیدھے سادے اور تُرت انصاف کے عادی تھے۔ عدالت کی کارروائی کا طریقہ بے انتہا ضابطوں سے لدا ہوا تھا اور اُس میں قانون کے اصطلاحی الجھنیں بھی ڈھیروں شامل تھیں اسلیئے جو غایت اسکی تدوین کی تھی وہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر مقدمہ شطرنج کی بازی بن جاتا تھا اور بقول ہندوستانیوں کے دیر لگنے سے تمام انصاف کا مزا کرکرا ہو جاتا تھا اور قانونی کارروائیوں سے تمام عدل خاک میں مل کر رہ جاتا تھا۔ اور ان سب شکایتوں پر طرہ یہ تھا کہ دفتر کی تمام کارروائی فارسی زبان میں ہوا کرتی تھی جسکو نہ جج جانتے تھے نہ فریقان مقدمہ نہ گواہ ۔

ہندوستانیوں کی ملازمت سے محرومی

لارڈ کارنوالس نے مختلف صیغوں کے انتظام میں جس کاروائی و قابلیت کا اظہار کیا ہے اسکو ہر طبقے میں تعریف کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے لیکن اسکی تمام کارپردازیوں پر ایک خاص سقم کی وجہ سے بڑا بدنما دھبہ لگ جاتا ہے اکبر کے زمانے سے ہندوستان کے فوجی اور ملکی عہدے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے بھی سوائے اتفاقی مستثنیات کے ہندوستانیوں کے واسطے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور ہسٹنگز کے زمانے میں بھی ہندوستانی لیاقت واثر سے بعض نہایت اہم عہدوں اور منصبوں کو مستفید ہونے دیا گیا تھا لارڈ کارنوالس نے ہندوستانیوں کو بالکل ناقابل اعتماد قرار دیا اور یہ عمل درآمد کیا کہ ہر صیغہ کا انصرام ہمیشہ کمپنی کے ان ملازموں کے سپرد

(صفحہ ۲۴۹)

غلام قادر مع اپنے غارتگر سواروں کے ہو گیا۔ ہلکر کی فوج آجانے پر سندھیا آگرے کا محاصرہ اُٹھانے کے لیئے آگے بڑھا لیکن ۲۴-اپریل ۱۷۸۸ء کو اُسے پھر سخت شکست اُٹھانی پڑی۔ اسی زمانے میں سکھوں کے حملے سے اپنی جاگیر کی محافظت کرنیکے لیئے غلام قادر کو اسمعیل بیگ کی شرکت چھوڑکر جانا پڑا اور سندھیا نے اُسکی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھاکر پھر اسمعیل بیگ پر حملہ کردیا اور اُسے شکست دیدی اور اسمعیل بیگ اپنے سریع السیر گھوڑے کے قدموں کے طفیل اپنی جان بچاکر میدان سے نکل گیا۔
یہاں سے وہ جاکر سیدھا غلام قادر کے پاس پہنچا اور پھر متحدہ فوجوں نے دہلی پر کوچ کیا اور اُسپر قبضہ کرلیا۔ غلام قادر نے اپنے بے لگام سواروں کو اس شاہی شہر پر آزاد چھوڑدیا اور دو ماہ تک ایسے تشدد۔ خونریزی اور غارتگری کے مناظر اس شہر میں پیش آتے رہے کہ بقول ایشیائی مؤرخ کے چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ حرم سرا کی خاتونوں کو بے پردہ اور بے عصمت کیا گیا اور بعض اُن میں سے فاقہ کشی سے تنگ آکر مرگئیں۔ بدقسمت بادشاہ کو خوب لوٹا گیا تخت سے اُتار دیا گیا اور اُسکو اس عفریت سیرت غلام قادر نے آنکھوں سے محروم کردیا۔ اسمعیل نے ان خونی مناظر سے نفرت کے ساتھ منہ پھیر لیا اور جاکر سندھیا کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس وقت سندھیا نے پھر دہلی پر حملہ کیا اور بادشاہ کو جاکر تخت نشین کیا اور اُسکے رنج وغم کو دور کرنیکی ہر طرح کوشش کی۔ غلام قادر نے سندھیا کی آمد پر فرار اختیار کی لیکن آخرکار وہ گرفتار ہوکر آیا اور اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کو کھلادیئے گئے۔ سرکش اسمعیل بیگ زیادہ عرصے تک سندھیا کی خدمت میں بھی نہیں رہا بلکہ جاکر پھر راجپوتوں کا شریک ہو گیا مگر ایکدفعہ سندھیا نے راجپوتوں کو بھی ۱۷۹۰ء میں مقام پاٹن پر شکست دی اور دوسرے سال ۱۷۹۱ء میں مقام میرتہ پر شکست دی ان دونوں لڑائیوں کی فتوحات خاص کر اُن قواعد داں پلٹنوں کی

باب چہارم
فصل دوم

اس وقت نہایت اچھا موقعہ تھا - مگر شہنشاہ دہلی اپنے وزیر افراسیاب خاں کے ہاتھوں میں اسوقت بالکل کٹھ پتلی بنا ہوا تھا جسنے اپنے آقا کے نام سے سندھیا کو اسلیئے طلب کیا کہ اپنے ہمچشم محمد بیگ کی قوت کو توڑنے میں اس سے امداد لے - چنانچہ سندھیا آگرہ آیا جہاں اُسے بادشاہ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا - چند ہی روز بعد افراسیاب کو خفیہ طور سے قتل کر ڈالا گیا اور سندھیا کا وارچلگیا اور وہ شہنشاہ کا با اختیار وزیر مقرر کر دیا گیا اور شاہی افواج کا سپہ سالار بھی ہو گیا - ان فوجوں کی اخراجات کی کفالت کے لیئے دہلی اور آگرہ کے اضلاع کاٹ دیئے گئے اس طرح سندھیا گنگا و جمنا کے دوآبہ اور اسکے تمام وسائل کا مالک ہو گیا - اس کامیابی سے سرشار ہو کر اسنے بنگال سے چوتھ کا مطالبہ کیا جو حقارت کے ساتھ مسٹر میکفرسن قائم مقام گورنر جنرل نے مسترد فرما دیا - اسکے بعد اُسنے بقیہ خراج کا مطالبہ کرنیکے لیئے کوچ کیا جو اُسکے قول کے مطابق ساٹھ لاکھ بذمۂ ریاستہائے راجپوتانہ باقی تھا اور جے پور کے دروازوں کے سامنے پڑاؤ ڈالدیا - اس رقم کا بہت سا حصہ ادا کر دیا گیا مگر بقایا کا بھی مطالبہ کرنے پر تمام راجپوت اسکے خلاف متفق ہو گئے - نوبت بہ جنگ پہنچی اور ۱۷۸۷ء کی پہلی ہی لڑائی میں محمد بیگ اور تمام شاہی فوج نے سندھیا کا ساتھ چھوڑ دیا اور اننسی توپوں کے ساتھ دشمن سے جا ملے - سندھیا گھبرا کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا اور انتہائے اضطراب کی حالت میں نانا فرنویس سے التجا کی کہ مرہٹہ حکومت کے ہندوستان میں قائم کرنیکے لیئے امداد کرے - نانا فرنویس اگرچہ سندھیا کی بڑھتی طاقت کو خود بدگمانی کی نظر سے دیکھتا تھا مگر اُسنے ہلکر کی سرکردگی میں کچھ فوج بھیجی جسکی غرض سندھیا کو امداد دینے کی کم مگر اسکے حرکات سکنات پر نگاہ رکھنے کی زیادہ تھی - محمد بیگ اس لڑائی میں مارا جا چکا تھا مگر اُسکی جگہ اُسکے بھتیجے اسمعیل بیگ نے لے لی تھی جسنے راجپوتوں کی طرف سے بڑھکر آگرہ کا محاصرہ کر لیا اور یہاں اُسکا شریک روہیلکھنڈ کا ایک جاگیردار

(صفحہ ۲۴)

پیشوا کو اس منصب سے سرفراز کرنیکے لیے شہنشاہ کی طرف سے پونا جا رہا ہے۔ نانا فرنویس اور اُسکے ہمچشم وزرا ایک برائے نام بادشاہ کی طرفسے مرہٹہ برادری کے سردار کے لیئے کسی خطاب کا تجویز کیا جانا یا منظور کیا جانا بغیر نفرت وحقارت کے نہیں دیکھہ سکتے تھے مگر اُنکی مخالفت کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ سندھیا کا مزاج ایسا اچھا اور اُسکا انداز ایسا دلفریب تھا کہ وہ نانا فرنویس کے سنجیدہ مزاج اور دل شکن خموشی کے مقابلے میں نوجوان پیشوا کو بالکل اپنا گرویدہ بنا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ سندھیا اپنے ساتھہ ہندوستان کے بہت سے نوادرات بھی لایا تھا اور اُسنے بہت غور خوض کے بعد پیشوا کی تفریح کے لیئے انتظامات کیئے تھے ؛

پیشوا کی خطاب یابی سنہ ۱۷۹۲ء

رسم خطاب یابی ایسی شاندار تھی کہ اس سے پہلے کوئی تقریب پونا میں اس شان وشوکت کی نہیں ہوئی۔ ایک خوشنما قطار خیموں اور شامیانوں کی شہر کے قریب نصب کی گئی تھی اور ایک تخت مغل شہنشاہ کے نام سے رکھا گیا اور اُسپر شاہی مہر اور عصا رکہدیا گیا تھا۔ پیشوا نے اپنے وزیروں اور دوسری ریاستوں کے وکیلوں کے جھرمٹ میں تخت شاہی تک قدم بڑھائے اور آداب بجا لاکر واپس آیا اور اُسکو ایک دوسرے شامیانے میں پہنچایا گیا جہاں وہ اس منصب جلیلہ کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوا۔ اسکے بعد وہ اس شان وشوکت کے ساتھہ پونا واپس آیا جو اہل پونا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سندھیا اور نانا فرنویس اگرچہ ایکدوسرے کی بربادی کے لیئے برابر سازشیں کرتے رہتے تھے مگر بظاہر آپس میں بہت تواضع وتکریم سے پیش آتے تھے۔ پھر بھی اُنکی فوجیں ہندوستان میں اظہار مخاصمت کرنے سے باز نہ رہ سکیں۔ ہلکر اور سندھیا کی فوجیں راجپوتوں سے خراج وصول کرنے میں ملکر کام کر رہی تہیں مگر مال غنیمت تقسیم کرنے میں اُنمیں جھگڑا ہو گیا۔

(صفحہ ۲۳۲)

وجہ سے نصیب ہوئیں۔ جنکو کاؤنٹ ڈی بائن نے سندھیا کے لیئے تیار کیا تھا۔ یہ شخص سیوائے ملک فرانس کا باشندہ تھا اور فن حرب میں نہایت قابلیت اور معلومات رکھنے والا افسر تھا۔ یہ ہندوستان میں بتلاش ملازمت آیا تھا۔ اور سندھیا کی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا۔ اور اسی نے سندھیا کو ترغیب دیکر کمپنی کی فوج کے نمونے پر ہندوستانی سپاہیوں کی قواعد داں پلٹنیں تیار کرائی تھیں۔ ڈی بائن نے رفتہ رفتہ ایک بہت بڑا لشکر ایسے یورپین افسروں کی زیر تربیت تیار کر لیا جنمیں سے اکثر فرانس سے آئے تھے۔ اس فوج میں آخر کار ترقی پاکر اٹھارہ ہزار باقاعدہ اور چھ ہزار بے قاعدہ پیدل۔ دو ہزار بیقاعدہ سوار اور چھ سو ایرانی سوار اور دو سو توپیں ہو گئیں۔ اس جرار فوج نے سندھیا کو ہندوستان کا سب سے زبردست ہندوستانی رئیس اور مرہٹہ برادری کا سب سے مقتدر رکن بنا دیا تھا؛

(صفحہ ۲۴۳)

سندھیا پونا میں

سندھیا نے بھی ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد میں شریک ہونیکی خواہش اس شرط پر ظاہر کی تھی کہ کمپنی اُن تمام مقبوضات کی تصدیق کر دے جو سندھیا نے ہندوستان میں حاصل کر لیئے تھے اور ویسی ہی دو پلٹنوں سے اُسکی بھی امداد کرے جیسی نواب نظام الملک کو دی گئی تھیں۔ ان شرائط کو ناقابل تسلیم سمجھا گیا اسلیئے سندھیا نے پونا کے معاہدۂ اتحاد میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ مگر اس غرض سے کہ وہ بھی ایک ایسی جنگ کے اتفاقی ثمرات سے کچھ فائدہ اُٹھا سکے جسمیں دکن کے تمام رئیس ٹیپو سلطان کے خلاف شریک ہونیوالے تھے سندھیا بھی اپنی فوجوں کو لیکر مرہٹہ مستقر پر پہنچ گیا جس سے نانا فرنویس کو بڑا خدشہ پیدا ہو گیا کیونکہ وہ سندھیا کے حریصانہ منصوبوں سے خوب واقف تھا۔ اُسنے کمزور شہنشاہ سے پونا کے پیشوا کے لیئے وکیل مطلق کا خطاب حاصل کر لیا تھا اور اپنے واسطے موروثی سفیر کا خطاب لیا تھا اور اُسنے اپنے اس سفر کے لیئے یہی عذر پیش کیا کہ

اجارہ دار نہ بنایا جائے۔ انڈیا ہاؤس نے ان تمام عرضداشتہائے احتجاج کی یہ دلیرانہ تردید کی کہ قومی اغراض کیلئے لازمی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی ہندوستان کی تجارت اور حکومت کو چلانیکے لئے سلطنت کی تنہا قائم مقام رکھی جائے۔ وزارت کو بھی موجودہ صورت معاملات نہایت ہے اطمینان بخش نظر آتی تھی کیونکہ ہندوستانی معاملات میں جتنے اہم مسائل درپیش ہوتے تھے وہ وزارت کی نگرانی میں تصفیہ پاتے تھے۔

لارڈ کارنوالس نے ہندوستان کے مالیات کو نہایت امید افزا حالت میں کر دیا تھا اور مسٹر ڈنڈاس وزیر ہند نے ایک شان مباہات کے ساتھ ایوان حکومت سے یہ سوال کیا کہ کیا ایوان مذکور اسپر تیار ہے کہ موجودہ مرفہ الحالی کی اٹھتی ہوئی لہر کو اور تجارت کی بڑھتی ہوئی رو کو محض کسی نظریے کی بنا پر روک دے۔ مسٹر ڈنڈاس کے استدلال کو آنکھیں بند کرکے ایک ایسے ایوان نے بالکل قبول کرلیا جسکی متفقہ رائے میں آزاد تجارت بربادی کی طرف لیجانیوالا لازمی راستہ تھا۔ چنانچہ کمپنی کے اجارے کی بیس سال کے لئے پھر تجدید کر دیگئی اگرچہ دوسرے تجارت پیشہ لوگوں کے شور وشغب کو فرو کرنیکے لئے کمپنی مذکور کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ دوسری نج کی تجارت کے لئے تین ہزار ٹن سالانہ کی چھوٹ دیں۔ مسٹر ولبر فورس نے اس وقت یہ بھی کوشش کی کہ پادریوں اور معلموں کو بھی ہندوستان جانیکی اس غرض سے اجازت دیدی جائے کہ اگر کوئی ہندوستانی دینی یا دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اُنکو یہ پادری اور معلم ایسی تعلیم دے سکیں لیکن وزارت مجلس انتظامیہ اور ہندوستان سے آئے ہوئے پرانے ملازمان کمپنی نے بالاتفاق اس تجویز سے اختلاف کیا۔ یہ ۱۷۹۳ء کا اجازتنامہ اپنے زمانے کے خیالات کا بالکل آئینہ تھا کیونکہ اُس زمانے میں یہی خیال عام طور سے دلنشین تھا کہ آزادی تجارت کے نام سے یورپ کے نوآبادکاروں کا گھس پڑنا۔ اور معلموں اور پادریوں کا قدم درمیان

(صفحہ ۲۳۳)

سندھیا کے سپہ سالار ڈی بائن نے اپنے بیس ہزار سوار اور نو ہزار پیدل سے ہلکر کی فوج پر ۱۷۹۲ء میں حملہ کیا جسکی تعداد تیس ہزار تھی اور جسمیں چار پلٹنیں وہ بھی تھیں جنکو ہلکر کے فرانسیسی جرنیل نے تیار کیا تھا۔ ہلکر کو شکست کامل ہوئی اور اُسکی یہ خاص رجمنٹیں بالکل فنا کر دیگئیں یعنے انمیں سے صرف ایک یورپین افسر سلامت بچا؛

مہا جی سندھیا کی وفات ۱۷۹۴ء

اس فتح نے سندھیا کو مرہٹہ برادری میں سب سے زبردست بنا دیا تھا اور اُسکے ہمچشم نانا فرنویس کے خطرات کو بہت ہی بڑھا دیا تھا مگر ۱۲۔ فروری ۱۷۹۴ء کو سندھیا کی اچانک موت سے وہ کانٹے نکل گئے جنکی اسکے دل میں خلش تھی۔ اس زبردست حوصلہ مند جنگجو کے متعلق یہ کہنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ اُسنے پینتیس سال تک اپنی عمر اپنے لشکر میں گزاری اور اپنے تمام وقت اور قوت عمل کو اپنی فوج کی ترقی اور مقبوضات کی توسیع میں صرف کیا۔ اپنے باپ سے اُسنے ترکے میں ایک چھوٹی سی ریاست پائی تھی اور اپنے بیٹے کے لیئے اُسنے ورثے میں ایک سلطنت چھوڑی جو ستلج سے الہ آباد تک پھیلی ہوئی تھی اور جسمیں دو ثلث مالوہ اور دکن کے بعض نہایت اعلیٰ درجے کے اضلاع شامل تھے اور ایک بہت درست اور نہایت زبردست فوج چھوڑی؛

نیا فرمان ۱۷۹۳ء

جس میعاد کے لیئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرقی تجارت کا اجارہ دیا گیا تھا وہ ۱۷۹۳ء میں ختم ہوگئی اور مجلس انتظامیہ نے ایوان حکومت میں ایک درخواست تجدید فرمان کے لیئے پیش کی لیکن اس زمانے میں انگلستان کے اندر تازہ بتازہ تجارتی اور صنعتی دلبستگیاں بڑے زور شور سے پیدا ہوتی جارہی تھیں اور ایوان عام میں گلاسگو۔ برسٹل مانچسٹر اور دوسرے حرفت و تجارت کے مستقروں سے بے گنتی عرضیاں مشتمل بریں احتجاج وصول ہوئیں کہ ہندوستان کی تجارت سے تمام ملک کو محروم کر کے کسی خاص کمپنی کو

باہمی کے معاہدے کا مسودہ پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ دکن میں توازن قوت قائم رہے اور تمام رئیسوں کے حقوق ایکدوسرے کی درازدستیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ نواب نظام الملک بڑے شوق سے اسپر راضی ہو گئے لیکن مرہٹوں کا نواب نظام الملک کے ساتھ بہت ہی لمبا چوڑا کھاتہ تھا جسکو بند کر دینا اُنکی حکمت عملی کے خلاف تھا اور جسکو وہ تلوار کے ذریعے سے طے کرنا چاہتے تھے اسلئے اُنھوں نے کسی ایسے مفاہمے میں شامل ہونے سے انکار کر دیا جس سے اُنکے اُن منصوبوں میں خلل پڑتا ہو جو اُنھوں نے نواب نظام الملک کے خلاف باندھ رکھے تھے۔ بارہ مہینے کے بے نتیجہ بحث مباحثے کے بعد لارڈ کارنوالس نے گورنمنٹ پونا سے اتفاق رائے حاصل کرنیکی تمام امیدیں قطع کر دیں۔ سندھیا اس معاہدۂ کفالت کا نہایت سرگرم مخالف رہا تھا اور اُسکی ناگہانی موت سے پھر نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر کے دکن کے اُس امن و امان کو قائم کرنیکی کوشش کا موقع ملگیا تھا جو مرہٹوں کی وجہ سے معرض خطر میں پڑا ہوا تھا۔ خود مرہٹوں کو بھی یہ خیال تھا کہ کمپنی کی گورنمنٹ پھر اُسی سرگرمی کے ساتھ اس معاملے میں سلسلہ جنبانی کریگی جیسی کہ لارڈ کارنوالس کے زمانے میں ہوتی رہی تھی۔ لیکن اُنکو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اب شمشیر حکومت کمزور ہاتھ میں ہے اور اُنھوں نے ۱۷۹۴ء میں فوراً ہی اپنی تیاریاں شروع کر دیں جبکہ انھیں یہ یقین ہو گیا کہ سرجان شور نے اپنے اصول مداخلت کو بالکل محدود کر کے محض غیر سگالی پر قناعت کر لی ہے۔ نواب نظام الملک کو اپنے مرہٹہ مدعیوں کے خلاف اتنی بھاری مقدار کے دعوے تھے کہ مرہٹوں کے بھی اتنے نہیں تھے انھوں نے فوراً انگریزوں سے ۱۷۹۰ء کے معاہدے کی ایفا کا مطالبہ کیا مگر سرجان شور میں اپنے پیشرو کا گرم خون کہاں تھا۔ سرجان شور کا مرہٹوں کی ناراضگی مول لینے سے دل دھڑکتا تھا اور اُسنے دست بستہ ایوان حکومت کے اُس فرمان کا احترام کرنا پسند کیا جو ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اتحاد کو ناجائز قرار دینے والا تھا اور بالکل سر پر منڈلانیوالی کشاکش میں غیر جانبدار رہنے کا عزم کر لیا

میں آجانا ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے لیئے نہایت مہلک ثابت ہوگا۔

فصل سوم

سر جان شور کا عہد حکومت

سر جان شور کمپنی کے قابل ترین ملازموں سے تھا اور موجودہ بندوبست کا تمام انصرام اُسی کی نگرانی میں ہوا ہے۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے جانشین کے تقرر کے متعلق مسٹر ڈنڈاس کے ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی۔

جو شخص کبھی پہلے کمپنی کی ملازمت میں نہ رہا ہو جو کمپنی کے ملازموں سے لازمی طور پر ہمیشہ بے تعلق رہا ہو۔ جو ایسے رتبے کا ہو کہ اپنے دوسرے ماتحتوں کے مقابلے میں بہت ہی اعلیٰ ہو اور جسکو انگلستان کی وزارت کی پوری امداد حاصل ہوسکے صرف وہی گورنر جنرل کے عہدے کے قابل ہے۔

مگر یہ خط اُس وقت انگلستان پہنچا جس وقت کہ اس عہدے کے لئے انتخاب کیا جاچکا تھا۔ یہ انتخاب مسٹر پٹ کی خاص سفارش سے عمل میں آیا تھا کیونکہ وزیر موصوف پر اُس صفائی معاملہ۔ قابلیت اور تندہی کا بہت بڑا اثر پڑا تھا۔ جو سر جان شور نے مالی بندوبست کے انصرام میں ظاہر کی تھی۔ غرض یہ کہ سر جان شور نے اپنے عہدے کا انصرام ۲۸۔ اکتوبر سنہ ۱۷۹۳ء کو ہاتھ میں لے لیا۔

کفالت باہمی کا معاہدہ سنہ ۱۷۹۳ء

سب سے پہلا مسئلہ جسمیں نئے گورنر جنرل کی قابلیت کا امتحان ہونیوالا تھا دکن کی سیاسیات کے متعلق پیش آیا۔ ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ ختم ہوجانے پر لارڈ کارنوالس کو دکن میں دائمی امن کے قیام کی فکر دامنگیر ہوئی تھی اور اُسنے اتحاد ثلاثہ کے دونوں ہندوستانی رئیسوں کے سامنے سنہ ۱۷۹۰ء میں کفالت

(صفحہ ۱۴۴)

دستے کو مار کر بھگا دیا مگر نواب نظام الملک کا رسالہ بے ترتیب ہو کر مرہٹوں کی فرانسیسی فوج کے حملے کی تاب نہ لا سکا ایمنڈ کی فوج نے اپنے مد مقابل پیرن کی فوج کو بہت اچھی طرح دبا لیا تھا اور ہر طرح سے یہ امید تھی کہ میدان نواب نظام الملک کے ہاتھ رہیگا مگر یکایک ایمنڈ کو میدان چھوڑ کر ہٹ آنا پڑا جسکی وجہ سے باقی فوج میں بھی ہل چل پڑ گئی اور وہاں سے ہٹ کر موضع کُردلا میں دم لینا پڑا جہاں دو دن کے بعد فریقین میں صلحنامہ ہو گیا جسکے بموجب پانچ لاکھ کی آمدنی کا علاقہ مرہٹوں کے حق میں تفویض کرنا پڑا۔ تین کروڑ روپے تاوان جنگ کے دیئے گئے اور بعض معاملات کو طے کرنے کے لیئے ریاست کے وزیر اعظم کو جو بڑا قابل مدبر تھا پونا میں پیشوا کے پاس رہنا پڑا۔ اس لڑائی کے دوران میں ان دونوں انگریزی پلٹنوں کو سرجان شور نے شریک جنگ ہونیکی اجازت نہیں دی تھی جو نواب نظام الملک کی خدمت میں رہا کرتی تھیں اور حیدرآباد واپس آکر نواب نظام الملک نے اُن دونوں کو نفرت کے ساتھ رخصت کر دیا اور ایمنڈ کو تاکیدی حکم یہ دیا کہ انتہائی کوشش کے ساتھ فوجوں کو قواعد وغیرہ سکھا کر تیار کرے اور ان فوجوں کے اخراجات کے واسطے علیحدہ اضلاع کاٹ دیئے لارڈ کارنوالس نے جو رسوخ و اقتدار کمپنی کا نواب نظام الملک کے دربار میں پیدا کر لیا تھا وہ یکایک فرانسیسیوں کی طرف منتقل ہو گیا۔

پیشوا کی موت ۱۷۹۵ء | کردلا کی لڑائی نے نواب نظام الملک پر جو اثر ڈالا تھا وہ ایسا تھا کہ شاید مرہٹے پھر ادہر کا رخ کرتے لیکن پیشوا کے دفعتاً مر جانے سے اُنمیں ایک قسم کی گھبراہٹ اور ابتری پیدا ہو گئی تھی۔ نانا فرنویس نے پیشوا کی نابالغی کے زمانے میں تمام مرہٹہ معاملات کو بالکل اپنے قبضۂ قدرت میں رکھ چھوڑا تھا جسمیں کبھی اتفاقیہ کوئی خلل پڑ جاتا تھا مگر جب پیشوا بالغ ہو چکا تب بھی اسکو ایسی تکلیف دہ پابندیوں میں رکھا جاتا تھا

دراں حالیکہ لارڈ کارنوالس نے باوجود اس فرمان کے بھی اپنی گاڑی چلنے سے نہیں روکی تھی۔ مگر انصافاً اس جگہ پر یہ بھی کہدینے کی ضرورت ہے کہ سرجان شور کے اس فیصلے پر بڑی حد تک اس حقیقت کا بھی اثر پڑا تھا کہ اُس وقت تینوں احاطوں کے کمانڈر انچیف نہایت ناقابل لوگ تھے اور وہ اُن تینوں میں سے کسی ایک کے بل بوتے پر بھی ایسی جوکھم کی دشمنی مول لینے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

نواب نظام الملک کے خلاف مرہٹہ فوجکشی ۱۷۹۵ء

جب کبھی لوٹ مار کی امید ہو تو مرہٹہ فوج کے جمع کرنے میں ذرا دقت نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس موقع پر چونکہ نوجوان پیشوا بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جارہا تھا اسلئے اُسنے اپنے ہر درجے کے تمام جاگیرداروں کو بلا بھیجا اور یہ آخری موقعہ تھا جبکہ تمام چھوٹے بڑے مرہٹہ سردار قومی جھنڈے کے تلے ایک دم سے جمع ہوگئے۔ سندھیا۔ ہلکر۔ بھونسلا۔ گیکواڑ۔ اور جنوبی جاگیرداروں میں سے ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق کمک بھیجی اور تمام فوج کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار سوار و پیدل مع ڈیڑھ سو توپوں کے ہوگئی اور نواب نظام الملک کی تمام فوج کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی۔ نواب نظام الملک نے ایک فرانسیسی افسر مسمی ریمنڈ کو دو پلٹنیں تیار کرنیکے لیئے نوکر رکھا تھا اور جب مرہٹوں کے ساتھ جنگ ناگزیر نظر آنے لگی تو ان پلٹنوں کی تعداد ۲۳ کردی گئی تھی۔ اسی طرح سندھیا کی فوج میں دس ہزار قواعدداں سپاہی جنرل پیرن کی سرکردگی میں تھے اور ہلکر کی فوج میں دو ہزار جنرل ڈوڈرینس کی ماتحتی میں تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہر دو متخاصمین کی طرف بہترین قواعدداں فوج فرانسیسی افسروں کی قیادت میں تھی۔

(صفحہ ۲۳)

کردلا کی لڑائی ۱۷۹۵ء

دونوں فوجیں ۱۲۔ مارچ ۱۷۹۵ء کو موضع کردلا سے ذرا آگے بڑھکر مقابلے میں آئیں اور اسی گاؤں کے نام سے یہ لڑائی موسوم کی گئی ہے۔ نواب نظام الملک کی فوج کے ہراول نے مرہٹہ پیدل فوج کے ایک بڑے

دہوکے سے گرفتار کیا گیا اور قید کرکے احمدنگر بہیجدیا گیا۔ اسکے بعد باجی راؤ نے سندھیا کو بھی چپکے سے قتل کرانیکی تیاریاں کیں لیکن عین وقت پر اُسکی ہمت نے ساتھ ندیا اور پہلی مرتبہ اُس سے اس اخلاقی کمزوری کا اظہار ہوا جو اُسکی تمام آئندہ زندگی کی نمایاں خصوصیت رہی ٭

یورپین افسروں کی سرکشی ۱۷۹۴ء

مسٹر ڈنڈاس نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ ہندوستان کو صرف ایک زبردست یورپین فوج کی مدد سے قبضے میں رکھا جاسکتا ہے اسلئے تمام فوج میں یورپین عنصر چار میں سے تین حصے ہونا چاہئے اور تمام فوج کو سلطنت انگلستان کی فوج بنادیا جانا چاہئے اور سلطنت کی فوج کے ساتھ اسکو ملکر کام کرنا چاہئے۔ انگلستان و ہندوستان کی فوجوں کو ایک کردینے کی جو تجویز لارڈ کارنوالس نے پیش کی تہی اسکو نہ وزارت کی جماعت نگران کارنے قبول کیا نہ کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے پسند کیا اور مسٹر ڈنڈاس نے ایک دوسری تجویز مرتب کرنیکا کام اپنے ذمہ لیا۔ لیکن ہندوستانی فوج کے یورپین افسر جو اس اوغام کے پہلے سے مخالف ہورہے تھے اس وقت سرکشی تک کی حالت کو پہنچ گئے اور سرجان شور کو زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی یہہ معلوم ہوا کہ اُسے تمام فوج کی سرکشی کا سامنا کرنا ہے۔ افسروں نے اپنے اظہار ناراضگی کو مسٹر ڈنڈاس کے قوانین کے انتظار میں دبائے رکھا لیکن اسمیں زیادہ دیر لگ جانے سے انکو صبر کی تاب نہیں رہی۔ ۲۵۔ دسمبر ۱۷۹۵ء کو سرجان شور نے کونسل کا اجلاس منعقد کیا اور ممبران کونسل کو یہہ اطلاع دی کہ ہر رجمنٹ کی طرف سے نمائندے اس غرض سے منتخب کئے جاچکے ہیں کہ ایک کارکن جماعت ترتیب دیں اور ہر رجمنٹ نے بحلف یہ عہد کیا ہے کہ ان نمائندوں کی حفاظت کریگی اور اپنے نقصانات کی تلافی کراکر چھوڑیگی۔ جو مطالبے یہ کارکن جماعت گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے وہ یہ ہیں کہ ایک خاص تعداد سے آگے نہ ہندوستانی سپاہ میں کمی کیجائے

صفحہ ۲۳۷

باب چہارم
فصل سوم
صفحہ ۲۳۶

جنکو وہ کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ ۲۵۔اکتوبر ۱۷۹۵ء
کو اُسنے اپنے تیئں اپنے محل کے بالاخانے سے گرادیا اور دو دن
میں راہی عدم ہوا اور تخت و تاج اپنے ابن عم باجی راؤ کے لیئے
چھوڑ گیا جو اُس مشہور رگھوبا کا بیٹا تھا جسے نانا فرنویس نے اپنی حراست
میں رکھہ چھوڑا تھا۔ اسکے بعد تمام پونا طوائف الملوکی اور سازشوں کا
منظر بنگیا جنکا تین سال تک زور شور رہا جسکی نظیر ہندوستان کی کسی
ریاست میں ملنی مشکل ہے۔ کئی کئی دفعہ اچھا لے لیکر نانا فرنویس کی
قسمت بالکل بیٹھ گئی تھی مگر اسکی غیر معمولی ذہانت سے پھر ادبیر ابھر آئی۔
مرہٹہ مؤرخ لکھتا ہے کہ نانا فرنویس کی زبردست معاملہ فہمی۔ اسکے
وسائل کی زور دار کثرت۔ اسکے رسوخ کا وسیع حلقہ اور ان سب کے
ساتھہ وہ تمام آلات و ذرائع جنکو وہ کام میں لاتا رہا ان سب نے
ملکر تمام ہندوستان کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور اپنے یورپین ہمعصروں
سے بھی اسنے مرہٹہ میکیاؤلی[1] کا خطاب حاصل کرلیا تھا۔ اسنے نواب
نظام الملک سے اس تمام علاقے کی واپسی کا وعدہ کیا جو اُن سے
کرولا کی لڑائی میں مرہٹوں نے چھین لیا تھا اور اُن قدر زرتاوان
بھی واپس کردینے کا اقرار کیا جس قدر کہ وصول ہو چکا تھا اور
اسطرح نواب نظام الملک کی امداد حاصل کرکے اور کسی نہ کسی طرح
سندھیا اور ہلکر کو بھی اپنا معاون بناکر بڑی شان و شوکت کے ساتھ
پونا پر چڑھ دوڑا اور باجی راؤ کو تخت نشین کردیا اور اپنے اختیارات
وزارت پر حاصل کرلیئے۔ مگر باجی راؤ نے جو ہندوستانی رئیسوں میں
سب سے زیادہ احسان فراموش ثابت ہوا نانا فرنویس کا زور
توڑنیکے لیئے سندھیا سے سازباز کرلی اور ایک دعوت میں اسکو

[1] نکالو میکیاولی فلورنیس کا مدبر تھا جو اپنی ذکاوت فطنت اور چالبازی کے لیئے مشہور
تھا اسکا اصول کامیابی حاصل کرنا تھا خواہ اُسکے لیئے تمام اصول انسانیت کو توڑنا
پڑے۔ اسکا زمانہ ۱۴۶۹ء سے ۱۵۲۷ء تک رہا۔ ۱۲۔ مترجم

باب چہارم
فصل سوم

حلف اطاعت لیا گیا۔ اور اسکی گورنر جنرل کی اطلاع تینوں احاطوں کو بھیجدی گئی۔ لیکن باغیوں کی ایک قائم مقام جماعت لندن میں بھی موجود تھی اور اگرچہ یہ بات کتنی ہی ناقابل اعتبار نظر آتی ہو مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کمپنی کی مجلس انتظامیہ اور وزارت کی جماعت نگران کار نے سرجان شور کو اُسکی کمزوری کی وجہ سے واپس بلانیکے بعد ہی اس قائم مقام جماعت سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اُن کے مطالبات پر مطالبات منظور کر کے اُنکو خاموش کر دیا یہاں تک کہ ایک سرغنہ کو تو انڈیا ہاؤس میں ایک بڑی تنخواہ کا عہدہ دیکر اسکا منہ بند کیا۔ چنانچہ اس بغاوت کے متعلق ایک حکم صادر کیا گیا جسکو لارڈ کارنوالس نے بیان کیا کہ گویا دودھ میں پانی ملایا گیا تھا اور متنفر ہو کر اپنے عہدے سے سبکدوشی حاصل کر لی ؂

اودھ

سرجان شور کے عہد حکومت کا آخری کارنامہ اپنی اخلاقی جرات کی وجہ سے اتنا ہی ممتاز ہے جتنا اُسکا تمام عہد حکومت اُسکی اخلاقی کمزوری کیوجہ سے قابل گرفت ہے۔

نواب وزیر اودھ بہت اچھی طینت کا آدمی تھا لیکن خود مختار حکومت نے اُسے بگاڑ دیا تھا اور مسخروں۔ خوشامدوروں اور ہوا پرستوں نے اُسکے دربار میں رسوخ پاکر اسے بالکل از کار رفتہ بنا دیا تھا نظم حکومت نہایت سقیم تھا اور اگر انگریزی سنگینیں اُسکی پشت پر نہ ہوتیں تو اُسکی مملکت کبھی کی مرہٹوں اور سکھوں نے ہضم کر لی ہوتی۔ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے سرجان شور لکھنو چلا گیا تھا اور مملکت کی بدنظمی کی اصلاح کی ضرورت اُس کے ذہن نشین کرنیکی کوشش کی تھی۔ لیکن جو کچھ جھوٹا سچا اثر سرجان شور کی فہمائش و نصیحت نے صبح کے وقت پیدا کیا تھا وہ سب شام کو نواب کے دل سے مسخروں اور افسانہ گویوں کے انچھروں اور چنڈونوشی میں غائب ہو گیا۔ سرجان شور کے کلکتے واپس آنیکے چھ ہفتے بعد نواب وزیر کا عیش پرستی کی زندگی نے خاتمہ کر دیا اور وزیر علی کی گدی نشینی گورنمنٹ آف انڈیا نے منظور کر لی کیونکہ اسی کو نواب وزیر نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

باب چہارم
فصل سوم

نہ انگریزی سپاہ میں زیادتی کیجائے اور جس کسی زمانے میں بھی جو مراعات
بھتہ وغیرہ کی فوج کو دی جا چکی ہوں وہ اب بحال کی جائیں۔ اگر ان مطالبا
کو منظور نہیں کیا گیا تو تمام رجمنٹیں اس حد تک تیار ہیں کہ گورنر جنرل
اور کمانڈر انچیف کو گرفتار کرلیں اور گورنمنٹ پر قبضہ کرلیں ؛
گورنمنٹ مغلوب ہو جاتی ہے گورنر جنرل کے اس اعلان سے ممبران
کونسل پر بجلی سی گرگئی۔ یہ بھی ویسا ہی نازک
موقع تھا جسکا آج سے بتیس سال پہلے کلائیو کے غیر متزلزل استقلال
نے خاطر خواہ تدارک کر لیا تھا لیکن اس وقت کلکتے میں کلائیو کہاں تھا
مدراس اور کیپ میں احکام بھیجے گئے کہ فوجیں روانہ کی جائیں اور امیر البحر سے
یہ خواہش کی گئی کہ وہ اپنا بیڑہ گورنمنٹ کی حفاظت کے لئے لے آئے
یہاں تک کہ ڈی بائن سے بھی یہ استدعا کی گئی کہ وہ سندھیا کے رسالے
کا ایک دستہ لیکر آئے۔ کمانڈر انچیف خود کا ہنپور گیا اور اپنی خوش
اخلاقی سے افسروں کی تالیف قلوب کر کے اُنھیں خاموش کیا لیکن بغاوت
کی لہر کو در اصل روکا تو توپ خانہ کی ثابت قدم وفاداری نے روکا۔ مسٹر
ڈنڈاس کے قوانین بڑے انتظار کے بعد مئی ۱۷۹۶ء میں ہندوستان
میں وصول ہوئے اور اُن سے فریقین کو یکساں نفرت و مایوسی پیدا ہوگئی
خود گورنر جنرل نے یہ کہا کہ یہ ایک دفتر بے معنی ہے۔ سرجان شور نے
مجلس انتظامیہ کو جو مراسلہ بھیجا اُسمیں صاف اعتراف کر لیا کہ اس وقت
دباؤ اتنا سخت پڑا تھا کہ گورنمنٹ کے واسطے سوائے دب جانیکے
کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا تھا۔ غرض یہ کہ ہندوستان میں اُن قوانین میں
ترمیم کر دی گئی اور ایسی مراعات دیگئیں جو فوج کی امیدوں سے بھی بڑھکر
تھیں۔ گورنمنٹ کی مغلوبیت کی اس خبر نے وزارت کو نہایت درجہ سٹپٹا دیا
اور سرجان شور کی جگہ کا فوراً انتظام کرنیکی تجویز کی گئی اور لارڈ کارنوالس
کو مجبور کیا کہ چاہے صرف ایکسال کے لئے جائے مگر فوراً ہندوستان
جا کر امن قائم کرے۔ چنانچہ پھر یکم فروری ۱۷۹۷ء کو لارڈ کارنوالس سے

قابلیت اور پامردی کی بہت داد دی جو اُسنے اس موقع پر ظاہر کی تھی۔ بنارس سے ایک زبردست سپاہ کے ساتھ سعادت علی کے آجانے نے گورنر جنرل کو بھی خطرے سے نکال لیا اور وہ کلکتے واپس آیا اور انگلستان کو روانہ ہوگیا جہاں پہنچکر وہ لارڈ ٹین متھ کے خطاب کے ساتھ ایوان خاص کا ممبر بنادیا گیا ؟

لارڈ ولزلی۔ آخری جنگ میسور

لارڈ ولزلی ۱۷۹۸ء

سرجان شور کی جگہ لارڈ مارننگٹن نے لی جو بعد کو مارکوس ولزلی بنا دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کے زبردست عہد حکومت میں کمپنی کی قوت تمام ہندوستان میں سب قوتوں پر غالب ہوگئی لارڈ ولزلی چار سال جماعت نگران کا رکن رہ چکا تھا اور اس عہدے پر اُسے ہندوستانی معاملات کے متعلق بہت جامع معلومات حاصل ہوگئی تھیں اسکے علاوہ اسکو مسٹر پٹ کی ذاتی دوستی اور مسٹر ڈنڈاس کے اعتماد کا بھی امتیاز حاصل تھا۔ ہندوستان آتے وقت اُسنے راس امید پر قطع سفر بھی کیا تھا اور یہاں اُسے لارڈ ہربرٹ اور مکارٹنے سے ملاقات کا موقع ملگیا جو دونوں مدراس کے گورنر رہ چکے تھے اور میجر کرک پاٹرک سے بھی ملاقات ہوئی جو عرصے تک سندھیا کے دربار میں برطانوی رزیڈنٹ بھی رہ چکا تھا اور پھر دربار حیدرآباد میں بھی رہا تھا اور ان سب صاحبوں سے ملکر اُسنے ہندوستان کے مختلف رئیسوں کے

باب چہارم
فصل سوم

اسکے کچھ عرصے بعد یہ اطلاعیں وصول ہوئیں کہ وزیر علی کی ولادت ناجائز ہے اور اُسکی طینت نہایت سفاکانہ ہے۔ سرجان شور کو اصل حقیقت کے دریافت کرنیکے لئے لکھنو جانا پڑا جہاں اُسکے سامنے یہ شہادت پیش کی گئی کہ وزیر علی نواب وزیر کا ناجائز بیٹا بھی نہیں ہے بلکہ ایک نہایت ادنیٰ قوم کے آدمی کا لڑکا ہے اور اُسکی بدکرداریوں نے مخلوق کے دل میں عام نفرت پیدا کردی ہے۔ سرجان شور کو فوراً خیال ہوا کہ گورنمنٹ نے ناانصافی کرنے میں اعانت کی ہے اور چونکہ متوفی نواب وزیر نے کوئی اولاد جائز نہیں چھوڑی تھی اسلئے سرجان شور نے اُسکے ایک بھائی سعادت علی کو گدی نشین کرنا چاہا جو اُس زمانے میں بنارس میں رہا کرتا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں سعادت علی سے گدی نشین کرتے وقت ایک نئے معاہدے پر دستخط کرائے گئے جسکی ایک شرط یہ تھی کہ ملک کی حفاظت کے لئے ایک برطانوی سپاہ رکھی جائیگی جسکی تعداد دس ہزار تھی اور جسکی کفالت کے لئے ۷۵ لاکھ کی تعلقہ‌بندی مقرر کی گئی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ خاص اودھ کی فوج ۳۵ ہزار سے زیادہ نہ بڑھائی جائے۔ تیسری شرط یہ تھی قلعہ الہ آباد جو ممالک مغربی و شمالی کی کنجی تھی کمپنی کے سپرد کردیا جائے اور چوتھی شرط یہ تھی کہ نواب وزیر کسی دوسری دولت کے ساتھ کوئی نامہ و پیام نہ کرسکے ان تمام انتظامات کے دوران میں سرجان شور اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ لکھنو کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا رہتا اور وزیر علی کی طرف سے اگر کسی قسم کی زیادتی کی جاتی تو گورنر جنرل کے لئے پورا پورا خطرہ تھا کیونکہ وزیر علی کی فوج میں بڑے بڑے سرفروش لوگ ملازم تھے اور اُنکا سپہ سالار نہایت سفاک سلحشور تھا اور فوج کے پاس تین سو توپیں بھی تھیں اور گورنر جنرل کے قتل کرڈالنے کی علانیہ چہ میگوئیاں بھی ہرطرف ہورہی تھیں۔ اس مخدوش حالت میں جس بیخوفی کا اظہار سرجان شور نے کیا اور اپنی کارروائیوں میں جس استقلال و انصاف کو اُسنے مدنظر رکھا اس سے تمام ہندوستان میں اُسکی بے انتہا تعریف ہوئی اور مجلس انتظامیہ نے بھی اُس مستقل مزاجی

(صفحہ ۲۳۹)

باب پنجم
فصل اول

پیشوا کی سرحدوں سے اُنکا ڈانڈا میندڈ ا ملا ہوا تھا اور ہندوستان میں ستلج تک پھیلا ہوا تھا اور نواب وزیر اودھ اور کمپنی کی مملکتوں سے پہلو زنی کرتا تھا۔ ڈی باٹن نے جو فرانسیسی فوجیں قائم کیں اور ترتیب دی تھیں اُنکی تعداد اب چالیس ہزار نفر تک پہنچگئی تھی۔ یہ کسی طرح کمپنی کی دیسی سپاہ سے کمتر درجے کی نہیں تھیں اور اسکے ساتھ چار سو پچاس توپیں تھیں۔ قلعے تھے۔ سلح خانے تھے۔ ڈھالنے کے کارخانے تھے۔ ذخیرے تھے اور تمام ضروریات حرب کے انتظام تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنے جانشین کے لئے ملک میں اسی لاکھ روپے کی آمدنی کا اضافہ کر گیا تھا لیکن یہ اضافہ اتنا کم ہو گیا کہ اصلی آمدنی بھی خرچ کا کافی نہ رہی اور کمپنی کی ساکھ ایسی بگڑ گئی تھی کہ کمپنی کو بارہ روپے سیکڑہ سے کم سود پر روپیہ نہیں مل سکتا تھا۔

اعلان مارشیس ۱۷۹۸ء

لارڈ ولزلی کلکتے میں ۱۷ ۔مئی ۱۷۹۸ء کو اترا اور تین ہفتے کے اندر اُسے ایک اعلان نے چوکنا کر دیا جو گورنر جنرل مارشیس نے شائع کیا تھا کہ ٹیپو سلطان کی طرف سے ایک سفیر کچھ مراسلے گورنمنٹ پیرس کے نام لیکر آیا ہے جنمیں فرانس کے ساتھ محارحانہ و مدافعانہ اتحاد کی تجویز کی گئی ہے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکے لئے ٹیپو سلطان کی امداد کرنیکو کچھ فرانسیسی کمک کی استدعا کی گئی ہے۔ اسکے بعد ہی لارڈ ولزلی کو یہ اطلاع ملی کہ ایک فرانسیسی سہ مستول نے مارشیس سے ڈیڑھ سو فرانسیسی منگلور پر اُتارے ہیں جو سب فرانسیسی افسر ہیں اور ٹیپو سلطان کی فوج کو ترتیب کرنیکے لئے سلطنت میسور کی ملازمت اختیار کر چکے ہیں۔ لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کی مخاصمانہ نقل و حرکت کا پہلے سے سد باب کرنا چاہا اور جنرل ہیرس قائم مقام گورنر مدراس کو یہ ہدایت بھیجی کہ ساحل کی سپاہ کو سرنگاپٹم پر فوری کوچ کرنیکے لئے جمع کر لے۔ اسکے ساتھ ہی لارڈ موصوف نے نواب نظام الملک اور پیشوا سے بہ حیثیت متعاقدین معاہدہ ۱۷۹۰ء اپنی امدادی فوج حسب حیثیت بھیجنے کا مطالبہ شرط (۱۲) کے موافق کیا۔

(صفحہ ۲۴۱)

باب پنجم
فصل اول

خیالات اور حیثیتوں کے متعلق نہایت قیمتی معلومات فراہم کیں ہ

ہندوستان کی حالت اس قابل یادگار زمانے کی ابتدا ہی میں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی حالت پر ایک نظر ڈال لیجائے

ٹیپو سلطان کو اچھی طرح نیچا دکھا دینے کے بعد لارڈ کارنوالس نے یہ کوشش کی تھی کہ دکن میں توازن قوت قائم ہو جائے۔ لیکن ہندوستان میں کبھی توازن قوت نہ قائم ہو سکا اور چیرہ دستیاں اور حق تلفیاں ہندوستانی رئیسوں کی ہمیشہ اصول عمل رہیں۔ بغیر کسی منصفانہ وجہ اشتعال کے لڑائیاں شروع کر دی جاتی تھیں اور برابر جاری رکھی جاتی تھیں اور صرف قوت مدافعت کے ہی ذریعے سے رک سکتی تھیں۔ لارڈ کارنوالس کی روانگی کے

(صفحہ ۲۴)

اٹھارہ ماہ بعد کھردلا کی لڑائی نے ریاست حیدرآباد کی قوت میں کمی پیدا کر دی تھی۔ پیشوا انتہائی مصیبتوں میں سندھیا کی زبردستیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گیا تھا اور خاص دکن میں بھی توازن قوت قائم ہونیکی امید بالکل فنا ہو چکی تھی۔ تمام ہندوستانی درباروں میں گورنمنٹ کلکتہ ایک مضحکہ انگیز چیز بنگئی تھی۔ اگر سر جان شور کی کمزور حکومت کچھ سال اور جاری رہتی تو بڑی مخدوش پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں۔ جنوب میں ٹیپو سلطان اپنی مصیبتوں کا خیال اپنے دل میں پال رہا تھا اور اُنکا انتقام لینے کے لئے اپنے وسائل کو ترقی دیرہا تھا۔ اگرچہ اسکو نصف مملکت سے محروم کیا جا چکا تھا پھر بھی وہ ایک جرار سپاہ پوری آراستگی کے ساتھ تیار رکھنے کے قابل تھا۔ نواب نظام الملک نے ریمنڈ کی تعلیم میں اپنی پلٹنوں کی تعداد چودہ ہزار نفر تک بڑھا دی تھی اور انگلستان کی طرف سے فرانس میں جس قومی منافرت کا زور شور تھا اسکی وجہ سے فرانیسیوں نے دربار حیدرآباد میں اپنا نہایت زبردست رسوخ و اقتدار پیدا کر لیا تھا۔ سندھیا پونا اور دہلی کے دونوں درباروں کا مالک بنا ہوا تھا اور اب تک جو اثر و اقتدار تخت دہلی کے ساتھ باقی تھا وہ سب سندھیا کی ذات کو حاصل تھا۔ سندھیا کا علاقہ دکن میں نربدا تک پھیلتا چلا گیا تھا اور نواب نظام الملک اور

ان فوجوں کو نواب نظام الملک کی طرف سے بطور کمک کے انگریز لوگ میدان میں نہیں لا سکتے تھے کیونکہ انکے متعلق خدشہ تھا کہ عین وقت پر سلطان سے مل جائینگی جس کے فرانسیسی افسروں کے ساتھ حیدر آباد کے فرانسیسی افسر برابر نامہ و پیام کر رہے تھے اور ان فوجوں کو حیدر آباد میں بغیر انکے مقابلے کی کافی فوج کے چھوڑ دینا بھی سخت مخدوش تھا۔ اسی نازک موقعے پر لارڈ ولزلی کو زمان شاہ کی طرف سے ایک مراسلہ وصول ہوا جسمیں شاہ افغانستان نے اپنا ارادہ اٹک کو عبور کر کے ہندوستان پر حملہ کرنیکا ظاہر کیا تھا اور انگریزوں سے یہ استدعا کی تھی کہ مرہٹوں کو ہندوستان سے نکال کر دکن میں واپس دھکیلنے میں امداد دیں۔ زمان شاہ اسی احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا جسنے ہندوستان کو چالیس برس پہلے اپنی فتح پانی پت سے محو حیرت بنا دیا تھا۔ اور ایک دوسرے ابدالی حملے کی امیدوں نے پھر ہندوستان میں اگر خطرہ نہیں تو ایک بے چینی ضرور پیدا کر دی تھی۔ اس طرح شمال و جنوب میں برابر کی مصیبتوں کا سامنا ہوتا دیکھکر لارڈ ولزلی نے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنیکی حکمت عملی پر اپنی ذاتی ذمہ داری پر کاربند ہونیکا دلیرانہ عزم کر لیا اور مجلس انتظامیہ یا وزارت کی منظوری کا انتظار کرنا بھی گوارا نکیا۔ لارڈ ولزلی نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کمپنی نے اپنا رسوخ ہندوستانی درباروں میں کم کر کے اپنی سلامتی کو کچھ بڑھا نہیں لیا ہے بلکہ اب ڈھلتے پھرتے وہ ایسی حیثیت پر پہنچ گئی ہے جہاں سے آگے بڑھنے میں کم خطرہ ہے اور جہاں قائم رہنے میں سخت خدشہ ہے۔ اُسنے اس عدم مداخلت کی حکمتِ عملی کو بالکل توڑ ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا جسکو اب تک غلطی سے برطانوی قوت کا مسلک عافیت سمجھا جاتا تھا اور کونسل میں نشست کرنیسے تین ماہ کے اندر تمام اقلیم ہند کے ساتھ ایک سلسلہ نامہ و پیام کا شروع کر دیا گیا اور ہندوستان کے ہر دربار میں قوت عمل کی وہ بجلی کی سی لہر دوڑنے لگ گئی جس سے ہسٹنگز اور کارنوالس کے زوردار زمانوں کی یاد

(صفحہ ۲۴۲)

باب پنجم
فصل اول

احاطہ مدراس کے حکام اس دلیرانہ منصوبے کو سنتے ہی دم بخود رہ گئے۔ اُن کے دل پر اُس میسور کی قوت کا اب تک ڈر غالب تھا جسنے مدراس کی فصیلوں کے تلے اپنی شرائط صلح تسلیم کرائی تھیں۔ جسنے بیلی کی فوج کو بالکل فنا کردیا تھا اور کرناٹک کو روند کر رکھدیا تھا۔ اور انہوں نے ان تمام مصیبتوں کی یاد کو اپنے دل میں پھر تازہ کرنا شروع کیا جو حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگبازی میں احاطۂ مدراس پر نازل ہوچکی تھیں۔ کام کے قابل کل فوج اس وقت احاطۂ مدراس میں آٹھ ہزار سے زائد نہیں تھی اور یہ بھی باربرداری کے جانوروں اور رسد رسانی کے ذخیروں سے محروم تھی۔ اُنکی رائے میں ٹیپو سلطان کے دارالحکومت پر حملہ کرنا تو بجائے خود رہا یہ فوج اس قابل بھی نہیں تھی اگر ٹیپو سلطان حملہ آور ہو تو اس سے کمپنی کے علاقے کی بھی خاطرخواہ حفاظت کی جاسکے۔ برخلاف اسکے میسور کا فرماں روا اس وقت ساٹھ ہزار فوج میدان میں لاسکتا تھا جسکا بڑا حصہ خاص ٹیپو سلطان کے مشہور رسالے پر مشتمل تھا۔ اُسکی پیدل سپاہ کے بہت سے حصے کو فرانسیسی افسروں نے تعلیم دی تھی۔ اُسکے پاس ایکسو چوراسی میدانی توپیں تھیں ایک سنگ اندازوں کا دستہ تھا۔ پورا رسالہ ہاتھیوں کا تھا رسد پہنچانیوالے اور توپ کھینچنے والے مویشی کی بہت بڑی تعداد تھی اور رسد کا وافر ذخیرہ تھا اس صورت حالات میں لارڈ ولزلی کو ناممکن نظر آیا کہ کوئی فوری ضرب لگاسکے لیکن اُسنے تاکیدی احکام فوج کی فوری اور مکمل تیاری کے نافذ فرمادئے اور جس جس طرف سے اسکو فہمائش کی جارہی تھیں اُن سبکو اُسنے اپنے تحکمانہ انداز میں یہ جواب دیکر چپ کردیا کہ جو لوگ مجھے اپنا راستہ نہیں چلنے دیتے ہیں اور مجھکو جو حکومت سپرد کی گئی ہے اُسمیں بہ اختیار خود ناجائز مداخلت کرتے ہیں ان سب سے میں بری طرح پیش آؤنگا۔

لارڈ ولزلی کی پریشانیاں

حیدرآباد کے معاملات میں لارڈ ولزلی کی فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ چودہ ہزار کی وہ فوج جسکو فرانسیسی افسروں نے بھرتی کرکے تیار کیا تھا ایک خاص دقت طلب چیز بنگئی تھی۔

باب پنجم
فصل اول
(صفحہ ۲۴۳)

پیشوا نے نواب نظام الملک سے اتحاد کر لیا اور اس امداد کے معاوضے میں آٹھ لاکھ سالانہ کا علاقہ اسکے حوالے کر دیا۔ سندھیا نے اسکا جواب یہ دیا کہ نانا فرنویس کو آزاد کر دیا جو اسکی حراست میں تھا اور ٹیپو سلطان کو اپنی شرکت کی دعوت نواب نظام الملک پر حملہ کرنیکے لئے دی۔ اس چال سے سندھیا اور پیشوا میں ایک عارضی ملاپ ہو گیا اور اس موقع پر لارڈ ولزلی نے اس حمایتی معاہدے کی تجویز پیش کی جسکی رو سے نواب نظام الملک کے ساتھ مرہٹوں کی تمام تنازعات انگریزی گورنمنٹ کی طرف رجوع کئے جانے چاہیئے تھے۔ پیشوا اتنا بے عقل نہ تھا کہ یہ بھی نہ سمجھتا کہ ایسے معاہدے سے اسکا تمام سیاسی اقتدار فنا ہو کر رہ جائیگا اور یہ امر ذرا بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ پیشوا نے مع تمام دیگر ہندوستانی رئیسوں کے اس قسم کے معاہدے پر راضی ہو جانے سے قطعاً انکار کیا کیونکہ رئیسوں کی نظر میں آزادی کا دلربایانہ انداز ایسا کھبا ہوا تھا کہ وہ استقلال ان جان جوکھم دل لیکر بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ مگر پیشوا نے اسکے ساتھ ہی برطانوی رزیڈنٹ کو یہ بھی یقین دلا دیا کہ پونا گورنمنٹ اتحاد ثلثہ کی شرائط پر قائم رہنے کے لئے ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ چھڑ جانیکی حالت میں بالکل تیار ہے اور ایک زبردست مرہٹہ فوج کو علانیہ میدان جنگ میں جانیکا حکم دیدیا۔

فرانسیسی فوج کا استیصال ۱۷۹۸ء نواب نظام الملک کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اُسکی تعمیل کے لئے انگریزی فوجیں حیدرآباد بھیجی گئیں مگر اب نواب نظام الملک کو پھر تعمیل معاہدہ میں تامل ہوا۔ اور وہ حیدرآباد سے گولکنڈے کے قلعے کو چلے گئے۔ اس موقعے پر برطانوی رزیڈنٹ کو کسیقدر سخت پہلو اختیار کرنا پڑا اور اُسنے وزیر حیدرآباد کو یہ یقین دلایا کہ اگر نقض عہد ہوا تو ریاست حیدرآباد اُس کی ذمہ دار ہوگی آخرکار نواب نظام الملک کو یقین ہو گیا کہ اس معاہدے کی عدم تعمیل سے جسقدر نقصان ہے اُتنا اسکی پابندی میں نہیں ہے چنانچہ ایک روبکار جاری کیا گیا جسمیں تمام فرانسیسی افسروں کی برخاستگی کا حکم تھا۔

باب پنجم
فصل اول

تانزہ ہو گئی ؎

حیدر آباد کے ساتھ نامہ و پیام ۱۷۹۸ء

لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے مقابلے میں میدان سنبھالنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ حیدر آباد کی فرانسیسی فوج کا جھگڑا امٹا دیا جائے۔ نواب نظام الملک کے زبردست وزیر میر عالم مشیر الملک نے پونا سے خلاصی حاصل کرنیکے بعد اپنا قلمدان وزارت پھر سنبھال لیا تھا اور وہ اُس رسوخ کو بڑے خطرے کی نظر سے دیکھتا تھا جو فرانسیسی افسروں نے نواب نظام الملک کے دربار میں حاصل کر لیا تھا بلکہ بعض موقعوں پر اُنکی دیدہ دلیریاں مشیر الملک کو نہایت ناگوار بھی گزری تھیں۔ مشیر الملک نے سر جان شور کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ان فرانسیسی پلٹنوں کی جگہ ایک انگریزی حمایتی فوج حیدر آباد میں رکھدی جائے لیکن سر جان شور میں ایسے دلیرانہ کام کے کر گزرنیکی ہمت کہاں تھی۔ لارڈ ولزلی نے بڑے شوق سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ چھ ہزار انگریزی فوج کے ذریعے سے مملکت نواب نظام الملک کی تمام ناجائز دعووں سے حفاظت کی جائیگی بشرطیکہ اس فوج کے اخراجات نواب نظام الملک برداشت کریں اور اپنی فرانسیسی پلٹنوں کو توڑ دیں اور مرہٹوں کے ساتھ جتنے تنازعے پیش آئیں اُنکو برطانوی گورنمنٹ کی طرف رجوع کریں۔ نواب نظام الملک نے ایک ایسا اتحاد قائم کرنے میں نہایت ہی پس و پیش کیا جسکو پھر وہ کبھی توڑ ہی نہیں سکتے تھے اور پھر وہ اتحاد بھی کمپنی جیسی زبردست قوت کے ساتھ تھا۔ مگر اُنکے خیر خواہ مشیر نے اُنہیں یہ سمجھایا کہ ایک ایسی زبردست قوت کے دامن حمایت میں عافیت سے بسر کرنا جسکو اپنی زبان اور عزت کا پاس ہو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ایسی خود مختار زندگی بسر کیجائے جسمیں مرہٹوں کی چیرہ دستیوں اور ٹیپو سلطان کی آزیدہ وریدل کا کھٹکا لگا رہے ؎

پیشوا کے ساتھ تجویز اتحاد

ایک سال پہلے پیشوا نے ایک برطانوی فوج کی کمک اس غرض سے طلب کی تھی کہ اُسے سندھیا کی چیرہ دستیوں سے بچائے مگر سر جان شور نے انکار کر دیا تھا۔ اُسکے بعد

جو بعد کو ڈیوک آف ولنگٹن ہو گیا تھا۔ جب ولزلی کے پاس یہ اطمینان بخش خبر پہنچ گئی کہ حیدر آباد کی فرانسیسی فوج توڑ دیگئی تو اُسنے اپنا پہلا مراسلہ ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا جسمیں ٹیپو سلطان سے اُس سفارت کی شکایت کی گئی تھی جو اُسنے ماریشس بھیجی تھی کیونکہ اسطرح سلطان مذکور نے برطانوی قوم کے قدیم دشمنوں سے رابطہ پیدا کیا تھا جس سے اُس اتحاد کے بیخ و بُن سے الٹ جانیکا اندیشہ تھا جو کمپنی اور سلطان مذکور کے درمیان قائم تھا۔ اس مراسلے میں لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے دربار میں میجر ڈفٹن کو وکیل بنا کر بھیجنے کی تجویز کی تھی تاکہ کسی ایسی تجویز پر بحث کی جاسکے جس سے تمام شبہات و شکوک رفع ہوسکیں اس تمام انتظام کو خاص طور سے پر اثر اور زور دار بنا نیکے لئے لارڈ ولزلی نے خود مدراس آنیکا ارادہ کیا اور ۳۱- دسمبر ۱۷۹۸ء کو ساحل مدراس پر اُترا اور یہاں کا تمام سیاسی و فوجی انصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور صرف مقامی انتظام کو گورنر کے ہاتھ میں رہنے دیا ؂

ٹیپو سلطان کے جوابات ۱۷۹۹ء

ٹیپو سلطان کے جواب میں گریز کا خاص پہلو تھا۔ اُسنے یہ لکھا تھا کہ جو جہاز ماریشس پہنچا وہ کسی تجارتی قبیلے کا بھیجا ہوا تھا اور اہل فرانس بڑے بدکردار اور دھوکہ باز ہیں اور انھوں نے جھوٹی خبریں دونوں سرکاروں کو آپس میں بدظن کرنیکے لئے پھیلائی ہیں۔ میجر ڈفٹن کے ساتھ مجلس مشاورت کو اُسنے غیر ضروری قرار دیکر ٹال دیا کیونکہ بقول اُسکے جو دوستی اور عزت کے خیالات انگریزی حکومت کی طرفسے اسکے دل میں تھے وہ سب ظاہر تھے۔ دراں حالیکہ اسی زمانے میں وہ اپنے ایک فرنگی افسر کو پیرس کے ایوان حکومت کی خدمت میں یہ استدعا لیکر بھیج رہا تھا کہ دس ہزار فرانسیسی فوج کی کمک انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکی غرض سے دی جائے اور اس فوج کے تمام مصارف سلطنت میسور برداشت کریگی یہی نہیں بلکہ وہ زمان شاہ کو بھی اپنی امداد کے لئے بلا رہا تھا تاکہ سلطنت میسور کے ساتھ شریک ہو کر کافروں اور مشرکوں کے خلاف جہاد کیا جاسکے اُسنے لکھا تھا کہ اگر خدا نے چاہا تو تمام انگریز غازیوں کی بے پناہ تلواروں کی

باب پنجم
فصل اول

اور سپاہیوں کو انکا حکم ماننے کی پابندی سے آزاد کیا گیا تھا۔ ریمنڈ اس وقت
حیدر آباد میں موجود نہیں تھا۔ دوسرے افسروں اور سپاہیوں میں اس
خلاف اُمید روبکار کے جاری ہوتے ہی ایک ہلچل مچ گئی لیکن برطانوی فوج کو
ایسے موقع پر جادیا گیا تھا کہ فرانسیسی پڑاؤ بالکل اسکی زد میں آگیا تھا اور اُسکا
اسلحہ خانے کا اڈا دینا بالکل انگریزی فوج کے اختیار میں تھا اس بے بسی کی حالت میں فرانسیسی
افسروں نے برطانوی رزیڈنٹ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ وہ اپنے تئیں اُسکی
پناہ میں دیدینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن سپاہیوں کی بہت سی تنخواہیں
چڑھی ہوئی تھیں اور وہ جتھا باندھکر شورہ کر بیٹھے اور اپنے افسروں کو
قید کر لیا اور بڑی مشکل سے یہ ممکن ہوا کہ ان افسروں کو برطانوی لشکر میں
پناہ ملی۔ ایک نوجوان اور نوخیز افسر کپتان مالکم نے سپاہیوں کی اس
شورش کو ان کا بقایا ادا کر کے فرو کرنے میں کامیابی حاصل کی اور شام سے
پہلے یہ زبردست قواعد داں فوجیں مع اپنے زبردست توپ خانے اور
معمور اسلحہ خانے کے بغیر ایک قطرہ خون بہے بے ہتھیار کر دی گئیں۔ اس
مہتم بالشان کامیابی نے جو نئے گورنر جنرل کا پہلا کام تھا ان دیسی رئیسوں کو
حیرت میں ڈالدیا جو کمپنی کے زوال کے دن گن رہے تھے اور جس قابلیت
کے ساتھ اس کا ڈول ڈالا گیا تھا اور جس چستی کے ساتھ اسپر عملدرآمد کر لیا
گیا اُسنے خود کمپنی کے ملکی و فوجی صیغوں میں اپنی گورنمنٹ کی طرف سے اعتماد
کی ایک ایسی روح پھونک دی جو لارڈ ولزلی کے آئندہ کے تمام منصوبوں
کی کامیابی کی روح رواں بنگئی۔

(صفحہ ۴۴۴)

ٹیپو سلطان کے ساتھ نامہ و پیام

۸۔ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو یہ اطلاع ملی کہ نپولین
بوناپارٹ اپنے سفر مشرق کے دوران میں مصر میں
ٹھہرا ہے چنانچہ لارڈ موصوف نے اپنے تاکیدی احکام کا پھر اعادہ کیا کہ
مدراس فوج کی ترتیب میں کوشش و تعجیل سے کام لیا جائے اور اُسنے
اس فوج کا زور بڑھانیکے لئے بنگال سے تین ہزار رضا کار اور ۳۳ ویں
پیدل فوج کرنل ولزلی کی قیادت میں بھیجنے کا وعدہ کیا۔ یہ وہی کرنل ولزلی تھا

باب پنجم
فصل اول

دس میل پیچھے تھا اور جنرل ہارٹلے کو اس سخت حملے کا تنہا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسکی چھوٹی سی فوج نے اور خاص کر کرنل منٹریزر کے دستے نے ٹیپو سلطان کی تمام فوج کے دھاوے کی چھ گھنٹے تک نہایت پامردی کے ساتھ مقاومت کی لیکن جس وقت کہ انگریزی ہراول کے پاس آخری کارتوس باقی رہگیا تھا اسی وقت خوش قسمتی سے جنرل اسٹوارٹ بھی مع پوری فوج کے آپہنچا اور لڑائی کا انجام انگریزوں کے حق میں ہوگیا ٹیپو سلطان دو ہزار جانوں کا نقصان اٹھا کر جنگلوں میں ہوتا ہوا بھاگا اور چھ دن بعد دوسری سمت میں جنرل ہیرس کی مدراس والی فوج کی مقاومت کے لئے روانہ ہوا ٭

ملاولی کی لڑائی ۱۷۹۹ء

اپنے نہایت ہی تجربہ کار افسروں اور فرانسیسی قائدوں کے مشورے کے خلاف ٹیپو سلطان نے مقام ملاولی کو میدان جنگ کے لئے تجویز کیا جہاں سے وہ انگریزی فوج کی پیشقدمی کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ لڑائی ۲۷- مارچ ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی کامل شکست کی صورت میں ختم ہوئی ٹیپو سلطان کو یہ یقین ہوگیا کہ جنرل ہیرس بھی دارالحکومت جانیکا شمالی راستہ اختیار کریگا جیسا لارڈ کارنوالس نے کیا تھا اور اسنے بڑے اہتمام سے اس تمام راستے کو بالکل ویران کر دیا تھا اور غلہ یا چارے کا کوئی وجود وہاں نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن جنرل ہیرس نے بالکل مقابل سمت پر کوچ کیا اور دریائے کاوری کو بلا مقاومت مقام شوشیلا کے پایاب گھاٹ پر سے عبور کر لیا جسکا اب تک کسیکو علم بھی نہیں تھا ٹیپو سلطان کے غصے اور مایوسی کی کوئی انتہا نہیں رہی جس وقت اسکو یہ علم ہوا کہ ایک فوجی چال سے جنرل ہیرس نے اوسکی تمام پیش بندیوں کو خاک میں ملا دیا اور اسنے با چشم پرنم اپنے افسروں اور سرداروں سے مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے ایک زبان ہو کر یہ عرض کیا کہ ہم سب حضور کے ساتھ دارالحکومت اور سلطنت کے بچانیکے لئے ایک آخری جان توڑ کوشش اور کرینگے اور اگر کامیاب نہوئے تو اسی جگہ حضور کے قدموں پر نثار ہو جائینگے ٭

(صفحہ ۲۸۲)

محاصرہ وتسخیر سرنگا پٹم ۱۷۹۹ء

۶- اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا گیا

باب پنجم
فصل اول

خوراک بن جائینگے۔ لارڈ ولزلی نے ۹ جنوری ۱۷۹۹ء کو اُسے دوسرا مراسلہ بھیجا جسکے جواب کا مطالبہ چوبیس گھنٹے کے اندر کیا گیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد ٹیپوسلطان نے اسکا یہ جواب دیا جسکا منشاء یہ تھا کہ وہ چونکہ اپنی عادت کے موافق شکار کو جارہا تھا اسلئے میجر ڈفٹن کو اسکی عدم موجودگی میں بھیجدیا جائے۔

فوج کی پیش قدمی ۱۷۹۹ء

اب ہر لحظ قیمتی ہوتا جاتا تھا۔ میسور کا دارالحکومت سرنگاپٹم ٹیپوسلطان کی تمام قوت کا مصدر تھا۔ وہی اسکا ذخیرۂ رسد تھا اور وہی اسکا سلح خانہ تھا۔ جس جزیرے پر یہ تعمیر تھا اسکے گرد دریائے کاوری کی طغیانی کی وجہ سے جون سے نومبر تک یہ قلعہ ناقابل رسائی ہوجاتا تھا اسلئے اسکو بارش شروع ہونے سے پہلے تسخیر کرلینا ضروری تھا۔ کچھ عرصے تک کسی معقول جواب کا انتظار کرنیکے بعد لارڈ ولزلی نے فوج کو میدان میں جانے کا حکم دیا۔ اب تک کمپنی کے جھنڈے تلے جتنی فوجیں میدان کارزار میں آچکی تھیں یہ فوج اُن سب سے بڑی اور آراستگی اور قواعددانی کے اعتبار سے سب سے بہتر تھی۔ اُسمیں کل بیس ہزار آٹھ سو دو نفر تھے جنمیں چھ ہزار یوروپین تھے۔ چالیس توپوں کا قلعہ شکن توپ خانہ تھا اور چونسٹھ میدانی اور کلدار توپیں تھیں۔ اسکے علاوہ دس ہزار سوار نواب نظام الملک کی امدادی فوج کے تھے اور چھ ہزار حیدرآباد کی انگریزی حمایتی فوج تھی جو کرنل ولزلی اور کپتان مالکم کی سرکردگی میں اعلیٰ درجے کی امدادی فوج بنگئی تھی۔ تمام فوج کی قیادت جنرل ہیرس کے سپرد تھی جسکا ذاتی علم اُس ملک کے تمام راستوں کے متعلق بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ ٹیپوسلطان نے مدراس کے سپہ سالار کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لئے اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑا اور اپنی چیدہ سپاہ کو اپنے ساتھ لیکر ساحل مالابار کی طرف اس فوج کا مقابلہ کرنیکے لئے بڑھا۔ جو سیدھی اُسکے دارالحکومت پر پیش قدمی کررہی تھی۔

۱۵ مارچ ۱۷۹۹ء کو ٹیپوسلطان یکایک بمبئی فوج کی ہراول کے سامنے نمودار ہوگیا۔ جنرل اسٹوارٹ جو پوری فوج کا سپہ سالار تھا اس وقت

باب پنجم
فصل اول

صفحہ ۲۴

خود لارڈ ولزلی نے اسکے متعلق رائے یہ قائم کی اور یہی انگریزی لشکر کے بہترین ماہرین حرب کی رائے تھی کہ اسکے استحکام کے اعتبار سے اور اسکی رسائی کی مشکلات کا اندازہ کرکے یہ قلعہ اس قابل تھا کہ صرف ایک ہزار فرانسیسی فوج کسی قابل افسر کی سرکردگی میں اسکو دائمی طور سے ناقابل تسخیر بنا سکتی تھی۔ لیکن اس تمام محاصرے کے دوران میں بلکہ حقیقتاً اس دفعہ تمام جنگ کے دوران میں ٹیپو سلطان نے کسی خاص جنگی قابلیت یا معمولی خردمندی کا بھی ثبوت نہیں دیا۔ وہ اپنے نہایت تجربہ کار افسروں کے مشوروں کو مسترد کر دیا کرتا تھا اور صرف سبزہ آغازوں اور افسانہ گویوں کی چاپلوسیوں پر کان دھرتا تھا اور نجومیوں کے احکام پر بھروسہ کرتا تھا۔ اپنی تمام پیشقدمی کے دوران میں جنرل ہرس اپنی بھاری قلعہ شکن توپوں اور کثرت کے ساتھ رکاوٹوں کے اسباب سے اس قدر لدا پھندا تھا کہ وہ پانچ میل روزانہ سے زائد سفر نہیں کر سکتا تھا اور اسکو بھی انگریزوں کے اقبال کا ایک کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسے لارڈ کارنوالس کی طرح رسد کی کمی سے مجبور ہو کر پسپائی نہ اختیار کرنی پڑی۔ بہت سے مواقع ایسے پیش آئے کہ اگر کوئی چالاک اور سمجھدار دشمن ہوتا تو اُسکی پیش قدمی کو موسم بارش تک کے لیئے روک دیتا اور ایسی صورت میں یہ فوجکشی ناکام رہ جاتی۔ لیکن ٹیپو سلطان نے اپنی غفلت و غرور میں ان موقعوں کو ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ انگریزی فوج کی کامیابی کچھ اُنکی بہادری اور پامردی سے ہوئی اور کچھ اس وقت پر اقبال نے اُنکا ساتھ دیا۔ ٹیپو سلطان اپنی وفات کے وقت چھیالیسویں سال میں تھا۔ اُسمیں صلح و جنگ کی کوئی قابلیتیں اپنے مشہور عالم والد کی سی نہیں تھیں۔ وہ تشدد اور تلون کا۔ اوہام پرستی اور تعصب کا ایک معجون مرکب تھا اور ساتھ ہی اسکے ایک سفاک مردم آزار بھی تھا خود اسکی رعایا کی رائے یہ تھی کہ حیدر علی ایک سلطنت پیدا کرنیکے لیئے دنیا میں آیا تھا اور ٹیپو سلطان اُسے فنا کرنے کے لیئے پیدا ہوا تھا۔

دکن کا امن و امان

نصف صدی تک دکن ہر قسم کی بدنظمیوں کا آماجگاہ بنا رہا تھا اور مجلس انتظامیہ کی بہت سخت پریشانی اور تہ باری کا

باب پنجم
فصل اول

اور محاصرے کی کارروائی ایسی سختی سے کیگئی کہ ٹیپو سلطان نے گفتگوئے صلح شروع کردی۔ جنرل ہیرس نے اسکو صاف جواب دیدیا کہ جن شرائط پر صلح کرنیکی اجازت جنرل موصوف کو دیگئی ہے وہ صرف یہ ہیں کہ سلطان اپنی آدھی مملکت حوالے کرے۔ دو کرور روپیہ تاوان جنگ دے اور اپنے چار بیٹے اور چار سردار بطور یرغمال کے سپرد کرے۔ سلطان نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ۴۔ مئی ۱۷۹۹ء کو ایک راستہ نکل آنیکی رپورٹ کی گئی اور جنرل بیارڈ کی سرکردگی میں فوجوں نے ایکدم ہلہ بول دیا۔ یہ جنرل بیارڈ ایک ممتاز فوجی افسر تھا جو چار سال تک اسی قلعے میں پابزنجیر حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے تشدد برداشت کرتا رہا تھا جنرل بیارڈ ٹھیک ایک بجے دن کو مورچے پر چڑھ گیا اور اسکی شاندار صورت دونوں فوجوں کو صاف نظر آنے لگی۔ پھر اسنے اپنی تلوار نکالکر اپنی فوج کو پکارا کہ آئیں اور برطانوی سپہگری کی عزت رکھ لیں ٹیپو سلطان سپاہیوں کے ایک چھوٹے سے جیدہ دستے نے اس ٹوٹے راستے پر جان توڑکر مقابلہ کیا اور اس جانفرسا مقابلے میں دونوں طرف کے بہت سے جانباز کام آگئے۔ فصیلوں کی حفاظت بہت زیادہ پامردی کے ساتھ کی گئی خصوصاً شہرپناہ کی جہاں خود ٹیپو سلطان بھی اپنی فوج کو لئے اڑا ہوا تھا۔ مگر اسی مقام پر ٹیپو سلطان بھی زخموں سے چور ہوکر ڈھیر ہوگیا اور قلعہ مسخر ہوگیا۔ جس وقت اسکی نعش شہر میں سے ہوکر گزری ہے تو تمام رعیت دوڑ دوڑ کر اسکے سامنے زمیں بوس ہوتی تھی اور اسکے ساتھ ہو لیتی تھی یہانتک کہ جنازہ حیدر علی کے شاہانہ مقبرے تک پہنچگیا یہاں اسلامی رسوم کے رعب داب اور انگریزی فوجی ماتمداری کی شان و شوکت کے ساتھ اسکو سپرد خاک کردیا گیا۔ کل من علیہا فان

اس طرح میسور کا دارالحکومت تسخیر ہوگیا دراں حالیکہ اس میں بیس ہزار فوج مدافعت کرنے والی تھی اور ۲۸۷ توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور کثرت سے رسد اور حرب کے ذخائر بھرے ہوئے تھے۔

باب پنجم
فصل اول

بالکل بطور معافی کے دیگئی اور اس شرط کا خاص طور سے اظہار کر دیا گیا کہ یہ عطیہ شخصی ہے خاندانی نہیں ہے۔ اسلیئے وارثوں اور جانشینوں کا قبضہ حوالہ دینے سے قصداً اعراض کیا گیا تھا۔ لارڈ ولزلی نے یہ ظاہر کر دیئے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا کہ جو علاقہ راجہ کی بنا اسے نام حکومت میں دیا جارہا تھا در اصل انگریزی مملکت کا ایک جزو لاینفک تھا اور یہی شان اس علاقے کی ساٹھ سال تک سمجھی بھی جاتی رہی ؛

بقیہ علاقہ | بقیہ علاقے کی تقسیم اس طرح کیگئی کہ تیس لاکھ سالانہ کے اضلاع کمپنی نے اپنے قبضے میں لئے انھی میں سے آٹھ لاکھ سالانہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خاندان کے گزارے کے لیئے مقرر کیا گیا چوبیس لاکھ کے اضلاع نواب نظام الملک کو دے گئے۔ پیشوا کو بھی بالکل نظرانداز نہیں کیا گیا پیشوا نے اس فوج کشی میں حصہ لینے سے انکار کر کے ۱۷۹۰ء کے معاہدے کی خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اپنے دوغلے پن سے کام لیکر ٹیپو سلطان کے سفیروں کو اپنے دربار میں آنے دیا تھا اور اسکی طرف سے تیرہ لاکھ کا ما بہ الاحتفاظا بھی اس غرض سے حاصل کر لیا تھا کہ جس وقت نواب نظام الملک کی فوجیں انگریزی فوجکشی کی شرکت میں مصروف کار ہوں اسوقت مملکت نواب نظام الملک پر پیشوا حملہ کر دے۔ لارڈ ولزلی نے اس دوغلے پن سے درگزر کیا اور اسکو بھی اضلاع میسور کا دس لاکھ سالانہ کی آمدنی کا ایک جزو اس شرط پر پیش کیا کہ وہ فرانسیسوں کو اپنی ملازمت سے علٰحدہ کر دے اور نواب نظام الملک کے تنازعات میں انگریزی حکومت کی ثالثی منظور کرلے۔ پیشوا نے اس شرط کے منظور کرنے سے انکار کر دیا اور لارڈ ولزلی نے وہ جزو بھی کمپنی اور نواب نظام الملک کے درمیان تقسیم کر لیا ؛

مال غنیمت | سرنگاپٹم میں جو شخصی مملکت قبضے میں آئی اُسکی مقدار ایک کروڑ سے کچھ اوپر تھی اور لارڈ ولزلی نے سلطنت کی رضامندی اور مجلس انتظامیہ کی منظوری حاصل کر لینے کی ذمہ داری اپنے سر لی اور اس تمام مالیت کو فوج میں تقسیم کرا دینے کے احکام صادر فرما دیئے۔ یہ تیسرا موقعہ تھا کہ انگلستان سے آخری احکام وصول ہونیکا انتظار کیئے بغیر مال غنیمت کو نادانی سے فوج میں

(صفحہ ۲۲۹)

باب پنجم
فصل اول

باعث تھا کیونکہ امن کے زمانے میں بھی کمپنی کے مقبوضات غیر محفوظ حالت میں رہتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے اس امید و بیم کی حالت کا خاتمہ کردیا۔ اپنے کلکتے آنیکے ایکسال کے اندر اُسنے حیدر آباد میں فرانسیسی رسوخ و اقتدار کا استیصال کردیا اور نواب نظام الملک کے تمام وسائل کو اپنے قابو میں لے لیا۔ اُسنے سلطنت میسور کو سرنگوں کردیا اور دکن میں کمپنی کی حاجت کو ایسی مستحکم بنیاد پر قائم کردیا کہ اُسے اس وقت کے بعد سے پھر کبھی کسی ہمچشم کی دراز دستیوں کا خطرہ ہی نہیں رہا۔ ایک مہینے سے کم عرصے میں سرنگاپٹم کی تسخیر کی خبریں ہندوستان کے اس گوشہ تک گونج اٹھیں اور ہندوستان کی ایک نہایت زبردست طاقت کے اس طرح ٹوٹ جانے سے ہندوستان کے دوسرے رئیسوں کے دل بیٹھ گئے اور کمپنی کا عروج دوبالا ہوگیا۔ مگر یہ فوائد اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکے جب تک وہ سنجیدہ فرامین نہ توڑ ڈالے گئے جو ایوان حکومت اور وزارت اور انڈیا ہاؤس کی دور اندیشی نے نافذ فرمائے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے لارڈ ولزلی نے اپنے ایک مراسلے میں سٹریٹ کو لکھا تھا۔ (صفحہ ۲۴۴)

> میرا خیال ہے کہ یا تو میرے اعمال کی پاداش میں آپ مجھے پھانسی پر لٹکا دینگے یا مجھے میرے کارناموں کے صلے میں نہایت شان کے ساتھ عزت دینگے بہرحال میں اپنی ذات سے انگریزی تخت کو ہندوستانی تخت پر ترجیح دونگا۔

اسکو نہایت شان کے ساتھ عزت دیگئی۔ بادشاہ نے اسکو ایوان خاص کا ممبر بنایا اور پارلیمنٹ نے اسکا شکریہ ادا کیا۔

میسور کی نئی ریاست ثمرات جنگ کے طور پر تمام مملکت میسور گورنر جنرل کے تصرف میں آگئی تھی اور اُسنے اپنے فاتحانہ حقوق کو نہایت اعتدال اور معاملہ فہمی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس نے اس مملکت کا ایک حصہ اُس خاندان کے واسطے بحال کرنیکا ارادہ کیا جو قدیم سے میسور پر حکمران تھا اور عرصے سے بیدخل ہوکر فراموش کردیا گیا تھا اور اب نہایت کس مپرسی اور افلاس کی حالت میں بسر کررہا تھا۔ پانچ سال کا ایک بچہ ایک جھونپڑے سے نکالا گیا اور ایسی گدی پر بٹھایا گیا جسکی آمدنی پچاس لاکھ سالانہ تھی۔ یہ ریاست اسکو

باب پنجم
فصل دوم

انتظام کی بہت جلد تکمیل کر دیگئی - حمایتی فوج کی تعداد بڑھا کر آٹھ پلٹنیں کر دیگئیں اور نواب نظام الملک کی طرف سے تریسٹھ لاکھ سالانہ آمدنی کا علاقہ علی الدوام اس شرط پر کمپنی کے حوالے سنہ ۱۸۰۰ء میں کر دیا گیا کہ برطانوی گورنمنٹ نواب نظام الملک کے بقیہ علاقے کو بھی ہر حملے سے محفوظ رکھنے کی کفیل بنے - جو علاقہ اس طرح کمپنی کے حوالے کیا گیا وہ صرف اُنہی اضلاع پر مشتمل تھا جو نواب نظام الملک کو مملکت میسور سے سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۷۹۹ء کے ثمرات جنگ کے طور پر حاصل ہوا تھا - یہ معاملہ فریقین کے لیئے فائدہ مند ثابت ہوا - ایک طرف اُسنے کمپنی کے مقبوضات کو کرشنا تک پھیلا دیا اور دوسری طرف اسنے نواب نظام الملک کو اپنے موروثی حریص دشمنوں کے خطرے سے محفوظ کر دیا اور یہ سب کچھ اس طرح ہو گیا کہ نواب نظام الملک کو اپنی آبائی مملکت میں سے ایک گز بھر زمین بھی نہیں دینی پڑی - اسمیں شک نہیں کہ اپنی مملکت کی حفاظت کو ایک دوسری حکومت کے سپرد کر کے اور غیر ریاستوں سے نامہ و پیام کرنیکے شاہی حقوق کو ہاتھ سے دیکر نواب نظام الملک نے اپنی سیاسی آزادی کھو دی مگر اسکے ساتھ ہی اُنکا شاہی خاندان ہمیشہ کے لیئے قائم ہو گیا - حالانکہ دکن کی تمام اور ریاستیں جہاں معدوم ہو چکی ہیں وہاں چین قلیچ خاں تاتار کے صلبی جانشین اب بھی اپنا دربار شاہی حیدر آباد میں منعقد کرتے ہیں ؛

خالصہ تنجور سنہ ۱۸۰۰ء

اُسی زمانے میں چھوٹی سی ریاست تنجور کو بھی خالصہ کر لیا گیا - کمپنی کا جو قرضہ اُسکے ذمے تھا اُسمیں اسکی ریاست آ گئی کر لی گئی اور ریاست کی آمدنی میں سے اُسکا وظیفہ سالانہ چار لاکھ نقد اور عین آمدنی کا پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ؛

معاملات کرناٹک

لارڈ کارنوالس نے سنہ ۱۷۹۲ء میں جو معاہدہ نواب محمد علی سے طے کیا تھا اُسکی رو سے کئی اضلاع کمپنی کے نام کے اُن فوجوں کی کفالت کے لیئے کاٹ دیئے گئے تھے جو اُسکے ملک کی حفاظت کے لیئے کمپنی نے رکھ چھوڑی تھیں - یہ نواب جنکو کلائیو اور کوٹ نے گدی نشین کیا تھا پینتالیس سال تک سلطنت کر کے سنہ ۱۷۹۵ء میں فوت ہو گئے اور ان کے فرزند عمدۃ الامرا بھی اپنے باپ کی طرح ہزاروں یورپین مرداروں خواروں میں گھرے رہنے لگے جنمیں سے بہت سے

(صفحہ ۲۵۰)

تقسیم کیا گیا۔ مجلس انتظامیہ نے اپنا اظہار امتنان کرنیکے لیئے لارڈ کارنوالس کو مال غنیمت میں دس لاکھ پیش کیا مگر اُسکی خود داری نے اسکے قبول کرنیکو گوارا نہیں کیا چنانچہ انھوں نے بیس ہزار سالانہ کی ایک جاگیر اسکے لیئے کاٹ دی آخری جنگ میسور کی تفصیل ختم کرنیکے لئے صرف اتنا سا اور بیان کرنا باقی ہے کہ ایک منچلے سپاہی ڈھونڈیا واگ نے ٹیپو سلطان کے شکستہ رسالے میں سے کچھ لوگ جمع کر لیئے اور شمالی علاقے میں قصبوں اور موضعوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اسکی فتحمندیوں نے بہت سے بدقماش لٹیرے اسکے جھنڈے کے تلے جمع کر دیے اور ستمبر [illegible] میں ایک مرتبہ دکن کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا۔ آخر کار کرنل ولزلی چار دستے رسالے کے لیکر اسکے تعاقب میں روانہ ہوا اور چار مہینے تک اسکو کہیں دم نہ لینے دیا یہاں تک کہ ایک موقعے پر وہ بری طرح آگھرا گیا اور آخر کار میدان میں کام آیا اور اسکی فوج بھی منتشر ہوگئی ؂

فصل دوم

لارڈ ولزلی۔ کرناٹک۔ اودھ۔ فورٹ ولیم کالج۔ سندھیا اور بھونسلا سے لڑائی

نواب نظام الملک کی طرف سے علاقے کی حوالگی

مرہٹوں کے جو تنازعات نواب نظام الملک کے ساتھ تھے جب اسمیں انگریزوں کو ثالث بنانا پیشوا نے منظور نہیں کیا تو نواب نظام الملک کے مدبر وزیر کو فوراً محسوس ہوگیا کہ اب مرہٹوں کی آزبردری کی طرف سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھنی چاہئیے اور اُسنے اپنے آقائے ولی نعمت کی مملکت کو اس حریص دستبرد کا شکار بننے سے بچانا چاہا۔ اسلیئے اُسنے لارڈ ولزلی سے یہ تجویز کی کہ حمایتی فوج کی تعداد بڑھا دیجائے اور کافی علاقہ اس خرچ کی کفالت کے لیئے بجائے ماہانہ تنخواہ کے کمپنی کے حوالہ کر دیا جائے۔ بہت سی باتوں کا لحاظ کرکے یہ تجویز گورنر جنرل کے دل پسند تھی اسلیئے تمام مطلوبہ

خفیہ نامہ و پیام کا افشا ۱۷۹۹ء

نواب حسب معاہدہ ۱۷۹۲ء اس شرط کے پابند تھے کہ کسی قسم کا نامہ و پیام یا سیاسی خط و کتابت کمپنی کی منظوری بغیر کسی یورپین یا ہندوستانی دولت سے نہ لینگے۔ لیکن تسخیر سرنگاپٹم کے وقت یہ معلوم ہوا کہ اسوقت کے نواب اور اُن کے باپ ٹیپو سلطان سے کے ساتھ ایک نامعلوم خط میں خفیہ نامہ و پیام کرتے رہتے تھے جس کو بعد میں پڑھوا لیا گیا۔ یہ دونوں ان مراسلات کے ذریعے سے ایسی اہم اطلاعات ٹیپو سلطان کو بہم پہنچاتے رہتے تھے جو کمپنی کی اغراض کے لئے مہلک تھیں۔ اس سازش کی اصلیت نہایت ہی قابل اعتبار زبانی اور دستاویزی شہادتوں سے گورنر جنرل و گورنر مدراس۔ مجلس انتظامیہ اور جماعت نگران کا رپر ثابت ہوگئی اور لارڈ ولزلی نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ دونوں باپ بیٹوں نے صرف معاہدے کی خلاف ورزی ہی نہیں کی ہے بلکہ کمپنی کے دشمن قدیم کے ساتھ اغراض پیدا کرنیکی کوشش کرکے اپنے تئیں کمپنی کے دشمنوں کی حیثیت میں ڈال دیا ہے چنانچہ کمپنی پر جو پابندئ معاہدہ عائد تھی وہ بھی ساقط سمجھی گئی اور یہ بھی طے کر لیا گیا کہ اس خاندان کو کرناٹک کی حکومت سے محروم کر دیا جاوے اور اُنکے گزارے کے لئے ریاست کی آمدنی میں سے مناسب رقم اُنکو دیدی جایا کرے۔ لیکن جس وقت اس فیصلے پر عملدرآمد کرنیکا وقت آیا تو نواب کا دم واپسیں تھا اس حالت میں اُن کے متبنیٰ بیٹے اور نامزد کئے ہوئے ولیعہد کو یہ اطلاع دیدی گئی کہ اُنکے باپ اور دادا کی ٹیپو سلطان کے ساتھ غدارانہ سازش قابل قبول شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے اسلئے اُنکے خاندان کے تمام حقوق فرمانروائی ضبط کر لئے گئے ہیں۔ اسلئے اب اُن کی گدی نشینی کوئی استحقاق وراثت کی حیثیت نہیں بلکہ گورنمنٹ کی شاہی عنایت کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ صرف اس شرط پر منظور کی جا سکتی تھی کہ وہ صوبہ کرناٹک کو کمپنی کے حوالے کر دیں اور صرف اتنا سا حصہ اپنے لئے رہنے دیں جو اُنکے خاندان اور اُنکے درباری اعزاز کو قائم رکھنے کے لئے کافی ہو سکے۔ ولیعہد موصوف نے ان شرائط پر فوراً ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اُسکی جگہ نواب مرحوم کے ایک ابن عم ۱۸۰۱ء میں گدی نشین کر دیے گئے

باب پنجم
فصل دوم

کمپنی کے ملازم بھی تھے۔ یہ سب کے سب اُن کی فضول خرچی کے سامان مہیا کرنیکے لئے گراں بار شرح سود پر ان کو رقمیں قرض دیتے تھے اور ۱۷۹۲ء کے معاہدے کی شرط کے خلاف ان سے اُن اضلاع کے کفالت نامے لے لیا کرتے تھے جو فوج کی کفالت کے لیئے کاٹ دیئے گئے تھے۔ ان قرضوں سے عمدۃ الامرا کو گورنمنٹ مدراس کے مطالبات کی قسطیں وقتہ پر داخل کر دینے کا موقعہ مل جاتا تھا مگر انہی سے اُنکی مشکلات بھی برابر بڑھتی چلی جاتی تھیں اگرچہ اُنمیں کچھ دن کی تعویق ضرور پڑ گئی تھی۔ مجلس انتظامیہ کی خاص خواہش کے مطابق لارڈ ہوبرٹ گورنر مدراس نے عمدۃ الامرا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بجائے نقد رقوم داخل کرنیکے وہ خاص اضلاع کمپنی کی طرف بالکل منتقل ہی کر دیں اور اس انتقال کی ترغیب دینے کے لیئے گورنر موصوف نے یہ شرط بھی پیش کی کہ ایسی صورت میں گورنمنٹ کا جتنا قرضہ نواب کے ذمے ہے اُسمیں ایک کروڑ چھوڑ دیا جائے۔ یہ انتظام گو نواب کے لیئے نہایت منفعت بخش تھا مگر اسمیں ان لوگوں کا کچھ فائدہ نہ تھا جو ریاست کو اپنا مقروض رکھنا چاہتے تھے اسلیئے ان اضلاع کی حوالگی پر نواب کو آمادہ نہ ہونے دیا جنکی آمدنیاں قرضخواہوں کے سود میں مکفول ہو رہی تھیں چنانچہ یہ کل تجویز نواب نے مسترد کر دی۔ اسپر لارڈ ہوبرٹ نے فوجی کارروائی کرنیکا ارادہ کیا کیونکہ نواب نے ۱۷۹۲ء کے معاہدے کے شرائط کے خلاف ان اضلاع کو قرضوں میں مکفول کیا تھا اسلئے اب کمپنی پر بھی کسی شرائط کی پابندی لازم نہیں رہی تھی۔ مگر سرجان شور نے گورنر موصوف کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اسی لیئے گورنر مدراس اور گورنر جنرل میں کچھ بدمزگی پیدا ہو گئی جسپر اس معاملے کو لیڈن ہال سے رجوع کر دیا گیا اور لارڈ ہوبرٹ کو ۱۷۹۸ء میں انگلستان واپس بلا لیا گیا۔ اسکے بعد ہی مجلس انتظامیہ نے لارڈ ولزلی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کلکتہ جاتے وقت مدراس میں ٹھیرتا ہوا آئے اور اُن اضلاع کی حوالگی کے متعلق نواب کی رضامندی حاصل کرنیکی ایک مرتبہ اور کوشش کرے کیونکہ وہ اضلاع برابر برباد ہوتے چلے جا رہے تھے اور اُنکو اُس زر نقد کے عوض حوالہ کر دینے میں کوئی حرج نہیں تھا جسکی ادائگی کی پابندی نواب پر ضروری تھی۔ مگر عمدۃ الامرا کے درباریوں نے اس تجویز کو منظور نہ ہونے دیا۔

(۲۵۱) لے

باب پنجم فصل دوم

کے عادات اطوار اور اُنکی کمزوریوں سے واقف تھا اور بڑا معاملے کو سلجھانیوالا اور نہایت خوش مزاج تھا۔ اس سفارت کو ایسی شان سے آراستہ کیا گیا جو مشرقی مطمح نظر کو بھی خیرہ کرنیوالی تھی اور جس سے یہ امید تھی کہ دربار ایران میں سلطنت برطانیہ کی عظمت و شوکت کا پورپورا نقش جم جائیگا۔ لیکن جیسا کہ اس سفارت کے ایک ہندوستانی رکن نے پہلے سے کہدیا تھا کہ اس سفارت کا نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا تاہم یہ غرض ضرور حاصل ہوگئی کہ کچھ عرصے کے لیئے ایران میں برطانوی اثر قائم ہوگیا۔

مہم بحر قلزم ۱۸۰۱ء

لارڈ ولزلی ہندوستان کو ہرگز امن میں نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک کہ ایک فرانسیسی فوج مصر پر قبضہ کیئے ہوئے تھی اور اُسنے وزارت انگلستان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ایک فوج انگلستان سے بھیجی جائے اور اُسکی امداد کے لیئے ایک فوج ہندوستان سے اس غرض سے بھیجی جائے کہ ترکی گورنمنٹ سے اتحاد عمل کرکے مصر سے فرانسیسی فوج کو نکال باہر کرے۔ بڑی تعویق کے بعد ضروری احکام محکمۂ وزارت سے وصول ہوئے اور چار ہزار یورپین سپاہ مع پانچ ہزار ہندوستانی رضاکاروں کے جنرل بیارڈ کی سرکردگی میں بحر قلزم کو بھیجی گئی جسکی روانگی کے وقت گورنر جنرل نے یہ جوش دلانیوالے الفاظ لکھے کہ

(صفحہ ۲۵۳

سر لگا ٹم کے طوفان کے بعد میری قابلیت اور ہمت کا امتحان لینیوالا کوئی اور جھونکا اس سے بڑھکر نہیں آسکتا تھا۔

یہ فوج بحر قلزم میں قصیر کے بندرگاہ پر اتری اور دریائے نیل تک ایکسو بیس میل چٹیل بے آب ریگستان طے کرنیکے بعد ۲۷۔ اگست ۱۸۰۱ء کو اسنے بحر روم پر پڑاو کیا۔ لیکن اس فوج کی آمد کی اطلاع فرانسیسی سپہ سالار کو برابر پہنچتی رہتی تھی اور انگریزی محاصرہ کرنیوالی فوج کے سپہ سالار کی سرگرمیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں اسلیئے اُسنے جنرل بیارڈ کی آمد سے پہلے ہی ہتیار ڈالدیئے۔ ہندوستان کی تاریخ اولوالعزمانہ کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن اس سے زیادہ دل پر اثر کرنیوالا کوئی منظر نہیں ہوسکتا تھا کہ گنگا کنارے کے سپاہی فرعون کے ملک میں وہی راستہ طے کریں جس پر جولیس سیزر چلا تھا اُن لوگوں سے لڑنے کو بڑہیں جو اُسی جولیس سیزر کے موجودہ نمونے یعنی نپولین کے آزمودہ کار

باب پنجم
فصل دوم
(منو ۲۵۲)

ان نواب کو بھی محض وظیفہ خوار بنا دیا گیا اور کرناٹک کو خالصہ کرکے برطانوی صوبہ بنادیا گیا۔ سلطنت میسور، نواب نظام الملک اور نواب کرناٹک اور راجہ تنجور سے جو علاقہ ہاتھ آیا وہ سب مل کر آجکل کے احاطہ مدراس سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ قریب ترین مردم شماری کے اعتبار سے اس تمام پریزیڈنسی کی دو کروڑ بیس لاکھ آبادی میں سے ایک کروڑ اسی لاکھ آبادی اُن اضلاع کی ہے جنکا الحاق برطانوی مقبوضات کے ساتھ لارڈ ولزلی نے کیا تھا۔

سفارت جانب ایران ۱۸۰۰ء | جس وقت زمان شاہ ہندوستان پر پیش قدمی کر رہا تھا اُسی زمانے میں لارڈ ولزلی نے ہندوستانی ارکان سے مرتب کرکے ایک سفارت شاہ ایران کے پاس اس غرض سے بھیجی کہ وہ شاہ کو اس امر کی ترغیب دے کہ زمان شاہ کی موروثی مملکت واقع وسط ایشیا پر حملہ کرنیکی دھمکی دے تاکہ زمان شاہ ہندوستان سے واپسی پر مجبور ہو جائے۔ اس سفیر نے شاہ ایران کے سامنے یہ دلیل پیش کی زمان شاہ سُنی بادشاہ ہے اور اُسنے ہمیشہ شیعوں کو بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں جو فرمانروائے ایران کے ہم عقیدہ ہیں اسلیئے یہ خدمت خدا اور بندے کے نزدیک مقبول ہوگی کہ ایسے ظالم بادشاہ کی ہندوستان پر پیش قدمی کو رد کردیا جائے۔ بھولے شاہ ایران کے مذہبی جذبات پر اس ترغیب نے ایسا اثر کیا کہ اُسنے زمان شاہ کے بھائی احمد شاہ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ زمان شاہ کی مملکت پر حملہ کردے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ زمان شاہ کو گھبرا کر اٹک پار سے پھر لوٹ کر آنا پڑا۔ اسکے بعد لارڈ ولزلی نے یہ عزم کیا کہ ایک زیادہ مقتدر سفارت دربار اصفہان میں اس غرض سے بھیجے کہ وسط ایشیا میں برطانوی رسوخ قائم کیا جاسکے اور زمان شاہ کے ترک تاتار اوزبک اور افغانی ٹڈی دل کی یورشوں سے جو وقتاً فوقتاً مصیبتیں ہندوستان پر نازل ہوتی رہتی ہیں اُنکا قرار واقعی سد باب ہوسکے۔ اس کارگزاری کے واسطے جو میر سفارت تجویز کیا گیا وہ کپتان مالکم تھا جو اس کام کے لئے خاص طور سے اسلئے موزوں تھا کہ اُسکو مشرقی زبانوں پر عبور تھا اور اہل مشرق

باب پنجم
فصل دوم

اُس خطرے سے محفوظ رہا جسکا لازمی طور سے اُسکو ایسی حالت میں سامنا کرنا پڑتا کہ میعاد صلح سے فائدہ اٹھا کر بونا پارٹ اپنے تمام منصوبے ممالک مشرق میں پختہ کر لیتا۔

نواب اودھ سے مطالبہ

زمان شاہ کے دریائے اٹک تک پہنچ جانے پر لارڈ ولزلی خوب سمجھ گیا تھا کہ اُسکی غارتگری کا پہلا شکار مملکت اودھ ہو گی چنانچہ اُسنے اودھ کی حمایتی فوج کے سپہ سالار سر جیمس کریگ کو فوری صیغے میں مراسلہ بھیجکر اس موضوع پر اُسکی رائے طلب کی تھی۔ سر جیمس موصوف نے یہ جواب دیا تھا کہ جو جم غفیر نواب نے رکھ چھوڑا ہے وہ غیروں کے مقابلے میں صرف ننگ سپہگری ہی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اپنے ہی ملک کے لیئے مخدوش ہے۔ اور اگر حمایتی فوج کو زمان شاہ کے مقابلے میں میدان سنبھالنے کا حکم ہوگا تو سپہ سالار مذکور نواب کی فوج کو بے خوف ہو کر اندرون ملک میں نہیں چھوڑ سکیگا۔ مجلس انتظامیہ یہ مراسلہ بھیج چکی تھی کہ تیرہ ہزار انگریزی فوج جو اودھ کی حمایت کے لیئے رکھی گئی ہے ہرگز اس ملک کی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ سندھیا نے اپنی تیس ہزار سے زائد قواعد دان فوج یورپین افسروں کی سرکردگی میں اودھ کی سرحد کے قریب لا کر ڈال رکھی ہے اور یہ راہ دیکھ رہا ہے کہ کب موقع ملے اور کب اودھ کے زرخیز اضلاع پر جھپٹ پڑے۔ اس وقت تک جو معاہدہ ہوا تھا اسکی رو سے چھہتر لاکھ روپیہ بطور نقلبندی کے انگریزی حمایتی فوج کے لیئے دیا جاتا تھا اور یہ ٹھہرا تھی کہ حسب ضرورت اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت ۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی نے شاہ اودھ پر یہ ناگزیر ضرورت ظاہر کی کہ اپنی غیر قواعد داں فوج کو بالکل توڑ دے اور اس سے جو پچاس لاکھ سالانہ کی بچت ہوتی ہے وہ رقم بھی ایک زبردست انگریزی حمایتی فوج کی کفالت میں صرف کرے۔

نواب کے ساتھ مباحثہ

اس اصلاح پر عمل درآمد ہو جانے سے اودھ کی فوجی قوت بالکل کمپنی کے ہاتھوں میں آجاتی۔ نواب نے اس پر عمل درآمد کرنے سے قطعی بیزاری ظاہر کی اور یہاں تک آمادہ ہو گیا کہ تخت کو چھوڑ کر اپنا ذاتی نذر و جواہر لیکر گوشۂ عافیت میں بیٹھ جائیگا اور اپنے بیٹے کو ملک سپرد کر دیگا۔ لارڈ ولزلی نے اسکا یہ جواب دیدیا کہ اُسکو تخت سے دستبرداری کی

باب پنجم
فصل دوم

بنر د آنہ ما تھے ۔

صلحنامۂ ایمینس ۱۸۰۲ء

مصر میں فرانسیسی فوج کے ہتیار ڈالدینے کے ایک مہینے کے اندر ہی انگلستان اور فرانس کے درمیان ابتدائی شرائط صلح پر انگلستان کے قائم مقام لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل ہندوستان نے مقام ایمینس پر دستخط کر دیئے۔ اسکے بعد فوراً ہی مجلس انتظامیہ نے تاکیدی احکام یہ بھیجے کہ کمپنی کے فوجی عملے میں تخفیف کر دی جائے مگر لارڈ ولزلی نے نہایت دور اندیشی سے اس حکم کی تعمیل کو ملتوی رکھا۔ صلحنامۂ ایمینس کی تصدیق ہو ہی چکی تھی کہ بونا پارٹ نے ایک زبردست بحری مہم پانڈیچری بھیجی پانڈیچری شرائط صلح کے مطابق فرانسیسیوں کو واپس ملگیا تھا اسمیں چھ جنگی جہاز تھے۔ ایک زبردست فوجی افسروں کا عملہ تھا جو دہ سو یورپین سپاہی تھے اس بحری مہم کی سرکردگی ایم لیجر کے سپرد کی گئی تھی جسکو فرانسیسی مقبوضات واقع مشرق راس امید کے سپہ سالار کل کا خطاب دیا گیا تھا۔ اسکے بعد ہی ایک دوسری بحری مہم اتنی ہی زبردست اور آنیوالی تھی۔ تین سال تک برابر لارڈ ولزلی کو یہ غایت مدنظر رہی تھی کہ کسی طرح تمام ہندوستان سے بھی فرانسیسی اثر کا ایسے ہی استیصال کامل کر دے جیسے اُسنے دکن سے کر دیا تھا اسلیئے وہ ساحل کورومنڈل پر ایک زبردست فرانسیسی نوآبادی کو پھر قائم ہوتے ہوئے بلا تشویش کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسکو یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اب تک انگریزی گورنمنٹ کے جتنے تعلقات ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ قائم ہو چکے ہیں وہ سب متزلزل ہو جائینگے اور ابھی جو سخت جنگ ہو چکی ہے اُس سے سخت تر جنگ کا بیج ہندوستان میں بو دیا جائیگا جو ہمیشہ انقلاب کی صورت میں بار آور ہوا کریگا۔ اگرچہ پانڈیچری کو واپس کر دینے کے احکام کی تجدید محکمۂ وزارت سے بھی وصول ہو گئی مگر لارڈ ولزلی نے بے نظیر دیدہ دلیری سے کام لیکر لارڈ کلائیو گورنر مدراس کو یہ ہدایت کی کہ وہ فرانسیسی امیرالبحر کو اطلاع دیدے کہ گورنر جنرل نے پانڈیچری کی واپسی کے معاملے کو اُس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے جب تک کہ گورنر جنرل اس معاملے میں محکمۂ وزارت سے مزید خط و کتابت نہ کرے۔ اس اطلاع پر فرانسیسی بیڑہ جزیرہ مارشیس کو چلا گیا اور یورپ میں پھر مخاصمتوں کے شروع ہو جاتے وقت ہندوستان

(صفحہ ۲۷۵)

خزانے میں داخل کریں اور جتنے متعلقین ہیں وہ سب کمپنی بہادر کو اپنا حاکم سمجھیں۔ اس ترکیب سے نواب بالکل بے بس ہو گیا کیونکہ اس توڑ جوڑ کے مقابلے میں جیت جانیکا ڈھب اسکی سمجھ میں نہ آسکا اور ۱۲- نومبر ۱۸۰۱ئہ کو مجبور ہو کر اُسنے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کر دیئے جسکی رو سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ سالانہ آمدنی کے اضلاع پر علی الدوام کمپنی کی حکومت تسلیم کرنی پڑی۔ اس معاہدے کے ذریعہ سے خود نواب کے اور کمپنی کے مقبوضات کے لیئے جو سلامتی میسر آگئی اُسپر کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک برطانوی فوج جو ملک کی حفاظت کرنیکے لیئے نہایت کافی تھی نواب کی اُس نامعقول فوج کے عوض رکھی گئی جو خود اپنے آقاؤں کے لیئے بمقابلہ اُسکے دشمنوں کے زیادہ خطرے کا باعث تھی۔ اسکے ساتھ ہی ادھر کمپنی کے مقبوضات میں نہایت قیمتی اضافہ ہو گیا اُدھر الحاق شدہ اضلاع کی کثیر رعایا روز کے جور و ظلم سے نجات پا گئی۔ لیکن لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کے تمام داد و ستد میں یہ علاقوں کا استحصال بالجبر نہایت ہی قابل ملامت قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ہمکو اسکی کوئی توجیہ کرنی ہے تو ہمکو اُس وقت کی ملک کی حالت پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔ اودھ کا تخت اب تک صرف برطانوی سنگینوں پر قائم رہا تھا اور اگر یہ سنگینیں ہٹالی جاتیں تو حکمران خاندان بارہ مہینے کے اندر کبھی کا فنا ہو چکا ہوتا۔ مرہٹوں کے حملوں کی ہر وقت کی دھمکیوں کے مقابلے میں یہ ناگزیر تھا کہ اودھ میں ایک خرّار سپاہ حفاظت کے لیئے رکھی جائے لیکن کمپنی کے لیئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایسی زبردست سپاہ کی کفالت ملک کی صرف ایک ثلث آمدنی سے کر سکے۔ جو اضلاع اس طرح شاہ اودھ نے کمپنی کے حوالے کیئے تھے اُنکا بندوبست کمپنی کے ملازمان ملکی کی ایک پوری جماعت کے سپرد کیا گیا جنکا صدر مسٹر ہنری ولزلی کو بنایا گیا۔ اس جماعت کے ارکان کو کوئی بھتہ اس مزید خدمت کا نہیں ملتا تھا۔ یہ بندوبست ایک سال میں ختم ہو گیا۔ مگر مجلس انتظامیہ نے فوراً ہی ان عارضی تقررات کو اسطرح بلا معاوضہ مذموم قرار دیدیا تھا اور یہ کہدیا تھا کہ یہ ملازمان ملکی کے حقوق کی پائمالی کے برابر ہے۔ اور ایک مراسلے کا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا جس میں مسٹر ہنری ولزلی کی برخاستگی کا بھی تاکیدی حکم تھا۔ لیکن جماعت نگراں کار کے صدر نے اس حکم کو قلمزد کر دیا اور اس بات پر بیشک اظہار پسندیدگی

(صفحہ ۲۵۶)

اجازت اس شرط پر دیدی جائیگی کہ وہ مملکت برطانیہ میں کسی جگہ قیام پذیر ہو جائے اور مملکت کو ہمیشہ کے لیئے کمپنی کے سپرد کر دے مگر پھر بھی اُسے زر و جواہر اپنے ساتھ لیجانیکی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اسپر نواب نے فوراً اپنی دستبرداری کو واپس لے لیا اور لارڈ ولزلی نے اُسکے عدم خلوص اور ظاہر داری پر نہایت نفرت کا اظہار کیا اور اُسپر ایک ایسی تجویز پیش کرنیکا الزام لگایا جو سرے ہی سے فریب دہی پر مبنی تھی اور صرف اس غرض سے کی گئی تھی کہ اُسکے فوجی عملے میں اُس اصلاح کا عمل درآمد نہ کیا جا سکے جسکی بے انتہا ضرورت تھی۔ کئی انگریزی رجمنٹوں کو اودھ کے علاقے میں کوچ کرنیکا حکم دیا گیا اور نواب وزیر کو ہدایت کی گئی کہ اُنکی رسد رسانی کا انتظام کرے۔ اسپر نواب وزیر نے نہایت لجاجت کے ساتھ احتجاج کیا مگر لارڈ ولزلی نے اُسکے تمام مراسلات یہ لکھکر واپس کر دیئے کہ الفاظ و طرز خطاب ہندوستان کے سب سے بڑے برطانوی حاکم کی شان کے خلاف ہے۔

مسٹر ہنری ولزلی کا وفد ۱۸۰۱ء

معاملات نے نہایت پریشان کن صورت اختیار کرنی شروع کر دی۔ وزیر کی طرف سے برابر ایک انفعالی مقاومت کا اظہار ہوتا رہا اور لارڈ ولزلی کے تمام مراسلات سے ہر لحظہ بڑھتی ہوئی نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن لارڈ ولزلی یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ نوبت نہ آئے کہ زبردستی الحاق اضلاع کیا جائے چنانچہ اُسنے اپنے بھائی اور پرائیویٹ سکرٹری مسٹر ہنری ولزلی کو جو بعد میں لارڈ کاؤلے ہو گیا تھا امیر وفد بنا کر نواب وزیر کی ضد توڑنیکی ترکیب کرنیکے لیئے بھیجا۔ لیکن نواب ذرہ برابر اپنی جگہ سے نہیں سرکا اور اُسنے صاف لفظوں میں یہ کہدیا کہ اگر گورنر جنرل نے اودھ کا الحاق کر لیا تو ہندوستان کو ایک بڑی ہندوستانی بادشاہت سے محروم کرنیکا بدنما داغ ہمیشہ کے لیئے گورنر جنرل کے ناصیۂ نیکنامی پر قائم ہو جائیگا۔

نواب وزیر کیساتھ نیا معاہدہ ۱۸۰۱ء

آخر کار رزیڈنٹ لکھنؤ کے ایک استادانہ ہتکنڈے سے تمام قضیہ ایکدم میں طے ہو گیا۔ یعنے جو اضلاع حمایتی فوج کی نعلبندی کے لیئے پہلے معاہدے کے مطابق کاٹے گئے تھے رزیڈنٹ نے اُنکے اہلکاروں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان اضلاع کی تمام آمدنی کمپنی کے

باب پنجم
فصل دوم

وزارت میں اپنے دوستوں سے ایسے الفاظ میں اپیل کی جن سے اُسکے دلی جذبات کا پتہ چلتا تھا اور اُسنے اُسنے التجا کی کہ اس کام کی چیز کو تباہ ہونیسے بچائیں جسکو وہ نہایت قابل قدر سمجھتا تھا بلکہ جسپر اُسکو تسخیر میسور سے بھی زیادہ ناز تھا۔ مجلس انتظامیہ سے حکم وصول ہونے پر اُسنے ایک تجویز اس کالج کو توڑ دینے کی منظور کی جسکے آخر میں یہ دل جلے الفاظ تھے کہ صرف مجلس انتظامیہ کے تحکمانہ اختیارات کے سامنے سر تسلیم خم کرنیکی خاطر ایسا کرنا ضروری ہے۔ مگر ایک دوسری تجویز میں اُسنے یہ منظوری دی کہ کالج کو رفتہ رفتہ اٹھارہ مہینے میں توڑ دیا جائے۔ اور اس اثناء میں جماعت نگران کار کے دباؤ سے مجلس انتظامیہ اس کالج کو جاری رکھنے پر ایک تخفیف شدہ پیمانہ کے ساتھ رضامند ہوگئی۔

(صفحہ ۲۵۷)

شخصی تجارتیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ۱۷۹۳ء میں تجدید اجازت نامہ کے وقت سوداگروں اور کاریگروں کے شور و شغب کو بند کرنیکے لئے وزارت نے مجلس انتظامیہ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ شخصی تاجروں کو بھی تین ہزار ٹن اسباب تجارت لانے دینا منظور کرے۔ لیکن یہ رعایت ملک کی مانگ کے واسطے کافی نہیں ثابت ہوئی۔ فی الحقیقت ہندوستان کی تجارت اجارے کے حدود سے باہر نکلی پڑتی تھی کیونکہ یہ اجارہ داری چاہے انگریزوں کے ہندوستان کے ساتھ ابتدائی تعلقات میں کتنی ہی مفید ثابت ہوئی ہو مگر اس روزافزوں ترقی کے زمانے میں کسی طرح موزوں نہیں تھی۔ کلکتے کی تجارت نہایت سرعت سے پھیلتی جارہی تھی اور یورپ کی منڈیوں میں انگریزی سرمائے سے خریدا ہوا کلکتے کا مال تجارت غیر قوموں کے جہازوں کے ذریعے سے روز بروز اپنی جگہ زبردستی نکالتا جاتا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں اس قسم کا تجارتی مال جو امریکہ، پرتگال، اور ڈنمارک کے جھنڈے اُڑانیوالے جہازوں کے ذریعے سے آیا اُسکی مجموعی مالیت ڈیڑھ کرور روپیہ تھی۔

جہازسازی نے گزشتہ دس سال کے اندر کلکتے میں نہایت ترقی کر لی تھی اور لارڈ ولزلی نے اپنی آمد کے وقت بندرگاہ میں دس ہزار ٹن وزن کے جہازوں کو

باب پنجم
فصل ہفتم

کیا کہ شرائط معاہدہ نہایت عمدہ ہیں جنکی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ملازمان ملکی کی تعداد میں تیس نئے آسامیوں کا اضافہ ہوجاتا ہے ؎

فورٹ ولیم کا مدرسۃ العلوم ۱۸۰۰ء

لارڈ ولزلی بھی سوء اتفاق سے لارڈ کارنوالس کی اُس غلط حکمت عملی کا قائل تھا اور اسی پر کاربند تھا کہ ہندوستانیوں کو ملک کی حکومت میں حصہ لینے سے بالکل بیدخل کردیا جائے اور تمام نظم حکومت کو کمپنی کے انھیں ملازموں کے ذریعے سے چلایا جائے جو حلفیہ اقرار نامے داخل کرچکے تھے۔ لارڈ ولزلی نے معقول تعلیم دیکر کمپنی کے ملازموں کو ملکی ملازمت کے قابل بنانیکا بھی عزم کیا۔ ملکی ملازمان کا تمام گروہ دراصل ایک تجارتی عملہ تھا اور ہندوستان کے ساتھ بجائے ایک سلطنت کے ایک تجارتگاہ کا سا برتاؤ کیا جاتا رہا تھا۔ کمپنی کے ملازم سو سال سے برابر کھاتہ نویس۔ گماشتے اور پھر چھوٹے نیب اور بڑے نیب کے مدارج پر ترقی کرتے چلے آتے تھے اور اگرچہ اُنمیں سے بعض کو مجسٹریٹ۔ جج وزیر سلطنت اور سفیر تک کے فرائض انجام دینے پڑتے تھے لیکن جس وقت وہ انگلستان سے کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوکر چلنے لگتے تھے تو صرف اتنی قابلیت کافی سمجھی جاتی تھی کہ اُنھیں محکمۂ حسابات کے گر آتے ہوں اور کھتونی اور روا صلیاقی جانتے ہوں۔ اس معیار کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اُنکو ملک کے نظام و قانون ملکیوں کی زبان سے بھی واقفیت ہے یا نہیں۔ لارڈ ولزلی نے اس نمایاں بدعنوانی کو رفع کرنیکا عزم کرکے کلکتے میں ایک کالج قائم کرنا چاہا جسمیں یورپ والوں کی تعلیم کی تکمیل کی جاسکے اور کمپنی کے ملازمین قانون علم ادب اور دیسی زبانوں کی تحصیل کرسکیں۔ لارڈ ولزلی کی تمام تجویزوں کی طرح اس تعلیم گاہ کے قیام کے انتظامات بہت بڑے پیمانے پر شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ کیئے گئے۔ اور پھر لطف یہ کہ پورا کالج بناکر کھڑا کودیا گیا اور مجلس انتظامیہ کی منظوری تک بھی حاصل نہیں کیگئی چنانچہ خبر پہنچتے ہی وہاں سے تاکیدی احکام اسکو فوراً توڑ دینے کے وصول ہو گئے۔ لارڈ ولزلی کو اپنے ایک نہایت عزیز منصوبے کے اس طرح خاک میں مل جانیسے انتہا سے زیادہ قلق ہوا کیونکہ اس سے تمام ہندوستان میں اُسکی تحقیر ہوتی تھی اور اُسنے محکمۂ

کی رائے میں موجودہ صورتِ حالات کے لحاظ سے سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے فوجی عملے کو پوری طاقت وشان کے ساتھ قائم رکھنا ضروری تھا۔ مجلس انتظامیہ نے اختتامِ جنگ پر وہ تمام وظائف یکقلم منسوخ کردئیے تھے جنکا جاری رکھنا لارڈ ولزلی مناسب سمجھتا تھا۔ اور مجلس موصوفہ نے خاص طور سے اظہار ملامت وتخفیف کے لئے اُس بھتے کو انتخاب کیا تھا جو مدراس گورنمنٹ نے اُسکے بھائی جنرل ولزلی کو اُسکی میسور کی سپہ سالاری کی اہم خدمات انجام دینے کے اخراجات کے لئے دینا منظور کیا تھا۔ لارڈ ولزلی اس تخفیف کو اپنی ذات پر ایک رکیک ترین حملہ سمجھتا تھا جس سے زیادہ ذلت اُسکو نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ مجلس انتظامیہ نے گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل سے دوسرے چھوٹے احاطوں پر حکم چلانیکے اختیارات سلب کرلیئے تھے چاہے ان احاطوں کی گورنمٹیں خود مجلس موصوفہ کے احکام ہی کی خلاف ورزی کیوں نہ کرگزریں یعنے اعلیٰ حکومت کو جو اختیارات ادنیٰ حکومتوں پر حاصل تھے اس ضابطے کو ہی مجلس انتظامیہ نے الٹ دیا تھا مجلس انتظامیہ نے بالقصد اُن نہایت قابل اور تجربہ کار افسروں کو علحدہ کردیا تھا جنکو گورنر جنرل کا پورا اعتماد حاصل تھا اور اُنکی جگہ اپنے آوردے ایسے ٹھونس دیئے تھے جو کسی طرح اُن عہدوں کے اہل نہیں تھے۔

لارڈ ولزلی نے اس تمام طرزِ عمل کے خلاف نہایت زور وشور کے ساتھ احتجاج کیا تھا۔ اُسنے اپنے مراسلے کو ان زوردار الفاظ پر ختم کیا تھا۔

> "اگر ہندوستان کی گورمنٹ کے کام میں اس طرح ہر ماتحت محکمہ رکاوٹیں ڈالے۔ اگر اُسکو تمام مقامی اقتدار سے اس طرح محروم کردیا جائے اگر اس طرح ہر ملازم سرکاری کی نامزدگی کے لیئے مقامی خصوصیات کی تفصیل کی ایک دُور بیٹھی ہوئی طاقت تردید کرتی رہے تو ایسی ذلت آمیز پابندیوں کے ساتھ نظمِ حکومت کا چلانا ناممکن ہوگا۔"

لارڈ کاسل ریو صدرِ جماعتِ نگران کا دل سے یہ چاہتا تھا کہ لارڈ ولزلی کی خدمات کو ابھی ہاتھ سے ندیا جائے اور اُسنے لارڈ ولزلی کا یہ مراسلہ انڈیا ہاؤس کے صدر کے ہاتھ میں دیدیا۔ انڈیا ہاؤس کے صدر نے نہایت صفائی کے ساتھ

باب پنجم
فصل دوم

تیار پاکر اسکا بڑا حصہ بذریعۂ پروانے کے شخصی تاجروں کے استعمال کے لیئے دیدیا۔ اس موضوع پر جو مراسلہ اُسنے مجلس انتظامیہ کو بھیجا تھا اُسمیں اُسنے یہ لکھا تھا کہ شخصی تاجروں کو ایسی آسانیاں بہم پہنچانا جو کمپنی کے اغراض و مفاد کو صدمہ پہنچانیوالی ہوں بیشک تقاضائے انصاف و تدبر کے خلاف ہے لیکن بصورت موجودہ جو تجارتی مراعات شخصی تاجروں کو دیگئی ہیں وہ صرف ایسی اشیا سے متعلق ہیں جنکی تجارت میں کبھی کمپنی کا روپیہ نہیں لگایا جاتا۔ مسٹر ڈنڈاس جو تجارت کے متعلق لارڈ ولزلی کی طرح آزاد خیالات رکھتا تھا خود بھی اس فکر میں تھا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو یہ اختیار دیدے کہ وہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو اس کام میں لانیکی اجازت دیدے کہ اُن پر وہ مال لایا جاسکے جو کمپنی کے سرمائے کے حلقۂ خرید و فروخت سے باہر ہو۔ لیکن انڈیا ہاؤس میں دخل درمعقولات کرنیوالوں کا خطرہ اب بھی ہمیشہ کی طرح ہی سخت تھا اسلیئے باوجودیکہ تجارت کا اوپرا وپر کا تار اب بھی کمپنی کے قبضے میں رہتا تھا مگر مجلس انتظامیہ دوسروں کو تلچھٹ بھی لینے کی اجازت نہیں دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ لارڈ ولزلی کی کارروائی کو سختی کے ساتھ ناپسند کیا گیا۔ لیڈن ہال سٹریٹ نے گویا اُسکا حقہ پانی ہی بند کردیا اور مجلس انتظامیہ کے ارکان کی طرف سے جو برتاؤ اُسکے عہد حکومت کے آخری تین سال کے اندر اُسکے ساتھ ہوتا رہا وہ کسی طرح اُس بدسلوکی سے کم نہیں تھا جس نے وارن ہیسٹنگز کی زندگی کے آخری دن تلخ کردیئے تھے۔ وزیر کی فہمائش کی کچھ پروا نکرکے مجلس انتظامیہ نے لارڈ ولزلی کی تجارتی حکمت عملی پر اظہار نفرین کی تجویز بالاتفاق منظور کرہی دی۔

(صفحہ ۲۵)

لارڈ ولزلی کا استعفا ۱۸۰۲ء

اودھ کے انتظامات کی تکمیل ہوتے ہی لارڈ ولزلی نے اپنا استعفا پیش کردیا اور اس استعفے کی وجہ اپنے عزت پناہ مالکوں پر سوائے اسکے کچھ نہ ظاہر کی کہ اب سلطنت کے پورے استحکام اور ترقی کے تمام منصوبے تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ مگر وزارت آب نام کے مراسلے میں اُسنے اپنے دل کا حال لکھدیا تھا کہ اس استعفے کی اصل وجہ مجلس انتظامیہ کی روز افزوں مخالفت اور اُنکے اعتماد کا گورنر جنرل پر سے بالکل ساقط ہوجانا تھا۔ مجلس موصوفہ نے فوجی عملے کی تخفیف کے تاکیدی احکام بھیجے تھے مگر لارڈ ولزلی

باب پنجم
فصل ششم

ساتھ قائم رکھا۔ اور ایسی صفات اس میں تھیں جو اُسکے دوسرے ہموطنوں میں بہت کم پائی جاتی تھیں۔ برٹش رزیڈنٹ پونا نے سچ لکھا کہ "نانا فرنویس کے ساتھ ہی پونا گورنمنٹ کی تمام معاملہ فہمی اور اعتدال پسندی بھی رخصت ہوگئی"۔ نانا فرنویس کی وفات سے سندھیا کا دربار پونا میں کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا جہاں اب اُسنے پورا قابو حاصل کرلیا اور یہاں تک کہ خود پیشوا کو اُسوقت خوشی سی ہونے لگی جب اُسنے سندھیا کے ہم چشم ہلکر کے اقتدار کو بھی عروج پاتے ہوئے دیکھا ؎

ہلکر خاندان

ملہار راؤ ہلکر نے ایک معمولی چرواہے کی حیثیت سے ترقی کرکے ایک رئیس کے رتبے تک عروج حاصل کیا تھا اور پانچ زبردست مرہٹہ بادشاہوں میں سے ایک کی بنیاد قائم کی تھی۔ اُسکا انتقال چالیس سال کی شاندار زندگی کے بعد چھہتر سال کی عمر میں ہوا۔ اُسکا اکلوتا بیٹا بھی ایک بیوہ اہلیہ بائی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوگیا۔ یہ لڑکا بھی ۱۷۶۶ء میں انتقال کرگیا اور اُسکی ماں اہلیہ بائی نے جو غیر معمولی جوہر مردانگی و قابلیت رکھتی تھی اپنے سرداروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کردیا کہ کسی وارث کو متبنیٰ کرکے خود گوشہ نشین ہوجائے۔ اہلیہ بائی نے انصرام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم کرلیا اور ایک شخص مسمی تکوجی ہلکر فوج کا سپہ سالار مقرر کردیا۔ یہ شخص اگرچہ اُسکا کوئی رشتہ دار نہیں تھا مگر اُسی گوتھ کا تھا۔ اس طرح فوجی قوت کے ایک ممتاز نبرد آزما کے سپرد ہوجانے سے اور ملکی حکومت کے ایک عورت کے ہاتھ میں رہنے سے جو مخدوش صورت معاملات پیدا ہوگئی تھی اُسکا انصرام تیس سال تک محض اہلیہ بائی کی لاثانی قابلیت حکمرانی اور تکوجی کی بے نظیر اعتدال پسندی سے بلا ترخشہ چلتا رہا۔ اہلیہ بائی روزانہ دربار میں نشست کرتی تھی اور رعایا برایا کو بلا تفاوت اپنے حضور میں طلب کرتی تھی اور بنفس نفیس مقدمات و معاملات کے فیصلے صادر فرماتی تھی۔ اُسنے تجارت و زراعت کو ترقی دیکر اپنے ملک کی مرفہ الحالی کی خاطر اپنے تئیں ہمہ تن مصروف کردیا اور اندور کو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت سے ایک بڑے دار الحکومت کے درجے تک ترقی دیدی۔ اُسنے بیرونی رئیسوں کی نظروں میں اپنی زبردست اور شاندار شخصیت کے ذریعے سے وقعت و احترام حاصل کیا

(صفحہ ۲۶۰)

باب پنجم

(صفحہ ۲۵۹)

وہ بے اطمینانی اور بدگمانی کی صورتیں بیان کیں جو لارڈ ولزلی کی بعض کارروائیوں سے کمپنی کی مجلس انتظامیہ کے پاس موجود تھیں جنہیں مسٹر ہنری ولزلی کا تقرر بالخصوص بدگمانی پیدا کر نیوالا تھا۔ اُسنے کہا کہ لارڈ ولزلی نے کمپنی کو دو باتوں میں صدمہ پہنچایا اور یہ دونوں باتیں وہ تھیں جنکا کمپنی کو سب سے زیادہ خیال تھا یعنے ایک اُن کے اجارے کا معاملہ دوسرے اُنکے ملازم نامزد کرنیکا معاملہ۔ مگر ساتھ ہی اسکے لارڈ کاسل ریو کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ مجلس انتظامیہ کے دل سے وہ اعلیٰ خدمات اُتر نہیں گئیں ہیں جو لارڈ ولزلی نے انجام دی ہیں اور مجلس موصوفہ لارڈ موصوف سے استدعا کرے گی کہ وہ جنوری ۱۸۰۵ء تک اپنی دست برداری کو اور ملتوی رکھے۔ یہ تجویز کرتے وقت مجلس انتظامیہ کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ اس تجویز کا کیا اہم بالشان نتیجہ نکل آئیگا۔ کون جانتا تھا کہ اس تاریخ سے پہلے مرہٹہ قوت گردبرد ہو جائیگی اور ہندوستان کا نقشہ ہی بالکل بدل جائیگا ؎

فصل سوم

لارڈ ولزلی و مرہٹوں کے معاملات معاہدۂ بسین۔ سندھیا اور ناگپوری جنگبازی

نانا فرنویس کی وفات ۱۸۰۰ء

سلطنت میسور کے فنا ہو جانیسے اور ریاست حیدرآباد کیطرف سے اطمینان حاصل ہو جانے سے برطانوی گورنمنٹ کا کوئی اور ہم چشم سوائے مرہٹوں کے باقی نہیں رہا چنانچہ اب یہ دونوں ہم چشم دولتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ لارڈ ولزلی نے ۱۷۹۹ء میں پیشوا کے سامنے حمایتی معاہدے کی ایک تجویز پیش کی تھی مگر اسکو نانا فرنویس نے منظور ہونے نہ دیا۔ اس تجویز کی منظوری سے برطانوی اقتدار مرہٹوں میں رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھاتا۔ اس زبردست مدبر کی زندگی جسمیں طرح طرح کے انقلاب ہوئے تھے مارچ ۱۸۰۰ء میں خاتمہ کو پہنچ گئی۔ چوتھائی صدی سے زائد عرصے تک یہ شخص مرہٹہ برادری کی ہر تحریک کا منبع و مخرج رہا تھا اور اس تمام برادری کے ڈھیر کو اُسنے اپنی زبردست شخصیت اور عاقلانہ معاملہ فہمی سے اور اپنی انسانیت حقیقت پسندی اور نیک نیتی سے برابر اعتدال اور قاعدے کی پابندی کے

بالکل خالی ہوگیا تو دونوں علیحدہ ہوگئے امیر خاں جانبِ مشرق روانہ ہوکر شہر ساگر پہنچا اور یہاں کے باشندوں پر اُسنے طرح طرح کا جبر وتشدد کیا اور بے اندازہ مال غنیمت حاصل کیا۔ اس سے زیادہ اُس زمانے کی ہندوستانی رعایا کی مصیبت اور کس میرسی کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جسونت راؤ نے محض قتل وغارت کی اُمیدیں دلاکر دو سال کے عرصے کے اندر اپنے جھنڈے کے تلے ستر ہزار پنڈارے۔ بھیل۔ افغان۔ اور مرہٹہ فوجیں اکٹھی کرلیں۔ اس سپاہ کے ساتھ ہلکر نے مالوے پر پیشقدمی کی اور جب تک سندھیا اس ملک کی حفاظت کے لیئے پونا سے آئے آئے کہ آدھے ملک کا صفایا ہوچکا تھا جسونت راؤ کو مالوے سے نکال باہر کرنیکے لیئے سندھیا نے ۱۸۰۱ئہ میں فوج کے دو دستے روانہ کیئے جنمیں سے ایک باوجودیکہ یورپین افسروں کی سرکردگی میں تھا ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگیا اور دوسرے پر بھی ہلکر کی طرف سے ایسی شدت کے ساتھ حملہ کیا گیا کہ اُسکے گیارہ یورپین افسروں میں سے سات مارے گئے اور تین سخت زخمی ہوگئے۔ سندھیا کا مالوے کا دارالحکومت اُجین بھی بے پایانہ غارتگری سے صرف پندرہ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کرکے بچ سکا۔ پونے میں جب باجی راؤ کے سر سے سندھیا کا دباؤ اُٹھ گیا تو اُسنے اپنے جاگیرداروں پر جبرہ دستیاں اور اپنی رعایا پر سفاکیاں کرنی شروع کردیں جسکی وجہ سے مطلق العنان قانون شکنوں کے بہت جتھے بنگئے اور اُنھی میں سے ایک جتھے میں جسونت راؤ ہلکر کے بھائی وتوجی راؤ کو بھی شریک ہونا پڑا۔ مگر وتوجی راؤ آخر کار گرفتار کیا گیا اور اُسکے لیئے یہ سزا تجویز کی گئی کہ اسکو مست ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر گھسٹوایا جائے اور باجی راؤ اپنے محل خاص کے بالاخانے پر اس دم توڑنے والے نوجوان کی چیخ پکار کا تماشہ دیکھنے بیٹھا۔ یہ حال سنکر جسونت راؤ نے سخت انتقام لینے کی قسم کھائی اور زیادہ زمانہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ اُسے اپنی قسم پوری کرنیکا موقع ملگیا۔

سندھیا نے اپنے خسر سرجی راؤ مالوہ کے سب سے بڑے بد طینت آدمی کو اپنی فوج کے ساتھ شریک ہونیکا حکم دیا اور بذاتِ خود جسونت راؤ ہلکر

باب پنجم
فصل سوم

اور ایک ایسے زمانے میں بھی اپنی مملکت کا امن قائم رکھ سکی جبکہ عالمگیر تشدد و ظلم کا دور دورہ تھا۔ وہ نہایت پاکباز اور نہایت قابل تقلید حکمراں تھی اور اُسکے متبرک نام سے اُن ہندوستانی عورتوں کی شاندار فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ ہوجاتا ہے جنکی قابلیتوں اور پاکبازیوں سے ہندوستانی تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔

جسونت راؤ کی ابتدائی نقل و حرکت

اہلیہ بائی نے ۱۷۹۵ء میں وفات پائی اور اُسکے دو سال بعد ہی تکوجی بھی راہیٔ ملک عدم ہوا اور اُسکے بعد ہی وہ طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا جو بیس سال تک ایک عذاب قائم رہا۔ تکوجی کے بیٹے ملہار راؤ نے فوج کی سپہ سالاری اور ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی مگر اسپر سندھیا نے حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالا اور اسطرح اپنے حریف خاندان ہلکر کو پوری طرح نیچا دکھا دیا۔ تکوجی کا ایک ناجائز بیٹا جسونت راؤ میدان جنگ سے بھاگ کر ناگپور پہنچا مگر بھونسلا راجہ نے سندھیا سے نہ بگاڑنیکی خاطر جسونت راؤ کو قید کر لیا۔ کسی نہ کسی طرح جسونت راؤ اُس قید سے نکل کر بھاگا اور سیدھا دھار آیا مگر یہاں بھی اُسی مخاصمانہ اثر کے آثار نظر آئے اور یہاں سے بھی وہ اپنے سات سوار اور بیس مصیبت زدہ نیم مسلح پیادوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اب اُسنے اپنی قسمت اپنی تلوار کے سپرد کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا اور اپنے تئیں اپنے بھتیجے یعنے ملہار راؤ متوفی کے بیٹے کا علانیہ معین و مددگار ظاہر کر کے خاندان ہلکر کے تمام جاں نثاروں کے لئے صلائے عام دی کہ اُسکے جھنڈے کے تلے جمع ہو کر سندھیا سے حق تلفیوں کا انتقام لیں۔ اور جتنے لیٹرے اُس وقت سنٹرل انڈیا میں مور و ملخ کی طرح بھرے پڑے تھے وہ سب جسونت راؤ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

امیر خاں

چند ہی روز میں جسونت راؤ کی شرکت امیر خاں نے بھی اختیار کر لی جو ایک پچیس سال کا حوصلہ مند روہیلہ تھا۔ امیر خاں کے ساتھ ہی غارتگر سواروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد آگئی اور جسونت راؤ اور امیر خاں نے مل کر اضلاع نربدا کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور اٹھارا مہینے تک یہ قتل و غارت کا سلسلہ جاری رکھا لیکن جبکہ میدان غارت گری

(صفحہ ۲۶۱)

سوار اور پیدل تھی۔ سندھیا کی فوج میں کرنل ڈاس کی سرکردگی میں دس قواعد داں پلٹنیں تھیں مگر ہلکر کے پاس چودہ ایسی پلٹنیں تھیں جنکو یورپین افسروں نے تعلیم دی تھی اور جو اس وقت بھی یورپین افسروں کی قیادت میں تھیں پونے کی لڑائی اواخر ۱۸۰۲ء میں شروع ہوئی۔ فریقین نے عرصے تک میدان میں قدم جمائے رکھے اور داد شجاعت دی مگر آخرکار ہلکر کو سندھیا اور پیشوا کی فوج پر فتح کامل نصیب ہوئی اور اُسنے اپنے دشمنوں کا تمام توشہ۔ تمام سامان حرب۔ بلکہ خیمہ و خرگاہ تک لوٹ لیا۔ پیشوا جو اس وقت تک آگ کی لپٹ سے دور رہا تھا سر پر پاؤں رکھکر ساحل کی طرف بھاگا جہاں اُسکے انتظار میں گورنر بمبئی کی طرف سے ایک انگریزی جہاز ٹھیرا ہوا تھا جس پر سوار ہو کر وہ بسین کو روانہ ہوگیا اور ۶۔ دسمبر ۱۸۰۲ء کو وہاں جا پہنچا۔ ہلکر فاتحانہ پونے میں داخل ہوا اور باجی راؤ کے ناجائز بھائی کو تخت پر بٹھایا اور اُس سے زبردستی دو کروڑ روپے فوراً داخل کرنیکا اور ایک کروڑ روپے کا علاقہ اور فوج کی سپہ سالاری اور ملک کا تمام انتظام خود کو تفویض کرانیکا وعدہ لیا۔ مگر پھر دو مہینے تک غیر معمولی ضبط وتحمل سے کام لیکر ہلکر نے آخرکار پونے کو لوٹ مار کے حوالے کردیا ؀

معاہدۂ بسین ۱۸۰۲ء	بسین پہنچ کر باجی راؤ نے حمایتی معاہدے کی تجویز کو منظور کرنیکی تمنا ظاہر کی کیونکہ اب اُسکی نظر میں بھی ایک وسیلہ اُسکو

پھر تخت و تاج دلانیوالا رہ گیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۸۰۲ء کی آخری تاریخ کو قابل یادگار معاہدۂ بسین پر دستخط ہوئے جسکی رو سے پیشوا چھ ہزار انگریزی حمایتی سپاہ مع مناسب توپ خانہ اپنے دارالحکومت میں رکھنے پر رضامند ہوا اور اُسکی نعلبندی کے لئے ۲۶ لاکھ سالانہ کا علاقہ کمپنی کے حوالے کردیا اور یہ بھی پابندی اپنے اوپر عائد کرلی کہ آئندہ کسی یورپین کو اپنی ملازمت میں نہیں رکھیگا۔ نواب نظام الملک بہادر اور گیکواڑ پر اُسکے جتنے دعوے ہیں اُن سبکو برطانیہ کی ثالثی کے سپرد کردے گا۔ اسی معاہدے میں ملکِ جنوب کے جاگیرداروں کے موروثی حقوق بھی گورنمنٹ برطانیہ کی کفالت میں بحال کردیے گئے ؀

معاہدۂ بسین کا سیاسی اثر	معاہدۂ بسین کو جب اُسکے لازمی نتائج کے اعتبار سے

باب پنجم
فصل سوم

کے تعاقب میں روانہ ہوا اور ۱۴۔ اکتوبر سنہ ۱۸۰۴ء کو اُسے شکست کامل دیدی اُسکے بعد یہ مردم آزار شرحی راؤ فاتحانہ اندور میں داخل ہوا اور اس شہر کو بے محابا قتل و غارت کے حوالے کردیا۔ شہر کی شاندار عمارتیں جو اہلیہ بائی نے تعمیر کی تھیں جلاکر خاک سیاہ کردی گئیں۔ جنکے پاس مال و دولت تھی اُنکو اپنا مال بتانیکے لیئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور ایسی عورتوں کی نعشوں سے کنویں کے کنویں پٹ گئے جنھوں نے اپنی عصمت بچانیکے لیئے مرنا گوارا کرلیا تھا۔ مگر ہلکر نے بہت جلد اس شکست کے صدمے سے نجات پالی۔ اُسکی بیخوف طبیعت اُس زمانے کے مزاج کے بالکل موافق تھی اور اُسکے جھنڈے کے تلے پھر نت نئے منچلے بھرتی ہونے شروع ہوگئے جنکو لیکر وہ جانب شمال بڑھا اور اپنی پیش قدمی کے راستے میں جتنے شہر یا گاؤں پاتا تھا اُنمیں برابر لوٹ مار کرتا جاتا تھا۔ بلکہ دیوتاؤں کے مندروں تک پر بھی ہاتھ صاف کرتا جاتا تھا دراں حالیکہ اُسکے مطلق العنان سپاہیوں کے کچے عقیدوں کو بُرا صدمہ پہنچتا تھا اور اُنکے دل لرزتے تھے۔ پھر اُسنے تمام صوبۂ خاندیش کو روند ڈالا۔ اور پونے کی طرف چلا اور اس وقت پیشوا بھی اپنی جان کے خوف سے لرزنے لگا۔ لارڈ ولزلی نے حمایتی معاہدے کی شرائط پیش کرنے سے ابھی تک بس نہیں کیا تھا اور جب کبھی اُسے ذرا بھی کامیابی کی امید نظر آتی تھی وہ اپنی تجویز کو فوراً پیش کرہی دیتا تھا۔ اس موقع پر بھی سلسلہ جنبانی کی گئی مگر پیشوا کی اُمید و بیم کی حالت کی وجہ سے اس دفعہ بھی معاملہ مذبذب ہی رہا۔ سندھیا پیشوا کو ہمیشہ اس تجویز کے منظور کرنے سے روکتا رہتا تھا اور اب جو سندھیا نے پیشوا کی ہلکر کے حملے سے حفاظت کرنیکے لیئے دس پلٹنیں پیادوں کی اور ایک رسالہ سواروں کا بھیجدیا تھا یہ معاملہ بھی فوری انقطاع کو پہنچ گیا ؛

(صفحہ ۲۶۲)

پونے کی لڑائی سنہ ۱۸۰۲ء

ہلکر برابر پونے میں پیش قدمی کرتا چلا آیا اور سہمے پیشوا نے اُسکے سامنے نہایت ذلت آمیز شرائط پیش کیں مگر اُسنے نہایت نخوت کے ساتھ اُنکو منظور کرنے سے انکار کردیا۔ سندھیا اور پیشوا کی مجموعی فوج کی تعداد جو پونے کے مضافات میں ڈیرا ڈالے ہوئے تھی چوراسی ہزار

باب پنجم
فصل سوئم

اُستادانہ ہتھکنڈے سے صدمہ پہنچا تھا اسلئے وہ بھی اس اتحاد میں اس شرط پر شریک ہونیکو رضامند ہوا کہ اُسکی آبائی مملکت اُسسے واپس کردی جائے۔ لیکن باوجودیکہ وہ مملکت اُسکو بحال کردیگئی لیکن جیسے ہی اُسنے سندھیا کو برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ مخاصمت میں پھنسا ہوا دیکھا ویسے ہی اُسنے سندھیا کے مالوی مقبوضات پر اپنے بھوکے لیٹروں کو چھوڑ دیا۔

لارڈ ولزلی کی فوجی نقل و حرکت

لارڈ ولزلی کو جب اس مرہٹہ اتحاد کی خبر پہنچی تو اُسنے سندھیا اور راجۂ ناگپور کو صاف الفاظ میں اطلاع بھیجدی کہ گورنر جنرل ان دونوں سرداروں کے ساتھ اپنے دوستانہ مراسم کو بلا خرخشہ قائم رکھنے کے لئے تیار ہے مگر وہ اُنکی اُن تمام کوششوں کی اپنی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کریگا جو وہ اُس معاہدے کے ساتھ مداخلت کرنے میں صرف کرینگے۔ ناگہانی ضرورتوں کے لئے تیار رہنے کی خاطر لارڈ ولزلی نے نواب نظام الملک کی تمام حمایتی فوج۔ چھ ہزار نواب نظام الملک کی پیدل فوج اور نو ہزار نواب نظام الملک کے رسالوں کو کرنل اسٹیفنسن کی قیادت میں سرحد پر جاکر پڑاؤ ڈالدینے کا حکم دیدیا۔ اسی طرح جنرل ولزلی بھی اُسی سمت کو چھ سو میل کے فاصلے پر میسور کی حمایتی فوج کے ساتھ روانہ ہوا جسمیں آٹھ ہزار پیدل تھے۔ سترہ سو سوار تھے اور دو ہزار چیدہ میسور کا رسالہ ایک نہایت قابل تجربہ کار ہندوستانی افسر کی ماتحتی میں تھا۔ لارڈ ولزلی نے جو اقتدار جنوبی جاگیرداروں میں حاصل کرلیا تھا اُسکے اثر سے وہ بھی دس ہزار فوج کے ساتھ جنرل ولزلی کے شریک ہوگئے۔ امرت راؤ نے جسکو ہلکر پونے کا سپہ سالار بنا کر چھوڑ گیا تھا یہ ارادہ کرلیا تھا کہ جب وہ شہر کو قبضے میں نہیں رکھ سکیگا تو اُسے جلا کر خاک سیاہ کردیگا مگر جنرل ولزلی کی مستعدی نے ایسی صورت نہ پیش آنے دی کیونکہ جنرل مذکور نے بتیس گھنٹے کے متواتر کوچ سے ساٹھ میل کا فاصلہ طے کرکے عین وقت پر شہر کو آبچایا۔ اُسکے بعد ہی باجے راؤ بسین سے روانہ ہوگیا اور ۱۳۔ مئی ۱۸۰۳ء کو جوتشیوں کی بتائی ہوئی شبھ گھڑی سے برطانوی سنگینوں کے بدرقے کے ساتھ پونے میں داخل ہوا اور انگریزوں کی

(صفحہ ۲۶۴)

دیکھا جائے تو اُسکو برطانوی ہند کے ایک نہایت مہتم بالشان واقعے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ پیشوا کی حکومت عرصے سے مرہٹہ برادری میں اپنی اصلی عظمت کھو چکی تھی پھر بھی وہ ابتک اُنکے قومی اتحاد کا مرکز سمجھا جاتا اور برادری کا سردار مانا جاتا تھا اور اُسکی خود مختاری کے فنا ہو جانے سے اس برادری کی قوت کو ایک دھکا لگ گیا۔ اس مضوع پر عرصے تک معرکتہ الآرا مباحثہ ہوتا رہا ہے لیکن ڈیوک آف ولنگٹن یعنے اُس زمانے کے جنرل ولزلی نے اپنے وسیع ہندوستانی تجربے کی بنا پر جو بالغانہ رائے قائم کی ہے وہ قول فیصل سمجھی جا سکتی ہے۔ وہو ہذا۔

"معاہدۂ بسین نے اور اُس کے لازمات ما بعد نے ہندوستان میں امن قائم رکھنے کے بہترین وسائل بہم پہنچائے اور کسی دوسرے دستور العمل کو اختیار کرنے سے ہلکر کے خلاف جنگ تقریباً ناگزیر ہو جاتی اور تمام مرہٹہ قوم کے ساتھ محاربت نہایت قرین قیاس ہو جاتی۔"

[illegible] واقعات ما بعد نے پوری پوری تصدیق کر دی۔ مرہٹہ سلطنتوں کے ساتھ جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ ممکن ہے کہ اس معاہدے نے اس جلد تر واقع ہو جانے میں امداد دی ہو مگر یہ بات بھولنے کی نہیں ہے کہ اسی معاہدے نے مرہٹوں کو پیشوا کی گورمنٹ کے تمام وسائل سے بحالت جنگ کام لینے سے بالکل محروم رکھا۔

سندھیا اور بھونسلا کی برافروختگی

مرہٹہ دار الحکومت میں کمپنی کی حکومت قائم ہو جانے سے سندھیا اور راجۂ ناگپور کو نہایت برافروختگی ہوئی۔ سندھیا نے دیکھا کہ اُسکے دکن کے تمام حریصانہ منصوبے خاک میں مل گئے اور بیساختہ اُسکے منھ سے یہ نکلا کہ اس معاہدے نے تو سندھیا کی پگڑی سر سے اتار لی۔ ناگپور راجہ کی بھی فوراً وہ آرزو خاک میں مل گئی جو اُسنے اور اُسکے بزرگوں نے عرصے سے ایکدن پیشوا کا منصب حاصل کرنیکی اپنے دل میں رکھ چھوڑی تھی۔ ان دونوں سرداروں نے اس معاہدے کی تکمیل کو روکنے کے لیئے فوراً آپس میں اتحاد کر لیا اور باجے راؤ نے بھی ادھر تو اس معاہدے پر دستخط کیئے اور اُدھر اپنا سفیر اُن سرداروں کے پاس بغرض استعانت روانہ کیا۔ چونکہ ہلکر کے منصوبوں کو بھی انگریزوں کے اس

باب پنجم فصل سوم (صفحہ ۲۶۵)

مجبور کرتا رہا کہ بحث مباحثے کو ختم کرے اور سیدھا معاملات طے کرنیکے بہانے سے پونے پر بڑھتا چلا آئے۔ پیشوا اسنے انگریزی فوج کی رسد رسانی میں بڑی رکاوٹیں ڈالی تھیں اور انگریزی گورمنٹ کو طرح طرح سے تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

جنرل ولزلی کی تفویض اختیارات وقت کا ہر لمحہ قیمتی ہوتا جا رہا تھا لیکن کلکتے تک کوئی جواب چھ ہفتے سے کم میں نہیں پہنچ سکتا تھا اسلیئے لارڈ ولزلی نے اپنے سر وہ ذمہ داری لی جسپر اُسکو بعد میں نہایت لعنت و ملامت کی گئی یعنے اُسنے جنرل ولزلی کو دکن کے مرہٹہ معاملات میں کامل ملکی۔ فوجی اور سفارتی اختیارات تفویض کر دیئے اور ساتھ ہی اسکے اُسکو بالتفصیل اپنی حکمت عملی اور اپنے خیالات سے بھی آگاہ کر دیا۔ جنرل ولزلی کو یہ منصب ۱۸۔ جولائی ۱۸۰۳ء کو حاصل ہوا اور اُسنے فوراً دونوں سرداروں کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ وہ اپنی غیر مخاصمانہ نیتوں کا بہترین ثبوت اسطرح دے سکتے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں فوراً اُن مقامات سے ہٹا لیں جہاں اُن فوجوں کا پڑا رہنا اُن سرداروں کے علاقے کی حفاظت کے لحاظ سے کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ جہاں پڑے رہنے سے وہ نواب نظام الملک پیشوا اور کمپنی کے علاقوں کو دھمکی دے رہے ہیں۔ اسکے بعد ایک ہفتے تک نہایت بے نتیجہ لفظی مباحثہ ہوتا رہا جس میں نادانی سے سندھیا کے منھ سے یہ بھی نکل گیا کہ ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کیا کرینگے کیونکہ ہلکر کے ساتھ نامہ و پیام کی تکمیل نہیں ہو چکی ہے۔ آخر کار اس لیت و لعل سے یہ تنگ آکر جنرل ولزلی نے اُنکو صلح یا جنگ ایک بات اختیار کرنیکے لیئے چوبیس گھنٹے کی مہلت دیدی جسپر اُنھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ برطانوی فوجوں کو بھی اپنی بمبئی۔ مدراس اور سرنگاپٹم کی چھاؤنیوں میں واپس چلا جانا چاہیئے مگر خود بھی چالیس میل پیچھے برھان پور تک اپنی فوجوں کو ہٹا لینگے۔ اسکا آخری جواب جنرل ولزلی نے حسب ذیل دیا۔

"میں نے آپ صاحبوں کے سامنے ایسی شرائط پر صلح پیش کی تھی

طرف کی سلامی کی توپوں کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔

سندھیا نے پاؤں نکالے

سندھیا کی نیت روز بروز واضح ہوتی جاتی تھی۔ اُسنے ایک زبردست سپاہ کے ساتھ راجۂ ناگپور سے شرکت کرنیکے لئے کوچ کیا ادھر سے راجۂ ناگپور ۱۷۔اپریل ۱۸۰۳ء کو اُس سے ملنے کے لئے آگے بڑھا۔ دونوں رئیسوں نے رزیڈنٹ کو یہ اطلاع دی کہ اُنکا ارادہ پونا آنیکا ہے تاکہ وہ پیشوا کے نظامِ حکومت کو قاعدے سے ترتیب دے سکیں۔ اُسکے جواب میں رزیڈنٹ نے دونوں کو یہ یقین دلایا کہ اُنکی طرف سے اس قسم کی ہر حرکت کو مخاصمت سے تعبیر کیا جائیگا جس سے نہایت ناگوار نتائج پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ دونوں طرف سے کئی مراسلات آئے گئے جنسے دونوں سرداروں کی جنگجوئی کی نیت صاف ثابت ہوگئی۔ ۲۳ مئی ۱۸۰۳ء کو کرنل کلوس رزیڈنٹ دربار سندھیا کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ سندھیا کے اصلی ارادوں کا قطعی حال دریافت کرنیکا مطالبہ کرے اُسکے جواب میں سندھیا نے یہ کہا کہ جب تک وہ راجۂ ناگپور سے نہ مل لے جسکا پڑاؤ وہاں سے چالیس میل تھا اُس وقت تک کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتا۔ راجۂ موصوف سے ملنے کے بعد یہ اطلاع دیدی جائیگی کہ صلح رہیگی یا جنگ ہوگی۔ لارڈ ولزلی نے اس جواب کو برطانوی گورمنٹ کی توہین ہی نہیں سمجھا بلکہ اسکو دونوں سرداروں کی طرف سے ایک مشترکہ مخاصمت کی دھمکی سے بھی تعبیر کیا کیونکہ دونوں نے اپنی فوجیں لاکر نواب نظام الملک اور پیشوا کی سرحدوں پر ڈال دی تھیں جنکی حمایت کی پابندی بردے معاہدہ انگریزوں پر لازم تھی۔ اس نازک موقعے پر معاملات کی اُلجھن اس فرانسیسی بحری مہم کے پانڈیچری آپہنچنے سے اور بڑھ گئی جسکا ہم پہلے تذکرہ کر آئے ہیں کیونکہ سندھیا نے تمام ہندوستانی رئیسوں کے دربار میں اس مہم کی اطلاع ان الفاظ کے ساتھ دی کہ یہ ایک دوست کی طرف سے کمک آئی ہے۔ دونوں سردار دو ماہ تک بحث مباحثے کو طوالت دیتے رہے کیونکہ وہ اس عرصے میں ہلکر کو اپنا شریک بنانیکے لیئے برابر کوشش کرتے رہے تھے۔ اس دوران التوا میں غدار پیشوا برابر سندھیا کو اسبات پر خفیہ طور سے

الوالعزمی کے جوش سے بھری ہوی تھی جسکی وجہ سے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد قائم ہوی تھی اور اُس حوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں اس موقعے پر اور ترقی اسلیئے ہوگئی تھی کہ اسوقت جس شخص کے ہاتھ میں برطانوی ہندکی زمامِ حکومت تھی اُسکی قابلیت اور تدبر پر ہر خاص وعام کو بے انتہا اعتماد تھا۔ دونوں مرہٹہ سرداروں کی فوج کا اندازہ ایک لاکھ تھا جس میں سے آدھے سوار تھے اور کئی سو ضرب توپوں کا ایک بڑا توپ خانہ بھی انکے ساتھ تھا۔

تسخیرِ احمدنگر ۱۸۰۳ء

وکیلِ برطانیہ کے سندھیا کے لشکر سے روانہ ہوتے ہی جنرل ولزلی نے لڑائی اسطرح شروع کردی کہ سب سے پہلے سندھیا کا دکن کا بڑا اسلح خانہ اور رسدگاہ احمدنگر جو ایک نہایت مستحکم قلعہ بھی تھا ایک ہی ہلے میں فتح کرلیا اور اسکے بعد دریائے گوداوری کے جنوب میں جتنا سندھیا کا علاقہ تھا اُس سب پر قبضہ کرلیا۔ اس اثناء میں دونوں مرہٹہ سرداروں نے تین ہفتے تک اپنی فوجوں کو ادھر سے ادھر اور اُدھر سے ادھر نقل وحرکت دینے میں صرف کیئے جسکی کوئی غرض سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جنرل ولزلی کے رہنما اتفاق سے راستہ بھولکر انگریزی فوج کو ۲۶ میل کے کوچ کے بعد ایک ایسے مقام پر لے آئے جہاں جنرل ولزلی نے یہ دیکھا کہ سندھیا کا پچاس ہزار سپاہ اور سو توپونکا لشکر حدِ نظر سے آگے تک پھیلا پڑا ہے اور جنرل موصوف نے بھی اسوقت دلمیں یہ ٹھان لی کہ بغیر کرنل اسٹیفنسن کی کمک کا انتظار کیئے ہوئے جو کچھ بھی ہو آخری فیصلہ کرہی لے۔

اسائی کی لڑائی ۱۸۰۳ء

اس زبردست مرہٹہ فوج کو مقام اسائی پر جن مٹھی بھر انگریزی سپاہیونکا مقابلہ کرنا پڑا اُنکی تعداد ساڑھے چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مرہٹہ پیدل فوج اپنے زبردست توپخانے کے پیچھے خندقوں میں محفوظ تھی اور اگرچہ جنرل ولزلی نے اپنے کمان افسر کو خاص طور سے ہدایت کردی تھی کہ اس توپخانے کے سامنے سے دھاوا نہ کرے مگر وہ بہادر جنگ آزما اپنے جانباز سپاہیونکو لیئے ہوے توپونکے منھ تک چلا گیا۔ انگریزی فوج کا زبردست نقصان ہوا مگر سپاہ۔ خصوصاً

جو فریقین کی عزت و شان کے شایاں تھیں مگر آپ صاحبوں نے جنگ کو پسند کیا ہے اسلئے آپ ہی تمام نتائج کے ذمہ دار ہیں"۔

۳۔ اگست ۱۸۰۳ء کو برطانوی وکیل سندھیا کے لشکر سے واپس آگیا اور ۱۸۰۳ء کی جنگِ مرہٹہ شروع ہوگئی۔

فصل چہارم

لارڈ ولزلی۔ سندھیا اور بھونسلا کے ساتھ جنگ

جنگ کی تیاریاں

سندھیا اور راجۂ ناگپور کے ساتھ وقوعِ جنگ کو ناگزیر سمجھکر لارڈ ولزلی نے یہ عزم کیا کہ ہندوستان کے ہر حصے میں اُنکے مقبوضات پر ایک ساتھ ضرب کاری لگائی جائے۔ اس شاندار فوج کشی میں وہ اپنا وزیرِ جنگ خود ہی بنا۔ یعنی کسی اور سے مشورہ نہ طلب کیا اور کمپنی کے دورانِ حکومت میں گورمنٹ کے وسائل پر کبھی اتنے بڑے پیمانے پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا ہے اور وہ ایسی ستعدی اور نتیجہ خیزی کے ساتھ استعمال نہیں کئے گئے دکن میں جو جنرل ولزلی کی سرکردگی میں نو ہزار اور کرنل اسٹیفنسن کی سرکردگی میں آٹھ ہزار فوجیں تھیں۔ اُنکو دونوں مرہٹہ سرداروں کی خاص سپاہ کے مقابلے میں کام کرنیکا حکم دیا گیا۔ شمال میں سندھیا کے اُن ہندوستانی مقبوضات پر حملہ کرنیکو جنکی حفاظت فرانسیسی پلٹنیں کر رہی تھیں جنرل لیک کی قیادت میں ساڑھے دس ہزار فوج متعین کی گئی اور بندیلکھنڈ کے حملے کیواسطے ساڑھے تین ہزار فوج علیحدہ رکھدی گئی۔ ساحلِ مغرب پر سات ہزار تین سو کی ایک فوج سندھیا کو اپنے گجراتی مقبوضات سے بیدخل کرنیکے لیئے ترتیب دیگئی اور پانچ ہزار دو سو سپاہیوں کو اسلئے متعین کر دیا گیا کہ وہ راجۂ ناگپور کے ساحلِ مشرق کے مقبوضہ صوبۂ کٹک پر قبضہ کرلیں۔ یہ ساڑھے تینتالیس ہزار کی ساری فوج اُس حوصلہ مندی اور

(صفحہ ۲۳۶)

آہستہ آہستہ بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ اُسکی فوجی چوکیاں ایک طرف دریائے اٹک تک اور دوسری طرف الہ آباد تک چلی گئی تھیں اور اسوقت جو علاقہ اُسکی زیر نگرانی تھا اُسکی آمدنی دو کروڑ روپے سالانہ تھی۔ اُسکی فوج میں اٹھائیس ہزار پیدل تھے جو کسی طرح کمپنی کی دیسی سپاہ سے کم نہ تھے۔ پانچ ہزار سوار تھے اور ایک سو چالیس توپیں تھیں۔ اسطرح تمام شمال مغربی سرحد پر بالکل فرانسیسیوں کے اثر اور اقتدار میں ایک ایسی جرّار سپاہ کی موجودگی سے کمپنی کے اغراض و مفاد پر جو موت زیست کا عالم ہر وقت طاری رہتا ہوگا وہ کسی تصریح کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی یہ طے کر چکا تھا کہ اس فوج کا استیصال اہم ترین ضروریات میں سے ہے۔ لارڈ ولزلی کی تمنائیں پوری ہونے میں خوش قسمتی سے ایک خاص پیچیدگی نے بڑی مدد دیدی یعنی سندھیا کے مرہٹہ سردار ایک اجنبی سپہ سالار کے غیر معمولی عزو وقار پر اسقدر حسد کرنے لگے تھے کہ جنرل پیرن کو اپنا قیام مخدوش نظر آنے لگا۔ اور جسوقت یہ جنگ شروع ہوئی ہے اُس وقت وہ بددل ہو کر فرانس واپس ہونیکا ارادہ کر رہا تھا۔

تسخیر علی گڈھ ۱۸۰۳ء

جنرل ولزلی کو دکن میں جو کامل اختیارات تفویض فرمائے گئے تھے وہی جنرل لیک کو ہندوستان میں لارڈ ولزلی نے عطا کیئے۔ جنرل لیک نے جنرل پیرن کے لشکر پر پیشقدمی کر کے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن جنرل پیرن اپنی پندرہ ہزار فوج کو بغیر ایک بھی گولا چلائے وہاں سے لیکر ہٹ گیا اسپر جنرل لیک نے علیگڈھ کا محاصرہ کر لیا جو ہندوستان میں سندھیا کا زبردست سلح خانہ اور مخزنِ ذخائر تھا۔ فرانیسی افسروں نے اس قلعے کو غیر معمولی قابلیت کے ساتھ مستحکم کیا تھا۔ لیکن چھتیویں کوہستانی فوج نے اپنی جانبازی اور پامردی سے اُسے ایک ہی حملہ بولکر فتح کر لیا۔ اور قلعے کے ساتھ ۲۸۱ توپیں انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔ اسکے چند روز بعد جنرل پیرن کو یہ خبر ملی کہ سندھیا کے دربار میں جو اُسکے دشمن لگے ہوئے تھے اُنھوں نے اسکی برخاستگی کا حکم حاصل کر لیا ہے۔

(صفحہ ۲۶۸)

باب پنجم فصل چہارم

چوہترویں پلٹن کی غیر متزلزل جرات اور مستعدی تمام مقاومت کو اپنے ریلے میں بہاتی ہوئی لے گئی اور ہر چند سندھیا کی شاندار پیدل فوج نے اپنی توپوں کے پاس قدم جمائے رکھے مگر آخر کار اُن کو مجبور ہو کر میدان چھوڑنا پڑا۔ کمپنی کی فوجوں کو ہندوستان میں اب تک جتنی فتوحات حاصل ہو چکی تھیں اُن سب میں یہ فتح شاندار ترین کارنامہ شمار کی جا سکتی ہے لیکن یہ سستے داموں ہاتھ نہیں آ گئی تھی بلکہ انگریزی فوج کو اپنے ڈیڑھ ہزار جانباز اُسکے بھینٹ چڑھانے پڑے تھے۔ سندھیا کے بارہ ہزار سپاہی ضائع ہوئے اور اُسکی تمام توپیں تمام سامانِ حرب اور تمام خیمہ و خرگاہ انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ اُسکی فوج بالکل منتشر ہو گئی اور جسوقت وہ میدان چھوڑ کر دریائے تاپتی کی طرف پسپا ہوا ہے تو اُسکے ساتھ تھوڑے سے چیدہ سوار رہ گئے تھے۔ کرنل اسٹیفنسن کو اُس کے تعاقب میں بھیجا گیا اور اُسنے جا کر برہان پور کا بارونق شہر اور اسیر گڑھ کا زبردست قلعہ فتح کر لیا اور تھوڑے ہی سے دن میں سندھیا کے تمام گجراتی مقبوضات انگریزوں کے قبضے میں آ گئے اور اُسکے پاس سوائے اپنے ہندوستانی مقبوضات کے اور کچھ باقی نہ رہا۔

(صفحہ ۲۶۷)

سندھیا کے ہندوستانی مقبوضات

اس بیش بہا علاقے کی توسیع اور استحکام میں متوفی مہاداجی سندھیا نے برابر جان لڑا کر کوشش کی تھی اور خاص طور سے اُس فوج کی کارگذاری کو اُسمیں بڑا دخل تھا جس کو کاونٹ ڈی بائن نے بھرتی کیا تھا اور قواعد سکھائی تھی اور جسکی قیادت کاونٹِ مذکور کی روانگی فرانس کے بعد جنرل پیرن کی سپردگی میں تھی۔ دولت راؤ سندھیا اپنے چچا کی جگہ ۱۷۹۴ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر پونا دربار کی حاضری میں صرف کرتا تھا تاکہ مرہٹہ برادری کی مجلس شوریٰ میں اپنا اعلیٰ رسوخ اور اقتدار قائم رکھے۔ اپنی عدم موجودگی میں اُسنے اُس ہندوستانی علاقے کا انتظام جنرل پیرن کے سپرد کر رکھا تھا جو اسکو نہایت قابلیت اور سلامت روی کے ساتھ چلا رہا تھا۔ جنرل پیرن نے سندھیا کا اقتدار راجپوتوں پر قائم کر دیا تھا اور سکھوں پر بھی دریائے ستلج کے کنارے تک

بوسیدہ شامیانے کے نیچے جو اُسکی شاہانہ شان و شوکت کی تنہا یادگار اُسکے پاس باقی رہ گیا تھا بیٹھا ہوا اندرونی اور بیرونی مصائب کا عبرتناک نظارہ پیش کر رہا ہے۔

لارڈ ولزلی نے شہنشاہ کے گذارے کیلئے نہایت معقول وظیفے کا انتظام کیا اور بہت سوچ بچار کر یہ تجویز پیش کی کہ اُنکو دہلی کے مخدوش گردوپیش سے علیحدہ کر دیا جائے اور آئندہ کیلئے انکا قیام مونگھیر رکھا جائے۔ لیکن شہنشاہ کو دہلی کے ساتھ ایسی دلی محبت تھی جو مسلمانوں کے اقتدار کا چھ سو برس تک مستقر رہ چکی تھی کہ وہ کسی طرح وہاں سے ہٹنے پر رضامند نہوتے تھے گورنر جنرل کو بادل ناخواستہ اپنی تجویز ترک کرنے پر مجبور رہنا پڑا اس فیاضانہ مگر بے احتیاطی کے فعل سے انگریزی گورنمنٹ کو پچاس سال کے بعد سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ (صفحہ ۲۶۹)

لاسواڑی کی لڑائی ۱۸۰۳ئ

کرنل اختر لونی کو دہلی کی فوج سپرد کرکے جنرل لیک نے آگرے پر پیشقدمی کی جو ایک طویل محاصرے کے بعد فتح ہوگیا۔ قلعۂ آگرہ میں ۲۸ لاکھ کا جو خزانہ ہاتھ آیا وہ نہایت دور اندیشی کے ساتھ بامید منظوری حکام انگلستان فوج کے افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ابتدائے جنگ کے وقت سندھیا نے اپنی پندرہ فرانسیسی پلٹنیں اپنے ہندوستانی مقبوضات کی حفاظت کرنے کے لیئے نربدا پار سے بھیجی تھیں۔ ان پلٹنوں کو اُسکی تمام فوج کی ناک سمجھا جاتا تھا اور یہ دکھنی ابھک کہلاتے تھے اور اسمیں شک نہیں کہ انھوں نے اپنے تئیں اسم بامسمیٰ ثابت بھی کیا۔ دہلی کے مفرور سپاہی بھی انکے ساتھ شریک ہوکر انکی کل تعداد تیرہ ہزار سوار اور پیدل تک پہنچ گئی تھی اور ہندوستانی افسروں کی قیادت میں بہتر میدانی توپیں بھی اُنکے پاس تھیں۔ جنرل لیک کے اس لشکر سے مقام لاسواڑی پر یکم نومبر ۱۸۰۳ئ کو مڈبھیڑ ہوئی اور یہ فوج ایسی جی توڑ کر لڑی کہ کبھی ہندوستانی سپاہی ایسے زور شور سے نہ لڑے تھے جنکا دل بڑھانیکو یوروپین افسر نہوں آخرکار یہ فوج مغلوب ہوگئی لیکن اسوقت تک اسنے قدم پیچھے نہ ہٹائے جبتک

چنانچہ اُسنے لکھنؤ جانیکے واسطے انگریزی لشکر میں سے گذرنیکی اجازت طلب کی جہاں اُسکی قابلیت اور اُسکے رتبے کے موافق شان و شوکت کے ساتھ اُسکا استقبال کیا گیا۔ اور وہ گذرتا چلا گیا۔ اُسکے بعد جنرل لیک نے علیگڈھ سے دہلی کی طرف کوچ کیا اور اُس جگہ جہاں سے دہلی کے مینارے نظر آنے لگے تھے اسکی مڈبھیڑ اُس اُنیس ہزار مرہٹہ فوج سے ہوگئی جو فرانسیسی جنرل بورکین کی قیادت میں تھی۔ یہ آویزش نہایت سخت ہوئی اور طرفین سے دادِ مردانگی دیگئی مگر پھر وہی چھہترویں کوہستانی فوج سینہ سپر ہونیکو سب سے آگے ہوئی اور جنرل لیک نے بنفسِ نفیس زمامِ قیادت ہاتھ میں لی اور نہایت استقلال اور پامردی کے ساتھ گرابوں اور زنجیر دار گولوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھکر دشمن کو سنگینوں پر رکھ لیا۔ دشمن کی صفوں نے پہلے ہی وار میں اپنی جگہ چھوڑ دی اور دوسرے حملے کی تاب نہ لاکر فرار پر قرار کیا اور دہلی میں جاکر پناہ لی؛

انگریزی فوج کا دہلی میں داخلہ ۱۸۰۳ء

اس آویزش کے تین دن بعد جنرل بورکن اور اُسکے تین افسروں نے اپنی تلواریں جنرل لیک کے سامنے ڈالدیں۔ شہر دہلی کو سندھیا کی فوجوں نے فوراً خالی کر دیا اور وہاں کی فصیلو نپر برطانوی پھریرا اُڑا دیا گیا۔ شاہنشاہِ دہلی اگرچہ اسوقت اپنی خود مختاری اور اپنی آنکھوں سے محروم تھا پھر بھی اسکو ہندو اور مسلمان یکساں سرچشمۂ عز و شان سمجھتے تھے اور شاہی مہر سے جو پروانہ منصب داری کا اس زمانے میں بھی عطا ہوتا تھا اُسکی دکن تک کے دور و دراز صوبوں میں بھی اتنی ہی قدر ہوتی تھی جتنی اورنگ زیب کے زمانے میں۔ لارڈ ولزلی نے اپنے شاندار اعلان میں اس سے ملاقات کا تذکرہ اسطرح کیا ہے

"جنرل لیک کو ۱۵۔ ستمبر ۱۸۰۳ء کو شاہی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جنرل موصوف نے دیکھا کہ وہ قدیمی عز و شان کا مصیبت زدہ مجسمہ ضعفِ پیری۔ بے بصارتی۔ ناداری اور زوالِ مرتبت کی مصیبتوں سے شکستہ حال اور شکستہ دل ایک چھوٹے سے

دوست نواب نظام الملک کو دیدیا گیا۔ اسکے علاوہ راجہ نے اپنے تئیں اس کا بھی پابند کیا کہ اسکے جتنے تنازعات نواب نظام الملک یا پیشوا کے ساتھ ہونگے ان سبکو برطانوی گورنمنٹ کی ثالثی سے طے کرائیگا۔ یہ علاقے جو راجہ کو حوالے کرنے پڑے اسکے نہایت ہی قیمتی اضلاع پر مشتمل تھے اور اس حوالگی سے راجہ ناگپور کی حیثیت گھٹ کر دوسرے درجے کے رئیسوں کی سی رہگئی ؎

سندھیا کی مغلوبیت

اب سندھیا کے لئے بھی گورنر جنرل کی پیش کی ہوئی شرائط کو تسلیم کرنیکے سوائے کوئی مفر نہیں تھا۔ اسکی فرانسیسی پلٹنیں جو اسکی تمام عظمت و اقتدار کی پشت پناہ تھیں بالکل فنا ہوچکی تھیں۔ اسکا وہ شاندار ترکہ جو اسکے چچا نے اسکے لئے چھوڑا تھا یعنے دکن کا علاقہ، گجرات کا علاقہ اور ہندوستان کا علاقہ سب اسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اب اسکے سامنے اپنی مکمل تباہی و بربادی کے آثار تھے اور کچھ نہ تھا۔ راجہ ناگپور کے صلحنامۂ ارگاؤں پر دستخط کر دینے کے بعد آخرکار سندھیا نے بھی گردش دوراں کے آگے گردن جھکالی اور صلحنامۂ سرجی انجن گاؤں پر ۱۸۰۳ء میں دستخط کردئے۔ اس صلحنامے کی رو سے سندھیا کو اپنا وہ تمام علاقہ حوالے کرنا پڑا جو دریائے گنگا اور دوآبے کے درمیان واقع تھا۔ اور جے پور و جودھپور کے شمال میں جو اسکے مقبوضات تھے انسے۔ دکن میں قلعہ احمدنگر اور اسکے مضافات سے اور گجرات میں بھڑوچ اور اسکے پرگنات سے بیدخل ہونا پڑا۔ سندھیا نے اپنے ان تمام دعاوی سے دست برداری داخل کی جو نواب نظام الملک۔ گیکواڑ اور پیشوا کے خلاف وہ رکھتا تھا اور ہندوستان کے ان راجاؤں اور جاگیرداروں کی خودمختاری کو تسلیم کیا جنکے ساتھ لارڈ ولزلی نے حال ہی میں معاہدات طے کرلئے تھے۔ یہ جنگ جس کے ایسے مہتم بالشان ثمرات حاصل ہوئے پانچ ماہ کے قلیل عرصے میں شروع ہوکر ختم بھی ہوگئی اور لیڈن ہال سٹریٹ میں اسکی ابتدا کی خبر ابھی پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ ہندوستان میں اسکی انتہا

اُسکے آدھے آدمی میدان میں کام نہ آ گئے۔ فوج کا سپہ سالار ہر نقل و حرکت میں بذات خود شریک رہا اور ہر دھاوے میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ اگرچہ انہیں کوئی حربی قابلیت نہیں تھی مگر اُسکی جوانمردی سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جیسا جانباز ایک سپاہی کو ہونا چاہیئے ویسا یہ سپہ سالار تھا اور جسطرح آنکھ بند کر کے سپاہیوں کو اپنے افسر کا حکم ماننا چاہیئے اسیطرح اُسکے سپاہی اُسکا حکم مانتے تھے لیکن اگر اُس روز اُس سے فن حرب کی اُن نمایاں غلطیوں کا ارتکاب نہ ہوتا جو کہ اُس دن سے پہلے بھی کئی موقعوں پر ہو چکا تھا تو اس میں شبہ و شک کی گنجایش نہیں ہے کہ اُسکے جانباز بہادر اپنی جانیں قربان کر کے بھی میدان مار لیتے۔

ارگاؤں کی لڑائی ۱۸۰۳ء

متواتر ہزیمتوں سے پریشان ہو کر سندھیا نے صلح کی تحریک کی جسکا نتیجہ التوائے جنگ کی صورت میں برآمد ہوا اور اب جنرل ولزلی کو اپنی پوری توجہ راجہ ناگپور کی طرف مبذول کرنیکا موقع ملا جسکی نقل و حرکت کو وہ برابر غور سے نظر میں رکھے ہوئے تھا۔ ۲۸۔ نومبر ۱۸۰۳ء کو جنرل ولزلی کی ناگپور کی پوری سپاہ سے مڈبھیڑ بمقام ارگاؤں ہو گئی اور ناگپور کی فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ وسط دسمبر ۱۸۰۳ء میں قلعہ گوال گڈھ تسخیر ہو گیا اور جنرل ولزلی نے ناگپور پر پیشقدمی کی تیاریاں شروع کر دیں جو بے تکلف تسخیر ہو جاتا۔ ادھر ایک برطانوی فوج نے بلا ایک جان بھی ضائع کیئے ہوئے پورے صوبۂ کٹک پر قبضہ کر لیا۔ ان تابڑ توڑ شکستوں سے بدحواس ہو کر اور اپنے تخت و تاج کی طرف سے خطرے میں پڑ کر راجہ ناگپور نے فوراً صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور دو دن کے اندر صلحنامہ دیوگاؤں کی گفتگو ہو کر ۱۸۔ دسمبر ۱۸۰۳ء کو مسٹر منسٹوارٹ الفنسٹن کے ہاتھوں سے اُسکی تکمیل بھی ہو گئی۔

(صفحہ ۲۷۰)

اس صلحنامے کی رو سے صوبۂ کٹک کا کمپنی کے مقبوضات کے ساتھ الحاق کر لیا گیا اور کلکتے اور مدراس کے درمیان براہ راست وہ سلسلۂ ارتباط قائم ہو گیا جسکے قائم کرنیکی مجلس انتظامیہ کو عرصے سے تمنا تھی اور جسکے معاوضے میں وہ ایک زمانے میں بہت بڑی رقم بھی دینے کو تیار ہو گئی تھی۔ برار کا زرخیز صوبہ انگریزوں کے

فصل پنجم

لارڈ ولزلی۔ ہلکر سے جنگ بازی۔ کرنل مونسن کی پسپائی

سندھیا اور راجہ ناگپور کے ساتھ جنگبازی کے زمانے میں ہلکر نے اپنی فوجوں کو اُن دونوں کی فوجوں میں شریک کرنیکے بجائے انہیں ہندوستان میں غارت گرانہ تاختوں کے زیادہ سود مند مشغلے میں لگائے رکھا۔ تکمیل صلح کے بعد اُسنے ہیسر کے دولتمند شہر پر چڑھائی کی جہاں سے اس نے ایک کرو. روپے کا استحصال کیا۔ اور اس روپے سے وہ اس قابل ہوگیا کہ اُسنے اُن سپاہیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا جنھیں سندھیا اور راجہ ناگپور نے علحدہ کر دیا تھا۔ اس طرح ہلکر کی فوج بڑھکر ساٹھ ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیدل تک پہنچگئی یہ ایسی فوج تھی جو اُسکی ضرورت ہی سے نہیں بلکہ اُسکے وسائل سے بھی بہت زیادہ تھی اسلیئے وہ صرف لوٹ مار کے ذریعے سے قائم رہ سکتی تھی۔ گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے ہلکر کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ جب تک وہ کمپنی کے اور اُسکے اتحادیوں کے مقبوضات پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہیگا اُس وقت تک اس کی نقل و حرکت سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائیگا۔ لیکن یہ ہلکر کی طبیعت کے خلاف تھا کہ وہ آرام سے بیٹھا رہ سکتا۔ اُسکی قسمت اُسکے گھوڑے کے زین سے بندھی ہوئی تھی اور آخر کار اُسکی کوتہ اندیشی نے اُسے انگریزوں کی دستار پر بھی ہاتھ ڈالنے پر اُبھار ہی دیا۔ مارچ ۱۸۰۴ء میں اُسنے جنرل ولزلی سے بعض اضلاع دکن کی حوالگی کا مطالبہ اس بنا پر کیا کہ یہ اضلاع ایک وقت میں اُسکے خاندان کی ملکیت میں تھے۔ ساتھ ہی اسکے اُسنے جنرل لیک کے پاس ادائی چوتھ کا تقاضا ان الفاظ کے ساتھ بھیجا کہ چوتھ مرہٹوں کا ناممکن تبدیل حق ہے اور اگر ان مطالبات کی تعمیل نہیں کی جائیگی تو سیکڑوں کوس تک

ہو چکی۔ احمد نگر مع اپنے زرخیز اضلاع کے پیشوا کو دیدیا اور ہندوستان کے متوسل اضلاع کو اُن اضلاع کے ساتھ ملحق کر دیا گیا جو نواب وزیر اودھ سے ہاتھ آئے تھے اور اِن سب کا ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا جو ممالک مغربی و شمالی کہلاتا ہے۔[۱]

اس طرح ہندوستان میں مرہٹوں کی قوت کو توڑ کر لارڈ ولزلی کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں انکا زور پھر نہ بندھ جائے چنانچہ اُسکا سد باب کرنیکے لئے لارڈ ولزلی نے کمپنی کے مقبوضات اور سندھیا کے ان مقبوضات کے درمیان ایک حدفاصل قائم کرنی چاہی جو نربدا کے شمال میں واقع تھے اور اس غرض کے لئے جنرل لیک کو ہدایت کی گئی کہ معاہدات اتحاد جاٹ راجہ بھرتپور کے ساتھ اور راجگان جے پور۔ جودھپور۔ مچھری۔ بوندی اور گوہد کے ساتھ طے کرے۔ ان معاہدات کی رو سے یہ سب راجگان مرہٹوں کی اطاعت و باجگزاری سے آزاد ہوگئے اور اُنکی چیرہ دستیوں کے خطرے سے ہمیشہ کے لئے اُن کو امن نصیب ہوگیا۔

غرض یہ کہ لارڈ ولزلی کی غیر معمولی قابلیت نے پانچ سال کے عرصے میں ہندوستان کی سیاسی حیثیت کو بھر نئے سانچے میں ڈھال دیا اور ہندوستان کے انگریز مالکوں کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ اب کمپنی کی حیثیت یہ تھی کہ وہ اقلیم ہند کے سب سے گراں قیمت حصوں کی مالک ہوگئی جو ریاستیں اُسکے مقبوضات سے باہر تھیں ان کی محافظ اور تمام ریاستوں میں جو نزاعات پیدا ہوتے تھے اُن میں حکم کا درجہ رکھنے لگی۔ کمپنی کی حکومت اکبر اور اورنگ زیب کی حکومتوں سے بھی زیادہ مستحکم بنیاد پر قائم ہوگئی تھی۔ اس وقت لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کی شہرت اور شان و شوکت اپنی انتہائے معراج کو پہنچ چکی تھی اور اُسکے بعد جو بداقبالیاں اُسکے ہندوستانی عہد حکومت پر بادل کی طرح چھا گئی تھیں وہ اُسکے کمانڈر انچیف کی غلط کاریوں کی وجہ سے پیش آئیں اگرچہ اُنکا لازمی خمیازہ اُسی کی گورنمنٹ کو اُٹھانا پڑا۔

---

[۱] آجکل اُس کا نام ممالک متحدہ آگرہ و اودھ ہے۔ ۱۲۔ مترجم

کرنا تھا جسکی زمام قیادت اُس زمانے کے نہایت منچلے سپاہی کے ہاتھ میں تھی سب پر طرہ یہ کہ کرنل موصوف نے نہ رسد کا کوئی معقول انتظام کیا تھا نہ اُن ندیوں اور دریاؤں کے عبور کرنیکا کوئی سامان ساتھ لیا تھا جو دو تین ہی ہفتے کے اندر طغیانی کی وجہ سے ناقابل گزار ہو جانیوالی تھیں۔

کرنل مونسن کی پسپائی ۱۸۰۴ء

۱۷- جولائی ۱۸۰۴ء کو کرنل مونسن کو یہ حوصلہ شکن اطلاع ملی کہ ہلکر نے اپنی تمام فوج کو مجتمع کر لیا ہے اور انگریزی فوج پر پیشقدمی کرنی شروع کر دی ہے اور کرنل مرے کی وہ فوج جو جنرل ولزلی نے گجرات سے کرنل مونسن کی امداد کے لیے بھیجی تھی راستے میں کہیں رُکی رہ گئی ہے اس وقت کرنل مونسن کے لشکر میں صرف دو دن کا توشہ باقی تھا چنانچہ اُسنے فوری پسپائی کی ضرورت سمجھی۔ واپسی میں جہاں کہیں یہ فوج گھر کر کھڑی ہو جاتی تھی اور مقابلے پر اڑ جاتی تھی وہیں باوصف کثرت افواج کے ہلکر کو شکست ہوتی تھی۔ مقام رامپورہ پر کرنل مونسن کی کمک کو دو پلٹنیں اور بہت کافی مقدار رسد کی جنرل لیک کی بھیجی ہوئی پہنچ گئیں۔ لیکن کرنل مونسن اس مقام پر بلا وجہ چوبیس دن ٹھر گیا اور اس عرصے میں ہلکر نے ایک مرتبہ بھی اس پر حملہ نہیں کیا۔ اسکے بعد کرنل مونسن نے پھر پسپائی شروع کی اور یہ پسپائی ایسی ذلت خیز ہوئی کہ ابتدائی پسپائی شروع ہونے سے پچاس دن کے بعد کرنل مونسن کا صرف ایک سپاہی بچ بچا کر کسی طرح آگرہ آکر پہنچا۔ اس وقت سے ۲۳ سال پہلے کرنل کماک بھی اسی طرح اناڑی پن سے سندھیا کے علاقے کے قلب میں گھستا چلا گیا تھا اور اسی طرح مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا جیسے اس وقت کرنل مونسن ہوا تھا مگر اُسنے ایک دلیرانہ مجارحت کی حقیقی تدبیر پر عمل پیرا ہو کر سندھیا کو شکست کامل دیدی تھی اور سندھیا نے اپنی توپیں۔ سامان حرب خیمہ وخرگاہ کے ساتھ اپنی نیکنامی کو بھی اس لڑائی میں غارت کر دیا تھا اگر اس فوج کا قائد بھی ویسا ہی زبردست اور قابل ہوتا تو کرنل مونسن کی اس فوج کے سر بھی اُسی قسم کی فتح وظفر کا سہرا رہتا اور لارڈ ولزلی کو پانچ پلٹنیں پیدل اور چھ کمپنی توپ خانے کے لیئے سوگ وار نہ ہونا پڑتا۔ کرنل بیلی کے دستے کا حیدر علی

(صفحہ ۲۴۲)

(صفحہ ۲۷۲)

ملک کے ملک لوٹ لیئے جائینگے اور اس مسلسل جنگبازی سے خدا کی لاکھوں
مخلوق پہ مصیبتیں نازل ہونگی کیونکہ مرہٹہ فوجیں ان ملکوں کو سمندر کی لہروں
کی طرح متلاطم کرکے رکھدینگی۔ ان گستاخانہ دھمکیوں کے ساتھ ہی کمپنی کے
اتحادی راجہ جے پور کے علاقے میں ایک یورش بھی اُسکی طرف سے کردی گئی

جنگ

لارڈ ولزلی نے یہ سمجھ لیا کہ وسط ہند میں امن وخوشحالی کا ہرگز اُس وقت
تک وجود نہیں رہ سکتا جب تک اتنی زبردست غارتگر فوج ایسے
مطلق العنان سردار کی ماتحتی میں اس ملک میں آزادی سے پھرنے دی جاتی
رہیگی۔ ساتھ ہی اسکے ایسے شخص کے مقابلے میں حفاظتی فوج پر بہت زیادہ خرچ
ہوگا اور جنگی فوج پر کم خرچ پڑیگا۔ چنانچہ ۱۶- اپریل ۱۸۰۴ء کو لارڈ موصوف
نے جنرل ولزلی اور جنرل لیک کو ہلکر کے خلاف میدان سنبھالنے کے
احکام بھیجدیئے۔ جنرل لیک نے علاقۂ جے پور میں نقل وحرکت شروع کی اور
اس علاقے سے اُسکا تعاقب کرکے اُسے نکال باہر کیا۔ اسکے بعد جنرل ولزلی نے
دکن سے جنرل لیک پر یہ تاکید کی کہ اس تعاقب کے سلسلے کو برابر جاری رکھا جائے
اور اُسے کہیں دم ہی نہیں لینے دیا جاے اور جنرل لیک کو یہ یقین دلایا کہ اگر
یہ تعاقب کچھ اور مستعدی کے ساتھ جاری رکھا جائیگا تو پندرہ دن کے اندر
ہلکر کا صفایا ہو سکتا ہے۔ مگر معلوم نہیں کسطرح جنرل لیک نے یہ نصیحت نہ مانی
اور اُس نے اپنی فوجوں کو چھاؤنیوں میں واپس کرلیا اور ایک
کمزور فوج کے ساتھ کرنل مونسن کو ہلکر کے تعاقب کے لیئے روانہ کردیا۔
لارڈ ولزلی نے بڑی تاکید کے ساتھ جنرل لیک پر یہ تقاضا کیا کہ یا تو
کرنل مونسن کے کمزور دستے کو واپس طلب کرے یا اسکو مزید کمک بھیجدے
مگر جنرل لیک نے نہ یہ کیا نہ وہ کیا۔ کرنل مانسن جتنا دلیر و جانباز تھا اتنا ہی
فن حرب سے ناواقف اور ناقابل تھا۔ چنانچہ تھوڑے سے سپاہیوں کا
ایک کمزور دستہ لیکر جسکے ساتھ ایک بھی یوربین سپاہی نہیں تھا بلکہ
صرف ڈھائی ہزار بے قاعدہ فوج سوار تھی کرنل مانسن ہلکر کے علاقے
کے قلب میں گھستا چلا گیا درآنحالیکہ اُسنے اپنے سے دس گنی فوج کا مقابلہ

اور انگریزی سواروں کے اور سواروں کا توپ خانہ لیکر ہلکر کے تعاقب میں چلا اور اُسے دن رات میں ایک لمحے کا آرام نہیں لینے دیا۔ ہلکر نے عام طور سے جنرل لیک کے رسالوں سے بیس یا تیس میل آگے رہنے کی ترکیب ڈال رکھی تھی اور اپنی پیشقدمی میں بے پناہ مواضعات میں برابر لوٹ کھسوٹ کرتا چلا جاتا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ چوبیس گھنٹے دو اسپہ کوچ کے بعد جنرل لیک نے ایکدم میں پچاس میل کا فاصلہ طے کر کے ۱۷۔ نومبر ۱۸۰۴ء کو اُسے فتحگڈھ پر جا پکڑا۔ دشمن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور اُنکے سوار بڑے اطمینان کے ساتھ اُنکے برابر سو رہے تھے کہ گراب کے چند فیروں نے متعاقبین کی آمد کی اطلاع دی۔ ہلکر جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور چند سواروں کو اپنے ہمراہ لیکر سر پر پاؤں رکھکر بھاگا اور اپنی بقیہ فوج کو چھوڑ دیا کہ جو بن آئے وہ کرے چنانچہ جدھر جسکا منہ اُٹھا اُدھر ہی چل پڑا۔ کچھ ہی عرصے میں ہلکر اپنی پیدل فوج سے ملنے کے لیئے پلٹ پڑا لیکن اسنے جمنا کو پھر عبور کر کے معلوم کیا کہ اسکی پیدل فوج کو سخت شکست ہو چکی تھی۔ جنرل فریزر نے چھ ہزار فوج سے اُسکی پیدل فوج پر حملہ کر دیا تھا۔

ڈیگ کی لڑائی ۱۸۰۴ء جسمیں ۱۴ پلٹنیں تھیں بہت سی سوارہ فوج تھی اور ایکسو ساٹھ توپیں تھیں اور اُس پر مکمل فتح حاصل کی تھی مگر اس فتح میں انگریزی فوج کو اپنے جنرل کا گراں بار نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس آویزش کے دوران میں قلعہ ڈیگ پر سے انگریزی فوج پر بڑی سخت آگ راجہ بھرتپور کی طرف سے برسائی گئی تھی چنانچہ اس لڑائی کے سلسلے میں وہ قلعہ بھی فوراً لیکر فتح کر لیا گیا تھا۔

محاصرۂ بھرت پور اب ہلکر کی کم نصیبی اپنی حد کو پہنچی تھی جنرل جونز نے ناقابل کرنل مرے کی جگہ فوج کی قیادت لے لی تھی اور ہلکر کے تمام قلعہ جات مالوے میں تسخیر کر کے فاتحانہ پیشقدمی کرتا ہوا بالآخر جنرل لیک سے آملا تھا۔ وہ زبردست لشکر جسکے ساتھ ہلکر تمکنت کے ساتھ جمنا کے کنارے چار مہینے پہلے نمودار ہوا تھا اب بالکل منتشر ہو چکا تھا اور اُسکی تمام طاقت کا استیصال بالکل ناگزیر نظر آرہا تھا کہ تمام انگریزی مفاد

باب پنجم
فصل پنجم

کے ہاتھوں جو استیصال کامل ہوا تھا اسکے بعد سے یہ دوسری ذلت تھی جو انگریزی فوج کو میدان جنگ میں اٹھانی پڑی تھی اور تمام ہندوستان میں اس کے گیت بن گئے تھے جو ہر جگہ گائے جاتے تھے۔ راجہ بھرت پور جس نے سب سے پہلے برطانیہ کے اتحاد کی طرف اُس وقت ہاتھ بڑھایا تھا جبکہ انگریزوں کی کامرانی کا زمانہ تھا اُسی نے سب سے پہلے انگریزوں کا ساتھ اُس وقت چھوڑ دیا جبکہ انگریزوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

ہلکر کا محاصرۂ دہلی ۱۸۰۴ء

اس فتح سے پھول کر ہلکر نے نوے ہزار فوج کے ساتھ متھرا پر پیش قدمی کی۔ جنرل لیک نے اپنی فطری مستعدی کے ساتھ اس خلاف امید یورش کا مقابلہ کرنیکے لیئے اپنی رجمنٹوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں ہلکر نے ایک دلیرانہ منصوبہ یہ گانٹھا کہ شہر دہلی پر قبضہ کرلے اور کسی طرح شہنشاہ دہلی کو اور اُسکے نام کے ساتھ جو اقتدار اب تک لگا ہوا تھا اُسے اپنے ہاتھ میں لے آئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے رسالے کو جنرل لیک کی توجہ مصروف رکھنے کے لیئے متھرا پر چھوڑا اور ۷۔ اکتوبر ۱۸۰۴ء کو اچانک دہلی کے دروازوں کے سامنے آدھمکا۔ یہ شہر دس میل کے احاطے میں آباد تھا اور اسکی حفاظت کے لیئے بوسیدہ دیواروں اور شکستہ برجوں کے سوا کچھ نہیں تھا اور اسمیں ایک بیچ میل مطلق العنان مخلوق کی آبادی تھی۔ حفاظتی فوج خود اتنی کم ور تھی کہ دوسروں کو کیا امداد پہنچا سکتی تھی اور فوج کو فصیلوں پر رسد تقسیم کر دی جاتی تھی۔ لیکن کرنل اختر لونی نے کلائیو کی سی جرأت و پامردی کے ساتھ اس شہر کو ایک ایسے دشمن کے مقابلے میں نو دن تک بچائے رکھا جسکے ساتھ بیس ہزار فوج تھی اور ایکسو توپیں تھیں۔ آخر کار ہلکر نے مایوس ہو کر اپنی فوجیں محاصرے سے ہٹالیں اور اپنی پیدل فوج اور توپوں کو اپنے نئے اتحادی راجہ بھرت پور کے علاقے میں بھیجکر اپنے سواروں کو لیکر کمپنی کے علاقے واقع دوآبہ کو لوٹنے کے واسطے چل کھڑا ہوا۔

(صفحہ ۲۷۸)

جنرل لیک نے بھی اپنی پیدل فوج کو جنرل فریزر کی سپردگی میں ہلکر کی پیدل فوج کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیئے چھوڑا اور چھ رسالے دیسی

ساتھ دیکھا کہ رانا ئے گوہد کو خود مختار رئیس سمجھا جائے اور اسکو قلعہ گوالیار بھی حوالے کر دیا جائے دراں حالیکہ یہ رانا سندھیا کا باجگذار تھا اور یہ قلعہ صرف اپنے استحکام کی وجہ سے سندھیا کو عزیز نہیں تھا بلکہ اسلیئے بھی قابل قدر تھا کہ یہ شہنشاہ دہلی کا شخصی عطیہ تھا۔ جنرل ولزلی نے گورنر جنرل کے سامنے یہ تصدیق کی کہ سندھیا نے اس صلحنامے پر اس صراحت کے بعد دستخط کیئے ہیں کہ یہ ریاست اور یہ قلعہ اسی سے متعلق رہیگا اور لارڈ ولزلی کو اسکا علم نہیں ہوگا اسلیئے لارڈ موصوف نے گوہد کو ایک خود مختار ریاست قرار دیا ہے جنرل ولزلی نے یہاں تک کہدیا کہ میں بذات خود اپنی زبان اور اپنے وعدے پاس کرنیکے لیئے اور اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیئے گوالیار اور گوہد کیا ان سے دس گنا علاقہ قربان کر دینے کے لیئے تیار ہوں۔ میجر مالکم جو سندھیا کے دربار کا برطانوی رزیڈنٹ تھا اُسنے بھی اس معاملے میں خاص طور سے زور دیا لیکن لارڈ ولزلی جو در اصل غلط مسلک اختیار کیئے ہوئے تھا اپنی تجویز پر اڑا رہا اور یہاں تک تحکمانہ انداز اختیار کیا کہ سندھیا کو مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا مگر یہ نقصان ہمیشہ سندھیا کے دل کو ایک پھوڑے کی طرح دکھ دیتا رہا۔

برطانیہ کے خلاف اتحاد کرنل مونسن کی منحوس پسپائی اور محاصرۂ بھرت پور کی ناکامی نے تمام ہندوستان میں ایک سنسنی پیدا کر دی تھی۔ اسیائی فاتحین کو ہلکر نے آگرے تک مار کر بھگایا تھا اور گوالیار کے فاتحین کو ایک مٹی کے قلعے کے سامنے میدانوں میں ناکام پڑا رہنا پڑا تھا اسلیئے یہ خیال عام طور سے دلوں میں جا گزیں ہو گیا تھا کہ اب کمپنی کے اقبال کو زوال ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک مخاصمانہ اتحاد انگریزوں کے خلاف قائم کیا گیا جسمیں سندھیا۔ ہلکر۔ امیر خاں اور راجہ بھرت پور شریک تھے۔ سندھیا نے انگریزوں کے اتحادیوں پر حملہ کرنے کی اور ساگر پر یورش کرنیکی جرأت کی۔ (صفحہ ۲۷۶ سندھیا کے وزیر سرجی راؤ کے ایما سے مسٹر جنکینس رزیڈنٹ کا پڑاؤ لوٹ لیا گیا اور رزیڈنٹ موصوف کو نظر بند کر دیا گیا۔ علاوہ بریں سندھیا نے چالیس ہزار کی ایک سپاہ فراہم کی اور بھرت پور کی طرف اس حیلے سے

باب پنجم
فصل پنجم

واغراض پر جنرل لیک کے اس مہلک ارادے سے پانی پھر گیا کہ بھرت پور کا محاصرہ کرلیا جائے۔ یہ شہر آٹھ میل کے دور میں بسا ہوا تھا اور اسکے گرد بہت اونچی اور نہایت موٹی مٹی کی دیوار کا ایک دھس بندھا ہوا تھا جسکی حفاظت کے لئے جگہ جگہ برج بنے ہوئے تھے اور اس مٹی کی دیوار کے گرد ایک نہایت گہری خندق پانی سے بھری ہوئی تھی اور قلعے کے اندر راجہ بھرت پور کی آٹھ ہزار فوج اور ہلکر کا بقیۃ السیف لشکر تھا۔ جنرل لیک نے ہر نہایتی کی طرف سے بالکل کان بند کر لیئے اور بغیر قلعہ شکن توپ خانوں کے یا کسی تجربہ کار میر تعمیرات کی بل کے بغیر موقع کا معاینہ کیئے ہوئے نہایت سرگرمی سے محاصرے کی کارروائی شروع کر دی۔ چار متواتر حملے پندرہ ہفتوں کے اندر اس قلعے پر کئے گئے جنمیں انگریزوں کو تین ہزار دو سو مقتول اور زخمیوں کا نقصان اُٹھانا پڑا جنمیں ایکسو تین صرف فرنگی افسر تھے۔ ۲۱ اپریل ۱۸۰۵ء کو محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ اسکے بعد راجہ نے جب اپنے اُس نقصان کا اندازہ کیا جو اُسکو ہلکر کے استحصال بالجبر سے اور دوران محاصرہ میں اپنے اضلاع کی آمدنی بالکل بند ہو جانے سے اُٹھانا پڑا تھا تو اس نے برطانوی گورنمنٹ سے مفاہمہ کرنا چاہا۔ چنانچہ بہت ہی جلد ایک معاہدہ اس شرط پر طے کر لیا گیا کہ راجہ چار قسطوں میں بیس لاکھ روپے اس فوج کشی کے مصارف کے لیئے ادا کرے جو اُسکے خلاف کام لینے میں گورنمنٹ کے خرچ ہوئے تھے۔ لیکن اس فوج کشی کے ثمرات ہماری اس ناکامی کی ذلت کو نہیں مٹا سکے کیونکہ اس کی یادگار دکن کے دور دراز صوبوں میں بھی برطانوی گورہ سپاہیوں کے بے تکے بیانوں میں برابر دُہرائی جاتی تھی جنکو مورچوں اور فصیلوں پر سے نیچے پھینک پھینک دیا گیا تھا۔

سندھیا کی مخاصمانہ روش

سندھیا کی مخاصمانہ روش کی وجہ سے امن قائم کرنیکی کارروائی میں اور بھی جلدی کیگئی۔ سرجی انجن لگائن کے صلحنامے کی رو سے سندھیا اس بات کا پابند ہو گیا تھا کہ اپنے تمام دعاوی اُن راجاؤں پر سے اٹھالے جنھوں نے گورنمنٹ برطانیہ سے معاہدات اتحاد کر لیئے تھے۔ لیکن جب فہرست سندھیا کے سامنے پیش کی گئی تو اسمیں رانائے گوہد اور قلعہ گوالیار کا نام دیکھکر اُسے سخت اشتعال پیدا ہوا۔ اسنے اس خیال کو نہایت نفرت سے

باب پنجم
فصل پنجم

لارڈ ولزلی کو بھی اچھا سا سمجھوتہ ہو جانیکی فکر تھی جس سے سلطنت کے روز افزوں فوجی اخراجات میں تخفیف کی جا سکے۔ اُسنے یہ عزم کر لیا تھا کہ بنظر مصلحت سیاسی گوہد اور گوالیار کو بھی سندھیا کے قبضے میں دیدے اور چھ ہفتے کے اندر تمام اختلافات کا اچھی طرح باہمی تصفیہ ہو جاتا اور ہندوستان کا امن و امان ایک مستحکم بنیاد پر قائم ہو جاتا لیکن ۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء کو لارڈ ولزلی کا عہد حکومت لارڈ کارنوالس کے ہندوستان پہنچ جانے سے ختم ہو گیا اور لارڈ ولزلی کی حکمت عملی کے تمام منصوبے الٹ پلٹ ہو کر رہ گئے۔

لارڈ ولزلی کا عہد حکومت۔ کمپنی کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابل یادگار رہے اُسنے سلطنت کو ہر سمت سے خطرات سے گھرا ہوا پایا تھا (صفحہ ۲۷۷) اور اسنے اپنے جانشین کو وہی سلطنت نہایت محفوظ حالت میں سپرد کی اور کمپنی کا رسوخ و اقتدار ہندوستان میں ایسے عروج پر پہنچ گیا جیسا آجتک کبھی نہیں پہنچا تھا۔ اُسنے حیدر آباد کی فرانسیسی فوج کا بالکل استیصال کر دیا۔ میسور کی بادشاہت کو الٹ دیا اور معبری ہند کا مالک بن گیا۔ اُس نے سندھیا کی پر خطر فرانسیسی پلٹنوں کو برطرف کر دیا اور سندھیا کے مقبوضات ہندکو برطانوی صوبہ بنا لیا۔ اسنے مرہٹے سرداروں کی قوت کو ایسا توڑا کہ وہ پھر اُبھر ہی نہ سکے اسنے کمپنی کے علاقے اور وسائل دونے کر دیئے۔ اسنے سلطنت کو قائم کرنے اور مستحکم کرنیکی خاص قابلیت کا اظہار کیا اور اگر اُس سے پہلے وارن ہیسٹنگز اور اُسکے بعد لارڈ ڈلہوزی نہیں آئے ہوتے تو لارڈ ولزلی ہی ہندوستان کا سب سے بڑا گورنر جنرل کہلائے جانیکا مستحق تھا۔ لارڈ ولزلی نے یہ عزم بالجزم کر لیا تھا کہ ہندوستانی رئیسوں کے اُن خونریز تنازعات کو بالکل مٹا کر رہیگا جنکی وجہ سے اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے ایک صدی کے عرصے میں ہندوستان کے سرسبز ترین صوبے برباد ہو کر چٹیل میدان بن گئے تھے۔ بقول اُسکے بھائی ڈیوک آف ولنگٹن کے لارڈ ولزلی نے اچھی طرح اس بات کو سمجھ

پیشقدمی شروع کی کہ برطانوی گورنمنٹ اور راجہ بھرتپور کے درمیان گفتگوے صلح طے کرنیکو جارہا ہے۔ لارڈ ولزلی کو اُس توہین سے بہت صدمہ ہوا جو سندھیا کی ان تجاویز سے گورنمنٹ برطانیہ کو برداشت کرنی پڑی تھی لیکن لارڈ ولزلی اور جنرل ولزلی دونوں بھائی اس وقت سندھیا کے ساتھ کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہونیسے بچنا چاہتے تھے کیونکہ فوج کی اخلاقی حالت بہت پست ہورہی تھی اور شمال مغربی سرحد بالکل غیر محفوظ ہورہی تھی۔ برطانوی رزیڈنٹ نے سندھیا کو بھرت پور کی طرف دریائے چمبل عبور کرنے سے یہ سمجھا کر باز رکھنا چاہا کہ ایسی حرکت سے یقیناً جنگ پیش آکر رہے گی اسلئے سندھیا کو اپنے دارالحکومت کی طرف واپس ہوجانا چاہیئے۔ لیکن سندھیا نے اپنے خزانے کے بالکل خالی ہونیکا عذر پیش کیا اور جنرل ولزلی نے لارڈ ولزلی کو یہ یقین دلایا کہ دراصل گذشتہ نقصانات کی وجہ سے سندھیا بہت کچھ مفلسی میں گرفتار ہوگیا ہے چنانچہ جنرل مذکور کے مشورے کے مطابق اُسکو سرکاری خزانے سے معقول رقم دیدیگئی جسپر وہ راستے سے لوٹ کر سبل گڑھ آگیا۔

کچھ ہی عرصے بعد ہلکر اور امیر خاں بھی اپنے تیس ہزار سواروں کے ساتھ سندھیا سے آملے۔ ان اتحادیوں نے سندھیا سے روپیہ طلب کیا مگر اُسکا خزانہ خالی ہوچکا تھا اسلیئے اُسنے اُنہیں اپنے سپہ سالار امباجی انگلیا کو لوٹ لینے کی اجازت دیدی جسنے اُسکی ملازمت میں دو کروڑ روپیہ جمع کرلیا تھا اور سندھیا کے خسر شرجی راؤ نے امباجی کو سخت اذیتیں پہنچا کر پچاس لاکھ روپیہ اُس سے اُگلوا ہی لیا۔ اس بدکردار شرجی راؤ کی سفاکیوں سے نفرت کہا کر سندھیا نے اُسکو برطرف کر کے امباجی ہی کو اسکی جگہ مقرر کردیا اور اس عہدے پر متعین ہوتے ہی امباجی نے اپنے آقا میں اور ہلکر اور امیر خاں میں جو معاہدہ اتحاد ہوا تھا اُسکو فسخ کرادیا اور اسطرح برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ سمجھوتہ ہوجانیکا راستہ کھول دیا۔ سندھیا کو بھی اب کسی فائدے کی امید تو رہی نہیں تھی بلکہ کمپنی کے ساتھ جھگڑا کرنے کے ہر طرح کے نقصان کا ہی خطرہ لگا ہوا تھا اسلیئے وہ بھی پھر میل ملاپ ہوجانیکا دل سے خواہشمند تھا۔ ادھر

بدحواس کر دیا تھا اور اُسکا دوست لارڈ کاسلرو صدر جماعت نگران کار بھی انگریزوں کی وسیع مملکت اور گراں بار ذمہ داریوں کو تشویش کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ ہلکر کے ساتھ لڑائی ایک نہ ایک دن ہونی ضرور تھی مگر اس جنگ کا اعلان ہوتے ہی گویا لارڈ ولزلی کے قصوروں کا پیمانہ بالکل لبریز ہوگیا لندن کے لیڈن ہال اسٹریٹ میں انتہا درجے کا خوف پیدا ہوا اور فوراً یہ تجویز کی گئی کہ لارڈ ولزلی کو واپس بلا لیا جائے اور پھر صورت حالات کو اُس معیار پر لانیکی کوشش کیجائے جو ۱۷۹۲ء کے ضابطے کے مطابق قائم کر دیا گیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر ہندوستان کی سیاسی گھڑی کی سوئیاں بارہ سال پیچھے ہٹادی جائیں۔

لارڈ ولزلی کی واپسی انگلستان پر ایک کوشش یہ بھی ہوئی تھی کہ اسکو بھی ملزم گردانا جائے۔ ایک شخص مسٹر پال جو قوم کا درزی تھا ہندوستان میں قسمت آزمائی کرنے گیا تھا اور لکھنؤ کے بدمستی و تعیش کے ساون بھادوں میں خوب دولت جمع کرکے لایا تھا اور اپنے روپے کے زور سے پارلیمنٹ میں ممبری حاصل کرلی تھی اور لارڈ ولزلی کے خلاف سخت بدکرداری اور سنگین جرائم کے الزامات اُسنے پارلیمنٹ میں پیش کیئے تھے مگر میعاد پارلیمنٹ کے ختم ہوجانیکی وجہ سے وہ الزامات بھی جگہ کی جگہ رہگئے اور دوسرے انتخاب میں جب پال کا انتخاب نہیں ہوا تو اُسنے خودکشی کرلی۔ اسکے بعد لارڈ فاکسٹن نے اس الزام کی تجدید کی لیکن جو تجویز لارڈ ولزلی کو ملزم گردانئے کی پیش کی گئی تھی وہ (۳۱) کے مقابلے میں ۱۸۲ رایوں سے نامنظور ہوگئی۔ مگر ادھر کیتہ توز مجلس مالکان نے لارڈ ولزلی کے خلاف تجویز ملامت کو (۱۹۵) کے مقابلے میں (۹۲۸) رایوں سے منظور کرلیا۔ لیکن تیس سال کے بعد جب تعصب پر حق غالب آگیا تو مجلس انتظامیہ نے اسکے مراسلات کو شائع کرتے وقت بالاتفاق منظور شدہ تجویز کے ذریعے سے لارڈ ولزلی کو یہ اطمینان دلایا کہ مجلس موصوفہ کی رائے میں لارڈ ولزلی نے اپنے تمام دوران حکومت میں جو کچھ کیا صرف اس وجہ سے کیا کہ ہندوستان

باب پنجم
فصل پنجم

لیا تھا کہ جب تک ہندوستان میں ایک زبردست سلطنت ایسی نہیں پیدا ہو جائیگی جو اپنی قوت اور اپنے وسائل اور اپنے فوجی استحکام کی وجہ سے سب پر غالب آکر سبکو اپنی روک تھام میں رکھے اُس وقت تک کسی قسم کی مستقل حکمت عملی سے بھی یہ ممکن نہیں ہوگا کہ زیردست کی زبردست کے مقابلے میں حفاظت کی جاسکے یا ہندوستان کے رئیسوں کو اپنی اپنی اعتباری حیثیتوں پر قانع رکھکر ملک میں امن قائم رکھا جاسکے۔ یہ زبردست سلطنت کمپنی بنتی چلی جارہی تھی۔ مگر کمپنی اب بھی ایک تجارتی جماعت تھی جسکی طبیعت میں فوجی کارروائیوں کا ڈر بیٹھا ہوا تھا۔ کیونکہ ایسی کارروائیوں سے کمپنی کی وہ رقم جو کھم میں پڑجاتی تھی جس سے مال تجارت کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور کمپنی کی واصلیاتی میں غیرمعمولی رقوم گھٹانی بڑھانی پڑتی تھیں۔ لیڈن ہال سٹریٹ کے قالب میں تجارت کی روح اب بھی جلوہ گر تھی برخلاف اسکے لارڈ ولزلی کا اصول عمل یہ تھا کہ جب تک کمپنی کو اس بڑی سلطنت میں شاہانہ حکومت کی حیثیت حاصل ہے اس وقت تک کمپنی کے شاہانہ فرائض کمپنی کے تجارتی اغراض پر غالب رہنے چاہئیں۔ ان متضاد مطامح نظر نے انڈیا ہاؤس میں لارڈ ولزلی کی طرف سے بڑے مخالف خیالات پیدا کردیے تھے۔ علاوہ بریں ایوان حکومت نے بھی اسی میں مصلحت سمجھی تھی کہ توسیع ممالکت کی مخالفت کی جائے اور بغیر مجلس انتظامیہ کی منظوری کے دیسی رئیسوں کے ساتھ ہر قسم کے اتحاد سے احتراز کیا جائے۔ اور ایوان حکومت کو یہ امید تھی کہ ان احکام کا اتباع کرکے انگریز لوگ امن سے دیسی رئیسوں کے ساتھ گزارہ کر سکینگے اور اپنے تجارتی منصوبوں کو بلاخرخشہ پورا کر سکینگے لیکن اس قاعدے کی صریحی مخالفت کرکے لارڈ ولزلی راس کماری سے ستلج تک ہرجگہ جنگبازی میں مصروف رہا۔ ایک کے بعد دوسرے رئیس کا زور توڑتا چلا گیا اور کمپنی کو نصف ہندوستان کا مالک اور نصف ہندوستان کا حمایتی و نگہبان بنادیا۔ مجلس انتظامیہ کے ممبروں کو لارڈ ولزلی کے ہمہ گیر منصوبوں نے اور دلیرانہ اولوالعزمیوں نے

(صفحہ ۲۲۸)

باب ششم
فصل اول

میں پیرایۂ خدمات ادا کرنے سے اُسکی صحت جسمانی بہت کمزور ہو گئی تھی مگر وہ اپنی طبیعت کے موافق دعوتِ فرض سے انکار نہیں کرسکتا تھا چنانچہ وہ ۳۰۔ جون ۱۸۰۵ء کو کلکتے پہنچا جس وقت کہ ملک الموت کا ہاتھ اُسکی طرف بڑھتا ہوا صاف نظر آرہا تھا۔ اُسکے چوبیس گھنٹے کے اندر لارڈ ولزلی کی قسمت میں یہ معلوم کرنیکا صدمہ لکھا ہوا تھا کہ اُسکی تمام حکمت عملی کا سلسلہ ایک دم الٹ پلٹ کردیا جانیوالا ہے۔ لارڈ کارنوالس نے آتے ہی یہ اعلان کیا کہ گورنمنٹ کا منشاء خاص یہ ہے کہ تمام دیسی رئیسوں کو پھر اُنکی اصلی قوت۔ قابلیت اور خود مختارانہ حیثیت پر بحال کردے اور یہ خیال اُنکے دل سے محو کردے کہ انگریزوں کا کوئی ارادہ کسی دیسی ریاست پر انگریزی حکومت قائم کرنیکا نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر وہ کشتیٔ سلطنت کو ۱۸۰۵ء میں ۱۷۹۳ء کے احکام زائچہ کے مطابق چلانا چاہتا تھا

لارڈ کارنوالس کا اصول عمل | لارڈ کارنوالس تری کے راستے سے ملک میں دورہ کرنے چلا اور ۱۹۔ ستمبر ۱۸۰۵ء کو لارڈ لیک کے پاس ایک مراسلہ بھیجا جسمیں اُسنے اُس طرزِ عمل پر اظہار ناپسندیدگی کیا جو لارڈ لیک نے اختیار کر رکھا تھا۔ اُسنے یہ ہدایت کی کہ خاندان ہلکر کے تمام ممالک اسی وقت واپس کردیئے جائیں جسوقت جسونت راؤ معقولیت کا پہلو اختیار کرلے۔ گوہد اور گوالیار سندھیا کو واپس کردیا جائے مسٹر جنکنس رزیڈنٹ گوالیار (صفحہ ۲۸۰) کو جو سندھیا نے عزت کے ساتھ نظربندی میں رکھ چھوڑا تھا اور لارڈ ولزلی نے اسکی خلاصی کا مطالبہ قائم کر رکھا تھا اگر اُس مطالبے سے انگریزوں میں اور سندھیا میں صلح ہونے سے کوئی حرج پڑتا ہو تو اُس مطالبے سے بھی درگزر کیا جائے جے پور کے ساتھ انگریزوں نے جو معاہدہ کرلیا تھا اُسے کالعدم کردیا جائے۔ شہنشاہ اور اُسکے متعلقین کو کلکتے کے قریب کسی محفوظ شہر میں روانہ کرکے دہلی مرہٹوں کو واپس دیدیا جائے۔ دریائے چمبل کے شمال میں جتنے رئیسوں کے ساتھ معاہدات اتحاد قائم کیئے گئے تھے اُن سبکو فسخ کردیا جائے اور انگریزی حمایت سے محروم ہو جانے میں جو نقصان ان رئیسوں کو برداشت کرنا پڑے گا اُن کی تلافی کے لیئے انکو اس انگریزی

کی رفاہ عام اسکے مدنظر تھی اور سلطنت برطانیہ کے اغراض و مفاد اور انگریزوں کی قومی عزت کا قائم رکھنا اُسکا نصب العین تھا۔ اور مجلس انتظامیہ اسکے شاندار عہد حکومت کے کارناموں کو بھی اُسی عزت و وقار کی نظروں سے دیکھتی ہے جس نظر سے دوسرے انگریز لوگ دیکھتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی مجلس موصوفہ نے اسکو بیس ہزار پونڈ کا انعام پیش کیا اور یہ حکم دیا کہ انڈیا ہاؤس میں اُسکے حسن خدمات کی یادگار کے طور پر اسکا مجسمہ نصب کیا جائے

لارڈ کارنوالس اور سر جارج بارلو

لارڈ کارنوالس کا مختصر عہد حکومت اور وفات

ہندوستان کی تمام مشکلات میں مسٹر پٹ کا حقیقی مشیر اور صلاح کار لارڈ کارنوالس رہا تھا۔ جب وارن ہیسٹنگز کی کارروائیوں سے کمپنی کے مقبوضات معرض خطر میں آگئے تو لارڈ کارنوالس کو ازسرنو اُنکو محفوظ بنانے کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۷۹۷ء میں جب سر جان شور کی کمزوری سے افسروں کی بغاوت پیش آگئی تھی اور گورنمنٹ کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا تھا پھر لارڈ کارنوالس سے یہ خواہش کی گئی تھی کہ وہی ہندوستان جائے چاہے صرف ایک سال کے لیئے جائے۔ ابکی پھر ۱۸۰۵ء میں تیسری مرتبہ اُس سے اصرار کیا گیا کہ وہ گورنر جنرل کے عہدے کا انصرام قبول کرے اور سلطنت ہند کو اُس تباہی سے بچالے جو لارڈ ولزلی کی آزادروی کی وجہ سے اُسپر منڈلا رہی تھی۔ اگرچہ تیس سال تک امریکہ۔ ہندوستان اور آئرلینڈ

باب ششم
فصل اول

اُسے شاہانہ انداز سیاست کی ہوا بھی نہیں لگی تھی جسکی ایک سلطنت کے انتظام کے لیئے ضرورت تھی۔ جب تک سر جارج بارلو لارڈ ولزلی کے شاہانہ مزاج کے زیر اثر رہا اُس وقت تک وہ لارڈ موصوف کی زبردست اور ہمہ گیر حکمت عملی کا دل سے مقلد رہا اور اسکی طبیعت اسقدر لارڈ ولزلی کی طبیعت کے مطابق ہوگئی تھی کہ جب لارڈ ولزلی کی حکمت عملی کو انڈیا ہاؤس نے مسترد کر دیا تو سر جارج بارلو کے لارڈ ولزلی کے بعد گورنر جنرل بنائے جانیکی امیدیں بھی منقطع ہوگئیں۔ یہ واقعہ اُس سے لارڈ کارنوالس نے بیان کیا اور اُسکا لازمی اثر سر جارج بارلو پر یہ پڑا کہ اُسنے بھی لارڈ ولزلی کے خلاف حکمت عملی کا مسلک اختیار کر لیا اور اُسی روش کا ایسا جانبدار بنگیا کہ پھر اُسے کسی دوسرے راستے پر لگایا جانا ہی ناممکن ہوگیا۔ سر جارج بارلو نے جتنی جلد ممکن ہوا لارڈ لیک کو اپنے اس منشاء سے مطلع کر دیا کہ دیسی ریاستوں کے ساتھ تمام معاہدات اتحاد کو فسخ کیا جانا چاہیئے اُنکے معاملات میں مداخلت کرنیکے تمام حقوق سے دست بردار ہوجانا چاہیئے اور جمنا پار کی تمام ریاستوں سے جتنے تعلقات قائم ہیں اُنکو قطع کر ڈالنا چاہیئے۔ لارڈ ولزلی کی تجویز یہ تھی کہ انگریزی مملکت کی حفاظت و سلامتی کو انگریزی حکومت کو سب پر غالب کر کے امن عامہ قائم کر لینے سے حاصل کرنا چاہیئے لیکن سر جارج بارلو کا خیال یہ تھا کہ اگر دیسی ریاستوں کو ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے کے لیئے آزاد چھوڑ دیا جائیگا تو اُنھیں انگریزوں کی طرف توجہ کرنیکی یا اُن پر حملہ کرنیکی فرصت ہی نہیں ملیگی اور اسطرح بھی انگریز بالکل محفوظ و مامون رہ سکینگے اس کوتہ اندیشانہ اصول عمل کی مسٹر مٹکاف عارضی گورنر جنرل نے بعد کے زمانے میں ان الفاظ کے ساتھ توضیح کی تھی۔

(صفحہ ۲۸۱)

> یہ وہ ذلت ہے جسکی تلافی نہیں ہوسکتی۔ وہ معاہدے ہیں جن سے حفاظت میسر نہیں ہوسکتی اور وہ صلح ہے جس سے امن نصیب نہیں ہوسکتا۔

سندھیا کے ساتھ صلح ۱۸۰۵ء

سندھیا بھی کلکتہ گورنمنٹ کے ساتھ پھر تصادم ہونے سے اتنا ہی پہلو بچانا چاہتا تھا جتنا خود گورنر جنرل اُسکو

باب ششم
فصل اول

علاقے میں سے بقدر حیثیت اضلاع حوالے کر دیئے جائیں جو جمنا پار انگریزوں نے حاصل کیا تھا جہاں تک انگریزوں کی آخری سرحد قائم ہونیوالی تھی تو

لارڈ کارنوالس کی وفات ۱۸۰۵ء

قبل اسکے کہ یہ مراسلہ لارڈ لیک کو پہنچے لارڈ کارنوالس اپنی قبر میں پہنچ چکا تھا۔ اس مراسلے کا مضمون اُسنے اپنے سکرٹری کو اس وقت لکھوایا تھا جس وقت وہ اس درجہ جسمانی اور قلبی کمزوری میں مبتلا تھا کہ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ مرد بہ اصول عمل کی اس بے ہنگام اور فوری تبدیلی کے نتائج اور حدود اثر کو بھی پورے طور پر سمجھ سکتا تھا یا نہیں۔ غازی پور پر وہ کشتی سے اترا اور وہیں ۵۔ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو اُس کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ کارنوالس میں وارن ہسٹنگز یا لارڈ ولزلی کی سی اُپج ہرگز نہیں تھی اور بہ حیثیت گورنر جنرل کے اُس کی قابلیتوں کا اندازہ زیادہ کر کے کیا گیا ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان کے حاکموں میں سے اپنی غیر جانب داری اور راستبازی۔ اپنی مردانہ کاری۔ اور اپنی تمام کارروائیوں کو انصاف اور اعتدال پسندی کا پابند رکھنے میں کسیکو بھی یوریین اور ہندوستانی اہل سیاست اور اہل الرائے کا اعتماد اسدرجے نہیں نصیب ہوا جتنا لارڈ کارنوالس کو تھا۔

سر جارج بارلو اور اُسکا اصول عمل

کونسل کے اعلیٰ ممبر سر جارج بارلو نے عارضی طور پر لارڈ کارنوالس کی وفات پر انصرام حکومت کو سنبھال لیا۔ کئی سال تک سر جارج بارلو سلطنت کے اکثر صیغوں کی افسری کر چکا تھا اسلیئے اُسکا تجربہ ہندوستانی معاملات میں بہت وسیع تھا۔ تین متواتر گورنر جنرلوں نے سر جارج بارلو کی قابلیت و مستعدی کی تعریفیں کی تھیں اور اگرچہ وزارت نے نہایت عقلمندی کے ساتھ پھر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی مقامی حاکم کے ہاتھ میں زمام حکومت ہند نہیں دی جائیگی مگر اس موقع پر لارڈ ولزلی کی سفارش کا اثر وزارت پر ہو گیا اور اُسنے سر جارج بارلو کو ہندوستانی حکومت کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز ہونیکا موقع دیدیا۔ لیکن سر جارج بارلو صرف اول درجے کا ملکی حاکم تھا جو ہر ماتحت صیغے کی افسری کے لیئے نہایت موزوں ہو سکتا تھا لیکن

جسکی شرائط کے مطابق ہلکر کو اُسکی پوری قوت پر پھر بحال کر دیا گیا تھا۔ اُسکے وہ تمام علاقے واپس کر دیئے گئے تھے جو اُسکے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُن تمام رئیسوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے انگریزی گورنمنٹ نے اپنے حقوق سے دستبرداری کی تھی جن پر ہلکر کو اپنے باجگزار ہونیکا دعوے تھا اُس کے لیئے یہ پابندی رکھی گئی تھی کہ وہ رامپورہ اور بوندی پر سے اپنے تمام دعاوی سے دستبردار ہو جائے کسی یورپین کو اپنی ملازمت میں نہ رکھے۔ ہندوستان کو ایک مقرر کردہ راستے سے واپس آئے اور آئندہ کے لیئے کمپنی اور اُسکے اتحادیوں کے علاقے پر ہر قسم کی دستبرد سے باز رہے۔ ہلکر اس وقت اپنی اقبالمندی کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ اسلیئے اُسکے لیئے یہ شرائط نعمت الٰہی سے کم نہیں تھیں لیکن اُنکی ناقابل اعتبار نرمی نے اُسے یہ یقین دلایا کہ ایسی شرطیں صرف ڈر کے مارے پیش کی جا سکتی ہیں اور اُسکا وکیل ان مزید مطالبات کے ساتھ انگریزی لشکر میں آیا کہ اٹھارہ ضلعے اور ہندوستان میں ہلکر کو دیئے جائیں۔ اور جے پور سے خراج وصول کرنیکی آزادی ہلکر کو دی جائے مگر یہ دونوں شرطیں جنرل لیک نے نامنظور کر دیں۔ اس طرح وکلا کی آمد و رفت میں تازہ مشکلات پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ لارڈ لیک نے از سر نو فوجی کارروائی اور تعاقب کرنیکی دھمکی دی اُسپر صلحنامے کو ہلکر کی طرف سے تصدیق کر کے فوراً جنرل موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ مگر سندھیا اور ہلکر دونوں کے ساتھ جو معاہدات ہوئے تھے اُن دونوں کی شرائط سر جارج بارلو کی ناخوشی کا باعث ہوئیں۔ اسکی رائے یہ تھی کہ چمبل کو مرہٹوں کی سرحد مقرر کرنیکے معنے یہ ہیں کہ اُسکے پار جتنی ریاستیں ہیں اُنکو مرہٹوں کی دستبرد سے بچانیکی ذمہ داری برطانوی گورنمنٹ کے سر رہتی ہے اسلیئے اُسنے مزید شرائط اُن صلحناموں میں ایسی بڑھائیں جنکی رو سے دریائے جمنا کے مغرب میں جتنی ریاستیں تھیں اُن سب کی حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری سے برطانوی گورنمنٹ نے اپنے تیئں بری الذمہ قرار دیا تھا۔ رامپورہ خوشی سے ہلکر کو واپس کر دیا گیا تھا اور ہلکر نے اس موقع پر شاہی سلامی کی توپیں سر کیں اور کہا کہ یہ انگریز بھی بڑے بدمعاش ہوتے ہیں

ٹالنے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ سندھیا نے لارڈ لیک کے مستقر پر ایک سفیر عین اُسوقت بھیجا جبکہ وہ ہلکر کے تعاقب میں روانہ ہونیوالا تھا۔ ۲۵۔ دسمبر ۱۸۰۵ء کو ایک معاہدہ مرتب کیا گیا جسکی شرائط کی رو سے گوہد اور گوالیار سندھیا کو واپس دیئے گئے۔ انگریزی گورنمنٹ اور سندھیا کی مملکت کے درمیان دریائے چمبل بطور سرحد کے قائم کیا گیا اور انگریزوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ راجگان جودھپور اور دے پور سے کوئی معاہدہ نہیں طے کرینگے جن دونوں پر سندھیا کو اپنے باجگزار ہونیکا دعوے تھا۔ شمالی ہندوستان میں مور و ملخ کی طرح وہ تلوار کے دھنی بھرے پڑے تھے جن میں سے اکثر اُن فوجوں سے تعلق رکھتے تھے جو سندھیا اور راجہ ناگپور نے توڑ دی تھیں اور بہت سے اُس بے قاعدہ فوج کے سپاہی تھے جنھیں کمپنی نے اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس لئے باوجود اپنی زمانۂ حال کی شکستوں کے بھی ہلکر کو بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل فوج جمع کر لینے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی لارڈ لیک اپنے رسالے اور سبکرو پیدلوں کو لیکر ہلکر کے تعاقب میں روانہ ہوا اور تعاقب کے دوران میں پہلی مرتبہ دریائے ستلج کے کناروں پر انگریزی فوج کو وہی سپہ سالار لیکر گیا جس نے پہلی مرتبہ جمنا کے کناروں پر اپنے لشکر کا پڑاؤ ڈالا تھا۔ ستلج کو عبور کر کے لارڈ لیک کی ملاقات رنجیت سنگھ سے ہوئی۔ یہ چوبیس سال کا سکھ سردار پنجاب میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد قائم کرنے میں مصروف تھا۔ دریائے بیاس کے کناروں پر جنرل لیک نے رنجیت سے ایک معاہدہ طے کیا جسکی رو سے رنجیت نے وعدہ کیا وہ ہلکر کو آئندہ کوئی امداد نہیں دیگا بلکہ اُسے فوراً پنجاب خالی کر دینے پر مجبور کریگا۔ اب ہلکر ایک بے یار و مددگار مفرور کی طرح انگریزوں کے آگے آگے سکھوں کے متبرک مقام امرتسر تک آگیا اور یہاں اُسنے اپنا سفیر جنرل لیک کی خدمت میں عاجزانہ التجائے صلح کے ساتھ بھیجا کیونکہ وہ ہر قسم کے شرائط پر طے کر لینے کو تیار تھا۔

ہلکر کے ساتھ ذلت آمیز صلحنامہ ۱۸۰۶ء	سر جارج بارلو کی خاص ہدایت کے مطابق ایک صلحنامے کا مسودہ ہلکر کے سامنے پیش کیاگیا

(صفحہ ۲۸۲)

باب فصل

اُس سے لارڈ لیک کی طبیعت میں نہایت نفرت پیدا ہوئی کیونکہ وہ اسکو قومی خصوصیات کے زوال سے تعبیر کر رہا تھا اسلیئے لارڈ موصوف نے اپنے تمام سیاسی فرائض سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

ہلکر کی چیرہ دستیاں

صلحنامے کی رو سے ہلکر اسکا پابند تھا کہ ایک مقررہ راستے سے ہندوستان کو واپس لوٹے اور کمپنی یا اُسکے اتحادیوں کے علاقے پر ہر قسم کی چیرہ دستی سے احتراز کیے۔ لیکن دوران جنگ کے بھتے کی بچت کرنے کے لیئے سر جارج بارلو نے لارڈ لیک کو یہ حکم بھیجا کہ بہت جلد پنجاب سے واپس چلا آئے اور جیسے ہی ہلکر کو یہ معلوم ہوا کہ انگریزی فوجیں ستلج سے پار اتر گئی ہیں ویسے ہی اُسنے پنجاب کے اضلاع پر اپنے غارت گر ٹڈی دل کو چھوڑ دیا بلکہ کوئی شرط معاہدے کی ایسی باقی نہ چھوڑی جس سے بالقصد اُسنے اختلاف نہ کیا ہو۔ وہ ایک ماہ تک جے پور کے علاقے میں پڑا رہا اور جب اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ راجہ پر سے برطانوی حمایت کا سایہ اٹھا لیا گیا ہے اسوقت اُسنے راجہ جے پور سے اٹھارہ لاکھ روپے کا تذرانہ زبردستی وصول کیا اور اپنا بدلہ نکالنے بوندی کی طرف کوچ کر دیا۔ اس جنگ مرہٹہ کے منحوس اختتام نے اس سے زیادہ سنگین تنازعہ کا بیج بو دیا۔ لارڈ ولزلی کے اصول عمل کی دور اندیشی اُس بارہ سال کی طوائف الملوکی سے اچھی طرح ثابت ہو گئی جسکا دور دورہ اس اصول عمل کی مخالفت کرنیکے بعد سے شروع ہوا۔ اور الگ تھلگ رہنے کے اصول اور غیر جانبداری کی حکمت عملی نے ایک ایسی نئی غارتگر فوج کے پھلنے پھولنے میں مدد دی جسکے استیصال کرنیکے لیئے آخر کار ایک لاکھ کی زبردست فوج کی ضرورت پڑ گئی۔

راجپوتانے کی بربادی

اس عدم مداخلت کی حکمت عملی کے سقام بہت جلد ظاہر ہونے لگ گئے۔ رانا اودے پور کو ہند وعظمت وشان کا آفتاب سمجھا جاتا تھا اور اُسکے خاندان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق پیدا ہو جانیکو معاشرتی امتیاز کا تمغہ جانا جاتا تھا۔ اس رانا کی خوبصورت لڑکی راجہ جودھپور سے منصوب ہوئی تھی اور اس راجہ کی بے وقت موت پر اس راجہ کے جانشین نے اس پر دعوے کیا مگر اُسکی شادی راجہ جے پور سے کر دیگئی۔ دونوں رقیبوں نے

باب ششم
فصل اول

ان پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ راجہ بوندی کو بہ حیثیت ایک مستقل اور وفادار اتحادی ہونیکے کمپنی کی طرف سے انتہا درجے کی احسان شناسی کے برتاؤ کا استحقاق حاصل تھا کیونکہ اُسنے ہلکر کی دھمکیوں کی پروانہ کرکے اُس وقت سے دو سال پہلے کرنل مونسن کو اُسکی پسپائی کے وقت پناہ اور امداد دی تھی۔ لارڈ لیک نے اُسکو بچانیکی انتہا درجے کی کوشش کی مگر سر جارج بارلو نے ہر فہمائش کی طرف سے اپنے کان بند کر لیئے اور صلحنامے کی اُس شرط کو بالکل قلمزد کر ڈالا جو راجہ بوندی کو ہلکر کے انتقام اور جبر و ستم سے بچانیوالی تھی۔

راجہ جے پور

راجے پور کے معاملے میں جو روش اختیار کی گئی وہ اُس سے بھی زیادہ ذلت آمیز تھی۔ اول اول راجہ نے لارڈ ولزلی کے حمایتی معاہدے کی پابندی اپنے اوپر عائد کی لیکن جسوقت کرنل مونسن ہلکر کے سامنے سے بھاگا چلا آرہا تھا اوس وقت راجہ جے پور کی وفاشعاری میں کچھ تذبذب آگیا تھا اور لارڈ ولزلی نے لارڈ کارنوالس کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ اس نقض عہد نے راجہ جے پور کو انگریزی حمایت کے حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اُس کے دوسرے سال ہلکر پھر راجہ جے پور کے علاقے میں داخل ہوا اور کمپنی کے خلاف اُس سے استعانت چاہی لیکن لارڈ لیک نے راجہ کو یہ اطلاع دی کہ اگر وہ ہلکر کی ترغیب و تحریص پر غالب آجائیگا تو اُسے پھر انگریزی حمایت کی برکت نصیب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس موعودہ حمایت کی امید پر راجہ نے تہ دل سے معقول امداد اُن انگریزی فوجوں کو دی جو ہلکر کے تعاقب میں کوچ کر رہی تھیں

(صفحہ ۲۶۳)

لارڈ کارنوالس چونکہ بات کا دھنی تھا اسلیئے اسنے صاف کہدیا کہ جو وعدہ لارڈ لیک نے کیا ہے اُسکا احترام واجب و لازم ہے۔ مگر سر جارج بارلو نے اس قسم کی کسی پابندی کے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور جب ہلکر قتل و غارت پر آمادہ ہو کر جے پور کے علاقے میں گھسا تو سر جارج بارلو نے راجہ جے پور کو صاف اطلاع دیدی کہ کرنل مونسن کی پسپائی کے زمانے میں جو نقض عہد اُسنے کیا تھا اُسکی پاداش میں برطانوی حمایت اُسپر سے ہٹالی گئی ہے۔ لارڈ لیک کے اُس طے کیئے ہوئے معاملے کے ساتھ گورنمنٹ نے جس حقارت کا اس وقت برتاؤ کیا

باب ششم
فصل اول

حاصل ہو گئی جو اُسنے دکن میں امن قائم رکھنے کے لیئے اختیار کی تھی۔ نواب نظام الملک کا قابل وزیر میر عالم انگریزوں کی غیر متزلزل جانب داری کی وجہ سے اپنے آقا کے لیئے ایک مصیبت بنگیا تھا اسلیئے اُسکو اپنی جان بچانے کے لیئے ایک دفعہ مجبوراً رزیڈنٹ برطانیہ کے پاس جاکر پناہ لینی پڑی۔ اسپر ۱۸۰۸ء میں نواب نظام الملک نے فوراً اسندھیا اور امیر خاں سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور کمپنی کی حکومت سے علی الاعلان تمام تعلقات قطع کر دینے کے ارادے سے فوجوں کا اجتماع شروع کر دیا۔ اس وقت سر جارج بارلو کو یہ محسوس ہونے لگا کہ نواب نظام الملک کے ساتھ قطع اتحاد سے ہندوستان کی سیاست گاہ میں برطانوی عروج و اقتدار کی بنیاد ہی بالکل متزلزل ہو جائیگی۔ جو جگہ انگریزوں کو حیدرآباد میں حاصل ہے اُسکو چھوڑتے ہی انگریزوں کے دشمن اُس جگہ قبضہ کر لینگے جسکا نتیجہ عالمگیر شورش و بے اطمینانی کی صورت میں نقل کر رہیگا۔ اسلیئے اُسنے اس موقع پر عدم مداخلت کے اصول کو بالائے طاق رکھدیا اور نواب نظام الملک کو صاف الفاظ میں یہ مشورہ دیا کہ میر عالم کو اُسکے منصب وزارت پر بحال کر دیں اور ریاست کے معاملات میں برطانوی رزیڈنٹ کی بلاواسطہ مداخلت کو منظور کریں۔

(صفحہ ۲۸۵

پیشوا | پونا کے معاملات میں بھی اُسکا طرز عمل اتنا ہی مستحق تعریف رہا۔ مجلس انتظامیہ نے معاہدہ بسین کو تمام مصیبتوں کی جڑ سمجھ رکھا تھا اور وہ اس بات کی خواہشمند تھی کہ مرہٹہ سیاسیات سے بالکل اپنے تئیں الگ کر لے اور پیشوا کو مرہٹہ برادری کے سرپنچ کی حیثیت پر پھر بحال کر دے۔ سر جارج بارلو نے اپنی امکانی قوت کے ساتھ اس معاہدے میں کسی قسم کی ترمیم بھی ہونے دینے کی مخالفت کی اور اُسنے اپنے آقاؤں کو صاف الفاظ میں یہ لکھدینے کی جرأت کی کہ اگرچہ گورنر جنرل کو مجلس انتظامیہ کی ہر خواہش کی تعمیل کرنے میں پوری توجہ کرنی لازم ہے مگر اُسپر اس تعمیل خواہشات سے بھی بڑھکر ایک اور فرض ہے اور فرض حکومت برطانیہ کے اعلیٰ اقتدار کا ہندوستان میں قائم رکھنا ہے اور اس اقتدار کو لارڈ ولزلی کے مقرر کردہ دستور العمل مقام پونا کی خلاف ورزی کرنے سے یقیناً صدمہ

باب ششم
فصل اول
(صفحہ ۲۶۴)

تلوار سے فیصلہ کرنیکی ٹھان لی اور فریقین کی ایک لاکھ فوجیں سرمیدان مقابلے کو آگئیں جنمیں صرف راجپوت ہی نہیں تھے بلکہ سندھیا کے مرہٹے اور امیر خاں کے پٹھان بھی تھے۔ فروری ۱۸۰۷ء میں راجہ جودھپور کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ لیکن اُسکے بعد ہی راجہ جودھپور نے پچاس لاکھ روپے کا وعدہ کرکے امیر خاں کو راجہ جے پور کی طرف سے توڑ لیا اور امیر خاں نے جے پور کے سرسبز و شاداب علاقوں کو برباد کرکے رکھدیا۔ باوجودیکہ رانا اودے پور نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا جو اُسکی معصوم بیٹی کی وجہ سے معرض وقوع میں آئی تھی مگر سندھیا اور امیر خاں نے اُسکے علاقے کو بھی لوٹنا شروع کردیا اور رانائے موصوف نے حد سے زیادہ مجبور ہوکر گورنر جنرل کی حمایت طلب کی اور اپنا نصف علاقہ اس امداد کے معاوضے میں پیش کرنا چاہا۔ اس وقت راجپوتانے کے ہر ین مو سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور یہاں کے روسا راجہ جودھپور۔ جے پور۔ رانا اودے پور اور ٹھاکر ظالم سنگھ مدار المہام کوٹہ نے برطانوی گورنمنٹ سے یہ کہکر امداد طلب کی کہ ہندوستان میں ہمیشہ ایک اعلیٰ حکومت ایسی رہی ہے جسکی طرف کمزوروں کی نظریں زبردستوں کی چیرہ دستیوں اور آزپرودیوں کے وقت امداد کے لئے اٹھتی رہی ہیں۔ اس وقت کمپنی نے اُس اعلیٰ حکومت کی جگہ لےلی ہے اسلئے کمپنی اُس فرض کو ادا کرنیکی پابند ہے جو اس منصب اعلیٰ سے اُسپر عاید ہوتا ہے۔ اس وقت جو مرہٹے اور پٹھان تمام راجپوتانے کو لوٹ رہے تھے انمیں برطانیہ کی تلوار کے سامنے ٹھرنیکی طاقت نہیں تھی اور گورنر جنرل کی ایک جنبش قلم سے فوراً امن قائم ہوسکتا تھا۔ لیکن اس قسم کی مداخلت انڈیا ہاؤس کے اصول عمل کے خلاف تھی چنانچہ رانا اودے پور کی درخواست نامنظور کی گئی اور اُسکو اپنا تمام علاقہ لوٹ سے بچانیکے لئے مجبور ہوکر اُسے اپنا چوتھائی علاقہ امیر خاں کے بھینٹ چڑھانا پڑا اور پٹھان لٹیرے کا پگڑی بدل بھائی بننے کی بھی ذلت گوارا کرنی پڑی؛

حیدرآباد

سرجارج بارلو کے عہد حکومت پر سب سے بڑا دھبہ راجپوتانے کو بے پناہ چھوڑ دینے کا ہے مگر اُسکو اپنی اُس تجویز کی وجہ سے خاصی نیکنامی بھی

سلطان ٹیپو کی فوج میں رہ چکے تھے۔ ۱۰۔ جولائی ۱۸۰۶ء کو دس بجے دن کے ہندوستانی سپاہیوں نے اچانک یورپین قیام گاہوں پر حملہ کیا اور جھلملیوں سے باڑھوں پر باڑھیں مارنی شروع کر دیں یہانتک کہ اسٹی گورہ سپاہی مار ڈالے گئے اور اکیانوے زخمی ہو گئے۔ اس تمام خونریزی کے دوران میں ان باغیوں اور سلطان ٹیپو کے خاندان کے شہزادوں کے قیامگاہوں سے برابر نامہ وپیام کا سلسلہ قائم رہا اور بہت سے ان شہزادوں کے متعلقین اس قتل عام کے منظر میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہوئے دیکھے گئے۔ ہندوستانی سپاہیوں کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ان محلات سے بھیجا گیا اور عام مخلوق کے ایک غریو کے عالم میں قلعے پر سلطنت میسور کا پھریرا بھی اڑا دیا گیا۔ باقی کے یورپین اپنی جگہ پر پامردی سے اُس وقت تک قائم رہے جب تک کہ اُنکی حفاظت کے لیئے کرنل جلسپی نہ آگیا یہ کرنل ارکاٹ کی فوج میں تھا جو اس قلعے سے آٹھ میل تھا۔ اسنے اس بغاوت کی خبر سنتے ہی فوراً اپنے اُنیسویں رسالے کو لیکر اپنے گھوڑے چھوڑ دئے اور اپنی گھوڑ چڑہی توپیں بھی ساتھ لیتا گیا اور عین وقت پر پہنچکر یورپین محصورین کی جانیں بچالیں۔

اسباب بغاوت ویلور جو کمیشن تحقیقات مقرر کیا گیا تھا اُسنے اس بغاوت کے اسباب معلوم کیئے۔ سنئے کمانڈر انچیف سرجان کریڈک نے اپنی آمد کے بعد ہی لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر کی اجازت ایک ضابطۂ قواعد بنانے کے لیئے حاصل کرلی تھی مگر اسکے ساتھ ایک شرط یہ بھی لازمی رکھی گئی تھی کہ بغیر منظوری گورنمنٹ کے کسی نئے قانون کا اسمیں اضافہ نکیا جائے۔ گورنر کی لاعلمی میں فوج کے اجیٹنٹ نے اپنی طرف سے بعض ایسے نئے قاعدے جاری کر دئے جو اکثر سپاہیوں کے مذہبی عقائد کے خلاف تھے۔ لیکن وہ بات جس نے اُن کو خاص طور سے اشتعال دیا وہ ایک خاص قسم کی پگڑی کا رواج دینا تھا جو انگریزی ٹوپی سے بہت مشابہ تھی جس سے ہندوستانیوں کو خاص طور سے نفرت تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے جو اس ٹوپی کے خاص طور سے مخالف تھے سپاہیوں میں یہ خیال بڑے اہتمام کے ساتھ پھیلانا شروع کیا کہ

باب ششم
فصل اول

پہنچ جائیگا ؎

مالیہ

پھر جارج بارلو کی فوری توجہ کی جس صیغے کو ضرورت تھی وہ مالیہ تھا کمپنی کی مالی مشکلات ہمیشہ اس جنگبازی سے بڑھ جایا کرتی تھیں جسمیں وہ مصروف ہوجاتی تھی - ایسی آمدنی میں کیا گنجایش نکل سکتی تھی جو صرف اراضی سے وصول ہوتی تھی اور جب کبھی خزانے پر کسی غیر معمولی مطالبہ کا بار پڑتا تھا تو وہ قرض کے ذریعے سے پورا کیا جاتا تھا - جب صلح ہوجاتی اور فوجی مصارف میں کمی پڑ جاتی تھی تو سوائے ایک مستثنیٰ حالت کے اور ہمیشہ مالیہ کی حالت بدستور درستی پر آجاتی تھی - لارڈ ولزلی کی وسیع پیمانہ پر جنگی کارروائیوں نے ریاست کے قرض کو بہت بڑھا دیا تھا اور انڈیا ہاؤس کو پھر تردد پیدا ہوا - اس بات پر تو کوئی نظر نہیں کی گئی کہ ان تمام لڑائیوں کا اختتام الحاق مملکت پر ہوا ہے جسکی آمدنی سے بہت جلد ان نقصانات کی تلافی ہوجائیگی جو دوران جنگ میں خزانے کو برداشت کرنے پڑے ہیں چنانچہ لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں ریاست کے قرضے کی مقدار ساڑھے آٹھ کروڑ تک پہنچگئی تھی اور جتنا علاقہ ہاتھ آیا تھا اُسکی سالانہ آمدنی سات کروڑ تھی - جنگ کے ختم ہوجانے پر اور بیقاعدہ فوجوں کے توڑ دینے پر وہ تخفیف جس نے مجلس انتظامیہ کو لرزہ بر اندام کر رکھا تھا توفیر میں تبدیل ہوگئی جو تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ بیس سال تک برابر قائم رہی ؎

بغاوت ویلور ۱۸۰۶ء

ماہ جولائی ۱۸۰۶ء میں قلعہ ویلور کی دیسی سپاہ کے ہاتھوں یورپین افسروں کے قتل کردئے جانیسے کلکتہ گورنمنٹ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے - یہ قلعہ مدراس سے جانب مغرب ۸۸ میل پر واقع ہے اور سرحد میسور سے صرف چالیس میل ہے اور مجلس انتظامیہ کے معقول مشورے کے خلاف اس قلعہ کو ٹیپو سلطان کے خاندان کی سکونت کے لیئے مقرر کیا گیا تھا اسلیئے اسمیں بہت جلد اٹھارہ سو اس خاندان کے متعلقین اور تین ہزار میسور سے ہجرت کرنیوالے آکر بھر گئے - قلعے کی فوج میں تین سو سترگورہ سپاہی تھے اور ہندوستانی سپاہیوں کی تعداد پندرہ سو تھی جنمیں سے اکثر مسلمان تھے اور کسی زمانے میں

(صفحہ ۲۸۶)

اپنی حمایت میں لے لیا۔ یہاں مسٹر کیری خود جاکر ان دونوں کا شریک کار ہوگیا اور یہاں ان تینوں نے ایک انجمن اخوان قائم کی جو سیرامپور مشن کے نام سے ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کا مقدمتہ الجیش ہونیکا تاریخی امتیاز رکھتی ہے۔ انھوں نے دیسی بچوں کی مفت تعلیم کے لیئے پہلے مدارس کھولے۔ انھوں نے چھاپے خانے کھولے اور بہت سے ہندوستانی رسوم الخط کے حروف ڈھلوا کر تیار کیئے۔ انھوں نے بنگالی سنسکرت اور دوسری زبانوں کی صرف و نحو تالیف کی اور ان زبانوں میں انجیل مقدس کے ترجمے شائع کیئے انھوں نے بنگالی زبان کی اشاعت و ترقی پر خاص توجہ کی اور وہ تصنیف شائع کی جو بنگالی زبان میں سب سے پہلے تصنیف ہوئی تھی۔ اور اس بنگالی علم ادب کی بنا ڈالی جس نے اس وقت کے بعد سے نہایت ترقی کرلی ہے۔ ان پادریوں اور اُنکے نو مذہب کارکنوں کو اضلاع بنگال میں بلا تعرض پھرنے اور کار تبلیغ انجام دینے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ اور ان لوگوں کو تبلیغ مسیحیت میں خاصی کامیابی ہوگئی۔ لیکن مجلس انتظامیہ اور اُسکے ہندوستانی ملازموں نے پادریوں کی کارگزاریوں کو ہمیشہ بدگمانی کی نظر سے دیکھا تھا صرف اسوجہ سے کہ ان کی وجہ سے ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد کو ٹھیس لگتی ہے اور امن عامہ میں خلل پڑجاتا ہے۔ بغاوت ویلور کو بھی ہندوستانی سپاہیوں کے مذہبی عقائد کے ساتھ مداخلت سے تعبیر کیا گیا اور سر جارج بارلو نے اُس وقت کی مخدوش حالت سے متاثر ہوکر یہ ضروری اور لازمی سمجھا کہ سیرامپور مشن کے کارکنوں کے کاروبار میں مداخلت کی جائے۔ پھر ویلور کا وحشت خیز خطرہ دھیرے دھیرے زائل ہوگیا اور جو قیود ان پادریوں کے کام پر اُس وقت عائد کردی گئی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ اٹھتی چلی گئیں۔

(صفحہ ۸۸

سر جارج بارلو کے عہد حکومت کا اختتام

مجلس انتظامیہ کو ہمیشہ سے یہی فکر رہا کرتی تھی کہ ہندوستان کا اعلیٰ ترین عہدہ خاص اُنھی کے ملازم کو مل سکے اور مجلس موصوفہ کے اصول عدم مداخلت پر کاربند ہونے میں جس زبردست سرگرمی کا سر جارج بارلو نے اظہار کیا تھا وہ

باب ششم
فصل اول

یہ نئی وضع کی پگڑی اُن سب کو زبردستی عیسائی بنانیکی کارروائی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ مشتعل اور وحشت زدہ سپاہی فوراً بغاوت و خونریزی پر آمادہ ہوگئے۔ مجلس انتظامیہ اس حادثۂ جانکاہ کی خبر سے بدحواس ہوگئی اور اُس وحشت زدہ انتقامی جوشش سے مغلوب ہو کر جو خطرے کے وقت میں پیدا ہو جایا کرتا ہے مجلس موصوفہ نے فوراً بلا ایک لفظ بھی جواب کا سنے ہوئے کمانڈر انچیف اور گورنر دونوں کو معزول کر کے واپس طلب کر لیا۔ لارڈ ولیم بن ٹنگ گورنر نے اس ناانصافی کے خلاف احتجاج کیا کہ اُسکو ایک ایسی کارروائی کا شریک جرم سمجھکر سزا دی گئی ہے جس سے اُسکا سوائے اسکے اور کوئی تعلق نہیں تھا کہ اُسنے اُسکے بُرے نتائج کو روکنے کی ہر امکانی کوشش کی تھی۔ (صفحہ ۲۸) مجلس انتظامیہ نے اپنے جواب میں لارڈ موصوف کی ایمانداری بے غرضی مستعدی اور کمپنی کے اغراض کی نگہداشت میں سعی بلیغ کا اعتراف کیا مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی لکھا کہ:—

> چونکہ جو مصیبت لارڈ موصوف کے عہد حکومت میں پیش آئی ہے اُسنے لارڈ موصوف کو بھی اُس عام رائے اور واقعات کے ذیل میں رکھدیا ہے جن پر قابو رکھنا مجلس انتظامیہ کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے اسلیئے یہ مجلس موصوفہ کی طاقت سے باہر تھا کہ اُس عام رائے اور اس رفتار واقعات کے اثرات کو بدل سکے۔

اشاعت دین مسیحی

کلکتے کی کونسل پر جو اس بغاوت کا دل دہلانے والا اثر پڑا اُسکے شکار بیچارے پادری بنگئے۔ ۱۷۹۳ء میں مسٹر کیری ایک عیسائی صیغۂ تبلیغ قائم کرنیکے لیئے کلکتے آیا تھا۔ اُس نے بڑی سرگرمی لیکن بہت کم کامیابی کے ساتھ سات سال تک اضلاع مالوہ میں کوشش کی۔ ۱۷۹۹ء میں مسٹر مارشمین اور مسٹر وارڈ انگلستان سے مسٹر کیری کی شرکت کے لیئے روانہ ہوئے مگر چونکہ اُن کے پاس پروانۂ راہداری نہیں تھا اسلیئے اُن کو اپنی آمد کے دوسرے ہی دن ملک چھوڑ دینے کا حکم مل گیا لیکن اُنکو ڈنمارک کی نوآبادی سرامپور میں پناہ ملگئی اور گورنمنٹ ڈنمارک نے

باب ششم
فصل دوم

فصل دوم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت - بیرونی سفارتیں

لارڈ منٹو گورنر جنرل ۱۸۰۷ء

لارڈ منٹو اس تقرر سے کئی سال پہلے سے سلطنت کے معاملات
کے انصرام میں مصروف رہ چکا تھا جس وقت وہ سر گلبرٹ الیٹ
کہلاتا تھا اُس وقت وہ بھی اُن منتظمین میں شریک تھا جنکو ایوان عام میں وارن ہسٹنگز پر
مقدمہ چلانیکی کارروائی سپرد کی تھی اور سر ایلجا امپے پر مقدمے کی پیروکاری اسکو خاص
طور پر سرکار کی طرف سے سپرد کی گئی تھی - اسکے بعد وہ وائنا دارالحکومت آسٹریا میں
مختار کل وزیر رہا اور گذشتہ بارہ ماہ سے جماعت نگران کار کا صدر تھا اور اس
عہدے پر ہندوستانی گورنمنٹ کے انداز اور طرز انصرام کا اُسنے نہایت عمیق نظر کے
ساتھ مطالعہ کیا تھا - وہ ایک فاضل عالم اور نہایت معاملہ فہم اور حقیقت شناس
مدبر تھا - اگرچہ وہ اپنے خیالات میں نہایت میانہ رو اور اعتدال پسند تھا مگر اُسمیں
اُس مستقل مزاجی کی کمی نہیں تھی جسنے اُسکو اپنے پیشرو حاکموں کے مقابلے میں معاملات کو
سلجھانیکی بے نظیر قابلیت کی وجہ سے ممتاز کر دیا تھا - اُسکا تقرر مجلس انتظامیہ نے
اس مفاہمے کے ساتھ منظور کیا تھا کہ وہ لارڈ ولزلی کے اصول عمل سے احتراز
کرے اور لارڈ کارنوالس اور سر جارج بارلو کے نقش قدم پر چلے - ہندوستان
میں پہنچتے ہی اُسنے پہلا کام رحم کا کیا - مدراس پہنچکر اُسے معلوم ہوا کہ ویلور کے چھ سو
باغی اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے - اعلی حکومت نے اُنکے لیئے عبور دریائے
شور کی سزا تجویز کی تھی جو موت کے برابر تھی لیکن لارڈ منٹو نے زیادہ مہربانی کی
روش اختیار کر کے اُنکو بطور سزا کے صرف ملازمت سے خارج کر دیا اور آئندہ
کے لیئے ممنوع الخدمت قرار دیدیا -

(صفحہ ۲۹۰)

بندیلکھنڈ میں طوائف الملوکی

کلکتہ پہنچکر اُسکی توجہ بصیغہ ضرورت اس طوائف الملوکی

سرگرمی سر جارج بارلو کو لارڈ کارنوالس کا مستقل جانشین مقرر کر دینے کے لیئے مجلس موصوفہ کے سامنے سفارش کا کام دیگئی۔ مسٹر پٹ کے انتقال کر جانے اور وزارت کے ٹوٹ جانے سے جمہور پرست طبقہ (Whigs) کا قدم ڈاؤننگ اسٹریٹ میں گھس گیا اور ابھی اس فرقے کو انتخاب وزارت میں کامیاب ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ اسکو گورنر جنرل کی جگہ کے انتظام کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔ جماعت نگران کار کا صدر بھی چونکہ اپنی جگہ پر نیا آدمی تھا اسلیئے اُسنے بھی بالفعل مجلس انتظامیہ کی نامزدگی سے اتفاق ظاہر کیا اور سر جارج بارلو کے تقرر کا حکم لکھدیا گیا اور اُسپر دستخط ہو گئے۔ لیکن اُس کے دس ہی دن بعد نئی وزارت نے یہ اعلان کیا کہ وزارت کی طرف سے عہدۂ گورنر جنرلی کے لیئے لارڈ لاڈرڈیل کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ مجلس انتظامیہ کو یہ انتخاب صرف اسی وجہ سے ناپسند نہیں تھا کہ اس سے مجلس موصوفہ کی نامزدگی کا حقارت کے ساتھ استرداد ہوتا تھا بلکہ شخصی خصوصیات کی بنا پر بھی مجلس موصوفہ نے اس تقرر کے خلاف احتجاج کیا۔ لارڈ لاڈرڈیل انقلاب فرانس کا اس شدومد سے علانیہ طرفدار تھا کہ اُسنے اپنا طبقۂ امرا کا خطاب اپنے نام کے ساتھ لگانا چھوڑ دیا تھا اگر اسپر بھی اُسکو معاف کر دیا جاتا تو بھی مجلس انتظامیہ ایسے شخص کو کیسے پسند کر سکتی تھی جس نے فوکس کے انڈیا بل کی ہمیشہ وکالت کر کے مجلس موصوفہ کو ہمیشہ پریشان کیا ہو اور حال ہی میں لارڈ ولزلی کی آزادی تجارت کے اصول عمل کی تائید کر کے مجلس موصوفہ کا ناک میں دم کر رکھا ہو۔ غرض یہ کہ مجلس انتظامیہ نے اس تقرر کے منظور کرنے سے انکار کر دیا جس کے جواب میں وزارت نے سر جارج بارلو کی نامزدگی کو قلمزد کر دیا۔ فریقین میں کئی ہفتے تک نہایت ترش و تلخ اختلاف رائے جاری رہا مگر آخر کار اُس کا فیصلہ اس طرح ہو گیا کہ جماعت نگران کار کے صدر لارڈ منٹو کا تقرر بحیثیت گورنر جنرل ہند فریقین کی رضامندی سے عمل میں آگیا۔

باب ششم
فصل دوم

زبردستی قائم کرنے پر آمادہ ہوچکی ہے اس بات کے لئے کافی ہوگیا کہ بہت سے سردار اطاعت کرنیکے لئے جھک پڑے اور اپنے تمام تنازعات کو برطانوی فیصلے کے لئے رجوع کردیا۔ کالنگرطھ کا مشہور قلعہ جسنے آٹھ صدی پہلے محمود غزنوی کے حملوں کو کامیابی کے ساتھ رد کردیا تھا اور جسکے سامنے پیشوا کا سپہ سالار دو سال تک ناکام محاصرہ ڈالے پڑا رہا تھا اب ایک ہی زبردست حلے میں انگریزوں کے تسخیر ہوگیا۔ اسی طرح اجیگڑھ کا قلعہ بھی قبضے میں آگیا اور بند یلکھنڈ کو پھر عافیت و خوشحالی نصیب ہوگئی ؎

رنجیت سنگھ

لارڈ منٹو کو ہندوستان میں رہتے ہوئے سال بھر کا عرصہ گزرا تھا کہ اسکے سامنے پھر عدم مداخلت پر عمل کرنیکی دشواریاں پیش آئیں کیونکہ اب رنجیت سنگھ کے حالات اسکی خاص توجہ کے متقاضی ہوتے چلے تھے پانی پت کی لڑائی لڑکر ابدالی کے ہندوستان سے چلے جانیکے بعد پنجاب ایک بدنظمی کا آماجگاہ بنگیا تھا اور اسی زمانے میں ایک نیم مذہبی نیم جنگی گروہ موسومہ سکھ برادری کو اپنی قوت بڑھانے اور مستحکم کرنیکا موقعہ مل گیا۔ یہ تمام گروہ علٰحدہ علٰحدہ برادریوں میں تقسیم تھا۔ ہر برادری مثل کہلاتی تھی اور ہر برادری کا سرپنچ جنگ کے وقت سپہ سالار اور امن کے وقت چودھری ہوتا تھا۔ انھی برادریوں میں سے ایک کے سردار چیرت سنگھ نے اپنے ہمسایوں کے علاقوں پر دھیرے دھیرے دستبرد شروع کی اور اسکے بیٹے مہاسنگھ نے بھی اپنے والد کے فاتحانہ نقش قدم پر چلنا شروع کیا۔ مہاسنگھ کا ۱۷۹۲ء میں ایک ہی بیٹا رنجیت سنگھ چھوڑکر انتقال ہوگیا جس نے سترہ برس کی ہی چھوٹی سی عمر میں وہ فاتحانہ زندگی شروع کردی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایسی سلطنت قائم ہوگئی جو حیدرعلی یا سیواجی کی سلطنتوں کے برابر تھی ؎

رنجیت سنگھ کی سرہند پر دستبرد

رنجیت سنگھ نے شہر لاہور پر قبضہ کرنیکی ترکیب ڈال لی اور تمام سکھ مثلوں کو ملا جلا کر ایک کردینے میں کامیاب ہوگیا۔ سنہ ۱۸۰۶ء تک اسکی مملکت دریائے ستلج کے کناروں پر پھیل چکی تھی اور اسنے للچائی ہوئی نظروں سے صوبہ سرہند کو دیکھا جو دریائے ستلج کے

باب ششم فصل دوم

کی حالت کی طرف منعطف ہوئی جو اُسکے پیشرو کے کمزور اصول عمل کی وجہ سے بندیلکھنڈ پر طاری ہوگئی تھی۔ اس تمام ملک کو اُن تیغ آزماؤں نے روند کر رکھدیا تھا جنکا گذر اوقات غارتگری پر منحصر تھا اور ڈیڑھ سو گڑھیوں پر ڈیڑھ سو سرداروں کا قبضہ تھا جو برابر ایک دوسرے کے خلاف آویزش میں مصروف رہتے تھے۔ اس ملک کے باشندے جو فطرۃً جری اور آزاد قوم سے تھے اُن قانونی اور مالی ضابطوں سے متنفر ہوگئے تھے جو انگریزوں نے اُس ملک میں رائج کر دئے تھے اور اپنے گاؤں اجاڑ کر بھاگ گئے تھے اور اکثر اُن لیٹروں کے گروہوں میں شریک ہوگئے تھے جو ملک بھر میں مور و ملخ کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ ملک کے دو سب سے بڑے قلعے کالنجر گڑھ اور اجیگڑھ پر دو ایسے سرداروں کا قبضہ تھا جو برطانوی گورنمنٹ سے مقابلے کے لیئے تیار رہتے تھے۔ لارڈ لیک نے ان دونوں قلعوں کے قبضے کو ملک کے قیام امن کے لیئے ضروری سمجھا تھا اور سر جارج بارلو سے انکی تسخیر کی اجازت مانگی تھی لیکن سر جارج بارلو کا یہ خیال تھا کہ تھوڑی سی مملکت تھوڑے سے اقتدار اور تھوڑی سی آمدنی کو بھی اس خیال سے قربان کر دینا بار نہیں گزرتا کہ خود کو ایک محدود حلقے کے اندر امن و اطمینان حاصل رہے۔ چنانچہ یہ قربانی کر دیگئی مگر وہ امن و اطمینان اب بھی کوسوں دور رہا۔ ان دونوں سرداروں نے جو ان قلعوں پر قابض تھے لیٹروں کے چند نہایت سر برآوردہ سرغناؤں کے ساتھ مل کر اُس قطعۂ مملکت پر قانونی استحقاق قبضہ حاصل کرا دیا جو انھوں نے غصب کر لیا تھا جسکے ساتھ ہی اُنھیں یہ اجازت بھی ملگئی کہ اپنے باہمی تنازعات کو زبان تیغ سے طے کر لیا کریں ؛

لارڈ منٹو کی زوردار کارروائی

لارڈ منٹو کو انصرام حکومت سپرد ہوئے پانچ ہفتے نہیں گذرے تھے کہ اُسنے اپنی یہ رائے بذریعہ تحریر کے ظاہر کی کہ سردار ان بندیلکھنڈ پر برطانوی حکومت کو صرف اپنا سیاسی اقتدار ہی قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ برطانوی گورنمنٹ کی عزت و نیکنامی کا تقاضہ یہ ہے کہ اندرونی بدنظمی کے تدارک کے لیئے بھی ضرور مداخلت فرمائے۔ چنانچہ صرف اتنا اعلان کہ برطانوی حکومت اپنا پورا حاکمانہ اقتدار صوبہ بھر میں

(صفحہ ۲۹)

باب ۔ فصل دوم

بہترین نبرد آزما شامل ہیں۔ چنانچہ لارڈ منٹو نے دلیرانہ یہ ذمہ داری اپنے سر لیلی کہ سرہند کی سکھ ریاستوں کو برطانوی حمایت میں لے لیا اور رنجیت سنگھ کو پنجاب کے اندر بند کر کے رکھدیا ؎

سفارت لاہور ۱۸۰۷ء میں جو معاہدۂ ٹلسٹ نپولین اور شاہ روس کے درمیان طے پایا تھا اوسکے بعض خفیہ شرائط کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ فرانسیسیوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے میں آسانیاں بہم پہنچانیکی غرض سے رکھی گئی تھیں۔ اسلیئے محکمہ وزارت نے یہ عزم کیا تھا کہ فرانسیسیوں کے منصوبوں کی پیش بندی اس طرح کرلی جائے کہ مدافعانہ معاہدات فرماں روایان ایران افغانستان و پنجاب کے ساتھ طے کرلیئے جائیں۔ اس تمام سلسلہ نامہ و پیام میں سب سے زیادہ دشوار جو کام تھا وہ لارڈ منٹو نے مسٹر مٹکاف کے سپرد کیا جو ایک ہونہار نوجوان ملکی حاکم تھا اور جسنے سکول میں لارڈ ولزلی کی خاص نظر کے نیچے تربیت پائی تھی۔ مسٹر مٹکاف کو لاہور میں اس ایک بنتھ پر دو ایسے کاج کے لئے بھیجا گیا تھا جو ایک دوسرے کے بالکل ضد تھے یعنے ایک رنجیت سنگھ کو اُن حریصانہ ارادوں سے باز رکھنا جو وہ صوبۂ سرہند کے اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کرنیکے متعلق دل میں رکھتا تھا دوسرے اس سے وعدۂ اعانت اس کام میں لینا کہ وہ فرانسیسی فوجوں کو انگریزی علاقے میں پیشقدمی کرنے سے روکیگا۔ کچھ دیر تو مسٹر مٹکاف کے ساتھ لاہور میں مخاصمت اور بدگمانی کا برتاؤ کیا جاتا رہا اور آخر کار جب اُسے اپنی سفارت کا مدعا بیان کرنیکی اجازت دیگئی تو اُسکو صاف الفاظ میں یہ سمجھادیا گیا کہ رنجیت سنگھ کو کسی مدافعانہ معاہدے پر تو کوئی اعتراض نہیں درانحالیکہ اُسمیں خود رنجیت سنگھ کا کوئی مفاد نہیں تھا اور کمپنی ہی کمپنی کا فائدہ تھا لیکن اسکے معاوضے میں کمپنی کو رنجیت سنگھ کی حکومت ستلج پار کی تمام سکھ ریاستوں پر تسلیم کرنی پڑیگی۔ مسٹر مٹکاف نے اسکا یہ جواب دیدیا کہ اسکو ایسا کوئی اختیار برطانوی حکومت نے نہیں دیا ہے کہ اس قسم کی مراعات کو منظور کرسکے۔ اسی اثنا میں جبکہ ابھی یہ نامہ و پیام جاری ہی تھا رنجیت سنگھ نے مقام قصور سے اپنا خیمہ و خرگاہ پار کرادیا۔ تیسری

(صفحہ ۹۲)

باب ششم
فصل دوم

تقریباً بیس سکھ سرداروں کے قبضے میں تھا۔ جس وقت جنرل پیرن نے سندھیا کے اقتدار کو دریائے ستلج تک وسعت دی تھی اس وقت ان سکھ سرداروں کو مجبور ہو کر سندھیا کے زیر حکومت آ جانا پڑا تھا لیکن مرہٹہ حکومت کے زوال پر ان سرداروں کی باجگذاری برطانوی حکومت کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ اپنے تئیں کمپنی کا ماتحت سمجھنے لگے اور اپنے تئیں کمپنی کی حفاظت و حمایت کا مستحق جاننے لگے۔ رنجیت سنگھ نے اپنے فطری احتیاط کے ساتھ اس معاملے میں قدم رکھنا شروع کیا۔ اول اول اُسنے چند سکھ سرداروں کو اسکی ترغیب دی کہ وہ اپنے تنازعات کا تصفیہ کرانیکے لیئے اُسکی ثالثی کی استدعا کریں۔ اس طرح اسے سرہند میں مع ایک فوج کے داخل ہونیکا حیلہ مل گیا۔ اسی قسم کی ایک مہم سے ۱۸۰۸ء میں واپس آ کر اُسنے آنکھیں بند کر کے ہر سمت سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ قلعوں پر اور علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور جتنی توپیں جہاں سے اُسکے ہاتھ لگ سکیں سب اپنے ساتھ لیگیا۔

(صفحہ ۲۹۱)

سکھ سرداروں کی برطانوی گورنمنٹ سے استعانت ۱۸۰۸ء

ان متواتر یورشوں نے سکھ سرداروں کو نہایت خوفزدہ کر دیا اور مارچ ۱۸۰۸ء میں ایک وفد دہلی کو روانہ ہوا تھا کہ برطانوی حکومت کی حمایت طلب کرے کیونکہ اسی حکومت کا باجگذار وہ سب سکھ سردار اپنے تئیں مرہٹہ حکومت کے زوال کے وقت سے سمجھتے رہے تھے۔ رنجیت سنگھ کو بھی گورنر جنرل کے خیالات کا اس معاملے میں پتا لگانیکی فکر تھی اور اس نے گورنر جنرل کو ایک مراسلہ دوستانہ ارتباط قائم کرنیکے موضوع پر لکھا جسکے آخری فقرے یہ تھے کہ جمنا کے اس کنارے کا تمام علاقہ سوائے اُن خاص مقامات کے جن پر آپ کا قبضہ ہے میرا ہے۔ اسکو میرا ہی رہنے دیجیئے۔ صوبہ سرہند کے دلیرانہ مطالبے نے یہ مشکل سوال پیدا کر دیا کہ آیا یہ تدبیر کے موافق ہے یا مخالف کہ ایک ایسے حوصلہ مند اور من چلے سردار کو جس نے دس سال کے قلیل عرصے میں دس بارہ ہمسر رئیسوں کی قوت کو توڑ کر ایک پوری سلطنت قائم کر دی ہے اجازت دیدی جائے کہ اپنی اس فوج کا انگریزی سرحد سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال سکے جسمیں اس وقت ہندوستان کے

پیش کیا تھا وہ کئی ہفتے تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا یہاں تک کہ ۲۲۔ دسمبر ۱۸۰۸ء کو مسٹر مٹکاف نے رنجیت سنگھ کی ملاقات کا مطالبہ کیا اور یہ صاف الفاظ میں اطلاع دیدی کہ برطانوی سپاہ میدان سنبھالنے کو تیار ہے اور بہت جلد رنجیت سنگھ کی فوجوں کو سرہند سے نکال باہر کریگی۔ کچھ دیر تک رنجیت سنگھ نے اس اطلاع پر ضبط کیا لیکن آخر کار جب وہ اپنے جوش کو روک نہ سکا تو اپنے کمرے سے جھپٹ کر باہر نکل گیا اور اچھل کر قاش زین پر در آیا اور ایک جوش جنون میں تمام احاطے میں گھوڑے کو دوڑاتا پھرا اور اس اثنا میں اسکے وزرا مسٹر مٹکاف کے ساتھ بحث مباحثے میں مصروف رہے۔ اسکے بعد دو مہینے تاخیر بالقصد اور تعویق بالارادہ میں صرف ہو گئے لیکن مسٹر مٹکاف بھی اٹل ہو کر سرہند کے تخلیہ کا بل پر اڑا رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر رنجیت سنگھ سیدھے راستے پر آیا اور ۲۵۔ اپریل ۱۸۰۹ء کو اسنے اس معاہدہ پر دستخط کئے جسکی ایک شرط یہ تھی کہ برطانوی حکومت کبھی رنجیت سنگھ کے علاقے کے یا اسکی رعایا کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور رنجیت سنگھ ان باشندوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیگا جو برطانوی حمایت میں آچکی ہیں۔ یہ معاہدہ صرف پندرہ سطروں کا تھا اور اب تک جتنے معاہدات معرض وجود میں آچکے ہیں ان میں سب سے زیادہ مختصر ہے۔ برطانیہ کے تمام ہندوستانی تاریخی کارناموں میں کوئی واقعہ اتنا زیادہ اولوالعزمانہ دلبستگی کے قابل نہیں ہے جتنا یہ کہ ایک چوبیس سال کے نوجوان نے ایک زبردست حوصلہ مند حکمران کو اپنی پوری رفتار کے زور میں سے پکڑ کر ایک جگہ باندھ دیا۔ اس معاہدے کے بعد جب برطانوی فوجیں واپس ہوئیں تو کچھ فوج لدھیانے میں چھوڑ دی گئی جو بعد کو انگریزوں کی شمال مغربی سرحدی چھاؤنی بنگئی اور وہ برطانوی جھنڈا جو لارڈ ولزلی نے جمنا کے کناروں پر نصب کیا تھا چھ سال بعد لارڈ منٹو کے ہاتھوں ستلج کے کنارے پر اڑنے لگا۔

سفارت کابل سفارت کابل کو اس شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا کہ دربار کابل پر اس دولت کی عظمت و حشمت کا رعب پڑ جائے جسکے ہاتھ میں اندنوں ہندوستان کی زمام حکومت تھی۔ اسکی سرکردگی

باب ششم
فصل دوم

مرتبہ پھر ستلج کو عبور کیا اور تین ماہ تک تمام صوبہ سرہند میں ادھم مچاتا پھرا مختلف رئیسوں کو لوٹتا تھا اور انکو بالجبر اپنی حکومت تسلیم کراتا تھا ؛

رنجیت سنگھ کو احکام واپسی

لارڈ منٹو کو فوراً رنجیت سنگھ کی نقل و حرکت روکنے کی اور اگر مجبوری آپڑے تو فوجی کارروائی کرنیکی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ علاوہ براں اب نپولین نے اسپین کے معاملات میں الجھنا شروع کردیا تھا اور اگر اس سے پہلے اسکا در اصل کوئی ارادہ ہندستان پر حملہ کرنیکا تھا بھی تو وہ اس وقت بالکل فسخ ہوچکا تھا۔ اب چونکہ برطانوی حکومت کو رنجیت سنگھ سے کوئی امداد نہیں طلب کرنی تھی اسلئے لارڈ منٹو کچھ گرم گفتگو کرنیکے قابل ہوگیا اور اُسنے فوجی مظاہرہ کرنیکا عزم کرلیا۔ کمانڈر انچیف کو ہدایات بھیجدی گئیں کہ وہ فوجوں کو دریائے ستلج کے کناروں پر کوچ کرنیکے لیئے تیار رکھے اور اس سکھ سردار کو ایک مراسلہ اس مضمون کا بھیجا گیا کہ جنگ مرہٹہ کے ثمرات کے طور پر جو حقوق و اختیارات سندھیا کو ہندوستان کے شمال میں حاصل تھے وہ سب کمپنی کی طرف منتقل ہوچکے ہیں۔ صوبۂ سرہند کی سکھ ریاستیں برطانوی حمایت میں آچکی ہیں اسلئے مہاراجہ کو اپنی فوجیں اُن علاقوں پر سے ہٹالینی چاہئیں جن پر اُسنے اپنی حال کی تاخت و تاراج میں قبضہ کرلیا ہے اور آیندہ کے لیئے اپنی فوجی کارروائیوں کو ستلج کے داہنے کنارے تک محدود رکھنا چاہئے اس مہم سے واپس ہوکر رنجیت سنگھ کو امرتسر واپس آنے کی جلدی تھی تاکہ میدان جنگ کی کلفتوں کو حرم سرا کی الفتوں سے دور کرے حیدر علی کی طرح وہ بھی جب کبھی جنگ کے جوش و خروش سے خالی ہوتا تھا تو نفسانی تفریحات و مشاغل کا بندہ رہتا تھا۔ رنجیت سنگھ کے امرتسر پہنچنے کی شام کو ہی مسٹر مٹکاف اُسکی خدمت میں گورنر جنرل کا مراسلہ لیکر حاضر ہوا لیکن رنجیت سنگھ نے اُسے دیکھتے ہی کہا کہ آج کی رات عیش و سرور میں بسر کرینگی ہے اور فوراً ناچ راگ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور رنجیت سنگھ نے اپنے خاص شغل کے لیئے وہ تند شیدا سگائی جسکا وہ عادی تھا اور رات ڈھلنے نہیں پائی تھی کہ وہ دنیاء و مافیہا سے بالکل بے خبر ہوگیا ؛

رنجیت سنگھ کی روبراہی ۱۸۰۹ء

جو خط گورنر جنرل کی طرف کا مسٹر مٹکاف نے

باب ۶ فصل دوم

ایک بڑے فوجی عملے کی فوجوں کے قواعد سکھانیکے لئے اور بہت سے انجینروں کو پیمائش وغیرہ کے کام کے لئے بھیجا تھا۔ اسکے بعد ایک معاہدہ شاہ ایران اور نپولین کے درمیان طے پایا جسکی شرائط یہ تھیں کہ جو فرانسیسی فوج ایران میں سے ہوکر گزرے اسکی رسد رسانی کا ایران کی طرف سے انتظام کیا جائے اور کچھ ایرانی فوج بھی اسکی ساتھ شریک کار ہو جائے جزیرہ قسرق واقع خلیج فارس جو بوشہر سے تینتیس میل کے فاصلے پر تھا فرانسیسیوں کے حوالے کر دیا جاے اور اگر شاہ فرانس خواہش کرے تو تمام ملک ایران سے تمام انگریزوں کو باہر نکال دیا جائے۔

سفارت طہران سنہ ۱۸۰۸ع برطانوی محکمہ وزارت نے فرانسیسی سفارت کو ہندوستان پر یورش کرنیوالی فرانسیسی فوج کا پیش خیمہ سمجھا اور دربار طہران میں ایک سفارت بھیجکر ان مخاصمانہ توڑ جوڑ کا ردعمل کرنا چاہا اور لارڈ منٹو اور جنرل ولزلی نے بالاتفاق اس کام کے لیئے کرنل ملکم کا نام تجویز کیا جو مشرقی زبانوں اور مشرقی معاملات کی معلومات کی وجہ سے اور اُس ہر دلعزیزی کی وجہ سے جو وہ اپنی پہلی سفارت میں حاصل کر چکا تھا کلکتے سے طہران بھیجے جانیکے لیئے خاص طور سے موزوں تھا لیکن محکمہ وزارت کی یہ رائے ہوئی کہ بمقابلہ کمپنی کے کسی سفیر کے خاص شاہ انگلستان کا کوئی نمائندہ زیادہ اثر و اقتدار رکھیگا چنانچہ محکمہ موصوف نے مسٹر ہارفرڈ جونس کو منتخب کیا جو کسی زمانے میں برطانیہ کی طرف سے بوشہر کا قونصل رہ چکا تھا اور سر ہارفرڈ اپریل سنہ ۱۸۰۸ء میں اس کام کے لیئے بمبئی آکر پہنچا لیکن لارڈ منٹو کلکتہ پہنچنے کے بعد یہ طے کر چکا تھا کہ برطانوی حکومت ہند کا نمائندہ بناکر کرنل مالکم کو بھیجا جائے اسلیئے سر ہارفرڈ کے بمبئی پہنچنے پر اُسنے اُسے یہ ہدایت کی کہ اس وقت تک بمبئی میں ٹھیر کر انتظار کرے جب تک کہ کرنل مالکم کی سفارت کا نتیجہ نہ معلوم ہو جائے۔ ایران پہنچکر کرنل مالکم نے اُس زبردست رسوخ کو بالکل نظر انداز کر دیا جو فرانسیسی مشیر کو دربار ایران میں حاصل ہو چکا تھا اور ایک تحکمانہ انداز اختیار کرلیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُسکو شیراز سے آگے بڑھنے سے روکدیا گیا اور شہزادے کے

باب ششم
فصل دوم

مسٹر منٹو اور سٹ الفنسٹن کے سپرد کی گئی تھی جو لارڈ ولزلی کے مدرسئہ تدبیر کا تعلیم یافتہ تھا۔ اس زمانے میں افغانستان کا حاکم شاہ شجاع تھا جو اُس زمان شاہ کا بھائی تھا جسنے لارڈ ولزلی کے زمانے میں ہندوستان پر یورش کی تھی۔ شاہ شجاع نے اس سفارت کی نہایت عزت وشان کے ساتھ آؤ بھگت کی لیکن اُسکی مجلس شوریٰ نے صاف جواب یہ دیا کہ اس مشن کی غرض زیادہ تر کمپنی کے اغراض و مفاد سے وابستہ ہے اور افغانستان کو فرانسیسیوں سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کمپنی کو جواب دینے سے پہلے خود فرانسیسی افغانستان کو کیا پیش کر سکتے ہیں۔ یہ نامہ و پیام ابھی جاری ہی تھا کہ شاہ شجاع نے کوتاہ اندیشی کرکے جو مہم کشمیر فتح کرنیکو بھیجی تھی وہ شکست کھاگئی۔ شاہ شجاع کے مدعی بھائی نے کابل و قندھار پر قبضہ کرلیا اور پشاور پر پیشقدمی شروع کردی تھی۔ شاہ شجاع کی فوج کا کشمیری مہم میں ستیاناس نکلگیا تھا اور اُسکا خزانہ بالکل خالی ہوگیا تھا اسلیئے اُسنے بڑی آرزو کے ساتھ برطانوی گورنمنٹ سے مالی امداد طلب کی اور مسٹر الفنسٹن نے گورنمنٹ کو دس لاکھ روپے کا عطیہ منظور کرلینے کا مشورہ بھی دیا۔ اس روپے سے شاہ شجاع نئی فوج بھرتی کرکے اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر حاصل کرسکتا تھا اور غالباً اس وقت کا یہ دس لاکھ روپیہ گورنمنٹ ہند کو اُس کئی کروڑ روپے کے بارسے بچا لیتا جو اسی شاہ شجاع کو پھر تخت نشین کرنیکے لیئے تیس سال بعد برداشت کرنا پڑا۔ مگر چونکہ فرانسیسی حملے کا خطرہ جاتا رہا تھا۔ اور اسکی ضرورت نہیں رہی تھی کہ بلا وجہ اُس فرمانروا کو اپنا بنایا ہی جائے جسکے قبضے میں اسوقت باب الہند یعنے کابل تھا اسلیئے اس استدعا کو نامنظور کردیا گیا۔ شاہ شجاع کو اپنے بھائی کے ہاتھ سے شکست فاش اُٹھانی پڑی اور وہ بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوا اور کمپنی کا وظیفہ خوار بنگیا۔

(صفحہ ۲۹)

معاملات ایران

فرانسیسیوں کے منصوبوں کا ردعمل کرنیکے لئے تیسری سفارت ایران بھیجی گئی تھی۔ شاہ ایران نے بالقصد اپنے تئیں روس کے ساتھ جنگبازی میں پھنسا کر اپنے کئی قیمتی صوبے ہاتھ سے کھودیئے تھے۔ پھر شاہ ایران نے نپولین سے امداد کی استدعا کی اور نپولین نے جنرل گراڈان کو

کرنل مالکم کی دوسری سفارت

چنانچہ نہایت حماقت مگر بڑی شان وشوکت کے انداز سے ایک دوسری سفارت ایسی ترتیب دیگئی جو شاہی سفارت کو گہن لگادے اور یہ سفارت کرنل مالکم کو اس خاص غرض سے بنایا گیا کہ وہ کمپنی کی گورنمنٹ کو پھر اسی مقام عروج تک پہنچادے جو ہمیشہ سے اُسے حاصل تھا۔ کرنل مالکم کی شاہ ایران اور اُسکے درباریوں نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ آؤ بھگت کی لیکن شاہ کے حضور میں وہ شاہ انگلستان کا سفیر بھی موجود تھا جسکے منہ کالک لگانے میں ہندوستانی گورنمنٹ نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ خطرناک تصادم اغراض کا ناگوار خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور ایران کے درباریوں نے دو ہمچشم سفارتوں کو حصول مراعات کے لیئے بالمقابلہ آمادہ دیکھکر ایک کو دوسرے سے بھڑانا چاہا تاکہ نذرانہ و تحائف کا مینہ برسنے لگے۔ لیکن سرہارفرڈ اور کرنل مالکم کی معاملہ فہمیوں نے تمام الجھنوں کو سلجھادیا اور دربار ایران کی تمام سازشوں اور فسادوں کی ایک پیش نہ جانے دی اور محکمہ وزارت نے اسکے بعد ہی دونوں سفارتوں کو واپس طلب کرلیا اور سرگوراوسلے کو شاہ انگلستان کی طرف سے شاہ ایران کا مشیر مقرر کرکے بھیجدیا۔ کرنل مالکم کی سفارت پر بائیس لاکھ صرفہ ہوا اور سرہارفرڈ کے مشن کا صرفہ بھی کمپنی اسکے ہی ذمے لگایا گیا جو سولہ لاکھ سے کم نہیں بیٹھا تھا ؎

(صفحہ ۲۷۶)

فصل سوم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت۔ امیر خاں۔ مدراسی افسروں کی بغاوت

امیر خاں اور ناگپور

رنجیت سنگھ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اُسپر دستخط ہو جانیکے

باب ششم
فصل دوم
(صفحہ ۷۹)

ساتھ نامہ و پیام کرنیکی اُس سے خواہش کی گئی کہ کرنل مالکم کو اس کارروائی پر بدمزگی پیدا ہو گئی اور اُسنے اپنی سفارت سے دست برداری کر لی۔ اور ساحل پر واپس آ کر مع اپنے عملے کے کلکتے کو واپس چلا آیا۔ اسکے بعد لارڈ منٹو نے سر ہارفرڈ جونس کو ہدایت کی کہ مع اپنے عملے کے اپنی سفارت پر روانہ ہو۔

سر ہارفرڈ جونس کی کامیابی

اس حکم کی ترسیل کے دس دن بعد کرنل مالکم کلکتے آ کر پہنچا وہ دربار ایران پر جوش انتقام سے خار کھا رہا تھا اور اُسنے آتے ہی لارڈ منٹو کے یہ بات گلے اتارنیکی کوشش کی کہ فرانسیسی رسوخ کا رد عمل کرنیکا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ فوجی مظاہرہ کیا جائے اور اُسی وقت ایک بحری ہم جزیرہ کُرق پر قبضہ کر لینے کے لئے روانہ کر دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر نہایت تاکیدی احکام پے در پے سر ہارفرڈ جونس کو بھیجے گئے کہ وہ فوراً ایران کو چھوڑ دے بلکہ اُسے یہ بھی دھمکی دیگئی کہ اگر اُسنے تعمیل حکم میں تساہل کیا تو گورنمنٹ ہند اُسکی سفارت سے بے تعلقی ظاہر کر دیگی اور اسکے پروانے کو منسوخ کر دیگی۔ لیکن قبل اسکے کہ یہ احکام سر ہارفرڈ کو پہنچیں وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اور شاہ ایران سے ایک معاہدہ بھی طے پا گیا تھا۔ فرانسیسی سفارت کو ایران سے رخصت کر دیا گیا تھا اور پیرس سے سفیر ایران کو واپس طلب کر لیا گیا تھا۔ یہاں تک کارروائی ہو جانے پر لارڈ منٹو کے بھی سمجھ میں آ گیا کہ سر ہارفرڈ پر سلطنت انگلستان نے پورا اعتماد رکھکر بھیجا تھا اور اسکے مواعید کے ساتھ قومی عزت وابستہ تھی اسلیئے لارڈ منٹو نے بھی اس معاہدے کی تصدیق کر دی۔ ساتھ ہی اسکے لارڈ منٹو کو یہ بھی محسوس ہونے لگا کہ تمام ایشیا کی نظر میں ہندوستانی گورنمنٹ کی عزت و آبرو اس بات سے خاک میں مل گئی کہ سلطنت انگلستان نے اپنی طرف سے سفارت بھیجنے کی ضرورت سمجھی اور وہ سفارت کامیاب بھی ہو گئی اور لارڈ منٹو اسکو اپنا فرض اولیں سمجھا تھا کہ ویسے ہی بے داغ حکومت شاہی حقوق۔ اور حاکمانہ اقتدار گرد و پیش کی فوجوں اور ریاستوں کے متعلق اپنے جانشین کے سپرد کر کے جائے جیسے کہ مکمل اور بے داغ حالت میں اُسے اپنے پیشرو سے ملے تھے۔

مخاصمت سے ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں جو مجلس انتظامیہ کی ناخوشی کا باعث بن جائیں۔ غرض یہ کہ امیر خاں کو ۱۸۰۹ء میں پھر اپنی زور آزمائی کے لیئے آزاد چھوڑ دیا گیا اور سات سال تک اور بھی صوبۂ وسط ہند اُسکے سامنے بے پناہ رہا۔ لیکن اس عدم مداخلت کے اصول کے خلاف اب خاص انڈیا ہاؤس میں بھی مخالف ہوائیں چلنے لگی تھیں اور مجلس انتظامیہ نے لارڈ منٹو کی امیر خاں کے معاملے میں اعتدال پسندی پر صرف اعتراض ہی نہیں کیا بلکہ یہاں تک لارڈ منٹو کو مشورہ دیا کہ راجہ ناگپور کے ساتھ معاہدہ طے کرنیکی کوشش کرے۔

سر جارج بارلو گورنر مدراس

لارڈ ولیم بینٹنک کی جگہ گورنری مدراس پر سر جارج بارلو کا تقرر عمل میں آیا۔ بیس ماہ تک جو سر جارج بارلو نے گورنر جنرلی کا کام عارضی طور پر انجام دیا تھا اس عرصے میں اُسنے اپنی سرد مہری اور تمکنت کی وجہ سے ارتباط معاشرت میں سرگرمی و شوق کے ساتھ حصہ لینے میں احتراز کرنے سے اپنے ہموطنوں کو اپنی طرف سے بیگانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اسکو کبھی وہ شخصی اقتدار نہیں حاصل ہو سکا جو ریاست کے کاروبار کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لیئے ہر ملک میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ضروری ہے اپنی ہر مرضی کی جسطرح وہ بے عذر اطاعت کرانی چاہتا تھا وہ ہر شخص کو اسلیئے ناگوار گزرتی تھی کہ اُسے عامیانہ اظہار تحکم سمجھا جاتا تھا در آنحالیکہ لارڈ ولزلی کی ایسی خود مختاری کے لیئے ہر شخص یہ توجیہہ کرتا تھا کہ یہ ایک حوصلہ مند طبیعت کی فطری شان عظمت ہے۔ مدراس میں سر جارج بارلو اپنی تحکمانہ اور غیر منصفانہ کارروائیوں اور اُس تکبر و پندار کی وجہ سے جو بڑا عہدہ رکھنے کے سبب سے اُس نے اختیار کیا تھا۔ وہ بہت بدنام ہو گیا چند عہدہ داران ریاست اور خاص معتمدین کے حلقہ سے باہر کسی سے ملتا نہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ فوج کی بغاوت کا واقعہ ایسا سخت ہو گیا جس نے اُس کے دامن حکومت پر کبھی نہ مٹنے والا

چار ہی ماہ بعد ایک اور موقع ایسا پیش آگیا جسمیں اُسکا امتحان ہوگیا کہ آیا عدم مداخلت کے اصول پر عمل درآمد ہونا ممکن تھا یا نہیں۔ امیر خاں لٹیرے نے دس سال کی تاخت و تاراج میں ایسی ریاست قائم کرلی جسکی سالانہ آمدنی پندرہ لاکھ تھی۔ اُسکو سنٹرل انڈیا کے پٹھانوں کا سردار سمجھا جانے لگا اور وہ بھی رئیس وقت ہونیکا دم بھرنے لگا۔ مگر اسکی فوج اسکے وسائل کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اور جب وہ راجپوتانے کو نچوڑ چکا تو اُسنے اضلاع بعید پر اپنی تاخت و تارج کے لیئے نظر دوڑائی اور سب سے پہلے ناگپور کو اپنی دستبرد کے لیئے تاکا۔ ہلکر کی طرف کے چند مصنوعی دعاوی کو تسلیم کرانے کے حیلے سے امیر خاں نے نربدا کو چالیس ہزار سوار اور چوبیس ہزار پنڈاریوں کے ساتھ عبور کیا۔ راجہ ناگپور کمپنی کا بیشک دوست تھا مگر اُسکا کمپنی کی حمایت پر کوئی حق نہیں تھا لیکن لارڈ منٹو نے بلا تامل یہ فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسے مداخلت کار و حوصلہ مند مسلمان رئیس کو جسکے ساتھ بڑی جرار سپاہ ہو یہ اجازت نہیں ملنی چاہئیے کہ وہ راجہ ناگپور کی مملکت کو تباہ کرکے اپنی حکومت اُس علاقے پر قائم کرلے جو نواب نظام الملک کے علاقے سے ملحق ہے۔ کیونکہ دونوں مسلمان ہمسائے ملکر آسانی سے ایسے منصوبے پختہ کرسکتے ہیں جو کمپنی کے اغراض کے لیئے مہلک ثابت ہوں گے۔ اگرچہ راجہ نے انگریزوں سے امداد نہیں طلب کی تھی مگر اُسکے علاقے کی حفاظت کرنیکے لیئے دو انگریزی فوجیں میدان جنگ میں بھیجدی گئیں۔ بہر حال اکیلی ناگپور کی فوج نے بھی امیر خاں کو دو مرتبہ شکست دی لیکن امیر خاں تیسری مرتبہ پھر لوٹا اور اُسنے راجہ کی فوج کو چورا گڑھ میں گھیر لیا اور اُسکے پنڈاریوں نے علاقے کو لوٹنا شروع کردیا۔ اب برطانوی فوج نے برابر امیر خاں کی فوج پر بڑھنا شروع کیا اور کرنل کلوس نے اُسکے دارالحکومت اور اُسکے علاقے پر قبضہ کرلیا اور اس وقت امیر خاں کا استیصال کامل یقینی نظر آنے لگا۔ لیکن ابھی موقع پر انگریزی فوجوں کو خلاف اُمید میدان جنگ سے واپس طلب کرلیا گیا کیونکہ لارڈ منٹو کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ مبادا مزید توسیع

باب ششم
فصل سوم

رائے پر تمام افسروں میں ایک آگ سی لگ گئی اور انھوں نے کمانڈر انچیف سے یہ مطالبہ کیا کہ کوارٹر ماسٹر جنرل یعنے میر سامان مذکور کو فوجی افسروں اور شو یفوں سکے چال چلن نیت پر دھبہ لگانیکے الزام میں فوجی عدالت کے سامنے ماخوذ کیا جائے۔ چنانچہ کوارٹر ماسٹر جنرل کو فوراً گرفتار کر لیا گیا مگر اُس نے گورنر سے رجوع کیا اور گورنر نے کمانڈر انچیف کو اُسکی خلاصی کی ہدایت کی کمانڈر انچیف نے اس حکم کی تعمیل بیشک کی مگر اُسکے ساتھ ہی ایک روبکار نہایت غیر معمولی سخت الفاظ میں جاری کیا جس میں گورنمنٹ کی اس مداخلت پر احتجاج کیا گیا تھا اور میر سامان کے اس طرز عمل پر اظہار نفرت کیا گیا تھا کہ اُس نے باوجود فوجی افسر ہونیکے فوج کے اعلیٰ ترین افسر کے حکم کے خلاف ملکی قوت سے استمداد کی۔ بجائے اسکے کہ سر جارج بارلو اس روبکار کو ایک ایسے سپہ سالار کے غصے کا اُبال سمجھکر حقارت کے ساتھ نظر انداز کر دیتا جو اپنی ملازمت سے سبکدوش ہونے ہی والا تھا اُسنے یہ غلطی کی کہ اسکے جواب میں ایک روبکار جاری کیا جو فوجی روبکار کے برابر ہی سخت الفاظ میں لکھا گیا تھا اور کمانڈر انچیف پر شعلہ فشانیِ تقریر کا الزام اسمیں لگایا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسکے میجر باولس ڈپٹی اجیٹنٹ کو بھی معطل کر دیا گیا جسنے کمانڈر انچیف کے عوض فوجی روبکار پر دستخط کیئے تھے۔ میجر باولس کی جنبہ داری میں ایکدم فوجی افسروں نے بطور ایک شہید مظلوم کے حصہ لینا شروع کر دیا اور اسکے طرز عمل کی مدح و ثنا کرنیوالے مراسلے اُسکے پاس ہر سمت سے آنے شروع ہو گئے اور اُسکے نقصانات کی تلافی کرنیکے لیئے چندے جمع کیئے جانے لگے ؎

عام بغاوت

کمانڈر انچیف کو ہندوستان سے روانہ ہوئے تین ماہ گزر گئے اور وہ غرقاب بھی ہو گیا اور افسروں کا جوش بھی ایک حد تک فرو ہوتا چلا تھا کہ پھر سر جارج بارلو نے بجھتی ہوئی بھوبھل کو پھونک مارکر شعلہ زن کر دیا جس وقت افسروں کا جوش زیادہ بڑھا ہوا تھا اُسوقت انھوں نے اپنی شکایات کا ایک محضر نامہ گورنر جنرل کے نام تیار کیا تھا جواب تک بھیجا نہیں گیا تھا لیکن یکم مئی ۱۸۰۹ء کو سر جارج بارلو نے ایک روبکار نافذ کیا جس میں چار بڑے

باب ششم
فصل سوم

بدنامی کا دھبہ لگا دیا تو

یورپین افسروں کی بغاوت

نصف صدی کے اندر یہ تیسری باری تھی کہ کمپنی کی گورنمنٹ یورپین افسروں کی سرکشی کی وجہ سے بیخ و بن سے ہل گئی۔ مدراس فوج کے افسروں میں بے چینی کے خیالات پہلے ہی سے اس وجہ سے موجود تھے کہ مدراس اور بنگال کے فوجی افسروں کی تنخواہوں میں بڑا ذلت آمیز فرق تھا اور فوج میں جتنی با اختیار افسریاں تھیں وہ سب گویا شاہی فوج کے ارکین کے اجارے میں آگئی تھیں۔ اس بے چینی کا جوش کمانڈر انچیف میجر جنرل میکڈول کے طرز عمل سے اور بڑھ گیا۔ مجلس انتظامیہ نے کمانڈر انچیف کو کونسل میں نشست دینے سے انکار کر دیا تھا اور یہ نشست مع اپنے نہایت معقول بھتے کے اس عہدے کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہتی چلی آئی تھی۔ اور کمانڈر انچیف کو اس محرومی سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار اپنے ماتحت افسروں کے سامنے کرنے سے بھی باز نہ رہ سکا ؎

اجارۂ خرگاہ کی منسوخی

۱۸۰۵ء کی جنگ کے اختتام کے بعد سے مجلس انتظامیہ برابر تخفیف اخراجات کی متقاضی تھی اور یہاں تک دھمکی دے چکی تھی کہ اگر مدراس گورنمنٹ نے اس تخفیف پر عمل درآمد کرنے میں پس و پیش کیا تو مجلس موصوفہ چھری اپنے ہاتھ میں لیکر کاٹ چھانٹ خود شروع کر دے گی۔ لارڈ ولیم بینٹنگ اور سر جان کریڈک نے جو کفایت شعاری کی تجاویز سوچی تھیں انمیں ایک یہ بھی تھی کہ اجارۂ خرگاہ کو منسوخ کر دیا جائے۔ (صفحہ ۲۹۹) اس اجارے کی شرائط کے مطابق مختلف رجمنٹوں کے قائدوں کو ایک مقررہ بھتہ اس غرض سے ماہانہ مل جایا کرتا تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں کے لئے میدان جنگ میں اور چھاؤنیوں میں خیمہ و خرگاہ کا انتظام کر دیا کریں۔ فوج کے میر سامان سے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے اس مسئلے پر رپورٹ طلب کی اور اس افسر نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس اجارے کی حقیقت تجربے سے ایسی ثابت ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر فوج کے قائد کی نظر میں اپنا ذاتی مفاد بمقابلہ اپنے فرائض کے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ اس اظہار

سرگرم کارروائیوں نے افسروں کو بھی بدحواس کر دیا اور اُنکو اپنے بادشاہ اور اپنے ملک کے خلاف بغاوت کرنیکے بالکل کنارے پر جاکر روکدیا۔ اُسکے ساتھ ہی لارڈ منٹو نے بہ نفس نفیس بغرض تحقیقات مدراس پہنچنے کا اعلان کر دیا تھا اور اُسکے انصاف و اعتدال پسندی پر جو عام اعتماد تھا اُسنے افسروں کو پھر اپنا فرض منصبی سمجھ جانیکی طرف راغب کر دیا۔

بغاوت فرو ہوگئی

حیدرآباد کی فوج جسنے سرکشی میں پیشقدمی کی تھی اپنے کیئے پر بھی سب سے پہلے نادم ہوئی۔ اسکی مثال کی تقلید دوسری رجمنٹوں اور رسالوں نے بھی کی۔ سرنگاپٹم کی باغی فوج نے اس قلعے کو خود حوالے کر دیا اور اس طوفان کے بعد جسنے حکومت کو سرنگوں کر دینے کی دھمکی دی تھی نہایت مکمل سکون طاری ہوگیا۔ لارڈ منٹو نے مدراس پہنچکر ایک اعلان عام شائع کیا جسمیں افسروں کے مسلک کو نہایت مذموم قرار دیا گیا تھا۔ لیکن نہایت نرم اور صلح جوئی کے الفاظ میں فوج کی سلامتی اور نیکنامی کو قائم رکھنے کی بھی تشویش ظاہر فرمائی گئی تھی۔ لارڈ منٹو نے سوائے اکیس افسروں کے اور جملہ باغیوں کو معافی عام عطا کر دی اور اُن اکیس میں سے کسی کو معزول کر دیا گیا اور کسی کو برخاست کر دیا گیا۔ لیکن اُن سب کو آخرکار ملازمتیں دیدی گئیں اور اُن کو آیندہ جنگ مرہٹہ اور جنگ پنڈاری میں سات سال بعد اپنے دامن وفاداری پر سے نافرمانی کا دھبہ مٹانیکا موقع اپنے جوہر مردانگی و شرافت دکھانے سے ملگیا۔

اس غدر کے موضوع پر انڈیا ہاؤس میں بڑا سخت اور بڑا طویل مباحثہ ہوتا رہا جسکا اختتام سرجارج بارلو کی واپس طلبی پر آکر ہوا۔ اسی زمانے میں جبکہ سرجارج بارلو کے عہد حکومت کے متعلق بحث مباحثہ ہوتا رہا تھا اور مسٹر ایلفنسٹن لیڈن ہال اسٹریٹ کا سب سے بڑا ناممبر تھا۔ مسٹر ایلفنسٹن نے دو ملکی حکام اور تین گورنر جنرلوں کی ماتحتی میں کام کیا تھا اور ہندوستان میں اعلیٰ ترین عہدوں پر علاوہ گورنری کے متعین ہو چکا تھا۔ اس مباحثے میں مسٹر موصوف نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی تھی ؂

باب ششم
فصل سوم

اور نہایت نیکنام افسروں کو معطل کیا گیا تھا۔ اور آٹھ کو اُنکے عہدوں پر سے معزول کردیا گیا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان سب نے اُس محضرنامے پر دستخط کیئے تھے جسکا مضمون خفیہ طور سے گورنر تک پہنچا دیا گیا تھا اُسپر جالنہ اور حیدر آباد کی فوجوں کے تمام افسروں نے ایک نہایت سخت الفاظ میں یادداشت گورنمنٹ کے پاس بھیجی جسمیں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان افسروں کو اُنکی اصلی حالت پر فوراً بحال کیا جائے تاکہ خانہ جنگی کے اُن خطرات کا سدباب ہوسکے جن سے کمپنی کو اپنے مقبوضات کے جزو اعظم سے آخر کار محروم ہوجانا پڑیگا۔ مسلی پٹم میں کمپنی کی گورا فوج نے اپنے سپہ سالار کو گرفتار کرلیا اور یہ تجویز بالاتفاق منظور کرلی کہ جالنہ اور حیدر آباد کی فوجوں کے شریک ہوجائیں اور مدراس پر پیشقدمی کرکے گورنمنٹ پر قبضہ کرلیں۔

(صفحہ ۲۹۹)

سرجارج بارلو کا استقلال

غرض یہ کہ سرجارج بارلو نے اپنی انتہا پسندی اور بے عقلی سے فوج کو آرلگا کر بغاوت پر آمادہ کیا اور خطرناک نازک حالت پیدا کردی۔ لیکن اس شورش کے ساتھ جو طرز عمل اُسنے اختیار کیا اسمیں بھی سرجارج بارلو نے ایسی غیر متزلزل پامردی کا ثبوت دیا جو اُس حماقت کے لیئے بالکل تلافی کا کام دیگئی جس سے یہ بغاوت پیدا ہوئی تھی۔ کرنل مالکم اور دوسرے تجربہ کار اور عزت دار افسروں نے سرجارج بارلو کو یہ مشورہ دیا کہ اس وقت کی ضرورت کے سامنے سر ڈالدے اور یکم مئی ۱۸۰۹ء کے اشتعال انگیز حکم کو واپس لیلے۔ لیکن سرجارج بارلو اسپر تل گیا تھا کہ سرکاری اقتدار کو خواہ کچھ ہی ہوجائے قائم کرکے رہیگا۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں اُسنے تمام فوجی افسروں سے یہ مطالبہ کیا کہ ایک اقرارنامے پر گورنمنٹ کی اطاعت کیلئے دستخط کریں ورنہ اُنکو اُنکی رجمنٹوں سے فوراً علیحدہ کردیا جائیگا ہندوستانی سپاہی اور ہندوستانی افسر نمکحلال رہے اور سوائے سرنگاپٹم کے اور کہیں کوئی تصادم نہیں ہوا۔ سرنگاپٹم میں غیر مطمئن افسروں کی ماتحتی میں جو ہندوستانی رجمنٹیں تھیں اُنھوں نے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کیا اور اُن پر شاہی فوجوں نے گولہ اندازی کی اور ڈیڑھ سو کے قریب مارے گئے اور زخمی ہوگئے۔ سرجارج بارلو کی ان

باب ششم
فصل سوم

سب کے گلے کاٹ ڈالے اور اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ اُنکی نعشوں کو سمندر میں پھینکدیا۔ اسپر لارڈ منٹو نے بھی ان قزاقوں کی بیخ کنی کرنیکا عزم بالجزم کرلیا اور ایک زبردست مہم ۱۸۰۹ء میں اُنکے خاص قلعہ راس القائمہ کی تسخیر کے لیئے روانہ کی۔ اس قلعے کی مدافعت عربی پامردی کے ساتھ کی گئی اور اُسکی تسخیر انگریزی جانبازی کے ساتھ عمل میں آئی۔ وہ بندرگاہ مع اُس تمام قیمتی مال تجارت کے جو بہت سی قزاقانہ مہموں کا اندوختہ تھا اور وہ قزاقوں کے زبردست بیڑے سب کے سب جلا کر خاک سیاہ کردیئے گئے اور کچھ عرصے کے لیئے اس سمندر میں بحری قزاقی کا انسداد کامل ہوگیا۔

جزائر مارشیس کی طرف سے غارتگری

خلیج بنگال میں مارشیس اور بوربن پر فرانسیسیوں کا قبضہ رہنے کیوجہ سے مشرقی سمندر میں برطانوی تجارت ہمیشہ اُس دستبرد کی شکار ہوتی رہتی تھی جو اُن جزیروں سے مسلح ہوکر نکلنے والے غارتگر جہاز جاری رکھتے تھے۔ کلکتے کے سوداگروں نے ۱۸۰۳ء کی جنگ فرانس سے ۱۸۰۸ء تک جو نقصانات اس قزاقی کے کارن برداشت کیئے تھے اُن کا مجموعی تخمینہ چار کروڑ روپیہ کیا گیا تھا۔ کسی ناقابل توجیہہ حماقت کی وجہ سے محکمۂ وزارت نے ان جزائر کے خلاف کوئی بحری مہم روانہ نہیں کی تھی دراں حالیکہ محکمۂ موصوفہ نے ممالک مغرب کے تمام جزائر فتح کرلینے کی کارروائی کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستانی گورنمنٹ کی طرف سے ان مقامات کی تسخیر کرنیکی جتنی کوششیں کی جاتی تھیں اُنکی بھی محکمۂ وزارت نے ایک حدتک سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ فرانسیسی مسلح جہاز ہمیشہ برطانوی تجارتی جہازوں کا شکار کھیلا کرتے تھے اور سطح سمندر کو ڈھانگا سکر سے جاوا تک الٹ پلٹ کیئے ڈالتے تھے۔ ایکمرتبہ باوجودیکہ چھ انگریزی جہاز گرداوری کر رہے تھے اور ہندوستانی بندرگاہوں پر سولہ چھوٹے دستے متولیئے موجود تھے مگر فرانسیسی مسلح جہازوں نے چھ ہفتے کے اندر چھ تجارتی انگریزی جہاز لوٹ لیئے جن پر تیس لاکھ کا مال بار تھا۔ چنانچہ تجارت پیشہ طبقے کی طرف سے ایک محضرنامہ محکمۂ وزارت

(صفحہ ۳۰۱)

باب ششم
فصل سوم

میں اسکا سخت مخالف ہوں کہ اُن لوگوں میں سے گورنر منتخب کیئے
جائیں جو ہندوستانی ملازمت سے تعلق رکھ چکے ہوں بلکہ کوئی
ممتاز رتبہ اور شخصیت والا آدمی جو انگلستان سے اس عہدے کو
پر کرنے کے لیئے روانہ ہوتا ہے تو اگر اُسمیں قابلیت اور لیاقت بھی
کافی ہو تو وہ اپنے ساتھ بہت زیادہ رسوخ و اقتدار لیکر جاتا ہے
اور اُسکی شخصیت ایسا خراج اعزاز و شان وصول کر لیتی ہے
جو اُس شخص کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا جس کو اُس سے پہلے کسی
ادنیٰ عہدے پر دیکھا گیا ہو۔

بحری قزاقی کا انسداد

نصف کرۂ شرقی میں بحری قزاقی کا انسداد کرنا انگریزی
قوم کا ہمیشہ سے خاص مشغلہ رہا ہے۔ اور لارڈ منٹو
کو اپنے زمانے میں اپنی خاص توجہ اس کام کی طرف مبذول کرنیکی سخت ضرورت
پڑی۔ عرب جو ممالک مشرق کے دلاور ترین سپاہی جفاکش ترین ملاح
تھے دنیا کے بدنام ترین بحری قزاق بھی تھے۔ ساحل کے خاص قبیلے
جواسمی نے حال ہی میں وہابی عقائد اختیار کر لیئے تھے اور اُنکا مذہبی جوش
اُنکی قومی بہادری میں شامل ہو گیا تھا اور وہ اپنے قیدیوں کے سامنے
صرف دو شرطیں پیش کرتے تھے کہ یا اسلام قبول کریں یا موت پر آمادہ
ہو جائیں۔ اُنکے یکستولی جہاز جنمیں سے ہر ایک میں ڈیڑھ سو جانباز ہوتے
تھے پرے باندھکر سمندر میں گشت کرتے تھے اور بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا
کہ کوئی ہندوستانی جہاز یا کشتی اُنکے تعاقب سے بچکر نکل سکتی ہو۔ اب تک
ان عربوں نے نہایت دانائی کے ساتھ انگریزی جہازوں سے کسی قسم کا
تعرض کرنیسے احتراز کیا تھا لیکن وہ کمپنی کے جہازوں کے بالکل بے تعلق
رہنے سے روز بروز دلیر ہوتے چلے گئے اور کمپنی کے جہاز اسلیئے اُنکے
خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے تھے کہ اُنکو ان عربوں کے معاملات
میں مداخلت کرنیکی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ بہر حال ان عربوں نے
ایک بڑے تجارتی انگریزی جہاز کو گرفتار کر لیا اور جتنے یورپین اسپر سوار تھے

باب ششم

فصل چہارم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت۔ مہم جاوا۔ پنڈارے۔ نیا اجازت نامہ

مہم جاوا ۱۸۱۱ء

(صفحہ ۲۰۳)

شہنشاہ نپولین نے جب ہالینڈ کو تسخیر کر لیا تو ممالک مشرق کی تمام ولندیزی نوآبادیات فرانس کے تصرف میں آگئیں اور نپولین نے ان میں سے جو سب سے زیادہ معرکے کا مقام جزیرۂ جاوا تھا اُسکے استحکام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُسنے زبردست فوج جنرل وینڈس کی سرکردگی میں بھیجی جسپر اُسے پورا اعتماد تھا۔ جنرل موصوف نے وہاں پہنچکر پرانے قلعوں کی پوری طور پر مرمت کرائی اور بٹاویہ دارالحکومت جاوا کے قریب کئی نئے اور نہایت زبردست قلعے تعمیر کرائے کسی خفیہ وجہ سے اس جنرل کی جگہ جنرل جینس کو بھیجا گیا جسنے چار سال پہلے انگریزی دستے کے سپرد اس امید کی نوآبادی کر دی تھی۔ وقت رخصت شہنشاہ نپولین نے جنرل جینس کو یہ چار سال پہلے کی معیبت ان الفاظ سے یاد دلادی تھی کہ

حضرت۔ یاد رکھیئے کہ کوئی فرانسیسی سپہ سالار دوسری مرتبہ اپنے تئیں مغلوب نہیں ہونے دیا کرتا ہے۔

لارڈ منٹو نے مجلس انتظامیہ سے اس جزیرے پر فوجکشی کرنیکی اجازت لیکر مسٹر رفلس سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ کیونکہ مسٹر رفلس گورنمنٹ پناتگ کا مہتمم تھا اور اُسکو اپنے زمانے کے ہر یورپین کے مقابلے میں مجمع الجزائر مشرقی کے مختلف قبیلوں کی زبانوں کے۔ اصول زندگی کے۔ اور حالات کے متعلق بہت زیادہ معلومات تھیں۔ لارڈ منٹو کی اس مہم میں نوّے جہاز تھے جن پر چھ ہزار گورہ سپاہ اور تقریباً اسی قدر ہندوستانی سپاہ تھی اور اب تک مشرقی سمندروں کو جتنی بحری مہمیں گئی تھیں اُن سب میں زیادہ زبردست تھی۔

میں ارسال کیا گیا جسمیں تجارت کی غیر معمولی کی شکایت کی گئی تھی اور انگریزی بیڑے کی غفلت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ اس درخواست پر محکمۂ وزارت نے گورنر جنرل اور امیر البحر کے نام تجارت کی حفاظت کرنیکے لیئے مناسب احکام صادر فرملئے۔ پہلے یہ خیال کیا گیا کہ مارشس کی ناکہ بندی کر لینے سے مدعا حاصل ہو جائیگا لیکن فرانسیسی مسلح جہازوں نے اپنے بندرگاہ سے نکلکر کمپنی کے چھ شاندار تجارتی جہاز جو پچاس لاکھ سے زائد کی مالیت کے تھے عین ناکہ بندی میں سے گرفتار کر لیئے اور فاتحانہ تجبر کے ساتھ اپنا مال غنیمت لیئے ہوئے اپنے بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ اس پر ایک بحری مہم بھیجی گئی جس نے سب سے پہلے بہت معمولی سی کوشش کے بعد بوربن کو تسخیر کر لیا لیکن اس کارگزاری کا خمیازہ ایسی تابڑ توڑ مصیبتوں کی صورت میں اٹھانا پڑا جنکی نظیر نہیں مل سکتی اور ان آفتوں کو بلا تامل صیغۂ بحری کی لاعلمی اور قابلیت کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے۔ تین انگریزی سہ مستولے پکڑ لیئے گئے اور تین میں فرانسیسی بیڑے نے آگ لگا دی اور اس بیڑے نے اس سمندر میں اپنے قومی عزو وقار کو اسی طرح قائم رکھا جس طرح امیر البحر سفرن نے وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں اپنی قوم کی ناک رکھ لی تھی۔ اس عرصے میں لارڈ منٹو نے ایک نہایت زبردست بحری مہم ترتیب دے لی جسمیں ۷۰ توپوں پڑھے جہاز تھے۔ تیرہ تین مستولوں کے جہاز تھے انکے علاوہ چھوٹے جہاز اور توپ چڑھی کشتیاں تھیں اور گیارہ ہزار کی ایک بڑی فوج تھی جسمیں چھ ہزار تین سو گورہ سپاہی اور دو ہزار جہازی اور ملاح تھے اور چار رضاکار رجمنٹیں تھیں۔ اس فوج کے مقابلے کے لیئے فرانسیسی جنرل صرف دہ ہزار فرنگی سپاہی اور کچھ نیم قواعد دان افریقی غلاموں کو جمع کر سکا اور چونکہ اس مایوسانہ آویزش میں اُسے اپنے بہادر جانبازوں کی جانیں قربان کرنی منظور نہیں تھیں اسلیئے اُسنے معقول اور منصفانہ شرائط پر ۱۸۱۰ء میں جزیرۂ مارشس کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

آگے آگے ہوگیا اور دس میل تک تعاقب کرکے دشمن کی تمام فوج کو بوجہ اتم منتشر کردیا۔ اس طرح جاوا صرف ایک دن میں صرف ایک افسر کی کوشش سے فتح ہوگیا۔ فرانسیسوں کا میدان جنگ میں بہت سخت نقصان ہوا اور اُنکے چھ ہزار یوریپین سپاہی اسیران جنگ کے طور پر ہاتھ آئے لیکن انگریزوں کو یہ فتح کچھ سستے داموں نہیں پڑی بلکہ اُنکے بھی مقتول اور زخمیوں کی تعداد نوسو تھی جسمیں سے پچاس صرف افسر ہی افسر تھے۔ مجلس انتظامیہ نے یہ ہدایت کی تھی کہ جزیرۂ جاوا کو فتح کرنیکے بعد اُسکے تمام قلعوں کو مسمار کردیا جائے۔ آلات وسامان حرب کو دیسی باشندوں میں تقسیم کردیا جائے اور جزیرے کو خالی کرکے انگریزی فوج چلی آئے۔ لیکن لارڈ منٹو اس بات کے لئے تیار نہیں تھا کہ دیسی باشندوں کے ہاتھوں میں ہتیار دیکر وہاں کے متعمرین (Colonists) کو بالکل اُن کے پُر انتقام جوش وخروش کے سامنے بے پناہ چھوڑ دے اور جزیرے میں بے تہذیبی کی حکومت قائم کرائے۔ چنانچہ اُسنے اس جزیرے پر قبضہ قائم رکھنے کا عزم کرکے اسکی حکومت مسٹر افلس کے سپرد کردی جس کے قابلانہ ومساوات پسند عہد حکومت میں کئی سال تک یہ جزیرہ برابر ترقی کرتا رہا۔

لارڈ منٹو کا جانشین لارڈ منٹو ۱۸۱۲ء میں کلکتہ واپس آیا اور یہاں پہنچتے ہی اُسے معلوم ہوگیا کہ اسکے عہدے پر دوسرے شخص کے آنیکا انتظام ہوچکا ہے۔ معمولی میعاد اس عہدے کے حاکم کے لئے سات سال رکھی گئی تھی اور لارڈ منٹو نے مجلسِ انتظامیہ سے اشارۃً یہ خواہش ظاہر کردی تھی کہ اُسے اوائل ۱۸۱۲ء میں ہی سبکدوش فرما دیا جائے۔ لیکن شہزادہ بلند اقبال کی مرضی یہ تھی کہ اس عہدے پر اپنے ایک منہ چڑھے ارل آف موئرا کا تقرر کیا جائے جو حال ہی میں ایک وزارت ترتیب دینے میں ناکام ہوچکا تھا۔ جماعت نگران کار کی تحکمانہ ہدایت کے مطابق مجلس انتظامیہ نے مجبور ہوکر لارڈ منٹو کے عہد حکومت کو ختم کردینے کی تجویز منظور کرلی۔ کچھ واقعات ایسے پیش آگئے کہ لارڈ موئرا انگلستان سے اس وقت نہ روانہ ہوسکا جس وقت روانہ ہوجانیکی اُسے امید تھی اور لارڈ منٹو

(صفحہ ۲۹۴)

باب ششم فصل چہارم

لارڈ منٹو بھی بطور رضاکار کے اس مہم کے ساتھ ہوا اور سپہ ستو لیئے جہاز موڈیسٹی میں سوار ہو گیا جسکی کمان خود لارڈ موصوف کے بیٹے کے ہی سپرد تھی۔ یہ تمام بیڑہ بغیر کسی حادثے کے ۴۔ اگست ۱۸۱۱ء کو خلیج بٹاویہ میں لنگر زن ہو گیا۔ جنرل جینسن کی ماتحتی میں یلدوزی فوج کی تعداد سترہ ہزار تھی جسمیں سے تیرہ ہزار کو ایک جگہ قلعۂ کورنیلس کی حفاظت کے لیئے جمع کردیا گیا تھا۔ یہ قلعہ اپنی قدرتی جائے وقوع کی وجہ سے بھی نہایت زبردست تھا اور فن حرب کے استحکام نے اسکو بالکل ہی ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ قلعہ دو دریاؤں کے درمیان ایک خندق زدہ لشکر تھا ان میں سے ایک دریا کبھی پایاب نہیں ہوتا تھا اور دوسرے دریا پر جگہ جگہ برجوں اور مورچوں کی زد میں رکھی گئی تھیں۔ اس پورے لشکر کا محیط پانچ میل کا تھا اور اسکی حفاظت کے لیئے تین سو توپیں چڑھی ہوئی تھیں

(صفحہ ۳۰۲) **قلعہ کورنیلس کی تسخیر ۱۸۱۱ء** اول اول سر سیموئل اچیٹی سپہ سالار نے یہ کوشش کی کہ تدریجی پیشقدمی کے ذریعے اس قلعے کو تسخیر کیا جائے لیکن منطقۂ حارہ کی دھوپ میں ایسی کوشش نہایت ناقابل عمل نظر آئی اور اس کوشش سے اُس وقت بالکل ہاتھ اُٹھا لینا پڑتا جبکہ بارش کے آغاز ہو جانے پر بٹاویہ کی دلدلوں کے رطوبی بخار کی وجہ سے تمام فوج ہی صاحب فراش ہوتی۔ اسلیئے یہ طے کر لیا گیا کہ ایکدم ہلہ بول کر اس قلعے کو فتح کر لیا جائے۔ اس موقع پر کرنل جلیسپی سرآمد دیلور کی دلیری و مردانگی کا پوری طور پر اظہار ہو گیا جسکے سپرد یہ جان جوکھم کا کام کیا گیا تھا۔ کرنل موصوف کی فوج ۲۶۔ اگست ۱۸۱۱ء کو آدھی رات کے بعد ہی چل کھڑی ہوئی اور نور کے تڑکے پہلے مورچہ پر آ پہنچی اور نوک سنگین اُسے فتح کر لیا۔ پھر اس فوج کی ہر قدم پر بڑھنے والی ہمت نے کئی مورچے پے درپے فتح کر لیئے یہاں تک کہ یہ بالکل دشمن کی محفوظ فوج کے مقابلے میں پہنچ گئی جہاں بارکوں کے سامنے ایک زبردست رسالہ مع ایک زبردست توپ خانے کے اپنی جگہ پر اڑا ہوا تھا۔ ان رسالوں کے اس مقام سے قدم اُکھیڑ کر کرنل خود اپنے سواروں اور توپچیوں کے

مال غنیمت میں سے زبردستی اپنا حصہ بٹا لینے میں تکلف کرتے ہوں گے۔

پنڈارے سرغنہ

برطانوی حفاظت و حمایت کے وسط ہند پر سے اُٹھ جانے سے غارتگری کے لئے بڑا میدان خالی ہو گیا اور پنڈاروں کی قوت اور ہمت بہت بڑھ گئی۔ سندھیا کے دو ذیلئے پنڈاری سرداروں نے نواب بھوپال کی خدمت میں اپنی خدمات اسلئے پیش کیں کہ راجہ ناگپور کے علاقے کو لوٹنے کی کارروائی کی جائے۔ لیکن جب نواب نے اُنکی خدمات لینے سے انکار کر دیا تو ان دونوں نے فوراً راجہ ناگپور سے بھوپال کے علاقے کو لوٹنے کی شرائط طے کر لیں۔ اس تاخت و تاراج سے واپسی پر راجہ ناگپور نے بے تکلف اُنکے لشکر کو توڑ ڈالا اور اُنکا تمام مال غنیمت چھین لیا۔ ان دونوں سرغنوں میں سے ایک نے آکر سندھیا کے پاس پناہ لی اور اُسکے دونوں بیٹوں مسمیان دوست محمد اور واصل محمد نے اسکے منتشر خواجہ تاشوں کو پھر جمع کر کے از سر نو اپنے گروہ کو ترتیب دے لیا۔ دوسرا سرغنہ راجہ ناگپور (صفحہ ۳۰۵) کی قید میں مر گیا اور اُس کے پیچھے کی سرداری چیتو کی طرف منتقل ہو گئی جس کو قحط کے زمانے میں بچہ سا خرید کر پنڈاروں نے اپنے پیشہ کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کی تھی۔ چیتو کی اعلیٰ قابلیت اور مردانہ ہمت نے اُسے تمام گروہ کی سرداری کے رتبہ تک پہنچا دیا اور سندھیا کی جو خدمات اُسنے انجام دی تھیں اُنکے صلہ میں اُسکو ایک جاگیر عطا ہوئی اور نواب کا خطاب بھی عنایت کیا گیا۔ چیتو نے اپنا مستقر نیماڑ میں قائم کیا جو دریائے نربدا اور سلسلۂ کوہ وندھیاچل کے درمیانی کوہستانی گڑھیوں میں سے تھی۔ دوسرا پنڈاری سرغنہ کریم خاں ایک روہیلا پٹھان تھا جسنے رفتار واقعات کے ساتھ ترقی کر کے سندھیا سے عطیۂ اراضی اور خطاب حاصل کیا تھا۔ لیکن چونکہ کریم خاں مرہٹہ علاقے پر دستبرد سے احتراز نہیں کرتا تھا اسلئے سندھیا نے اُسکے بڑھتے ہوئے زور کو توڑ دینے کی ٹھان لی اور اُسے ایک دعوت میں سے دغا سے گرفتار کرا لیا۔ اسکو چار سال تک

باب ششم فصل چہارم

اُس وقت کے تین چار ماہ بعد روانہ ہو سکا جو اُسکی واپسی کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس ذلت کا عمل درآمد ایک ایسے گورنر جنرل کے ساتھ کیا جانا جسکا عہد حکومت ناکامی سے بالکل مبرا رہا تھا اور جسنے عالمگیر اطمینان اپنی خدمات سے پیدا کر دیا تھا خود وزارت کی سفاہت اور فرماں روائے انگلستان کی کوتہ اندیشی پر دلالت کرتا تھا۔

پنڈارے لارڈ منٹو کی جاواسے واپسی کے بعد یہ ضروری نظر آنے لگا کہ پہلا مرتبہ پنڈاروں کی تاختوں کی سرکوبی کے لیئے انگریزی فوجوں کو باقاعدہ میدان سنبھالنے کے احکام دیئے جائیں۔ ان غارتگروں کی اصلیت کا پتہ اورنگ زیب اور مرہٹوں کی آویزشوں کے وقت تک چلتا ہے جنکی فوجوں کے ساتھ یہ گروہ لوٹ مار کی غرض سے میدان جنگ میں جایا کرتا تھا۔ جس وقت پیشوا نے مرہٹہ قوت کے ہندوستان میں قائم رکھنے کا اہتمام اپنے دونوں نائبوں یعنے سندھیا اور ہلکر کے سپرد کر دیا تو ان پنڈاروں نے بھی برائے نام اپنے تئیں ان دونوں کے لشکروں سے وابستہ کر لیا اور علیحدہ علیحدہ سندھیا شاہی پنڈارے اور ہلکر شاہی پنڈارے کے ناموں سے موسوم کیئے جاتے تھے لیکن انکو مرہٹہ لشکر کی حدود میں اپنا پڑاؤ ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان مرہٹہ سرداروں کو اسمیں فائدہ نظر آتا تھا کہ اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ ایسے غارتگروں کا ایک گروہ لگا رکھیں جو کوئی تنخواہ نہیں مانگتے تھے اور صرف بے صرفہ غارتگری کی اجازت پر قانع رہتے تھے اور دشمن کی بربادی کی تکمیل کے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پنڈاروں نے اپنا فائدہ اسمیں دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنا ایک بالواسطہ سا دور کا تعلق کسی نہ کسی حکومت سے ضرور قائم رکھیں جسکے دامن میں وہ ضرورت کے وقت پناہ لے سکیں۔ مگر ان مشترک اغراض سے یہ لازمی سمجھا نہیں ہو گیا تھا کہ جب کبھی پنڈارے اسمیں اپنا فائدہ دیکھتے ہوں تو وہ خود اپنے سرپرستوں کے علاقے پر ہاتھ صاف کرنے سے احتراز کرتے ہوں یا جب کبھی مرہٹہ سرداروں کے دل میں آتی ہو تو وہ پنڈارے سرغنوں کو گرفتار کر کے اُن سے

اور اُنکے تمام دور زندگی کے کارناموں میں کہیں کسی فیاضی یا پشت پناہی کا داغ دھبا نہیں نظر آتا۔ وہ اکثر چالیس پچاس میل روزانہ کے حساب سے کوچ کرتے تھے اور چونکہ وہ ایک جگہ زیادہ قیام نہیں کرسکتے تھے اسلیئے ہر گانوں کی لوٹ مار کا قصہ نہایت ہی جھٹ پٹ طے کر دیا جاتا تھا۔ اور مردوں اور عورتوں کو اپنا مال متاع بتانیکے لیئے ایسی ایسی اذیتیں دی جاتی تھیں کہ نہ دید نہ شنید۔ ملک میں اُنکی پیشقدمی کی علامت یہ تھی کہ تباہی و بربادی کا ایک دھارا بہتا چلا جاتا تھا کیونکہ جو کچھ وہ اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتے تھے اُسے جگہ کی جگہ برباد کر دیتے تھے۔

برطانوی علاقے پر حملہ ۱۸۱۲ء

کئی سال تک اُنکی غارتگرانہ تاختیں صرف نربدا کے حوالی اور نواب نظام الملک۔ پیشوا اور راجہ ناگپور کی سرحدوں تک محدود رہیں۔ لیکن جب یہ اضلاع کھوکھلے ہوگئے تو اُنکو اپنی تاختوں کا حلقہ وسیع کرنا پڑا اور ایک مرتبہ انھوں نے نربدا کے جنوب میں چار سو میل تک کے علاقے میں خوب بھاگ دوڑ کی اور بے روک ٹوک مال غنیمت سے لدے پھندے واپس آگئے۔ ۱۸۱۱ء کا دسہرا پچیس ہزار پنڈارے سواروں کے اجتماع سے منایا گیا اور انمیں سے پانچہزار کا ایک سیلاب ناگپور کے دروازوں تک لوٹ مار کرآیا اور اسکے پورے ایک علاقہ کو جلاکر خاک سیاہ کر آیا۔ دوسرے سال ۱۸۱۲ء میں ایک اور گروہ نے دوست محمد کی سرکردگی میں مرزاپور کا برطانوی علاقہ لوٹ لیا اور بے خطر بڑھتا ہوا گیا تک پہنچگیا جو پٹنے سے ۷۰ میل کے فاصلے پر ہے اور اس نئے میدان میں انھوں نے خوب ہی خوب نذرانے وصول کیئے اور پھر دریائے سیون کے مخرج پر جاکر ایسے غائب ہوگئے کہ کسی ایک انگریزی سپاہی کو اُنکی ہوا بھی نہ لگ سکی۔ یہ اُنکا پہلا حملہ برطانوی علاقے پر ہوا۔ اسکے ساتھ ہی دیسی ریاستوں پر وقت بیوقت تاختوں نے لارڈ منٹو کو مجبور کیا کہ وہ مجلس انتظامیہ کو یہ توجہ دلائے کہ مجلس موصوفہ یہ غور فرمائے کہ آیا ان بدنظمیوں اور چیرہ دستیوں کے ہوتے ہوئے یہ مناسب ہے کہ سخت

قید میں رکھا گیا۔ اور چھ لاکھ روپیہ فدیہ لیئے بغیر خلاصی نہیں دیگئی۔ کریم خاں کے آزاد ہوتے ہی پنڈاروں نے ہمیشہ سے زیادہ تعداد میں اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع کر دیا۔ چیتو کو بھی اُسنے کسی ترکیب سے اپنا شریک کرلیا۔ اور اُسنے امیر خاں سے بھی اتحاد کرلیا جو اُس وقت اپنے پورے زوروں میں تھا۔ ان کی مجموعی فوجوں کی تعداد ساٹھ ہزار سوار سے کم نہیں تھی۔ اور ہر کہ و مہ کا دل تمام وسط ہند میں اس ہولناک گروہ کے اجتماع سے لرزنے لگا تھا۔ اتفاق سے کریم خاں اور چیتو کی شرکت بالکل ہی چندروزہ ہوئی چونکہ چیتو کو کریم خاں کی ہمچشمی پر رشک تھا اسلیئے وہ سندھیا کے ایما سے اُسکا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا اور سندھیا نے کریم خاں کو تنہا پاکر اُسکے لشکر پہ حملہ کیا اور اُسکے زور کو بالکل توڑ پھوڑ کر رکھدیا ؎

غارتگری کا طریقہ

مندرجۂ صدر سرغنہ تمام پنڈاریوں کے مسلمہ سردار تھے اور جب اُنکے سالانہ خروج کا وقت آتا تھا تو دوسرے چھٹ بھیّے انکے لشکروں میں اپنے گروہوں کو لیکر جا ملتے تھے۔ ان فوجوں میں وہ لوگ بھرتی ہوتے تھے جنکو بدمعاشیوں کی وجہ سے ہموطنوں نے نکال باہر کردیا تھا۔ یا جو قرضخواہوں کے تقاضوں سے گھر چھوڑکر نکل کھڑے ہوئے تھے یا جو لوگ امن وسکون کی زندگی سے گھبراتے تھے اور فساد و فضیحت کی تلاش میں رہتے تھے۔ پنڈاروں کا جھنڈا دسہرے کے تہوار پر اُٹھایا جاتا تھا یعنے اواخر اکتوبر میں جبکہ بارش بند ہو چکتی تھی اور ندیاں پایاب ہو جاتی تھیں۔ بڑے تجربہ کار اور مسلمہ اولوالعزم سردار منتخب کیئے جاتے تھے جنکی سرکردگی میں چار پانچ ہزار کا گروہ دیدیا جاتا تھا جو سب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور چار چار چھ چھ گز کے بلّم اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کوئی خیمہ و خرگاہ نہیں رکھتے تھے اور وہ اپنے اور اپنے گھوڑوں کے لیئے کھانے دانیکا انتظام اُن مواضعات سے کرتے جاتے تھے جو وہ اپنی پیشقدمی کے سلسلے میں لوٹتے جاتے تھے۔ اُن میں ذات پات کے بھی جھگڑے بکھیڑے نہیں تھے نہ کوئی دھرم ایمان کا قصہ قضیہ پیش آتا تھا

بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور کوئی اخلاقی قوت سوائے حیوانی مدافعت کے اُنکو ان ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ غرض یہ کہ اس قسم کی پے در پے تصریحات و توضیحات سے اُسنے مجلس انتظامیہ کو اسپر آمادہ کر دیا کہ وہ عدم مداخلت کے احمقانہ اصول عمل کو ترک کر دے اور وہ اعلیٰ ترین اقتدار اقلیم ہند میں قائم کرے جو لارڈ منٹو کے جانشین نے اہل کر کے قائم کر دیا۔ پھر بھی لارڈ منٹو نے اس میں کمی نہیں کی کہ اپنے ہاتھ پہنچے تک ٹرا دنکور میں۔ ناگپور میں۔ بندیلکھنڈ میں اور سرہند میں تو انگریزی حکومت کا اقتدار مضبوطی سے قائم کر ہی دیا۔ اسکے ساتھ ہی یہ لارڈ منٹو ہی کو فخر حاصل ہے کہ اُسکے عہد حکومت میں ہندوستانی سمندروں میں سے تمام مخاصمانہ اور قزاقانہ جھنڈوں کا وجود دکھو دیا گیا اور برطانوی قوت کا وہ اقتدار حکومت تری پر قائم کر دیا گیا جسکو خشکی پر قائم کرنیسے اُنکو ممانعت کر دی گئی تھی ؛

نئے اجازت نامہ کے متعلق سلسلہ جنبانی۔

اب وہ وقت آتا جارہا تھا جبکہ کمپنی کے تجارتی اجارے کی تجدید کا سوال ایوان حکومت کے سامنے پیش تھا۔ ابتدائی مباحثہ جو وزارت اور لیڈن ہال سٹریٹ میں ہوا اُسمیں مجلس انتظامیہ نے بڑی لمبی چوڑی مراعات طلب کی تھیں جو رفتہ رفتہ واپس لینی پڑیں لیکن پھر بھی مجلس موصوفہ اس امر پر مصر رہی کہ اجازت نامے کی تجدید حسب سابق مکمل شرائط کے ساتھ کی جائے۔ بہر حال جماعت نگران کار کے صدر نے مجلس موصوفہ کو یہ اطلاع دیدی کہ وزارت نے یہ طے کر لیا ہے کہ آئندہ کے لئے انگلستان کے دوسرے تاجروں پر ہندوستانی تجارت کا دروازہ بند نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ پھر کے کمپنی اور وزارت کے درمیان امر تنقیح طلب صرف یہی ایک رہگیا کہ شخصی تاجروں کی حوصلہ مندیوں کے لئے انگلستان کے بندرگاہ بیرونی مال کی درآمد کے لئے کھلے رہنے چاہئیں یا نہیں۔ اور اسی خاص بات پر کمپنی بھی اڑ گئی۔ مجلس انتظامیہ کا کہنا یہ تھا کہ

باب ششم
فصل چہارم

غیر جانبداری کو قائم رکھا جائے یا یہ بہتر ہے کہ مصیبت زدہ مخلوق کی فریاد وزاری کو سنا جائے اور ان پنڈاروں اور پٹھانوں کی زبردستیوں کے مقابلے میں ان کمزور اور بے پناہ دیسی ریاستوں کی حفاظت کے لئے میدان سنبھالا جائے جو برطانیہ کی حمایت کی طلبگار ہیں۔ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے لارڈ منٹو نے دوسرا مراسلہ مجلس انتظامیہ کو بھیجا جس میں اسنے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ ان پنڈاروں کی روزافزوں تعداد انکی مہتم بالشان تنظیم اور انکی ہر لحظہ بڑھنے والی ہمت اس بات کی سخت متقاضی ہے کہ انکی یقینی سرکوبی کے لئے نہایت وسیع پیمانہ پر کارروائی کی جائے ؟

لارڈ منٹو کی شخصیت

لارڈ منٹو کے عہد حکومت کی قدر کبھی جیسی ہونی چاہیئے تھی ویسی نہیں کی گئی۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ اُسکا زمانہ لارڈ ولزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے نہایت زور شور اور شان شوکت والے زمانوں کے درمیان آکر واقع ہوا تھا۔ لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ لارڈ منٹو کے ہاتھ انڈیا ہاؤس کے دلنشین اصول عمل کی وجہ سے بندھے ہوئے تھے اور لارڈ منٹو کو یہ اصول پسند نہیں تھا۔ اُسنے مجلس انتظامیہ کو یہ یقین دلادیا تھا کہ انگریزوں کی طرف سے خواہ کتنے ہی مراعات دیئے جائیں یا علاقے واپس کیئے جائیں مگر انکا ہرگز یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ دیسی ریاستوں میں توازن قوت یا باہمی رواداری اُس وقت تک پیدا ہو سکے جب تک اُنکے ہاتھ میں ذاتی عظمت وشان کو بڑھانیکے ذرائع موجود ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی قوت یا سیاسی اقتدار کو گھٹا کر انگریزوں کا یہ امید رکھنا حماقت ہے کہ اُنکی حفاظت کی صورتیں زیادہ پیدا ہو جائینگی۔ دیسی رئیسوں کے لیئے جنگ غارتگری اور فتوحات مسلّمہ اصول عمل ہے۔ وہ اسکو نہایت جائز وحق بجانب مشغلہ اور ریاست کی شان بڑھانیکا خاص ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس مشغلے کی اُنکو مذہبی احکام سے رخصت ملی ہوئی ہے بلکہ بعض موقعوں پر تاکید کی گئی ہے اسلیئے وہ اسمیں انصاف کا کوئی لحاظ یا حیلہ پیدا کیئے بغیر مصروف ہو جاتے ہیں اور فرائض انسانی کو وحشیانہ طریقے پر پس پشت ڈالدیتے ہیں۔ اعتماد عامہ کو

(صفحہ ۳۰۷

باب ششم
فصل چہارم

بعد سے گزر چکے تھے اس عرصے میں حرفت وتجارت نے زمانۂ ماسبق کے مقابلے میں بہت زیادہ ترقی کرلی تھی اور سوداگروں اور مالکان کارخانہ جات یہ مطالبے کر رہے تھے کہ انکو انکے اپنے بندرگاہوں سے انکے اپنے جہازوں کے ذریعے سے ہندوستان کے ساتھ آزادانہ درآمد برآمد مال کی کرنے دی جائے اور مطالبات نے اس قدر زور پکڑا تھا کہ وزارت کو اس قومی آواز کا بند کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔ غرض یہ کہ ۲۲۔ مارچ ۱۸۱۳ء کو جماعت نگراں کار کے پریزیڈنٹ نے محکمۂ وزارت کی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کی حکومت بیس سال تک کمپنی کے ہاتھ میں رہنے دی جائے۔ اور اسکو یہ بھی آزادی حاصل رہے کہ وہ اپنی تجارت کے سلسلے کو بھی جاری رکھے مگر اسکے ساتھ ہی تمام قوم کو بھی یہ اجازت رہے کہ وہ اس تجارت میں حصہ لے سکے۔ مگر چین کے ساتھ تجارت کرنیکے حقوق صرف کمپنی ہی کے پاس رہیں اور ہندوستان میں اہل یورپ کی آمدورفت پر جو قیود عائد ہیں انکو اس درجہ کم کردیا جائے کہ وہ منسوخ ہونیکے برابر ہوجائیں منتظمین کی طرف سے شہادتیں اس تمام تجویز کی مجلس انتظامیہ ومجلس مالکان نے بڑی شد ومد سے مخالفت کی اور انھوں نے پارلیمنٹ میں یہ عرضداشت کی کہ انکو اپنے دعوے کی تائید میں شہادتیں پیش کرنیکی اجازت دی جائے۔ پہلا گواہ جو پیش ہوا وہ بڑا بوڑھا وارن ہیسٹنگز تھا جو اس وقت اسّی سال کی عمر میں تھا۔ آج سے چھبیس سال پہلے اسی گواہ کو ایوان عام کی طرف سے ملزم بناکر ایوان خاص کے کٹھرے میں کھڑا کیا گیا تھا اور اسپر سیہ کاریوں اور بدکرداریوں کے سخت الزامات لگائے گئے تھے۔ مگر وہ اس زمانے کے تعصبات ومخالفت پر غالب آچکا تھا اور اب جس وقت ایوان عام میں داخل ہوا تو تمام ایوان اسکی شخصیت اور اسکی حسن خدمات کی تعظیم کے لیئے خود بخود سروقد کھڑا ہوگیا۔ لیکن ہندوستانی حکمت عملی کے متعلق اسکے خیالات اس زمانے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ وہ ہندوستان

(صفحہ ۲۰۹

باب ششم
فصل چہارم
(صفحہ ۳۰۸)

جب تجارت کے مال کی درآمد علاوہ لندن کے دوسری بندرگاہوں پر ہونے لگے گی تو اس سے بڑے بڑے کارخانے توڑ دینے پڑینگے اور ہزارہا مخلوق روٹیوں کو محتاج ہوجائیگی۔ اور اس کثرت سے مال بلا ادا محصول سائر چھپ چھپ کر ملک میں آنے لگیگا کہ اُسکا کوئی علاج پھر نہیں ہوسکیگا جتنی تجارت ہے برباد ہوجائیگی اور کمپنی کے حصوں کی قیمت گھٹ جائیگی۔ کمپنی کی طاقت ہندوستان میں بالکل مفلوج ہوجائیگی اور ہندوستان کے باشندوں کی مرفہ الحالی خاک میں مل جائیگی اور صرف یہی نہیں ہوگا کہ ایشیا میں برطانیۂ عظمیٰ کے اغراض کو صدمہ پہنچے بلکہ یہ بھی یقینی ہوکر رہیگا کہ برطانوی نظام ایشیا میں بالکل درہم و برہم ہوجائے گا۔

مجلس انتظامیہ کی مخالفت

مگر وزارت پر ان ہولناک ڈراونی صورتوں کا کوئی اثر نہیں پڑا جو اجارہ داری کی جدت طرازی کے کرشمے تھے بلکہ وزارت نے مجلس انتظامیہ کو صاف الفاظ میں یہ اطلاع دیدی کہ اگر علاوہ کمپنی کے باقی افراد قوم کی تجارتی حقوق دینے سے ہندوستان پر حکومت قائم رکھنا ناممکن نظر آئیگا تو اس قیام حکومت کے لیئے وزارت کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کرلے گی جسمیں کافۃ الناس کی بہبودی اور نظام مملکت کی سلامتی یہ دونوں صورتیں نکل آئینگی۔ لیکن منتظمین و مالکان کمپنی کسی طرح کی ایسی مراعات دینے پر راضی نہیں ہوتے تھے اور انھوں نے یہ اعتماد ظاہر کیا کہ ایوان حکومت کبھی اس امر پر رضامند نہیں ہوگا کہ چند اہل غرض کے نظریات کی تائید کرنیکے لیئے ایک ایسے سلسلۂ تجارت کو منسوخ کردے جو دو صدی سے برابر جاری چلا آرہا ہے اور بیسیوں احکام ایوان حکومت کے اُسکی پشت پناہی پر ہیں۔ برخلاف اسکے کمپنی کے حصول اجارہ داری کے دعوے کی مخالفت تمام انگلستان بھر میں ہورہی تھی۔ جو بیس سال پہلے اجارے کے

باب ہفتم
فصل اول
(صفحہ ۳۱۱)

ہندوستان کی حالت ۱۸۱۳ء

لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے اس مشرقی تخت کو کوئی پھولوں کا بچھونا نہیں پایا۔ اس اصول عدم مداخلت نے نئی نئی جنگوں کے بیج بو دیئے تھے جسکو لیڈن ہال اسٹریٹ میں سیاسی دور اندیشی کا کمال سمجھا جاتا تھا اور جسکو دیسی رئیس بزدلی کی علامت سمجھتے تھے۔ ہلکر کی وحشت مزاجی نے آخر اُسکو بالکل مخبوط الحواس بنادیا تھا۔ اُسکی سلطنت کی قوت بالکل کمزور ہوگئی تھی اور امیر خاں نے اپنے قدم جما لیئے تھے اور تخت کے لیئے مدد آسمانی اور ملک کے لیئے بلائے ناگہانی بنگیا تھا۔ سندھیا کی فوجیں برابر اپنے ہمسایوں پر دستبرد کرکے اپنی قوت بڑھانے میں مصروف رہتی تھیں۔ پیشوا اپنے وسائل اسلیئے بڑھا رہا تھا کہ پہلا موقعہ ہاتھ آتے ہی برطانیہ کا جُوا اپنی گردن پر سے اتار کر پھینکدے۔ پنڈارے غارتگر پانسو میل طول اور چار سو میل عرض کے ملک میں برابر تباہی و بربادی پھیلا رہے تھے۔ اور بنگال و بہار کی شمالی سرحد پر ایک نئی طاقت اٹھکر انگریزی علاقوں پر حملے کررہی تھی اور نیپال کی پہاڑیوں میں سے نکلکر انگریزی علاقے پر بادل کی طرح چھائی چلی جاتی تھی۔ کمپنی کی فوج جو نئی کفایت شعاری کے خیال سے بہت کچھ تخفیف کی زد میں آچکی تھی بالکل اس قابل نہیں معلوم ہوتی تھی کہ سرحدات کی حفاظت کرسکے اور خزانہ خالی تھا۔

نیپال

پہلی اور فوری مشکل جو لارڈ ہیسٹنگز کو پیش آئی وہ نیپالیوں یا گورکھوں کی دست درازی تھی۔ وادی نیپال کوہ ہمالیہ کی آغوش میں آرام کرتی ہے۔ جسکے شمال میں کوہ ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیاں پہرہ دیتی ہیں اور جنوب میں اُسی پہاڑ کا پہلا اور سب سے نیچا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس سلسلۂ کوہی کے حاشیے پر ایک وسیع جنگل ہے جسمیں شروع سے اخر تک دیو قد درخت ہیں۔ اس جنگل کا عرض اٹھ سے دس میل تک ہے اور اسقدر گھنا ہے کہ ہوا کا کوئی جھونکا بھی اس کے وسط تک پہنچ نہیں سکتا۔ سڑے ہوئے

باب ہفتم
فصل اول

دیا گیا تھا۔ ۴۔ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو حلف اطاعت لیکر کونسل میں بہ حیثیت گورنر جنرل کے بیٹھا۔ وہ اس وقت ۵۹ سال کی پختہ عمر تک پہنچ چکا تھا۔ درازقد اور وجیہہ تھا اور نارمنڈی کے قدیم خاندان شاہی سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اُسکا رئیسانہ انداز سب سے الگ نظر آتا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ فوج میں داخل ہوا تھا اور امریکہ کی ہفت سالہ جنگ میں سات سال تک خدمات انجام دے چکا تھا۔ بعد کو اُسکی زندگی سلطنت کے اہم کاروبار سے تعلقات رکھنے میں صرف ہوتی رہی تھی اور وہ اپنے اس اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہوتے وقت اپنے ساتھ تجربات کا بڑا ذخیرہ۔ نہایت زبردست اخلاقی قوت۔ اور نہایت سلجھی ہوئی اور معاملہ فہم طبیعت لایا تھا جسکے ساتھ ہی ایک اور امتیاز یہ بھی تھا کہ اُسے شہزادہ کا ذاتی دوست ہونیکا بھی اعزاز حاصل تھا۔ اپنی ممبری ایوان حکومت کے زمانے میں اُسنے لارڈ ولزلی کی جنگبازی پر اور تمام ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو قائم کرنے کی حریصانہ حکمت عملی پر سختی کے ساتھ اظہار ملامت کیا تھا۔ لیکن اُسنے ہندوستانی سلطنت کی موجودہ اور آئندہ حالات پر ایک غائر نظر ڈالی ہے کہ اُسکی اگلی رائے بالکل تبدیل ہو گئی اور ابھی اُسے ہندوستان میں رہتے بہت سے مہینے نہیں گزرے تھے کہ اُسنے اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کی۔

> ہماری غایت ہندوستان میں یہ ہونی چاہیئے کہ ہم برطانوی گورنمنٹ کو اگر علی الاعلان سب پر اعلیٰ نہ ظاہر کرنا چاہیں تو حقیقت میں سب سے زبردست ضرور بنا لیں۔ اور دوسری ریاستوں کو اس امر پر مجبور کر لیں کہ وہ دو محکومانہ فرائض ہمیشہ ادا کرنیکے لیئے تیار رہیں۔ ایک یہ کہ اپنے پورے وسائل سے ہماری حکومت کو قائم رکھنے میں مدد کیا کریں دوسرے یہ کہ اپنے باہمی تنازعات کو ہماری ثالثی کے سپرد کر دیا کریں۔

باب ہفتم
فصل اول

سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن اُسے کوٹ کانگڑا کا محاصرہ اُٹھا کر اپنے ملک کو فوراً اسلیئے واپس ہونا پڑا کہ اُسکے ملک پر برطانوی گورنمنٹ کا حملہ شروع ہو گیا تھا؛

برطانوی علاقے پر نیپالیوں کی دست درازی

جس جنگ کا اب ہم تذکرہ کرتے ہیں اُس سے کوئی پچیس سال پہلے کے عرصے میں گورکھوں نے ہندوستان کی طرف کے میدان میں پیشقدمی کرنی شروع کردی تھی اور کم و بیش دو سو برطانوی مواضعات پر قبضہ کر لیا تھا اور اُنکے تمام خط سرحد پر سے برطانوی رعایا پر وقتاً فوقتاً یورشیں ہوتی رہتی تھیں۔ آخر کار اُنکی ہمت یہاں تک بڑھی کہ اُنھوں نے گورکھپور کے علاقے میں اضلاع بتول اور سیوراج پر قبضہ کر لیا۔ جو نواب وزیر اودھ نے ۱۸۰۲ء میں لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں کمپنی کو منتقل کر دیئے تھے۔ لارڈ منٹو حتی الامکان اس کوشش میں رہا کہ زبان تیغ سے سوال و جواب کی نوبت نہ آنے پائے اور اُسنے وزارت نیپال کے ساتھ ایک مجلس مشاورت منعقد کرنیکی تجویز کی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ لارڈ منٹو پر یہ واضح ہو گیا کہ نیپالیوں میں حق شناسی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ چنانچہ جون ۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو نے ان اضلاع کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا ورنہ گورنمنٹ ہند کو مجبوراً ہتھیار سنبھالنے کی ضرورت پڑیگی۔ لیکن نیپال کی مجلس حکومت نے ان اضلاع کے تخلیے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ جواب لارڈ ہیسٹنگز کے آجانیکے بعد کہیں آکر کلکتہ پہنچا اور تمام کاغذات کا بغور ملاحظہ کر لینے کے بعد اُسے یہ لازمی نظر آیا کہ ایک آخری مطالبہ اور یہ کرے کہ اضلاع متنازعہ کو پچیس دن کے اندر خالی کر دیا جائے۔ یہ میعاد بھی گذر گئی اور کھٹمنڈو سے کوئی جواب نہیں آیا۔ آخر کار لارڈ ہیسٹنگز نے گورکھپور کے مجسٹریٹ کو یہ حکم بھیجا کہ گورکھا افسروں کو زبردستی نکال دے؛

گورکھوں کا عزم جنگ

لارڈ ہیسٹنگز کے آخری مراسلے سے کھٹمنڈو میں

باب ہفتم
فصل اول

پتوں کی اس میں عفونت اسقدر ہے کہ جانوروں کا تو کیا ذکر پرندوں کو بھی اسکے اندر جانے کی جرات نہیں ہوتی۔ اس جھاڑی کے جنوب میں کوئی پانسو میل لنبا اور بیس میل چوڑا ایک مسطح میدان چلا جاتا ہے جسے ترائی کہتے ہیں اس ترائی کی زمین کے وہ چشمے آبیاری کرتے ہیں جو گرد و پیش کی پہاڑیوں میں سے نکلتے ہیں۔ جب کاشت کی جاتی ہے تو اس زمین میں بڑی زبردست پیداوار ہوتی ہے مگر سال کے اکثر حصے میں یہاں وہ وبائی امراض جو دلدلوں سے مخصوص ہیں پھیلے رہتے ہیں۔

گورکھوں کی ترقی و عروج

چودھویں صدی عیسوی کے وسطی زمانے میں کئی راجپوت قبیلے اس ملک میں گھس پڑے اور یہاں کے اصلی باشندوں پر جو نیواڑ کہلاتے تھے اپنی حکومت قائم کرلی اور کچھ زمانے کے اندر یہ سب قبیلے مل جلکر صرف تین قبیلوں میں تقسیم ہو کر رہگئے۔ پلاسی کی لڑائی سے کوئی دس سال بعد گورکھا قبیلے کے سردار پرتھی ترائن نے گرد و پیش کے دوسرے سرداروں کو مغلوب کرکے ایک نیا خاندان حکومت قائم کیا جسکا دارالحکومت کھٹمنڈو میں رکھا گیا۔ اسکی اولاد میں سے ایک شیر خوار بچہ ۱۸۰۰ء میں گدی نشین کیا گیا اور بھیم سین

(صفحہ ۳۱۲)

نے ایک مجلس مدار المہامی اپنی صدارت میں قائم کی۔ بانیِ خاندانِ حکومت نے جو فتوحات کا مذاق قوم میں پیدا کردیا تھا وہ اُتنے ہی جوش و خروش کے ساتھ اب تک قائم تھا۔ ایک فوجی مہم لاسہ پر بھیجی گئی اور مہاتما بدھ کا زندہ اوتار یعنے لامائے تبت اس انکسار پر مجبور کیا گیا کہ اپنے ہندو فاتحین کو خراج دیا کرے۔ لیکن بدھ مذہب کے دیتوی حامی شہنشاہ چین نے اس گستاخی کا بدلہ نیپال پر حملہ کرکے لے لیا۔ اور نیپالیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنے فرستادہ کے ہاتھ ہر تیسرے سال اپنا خراج چین کو بھیجا کریں۔ اسکے بعد کھٹمنڈو کی مجلس حکومت نے اپنی فتوحات کو جانب مشرق سکم تک بڑھایا اور مغرب میں ستلج کے بالائی حصے کے کوہستانی علاقے تک انکا ایک سربرآوردہ سپہ سالار امر سنگھ بڑھتا چلا گیا جہاں اُس کی رنجیت سنگھ

باب ہفتم
فصل اول

مڈبھیڑ میں گھسنا پڑا ہے اور مٹھی بالکل خالی ہے۔ اس قسم کے تمام اگلے موقعوں پر گورنمنٹ قرضے کی طرف رجوع کرتی تھی لیکن اس وقت اگر قرضہ بالکل محال نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا کیونکہ گورنمنٹ کی درشتی ہنڈیاں نو دس روپے سیکڑے کا بٹا کھا رہی تھیں اور بازار میں نقد روپیہ بارہ روپے سیکڑہ سے کم پر کہیں نہیں مل رہا تھا۔ اس تذبذب کے وقت اُسنے لکھنؤ کے اندوختے پر نظر ڈالی جو اسوقت سات کرور روپیہ تھا۔ نواب وزیر کو اسکی فکر تھی کہ کسی طرح برطانوی رزیڈنٹ کے تحکمانہ دخل در معقولات سے خلاصی پاسکے اور لارڈ ہیسٹنگز نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس آئے دن کی پریشانی سے اُسے ضرور نجات دلا دی جائیگی۔ اسوقت جو نواب وزیر نے یہ سنا کہ گورنمنٹ مالی مشکلات میں مبتلا ہے تو اُسنے بطور اظہار امتنان کے لارڈ ہیسٹنگز کی خدمت میں ایک کرور کا عطیہ پیش کرنا چاہا۔ لارڈ ہیسٹنگز لکھنؤ روانہ ہوا مگر ابھی وہاں پہنچنے نہ پایا تھا کہ نواب وزیر کا انتقال ہوگیا۔ لکھنو پہنچنے پر اُسکے گدی نشین بیٹے نے اس پیشکش کی تجدید کی لارڈ ہیسٹنگز نے یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ اس رقم کو بطور عطیہ یا نذرانے کے قبول کرے البتہ اُسنے اسکو بطور سودی قرضہ لے لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن اسکو اس امداد سے بہت کم فائدہ حاصل ہوا۔ پہلا قرضہ جو آٹھ فیصدی پر لیا گیا تھا جسکو گورنمنٹ چھ فیصدی میں تبدیل کرنیکی کوشش کر رہی تھی اسمیں سے ابھی تک کوئی پچاس لاکھ روپیہ باقی تھا۔ اور نائب صدر کونسل نے بغیر گورنر جنرل کی اطلاع و اجازت کے لکھنو کے قرضے میں کی نصف رقم اُس پہلے قرضے کی ادائگی کے کام میں لے لی اس حماقت نے لارڈ ہیسٹنگز کے وسائل جنگ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اُسکو اپنی فوج کشی میں بہت برا دن دیکھنا پڑتا اگر وہ ایک کرور اور مانگنے کی ذلت نہ گوارا کرتا جو پڑے پس وپیش کے بعد اسے دیا گیا۔

پیش قدمی کا نقشہ

نقشۂ جنگ کے متعلق لارڈ ہیسٹنگز کی رائے میں یہ بڑی غلطی تھی کہ تمام فوجی کارروائیوں کو صرف ایک خطا رحد کی

(صفحہ ۲۱۴)

باب ہفتم
فصل اول

ایک سنسنی پیدا ہو گئی اور مجلس حکومت کو یہ یقین ہو گیا کہ ان سرحدی مقامات کا قبضہ اب برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ صلح یا جنگ کی حیثیت میں متحیل ہو کر رہیگا۔ اس مسئلے پر بحث کرنے کے لیئے قومی مجلس شوریٰ طلب کی گئی۔ اس جلسے میں امر سنگھ نے یہ کہا:-

(صفحہ ۳۱۲)

میری زندگی صعوبات جنگ میں گذری ہے اور میں انکی مصیبتوں سے بالکل خوف نہیں کھاتا ہوں مگر میں برطانوی گورنمنٹ سے ساتھ لڑائی مول لینے سے اظہار بیزاری کرتا ہوں اور مجھے یہ یقین ہے کہ وہ قطعات زمین اتنے بڑے جوکھم کے قابل نہیں ہیں۔ یاد رکھیئے ہملوگ اب تک صرف ہرنوں کا شکار کرتے رہے ہیں مگر یہ شیر کے شکار کا موقع ہے۔

لیکن مدار المہام اور اُسکے جنبہ دار جنگ پر تلے ہوئے تھے اور انھوں نے گنگا سے تہمال کے اضلاع کی حوالگی کا مطالبہ کرنیکا عزم بالجزم کرلیا اور جنگ کو ناگزیر بنا دینے کے خاص ارادے سے ایک فوجی دستہ بتول بھیجا جسنے پولیس افسر اور اُسکے اٹھارہ سپاہیوں کو قتل کر ڈالا گورکھوں نے بیڑا میدان میں ڈالدیا تھا اور لارڈ ہیسٹنگز کے پاس سوائے اُسکے اُٹھا لینے کے کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہا تھا اور تمام معاملہ اس تعجیل میں سرآپڑا تھا کہ لیڈن ہال اسٹریٹ سے استصواب کرنیکا وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔ برطانوی قوت کے سامنے اس طرح خم ٹھونک کر کھڑے ہو جانا گورکھوں کی ایسی جرأت اور گستاخی تھی جسپر یقین سا نہیں آتا تھا۔ اُنکی تمام فوج کی تعداد بارہ ہزار سے زائد نہیں تھی اور وہ بھی بڑے طویل خط سرحد پر پھیلی ہوئی تھی اور اونکی بڑی سے بڑی توپ صرف دو سیر کا نوالہ لیتی تھی۔ لیکن کئی سال کی متواتر فتوحات نے اُنکے دلوں میں گھمنڈ پیدا کر دیا تھا۔ اونکی اصلی قوت اُنکے ملک کی دشوار گذاری اور انگریزوں کی اس ملک کے متعلق عدم معلومات تھی۔

لکھنؤ کا قرضہ | لارڈ ہیسٹنگز نے دیکھا کہ اُسے مجبوراً ایک کراری

باب ہفتم
فصل اول

دو ہزار تین سو گورکھوں نے اس جم غفیر کو ایک قدم نہیں آگے بڑھنے دیا۔ جنرل جے ایس وڈ کی فوج جو قلب نیپال میں گھس جانیکے لیئے پالیا ہو کر بھیجی گئی تھی اُسکو بھی اسی طرح ناقابلیت کے ساتھ مفلوج ہو کر پڑا رہنا پڑا ہے یعنے ساڑھے چار ہزار گورہ اور ہندوستانی سپاہی صرف بارہ سو گورکھا فوج کے مقابلے میں عہدہ برآ نہو سکے۔ لارڈ ہیسٹنگز کا بڑا خاص بھروسا جنرل مارلے کی آٹھ ہزار فوج پر تھا جسکا مقام مقصود دارالحکومت تھا جو انگریزی سرحد سے صرف سو میل پر واقع تھا لیکن جنرل مارلے اپنی کمزوری میں سب سے ہی سبقت لے گیا۔ (صفحہ ۳۱۵)
دو دستے مشرق و مغرب کی طرف بغیر احتیاط و پیش بندی کے بھیجدیئے گئے تھے اور گورکھوں نے اُنکی خاطر خواہ مدارات کی سپاہی تو میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور افسر اپنی فطری پامردی کے ساتھ ان ہی کام آگئے اور توپیں سامان حرب اور ذخائر سب کچھ دشمن کے قبضے میں آگیا۔ بدبخت جنرل مارلے نے پسپائی شروع کردی اور اگرچہ دو یورپین رجمنٹیں اسکی کمک کے لیئے آپہنچی تھیں مگر وہ کسی طرح جھاڑی کے اندر قدم بڑھانے پر رضامند نہیں ہوا اور ایک دن علی الصباح گھوڑے پر سوار ہوا اور بغیر کسی دوسرے افسر کو زمام قیادت سپرد کیئے ہوئے سرپٹ دیناپور کی چھاؤنی میں آکر دم لیا۔ جنرل مارج وڈ جو جنرل مارلے کی جگہ بھیجا گیا تھا وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح فوجی روح سے خالی تھا اور اس تمام فوج کی خدمات بالکل بیکار گئیں۔

ان شکستوں کے اثرات کمپنی کے ہندوستان میں ہتھیار اُٹھانیکے وقت سے یہ پہلی فوجکشی تھی جسمیں کمپنی کی سپاہ دشمن کی سپاہ سے اسقدر تعداد میں زیادہ ہو۔ انگریزوں کی ناکامی کی اصل وجہ اُنکے قائدوں کی سخت ناقابلیت ہوئی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس موقعے کی نزاکت کو نہایت تشویش کی نظروں سے دیکھا اور اپنے روزنامچے میں یہ اندراج کردیا کہ اگر ہمکو اس جنگ میں ناکامی ہوگئی تو یہ ہماری سلطنت کی سرنگونی کی طرف پہلا قدم ہوگا۔ یہ خبریں بڑے اہتمام کے ساتھ تمام ہندوستان میں پھیلائی گئیں اور اُنھوں نے دیسی رئیسوں کی پژمردہ اُمیدوں میں از سر نو جان ڈالدی

حفاظت پر مدد کر دیا جائے جو کئی سو میل لمبا تھا کیونکہ اسکی حفاظت کرنی ایک ایسے سرگرم اور منچلے دشمن کے مقابلے میں ناممکن تھی۔ اسکی سمجھ میں انگریزوں کی فوجی شہرت صرف اسی وقت قائم رہ سکتی تھی جبکہ گورکھوں کے سب سے زبردست معرکے کے مقاموں پر کامیاب جارحت کی جاسکے۔ چنانچہ اُسنے چار مقاموں پر چار مہمیں بھیجنی تجویز کی۔ مغربی مہم بالائے ستلج پر۔ مشرقی مہم خاص دار الحکومت پر اور دو دوسری مہمیں دو درمیانی مقامات ویلور۔ اور جا وا میں بڑی شہرت و نیکنامی حاصل کرنے والے جنرل جلیسپی کی ساڑھے تین ہزار فوج کی مہم سب سے پہلے میدان میں اُتری اور وادی دھون کی طرف بڑھی۔ اور ۱۸۱۴ء میں جنرل جلیسپی قلعہ کلنگا پر پہنچا جسکو چھ سو گورکھا فوج اپنے قبضہ میں لئے ہوئے تھی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے جنرل مذکور کو یہ تنبیہ کردی تھی کہ جہاں توپ خانے سے تسخیر ممکن ہو وہاں ہلہ بولنے کی غلطی ہرگز نہ کرے لیکن جنرل مذکور نے اپنی طبیعت کی لا اُبالی اور دلاوری کے تقاضے سے یہی عزم کیا کہ قلعہ کلنگا کو ہلہ بول کر فتح کرے۔ اور جس وقت وہ اپنے اُن سپاہیوں کے دل بڑھاتے کو پھاٹک کے قریب پہنچا جنکے قدم گورکھا آتش باری سے ڈگمگانے لگے تھے تو ایک گولی اسکے دل میں سے پار نکل گئی اور وہ اُنھیں قدموں ٹھنڈا ہو گیا فوراً قرنائے واپسی بجائی گئی لیکن اس سے پہلے بیس افسر اور دو سو چالیس سپاہی قتل اور زخمی ہو چکے تھے ؎

تین دستوں کی ناکامیابی مہینہ بھر تک دہلی سے بھاری توپ خانے کی آمد کا انتظار کیا جاتا رہا۔ جب وہ آیا اور کام کرنے لگا اور ایک جگہ راستہ بنا تو دوسرا ابھی گورکھوں نے لپا کر دیا جسمیں چھ سو اسّی کا نقصان انگریزی فوج کو اٹھانا پڑا۔ آخر تین دن کی متواتر گولہ باری نے قلعے کو ناقابل مدافعت بنا دیا اور بہادر گورکھا سپہ سالار اپنے ستر بچے ہوئے سپاہیوں کو لیکر قلعہ خالی کر گیا۔ اس دستے کی نیکنامی کو جنرل مارٹی ڈل نے بھی پھر زندہ نہیں کیا جسکے ہاتھ میں زمام قیادت بعد کو آگئی تھی۔ جنرل مذکور کی ماتحتی میں پانچ ہزار ہندوستانی اور ایک ہزار یورپین سپاہ تھی مگر

باب ہفتم
فصل اول

پہنچ جاسکتے تھے اور اُنکے بیچ بیچ میں جگہ جگہ گہری گھاٹیاں اور اُنمیں جھاڑیاں آجاتی تھیں۔ جنرل اختر لونی نے اپنے دشمن کی شجاعت کا اور اُسکے اعلیٰ درجے کے موقع کے فوائد کا صحیح اندازہ کر لیا تھا اسلیئے اُسنے اپنی غرض حاصل کرنیکے لیئے استقلال سے مگر نہایت آہستگی و احتیاط سے پیشقدمی شروع کی۔ اختر لونی نے لڑائی شروع کرتے ہی قلعۂ نالاگڈھ کو تیس گھنٹے کی مسلسل آتشباری کے بعد تسخیر کر لیا جسمیں صرف ایک یوریپین سپاہی ضائع ہوا۔ اسکے بعد پانچ مہینے تک برطانوی فوجوں کی بہادری کا برابر سے گورکھا فوجوں کی جانبازی نے مقابلہ کیا۔ اور برطانوی انجنیروں کے تمام داؤں پیچ کا گورکھا پختہ کاروں نے برابر توڑ اور کاٹ کر کر دیا۔ اب تک کمپنی کی فوج کو جتنی خدمات ادا کرنی ہوئی تھیں اُن سب میں یہ نہایت صبر آزما اور محنت طلب تھی ایک ایسے مقام پر جو سطح سمندر سے پانچہزار فٹ سے زائد بلند تھا۔ سال کے نہایت ہی سخت موسم میں۔ دو دو دن کی متواتر برف باری کے درمیان انگریزی مقدمتہ الجیش کو برابر توپوں کی گاڑیوں کے راستے نکالنے کیلیئے چٹانیں اُڑانے اور سڑکیں بنانے میں مصروف رہنا پڑتا تھا۔ کئی کئی دن ایسے گذر جاتے تھے کہ آدمی اور ہاتھی ان توپوں کو عمودی چوٹیوں پر گھسیٹنے میں برابر مصروف رہتے تھے۔ لیکن سپہ سالار کی ہمت مردانہ اور اس کام کی دقت طلبی نے تمام فوج میں ایک پامردی کی روح پھونک رکھی تھی اسیطرح پے درپے دلیرانہ و قابلانہ جنگی چالوں اور تدبیروں سے ہر چوٹی پر انگریزی فوج چڑھ گئی اور ہر قلعہ تسخیر ہو گیا اور صرف ایک قلعۂ ملون باقی رہ گیا۔ جنرل اختر لونی تو اس طرف مصروف کار تھا اور اُدھر لارڈ ہیسٹنگز نے کرنل گارڈنر کی سرکردگی میں تھوڑی سی بے قاعدہ فوج صوبہ الموڑہ پر قبضہ کرنیکے لیئے بھیجدی تھی۔ کرنل گارڈنر بڑی قابلیت کا سپہ سالار تھا اور جنگ مرہٹہ میں بہت سے کارہائے نمایاں کر چکا تھا۔ اسلیئے اپنی نئی ہندوستانی سپاہ کی مدد سے تمام صوبۂ الموڑہ سے گورکھوں کو مار کر نکال باہر کیا اور امر سنگھ اور کھٹمنڈو کے بیچ میں حائل ہو کر امر سنگھ کو ہر طرح کی کمک

باب ہفتم
فصل اول

اور اُن سب نے فوجی مظاہرے کرنے شروع کر دیئے۔ پیشوا نے خفیہ سفیر تمام درباروں میں حتیٰ کہ بنڈاریوں تک کے پاس بھیجے اور اسکی سربراہی میں گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف ایک خفیہ معاہدہ امداد باہمی کا طے پایا۔ سندھیا فوجیں انگریزی سرحد پر قواعد کرنے لگیں۔ امیر خاں نے پچیس ہزار سوار اور پیادہ کی جمعیت سے انگریزی علاقے سے بارہ منزل پر اپنا لشکر لا ڈالا۔ رنجیت سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ ستلج کے پایاب راستوں پر آپڑا۔ اور بیس ہزار پنڈارے بھی ہر موقعے پر یورش کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس نازک موقعے کا تدارک کرنیکے لئے مدراس کی جتنی فوج میسر ہو سکتی تھی سب دکن کی سرحد پر بھیجدی تازہ پیدل سپاہ بھرتی کرنی شروع کی اور نئے بیقاعدہ رسالے بھی تیار کیئے اور کل سپاہ کی تعداد اسی ہزار تک پہنچا دی۔ لیکن بقول ہندوستانیوں کے اس وقت تک کمپنی بہادر کا اقبال زور پر تھا۔ رنجیت سنگھ کو تو افغانوں کی یورش کے ناگہانی خطرے کی وجہ سے اپنے گھر جانا پڑا۔ سندھیا کے دونوں سپہ سالار بہت کچھ اختلاف کے بعد ایکدوسرے پر ٹوٹ پڑے پنڈاروں کے سرغنہ آپس میں لڑ مرے اور امیر خاں نے جودھپور کا علاقہ لوٹنے میں زیادہ فائدہ دیکھا اور جو کچھ مصیبت کی گھٹائیں چھائی رہگئی تھیں اُنکو جنرل اختر لونی کی فتح کی ہوا بندھ جانے سے بالکل ہی صاف اُڑا دیا۔

(صفحہ ۳۱۶)

جنرل اختر لونی کی کارگذاری | اس قابل سپہ سالار کی فوج کو اس کام پر متعین کیا گیا تھا کہ گورکھوں کو اُس علاقے سے نکال باہر کر دے جو اُنھوں نے بالائے ستلج میں حاصل کر لیا تھا اور جہاں کی گورکھا فوج کا سپہ سالار امر سنگھ تھا۔ گویا گورکھوں کا سب سے قابل سپہ سالار انگریزوں کے سب سے قابل سپہ سالار کے مقابلے میں تھا۔ میدان کارزار ایک خشتناک سنگلاخ علاقہ تھا جسمیں کئی یکے بعد دیگرے سلسلے پہاڑوں کے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے ہمالیہ کی سربفلک چوٹیوں تک

باب ہفتم
فصل اول

جنرل اختر لونی کو اسکی قیادت سپرد کر دیگئی۔ جس نے اپنے معمولی حزم و احتیاط کے ساتھ پیشقدمی شروع کر دی۔ پہلے ہی دن میں جب اختر لونی نے جب گورکھا مورچوں کو نا قابل تسخیر پایا تو دشمن کے بازو کو الٹ دینے کا عزم کیا اور ۱۴۔ فروری ۱۸۱۶ء کی رات کو بالکل سناٹے میں ایک دستہ فوج کو لیکر ایک ایسی تنگ و تاریک گھاٹی میں سے ہو کر چلا جسمیں بیس آدمی پوری فوج کو اپنی جگہ پر روک سکتے تھے۔ اس گھاٹی سے گزر کر یہ دستہ دو دن رات بے آب و دانہ اور بے پناہ اس انتظار میں ٹھیرا رہا کہ دوسرا دستہ بھی آملے۔ پھر دونوں دستے قلعۂ کلورن پور پر بڑھے جو کھٹمنڈو سے پچاس میل پر واقع ہے۔ یہاں گورکھا فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اب مجلس حکومت کا جنگی غرور بالکل ٹوٹ چکا تھا اور صلحنامے کی باقاعدہ تصدیق کر کے نہایت تیزی کے ساتھ بھیجدیا گیا اور دوسری مارچ ۱۸۱۶ء کو ایسی شرائط پر صلح ہو گئی جو اعتدال کی وجہ سے بے نظیر ہیں۔ گورکھے انگریزوں کے تمام منخاصمین میں سب سے زیادہ بہادر ہی نہیں بلکہ سب سے زیادہ انسانی دشمن ثابت ہوئے اور وہ اپنی بات کے بھی سب سے زیادہ پکے نکلے ہیں۔ ہندوستانی رئیسوں کے دوسرے معاہدوں کی طرح کبھی اس صلحنامۂ ۱۸۱۶ء کی خلاف ورزی نہیں کی گئی ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی مصیبت سے ناجائز فائدہ اٹھانیکے بجائے ان بہادروں نے ایک زبردست فوج انگریزوں کو اس غدر کے فرو کرنے میں امداد دینے کے لیے بھیجی تھی۔

فصل دوم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت۔ دیسی رئیسوں کے ساتھ معاملات۔ جنگ مرہٹہ و پنڈاری

پٹھان اور پنڈارے　|　لارڈ ولزلی کے اصول عمل کو مجلس انتظامیہ نے نہایت

باب ہفتم
فصل اول

سے بالکل محروم کر دیا۔ اکثر گورکھا سرداروں نے امر سنگھ سے یہ التجا کی کہ جنرل اختر لونی سے کوئی شرائط طے کر لے مگر اس بوڑھے جانباز نے انکی نصیحت کی طرف سے منھ پھیر لیا چنانچہ اکثر نے آکر اپنے تئیں انگریزی لشکر میں حوالے کر دیا۔ امر سنگھ صرف اپنے دو سو بہادروں کے ساتھ ملون میں قلعہ بند ہو گیا لیکن جسوقت قلعہ شکن توپ خانہ اس قلعے پر آتشباری کرنیوالا تھا کہ امر سنگھ

(بسقوط ۳۱۶)

کو اس کس مپرسی اور تنہائی کی حالت میں اُن بہادروں کی جانوں کا قربان کرنا گوارا نہیں ہوا جنھوں نے آخر وقت تک اسکا ساتھ نہیں چھوڑا تھا چنانچہ اُسنے وہ شرطیں منظور کر لیں جو اُسکے بہادر دشمن نے پیش کی تھیں۔ جنرل اختر لونی نے اپنے دشمن کی قابلیت اسکی بہادری اور اپنے ملک کی حفاظت کرنے میں اظہار وفاداری کی قدر کرکے امر سنگھ کو یہ اجازت دیدی کہ وہ مع اپنے ساتھیوں کے اپنے ہتھیار لیئے ہوئے اپنے جھنڈے اڑاتا ہوا اور اپنا ذاتی مال ومنال ساتھ لیکر قلعے سے نکل جائے۔

دوسری گورکھا فوجکشی

اپنے قابل ترین سپہ سالار کی اس بے بسی کو دیکھکر اور اپنے سب سے قیمتی مقبوضات کے نقصان کو اندازہ کرکے نیپال کی مجلس حکومت کے دل سے اپنے پہاڑی قلعوں کی وقعت بالکل جاتی رہی اور وہ گفتگو سے صلح کرنے پر رضامند ہو گئی۔ گورکھے قائم مقام سگولی پر آ گئے اور ۲۰ دسمبر ۱۸۱۵ء کو ایک صلحنامے پر دستخط کر دیئے۔ اور یہ وعدہ کیا کہ مجلس حکومت کی طرف سے اسکی تصدیق دو ہفتے کے اندر ہو کر آ جائیگی چنانچہ تکمیل صلح کے اعزاز میں کلکتے میں سلامی کی توپیں بھی سر کر دی گئیں۔ مگر مصدقہ صلحنامہ واپس نہیں آیا۔ امر سنگھ اور اوسکا بیٹا کھٹمنڈو پہنچ چکے تھے اور انھوں نے مجلس حکومت کو اس امر پر مجبور کیا تھا کہ جنگ کو جاری رکھا جائے اور چپہ چپہ زمین پر جی توڑ کر لڑا جائے۔ چنانچہ دوسری فوجکشی ناگزیر ہو گئی اور لارڈ ہیسٹنگز کو نہایت تعجیل میں فوج اسلیئے جمع کرنی پڑی کہ بارش شروع ہونے سے پہلے دار الحکومت پر ایک ضرب کاری لگائی جا سکے۔ سرحد پر بیس ہزار فوج جلد جمع کر دیگئی اور

باب ہفتم
فصل دوم

اور وہ سر جارج بارلو کی رجعت پسند حکمت عملی کا مقلد تھا۔ دوسرے ممبر مسٹر ووڈ وشویل میں سر جارج بارلو کی تمام تنگ خیالیاں موجود تھیں مگر اپنے مقتدا کی قابلیتوں کا ایک شمہ بھی نہیں تھا۔ لارڈ ہیسٹنگز کی عرضداشت کے جواب میں مجلس انتظامیہ نے اپنے پرانے اصول عدم مداخلت پر قائم رہتے ہوئے لارڈ موصوف کو صاف الفاظ میں ممانعت کر دی کہ پنڈاروں کے خلاف کسی اتحاد عام میں یا مجارحانہ کارروائی میں ہرگز شرکت نکرے خواہ اسکی غرض اُنکا استیصال کامل ہو خواہ اُنکی طرف سے کسی آئندہ خطرے کی مدافعت ہو۔ مجلس موصوفہ نے لارڈ ہیسٹنگز کو یہ حکم دیدیا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار نکرے جس سے سندھیا کے ساتھ بگڑ کر الجھانی پڑے اور سیاسی تعلقات کے موجودہ انداز میں کسی قسم کا تغیر و تبدل روا رکھے۔ اُس حکمت عملی کے سلسلے کو قائم رکھے جسکا سر جارج بارلو نے اتباع کیا تھا۔ فوج کی قوت کو گھٹا دے اور سخت کفایت شعاری پر عمل پیرا ہوتا رہے۔

(صفحہ ۳۱۹)

مجوزہ اتحاد ۱۸۱۴ء

اس جواب کے پہنچنے سے پہلے لارڈ ہیسٹنگز اس ارادے سے راجہ ناگپور کے ساتھ حمایتی معاہدے کے متعلق نامہ و پیام شروع کر چکا تھا کہ پنڈاروں کو نربدا کے عبور کرنے سے روکدیا جاسکے۔ مجلس انتظامیہ نے پانچ چھ سال پہلے اس قسم کے معاہدے کو پسند فرما لیا تھا مگر اب راجہ اس تجویز کی برابر مخالفت کر رہا تھا۔ اسپر لارڈ ہیسٹنگز نے اسی قسم کے ایک معاہدے کی تجویز بھوپال کے ساتھ اس امید پر پیش کی کہ پنڈاروں کے روکنے میں مدد مل سکے گی بھوپال مالوہ کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو وادی نربدا میں برطانوی علاقے اور پنڈاری مستقر کے مابین واقع تھی۔ یہیں کا رئیس ایک ایسا سردار تھا جسنے ۱۷۷۸ء میں جنرل گوڈارڈ کی مہم کو راستے میں کسی قسم کی امداد دی تھی اور اس موقع پر جو اسناد جنرل موصوف نے دی تھیں وہ اب تک فخر و امتیاز کے ساتھ اس شریف خاندان حکومت کے خاندانی تحائف میں محفوظ ہیں ۱۸۱۳ء میں سندھیا اور راجہ ناگپور نے ایک اتحاد اس غرض سے کیا کہ بھوپال کے علاقے کو ہضم کر جائیں اور

باب ہفتم
فصل دوم

سختی سے ناپسند کیا تھا لیکن اسکی عمدگی اُن مصیبتوں سے اچھی طرح ثابت ہوگئی جو اس حکمت عملی کو ترک کردینے سے نازل ہونے لگیں اور تمام وسط ہند کو پٹھانوں اور پنڈاروں نے تباہ وبرباد کرکے رکھدیا۔ امیر خاں پٹھان نے ایک باقاعدہ حکومت قائم کرلی تھی مگر ابھی غارتگرانہ عنصر اُسمیں نمایاں تھا۔ اُسکی فوج کی تعداد دس ہزار پیدل اور پندرہ ہزار سوار کی تھی جسکے ساتھ ایک زبردست توپخانہ تھا اور چونکہ اُسکا اصل منصوبہ یہ ہوتا تھا کہ وہ رئیسوں اور ریاستوں سے نذرانے وصول کرتا پھرے اسلیئے وہ ہمیشہ محاصرے کی اور میدانی لڑائیوں کے تمام آلات حرب سے تیار ہوکر خروج کرتا تھا۔ پنڈاروں کی غرض عالمگیر اور بے صرفہ غارتگری ہوتی تھی اور وہ تمام ملک میں اس درجہ سرعت سے جھاڑو دیتے چلے جاتے تھے کہ انکی نقل وحرکت کا اندازہ محال ہوتا تھا اور کسی طرح اُنکے تعاقب میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے ہندوستان پہنچکر خاص قلب ہند میں پچاس ہزار پنڈاروں اور پٹھانوں کو قتل وغارت پر گزر اوقات کرتے پایا اور انکی غارتگرانہ تاختیں اتنے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں جو انگلستان سے بھی وسعت میں زیادہ تھا۔

مجلس انتظامیہ کی خدمت میں گورنر جنرل کی عرضداشتیں

لارڈ ہیسٹنگز کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ لارڈ منٹو سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں مجلس انتظامیہ پر اس غارتگر طاقت کے روز افزوں خطرات کو اچھی طرح واضح کردے۔ اُسنے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ ہندوستان کو اُس وقت تک خوشحالی نصیب نہیں ہوسکتی جبتک انگریزی گورنمنٹ کسی ایسے اتحاد کی سرپرست نہو جائے جسکے حیطۂ اختیار میں ہر قسم کی قوت آجائے اور اس قابل نہو جائے کہ اپنی پوری قوت کو ہر نقض امن کی سرکوبی کرنے میں صرف کرسکے۔ لیکن اس اصول عمل کی کونسل کے دونوں ممبروں نے بڑے اہتمام سے مخالفت کی۔ ایک ممبر مسٹر ایڈمنسٹن میں پرانے تجربے کے ساتھ ہی اعلیٰ درجے کی انتظامی قابلیت ضرور موجود تھی مگر اُسمیں ایک مدبّر سلطنت کی وہی قابلیتیں نہیں تھیں

بڑے باجگذار دنکی جاگیروں پر جو دکنی جاگیردار کہلاتے تھے ہاتھ صاف کرنیکی بہت کوشش کی جنمیں سے بعض اُنکے خاندان سے بھی زیادہ قدامت استحقاق کے مدعی تھے۔ مگر برطانوی رزیڈنٹ کی مداخلت سے وہ ان ارادوں میں کامیاب نہو سکا جس سے اسکی بیزاری برطانیہ کی طرف سے اور ترقی کر گئی۔

سنہ ۱۸۱۳ء کے قریب ایک شخص مسمی ترمبک جی ڈانگلیا جو دراصل سررشتہ پرچہ نویسی میں ملازم تھا اُسکے خاص خدمتگاروں میں داخل ہوگیا اور اپنی ذہانت اور مستعدی کی وجہ سے بالخصوص اپنے آقا کی قرمساقی کی وجہ سے اُسنے پیشوا کی طبیعت پر پورا قابو پا لیا۔ وہ اپنے آقا کے ساتھ اس درجہ غلامانہ اطاعت شعاری کا اظہار کرتا تھا کہ اُسنے ایک مرتبہ برطانوی رزیڈنٹ سے یہ کہدیا کہ اُن داتا اگر حکم دیں تو میں گئو ہتھیا کرنیکو تیار ہوں۔ انگریزی حکومت کے ساتھ اُسے ایک للہی بیر بغض تھا اور وہ برابر پیشوا کو اسپر ابھارتا رہتا تھا کہ کسی طرح انگریزوں کے اتحاد کو منقطع کردے اور مرہٹہ برادری کے سرِ پنچ کی حیثیت سے اپنی خودمختاری کا اعلان کردے۔

گیکواڑ پر پیشوا کے دعوے پیشوا کے کئی دعوے گیکواڑ پر کوئی پچاس سال پہلے سے چلے آرہے تھے جنکی مجموعی مقدار مع سود کے تین کروڑ سے کچھ ہی کم تک پہنچتی تھی۔ گیکواڑ نے بھی تقریباً اسی قدر رقم کے جواب دعوے پیشوا کے خلاف نکالے اور اپنے خاص کارباری گنگا دھر شاستری کی حساب فہمی کے لیئے پونا روانہ کیا۔ لیکن کارباری مذکور نے بغیر رزیڈنٹ کی کفالت کے پونا میں داخل ہونا نہیں پسند کیا۔ اُسکا خیر مقدم نہایت ذلت کے ساتھ کیا گیا اور روز کی لیت و لعل سے وہ اسقدر بہ تنگ آگیا کہ اُسنے بڑودہ واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اسپر ترمبک جی نے اپنے توڑ جوڑ کو بدل دیا اور اُسکو اپنے آقا پیشوا کے اغراض سے متفق کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا یہاں تک کہ پیشوا نے شاستری کے بیٹے کو اپنی سالی دینے کا بھی وعدہ کر لیا۔ اسی طرح شاستری کو اسپر بہکا لیا گیا کہ اُسنے گیکواڑ کے سات لاکھ روپے سالانہ آمدنی کی اراضی کے دعوے سے بغیر گیکواڑ یا رزیڈنٹ کی اطلاع کے

باب ہفتم
فصل دوم

بھوپال کے سربرآوردہ وزیر مسمی وزیر محمد پر ساٹھ ہزار فوج چڑھا لائے جسنے متواتر دو سال تک دار الحکومت کو محصور رکھا۔ وزیر موصوف نے گورنمنٹ برطانیہ سے امداد کی التجا کی اور لارڈ ہیسٹنگز نے یہ خیال کیا کہ جو موجودہ حالت وسط ہند کی ہو رہی ہے اُس کے اعتبار سے یہ اشد ضروری تھا کہ بھوپال جیسی ریاست کو بالکل فنا ہو جانے سے بچا لیا جائے چنانچہ لارڈ موصوف نے دونو مرہٹہ حملہ آروں کو ۱۸۱۳ء میں اطلاع دیدی کہ بھوپال برطانیہ کی حمایت میں آچکا ہے۔ اسپر راجہ ناگپور نے تو کچھہ پس و پیش کے بعد اپنی فوجیں ہٹالیں مگر سندھیا نے کچھہ تحکمانہ لہجہ اختیار کرلیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نیپال میں متواتر تین شکستیں اٹھانی پڑی تھیں اور سندھیا نے یہ جواب دیدیا کہ بھوپال اُسکی باجگذار ریاست ہے اور سر جارج بارلو کے ۱۸۰۶ء کے معاہدے کے موافق گورنمنٹ برطانیہ کو اُسکے اور سندھیا کے معاملات میں مداخلت کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر ادھر تو لارڈ ہیسٹنگز نے اپنا مطالبہ تسلیم کرانیکے لئے نہایت زبردست تیاریاں شروع کردیں اور ادھر جنرل اختر لونی کو فتح نصیب ہوگئی اس سے سندھیا کے قدم ڈگمگا گئے اُسکے دونوں جنرل عین بھوپال کی دیواروں کے تلے ایکدوسرے پر حملہ کر بیٹھے اور محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ مگر بھوپال کے ساتھ اتحاد قائم کرنیکا منصوبہ بھی اس وقت ملتوی ہوگیا۔

معاملات پونا

اس اثنا میں باجی راؤ پیشوا کی برطانوی گورنمنٹ سے مڈبھیڑ ہوگئی جسکا انجام پیشوا کی تباہی پر ہوا۔ اس پیشوا میں کوئی ایسی قابلیت حکمرانی نہیں تھی جسکی وجہ سے اُسکے مورثان اعلیٰ ممتاز رہ چکے تھے۔ اور اسنے اپنے تمام منصوبوں کی کامیابی کو صرف سازشوں اور غداریوں پر موقوف کر رکھا تھا۔ باجی راؤ حرص اور اوہام پرستی کا بندہ تھا۔ اُسنے دس سال کے عرصے میں پانچ کروڑ روپیہ جمع کرلیا تھا مگر وہ برہمنوں اور مندروں کو دان پن کرنے میں نہایت مسرف تھا اور اسکا تمام وقت ایک تیرتھ سے دوسری تیرتھ کی جاترا میں صرف ہوتا تھا۔ اُسنے اپنے

(صفحہ ۳۲۲)

باب ہفتم
فصل دوم

پورا پورا اقبال کر لیا مگر یہ بھی ساتھ ہی کہدیا کہ اُسنے بغیر اپنے مالک کے حکم کے اسکا ارتکاب نہیں کیا ہے؟

لارڈ ہیسٹنگز کی دوسری عرضداشت

لارڈ ہیسٹنگز اختتام ۱۸۱۵ء پر کلکتہ پہنچا اور کونسل کے روزنامچہ خاص میں ہمیشہ سے زیادہ زبردست الفاظ میں نہایت تفصیلی اندراج اس روزافزوں خطرے کا کیا جو پنڈاریوں کی ترقی سے پیدا ہوگیا تھا اور اس خطرے کا سدباب کرنیکے لیئے اُسنے کمپنی کی سرپرستی میں ایک اتحاد عامہ کی تجویز کی اور دیسی ریاستوں کے ساتھ کمپنی کے تعلقات کو محتاج نظر ثانی قرار دیا اور مرہٹہ ممالک کی از سر نو حدبست کی ضرورت ظاہر کی۔ اُسکے دونوں ہمعصر اراکین کونسل نے اس تجویز کی مخالفت کی اور یہ تمام معرکتہ الآرا مباحثہ لفظ بلفظ انڈیا ہاؤس کے ملاحظے اور احکام مناسب کے لیئے بھیجدیا گیا۔ ابھی یہ تحریریں راستہ ہی میں تھیں کہ واقعات نے وہ صورت اختیار کرلی کہ فوری کارروائی کرنیکی ضرورت آپڑی۔ دسہرے کا تہوار جبکہ موسم سرما کی کارروائیوں کا خاکہ کھینچا جاتا تھا اکتوبر ۱۸۱۵ء میں چیتو کے مستقر واقع نیماڑ پر منایا گیا۔ اس دفعہ پنڈاروں کا ایسا زبردست اجتماع ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور اُنکی اس موسم سرما کی تمام کارروائیوں کی جولانگاہ مملکت کمپنی و مملکت نظام تھیں۔ آٹھ ہزار غارتگروں کی ایک فوج نے اکتوبر ۱۸۱۵ء میں نربدا کو عبور کیا اور نواب نظام الملک کے صوبہ جات کو جنوب کی طرف دریائے کشنا تک روند ڈالا اور اس قدر مال غنیمت سے لدے ہوئے واپس لوٹے کہ ہر طرف سے اسکی خریداری کے لیئے سوداگروں کو دعوت دیگئی۔ اس غیر معمولی کامیابی نے پنڈاروں کے جھنڈے تلے ہزاروں نئے کھلاڑیوں کو کھینچ بلایا اور پھر تیئیس ۲۳ ہزار کا ایک غول فروری ۱۸۱۶ء میں نربدا سے پار اُترا۔ انہیں کے ایک زبردست دستے نے شمالی سرکار پر یورش کی اور ساحل کورومنڈل کے ملکی مستقر گنتور کو لوٹ لیا اور قرب و جوار کے

(صفحہ ۳۲۲)

باب ہفتم
فصل دوم

بہ اختیار خود دست برداری داخل کردی۔ موعودہ تقریب شادی کے لیئے جوتشیوں نے ایک سبھ گھڑی نکال دی اور بڑی شان وشوکت سے اسکے لیئے تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن شاستری کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُسکے آقا گیکواڑ نے اُسکے فیصلے کو نامنظور کر دیا ہے تو اُسنے یہ التجا کی کہ بالفعل اس تقریب کو ملتوی کر دیا جائے۔ پیشوا نے اس حرکت کو اس درجہ ناقابل معافی قرار دیا جسکی تلافی صرف شاستری کے خون سے ہوسکتی تھی ٭

شاستری کا قتل ۱۸۱۵ء

چنانچہ شاستری کو یہ ترغیب دیگئی کہ وہ پیشوا کی ہمرکابی میں پنڈرپور کی جاترا کو چلے۔ اگرچہ شاستری کو اس خطرے کی طرف سے آگاہ کر دیا گیا تھا مگر وہ وہاں گیا اور ترمبک جی کے اصرار سے ایسا مجبور ہوا کہ وہاں پہنچنے کے بعد درشن کے لیئے شام پڑے کے بعد پڑاؤ سے نکل کھڑا ہوا۔ واپسی میں اُسے غلط راستے پر لگا دیا گیا اور چپکے سے قتل کر ڈالا گیا۔ ایک بڑے درجے کے اور شاستروں کے ودوان برہمن کا ایک مقدس شہر میں خاص جاترا کے زمانہ مندر کے بالکل قریب مارا جانا ایسا واقعہ تھا جس سے تمام مرہٹہ برادری میں سنسنی پھیل گئی مگر آخر وہ ایسے رئیس کا وزیر تھا جو انگریزوں کا دوست تھا اور پونا میں انگریزی بدرقے کے گھمنڈ میں داخل ہوا تھا۔ رزیڈنٹ نے فوری صیغے میں نہایت سرگرمی کے ساتھ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس قتل میں ترمبک جی کی سازش کا پتا لگا کر پیشوا سے اسکی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ پیشوا نے اس مطالبے کی تکمیل سے اصرار کے ساتھ انکار کیا اور اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور باوجودیکہ اُسے کسی دوسرے مرہٹہ سردار کی طرف سے امداد کی کوئی امید نہیں دلائی گئی تھی مگر اُسنے اپنے بل بوتے پر اپنا جھنڈا بلند کرنیکا عزم کر لیا۔ لیکن مسٹر انفسٹن نے بطور پیش بندی کے انگریزی فوجیں پونا میں پہلے ہی سے بلا لی تھیں۔ آخر کار باجی راؤ کی طبعی بزدلی اُسکے تمام دیگر خیالات پر غالب آگئی اور اُسنے اپنے پٹھو کو اس شرط پر حوالے کر دیا کہ اُسکی جان بخشی فرمائی جائے۔ ترمبک جی کو قلعۂ تنا میں محبوس کر دیا گیا جہاں اُسنے اس قتل کا

صفحہ ۱۳۰۳

باب ہفتم
فصل دوم

قابل نہو سکیں گے۔ اسکے کچھ ہی دن بعد انڈیا ہاؤس کا مراسلہ وصول ہوا جسمیں اس اجازت کو منسوخ کیا گیا تھا جو راجہ ناگپور سے اتحاد قائم کرنیکی اتنے سال پہلے دی جا چکی تھی مگر یہ حکم اتنی دیر سے پہنچا کہ اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ٭

جے پور کے ساتھ مجوزہ معاہدہ

مجلس انتظامیہ نے ۱۸۱۳ء میں جے پور کے ساتھ معاہدۂ حفاظت کی تجدید کرنیکی منظوری دیدی تھی جسکو سر جارج بارلو نے فسخ کر دیا تھا۔ امیر خاں اور اسکے لیٹرے جودھپور کو تاخت و تاراج کر کے اس ریاست پر آ کر پڑے اور خاص شہر جے پور کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ نے سر چارلس مٹکاف رزیڈنٹ مقیم دہلی کے پاس سفیر بھیجا اور گورنمنٹ سے حمایت و حفاظت کی التجا کی۔ اسوقت مسٹر سٹین کی ممبری پر انتخاب ہو جانے سے لارڈ ہیسٹنگز کا زور بندھ گیا تھا کیونکہ یہ ممبر ہمیشہ گورنر جنرل کے موافق رائے دیتا تھا۔ اسلیئے لارڈ ہیسٹنگز نے مجلس انتظامیہ کے ۱۸۱۳ء کی اجازت کا فائدہ اٹھا کر مجوزہ اتحاد کو قائم کرنا چاہا۔ فوج کے دو دستے نو نو ہزار کی تعداد کے میدان میں اسلیئے بھیجے گئے کہ جا کر پٹھانوں کو جے پور سے نکال باہر کریں اور اگر سندھیا یا ہلکر کوئی مزاحمت کریں تو انسے بھی سمجھ لیں کیونکہ ان دونوں نے ایک مرتبہ اس ریاست کے علاقوں کو لوٹ لیا تھا اور اس وقت سے اس خیال میں تھے کہ یہ ملک انکا محکوم ہے۔ ساتھ ہی اسکے پیشوا۔ نواب نظام الملک۔ گیکواڑ اور ناگپور کی حمایتی فوجوں کو بھی پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔ لیکن راجہ جے پور اس کیبروں میں ایسے معاہدہ کی بیڑیاں ڈالنی پسند نہیں کرتا تھا اور خاص مشرقی حکمت عملی کے معنے کے مطابق اُسنے خود امیر خاں سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اُسکو انگریزی معاہدہ پر دستخط کر کے انگریزی فوج اسکے خلاف لانیکی دھمکی دی اور محاصرہ اٹھوا دینے میں کامیاب ہو گیا ٭

(صفحہ ۳۲۴)

انگلستان کے مراسلے

مسٹر جارج کیننگ جو انگریز مدبرین میں نہایت

باب ہفتم
فصل دوم

مواضع پر دس دن تک نہایت بے باکی سے لوٹ مار مچاتا رہا۔ خبریں پہنچتے ہی کلکتے سے فوراً سمندر کے راستے فوجیں بھیجی گئیں لیکن پنڈارے ان کے پہنچنے سے پہلے غائب ہو چکے تھے اور اسکا تعاقب کرنا بالکل ایسا ہی فضول تھا جیسا کسی ٹڈی دل کا تعاقب کرنا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس تاخت میں تین سو تیس مواضعات لوٹے گئے جنمیں سے اکثر جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے۔ پانسو آدمی زخمی ہوئے۔ ایکسو بیاسی بالکل مار ڈالے گئے اور تین ہزار چھ سو کو مال بتانیکے لیئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور مال غنیمت کا اندازہ پچیس لاکھ تھا۔

ناگپور کے ساتھ حمایتی معاہدہ ۱۸۱۶ء

اس تعزیری مہم نے راجہ ناگپور کے اتحاد عمل کی ضرورت ظاہر کی جسکے علاقے میں سے ہو کر پنڈارے گزرے تھے مگر راجہ اب بھی معاہدہ استجزاکا ویسے ہی اصرار سے ساتھ مخالف تھا۔ ۲۲۔ مارچ ۱۸۱۶ء کو اس راجہ کا انتقال ہو گیا اور اُسکا بیٹا پرساجی اوسکا جانشین ہو مگر یہ لڑکا اندھا تھا۔ رعشہ کا مریض تھا اور مسلمہ فاتر العقل تھا۔ چنانچہ اُسکے بھتیجے اپا صاحب کو مدار المہام بنایا گیا مگر اُسکی تمام دربار اور محلات میں سازشیں کر کے سخت مخالفت کی گئی اور اُسنے برطانوی گورنمنٹ کا سہارا ڈھونڈھا اور فوراً معاہدۂ مجوزہ کو منظور کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ۲۹۔ مئی ۱۸۱۶ء کو اس معاہدہ پر دستخط ہوئے جسکی شرائط کے بموجب چھ ہزار پیدل اور کچھ رسالے سواروں کے مع مناسب توپ خانہ کے ناگپور کے خرچے پر ناگپور کی حمایت کے لیئے مقرر کیئے گئے۔ راجہ پر یہ پابندی عائد ہو گئی کہ وہ کسی غیر اقوام سے اتحاد نکرے اور غیر علاقوں کے ساتھ جتنے تنازعے پیش آئیں اُن سبکو فیصلے کے لیئے برطانیہ سے رجوع کرے۔ اس طرح لارڈ ہیسٹنگز سرکاری روزنامچے میں یہ اندراج کرنیکے قابل ہو گیا کہ دو ماہ کے قلیل عرصے میں اُسنے وہ کارروائی تکمیل کو پہنچائی جسکے لیئے بارہ سال سے بلا نتیجہ محنت کی جا رہی تھی۔ اور اب اسکو یقین ہو گیا کہ پنڈارے نربدا کو عبور کرنیکے

باب ہفتم
فصل دوم

جماعت نگران کار اپنا یہ فرض سمجھتی ہے کہ گورنر جنرل کو فوراً اسکی اطلاع دیدے کہ جو تجویزیں گورنر جنرل نے ان حملہ آوروں کے تعاقب یا سزا دہی کی پیش کی ہیں اُن سب کو منظوری و مقبولی کا شرف عطا کیا جاتا ہے۔ جماعت ہذا ہرگز اُن سرگرم فوجی کارروائیوں کو ایک لمحے کے لیئے بھی روکنا پسند نہیں کرتی ہے جو برطانیہ کا اقتدار قائم رکھنے کے لیئے یا اُس بے پناہ مخلوق کی حفاظت و حمایت کے لیئے اختیار کی جائیں جو برطانیہ کی طرف نظر فریاد رسی سے دیکھتی ہے اگر سندھیا اور ہلکر کا کوئی تعلق ان پنڈاروں سے گورنمنٹ برطانیہ یا اُسکے اتحادیوں کے خلاف خفیہ یا علانیہ ثابت ہو جائے تو اُن دونوں کو بھی برطانیہ کا بلاواسطہ دشمن اور مخالف سمجھا جائے گا۔

پنڈاروں کی فوجکشیاں ۱۷-۱۸۱۶ء

لارڈ ہیسٹنگز کو پورا بھروسہ تھا کہ ناگپور کی حمایتی فوج جو نربدا کے کنارے پر قائم کردی گئی ہے وہ پنڈاروں کو نربدا عبور کرنے سے پورے طور پر روک دیگی مگر لارڈ موصوف کو نہایت تکلیف دہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب سالانہ یورشوں کا زمانہ قریب آگیا تو کرنل واکر اپنی چھ ہزار کی پوری فوج لیکر نربدا کے کناروں پر چلا گیا لیکن اتنی تعداد ڈیڑھ سو میل کے خط مدافعت کے واسطے بالکل ناکافی ثابت ہوئی۔ پنڈاروں کے دستے انگریزی فوج کی چوکیوں کے درمیان سے ہوکر گھستے ہوئے چلے گئے اور انکا ایک بڑا گروہ انگریزی اضلاع کیدری میں گھس گیا اور شہر گنجام کے ایک حصے کو آگ لگادی اور اگر اس وقت اتفاقیہ کمپنی کی فوج اوڑیسہ کی ایک بغاوت کی سرکوبی کو نہ پہنچ گئی ہوتی تو پنڈارے اس تمام صوبے کو تباہ و برباد کرکے رکھدیتے۔ پنڈاروں کے دوسرے گروہوں نے حیدرآباد اور ناگپور کے علاقوں میں خوب لوٹ مار مچائی۔ اُنکی یہ ۱۷-۱۸۱۶ء کی مہمیں نہایت دلیرانہ اور اُنکی ہمت بڑھانیوالی ثابت ہوئیں اور ان پر فوری

باب ہفتم
فصل دوم

سربرآوردہ تھا جون ۱۸۱۶ء میں جماعت نگران کار کا صدر مقرر کیا گیا اور فوراً اُسکے ذمہ یہ کام آپڑا کہ لارڈ ہیسٹنگز کی اس تجویز پر غور کرے کہ پنڈاروں کا استیصال کامل کرنیکے لیئے ایک عام سلسلۂ اتحاد قائم کیا جائے مسٹر کیننگ اس عہدہ پر بالکل نیا نیا آیا تھا اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُسے سلطنت کے اصول عمل میں ایسی بنیادی تبدیلی کرنیکی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے نہایت پس و پیش ہوا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کلکتے کے ممبران کونسل بھی اسکے مخالف تھے اور جو لوگ لیڈن ہال سٹریٹ میں اُسکے آئینی مشیر تھے وہ بھی اسکے موید نہیں تھے۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز کو یہ اطلاع دیدی گئی کہ مجلس انتظامیہ پنڈاروں کے استیصال کی ظنی غایت کی خاطر ایک عام جنگ کی جوکھم میں پھنسنے کے لیئے تیار نہیں ہے اسلیئے موجودہ فوجی یا سیاسی اتحاد کی توسیع کی اس خاص غرض کے لیئے منظوری نہیں دیجاسکتی ساتھ ہی اسکے گورنر جنرل کو یہ بھی مشورہ دیا گیا تھا کہ اگر مناسب ہو تو بعض پنڈاروں کو اپنی طرف توڑنیکے لیئے نامہ و پیام کیا جائے یا اُنکی فوج والوں کو اسپر راضی کیا جائے کہ وہ اپنے سرغناؤں کو خود گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالہ کردیں۔ اس نصیحت گری نے لارڈ ہیسٹنگز کی نفرت و حقارت کے جذبات کو مشتعل کردیا۔ مجلس انتظامیہ نے جو یہ مشورہ اُسے دیا تھا کہ پنڈاری برادری کے ایک حصے کو توڑکر اپنا بنالیا جائے اور اسطرح دوسرے حصہ کا زور توڑا جائے اسکی وجہ اُسکی سمجھ میں یہ آگئی کہ گورنمنٹ ہندوستان نے ابتک اس مجرمانہ تغافل کا ارتکاب کیا ہے کہ اس مردود گروہ کی سفاکانہ اور مردم آزارانہ خصائل کا انکشاف انڈیا ہاوس پر نہیں کیا ہے۔ لیکن اس مراسلے کے ارسال کرچکنے کے بعد ہی مسٹر کیننگ کو یہ اطلاع پہنچی کہ پنڈاروں نے اضلاع شمالی سرکار پر یورش کی اور وہاں طرح طرح کی سفاکیاں عمل میں لائے۔ مسٹر کیننگ کے خیالات فوراً بدل گئے اور اُسنے خاص اپنی ہدایات پر مشتمل ایک اور مراسلہ بھیجا جس کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

(صفحہ ۳۴۴)

باب ہفتم
فصل دوم

قبضے میں ناگپور کے وسائل آ گئے تھے اور کلکتہ گورنمنٹ میں اس وقت پھر لارڈ ولزلی کی وہی زور شور سے کام کر رہی تھی۔ اسلئے سندھیا نے اتحاد عمل کا وعدہ کر لیا۔

باجی راؤ کی مخاصمت ۱۸۱۶ء

گوالیار کے ساتھ ابھی نامہ و پیام ہو ہی رہا تھا کہ بڑے ہتم بالشان واقعات پونا میں پیش آ گئے۔ ترمبک جی کسی نہ کسی طرح قلعہ تنا سے بھاگ گیا اور اگرچہ کچھ عرصے سے پیشوا نے برطانوی رزیڈنٹ کے ساتھ نہایت درجہ خلوص کا اظہار شروع کر دیا تھا مگر اسکی صاف شہادتیں پہنچ چکی تھیں کہ وہ انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ایک ساتھ فوجی کارروائی کرنیکے خفیہ مشورے ہلکر۔ سندھیا۔ اور امیر خاں کے ساتھ کرنے میں مصروف تھا۔ ترمبک جی کے مشورے کے مطابق پیشوا نے خود بھی فوجوں کی بھرتی شروع کی۔ بارکشی کے مواشی مہیا کرنے شروع کیئے۔ اپنے توپ خانے کو بڑھانے لگا اپنے قلعوں میں ذخائر بھر دیئے اور سب سے زبردست قلعہ میں اپنا زر و جواہر محفوظ کر دیا۔ اپریل ۱۸۱۷ء میں مسٹر الفنسٹن نے ایک تحریر اسکے سپرد کی جس میں اسے اُس تحریک پر ملامت کی گئی تھی جو وہ خفیہ طور سے پھیلا رہا تھا اور آخر میں یہ اطلاع دیگئی تھی کہ اب تک اُسکے اور گورنمنٹ برطانیہ کے درمیان جو حسن مفاہمت قائم تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ اسکے ساتھ رزیڈنٹ نے تحکمانہ لہجے میں ترمبک جی کی سپردگی کا اور بطور فعل ضمانت کے تین قلعوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا اور ان مطالبات کو زور دینے کے لیئے پونا میں انگریزی فوجیں بلوالیں۔ پیشوا کے بہادر سپہ سالار گوکھلے نے بہادری کے ساتھ مردانہ وار فوجی ہتیار سنبھالنے کا مشورہ دیا مگر پیشوا کا دل ایسا کہاں تھا کہ اس نصیحت پر عمل کر سکتا۔ مطلوبہ قلعے حوالے کر دیئے گئے اور ترمبک جی کی گرفتاری کے لیئے ایک انعام کا اعلان کر دیا گیا۔

پیشوا کے خلاف مزید تعزیری کارروائی

لارڈ ہیسٹنگز نے پنڈاروں کے خلاف زبردست اجتماع کارروائی کر نیسے

باب ہفتم
فصل دوم

اور معقول غور و خوض کی ضرورت پڑی۔ باوجودیکہ ناگپور کی حمایتی فوج نربدا پر نگہبانی کررہی تھی مگر ۲۳ ہزار پنڈارے نربدا کو عبور کر گئے تھے۔ اور باوجودیکہ علاوہ پونا کی اور نواب نظام الملک کی حمایتی فوجوں کے ۲۳ ہزار انگریزی فوج دکن میں اور مامور تھی مگر پنڈارے جزیرہ نما کے اندر گھس پڑے تھے اور دونوں ساحلوں کو لوٹ لے گئے تھے۔ یہ تخمینہ کیا گیا کہ ان حفاظتی افواج پر جتنا خرچہ پڑا تھا وہ اُس خرچے سے بہت زیادہ ہوتا تھا جو پنڈاروں کے استیصال کامل کی غرض سے باقاعدہ فوجکشی پر پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ کونسل نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ احکام انگلستان کی منظوری کے انتظار میں جو جارحانہ کارروائیاں ملتوی کی جاتیں کی تجویز اس سے پہلے منظور کی گئی تھی اب اُس تجویز کو بالکل ترک کردیا جائے اور ان غارتگروں کے خلاف فوری صیغے میں جارحانہ کارروائی کیجائے۔

سندھیا کا عزم ۱۸۱۷ء

اسکی اطلاع فوراً سندھیا کو دیگئی کہ پنڈاروں کے استیصال کامل کا عزم بالجزم کرلیا گیا ہے۔ اور اس سے استدعا کی گئی کہ وہ اس تجویز پر عمل پیرا ہونے میں اتحاد عمل کرے۔ لیکن پنڈاروں کے کارکن سندھیا کے دربار میں رہتے تھے اور خود سندھیا کے بعض وزرا ان پنڈاروں کے نہایت سرگرم جانبدار تھے۔ اور ان سب نے ایک زبان ہو کر سندھیا کو یہ بہکایا کہ ان قابل قدر مددگاروں کے فنا ہو جانے سے خود سندھیا کی سلامتی معرض خطر میں پڑ جائیگی کیونکہ یہ پنڈارے ہر وقت اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونیکو تیار رہتے تھے اور کبھی کوئی تنخواہ بھی طلب نہیں کرتے تھے۔ ان پنڈاروں کے وکیلوں نے سندھیا پر یہ رعب جمانا چاہا کہ پنڈارے جسونت راؤ ہلکر کے کارناموں پر بھی ایکدن پانی پھیر دینگے اور انکی پچاس ہزار کی فوج کلکتے تک تلوار چلاتی اور آگ لگاتی چلی جائیگی۔ لیکن سندھیا پر اس سبز باغ کے دکھاوے نے کوئی اثر نہیں کیا۔ اُسنے ابھی تک آسائی کو دل سے فراموش نہیں کیا تھا۔ علاوہ براں کمپنی کو ابھی نیپال میں فتح حاصل ہوچکی تھی اُسکے

(صفحہ ۳۲۵)

باب ہفتم
فصل دوم

یہ مراسلہ ابھی ایوان ہند (India House) سے چلا بھی نہیں تھا کہ پیشوا اپنے دارالحکومت سے فرار ہو چکا تھا اور اُسکی ریاست برطانوی صوبہ بن چکی تھی

دربار ہلکری ۱۸۱۱ء-۱۸۱۷ء

۱۸۱۱ء میں ہلکر کے انتقال کے بعد اُسکی نہایت پیاری رانی تلسی بائی نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا۔ یہ خوبصورت رانی ابھی بالکل نوجوان تھی۔ اسکے طرز خطاب میں مطیع بنا لینے والی نرمی تھی مگر اُسکا مزاج خشمگیں اور طبیعت کینہ توز تھی امیر خاں کا ریاست میں بڑا زبردست رسوخ ہو گیا تھا اور جب وہ راجپوتانہ کی تاخت و تاراج کے لیئے اندور دربار سے غیر حاضر ہو جاتا تو اپنے نائبوں کے ذریعے سے اپنا رسوخ قائم رکھتا تھا۔ اُسکو پٹھان فرقے کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا۔ تانتیا جوگ ایک برہمن سوداگر کے ہاتھ میں قلمدان وزارت تھا اور وہ مرہٹہ گروہ کا سردار تھا۔ ریاست کی فوجیں اکثر اپنی تنخواہ کے لیئے سرکشی پر آمادہ رہا کرتی تھیں اور ایسے وقت سپہ سالار کے سپرد بعض اضلاع کر دیئے جاتے تھے اور وہ وہاں کے باشندوں کے وسائل پر خوب ہاتھ صاف کرتا تھا۔ مواضعات کو لٹوا دیتا تھا اور فصیل بند شہروں پر گولہ باری بھی کرا دیتا تھا۔ ریاست بھر میں فوج سے زیادہ زبردست کوئی قوت موجود نہیں تھی اور نظم حکومت پر ایک طوائف الملوکی کا عالم طاری تھا۔ یہ صورت واقعات اندور میں پیش آ رہی تھی جبکہ ۱۸۱۷ء کی فصل خزاں میں باجے راؤ کے سفیر دربار ہلکری میں اُس اتحاد کے متعلق گفتگو کرنیکو پہنچے جو کہ باجے راؤ پیشوا انگریزوں کے خلاف قائم کر رہا تھا ؎

فصل سوم

(صفحہ ۳۲۷)

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت پیشوا۔ ناگپور۔ ہلکر اور پنڈاریوں کے ساتھ جنگ بازی

لارڈ ہیسٹنگز کی نئی حکمت عملی ۱۸۱۷ء

اس وقت وسط ہند کی ابتری و بدنظمی

کچھ ہی پہلے اسکو ضروری سمجھا کہ اس غدار رئیس کی طرف سے مزید اطمینان حاصل کرے۔ اسلیئے مسٹر الفنسٹن سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ پیشوا کی دستخط کے لیئے ایک معاہدے کا مسودہ پیش کرے جسمیں یہ شرائط تھیں کہ پیشوا تمام رئیسوں کے وکیلوں کو اپنے دربار سے علحدہ کردے جو اُسکے پاس ہر وقت گھسے رہتے تھے۔ اور جن رئیسوں کے ساتھ اسکے جتنے تنازعات ہیں وہ سب گورنمنٹ برطانیہ کی طرف رجوع کردے۔ ساگر اور بندیلکھنڈ پر اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو جائے اور جو ہزار سوار اور تین ہزار پیدل فوج اسکی حمایت کے لیئے رکھی گئی تھی اُسکی تعلیمبندی کے لیئے چوبیس لاکھ سالانہ کا علاقہ کمپنی کے حوالے کردے۔ پیشوا اسکے وزیروں نے ان تعزیری شرائط کی سختی کو کم کرانیکی کوشش کی اور یہ بھی کہا کہ برطانوی حکومت اپنے معاہدات کی پابندی کے متعلق پیشوا پر بمقابلے دوسرے رئیسوں کے زیادہ سختی کا برتاؤ کرتی ہے مگر ۱۳ جون ۱۸۱۷ء کو اس معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ جب ان انتظامات کی اور کمپنی کے محروسات میں اس بڑے اضافے کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر کیننگ نے جواب میں یہ الفاظ لکھے :-

(صفحہ ۲۲۶)

اس ردوبدل سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ ہماری ہندوستانی سلطنت میں اپنے حدود کو وسعت دینے کی ایک ناقابل انسداد قوت متحرکہ ہے کیونکہ باوجودیکہ انگلستان سے محض مدافعت پر قناعت کرکے محاربت سے احتراز کرنیکے تاکیدی احکام برابر پہنچتے رہتے ہیں اور ہندوستان میں ان احکام کی نہایت ایمانداری کے ساتھ اطاعت کی جاتی ہے مگر برطانوی اقتدار برابر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بصورت موجودہ جنکا رروائیوں کی اطلاع دیگئی ہے اُنکو ہم اصول عمل کے خلاف مستثنیات میں سے سمجھکر جائز قرار دیئے لیتے ہیں اگرچہ ہم اُنکو کچھ خوشگوار نہیں سمجھتے ہیں۔ ہمکو یہ ضرور اعتراض ہے کہ اس قسم کے مستثنیات سوء اتفاق سے اتنی کثرت سے نہ پیش آتے رہتے تو اچھا تھا"

معاہدوں کے ذیل میں لینے کے لیئے تیار ہے۔ اس خبر کا بڑی خوشی سے اُن صوبہ جات میں خیر مقدم کیا گیا اور دہلی رزیڈنسی میں وسط ہند کے اُنیس رئیسوں کے وکیل آکر پہنچ گئے۔ اس حلقۂ اتحاد میں داخل ہونیوالا پہلا شخص بوڑھا را ستباز ظالم سنگھ مدار المہام کوٹہ تھا۔ اُسکے بعد نوجوان نواب بھوپال آیا جس نے بڑے شوق سے اُس اتحاد کو قبول کر لیا جس سے اُسکے باپ نے انکار کر دیا تھا۔ اب پھر راجہ بوندی کو بھی برطانوی حمایت میں لے لیا گیا۔ جسکو سر جارج بارلو کی پست حوصلگی نے ہلکر کے سامنے بے پناہ چھوڑ دیا تھا۔ راجہ جودھپور نے بڑے شوق سے اُس اتحاد کو قبول کر لیا جو اُسے تمام پریشانیوں سے نجات دلانیوالا تھا کیونکہ اب تک مرہٹوں اور پٹھانوں کی تاخت و تاراج سے اُسکا ملک ورطۂ ہلاکت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اودیپور کے معزز خاندان نے بھی کمپنی کی سرداری کے آگے سر تسلیم خم کر دیا دراں حالیکہ اُس خاندان نے کبھی مغلوں یا مرہٹوں کے سامنے بھی گردن نہیں جھکائی تھی۔ اور سب سے آخر میں راجہ جے پور بھی اس سلک اتحاد میں آگیا جب اُسنے یہ دیکھا کہ ہندوستان کا ہر رئیس حاکم وقت کے سامنے سر اطاعت خم کر رہا ہے۔ اس نامہ و پیام کا انصرام مسٹر مٹکاف رزیڈنٹ دہلی کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور چار ماہ کے اندر رزیڈنٹ موصوف نے ان تمام رئیسوں کے ساتھ باحکذار انہ اتحاد عمل اور مسلمہ اقتدار حکومت کے اصول پر تمام معاہدات کی تکمیل کر لی۔

(صفحہ ۲۲۸)

فوجی تیاریوں کی وسعت

جو فوجی تیاریاں لارڈ ہیسٹنگز نے اختیار کیں وہ لارڈ ولزلی کی تجویز سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر کی گئی تھیں اور تمام ملک پر دریائے کرشنا سے گنگا تک اور کانپور سے گجرات تک حاوی تھیں۔ تینوں احاطوں کی تمام فوجیں طلب کی گئیں اور دیسی رئیسوں کی حمایتی فوجیں اور ضرورت جنگ کی لیے قاعدہ فوج کو ملاکر تمام سپاہ کی تعداد ایک لاکھ سولہ ہزار سوار اور پیدل مع تین سو توپوں کے ہوگئی۔ یہ تمام فوجی تیاریاں اس معیار سے بہت زیادہ

باب ششم
فصل سوم

انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ اُن مسلح آدمیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی جنکی گذر اوقات لوٹ مار پر تھی اور ہندوستان بھر میں کوئی دیسی رئیس نہ اتنی قوت رکھتا تھا نہ ارادہ رکھتا تھا کہ اس غارت گر گروہ کا زور توڑے۔ ۸ جولائی ۱۸۱۴ء کو لارڈ ہیسٹنگز اس بدنظمی کو فرو کرنیکے لئے بالائی صوبہ جات کی طرف روانہ ہوا۔ اُسنے یہ طے کر لیا تھا کہ پنڈاروں کے ساتھ عہدہ برآ ہونیکا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُنکے مامنوں پر جاکر حملہ کیا جائے اور تمام ملک میں اُنکا سرگرم تعاقب اُس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ اُنکا شیرازہ درہم برہم نہو جائے۔ ساتھ ہی اسکے اس طرح کے ہولناک جتھوں کے پھر زور بندھ جانیکا تدارک اس طرح ہو سکتا تھا کہ وسط ہند کی حدبست ازسرنو کی جائے ہر ریاست کے حدود مقرر کر دیئے جائیں اور انگریزی اقتدار حکومت کو سب پر قائم کرکے ایک ریاست کو دوسری ریاست کے حقوق پر دست درازی کرنے سے باز رکھا جائے۔ غرض یہ کہ اُس حکمت عملی کی تکمیل کر دی جائے جسکی تجویز لارڈ ولزلی نے بارہ سال پہلے پیش کی تھی۔ لیکن جماعت نگرانکار مجلس انتظامیہ اور گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر سب کے سب کسی ایسے اتحاد کے مخالف تھے جو برطانیہ کی سرکردگی میں قائم ہو جانیوالا تھا۔ بہرحال لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے بالائی صوبہ جات کے دورے کے دوران میں کونسل کو اس عزم کی اطلاع دیدی کہ گورنر جنرل اپنی ذمہ داری پر حکام انگلستان کے خیالات سے اختلاف کرنیکی دل میں ٹھان چکا ہے اور اس تجویز پر عمل پیرا ہونیکی جو برطانیہ کی سرکردگی میں اتحاد عام کے متعلق اُسنے کونسل میں پیش کی تھی تیاری کرنا چاہتا ہے۔

ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ معاہدات اتحاد

غرض یہ کہ اس تجویز پر مستعدی و سرگرمی کے ساتھ عمل درآمد شروع ہوگیا۔ راجپوتانہ و مالوہ کے رئیسوں کو یہ اطلاع دیدی گئی کہ عدم مداخلت کا اصول ترک کر دیا گیا ہے اور گورنمنٹ انکو اپنے حمایتی

اسلیئے گورنر جنرل ۱۸۰۵ء کے معاہدہ کو منسوخ سمجھتا تھا اور راجپوتانہ اور مالوے کے رئیسوں کے ساتھ عنقریب وہ معاہدات اتحاد قائم کرنیکی کارروائی کرنیوالا ہے جو ۱۸۰۵ء کے معاہدے کے مطابق ممنوع تھے۔ اب اگر سندھیا کو اپنی صداقت ثابت کرنا منظور ہے تو وہ اپنی فوجیں کمپنی کے تصرف میں دیدے اور ہنڈیا اور اسیر گڑھ کے قلعوں پر انگریزی فوجوں کو قابض ہو جانے دے۔ سندھیا کا آخری جواب بہت جلد حاصل کرنیکے لیئے لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو میدان میں فوجیں آتار دیں اور جمنا کو عبور کرکے سیدھی گوالیار پر پیش قدمی شروع کردی۔ اس اُستادانہ نقل و حرکت سے سندھیا کا ارتباط پیشوا اور پنڈاروں سے قطع ہو گیا بلکہ اُسکی اپنی فوج کا بڑا حصہ بھی اس سے اسلیئے دور رہ گیا کہ اُس کا پڑاؤ اس وقت جنوبی علاقہ میں تھا اور سندھیا بالکل تنہا صرف آٹھ ہزار فوج کے ساتھ اپنے دارالحکومت میں رہ گیا۔ سندھیا نے لارڈ ہیسٹنگز کی آمد پر اس نیئے معاہدہ پر دستخط کردیئے اور اپنی مملکت کا وہ حشر ہونے سے بچا لیا جو دوسری مرہٹہ ممالک کا ہوا تھا۔ ابھی انگریزی لشکر گوالیار کے قرب و جوار ہی میں تھا کہ لشکر پر ہیضے کی بلا نازل ہوئی جسکا منحوس قدم ہندوستان میں بہت کم آیا کرتا تھا اور اس وبائے مہلک سے لشکریوں کی کل تعداد مع غیر مبارز مخلوق کے گھٹکر صرف بیس ہزار رہگئی بیماری کا جب زور زیادہ بڑھگیا تو لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے افسران خاص کو یہ ہدایات کر دیں کہ اگر گورنر جنرل خود اس موذی مرض کا شکار ہو جائے تو اُسکی نعش کو خموشی کے ساتھ اُسی کے خیمہ میں دفن کر دیا جائے کہیں ایسا نہو کہ اُسکی موت کی خبر سے فوج بددل ہو جائے اور سندھیا اس مصیبت کی حالت میں انگریزی لشکر پر حملہ کر بیٹھے۔

امیر خاں ۱۸۱۷ء اس نازک موقعہ پر امیر خاں سندھیا سے کسی طرح کم درجے کا سردار نہیں تھا۔ اُسکی فوج باون پلٹنوں پر

باب ہفتم
فصل سوم

تھیں جو چند غارتگر گروہوں کے استیصال کے لیئے درکار تھا مگر لارڈ ہیسٹنگز
اس سے ناواقف نہیں تھا کہ پنڈاروں کا استیصال اکثر خاص خاص ہندوستانی
رئیسوں کے اغراض کو صدمہ پہنچانیوالا ہے اور خود پیشوا پہلے سے سب
رئیسوں کو انگریزی گورنمنٹ کے خلاف سلک اتحاد میں شریک کرنیکی
کوشش کر رہا ہے۔ اسلیئے ان لمبی چوڑی تیاریوں کی یہ غرض بھی تھی
کہ اگر کسی ایسے رئیس کی جانب سے کسی مخاصمانہ ارادوں کا ظہور ہو تو
اسکا بھی تدارک کیا جاسکے۔ خوش قسمتی سے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف
کے اختیارات ایک ہی ذات کو تفویض تھے اور تمام فوجی اور سیاسی
انتظامات کا غیر منقسم انصرام ایک ہی شخص کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ
۶۵ سال کے بوڑھے سپاہی نے خود سپہ سالار کل کی حیثیت سے میدان
سنبھالا۔ فوجکشی کی داغ بیل اس طرح ڈالی گئی تھی کہ چار دستے دکن سے
سر ٹامس ہلپ کمانڈر انچیف مدراس کی سرکردگی میں روانہ ہوں اور چار
شمال مغرب سے روانہ ہوں اور دونوں طرف کی فوجیں پنڈاروں کے
مستقروں کو دباتی ہوئی چلی آئیں اور آپس میں مل جائیں۔

سندھیا کے ساتھ معاہدہ

شمال میں بھی یہ ضروری تھا کہ سندھیا اور امیر خاں
کے مشتبہ ارادوں کی بھی پیش بندی کر لی جائے۔
سندھیا نے پنڈاروں پر حملہ کرنیکی کارروائی میں کمپنی کے ساتھ اتحاد
عمل کرنے پر فوراً رضامندی ظاہر کر دی تھی مگر اسکی فوج میں بڑے
خاص اہتمام سے یہ خبریں پھیلائی جا رہی تھیں کہ باجی راؤ عنقریب کمپنی پر
حملہ کرنیکے لیئے قومی جھنڈا اٹھانیوالا ہے اسلیئے سندھیا کی فوجیں اس
قومی جنگ میں شریک ہونیکے لیئے بے چین نظر آتی تھیں اور خود سندھیا نے
بھی پیشوا کی طرف کلہ پچیس لاکھ کا نذرانہ قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ ۱۰۔ اکتوبر
۱۸۱۷ء کو ایک یادداشت سندھیا کے حوالے کی گئی جس کا خلاصہ
یہ تھا کہ ہرگاہ سندھیا نے پنڈاروں کو کمپنی کے علاقے پر حملہ کرنیکے لیئے
ابھارا ہے اور انکی واپسی پر انکی فوجوں کو اپنے ملک میں پناہ دی ہے

(صفحہ ۳۲۹)

دیدیا کہ نئے سپاہی بھرتی کیئے جائیں اور قلعہ جات کا مزید استحکام کیا جائے۔ اسنے اپنے تعلقات دکنی جاگیرداروں کے ساتھ بہتر کرکے انکی تالیف قلوب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی دراں حالیکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ انکے ساتھ برسر تنازعہ رہا کرتا تھا۔ اسنے انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کو بھی رشوت دیکر فوج سے باغی ہوجانیکی تحریک کی مگر اس ترغیب میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اسنے مسٹر الفنسٹن کو بھی چپکے سے قتل کرادینے کی تجویز ڈالی تھی مگر اسکے سپہ سالار گوکھلے نے اسکو پسند نہیں کیا۔ وہ اوائل اکتوبر ۱۸۱۷ء میں پونا واپس آیا اور اس تمام مہینے کے دوران میں یہ روز بروز واضح ہوتا چلا گیا کہ جنگ ناگزیر ہوتی جارہی ہے۔ مسٹر الفنسٹن بھی رنگ بگڑا ہوا دیکھکر اپنے مقام سے دومیل پیچھے ایک زیادہ محفوظ مقام کرکی پر ہٹ گیا اور بمبئی سے ایک گورہ رجمنٹ بھی اپنی حفاظت کے لئے بلالی لیکن اس نئی فوج کے آجانے پر کل انگریزی سپاہ تین ہزار سے زائد نہیں تھی دراں حالیکہ مرہٹہ سپاہ کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی؛

کرکی پر لڑائی ۱۸۱۷ء

پیشوا کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ اپنے اپنے مواعید کے مطابق سندھیا اور امیر خاں میدان جنگ میں آچکے ہونگے اور انکی تقلید فوراً ہی ہلکر اور راجہ ناگپور نے بھی کی ہوگی چنانچہ ۵۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو اسنے میدان مخاصمت میں علانیہ قدم رکھا لیکن اسی تاریخ کو وہاں سندھیا اس معاہدہ پر دستخط کرچکا تھا جسکی رو سے اسکی طاقت بالکل بیکار ہوچکی تھی۔ دوپہر کے قریب پیشوا نے مسٹر الفنسٹن کو ایک نہایت تحکمانہ پیام بھیجا جسمیں ان خاص شرائط کی تفصیل کی گئی تھی جن پر وہ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ روابط اتحاد قائم رکھ سکتا تھا۔ جس وقت اسکا پیام بر واپس آرہا تھا اس وقت تمام میدان مرہٹہ سرداروں سے بھرا پڑا تھا اور شہر کے ہر کوچہ و برزن سے ٹڈی دل فوجیں نکلی چلی آرہی تھیں۔ مسٹر الفنسٹن نے

(صفحہ ۳۳۱)

باب ہفتم
فصل سوم

مشتمل تھی جنکے ساتھ ہی خاصی تعداد سواروں کی اور ڈیڑھ سو توپیں بھی تھیں۔ اور اس پٹھان فوج کا زور توڑنا بھی ایسا ہی ضروری تھا جیسا پنڈاروں کا۔ اور لارڈ ہیسٹنگز نے اس غرض کے حاصل کرنیکے لیئے یہ شرط پیش کی کہ اگر امیر خاں اپنی فوجوں کو توڑ دے اور اپنی توپوں کو ایک مقررہ قیمت پر کمپنی کے حوالے کردے تو اسکو اُن اضلاع کی حکومت پر مستقل رئیس بنا دیا جائے جو اس وقت اُسکے قبضے میں ہیں اور گورنمنٹ اُسکی ریاست کی کفالت بھی کرلیگی۔ اول اول امیر خاں کو اس شرط کو قبول کرنے میں کچھ پس و پیش ہوا لیکن جب اُسنے باجے راؤ اور آپا صاحب کی بربادی کی خبریں سن لیں تو اُسنے اس تجویز کو منظور کرلیا اور ایک مسلمہ محکوم رئیس بنگیا جسکی ریاست کی مجموعی آمدنی پندرہ لاکھ ٹھیری۔

پیشوا کی سرکشی ۱۸۱۷ء

(صفحہ ۳۳۳)

ہندوستان سے ایک دستے فوج کی اور دکن سے دو دستوں کی پنڈاروں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہونا گویا پیشوا کے پیشقدمی گویا اس سازش کا مواد پھوٹ پڑنیکا اشارہ ہوگیا جو پیشوا گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف مرہٹہ سرداروں کے ساتھ پختہ کر رہا تھا پیشوا نے خود ۵۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو علانیہ بغاوت کردی۔ راجہ ناگپور نے ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو اور ہلکر کی فوج نے ۱۶۔ دسمبر ۱۸۱۷ء کو علم بغاوت بلند کردیا۔ ۵۔ جون والے معاہدے کے بعد پیشوا پندرپور کی جاترا کو گیا اور اُسکے فوراً بعد ہی سرجان ملکم اس سے ملنے گیا۔ اس کچے کانوں کے فوجی افسر کو پیشوا نے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں ایسا بہلایا کہ اُسے یہ یقین کامل ہوگیا کہ پیشوا تہ دل سے انگریزوں کا دوست اور جانبدار ہے اور اُسنے پیشوا کو یہ اجازت دیدی کہ وہ بیشک اپنی فوجی قوت کو بڑھالے۔ سرجان ملکم کے ہی مشورے سے جنرل سمتھ کی فوج کو پونا سے رخصت کردیا گیا اور وہ قلعہ جات بھی خالی کردیئے گئے جن پر احتیاطاً قبضہ کرلیا گیا تھا۔ اب باجے راؤ نے اپنی جنگی تیاریاں کئی گونہ زیادہ کردیں۔ اپنی جیب خاص سے اُسنے ایک کروڑ روپیہ اپنے سپہ سالار گوکھلے کو اس غرض سے

باب ہفتم
فصل دوم

جیتو کو ایک خلعت فاخرہ عطا کیا جو اُس سے امداد طلب کرنیکے لئے آیا تھا۔
پیشوا نے انگریزی فوجوں کے سامنے سے بھاگتے بھاگتے آپا صاحب کو سلطنت مرہٹہ کے سپہ سالار کل کا خطاب عطا کرنا چاہا اور باوجود رزیڈنٹ کی فہمائش کے آپا صاحب امتیاز سپہ سالاری کو حاصل کرنے پیشوا کے لشکر میں گیا اور وہاں سے آتے ہی اُسنے رزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ رزیڈنٹ کا پڑاؤ دو پہاڑیوں پر واقع تھا جنمیں ایک سے دوسری نیچی تھی۔ یہ جگہ شہر ناگپور کے قریب ہی سیتابلدی کے نام سے مشہور تھی۔ رزیڈنٹ کے پاس اسوقت پندرہ سو فوج تھی اور چار تین سیری توپیں تھیں۔ راجہ ناگپور کی فوج اٹھارہ ہزار تھی جسمیں سے چار ہزار عرب تھے جو دکن کے شجاع ترین سپاہی تھے اور چھتیس توپیں تھیں رات بھر راجہ کا توپخانہ پہاڑیوں پر مصروف گولہ باری رہا۔ صبح کے قریب ایک توپ کی پیٹی اڑ گئی اور اُس وقت کی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر عربوں نے چھوٹی پہاڑی پر ہلّہ بول دیا اور توپوں پر قبضہ کر لیا اور اُنھی توپوں کا رُخ بڑی پہاڑی کی طرف پھیر دیا۔ اب راجہ کی تمام فوج سب طرف سے اُس پہاڑی پر جھوم جھوم کر چلی۔ اور عام حملے کی تیاری شروع ہو گئی۔ (صفحہ ۳۳۴)
رزیڈنٹ کے لشکر کا گولہ بارود کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس چھوٹی سی فوج کا چوتھائی حصہ قتل و زخمی ہو چکا تھا جسمیں چودہ افسر بھی تھے اور تمام فوج کی کامل تباہی لازمی نظر آنے لگی تھی کہ کپتان فنز جیرالڈ کی جانبازی نے اُس دن کی لڑائی کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ کپتان مذکور بنگال کے تینوں رسالوں کا قائد تھا اور اپنے پست ہمت سپہ سالار کی ممانعت کی پرواہ نکر کے اُسنے نہایت جوش و خروش کے ساتھ دشمن کے خاص رسالے پر دھاوا کر دیا اور اُسنے دو توپیں بھی چھین لیں جنکا رخ اُسنے دشمن ہی کی طرف پھیر دیا۔ اس جانبازی کے حیرت انگیز نظارے نے اوپر والی پہاڑی کی تھکی ہوئی فوجوں میں بھی ایک روح پھونک دی جو برابر اٹھارہ گھنٹے سے لڑ رہی تھیں اور افسر اور سپاہی جان جھونک کر پہاڑی سے نیچے کو

باب ہفتم
فصل سوم

نہایت دور اندیشی کو کام میں لا کر انگریزی سپہ سالار کو یہ حکم دیا کہ وہ مدافعانہ پہلو اختیار کرے اور اگرچہ بوڑھا کرنل بر ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جو بعد کو اسکی جان لیکر گیا۔ مگر اُسنے دلیری کے ساتھ آگے بڑھکر اُس ٹڈی دل پر حملہ کر دیا اور صرف چھیاسی مقتول اور زخمیوں کا خفیف نقصان اُٹھا کر نہایت شاندار فتح حاصل کرلی۔ یہ آویزش کرکی برطانوی ہند کی تاریخ میں نہایت شاندار کارنامہ سمجھے جانیکے قابل ہے اور اگر اسکا بھی لحاظ کیا جائے کہ اُسنے پیشوا کی سلطنت کو بالکل تباہ کر دیا تو اسکو نہایت ہی فیصلہ کن اور آخری آویزش بھی کہا جاسکتا ہے جنرل سمتھ بھی فوراً اپنی فوج کو لیکر پونا کی طرف واپس لوٹا لیکن باوصف اسکے کہ پیشوا کے پاس دکنی جاگیرداروں کی فوجوں کی کمک آگئی تھی مگر دوسری لڑائی لڑنے پر اُسکی ہمت نہ بندھ سکی اور ۱۷۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو وہ اپنا خیمہ و خرگاہ اسی طرح قائم چھوڑ کر اپنے لشکر کو لیکر جانب جنوب فرار ہو گیا جنرل سمتھ نے پونا کو تسخیر کر لیا اور اس ذلت کے ساتھ پیشوا کی اُس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا جو ایک صدی پہلے اُسکے پردادا بالاجی وشواناتھ نے قائم کی تھی ؛

معاملات ناگپور ۱۸۱۷ء معاہدۂ اسجزا کے طے ہو جانیکے کئی ماہ بعد تک آپا صاحب مدار المہام ناگپور برطانوی رزیڈنٹ کے ساتھ نہایت دوستانہ طریقے پر رہا لیکن یکم فروری ۱۸۱۷ء کو معذور راجہ پرت جی اپنے بستر پر پھانسی لگا ہوا پایا گیا اور آپا صاحب فوراً تخت پر بیٹھ گیا۔ بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قتل آپا صاحب ہی کے کرتوت سے تھا۔ بہرحال اپنی گدی نشینی کے بعد سے آپا صاحب کے انداز میں ایک بیّن تغیر رونما ہو گیا اور وہ اس محکومیت کی حالت سے آزاد ہو جانیکے لیئے بیچین سا نظر آنے لگا جسمیں اس معاہدے نے لاکر اُسے ڈال دیا تھا۔ آپا صاحب نے پیشوا کی مخاصمانہ تجویز کو بڑی خوشی سے لبیک کہا اور پنڈاری سرغنہ

باب ہفتم فصل سوم

ایک معاہدے کا مسودہ پیش کیا تھا اور اُسنے جواب میں ایک نئے کامراسلہ رزیڈنٹ دہلی کے نام بھیجا تھا۔ جسمیں نوجوان رئیس اور ریاست کو برطانوی حمایت میں دیدینے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ مگر ریاست کی تمام حقیقی قوت فوجی سرداروں کے ہاتھ میں تھی اور جسوقت انکو یہ علم ہوا کہ پیشوا نے ہتھیار اٹھا لیئے ہیں تو انھوں نے فوراً کوچ کرکے پیشوا کے جھنڈے تلے جمع ہونے کا عزم کر لیا۔ مدار المہام یعنے تلسی بائی اور تمام وزیران ریاست پر یہ شبہ ہوا کہ انکا میلان انگریزی اتحاد کی طرف ہے اور فوجی افسروں نے خاص کاردار کو قید کر لیا اور ۲۰۔ دسمبر ۱۸۱۷ء کی شام کو تلسی بائی کو سیپری ندی کے کنارے لیجا کر اُسکا سر کاٹ ڈالا اور اُسکی نعش کو ندی میں پھینک دیا۔ اُسکے بعد پوری بیس ہزار فوج پیشوا کی شرکت کرنیکے لیئے چل کھڑی ہوئی اور راستے میں اُسکو وہ برطانوی فوج مہدپور پر پڑاؤ ڈالے ملی جو پنڈارے سردار چیتو کے تعاقب میں جارہی تھی۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۸۱۷ء کو ایک فیصلہ کن لڑائی دونوں فوجوں میں اُس مقام پر ہوئی۔ مرہٹہ فوج کو نہایت قابلیت اور اُستادی کے ساتھ جمایا گیا تھا۔ اُسکے میسرہ کی حفاظت سیپری ندی کے ایک موڑ سے ہورہی تھی۔ اُسکے میمنہ کی نگہبان ایک گہری دلدل تھی اور اُسکے ہراول کے سامنے ستر آتشبار توپیں سینہ سپر تھیں۔ اس لڑائی کی اصل خصوصیت اُس دن کی انگریزی فوج کی یہ مجنونانہ حرکت تھی کہ وہ ایک ناقابل گزار دریا کو صرف ایک ہی ایسے گھاٹ پر ہوکر عبور کرنا چاہتی تھی جسکی حفاظت کے لیئے توپیں چڑھی ہوئی اور خندقیں بنی ہوئی تھیں اور اُن توپوں کو دھاوا کرکے چھیننا چاہتی تھی جنکی آتشباری نے انگریزوں کی ہلکی میدانی توپوں کا منھ بند کر دیا تھا۔ انگریزی فوج کے سپاہیوں کو دشمن کی توپوں نے بھون بھون ڈالا لیکن وہ غیر متزلزل بامردی کے ساتھ برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک

صفحہ ۳۴۳

باب ہفتم
فصل سوم

جمعیت پڑے اور دشمن کی پیدل سپاہ پہ ٹوٹ پڑے اور اُسے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح منتشر کر دیا ؂

آپا صاحب کی معزولی

ذرا سے عرصے میں ہر طرف سے انگریزی فوجوں کی کمک ناگپور میں آنی شروع ہو گئی اور مسٹر جنکنس رزیڈنٹ نے راجہ کے سامنے من مانی شرائط پیش کیں اُسکو اپنی فوجیں توڑ دینے کا اپنی توپیں حوالے کر دینے کا اور خود رزیڈنسی میں حاضر ہو کر اپنی مملکت کا ضبط ہو جانا تسلیم کرنیکا حکم دیا گیا اور اُسنے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں۔ لارڈ ہیسٹنگز نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس سفاکانہ غداری کی یاداش میں آپا صاحب کو گدی سے ضرور اُتارا جائیگا۔ مگر جب گورنر جنرل کو یہ معلوم ہوا کہ مسٹر جنکنس نے آپا صاحب سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ اُسکی رئیسانہ حیثیت کو بحال کر دیا جائے گا تو اُسنے اس وعدے کا احترام کیا اور ۸۔ جنوری ۱۸۱۸ء کو راجہ کو پھر اختیارات ریاست عطا کر دیئے گئے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد آپا صاحب نے اپنے متعاقبین کے آگے آگے بھاگنے والے پیشوا کو اپنی مملکت میں پناہ دی اور خود بھی اُسکے لشکر میں شریک ہونیکی تیاریاں کیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جنگلی قبیلوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اور اپنے قلعوں کی حوالگی میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز نے یہ حکم دیا کہ آپا صاحب کو معزول کر کے اُسے بنارس کی تیرتھگاہ میں نظر بند رکھا جائے اور دو لاکھ سالانہ وظیفہ اُسے دیا جایا کرے۔ لیکن اُسنے اپنے بدرستے کے سپاہیوں کو راستے میں رشوت دیکر پھر اپنی فراری کی ترکیب کر لی اور گورنمنٹ کے خزانے کو اس بار اُٹھانے سے بچا لیا۔ اسکے بعد اس خاندان کا قریب ترین وارث گدی نشین کر دیا گیا اُس کی نابالغی کے زمانے میں ریاست کا انتظام مسٹر جنکنس کے سپرد کر دیا گیا جسکے عہد میں ملک میں بارہ سال تک ایسی خوشحالی اور سرسبزی رہی جیسی کبھی پہلے نہیں رہی تھی ؂

ہلکر کے ساتھ آویزش ۱۸۱۷ء

لارڈ ہیسٹنگز نے تلسی بائی کے سامنے

باب ہفتم
فصل سوم

غصے میں بھرے ہوئے گاؤں والوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جنکو ان لٹیروں نے لوٹ لیا تھا۔ دونوں سرغناؤں کا ایسا سخت تعاقب کیا گیا کہ آخر کار انکو اپنے آپ ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جانا پڑا اور اُن میں سے ایک کو صوبۂ غازی پور میں چھوٹی سی جائداد دیکر بسا دیا گیا اور دوسرے کو نظر بند کر دیا گیا اور اُسنے زہر کھاکر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ سب سے سربرآوردہ سرغنا چیتو کا تعاقب سرجان مالکم نے کیا اس کی تمام بھیڑ و بنگاہ پر کئی کئی بار قبضہ کر لیا گیا اور وہ اپنے مٹھی بھر ہمراہیوں کے ساتھ کوہ وبیابان میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر کار یہ ساتھی بھی آہستہ آہستہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے گئے یہانتک کہ فاقہ کشی سے تنگ آکر اُسکے بیٹے اور اُسکے آخری رفیق نے بھی اس سے منھ موڑ لیا اور وہ جان سے بیزار ہوکر ایک ایسی جھاڑی میں گھس گیا جہاں شیر ہی شیر بھرے ہوئے تھے بڑی سخت تلاش کے بعد اُسکا گھوڑا اُسی طرح زین و لگام سے تیار چرتا ہوا ملا اور اُس سے کچھ ہی فاصلے پر جابجا سے گھائل نعش بھی اُس شخص کی ملی جو ایک زمانے میں بیس ہزار سواروں کا سردار تھا۔

فوجکشی کے نتائج

یہ جنگی اور سیاسی کارروائیاں اپنی عجلت کے اور اپنے مہلک نتائج کے اعتبار سے تقریباً یکساں مہتم بالشان ہیں۔ وسط اکتوبر ۱۸۱۷ء میں مرہٹوں۔ پنڈاروں اور پٹھانوں کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار و پیدل کی فوجیں اور پانسو توپیں انگریزوں سے دو دو ہاتھ کرنیکو تیار تھیں۔ لیکن چار ماہ کے قلیل عرصے میں یہ زبردست فوج ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ سندھیا کی قوت مفلوج ہو چکی تھی۔ ہلکر کی فوج صرف نام کو باقی رہگئی تھی۔ پیشوا نے فرار برقرار کیا تھا۔ امیر خاں کی پٹھان فوج توڑ دی جا چکی تھی اور پنڈارے بالکل نابود ہو چکے تھے مرہٹہ برادری ہمیشہ کے لیئے

باب ہفتم
فصل سوم

کہ وہ توپ خانے تک پہنچ گئے اور اسپر قبضہ کرلیا مگر اس سے پہلے ساٹھ سو اٹھتر قتل و زخمی ہو چکے تھے۔ اس لڑائی کی نقل و حرکت سر جان ملکم کی ہدایات کے مطابق ہو رہی تھی جسمیں سفارتی قابلیتیں بیشک زیادہ تھیں مگر فنِ حرب کی واقفیت بہت کم تھی۔ اگر اس سے بہتر فوجی چالیں چلی جاتیں تو بھی نتیجہ بہت کم نقصان اٹھاکر حاصل ہو جاتا۔ بہر حال ہلکر کا تمام لشکر مع توپوں اور سامان حرب کے فاتحین کے ہاتھ آگیا اور ریاست کی قوت ہمیشہ کے لیئے ٹوٹ گئی۔ اسکے بعد ہی فوراً ایک صلحنامہ پر دستخط ہوئے جسکی رو سے ہلکر نے اپنے علاقے کا کچھ حصہ کمپنی کو۔ کچھ ظالم سنگھ کو۔ کچھ امیر خاں کو اور کچھ امیر خاں کے ماتحت سردار غفور خاں کو حوالے کیا اور ہلکر کی مملکت اس طرح گھٹکر اصلی علاقے سے دو تلث رہگئی۔

پنڈاروں کے خلاف کارروائیاں

۱۸۱۷ء کے موسم بارش میں پنڈارے اپنے تین سرغناؤں مسمیان چیتو۔ کریم خاں اور واصل محمد کے جھنڈوں کے تلے ۲۳ ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے۔ یہ لوگ اُن کارروائیوں سے غافل نہیں تھے جو اُنکے استیصال کے لیئے برابر کی جارہی تھیں اور اُنھوں نے مرہٹہ رئیسوں سے امداد کی درخواستیں کیں مگر مرہٹہ رئیسوں کو اپنی ہی جانیں بچانیکی فکریں پڑی ہوئی تھیں چنانچہ جس وقت انگریزی فوجیں اُن پر دونوں طرف سے ہجوم کرآئیں تو پنڈاروں کو مجبوراً منتشر ہونا پڑا۔ سندھیا نے کریم خاں اور واصل محمد کو گوالیار آجانیکی دعوت دیدی تھی مگر لارڈ ہسٹنگز نے ایسا ناکہ روک لیا تھا کہ جس سے یہ دونوں پنڈارے سردار گوالیار نہیں جاسکتے تھے۔ پھر یہ دونوں جانب مغرب پلٹ گئے اور اُسطرف اُنکا راستہ جنرل ڈانکن نے روکا اور کریم خاں کے ہاتھی۔ نقارے۔ جھنڈے اور سب خاندان کو گرفتار کرلیا۔ دونوں سرداروں نے اپنے خیمہ و خرگاہ کو آگ لگادی اور اپنے چار ہزار بہترین سواروں کو لیکر جنوب کی طرف بھاگے اور اُنکے دوسرے آدمیوں کو انگریزی سپاہیوں نے اور اُن

صفحہ ۴۴۲

ہوئے اُسنے ستارا کے راجہ کو جو سیواجی کی اولاد سے تھا اور اُسکے خاندان کو اپنے لشکر میں پکڑوا بلایا اور اپنے ساتھ نظر بند رکھا۔ پیشوا نے جب اپنے تعاقب میں جنرل اسمتھ کو برابر لگا ہوا دیکھا تو وہ شمال کے رخ پونا کی طرف لوٹ پڑا۔ کرنل برقائد فوج نے اپنی کمک کے لیئے وہ دستہ بلوا لیا جو سیرور پر کپتان سٹینٹن کی سرکردگی میں ایک پلٹن اور تین سو بیقاعدہ سواروں کا چھوڑ دیا گیا تھا۔ کپتان سٹینٹن نے آٹھ بجے شام کو کوچ کیا اور پونا سے ۱۶ میل کے فاصلے پر کوری گاؤں میں یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو دس بجے صبح کے پہنچ گیا مگر وہاں کیا دیکھتا ہے کہ پورے پچیس ہزار مرہٹہ فوج ندی کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ مرہٹہ فوجیں اُس مٹھی بھر انگریزی فوج کے مقابلے کے لیئے ندی پار سے بھیجی گئیں۔ دراں حالیکہ یہ چھوٹی سی فوج رات بھر کے سفر سے چکنا چور ہو رہی تھی اور اُسکے پاس کھانے پینے کی بھی بہت کمی تھی مگر سپاہیوں اور افسروں نے زبردست مرہٹہ سپاہ کی ٹکر کو اٹل بامردی کے ساتھ برداشت کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی اور گاؤں کی چپہ چپہ زمین پر مجارحت و مدافعت کے جوہر دکھائے گئے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے بہ تنگ آکر پسپا ہو گئے۔ اس شاندار لڑائی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں تمام ہندوستانی سپاہی بغیر کسی یورپین امداد کے تھے صرف ۲۴ توپچی بیشک یورپین تھے جنمیں سے بیس اُسی دن قتل و زخمی ہو گئے۔ جو آٹھ افسر شریک کارزار تھے انمیں سے تین زخمی ہوے اور دو مارے گئے اور کُل نقصان انگریزی فوج کا ایکسو ستیاسی ہوا ہے۔

پیشوا کا تعاقب اور اسکی امان طلبی کوری گاؤں کو چھوڑ کر پیشوا نے پھر جنوب کا راستہ پکڑا۔ وہ اپنے متعاقبین سے بہت فاصلے پر رہتا تھا مگر اچانک انگریزی فوج نے اُسے مقام آشٹی پر جا ملایا۔ اوّل تو پیشوا نے اپنے سپہ سالار گوکھلے کو اس پر

باب ہفتم
فصل سوم

ٹوٹ چکی تھی اور ستلج کے اس پار کی ہر فوجی قوت کا سوائے سندھیا کی فوج کے بالکل خاتمہ ہو چکا تھا مگر سندھیا کی فوج بھی کچھ پر خطر نہیں رہی تھی۔ علاوہ براں اس فوجکشی کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ انگریزی حکومت دیسی رئیسوں پر قائم ہو گئی بلکہ انگریزی حکومت ہندوستانی دلوں پر قائم ہو گئی اور ہندوستانی راعی و رعایا دونوں کو یقین ہو گیا کہ اب تیغ ہندی غیر ہندی ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ بعض رئیسوں نے اپنی آزادیاں کھو دی تھیں اور اس آزادی کے ساتھ وہ احساس شرافت بھی کھو دیا تھا جو اکثر صفات حسنہ کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے خاص رئیسوں کے لیئے یہ تغیر ایک مصیبت سے کم نہ تھا مگر کافۃ الناس کے واسطے یہ انقلاب حکومت بلا شک و شبہ برکت الٰہی تھا۔ عالمگیر بے اطمینانی کی جگہ امن عامہ نے لیلی تھی جس کی کفیل ایک ایسی طاقت ہو گئی تھی جو امن عامہ کو پسند کرتی اور قائم رکھنا چاہتی تھی۔ تمام وسط ہند میں حقیقی امن و امان کا خیال دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہاں کے باشندے اب اپنی گذر اوقات اور اپنی نیکنامی و امتیاز کے ذرائع دور امن کے علم و فن کی ترقی میں بجائے جنگ و غارتگری کے مشغلوں کی تلاش کرنے لگے تھے۔ علاوہ براں ۱۸۱۸ء میں ہندوستان کی جو حدبست کیگئی وہ ایسی معقول اور پُرکار بنیاد پر قائم کی گئی ہے کہ اوس میں اُس وقت سے اب تک اتنی کم ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پڑی ہے کہ اتنے بڑے سیاسی ڈھیر میں اتنی صحت کا قائم رہ جانا عدیم النظیر نظر آتا ہے۔ اس طرح تمام مخالفتوں اور مقاومتوں پر غالب آکر لارڈ ہیسٹنگز نے تمام اقلیم ہند میں کمپنی کی عالمگیر حکومت کا اعلان کیا۔ جسمیں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آئندہ کے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے دریائے اٹک پر برطانوی ہند کی سرحد ہے؛

صفحہ ۴۴۳

کوریگاؤں کی لڑائی	باجی راؤ نے ۲۸۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو جانب جنوب اپنی پسپائی شروع کی اور ستارا پر سے گزرتے

باب ہفتم
فصل سوم

اسلیئے تمام مملکت پونا میں سے کچھ علاقہ پندرہ لاکھ سالانہ آمدنی کا لیکر ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت سے سیواجی کی اولاد کو دیدیا گیا اور بقیہ مملکت کو کمپنی کے علاقے کے ساتھ ملحق کر لیا گیا۔ پیشوا کو نظربند کر کے مقام بتیور پر کانپور کے قریب بھیجدیا گیا جہاں وہ اتنے عرصے زندہ رہا کہ اُسنے انگریزی خزانے سے ڈھائی کروڑ روپیہ بطور وظیفے کے وصول کر لیا۔

قلعہ جات کی تسخیر

یہ ملک جو جنگبازی کا آماجگاہ بنا رہا تھا ایسے قلعوں سے پٹا پڑا تھا جو کچھ عرصے تک ان رئیسوں کی اطاعت کے بعد بھی اپنی خود مختاری پر قائم رہے۔ ان قلعوں میں عام طور سے عرب سرفروشوں کی فوجیں تھیں جنکی خدمات کی محض اُنکی بہادری اور نمک حلالی کے اعتبار سے ہی قدر نہیں کیجاتی تھی بلکہ اُن کو دیسی سپاہ کے عوض رکھا جاتا تھا جنکی قدیم خصوصیت نافرمانی تھی۔ قلعۂ تالنیر کی تسخیر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں ایک غلط فہمی کی وجہ سے تین سو قلعہ بند فوج کا قتل عام کر دیا گیا اور قلعہ دار کو بے انصافی کے ساتھ پھانسی دیدی گئی اور اس کارروائی نے سرٹامس ہلپ سپہ سالار افواج انگلشیہ کے دامن شہرت پر نہایت بدنما دھبہ لگا دیا۔ سب سے آخر میں جو قلعہ تسخیر ہونے سے رہگیا وہ اسیرگڈھ تھا۔ سندھیا نے ضابطے سے وہاں کے قلعہ دار کو حکم بھیجا تھا کہ اس قلعے کو حوالے کر دے اگر قلعہ دار مذکور کے پاس بخ سے احکام ایسے پہنچگئے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اسکو خود نہ حوالے کرے اور یہ قلعہ اُس وقت تک نہیں تسخیر کیا جاسکا جبتک کہ ساٹھ سے زائد توپوں کا ایک قلعہ شکن توپخانہ کامل پندرہ دن تک اُسپر گولے نہ برساتا رہا۔

باب ہفتم
فصل سوم

لعنت و ملامت کی اُسنے انگریزی فوجوں کو بالکل سر پر کیوں آجانے دیا۔ پھر وہ اپنی پالکی سے اترا اور گھوڑے پر بیٹھکر بھاگا اور سپہ سالار کو پسپائی قائم رکھنے کے لیئے چھوڑ گیا۔ گوکھلے کو اپنے آقا کے سخت الفاظ کا نہایت صدمہ ہوا اور اُس نے اُس دن جان ہی دینے کی دل میں ٹھان لی۔ چنانچہ اُسنے تین سو چیدہ سوار اپنے ساتھ لیئے اور خود سب سے آگے ہوکر انگریزی رسالے پر ٹوٹ پڑا اور تین پستول کی گولیاں اور تین تلوار کی ضربیں کھاکر میدان شجاعت میں اُسنے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور سب سے آخری اور سب سے شریف و شجاع مرہٹہ سردار کا اسطرح سپاہی کی موت پر خاتمہ ہوگیا۔ مقام آشٹی پر راجہ ستارا کو پیشوا کی نظربندی سے خلاصی دلوادی گئی۔ تمام دکن میں جب پیشوا کا کہیں پیچھا نہیں چھوڑا گیا تو اُس نے پھر شمال کا رخ کیا اور تاپتی کو عبور کرکے نربدا پار اُتر نکلنے ارادے سے چلا۔ مگر تمام گھاٹوں پر انگریزی فوجیں متعین تھیں اور متعاقب فوجوں کے دستے ہر طرف سے اُسپر بڑھتے چلے آتے تھے یہانتک کہ جب پیشوا کو کوئی مفر نظر نہیں آیا تو اُسنے پھر سرجان ملکم کی کمزور طبیعت کی طرف رجوع کیا اور اُسسے اپنا قدیم ترین اور بہترین دوست لیکر اُس کی پناہ ڈھونڈی۔ تعجب یہ ہے کہ سرجان ملکم نے پھر اُسکو ملاقات کی اجازت دی اور اُسنے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے پھر سرجان ملکم کو گرویدہ کرلیا اور ایسے وقت پر جبکہ اُسکی قسمت کا پاسہ بالکل پلٹ چکا تھا اور اُس سے من مانی شرائط پر اطاعت کرائی جا سکتی تھی۔ جنرل سرجان ملکم نے کوتہ اندیشی سے اُسکو آٹھ لاکھ سالانہ وظیفہ دلانیکا اور بہت سی مفر اور خلاف مصلحت مراعات عطا کردینے کا وعدہ کرلیا۔ لارڈ ہیسٹنگز کا خیال یہ تھا کہ پیشوا کو صرف دو لاکھ سالانہ کا وظیفہ دیا جائیگا اور اُس کو سرجان کی اس غیر دانشمندانہ فیاضی سے سخت صدمہ ہوا مگر تقاضائے پاس وضع یہ تھا کہ وعدے کی گورنر جنرل نے تصدیق کردی۔ پہلے سے یہ اعلان عام کردیا گیا تھا کہ پیشوا اور اُسکے خاندان کو تخت پونا سے ہمیشہ کے لیئے محروم کردیا گیا ہے۔

(صفحہ ۳۴۶)

باب ہفتم
فصل چہارم

اخلاق و انداز کا لحاظ رکھا گیا ہے اوسپر اظہار اطمینان کیا جائے ۔

مجلس انتظامیہ نے بھی اسی نکتہ چینی کے انداز سے اگرچہ اُس دوربینی۔ مستعدی اور سرگرمی کی تعریف کی جو لارڈ ہیسٹنگز نے ایک مخاصمانہ سازش کے جمع ہونیوالے عناصر کے منتشر کردینے میں ظاہر کی تھی مگراسپر بھی نہایت افسوس ظاہر کیا کہ واقعات ایسے پیش آگئے جنکی وجہ سے توسیع مملکت ناگزیر ہوگئی۔ ایوان ہند نے تو گویا لارڈ ہیسٹنگز کو ذات باہر ہی کردیا تھا اور ایوان مذکور کے جو باضابطہ مراسلات لارڈ موصوف کے پاس آتے تھے وہ اُن مراسلات سے کچھ کم تلخ و ترش نہیں ہوتے تھے جو کلایو یا وارن ہیسٹنگز یا لارڈ ولزلی کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس فوج کشی کی تکمیل کی اطلاع ہونے پر جو مراسلہ ایوان ہند نے بھیجا تھا وہ نہایت تندوترش الفاظ و خطابات سے بھرا ہوا تھا اور بقول لارڈ ہیسٹنگز کے محض اشک شوئی کی خاطر بھی ان تمام فوجی کارگزاریوں کے شاندار نتایج پر اشارۃً بھی اظہار اطمینان نہیں کیا گیا تھا۔ ایوان مذکور نے لارڈ ہیسٹنگز کو اس بات پر ملامت کی تھی کہ اُسنے ایوان موصوف کی تخفیف سپاہ کے احکام کو قصداً پس پشت ڈال دیا دراں حالیکہ ایوان مذکور پر قطعی ویقینی شہادت سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ بصورت موجودہ جبکہ ایسی خطرناک آویزش ناگزیر ہوچکی تھی۔ فوجی تخفیف کے احکام پر عملدرآمد ہونا سلطنت کے اغراض کے لیئے یقیناً مہلک ہوتا۔ ایک وسیع پیمانے پر فوجی کارروائیوں کی ضرورت پیش آتی دیکھکر لارڈ ہیسٹنگز نے صیغۂ میرسامانی کو از سرنو ترتیب دیا تھا اور مجلس انتظامیہ نے اُسے اسپر بھی ملامت کی کہ اُسنے اس کام کے لیئے مجلس موصوفہ کی منظوری پہلے سے کیوں نہ حاصل کرلی۔ ساتھ ہی اسکے مجلس موصوفہ نے اپنے ایک خاص آدمی کو اس عہدۂ میرسامانی پر متعین کرنیکے لیئے زور دیا جسکے متعلق لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے جوابی مراسلے میں صاف

(صفحہ ۲۲۸)

باب ہفتم

فصل چہارم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت - انگلستان کی کارروائیاں تعلیم - مطابع - پامر اینڈ کمپنی

انگلستان میں کارروائیاں مسٹر کیننگ نے ایوان عام میں لارڈ ہیسٹنگز کے اور ہندوستانی فوج کے لیئے شکریہ کی جو معمولی تجویز پیش کی اسمیں مندرجۂ ذیل تقریر کی:۔

اس ملک کی اب تک یہ عادت رہی ہے کہ ہندوستان میں انگریزی فوجوں کو بڑے حسد کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ ہماری فوجیں ہندوستان میں متواتر کامیابیاں حاصل کرتی رہی ہیں مگر انکو متواتر قابل اعتراض سمجھنے ہی کو انصاف سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں کسی جنگ کا اختتام خواہ کتنا ہی شاندار ہوا ہو لیکن اسکو کبھی خالص اطمینان کے ساتھ نہیں دیکھا گیا ہے اور توسیع مملکت کو عموماً فہم اہل خرد اور انصاف پسند اہل معلومات کی طرف سے حق تلفی و آزپروری کے ساتھ منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ ان تمام خیالات کو اس جنگ مرہٹہ و پنڈاری کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ پھر بھی ایوان عام سے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس تجویز شکریہ کے معنے یہ نہ سمجھیں کہ جنگی حکمت عملی کی کوئی منظوری آئندہ کے لیئے عطا کی جارہی ہے بلکہ اسکی غرض صرف اتنی سی ہے کہ فوجکشی کے دوران میں جس حربیا

باب ہفتم
فصل چہارم

آنکھولا۔ اب تک جتنی کوششیں روز افزوں سرگرمی کے ساتھ ہندوستانیوں کو تعلیم دلانے کیلئے کیجارہی ہیں ان سبکی ابتدا لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت سے ہوئی ہے ؂

لارڈ ہیسٹنگز اور مطابع

لارڈ ہیسٹنگز کی اس فراخ حوصلہ حکمت علی سے ہمت پاکر ۳۱۔ مئی ۱۸۱۸ء کو سیرامپور مشن نے پہلا ہندوستانی اخبار موسومہ سما چار درپن یعنے آئینۂ واقعات جاری کیا۔ ایک غیر سرکاری اخبار کی قوت متحرکہ سے ہندوستانی دل و دماغ میں جمود کی حالت سے تحریک پیدا کرنیکی کوشش نے حکومت کے سربر آوردہ حکام کے دلوں میں بہت سی بدگمانیاں پیدا کیں مگر لارڈ ہیسٹنگز نے اس تحریک کو ہر طرح سے امداد پہنچائی۔ لارڈ موصوف نے انگریزی اخباروں کے ساتھ اسی فراخ حوصلگی کا اظہار کیا اور اپنے ہمعصر ممبران کونسل کی شدید مخالفت کی پرواہ نکرکے ان اخباروں پر سے وہ احتساب (Censor ship) اُٹھا دیا جو لارڈ ولزلی نے جنگ کی طوائف الملوکی کے زمانے میں قائم کردیا تھا۔ بہر حال حکمراں طبقے کے احساسات کا احترام کرنیکی غرض سے لارڈ ہیسٹنگز نے اخباروں کے ایڈیٹروں پر اخبار کے ایسے مضامین و مراسلہ نگاروں کے متعلق سخت قیود عائد کردیں جنکو احتساب سے مستثنیٰ سمجھا جاسکتا تھا۔ مگر یہ قیود بھی رفتہ رفتہ اُٹھ گئیں اپنی حکمت عملی کی مدارس کے ایک ایڈریس کے جواب میں اُسنے بدیں الفاظ توجیہ کی تھی ؂

(صفحہ ۳۴۹)

> میری عادت ہے کہ میں اخبارات کی آزادی کو رعایا کا قدرتی حق سمجھتا ہوں۔ اور اس آزادی پر سوائے خاص خاص اور ضروری وجوہ کے کبھی بندش نہیں عائد ہونی چاہیئے۔ اعلیٰ حکومت کی حسن شان یہی ہے کہ خواہ اُسکا نظام آمیزشوں سے کتنا ہی پاک ہو مگر وہ رائے عامہ کے تاثر پر ضرور نظر رکھے ؂

باب ہفتم
فصل چہارم

لکھدیا تھا کہ تمام فوج میں اس شخص سے زائد اس عہدے کے لیے غیر موزوں آدمی ملنا مشکل ہے۔ اسی مخالفانہ انداز کا ایک کرشمہ اس حرکت کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے کہ مجلس موصوفہ نے اُن اعزازات کو بھی روک رکھا جو کہ رگی۔ ستیابلدی اور کورگی گانوں کے جانبازوں کو قاعدے کے مطابق ملنے چاہیئے تھے۔

ترقی تعلیم

ہندوستان کی آخری حدبست و قیام امن دونوں خصوصیتیں ہر عہد حکومت کے لیئے باعث امتیاز ہو سکتی ہیں لیکن لارڈ ہیسٹنگز نے جمہور پر اظہار امتنان کا ایک مزید حق یہ قائم کیا کہ اسنے ہندوستانیوں کی ذہنی ترقیوں کے لیئے پہلے اسباب مہیا کیئے۔ ایوان ہند اب تک اس اصول پر کاربند تھا کہ اگر ہندوستانیوں کو علوم و فنون کی روشنی پہنچگئی تو اُنکی آنکھیں کھل جائینگی اور سیاسی حوصلمندیوں کے بڑھ جانے سے کمپنی کی سلطنت خطرے میں پڑ جائیگی اور آخر کار بالکل الٹ جائیگی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس اصول عمل کو مسترد کر دیا اور اپنی ایک ضابطے کی تقریر میں یہ الفاظ کہے کہ برطانوی وجدانِ قومی کے ساتھ یہ غداری ہوگی کہ ایسا خیال کیا جائے کہ اس حکومت کا منشا جہالت کو ہمیشہ قائم رکھکر کافۃ الناس کی بے بصیرتی سے کوئی ناجائز یار کیک فائدہ اُٹھانیکا ہے۔ ان روشن خیالیوں نے اشاعت تعلیم کی تحریک میں ایک فوری اور زبردست روح پھونکدی۔ لیڈی ہیسٹنگز نے ان خیالات کے اظہار سے پہلے ہی بارکپور میں ایک مدرسہ قائم کر کے اور طلبہ کے لیئے نصاب تعلیم تالیف کر کے عمدہ نمونہ قائم کر دیا تھا۔ کلکتے کے قرب و جوار کے اضلاع میں بھی پادریوں کے زیر اہتمام مدارس کھولے گئے اور اُنکے قیام کے لیئے گورنمنٹ نے فیاضانہ عطیات سے امداد کی۔ دارالحکومت کے بعض نہایت مقتدر اور متمول ہندوستانی اصحاب نے بہت بڑا سرمایہ اکھٹا کیا اور ہندو کالج اپنے عزیز واقربا کے انگریزی علم ادب اور یوروپین فنون کی تعلیم کے لیئے

خزانے کے جان بچا کر کٹک کو بھاگ گیا۔ باغیوں کی کامیابی بہت ہی مختصر رہی کیونکہ اُنکو اُن انگریزی فوجوں نے بہت جلد منتشر کر دیا جو فوری پہنچنے میں اس صوبے میں بھیجدیگئی تھیں۔ شورش پسندوں کو یہ یقین دلایا گیا کہ اگر اُنھوں نے اپنی شکایات باقاعدہ پر امن طریقوں سے گورنمنٹ تک پہنچائیں تو وہ ضرور رفع کی جائینگی چنانچہ وہ فوراً اسپر راضی ہوگئے۔ تکمیل تحقیقات کے بعد اس صوبے کی زمام حکومت ایک خاص کمشنر کے سپرد کردیگئی۔ تمام بدنام اور حریص اہلکاروں کو سزائیں دیگئیں اور جمعبندی کو بقدر دو خمس کے گھٹا دیا گیا۔ اسکے بعد سے کبھی اس صوبے کے امن وامان میں اختلال نہیں واقع ہوا اور اس دعوے کا ایک اور ثبوت بھی ملگیا کہ اگر جمعبندی کی شرح مناسب رہے۔ اگر نظام حکومت رعایا کی طبیعتوں کے موافق رہے اور اگر داد رسی جلد اور انصاف کے ساتھ ہوتی رہے تو غیر ملک والوں کی ماتحتی میں بھی ہندوستان سے زیادہ آسانی کے ساتھ کسی ملک میں حکومت نہیں کی جاسکتی ہے ؛

توفیر مالیہ اور علاقے کی توسیع لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت کے مالیہ کی حالت بھی نہایت مبارک رہی۔ باوجودیکہ کوہستان نیپال میں اٹھارہ مہینے تک جنگ کرنی پڑی تھی اور پنڈاری و مرہٹہ فوجکشی میں پورے آٹھ لشکر میدان جنگ میں بھیجے گئے تھے مگر کسی زمانے میں خزانے کی حالت ایسی دل خوش کن نہیں رہی جیسی کہ لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت کے اختتام پر تھی۔ سلطنت کے تمسکات جو لارڈ ہیسٹنگز کے ابتدائے حکومت میں بارہ روپے سیکڑے کا بٹہ کھا رہے تھے اب اُسکی روانگی کے وقت چودہ روپے سیکڑے کی بڑھوتری سے بک رہے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ سلطنت کا قرضہ بڑھ کر ساڑھے چار کروڑ تک پہنچ گیا تھا مگر سلطنت کے مختلف خزانوں میں اسوقت بچت کا روپیہ نقد پانچ کرور بمقابلہ اُس زمانے کے زائد تھا جو اُسکی

باب ہفتم
فصل چہارم

اس بدعت کی اشاعت نے ایوان ہند کو نہایت سخت برافروختہ کیا اور ایک مراسلے کا مسودہ فوراً تیار کیا گیا جس میں محکمۂ احتساب کی منسوخی کو ناجائز قرار دیا گیا تھا اور اسکے پھر فوراً قائم کردینے کی ہدایت کی گئی تھی مگر اس مراسلے کو مسٹر کیننگ نے روانہ نہونے دیا۔

کٹک کی بے چینیاں

۱۸۱۶ء میں اڑیسہ کا پرامن صوبہ بے چینی کا آماجگاہ بنگیا۔ ۱۸۰۳ء میں جب اس قطعۂ ملک پر قبضہ حاصل کیا گیا تو بنگالی بابوؤں کا ایک جم غفیر وہاں ٹوٹ پڑا اور ہر مقتدر عہدے پر قبضہ حاصل کرلیا اور ملکی و مالی قوانین کے گروں سے واقف ہوجانیکی وجہ سے انھوں نے مخلوق کی سادگی و جہالت سے فائدہ اٹھایا اور انھیں انکی اراضی سے محروم کرنا شروع کردیا۔ اس صوبے میں اراضی پر جمعبندی بھی بڑھا دیگئی۔ زمینداروں کی ناداری بڑھ گئی اور تقریباً نصف جاگیریں نیلام پر چڑھ گئیں اور دفتروں کے بنگالی اہلکاروں نے برائے نام قیمت پر اپنے نام ختم کرالیں۔ مصیبت پر مصیبت یہ آپڑی کہ اس صوبے میں نمک کا اجارہ بھی قائم کردیا گیا جس سے اس زندگی کی ضروری شے کی قیمت چھ گنی ایک ایسے ملک میں ہوگئی جہاں سمندر سے من مانی مقدار مفت مل سکتی تھی۔ ان تابڑ توڑ بلاؤں سے پریشان ہوکر غریب رعایا نے اپنا تمام اثاثہ اور پھر اپنے زن و فرزند کو بھی فروخت کرڈالا اور آخر کار علاقہ چھوڑ کر جنگل میں روپوش ہوگئے۔ اس طرح ملک بھر میں جب بغاوت کا مادہ پک گیا تو ایک شخص مسمی جگبندھو نے جو کسی قدیم ہندو خاندان کا موروثی سپاہی تھا تین ہزار آدمیوں کو جمع کرکے علم بغاوت بلند کردیا اور انکی مدد سے اسنے مقام خوردہ کا دفتری مستقر لوٹ لیا۔ اور ہندوستانی سپاہیوں کے دو دستوں کو دو بار شکست دیدی۔ اس کامیابی نے اسکی فوج کو اور بڑھا دیا اور اسنے شہر پوری پر قبضہ کرلیا اور یورپین محلہ جلا کر خاک سیاہ کرڈالا لیکن کلکٹر (افسر مال) مع اپنے

صفحہ ۳۴۳

ایوان ہذا میں ہندوستانی تذکرہ کو ہمیشہ ایک درد سر طوالت سمجھا جاتا ہے اسلیئے بجٹ کے موقعہ پر تقریریں کرنیکا رواج بھی جاتا رہا ہے۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ اگر اس موضوع کو جو معزز اراکین کی طبیعتوں کو متنفر کرنیوالا ہے آج کی فہرست مباحث سے نکال دیا جائے تو بھی کیا ان معزز اراکین کو آج کام سے بالکل فرصت مل جائیگی؟

مسٹر کیننگ نے اپنے پانچ سال کے زمانۂ صدارت میں سوائے لارڈ ہیسٹنگز کے واسطے تجویز شکریہ کی تحریک کرنیکے صرف ایک اور ہندوستانی معاملے کے متعلق ایوان حکومت میں کوئی بحث کی تھی اور وہ ایک مسودۂ قانون کے متعلق مباحثہ تھا جسکی رو سے ہندوستان میں نکاح شادیاں جائز قرار دیگئی تھیں۔ لیکن اسی زمانے میں جسکے ساتھ ایوان حکومت ایسی شانِ بے نیازی کو کام میں لارہی تھی سلطنت ہند میں وہ جامع تغیرات ظہور پزیر ہوگئے جو لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت کے لیئے مایۂ ناز ہیں۔ اسی زمانے میں ۴۲۔ لڑائیاں لڑی گئیں۔ اسی زمانے میں ایکسو بیس قلعے فتح کئے گئے اور اسی زمانے میں برطانیۂ عظمٰی کی شہنشاہی کا اعلان اقلیم ہند کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہو گیا ؟

حیدر آباد اور چندو لال

لارڈ ہیسٹنگز کی آخری کارروائی کا تعلق حیدرآباد سے تھا۔ میر عالم جنہوں نے ریاست حیدرآباد کے معاملات کا نہایت ہی قابلیت کے ساتھ تیس سال تک انتظام کیا تھا ۱۸۰۸ء میں انتقال کرگئے اور لارڈ منٹو کے ساتھ بہت ہی تند و ترش مباحثے کے بعد قلمدان وزارت منیرالملک کے سپرد کیا گیا جو ریزیڈنٹ کی رائے میں کمزور اور کم عقل تھے۔ مگر ریاست میں سیاہ سپید کا اختیار چندو لال کو تھا جو بڑی قابلیت عمل اور تجربے کے خداوند تھے۔ مجلس انتظامیہ نے ریاست حیدرآباد کے اندرونی

باب ہفتم
فصل چہارم

آمد کے وقت تھا مستقل آمدنی چھ کرور بڑھ گئی تھی اور مستقل مصارف بھی چار کرور بڑھ گئے تھے اس طرح بھی دو کرور کی بچت رہتی تھی اسلیئے سنہ ۱۸۲۲ء کو ہندوستانی خزانے کے بھلے دنوں سے تعبیر کرنا چاہیئے۔
جس وقت لارڈ ہیسٹنگز پنڈاروں اور مرہٹوں کے خلاف میدان میں اترا ہے تو اسکو زیادہ تر یہی امید تھی کہ ثمرات جنگ میں ایک چپہ زمین بھی کمپنی کے ہاتھ نہیں آئیگی لیکن بقول مسٹر کیننگ کے انگریزی سلطنت کے خود بخود توسیع پذیر ہونیوالے ناقابل علاج میلان طبع نے لارڈ ہیسٹنگز کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مرہٹہ رئیسوں کی بلا اشتعال مجارحت اور پھر انکی مکمل سرنگونی نے انکے تمام علاقے کو کمپنی کے تصرف میں دیدیا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے ہلکر اور ناگپور کے علاقوں کو بڑی حد تک واپس دیدیا لیکن باجی راؤ کی مملکت کو بہ استثنائے علاقہ ستارا ضبط کر لینے پر اسے زبردستی اسلیئے مجبور ہونا پڑا کہ کہیں خود بقول اسکے پھر اسی غداری و سازش کی بہت جلد تجدید نہو جائے جو اس مملکت کے آب و گل میں ایسی رم گئی تھی کہ سوائے قلب ماہیت حکومت کے اور کسی طرح اسکا علاج ہی نہیں ہو سکتا تھا اس مملکت کا الحاق احاطہ بمبئی کے ساتھ کر دیا گیا اور اسکا انتظام

صفحہ ۳۴۱

کمپنی کے ایک قابلترین مدبر یعنے مسٹر منسوارٹ الفنسٹن کو سپرد کیا گیا۔
ایوان حکومت لنڈن ہندوستانی معاملے کے ساتھ جتنی زیادہ بے تعلقی کا لارڈ ہیسٹنگز کے دوران حکومت میں برتاؤ کیا اتنی غیر معمولی توجہ اور سرگرمی اپنے معاملات میں خود ہندوستانی گورنمنٹ نے ظاہر کی۔ مسٹر ڈنڈاس نے سالانہ تکدمہ کا سلسلہ اس غرض سے جاری کر رکھا تھا کہ اسی حیلے سے سال میں ایکدفعہ ایوان حکومت کو یہہ یاد دلا دیا جائے کہ اسکی کوئی سلطنت ہندوستان میں بھی ہے۔ لیکن ایوان حکومت نے ہندوستانی معاملات کے ساتھ کچھ ایسی سرد مہری اختیار کر رکھی تھی کہ ایک مرتبہ جماعت نگران کار کے صدر مسٹر کیننگ کو ایوان حکومت میں سر اجلاس یہ کہنا پڑا کہ

ہوئے چلے جاتے تھے اور زراعت بند ہو جانے سے اشیاء خوردنی کی قیمت قحط کے زمانے میں برابر گراں ہو گئی تھی۔ اس طرح جو دولت حاصل ہوتی تھی، وہ چندو لال اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے میں صرف کرتے تھے انھوں نے رزیڈنٹ کے لیئے ایک نہایت شاندار کوٹھی تعمیر کرائی اور اس کی آرائش کے لیئے ولایت سے نہایت قیمتی سامان منگوایا انھوں نے نواب نظام الملک بہادر کے درباریوں کو رشوتیں دیکر اور خود نواب نظام الملک بہادر کو روپیہ جمع کرنیکی ترغیب دیکر اپنا رسوخ ایک مختار کل کی حیثیت تک بڑھا لیا تھا۔ یہاں تک کہ نومبر ۱۸۲۰ء میں مسٹر مٹکاف کا تقرر رزیڈنٹی حیدرآباد پر ہوا اور اسنے ملک کی حالت پر ایک غائر نظر ڈالکر اسکی اصلاح کرنیکا عزم کیا۔ رزیڈنٹ نے اپنے بعض سیاسی نائبوں کو اور بعض فوجی افسروں کو اضلاع تغلبندی کا انتظام سپرد کیا۔ جمعبندی کی شرح بہت نرم کردیگئی اور تحصیل وصول میں تشدد کرنیکا طریقہ مسدود کر دیا گیا۔ فوراً امن قائم ہونے لگا۔ مواضعات پھر سے آباد ہونے لگے۔ کاشت پھر شروع ہوگئی اور وصولی لگان کی کارروائی بلا فوجی امداد کے مزے میں ہونے لگی تھی۔

پامر اینڈ کمپنی مسٹر مٹکاف کو حیدرآباد میں رہتے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اسنے یہ محسوس کر لیا کہ ریاست کے ساتھ پامر اینڈ کمپنی کے لین دین کی وجہ سے ترقی کی تمام امیدیں خاک میں ملی جاتی ہیں۔ مسٹر ولیم پامر نے ۱۸۱۴ء میں حیدرآباد میں ایک ساہوکاری کوٹھی کھولی تھی جسکا بہت ہی جلد چندو لال سے بھی تعلق ہو گیا اور اس کوٹھی نے نواب نظام الملک بہادر کے خزانے کو روپیہ قرض دینا شروع کر دیا احکام ایوان حکومت کے مطابق ایسے لین دین کے معاملے کے لیئے گورنمنٹ ہند کی خاص منظوری کی ضرورت تھی اور کونسل کی رضامندی سے اور سرکاری مشیر قانونی کی رائے سے اتفاق کر کے لارڈ ہیسٹنگز نے اجازت دیدی اور وقتاً فوقتاً ساہوکان مذکور نے ریاست کو قرض دینا شروع کیا مگر شرح سود نہایت گراں بار یعنے پچیس روپے سیکڑہ

باب ہفتم
فصل چہارم

انتظام میں دخل دینے سے سختی کے ساتھ ممانعت کر رکھی تھی اور رزیڈنٹ کو ہدایت کر دی تھی کہ اپنی توجہ کو صرف اس چھ ہزار پیدال اور نو ہزار سوار کی امدادی فوج پر مبذول رکھے جسکی بحالت جنگ بہم پہنچانیکی پابندی بروئے معاہدہ ۱۸۰۰ء ریاست پر عائد تھی۔ وہ دیسی سپاہی جو ایک جم غفیر سے کم نہیں تھے رزیڈنٹ کی انتھک کوششوں سے ایک معقول قواعد داں سپاہ کی حیثیت میں تبدیل ہو گئے تھے جسکو خاص کمپنی کی فوج سے مستعار لیئے ہوئے افسر قواعد سکھاتے تھے اور اپنی قیادت میں رکھتے تھے یہاں تک کہ یہی بے قاعدہ گروہ اپنی فوجی شان و قابلیت میں خود کمپنی کی سپاہ کے ساتھ برابر کا پہلو رکھنے لگا تھا۔ چونکہ محکمہ سپاہ کا تعلق بالکل چندو لال سے ہی تھا۔ اسلیئے رزیڈنٹ غیر معمولی فوجی مصارف کو کم کرنیکی کوئی توجہ نہیں کرتا تھا۔ اس فوج میں صرف ضرورت سے زائد یوربین افسر ہی نہیں تھے بلکہ افسروں کو ضرورت سے زائد تنخواہیں بھی دی جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ فوج برطانوی رزیڈنٹ کے لئے متلاشیان روزگار کی سرپرستی فرمانیکا نہایت قیمتی وسیلہ نکلی اور چاہے جنگ کے زمانے میں یہ کتنی ہی کام کی چیز ہو مگر صلح کے زمانے میں تو محض نمائش سے کچھ ہی بہتر تھی۔

صفحہ ۲۰۴

چندو لال کا عہد انتظام ۱۸۰۹-۴۳ء اگر بعض اطمینان کی گھڑیاں نکالدی جائیں تو ملک بھر کے واسطے چندو لال کا عہد انتظام ۳۵ سال تک ایک مشکل زمانہ رہا۔ برطانوی قوت اس عہد کو قائم رکھنے والی تھی مگر برطانوی دیانت اس عہد کی نگرانی کرنیوالی نہیں تھی۔ ہر جگہ بد انتظامی کا دور دورہ تھا۔ دیوانی ڈگریاں صرف روپیہ کے زور سے لی جا سکتی تھیں۔ اراضی صرف اس کو مل سکتی تھی جو سب سے زائد روپیہ دے اور پھر زمیندار کو موت زیست کے اختیارات حاصل ہو جاتے تھے مصیبت زدہ کاشتکار سے کوڑی کوڑی وصول کی جاتی تھی اور سیکڑوں کا نون دیوان

خالی نہیں ہے اور اسکے خیالات رمبولڈ خاندان کی خط و کتابت سے متاثر ہو رہے ہیں اسلیئے رزیڈنٹ کی تحریریں گورنر جنرل کو ناگوار گزرتی ہیں۔ اس کوٹھی نے چندو لال کو خاص طور سے اس کام کے لیئے مقرر کیا کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی منظوری ساٹھ لاکھ کا ایک قرضہ لینے کے لیئے حاصل کرے اور وجہ یہ ظاہر کی جائے کہ اس رقم سے عملہ و فاتر کی تنخواہیں دی جائینگی۔ ہندوستانی ساہوکاروں کے جو قرضے ہیں وہ ادا کیئے جائینگے اور کاشتکاروں کو تقاوی دی جائیگی لارڈ ہیسٹنگز کی رائے میں یہ غرضیں نہایت معقول تھیں اسلیئے اُس نے اس تجویز کو اپنی ذاتی رائے کی کثرت کے ساتھ منظور کر لیا۔ مسٹر مٹکاف کو حیدر آباد پہنچکر معلوم ہوا کہ اس رقم کا صرف ایک جزو نواب نظام الملک بہادر کے خزانے میں گیا ہے۔ آٹھ لاکھ روپیہ تو بطور دستوری یا انعام کے کارکنان کوٹھی کو دیدیا گیا اور باقی کی رقم اُن قرضوں کی ادائیگی میں صرف کی گئی جو ریاست کے ذریعہ کو واقعی دینے تھے محض ظاہر کیا تھا کہ دیئے گئے ہیں نگران قرضوں کے لیئے کلکتہ گورنمنٹ سے پہلے سے استصواب نہیں کیا گیا تھا بلکہ کچھ پیچ ڈال کر بعد کو منظوری لیلی گئی تھی۔ یہ لین دین ایسا نامعقول تھا کہ اب عذر معذرت کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور خود لارڈ ہیسٹنگز نے اور ممبران کونسل نے بھی اسکا نہایت نفرت و ملامت کے الفاظ کے ساتھ تذکرہ کیا۔ پچیس روپے سیکڑہ کی شرح پر سود در سود لگا کر یا مر کمپنی نے نواب نظام الملک پر اپنا مطالبہ بڑھا کر ایک کرور کر دیا تھا اور چونکہ گورنمنٹ یہ چاہتی تھی کہ آئندہ کے لیئے یہ لین دین بصیغۂ فوری بند کر دیا جائے اسلیئے علاوہ خفیہ انعاموں یا دستوریوں کے اور تمام قرض کو فوراً ادا کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا۔ ۱۸۰۶ء کے ذلت آمیز معاہدے کے مطابق گورنمنٹ اس بات کی پابند تھی کہ نواب نظام الملک بہادر کو سات لاکھ روپیہ سالانہ اضلاع شمالی سرکار کے لیئے بطور خراج کے دیا کرے۔ اور یہ ادائگی

صفحہ ۴۴۳

باب ہفتم
فصل چہارم

تھی۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں اس کوٹھی کا حصہ دار سر ولیم رمبولڈ ہو گیا جسنے لارڈ ہسٹنگز کی اس لے پالک سے شادی کی تھی جسنے لارڈ موصوف اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا تھا معلوم نہیں وہ کونسی ساعت تھی جبمیں لارڈ ہسٹنگز نے سر ولیم کو ایک خط لکھا جسمیں مندرجۂ ذیل مضمون بھی تھا :۔

صفحہ ۳۴۴

تمھارے شرکا یہ خیال کر رہے ہونگے کہ تمھاری اس کوٹھی میں شریک ہو جانے سے مجھے بھی اس کوٹھی کی بہبودی کے ساتھ دلبستگی ہو جائیگی۔ انھوں نے نہایت معقولیت اور ایمانداری سے نتیجہ نکالا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ گورنمنٹ کس درجہ سرپرستی فرما سکیگی کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ گورنمنٹ کا طرز عمل اس عام رائے کا پابند رہیگا جو باشندگان ہندوستان ایک ایسے ساہوکارے کے متعلق قائم کر سکینگے جسکی عزت مقامی حکومتیں اسلیئے ضرور کرینگی اسکے تعلقات حکومت عظمیٰ برطانیہ کے ساتھ اتنے قرب واعتماد کے ہیں :۔

اس مضمون کی اشاعت سر ولیم نے نہایت خاص اہتمام کے ساتھ کر کے حیدرآباد میں اس کوٹھی کے اچھی طرح قدم جما دیئے اور نواب نظام الملک بہادر کو گراں بار شرح سود پر قرضوں پر قرضے دیئے جانیلگے اور علاقوں پر علاقے ان تمسکوں میں مکفول ہونے لگے :۔

مسٹر مٹکاف کی عرضداشت

مسٹر مٹکاف کی باریک بین نظر سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی کہ پامر کمپنی ریاست میں ایک خطرناک قوت ہوتی جارہی تھی اور ریاست کی آمدنی برابر اس کوٹھی کے ہاتھوں میں چلی جارہی تھی اور ریاست بالکل مجبور اور بیدست وپا تھی آخرکار مسٹر مٹکاف نے اپنی بیلاگ رائے اس موضوع پر لارڈ ہسٹنگز کو لکھ بھیجنے کی جرأت کی لیکن اُسے معلوم ہو گیا کہ لارڈ موصوف کا دل اس معاملے میں جنبہ داری سے

بھیجدیا جائے۔ یکم جنوری ۱۸۲۳ء کو لارڈ ہیسٹنگز انگلستان کو روانہ ہوگیا۔

لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت پر ایک نظر

جو مہتم بالشان کارگزاری سلطنت برطانیہ کو مستحکم کرنیکی یا بقول ہندوستانیوں کے تمام ہندوستانیوں کو ایک چھتر کے تلے لے آنیکی لارڈ ہیسٹنگز سے ظہور میں آئی اسمیں اگرچہ اسکی سیاسی جدت طبع وارن ہیسٹنگز یا لارڈ ولزلی تک نہیں پہنچتی مگر اسمیں شک نہیں کہ اسکی بھی نہایت ہی اعلیٰ درجے کی قابلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسکے عہد حکومت کو مسلمانوں کے دارالخلافہ کے باشندوں کا شکریہ حاصل کرنیکا فخر حاصل ہے کیونکہ اسنے اُس نہر کو پھر جاری کرایا جو ساٹھ سال سے خشک ہوگئی تھی اور صاف پانی اُس میں جاری کیا۔ کلکتے کے رونق و فروغ کی داغ بیل لارڈ ولزلی نے ڈالی تھی جسکو وہ اپنے عہد حکومت کا آخر زمانہ آجانیکی وجہ سے تکمیل کو نہیں پہنچا سکا تھا وہ لارڈ ہیسٹنگز کے ہاتھوں اتمام کو پہنچی۔ شہر کی ہوا کو صاف اور صحت بخش بنانیکا یہ انتظام کیا گیا کہ وسط شہر میں سے ایک سڑک بیس گز چوڑی نکالی گئی جسمیں جگہ جگہ چوک اور فوارے بنائے گئے اور دریا کے سامنے کا کنارہ جو ایک نہایت بد نما سڑے پانی کا گڑھا تھا اوسکے گرد ایک نہایت شاندار بند باندھا گیا جو اس محلوں والے شہر کی شان کے قابل ہے۔ کسی گورنر جنرل نے اپنے فرض منصبی کی ادائگی میں لارڈ ہیسٹنگز سے زائد تندہی و محنت سے کام نہیں لیا ہوگا۔ اگرچہ وہ ستر سال کے لگ بھگ پہنچ چکا تھا مگر چار بجے نور کے تڑکے اپنی میز پر پہنچ جاتا تھا اور بنگال کی اس سخت گرم آب و ہوا میں جسکو اب باوجود اس سے بچنے کے ذرائع کی کثرت کے بھی ناقابل برداشت سمجھا جاتا ہے یہ لارڈ ہیسٹنگز ہی تھا کہ سات برس تک برابر آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرتا رہا اور نہ کوئی پہاڑی آرام گاہ اس زمانے میں معلوم تھی نہ کوئی سمندر کی سیر کرنیکا جہاز اسکو میسر تھا۔

صفحہ ۳۴۵

لارڈ ہیسٹنگز کے یورپ چلے جانیکے | ایوان ہند میں مباحثہ ۱۸۲۴ء

باب ہفتم
فصل چہارم

پچاس سال تک پابندئی وقت کے ساتھ کیجاتی رہی تھی۔ اس سات لاکھ سالانہ کی ادائگی کو آیندہ کے لیئے بند کرکے اسکے عوض گورنمنٹ نے یکمشت ایک کروڑ روپیہ پامرکمپنی کو دیکر نواب نظام الملک بہادر کو اُن کے پنجے سے چھڑا دیا اسکے بعد سال بھر کے اندر اس کوٹھی کا دیوالہ نکل گیا۔

ایوان ہند کا شکریہ

مجلس انتظامیہ کو لارڈ ہیسٹنگز کے ساتھ جو مخالفت ہوگئی تھی اُسکا اظہار انکی تلخ و ترش نکتہ چینی اور نہ اُنکی بیدلی کی تعریف اور ان پر لعنت بھیجنے سے برابر ہوتا رہتا تھا۔ یہ مخالفت مطابع کو آزادی دیدینے سے اور خاصکر سر ولیم رمبولڈ کے حیدر آباد کی کوٹھی میں شرکت کر لینے سے اور بھی زیادہ سخت ہوگئی اور مجلس موصوفہ نے تاکیدی احکام صادر فرمائے کہ اس کوٹھی کو جو اعانت و اجازت گورنمنٹ نے دی ہے وہ فوراً منسوخ کردی جائے۔ مجلس انتظامیہ کے مراسلہ سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ مجلس موصوفہ کو اس خاص معاملے میں خود لارڈ ہیسٹنگز کی نیت کے متعلق بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اور وہ اس امر کو باور کرنے پر آمادہ ہے کہ کوٹھی مذکور کی بدمعاملگی سے خود لارڈ ہیسٹنگز کا بھی ایک حد تک تعلق ہے۔ اس رمز و کنائے سے نفور ہو کر اور ان مراسلات کے سخت لب و لہجے سے مشتعل ہو کر لارڈ ہیسٹنگز نے اپنا استعفا مجلس انتظامیہ میں اس عذر کے ساتھ بھیجدیا کہ اب گورنر جنرل مذکور پر سے مجلس انتظامیہ کا اعتماد اٹھگیا ہے۔ جواب میں مجلس موصوفہ نے اُسے یقین دلایا کہ اُسکے خیالات غلط فہمی پر مبنی ہیں اور مجلس موصوفہ نے اُسکے لیئے شکریہ کی تجویز اُس متواتر سرگرمی اور اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے منظور کی جسکے ساتھ اُسنے حکومت ہندوستان کا انتظام نو سال تک اسطرح کیا جو اُسکی شان کے بھی شایاں تھا اور کمپنی کے اغراض کے لیئے بھی مفید تھا۔ مجلس مالکان نے بھی بڑے شوق سے اس رائے سے اتفاق کیا اور مجلس انتظامیہ سے یہ خواہش ظاہر کی مجلس مالکان کی طرف سے بھی اظہار خوشنودی و شکریہ و اطمینان کا پیام لارڈ ہیسٹنگز کو

نہیں سرزد ہوئی ہیں۔ مگر اسمیں کمپنی کو کیا زیادہ الزام دیا جا سکتا ہے وہ اپنی داد و دہش میں یورپ کے بادشاہوں سے کمتر نہیں تھی مگر وہ تعصب عامہ سے کس طرح متاثر نہو سکتی۔ چنانچہ اسنے اُن شاندار ناموں کی فہرست میں ایک اور اضافہ کر لیا جنکو اُسنے ناسپاسی کا انعام دیا تھا یعنے کلائیو۔ وارن ہیسٹنگز۔ اور لارڈ ولزلی کے ساتھ لارڈ ہیسٹنگز کا نام بھی شامل ہو گیا۔ لارڈ ہیسٹنگز ۲۸۔ اگست ۱۸۲۷ء کو مالٹا میں انتقال کر گیا۔ اور ۱۸۲۸ء میں ایوان ہند نے تجویز ملامت کی تلافی کرنیکا ارادہ کر کے اُسکے خاندان کو بیس ہزار پونڈ کا عطیہ پیش کیا ؎

صفحہ ۴۶۶

باب ہشتم

فصل اول

لارڈ امہرسٹ۔ جنگ برما۔ بھرت پور۔ بغاوت بارکپور۔

لارڈ ہیسٹنگز کا استعفا وصول ہونے پر مسٹر کیننگ نے گورنر جنرل کے عہدے کو قبول کیا مگر وہ جہاز پر سوار ہونے والا ہی تھا کہ لارڈ لنڈن ڈیری کا انتقال ہو گیا اور مسٹر کیننگ کا تقرر منصب وزارت خارجہ پر ہو گیا۔ پھر اس شاندار عہدے کے واسطے دو امیدوار پیش ہوئے۔ ایک لارڈ ولیم بینٹنک تھا جسکو مجلس انتظامیہ نے ویلور کی گڑبڑ کے معاملے میں بے انصافی کرکے گورنری مدراس سے معزول کر دیا تھا اور دوسرا لارڈ امہرسٹ تھا جو حال ہی میں سفارت پیکن پر سرفراز رہ چکا تھا اور جس نے دربار چین کی شاندار تمکنت کے ساتھ عہدہ برآ ہونے میں قابل تقلید سکون

باب ہفتم
فصل چہارم

دو سال کے اندر مسٹر ڈگلس کینارڈ نے مجلس مالکان میں یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ہیسٹنگز کی خدمات کے شایان شان اُسکو زر نقد کی صورت میں ایک انعام دیا جائے۔ اس تجویز کے پیش ہونے پر وہ بغض و عناد کے گندے نالے اُبل پڑے جو اُس اظہار خوشنودی وشکریہ واطمینان کی باضابطہ چٹھیوں کے تلے دبے پڑے تھے جسکا پیام مجلس مالکان نے مجلس انتظامیہ کے توسط سے لارڈ ہیسٹنگز کو بھیجا تھا۔ اس تجویز میں اول تو یہ ترمیم منظور کی گئی کہ حیدر آباد کی لین دین سے متعلق تمام کاغذات طلب کیئے جائیں یہ پوری مثل پورے ایک ہزار فلسکیپ کے صفحات سے بھری ہوئی تھی اور اسپر چھ دن تک طول طویل مباحثہ ہوتا رہا جسمیں ذاتیات کا پورا پورا رنگ غالب تھا۔ اس مباحثے کے اختتام پر مجلس انتظامیہ کے صدر مسٹر رسل نے ایک ترمیم بدیں الفاظ پیش کی کہ

> اگرچہ خاص گورنر جنرل کی نیت کو کسی بد دیانتی سے منسوب کرنیکے وجوہ موجود نہیں ہیں مگر مجلس مالکان اُن تمام مراسلات سے اتفاق رائے ظاہر کرتی ہے جو مجلس انتظامیہ نے حیدر آباد کی لین دین کے متعلق لارڈ ہیسٹنگز کو بھیجے تھے۔

یہ مراسلے تعداد میں چار تھے۔ ان میں لارڈ ہیسٹنگز پر دوسرے الزاموں کے علاوہ یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اُسنے بنام کمپنی کے تنہا فائدہ کے لیئے حیدر آباد کی لین دین کے معاملے میں کمپنی کے اثر و اقتدار سے کام لیا اور اس معاملے میں ایسی کارروائیاں جائز رکھیں جنکی نظیر ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں نہیں ملتی یہاں تک کہ اُسنے قصداً ہر قسم کے نگرانی و تدارک سے پہلو تہی کیا۔ ان مراسلات کے ساتھ اتفاق کرنیکے معنے یہ تھے کہ لارڈ ہیسٹنگز کو انتہائی لعنت و ملامت کا مستوجب قرار دیا جائے مگر یہ ترمیم دو سو بارہ کی کثرت رائے سے منظور ہوگئی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُس شخص کی جسنے اُسکو معراج عظمت و شان تک پہنچا دیا تھا یہ کہکر جان بخشی کر دی کہ اسکی تقصیریں اسکی کسی بالقصد بد نیتی کی وجہ سے

مخاصمانہ تنازعات میں الجھا ہوا پایا جو پانچ ماہ کے عرصے میں اعلان جنگ پر ختم ہوئے۔ مملکت برہما بنگال کے مشرق میں واقع ہے اور بنگال کے اور اوس ملک کے درمیان ایسے پہاڑ اور جھاڑیاں واقع ہیں جنمیں مختلف وحشی قبیلے رہتے ہیں۔ جنگ پلاسی کے چار سال بعد یعنے ۱۷۶۱ء میں ایک مجہول النسب شخص مسمی الومپرا نے جو حیدر علی اور رنجیت سنگھ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا صرف ایک سو رفیقوں کے ساتھ ابتدا کر کے رفتہ رفتہ یہ طاقت حاصل کر لی کہ مقام آوا میں ایک نیا خاندان حکومت قائم کر لیا اور حسب معمول اس نئی سلطنت کا دستور العمل بھی مجاہدت و فتوحات ہی رہا۔ اہل سیام سے صوبہ ٹناسرم چھین لیا گیا اور مملکت برہما میں ریاست اراکان کا بھی الحاق کر لیا گیا جسکے اور کمپنی کے علاقے کے درمیان صرف ٹیکناف حائل ہے۔ اس ریاست کے تیس ہزار سے زائد باشندے برہمی حکام کے تشدد سے پناہ پانیکے لیئے متصلہ علاقہ چٹگانگ میں بھاگ کر چلے آئے اور یہاں انکو بنجر زمینیں کاشت کرنے کے لیئے دیکر بسا دیا گیا۔ برہمی حکام نے متواتر ان لوگوں کی سپردگی کا مطالبہ کیا مگر گورنر جنرل بالاصرار انکو ایسی حکومت کے حوالے کرنیسے انکار کرتا رہا جو اپنی بے رحمی کے لیئے زبان زد ہو چکی تھی۔ آخر جب شاہ آوا انگریزی حکومت کی ہٹ سے عاجز آگیا تو اُسنے غصے میں آکر لارڈ ہسٹنگز کو ایک خریطہ تمام مشرقی بنگال کی حوالگی کے متعلق لکھا جسکے آخر میں یہ الفاظ تھے ؎

ہندوستان سے یہ اضلاع کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ یہ ہمارے ہیں۔ اگر تم ان پر سے اپنا قبضہ نہیں اٹھاؤ گے تو ہم آکر تمھارے ملک کو تباہ کر دینگے ؎

لارڈ ہسٹنگز نے اس خط کو کسی بیہودہ منافق کی کارستانی سمجھا اور اسکو ملفوف کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ برہمیوں کی فتوحات عرصے سے متواتر جاری تھیں اور ۱۸۲۲ء میں مہا بندولا قومی سپہ سالار مملکت آسام کو فتح کر چکا تھا۔ جسکا ڈانڈا کمپنی کے ضلع رنگپور سے ملا ہوا تھا اسکے بعد

باب ہشتم
فصل اول

وتحمل سے کام لیا تھا۔ لارڈ امہرسٹ کو ترجیح دی گئی اور وہ یکم اگست ۱۸۲۳ء کو کلکتے کے ساحل پر اُترا۔ دونوں گورنر جنرلوں کے درمیان جو زمانہ خالی رہا اسمیں مسٹر جان آدم سینیر ممبر کونسل کے دوش پر بار حکومت رکھدیا گیا تھا۔ مسٹر آدم بڑا قابل اور تجربہ کار افسر تھا مگر اپنی مقامی جلیہ داریوں اور تعلقات کی وجہ سے وہ سلطنت کے سب سے بڑے منصب پر سرفراز کیئے جانے کا اہل نہیں تھا۔ اُسکا سات ماہ کا عہد حکومت اکثر صرف اس وجہ سے یاد آجاتا ہے کہ اُسنے مطابع کے ساتھ بڑی سختی برتی تھی۔ ۱۸۱۸ء میں مسٹر بکنگھم کلکتہ آیا تھا اور وہاں اُسنے اپنا کلکتہ جنرل نکالا جو اسوقت تک تمام اخباروں میں سب سے زیادہ قابلیت سے شائع کیا جانے والا پرچہ تھا۔ مسٹر بکنگھم نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا جو لارڈ ہیسٹنگز نے مطابع کو عطا کردی تھی اور اُسنے اپنے اخبار میں چند سلطنت کی کارروائیوں پر اس درجہ آزادی کے ساتھ رائے زنی کی جسکو سیاسی حیثیت سے مخدوش سمجھا گیا۔ لیکن سب سے بڑا قصور جو اس اخبار نے کیا وہ چند.... مذاقوں کا شائع کرنا تھا جنمیں حکومت کے سربرآوردہ اراکین کی کمزوریوں پر مضحکہ اڑایا گیا تھا۔ یہ اراکین حکومت پوتڑوں کے رئیس تھے اسلیئے انکو اخبار کی یہ طعنہ زنی ناگوار گزری مسٹر آدم لارڈ ہیسٹنگز کے آزادی مطابع کے اصول کا نہایت باقاعدہ مخالف رہا تھا اور وہ انتظار کررہا تھا کہ کب موقع ملے اور کب وہ اُسکا گلا گھونٹے۔ چنانچہ اسنے اپنے عہدے کا انصرام ہاتھ میں لیتے ہی ایک ایسا سخت ضابطہ نافذ کیا جسنے مطابع کی آزادی بالکل سلب کرلی۔ اور چونکہ مسٹر بکنگھم اس سخت طوفان غیظ وغضب کے آگے جھکا نہیں بلکہ روز بروز زیادہ سختی سے لکھتا چلا گیا اسلیئے اُسکو ہندوستان سے خارج البلد کرکے برباد کرڈالا گیا ٭

صفحہ ۴۳

برھمیوں کی سرکشی

لارڈ امہرسٹ نے انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ اُسنے اپنے تئیں برھمیوں کے ساتھ

باب ہشتم
فصل اول

صلح رہنے کی ہر کوشش سے برھمیوں کا اترانا بڑھتا ہی جاتا ہے تو اُسنے بھی فروری ۱۸۲۴ء میں اعلان جنگ کر دیا۔

فوجکشی کے انتظامات ۱۸۲۴ء

لیکن اب تک انگریزوں کو کبھی ایسے حقیر دشمنوں کے مقابلے میں نہیں آنا پڑا ہو گا جیسے کہ برھمی تھے۔ اُنکی فوج ایک نیم مسلح لچر گہاڑ تھی جنکو قواعد دانی یا شجاعت سے کوئی بہرہ نہیں تھا۔ اُنکے ہتھیار صرف گھٹیا باڑھ کی تلواریں اور برچھیاں تھیں اور کچھ دھماکے کی قسم کی بندوقیں تھیں اور اُنکا اصلی جوہر مدافعت اسمیں تھا کہ وہ نہایت تیزی اور اُستادی کے ساتھ لکڑی کے مورچے باندھ سکتے تھے۔ ابتدائے جنگ میں کلکتہ گورنمنٹ کو کوئی معلومات برھمیوں کے وسائل۔ اُنکی فوجی قوت بلکہ اُنکے مقامات کے ناموں اور موقعوں سے بھی نہیں تھی اور فوجکشی کا خاکہ کھینچنے کا کام کپتان کیننگ کے سپرد کر دیا گیا جسنے اُس ملک کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ کپتان کیننگ نے یہ رائے دی کہ دریائے ارادی کے بڑے بندرگاہ رنگون پر قبضہ کر لینے سے برھمی حکام بالکل بدہیبت ہو جائینگے اور اسی قبضے سے رسد اور باربرداری کے مواشی اور دریاؤں میں سفر کرنیکے لئے کشتیاں بنانیکا سامان بھی کثرت سے ہاتھ آ جائیگا۔ چنانچہ انگریزی مہم کا پورٹ کارنوالس کے فراخ بندرگاہ میں اجتماع کیا گیا جو مجمع الجزائر انڈمان کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس مہم میں گورہ اور ہندوستانی گیارہ ہزار سپاہ تھی جسکی قیادت سر آرچی بالڈ کیمبل کے ہاتھ میں دی گئی جو ڈیوک کی ماتحتی میں اسپین میں جنگی اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ جس بیڑے میں یہ فوج کوچ کرنے والی تھی اُس میں تین جنگی جہاز تھے اور ایک چھوٹی نئی دُخانی کشتی تھی جو کلکتہ میں بنی تھی اور مشرقی سمندر میں پہلی دخانی کشتی تھی۔ یہ فوجکشی نہایت نامبارک گھڑی سے شروع ہوئی۔ چٹاگانگ کی سرحد کی حفاظت کے لیئے چھوٹی سی ناکافی فوج چھوڑ دی گئی تھی یعنے تین سو ہندوستانی

صفحہ ۳۴۹

باب ہشتم
فصل اول
صفحہ (۳۴۸)

اُسنے ریاست منی پور کو بھی فتح کرلیا تھا جو کمپنی کی مشرقی سرحد سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی - اسطرح ساٹھ سال کے عرصے میں خاندان الومپرا نے اپنی حکومت ۸۰۰ میل رقبے کے علاقے پر قائم کرلی تھی جو حدود دہنگال کے کنارے سے حدود چین تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ غرض یہ کہ برمیوں کو اپنی ہر مہم میں جو برابر کامیابی نصیب ہوتی رہی تو اُس سے دربار برھما کو اپنی طاقت کا بہت بڑا گھمنڈ پیدا ہوگیا اور ہندوستانی گورنمنٹ نے اُس سے لڑائی مول لینے سے جو پہلو بچانا شروع کیا تو اُس سے تمام برمی قوم میں یہ جوش پیدا ہوگیا کہ کسی طرح سر میدان دو دو ہاتھ انگریزوں سے ہو ہی جائیں کیونکہ

اسباب جنگ ۱۸۲۳ء

جنگ کا فوری سبب یہ ہوگیا کہ برمی گورنر اراکان نے تمام آداب سلطنت کو خیرباد کہکر چھوٹے سے جزیرے شاہپوری کا مطالبہ کیا جو ٹیکناف کھاڑی کے اندر واقع تھا اور جس پر ایک فوجی چوکی قائم کردی گئی تھی۔ گورنر جنرل نے یہ تجویز کی کہ مشترک مجلس تحقیقات قائم کرکے یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ جزیرۂ متنازعہ کسکا حق پہنچتا ہے مگر اس تجویز کے جواب میں گورنر اراکان نے دس ہزار آدمی بھیجدیئے جنھوں نے اُس کمزوری چوکی کے آدمیوں کو قتل کرڈالا اور برمی جھنڈا شاہپوری پر بلند کردیا۔ لارڈ امہرسٹ نے فوراً ان برمیوں کو شاہپوری سے نکال باہر کرنے کیلئے ایک فوج بھیجدی اور ایک مراسلہ شاہ برھما کو اس مضمون کا لکھا کہ ہر چند اینجانب کا ارادہ جنگبازی کا نہیں ہے مگر اگر اُس طرف سے یہی توہین آمیز سلوک جاری رہا تو مجبوراً ادھر سے بھی ہتھیار سنبھالا جائیگا۔ اس مراسلے سے دربار آوا کو قطعی یہ یقین ہوگیا کہ انگریزوں کو برمی فوج سے برسر مقابلہ آنے میں ڈر لگتا ہے اور مہابندولا کو فوراً ایک زبردست سپاہ کے ساتھ اراکان بھیجا گیا اور یہ حکم دیدیا گیا کہ انگریزوں کو پورے بنگال سے بالکل باہر نکال دے اور اُسے سونے کی زنجیریں اس غرض سے دیگئیں کہ اُسنے گورنر جنرل کو باندھکر دربار آوا میں حاضر لائے۔ غرض یہ کہ جب لارڈ امہرسٹ نے یہ دیکھ لیا کہ برسر

باب ہشتم
باب اول

میں بیماری اور موت کا بازار گرم کر دیا۔ عمدہ غذا کی کمی نے فوج کی حالت
کو اور بھی قابل رحم بنا دیا۔ شہر کے مضافات میں مواشی کی کوئی کمی
نہیں تھی مگر کلکتہ گورنمنٹ نے سپہ سالار کو سخت ممانعت کر دی تھی کہ
گائے بیل کے ہاتھ بھی نہ لگایا جائے کیونکہ اس سے برمیوں کے
بدھ مذہب کے عقائد کو صدمہ پہنچیگا چنانچہ فوج کے سپاہی گایوں کو
زندہ رکھنے کے لئے بھوکے مارے جانے لگے۔ فوج کا تمامتر انحصار صرف
کلکتے کی رسد پر رہ گیا جو اپنے ٹھیکہ داروں کی بے ایمانی کی وجہ سے
ضرب المثل ہو رہا تھا۔ گوشت بالکل سڑا ہوا ہوتا تھا اور کیڑوں سے
بھرے ہوئے بسکٹ ہاتھ لگاتے بکھرے جاتے تھے۔ اس محرومی کی حالت
میں بیماری فوج کو پانچ مہینے تک رہنا پڑا جسکی وجہ صرف محکمۂ رسد رسانی
کی مجرمانہ تغافل شعاری تھی۔ اور یہ بھی سر ٹامس منرو گورنر مدراس کی
انتھک کوششوں اور سرگرمیوں کو دعا دینی چاہیئے کہ تمام فوج بالکل ہی
فنا ہو جانے سے بچگئی۔ پھر بھی آب و ہوا کی خرابی اور خوراک کی مضرتوں
نے شفاخانوں کو بھر دیا تھا اور گیارہ ہزار کی زبردست فوج میں سے
صرف تین ہزار ایسے بچے تھے جو کچھ کام کے قابل رہے ہوں ؂

صفحہ ۳۵

آسام و اراکان کی تسخیر ۱۸۲۵ع

شروع ۱۸۲۵ء میں جنرل رچارڈس نے صوبۂ آسام پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔

کمانڈر انچیف کے مشورے کے مطابق دو لشکر اور اس غرض سے ترتیب
دیئے گئے کہ خشکی کے راستے سے برما میں داخل ہوں ایک جانب
شمال سے کچھار اور منی پور ہوتا ہوا جائے اور دوسرا اراکان ہوتا
ہوا جائے مگر دونوں لشکروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کچھار کی
سات ہزار فوج کرنل شلڈھم کی سرکردگی میں ایسے مقام تک تو پہنچگئی
جو منی پور سے نوّے میل کے فاصلے پر تھا کیونکہ اسکے مقدمۃ الجیش
نے بڑی سخت مصیبت اٹھا کر وہاں تو سڑک تیار کر لی تھی مگر اسکے بعد
جو قطعہ تھا اسمیں سربفلک پہاڑیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا جاتا تھا

باب ششم
فصل اول

پیدلوں کا ایک دستہ کپتان نوٹن کی سرکردگی میں تھا اور کچھ مقامی رنگروٹ تھے اور انکی چوکی ایسے مقام پر ڈالی گئی تھی جو قریب ترین امدادی فوج سے سو میل کے فاصلے پر تھا۔ مہابندولہ اس چھوٹی سی چوکی پر دس ہزار سے زائد فوج کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہندوستانی رنگروٹ تو پہلے ہی تصادم میں بھاگ کھڑے ہوئے مگر قواعد داں سپاہیوں نے تین روز تک برابر بے کھائے پئے یا آرام لیئے جانبازی کے ساتھ مدافعت کو قائم رکھا اسکے بعد وہ پسپائی پر مجبور ہوگئے اور افسروں میں سے پانچ مارے گئے اور تین زخمی ہوگئے۔

مہم رنگون ۱۸۲۴ء

۱۲۔ مئی ۱۸۲۴ء کو انگریزی بحری مہم بندرگاہ رنگون پر دور فاصلے سے نظر آنے لگی اور برمیوں کو یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ جسکا انھیں خواب و خیال بھی نہ تھا وہ پیش آگیا یعنے وہی انگریز جنھیں بنگال سے نکال باہر کرنے کیلئے مہابندولہ کو بھیجا گیا تھا خود برما کے علاقہ پر چڑھ آئے۔ شہر رنگون کی مدافعت کے لیئے صرف ایک چوبیں فصیل تھی جسپر کچھ بے تکی سی توپیں بھی چڑھی ہوئی تھیں جنکو جنگی جہاز لفی کی پہلی باڑھ نے خموش کر دیا۔ انگریزی فوجیں بلا مزاحمت ساحل پر اُتر گئیں مگر اُنھوں نے شہر کو بالکل خالی پایا۔ عامل شہر نے تمام زن بچے تب کو یہ حکم دیدیا تھا کہ مع اپنے اجناس و مواشی کے شہر چھوڑ دیں اور جنگل میں گھس جائیں اور اس حکم کی لفظ بلفظ تعمیل کی گئی تھی۔ برطانوی پڑاؤ بالکل سنسان رہ گیا تھا۔ تمام مقامی رسد بالکل بند ہوگئی اور دارالحکومت پر خشکی یا تری کے راستے سے پیش قدمی کی اُمیدیں بالکل خاک میں مل گئیں اور سر آرچی بالڈ کو مجبور ہوکر اپنی توجہ صرف اپنے لشکر کو بارش کی زحمت سے بچانیکی طرف مبذول کرنی پڑی۔ چنانچہ شہر رنگون پر قبضہ کر لینے کے ایک ہفتہ کے اندر نہایت تیزی سے بارش شروع ہوگئی اور سارا علاقہ جل تھل دلدل ہوگیا اور رطوبی بخار نے تمام لشکر

دو مرتبہ شکست کھا کر مقام ڈونابو کی طرف پسپا ہو گئے جو دریا کے اوپر رنگون سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ سر آرچی بالڈ کیمبل کو بھی اب رنگون میں بیکار پڑے پڑے نو ماہ ہو چلے تھے جس میں دوسرے موسم جنگ کے بھی دو مہینے گذر چکے تھے اسلیئے اُسنے دارالحکومت پر پیشقدمی شروع کی اور فوج کو دو حصوں میں منقسم کر لیا جس میں ایک حصہ جو خشکی کی طرف سے بڑھا وہ خود سر آرچی بالڈ کی زیر قیادت تھا اور دوسرا جو دریا کے راستے سے چلا وہ بریگیڈیر کاٹن کے سپرد کیا گیا۔ ڈونابو کے سامنے پہنچکر بریگیڈیر کاٹن نے یہ دیکھا کہ برھمی انجنیروں کے تمام وسائل اپنے مورچوں کے استحکام پر صرف ہو گئے تھے جو دریا کے کنارے ایک میل تک پھیلتے چلے گئے تھے اور اُنکے اندر بارہ ہزار برھمی فوج مع ڈیڑھ سو توپوں کے مورچہ بند تھی۔ اس مقام پر حملہ کرنے میں بریگیڈیر کاٹن کا حملہ سختی سے مسترد کر دیا گیا اور چونکہ وہ حماقت کر کے اپنی ایک رجمنٹ بھی پیچھے چھوڑ گیا تھا اس لئے اُسنے اپنی فوج کو اس مقام کی تسخیر کے ناقابل قرار دیا۔ سر آرچی بالڈ اپنی پیشقدمی کے سلسلے میں اس مقام سے بہت آگے نکل گیا تھا اسلیئے اب اُسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ بریگیڈیر کاٹن کی کمک کے لئے اُنھی قدموں واپس لوٹے۔ چنانچہ اس لوٹ پھیر میں ایک مہینہ اور نکل گیا۔ یکم اپریل ۱۸۲۵ء کو اجتماعی فوج نے گولوں اور بانوں کا ایک مینھ برھمی استحکام پر برسایا اور دوسرے دن برھما کی فوج نہایت تیزی سے پسپائی میں مصروف نظر آئی۔ اس سے پہلے والی رات کو ایک گولے کے پھٹ جانے سے مہابندولہ مر چکا تھا اور اُسکے ساتھ فوج کی ہمت بھی فنا ہو گئی تھی اسکے بعد انگریزی فوج کی کوئی مقاومت نہیں کیگئی اور مقام پروم بغیر ایک گولہ بھی چلائے قبضہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ بارش شروع ہو چکی تھی اس لئے فوجکشی کی کارروائی کل دس ہفتہ جاری رہکر ڈیڑھ سو میل کی پیشقدمی کے بعد بند کر دی گئی ؎

باب ہشتم
فصل اول

جو نا قابل گزار جھاڑی سے اٹا ہوا تھا اور گھاٹیوں میں سے اس لئے گذر نہیں ہو سکتا تھا کہ سب میں دلدلیں بھری ہوئی تھیں۔ بارش بھی وقت سے کچھ پہلے شروع ہو گئی اور یہ کسی نوع ممکن نہیں نظر آیا کہ ان تمام رکاوٹوں میں سے ہو کر ذخائر، توپ خانہ اور دیگر متمدن آلات حرب کو پہنچایا جا سکے اس لئے اس مہم سے دست برداری کیگئی۔ اراکان والی فوج کو اس سے بھی زیادہ نحوست کا سامنا کرنا پڑا۔ فوج کا قائد کرنل موریسن شاہی فوج کا بڑا سربرآوردہ افسر تھا مگر اسکو کمپنی کے افسروں سے دلی نفرت تھی جنکو ملک کی حالت اور ہندوستانی جنگ کی خصوصیات سے بہت واقفیت تھی۔ چنانچہ کرنل موریسن ان افسروں کے کسی مشورے پر کاربند ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لشکر نے ڈھائی سو میل کا سفر کنارے کنارے کیا اور دار الحکومت اراکان پر اُس وقت تک نہ پہنچ سکی جب تک کہ مزید پیشقدمی بالکل غیر ضروری ہو چکی تھی۔ اس فوج کا بھی چوتھائی حصہ خرابی آب وہوا کا شکار ہو گیا تھا اور بقیہ فوج کا دو ثلث شفاخانوں میں پہنچ چکا تھا۔ بہ حیثیت کسی باقاعدہ فوج کے اس لشکر کا کوئی وجود نہیں رہا تھا اور ایک موقع پر جب ایک رجمنٹ کے ایک بازو کو قواعد کا حکم دیا گیا تو صرف ایک سپاہی اپنے نمبر پر بول سکا۔

دوسری فوجکشی آخر کار شاہ آوا نے یہ عزم کیا کہ اپنی سلطنت کی قوت کو مجتمع کر کے ایک جان توڑ کوشش اور کرے اور حملہ آوروں کو اپنے ملک سے نکال باہر کر دے چنانچہ مہابندولہ کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ رنگون بھیجا گیا اور اس نے یکم دسمبر ۱۸۲۴ء کو برطانوی لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈالدیا۔ چند ہی گھنٹے کے اندر برمی لشکر کے گرد کئی کئی چوبیں مورچے قائم ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ چوبیں فصیلیں کسی جادوگر کی جھومنتر کی چھڑی سے ایکدم زمین سے اگ آئی ہیں۔ لیکن باوجودیکہ برمی اپنے مورچوں کے استحکام میں بڑے اُستاد تھے لیکن وہ برطانوی پلٹنوں کی ٹکر نہیں اٹھا سکے اور

صفحہ ۳۵۱

باب ہشتم
فصل اول

تک جو زمانہ گزرا وہ مقام میلون کے استحکام میں صرف کیا گیا جو برطانوی لشکر کے بالکل مقابل ہی تھا۔ ۱۹- جنوری ۱۸۲۶ء کو انگریزی فوج نے میلون پر حملہ کر دیا۔ وہاں کی تمام توپوں۔ ذخائر رسد اور سامان حرب پر قبضہ کر لیا گیا۔ پڑاؤ میں آگ لگا دی گئی اور انگریزی فوج نے پھر دار الحکومت پر پیشقدمی شروع کر دی ؛

آخری کوشش اور صلح

اب تو شاہ برھما کو اپنے تاج و تخت کے لالے پڑ گئے چنانچہ اُسنے اپنے دو یورپین قیدیوں کو اس غرض سے رہا کیا کہ وہ جا کر پھر تحریک صلح کی تجدید کریں۔ ان دونوں کو سپہ سالار نے یہ سمجھا دیا کہ اُنکی میلون والی غداری کی پاداش میں کوئی مزید سزا نہیں دی جائیگی مگر برھمیوں کو لازم ہے کہ وہ چوتھائی تاوان جنگ فوراً ادا کریں۔ ابھی دونوں وکیل یہ پیام لیکر آوا کو واپس ہی آرہے تھے کہ شاہ برھما نے ایک اور کوشش اس ذلت سے بچنے کے لئے کی اور اسدفعہ وہ صرف سولہ ہزار فوج جمع کر سکا۔ اس وقت سر آرچی بالڈ کی ماتحتی میں صرف تیرہ سو فوج رہگئی تھی مگر اُسمیں سے نو سو گورہ سپاہی تھے۔ مگر برھمی فوج کو شکست فاش اٹھا کر میدان سے بھاگنا پڑا اور وہ سب نہایت بے ترتیبی کی حالت میں اپنی ذلت کی خبریں لیکر آوا پہنچے۔ اور انگریزی فوج نے بڑھکر مقام نید آبو پر قبضہ کر لیا جو آوا سے صرف چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ شاہ برھما نے فوراً اُن امریکن پادریوں کو بھیجا جنکو وہ دو سال سے نہایت ہی شدید قید میں رکھے ہوئے تھا اور اُنکے ساتھ اپنے دو وزیر بھی بھیجے اور اُنکو مجاز کر دیا کہ جو شرطیں انگریزی نائبین مقرر کریں وہی منظور کر لیجائیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ہی تاوان جنگ کی پہلی قسط اور تمام یورپین قیدیوں کو بھی لیتے آئے اور ۲۴- فروری ۱۸۲۶ء کو صلحنامہ انھیں شرائط پر مرتب کیا گیا جو پہلے تجویز کیگئی تھیں البتہ اتنی سی شرط اور زیادہ تھی کہ آئندہ سے انگریزی رزیڈنٹ بھی دربار آوا میں رہا کرے۔ اسطرح وہ پہلی جنگ

باب ہشتم
فصل اول

گفتگوئے صلح

انگریزی سپہ سالار نے پروم پر قیام کرکے محض مدافعت پر قناعت کرنے کا ارادہ کیا۔ دراں حالیکہ جنگ کے اخراجات اُس وقت ایک لاکھ روپیہ روزانہ ہو رہے تھے لیکن لارڈ امہرسٹ نے اس پر زور دیا کہ موسم کی حالت درست ہوتے ہی فوراً دارالحکومت پر پیشقدمی کی جائے۔ ساتھ ہی اسکے اُسنے سپہ سالار کو یہ بھی ہدایت کردی کہ اگر برہمیوں کی طرف سے کوئی میلان صلح کرنیکا ظاہر ہو تو اسکا فوراً خیر مقدم کیا جائے اور صلح کی تحریک میں امداد دینے کے لئے گورنر جنرل نے سپہ سالار کا مددگار بحری سپہ سالار اور بنگال کے تجربہ کار افسر مسٹر رابرٹسن کو بھی مقرر کردیا اور مسٹر راس کو اُسکا میرمنشی بنا دیا۔ شاہ برہما کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ انگریزی سپہ سالار کو گفتگوئے مصالحت کرنے کا مجاز کردیا گیا ہے تو اُسنے استفسار شرائط کے لیئے اپنے وکیل بھیجے۔ ان وکیلوں کو یہ اطلاع دی گئی کہ شاہ برہما کو آیندہ کے لئے کچھار یا آسام کے معاملات میں مداخلت کرنے سے بالکل محترز رہنا پڑیگا منی پور

صفحہ ۳۵۲

کی آزادی کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ اراکان اور ٹناسرم کے صوبے کمپنی کو حوالے کرنے پڑینگے۔ تمام اسیران جنگ کو رہا کرنا پڑیگا اور دو کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ کے ادا کرنا ہوگا۔ ان شرائط کو شاہ برہما نے بڑی نفرت کے ساتھ نامنظور کیا اور پھر چالیس ہزار کی ایک فوج پروم پر چڑھائی کرنیکو بھیجی گئی مگر اس فوج کو بھی شکست فاش ہوئی اور بڑی سختی سے اسکا تعاقب کیا گیا۔ برہمی وکیلوں نے گفتگوئے صلح پھر شروع کردی ابکی دفعہ انھوں نے حوالگی علاقے پر تو کچھ اعتراض نہیں کیا مگر تاوان جنگ کی ادائگی سے اپنی ناداری کا عذر کرکے اس قدر اصرار کے ساتھ انکار کیا کہ سپہ سالار کو مجبور ہوکر یہ رقم نصف کردینی پڑی چنانچہ اس بنیاد پر ۳۔ جنوری ۱۸۲۶ء کو صلحنامے پر دستخط ہوگئے اور یہ وعدہ کیا گیا کہ یہ دربار آوا سے ۱۸۔ جنوری ۱۸۲۶ء تک تصدیق ہوکر آجائیگا مگر وہ کہاں آتا تھا۔ گفتگوئے صلح کے بعد ۱۸۔ جنوری ۱۸۲۶ء

باب ہشتم
فصل اول

اس بغاوت کی روح کو زبردستی فنا کر دینے کا عزم کر لیا اور دو گورہ رجمنٹیں اور گورنر جنرل کا خاص محافظ دستہ اور ایک رسالہ گھوڑ چڑھے توپ خانے کا بارکپور کو روانہ ہو گیا اور قواعد کے میدان میں خفیہ طور سے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ سینتالیسویں رجمنٹ کو قواعد کے میدان میں کھڑا کیا گیا اور اُنکو یہ حکم دیا گیا کہ یا فوراً سامنے والی انگریزی سپاہ پر حملہ کریں یا ہتھیار ڈالدیں۔ ساری فوج ایک سناٹے کی حالت میں اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہگئی۔ اُنکے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی ہاتھ پاؤں تو ہلانا نہیں چاہتے مگر ہتھیار ڈالدینے پر بھی راضی نہیں ہیں۔ چنانچہ گھوڑ چڑھے توپ خانے نے اُن پر ایک باڑہ ماری جس پر انھوں نے چیخیں مار مار کر اپنے ہتھیار پھینکدئے اور حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ پھر گورہ فوجوں نے اُن پر نشانہ بازی شروع کی اور گورنر جنرل کے دستے نے بھاگتے ہوؤں پر تیغ آزمائی کے جوہر دکھائے اور میدان قواعد میں اور راہ تعاقب میں سخت خونریزی ہوئی۔ سرغناؤں کو گرفتار کر کے فوجی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں سے بعض کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں اور بعض کو بیڑیاں پہنا کر سڑکوں کے کام پر لگایا گیا اسکے بعد ایک مجلس تفتیش قائم کی گئی جسنے یہ فیصلہ صادر کیا کہ یہ بغاوت اُس آبلۂ مایوسی کا پھوٹ پڑنا تھا جو بغیر وسائل پیشقدمی کی بہم رسانی کے پیشقدمی کرنیکے حکم سے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ جسوقت کہ فوج حقیقی بغاوت کی حالت پر پہنچ چکی تھی اُسوقت فوجی کارروائی کے سوائے کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا تھا لیکن کمانڈر انچیف پر بھی بھاری جوابدہی یہ عائد ہوتی ہے کہ اُسنے فوجیوں کی جائز عرضداشت کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا۔

صفحہ ۴۵۸

بھرت پور رنجیت سنگھ جاٹ رئیس بھرت پور جسنے ۱۸۰۵ء میں لارڈ لیک کو ناک چنے چبوادئے تھے ۱۸۲۳ء میں انتقال کر گیا اور اُسکی جگہ اُسکا بیٹا گدی نشین ہوا۔ یہ بھی لاولد فوت ہو گیا اور ریاست اُسکے بھائی کو مل گئی۔ اس نے سر ڈیوڈ اختر لونی ریزیڈنٹ دہلی سے

اختتام کو پہنچی جو کمپنی کو ہندوستان کے حدود سے باہر پیش آئی تھی۔ اب تک جتنی آویزشیں ہو چکی تھیں اُن سب سے اس جنگ پر بہت زیادہ صرفہ پڑا اور سب سے کم معاوضہ ملا۔ اخراجات جنگ کی میزان تیرہ کرور روپیہ ہوئی اور ہاتھ کیا آیا صرف تین صوبے جنمیں آبادی بھی بہت کم تھی اور آمدنی بھی بالکل معمولی تھی ؛

صفحہ ۴۵۳

بغاوت جنگ برہما سے ایک اور فوجی بغاوت رونما ہو گئی۔ بنگال کے ہندوستانی سپاہیوں کو چونکہ مذہبی حیثیت سے بحری سفر پر عذر ہوتا تھا اسلئے اُنھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ سمندر کے کنارے کنارے ہو کر اراکان پر پیشقدمی کریں۔ راموپہ جو مصیبت پیش آئی تھی اُسنے سپاہیوں کے دلوں پر برہمی سپاہیوں کی دہشت غالب کر دی تھی کیونکہ برہمیوں کو جادوگر سمجھا جاتا تھا چنانچہ فوجی ملازمت کی طرف سے بڑی بیزاری پیدا ہونے لگی۔ بنگال کے دیسی سپاہیوں کے لئے یہ طریقہ مقرر تھا کہ وہ اپنے سامان وغیرہ کی بار برداری اپنی گرہ سے دیتے تھے لیکن سلطنت کی ضروریات بڑھ جانیکی وجہ سے بار برداری کے جانوروں کا ملنا دشوار ہو گیا تھا اور اُنکی مزدوری بھی دونی ہو گئی تھی۔ بارکپور کی سینتالیسویں رجمنٹ بھی اُنہیں میں سے تھی جسکو اس فوجی خدمت پر جانیکی تاکید کر دی گئی تھی۔ چنانچہ اس رجمنٹ نے ایک نہایت مودبانہ محضرنامہ پیش کیا جسمیں وسائل بار برداری کی بہم رسانی کی سخت دشواریوں پر توجہ دلائی تھی۔ فوجی افسروں نے بجائے اسکے کہ اس حقیقی اور معقول مطالبے کی تفتیش کرتے اسکو سرکشی کی علامت سمجھا اور عرضی گزاروں کو اطلاع دیدی گئی کہ اُن کو گورنمنٹ سے کسی امداد کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ بے چینی نے سرکشی کی صورت اختیار کر لی۔ چھاؤنی میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ جلسے منعقد کئے گئے۔ سپاہیوں نے اپنے مطالبات پر قائم رہنے کی قسمیں کھالیں اور یہ عہد کر لیا کہ بغیر انتظام بار برداری اور اضافۂ تنخواہ کے ہرگز کوچ نہیں کرینگے۔ کمانڈر انچیف نے

باب ہشتم
فصل اول

جو اعلیٰ مناصب پر رہنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا اور ہندوستان میں برطانیۂ عظمیٰ کی قوت بڑھانیکے لئے اور اُسکی حفاظت کو مستحکم کرنیکے لئے نہایت ہی موزوں تھا۔

کونسل کی کارروائیاں

جب تک فوج جمع ہوتی رہی اس وقت تک درجن سال نے بڑی عاجزی و انکسار کا اظہار کیا اور مدارالمہامی پر قانع رہنے کا ارادہ ظاہر کرتا رہا لیکن جیسے ہی فوجیں واپس ہونے لگیں ویسے ہی اسنے ہاتھ پاؤں نکالے اور گدی پر اپنا دعوے قائم کیا۔ اور اپنے قبیلے کے رئیسوں پر یہ زور ڈالا کہ اس کے دعاوی کی تائید کریں۔ جنگ برما میں جو انگریزوں کو بہت کم کامیابی نصیب ہوئی تھی اُسنے ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی انگریزی وقار میں فرق ڈالدیا تھا اور غیر ملکیوں کے راج سے بیزار رہنے کا مادہ ہندوستانی طبیعت میں پھر پھوٹنے لگا تھا۔ درجن سال کی طرفداری کو اُس وقت یکایک قبولیت عامہ حاصل ہوگئی جس وقت کہ اسکا اظہار ہوگیا کہ وہ کمپنی کی گورنمنٹ کے مقابلے کے لئے اکھاڑے میں اترنے والا ہے۔ راجپوت۔ جاٹ۔ مرہٹے۔ افغان اور بہت سے انگریزوں کی ہندوستانی رعایا کے افراد اُس کے جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہوگئے اور پچیس ہزار کی ایک فوج بات کی بات میں قلعۂ بھرت پور کی حفاظت کے لئے جمع ہوگئی۔ اس وقت کلکتہ کونسل کے تمام اراکین اسپر متفق ہوگئے کہ انگریزوں کا فرض منصبی اور حکمت عملی یہی ہونی چاہئے کہ اُسی بچے کے حق کی طرفداری کریں جسکو اس غاصب کے مقابلے میں کمپنی ہی نے خلعت ریاست سے ملبوس کیا تھا لیکن لارڈ امہرسٹ کو اب بھی اس معاملے میں پس و پیش تھا۔ اسی زمانے میں سر چارلس مٹکاف دہلی میں سر ڈیوڈ کا جانشین بنکر جارہا تھا اور حسن اتفاق سے وہ اس نازک موقع پر کلکتہ پہنچگیا۔ چنانچہ اُسنے حسب ذیل گفتگو لارڈ امہرسٹ سے کی کہ

صفحہ ۳۵۵

بہ حیثیت حکمران ہند کے کمپنی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے
کہ وہ محض تماشائی بنکر اس طوائف الملوکی کو دیکھا کرے

باب ششم
فصل اول

درخواست کی کہ اُسکے بیٹے کو جو چھ سال کا بچہ تھا اسکا ولیعہد تسلیم کیا جائے
چنانچہ گورنمنٹ کے خاص احکام کے مطابق اُسکی ولیعہدی تسلیم کر لیگئی۔ اپنے
باپ کے سال بھر بعد مرجانے پر یہ لڑکا اپنے ماموں کی مدار المہامی میں گدی
نشین کر دیا گیا۔ ابھی اُسکو ایک ہی مہینہ ہوا تھا کہ درجن سال نے جو
متوفی راجہ کا بھتیجا تھا اور نہایت وحشی اور تند مزاج نوجوان تھا مدار المہام
کو مار ڈالا۔ اپنے چچیرے بھائی راجہ کو نظر بند کر دیا اور ریاست پر قبضہ کر لیا۔
سر ڈیوڈ اختر لونی نے اپنی ذمہ داری پر عمل کر کے ایک اعلان عام شائع
کر دیا جسمیں تمام جاٹ قوم کو صلائے عام دیگئی تھی کہ وہ اپنے جائز حکمران کے
جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اس اعلان کے ساتھ ہی اُسنے سولہ ہزار کی ایک
فوج مع سو توپوں کے میدان کارزار میں اسلئے بھیجدی کہ حقدار کا حق دلائے اور کمپنی کی
حکومت کا اقتدار قائم کرے۔ لارڈ امہرسٹ نے اس کارروائی کو ناپسند کیا
کہ ابھی برمیوں کے ساتھ جنگبازی کا سلسلہ جاری ہی تھا اور دوسری جنگ سر لے لی جائے
اور قلعۂ بھرت پور کے سامنے پھر ناکامی کی ذلت برداشت کیجائے۔ کلکتے کے حکمران طبقے میں
عرصے سے کچھ اس قسم کے خیالات موجود تھے کہ بوڑھے رزیڈنٹ دہلی کو
اس منصب سے سبکدوش کر دیا جائے۔ اور اس خیال سے کہ وہ جھلا کر
خود ہی مستعفی ہو جائے گورنمنٹ کے یہ خیالات نہایت تحکمانہ لہجے میں اس پر
ظاہر کئے گئے کہ وہ اپنے اعلان کو واپس لے اور فوجوں کو واپس
طلب کر لے۔ اُسکا جواب سر ڈیوڈ نے بڑے گرما گرم بلکہ آتشیں جملوں میں
دیا اور گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کر کے اپنے منصب سے استعفیٰ داخل کر دیا۔
مگر اس غیر شریفانہ برتاؤ نے اُسکا دل توڑ ڈالا۔ اُسنے دیسی رئیسوں اور
انگریزی ملازموں کی نظروں میں اپنی ذلت ہوتی ہوئی دیکھی اور میرٹھ
پہنچکر دو مہینے میں اس صدمے سے انتقال کر گیا اور اپنے پچاس سال
کے شاندار عصر ملازمت کا خاتمہ کر گیا۔ کمپنی کے نورتن میں سر ڈیوڈ بھی
سب سے آبدار نگینہ تھا جو مجلس شوریٰ میں بھی اتنی ہی قابلیت ظاہر
کرتا تھا جتنی اہلیت میدان کارزار میں رکھتا تھا۔ وہ ایسا شخص تھا

باب ششم
فصل اول

نہیں معلوم ہوا۔ آخر کار ایک بڑی زبردست سرنگ تیار کی گئی اور اسمیں ساڑھے بارہ من پکی بارود بھری گئی۔ ۱۸۔ جنوری ۱۸۲۶ء کو وہ دل دہلا دینے والا دھماکا ہوا جسنے زمین کی طنابوں کو ہلا ڈالا۔ بڑے بڑے تودے پتھر سی سخت مٹی اور شہتیروں کے ہزاروں سر۔ ہاتھ۔ ٹانگیں اور دھڑ زنائے کے ساتھ ہوا میں اڑتے چلے گئے اور غبار و دخان سے تمام آسمان پر اندھیرا چھا گیا اور قلعۂ بھرت پور کی تڑ کی تمام ہوگئی دوران محاصرہ میں درجن سال کی چھ ہزار اور کمپنی کی ایکہزار فوج کام آئی۔ درجن سال نے بچکر نکل جانا چاہا مگر اسے گرفتار کرلیا اور معزول رئیسوں کے زمرے میں شریک ہونے کیلئے بنارس بھیجدیا گیا جہاں وہ پانسو روپے ماہوار کے وظیفے پر پچیس سال تک زندہ رہا۔ سر چارلس مٹکاف اور لارڈ کمبرمیر نے بچہ راجہ کو گدی پر بٹھادیا مگر بھرت پور کی تسخیر کی نیکنامی کو فوجی حکام کی آزپروری نے دھبّہ لگادیا۔

صفحہ ۳۵۶

اس محاصرے کی جو مہم صرف اسلئے گوارا کی گئی تھی کہ ایک غاصب کو نکالکر حقدار کو گدی پر بٹھا دیا جائے لیکن کامیابی حاصل ہوتے ہی تمام ریاست کے خزانے اور جواہرات پر فاتحین نے قبضہ کرکے اپنے درمیان بطور مال غنیمت تقسیم بھی کرلیا جسمیں سے لارڈ کمبرمیر نے اپنے حصے میں چھ لاکھ کی رقم لی۔ وہ سرکش دیواریں جنھوں نے لیک اور لارنیس کے منہ پھیر پھیر دئے تھے گراکر زمین کے برابر کردی گئیں جیسی کہ سر چارلس مٹکاف نے پیشین گوئی کی تھی بھرت پور کی تسخیر نے تمام ہندوستان میں ایک سنسنی پیدا کردی۔ اسکے ساتھ ہی برھمیوں کے ہار مان لینے سے شورش پسندوں کی امیدیں خاک میں مل کر رہگئیں اور کمپنی کا رعب و داب پھر قائم ہوگیا۔ لارڈ امہرسٹ کو ارل کے منصب عالی سے سرفراز کیا گیا مگر اس منصب کو بھرت پور سے منسوب نہیں کیا گیا۔ جو اسکا سب سے شاندار کارنامہ تھا بلکہ اراکان سے منسوب کیا گیا جو اسکی سب سے منحوس مہم تھی ڈ

کیونکہ اُسکے معنے یہ ہونگے کہ ہمنے خود اس ملک کو پھر اُسی قتل و غارت کے عفریت کے حوالے کر دیا جس کے پنجے سے ہمنے اسے چھڑایا تھا۔ اگر ہم اپنی قوت کا دل کے زور سے استعمال کرینگے تو ہم پھر ان لوگوں کے خیالات کی نے بڑھنے نہیں دینگے اور اگر بھرت پور کو ایک شاندار انداز کے ساتھ تسخیر کر لیا گیا تو ہمکو وہ عزت حاصل ہو جائیگی جو ہم پہلی مرتبہ اسی قلعے کے سامنے ناکام ہو کر کھو چکے ہیں اور جسکا نقش لوگوں کے دلوں سے اسی قسم کی فاتحانہ کارروائی سے مٹا سکتا ہے۔

لارڈ امہرسٹ نے اس رائے کے وزن و معقولیت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور یہ تجویز منظور کر لیگئی کہ اگر فہمائش سے کام نہ چلے تو درجن سال ہمکو راہ راست پر لانے کے لئے ضرور ہتھیار اٹھایا جائے ؟

تسخیر بھرت پور ۱۸۲۶ء

فہمائش سے کام نہیں چلا اور کمپنی نے ہتھیار اٹھایا۔ ہندوستان کے رئیسوں کو یہ یقین تھا کہ جنگ برمعا نے کمپنی کے تمام وسائل کو نچوڑ لیا ہے مگر جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اُسی کمپنی نے بیس ہزار فوج اور سو ضرب قلعہ شکن توپیں اور منجنیقیں آناً فاناً اُنکے درمیان لا کھڑی کیں تو اُنکے حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تمام ہندوستان کو یہ بات یاد تھی کہ بھرت پور ہی ایک ایسا قلعہ تھا جسکا انگریزوں نے محاصرہ کیا تھا مگر تسخیر نہیں کر سکے تھے اور اب پھر تمام ہندوستان کی آنکھیں اس دوسرے محاصرے پر لگی ہوئی تھیں اور شاید دل میں یہ دبی ہوئی امید بھی ہو گی کہ اس دفعہ بھی یہ قلعہ اپنی مدافعت میں کامیاب رہیگا۔ لارڈ کمبر میر کمانڈر انچیف کا مستقر خاص اس قلعے کے سامنے ۱۰۔ دسمبر ۱۸۲۵ء کو قائم کیا گیا۔ ۳۶ منجنیقوں اور ۴۸ قلعہ شکن توپوں نے کئی دن تک ان مٹی کی دیواروں پر خوب ہی خوب دل کھولکر گولہ باری کی مگر راستہ نکلنا تو بجائے خود رہا اُن پر کوئی اثر بھی ہوتا

باب ہشتم
فصل دوم

اُسکے دامن خدمت پر جو دھبا لگا دیا تھا وہ آخر کار اسکے عہدۂ گورنر جنرلی پر تقرری سے مٹا یا گیا۔ جولائی ۱۸۲۷ء میں ایوان ہند میں اس سے حلف اطاعت لیا گیا جبکہ اُسکا رشتہ دار مسٹر کیننگ جسنے اُسکی تقرری میں کوشش کی تھی سلطنت کی وزارت پر تھا۔ لیکن مسٹر کیننگ کی رنجدہ وفات کی وجہ سے بہت جلد وہ لوگ محکمۂ وزارت میں آگئے جنہوں نے لارڈ ولیم بین ٹنک کے تقرر کی مخالفت کی تھی اسلئے لارڈ موصوف نے اپنی روانگی اُس وقت تک ملتوی رکھی جب تک اُسکو یہ یقین نہو گیا کہ محکمۂ وزارت کی طرف سے اب اُسکی گورنر جنرلی کی کوئی مخالفت نہیں کیجا رہی ہے۔ اسلئے وہ ۴۔ جولائی ۱۸۲۸ء سے پہلے کلکتہ نہ پہنچ سکا۔ اگرچہ اُسکا عہد حکومت ناساز گار صورت حالات کے ساتھ شروع ہوا تھا لیکن اُسکی آمد سے کمپنی کی تاریخ میں ایک عصر جدید شروع ہو گیا جو نظام ریاست میں دلیرانہ و سرگرم مساعی ترقی کی وجہ سے قابل امتیاز سمجھا جا سکتا ہے۔ جنگ برہما نے خزانے پر صرف دس کروڑ قرضے کا ہی بار نہیں ڈال دیا تھا بلکہ عین آمدنی میں بھی ایک کروڑ سالانہ کی کمی ہوگئی تھی اور لارڈ ولیم بین ٹنک کو مجبوراً مصارف میں تخفیف کرنیکا ناگوار فرض ادا کرنا پڑا۔ دو مجلسیں اس غرض سے قائم کیگئیں کہ اضافۂ اخراجات کی تحقیقات کرکے اسکی تخفیف کے ذرائع تجویز کریں۔ فوج کی قوت میں جو بے صرفہ تخفیف حال ہی میں مجلس انتظامیہ نے کر دی تھی اُسکے بعد فوجی مجلس کے لئے بہت ہی کم ذرائع تجویز کرنیکے لئے رہگئے تھے سوائے اسکے کہ شخصی مشاہرات یا رعایات میں کمی کر دی جائے جو پہلے ہی کچھ ایسے وافر نہیں تھے بلکہ بعض حالتوں میں تو ضرورت سے بھی کم تھے۔ البتہ اہل قلم کے صیغوں میں نظر ثانی کرنیکی بہت بڑی گنجایش نکل آئی۔ بعض رشتے بالکل توڑ ہی دئے گئے بعض صورتوں میں دو دو رشتے ایک ایک عہدہ دار کے سپرد کر دیے گئے اور بعض کے اخراجات میں کمی کر دیگئی۔ پھر بھی اس تمام کتر بیونت سے تمام دفتری عملوں میں سے چھ فیصدی سے زائد بچت نہیں نکالی جا سکی۔

باب ہشتم
فصل اول

مالیہ

لارڈ امہرسٹ کے عہد حکومت کے مالیے کا نتیجہ نہایت مصیبت خیز تھا لارڈ ہیسٹنگز جو دولت خزانۂ سرکاری میں چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ضائع ہو گئی تھی۔ سالانہ بچت کی جگہ فاضل خرچ ہونے لگا تھا اور ریاست کے قرضے میں دس کرور کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جس وقت لارڈ امہرسٹ آکر پہنچا تھا اور اس ملک اور یہاں کی مخلوق سے اسکا نیا نیا تعلق ہوا تھا اُس وقت سلطنت کے اعلیٰ حکام نے اُسسے اپنی اس مرضی پر چلالیا تھا کہ وہ مطابع کی آزادی سلب کرنیوالی اُن کارروائیوں کو جاری رکھے جو ان حکام نے شروع کی تھیں۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں لارڈ امہرسٹ نے زیادہ فراخدلی کا اصول برتنا شروع کر دیا اور اُسکی روانگی کے وقت کلکتے کے اخباروں نے اُسکو اس عالی خیالی اور فراخ حوصلگی پر مبارک باد دی جسکے ساتھ وہ اس بات کو جائز رکھتا تھا کہ اُسکی کارروائیوں کے متعلق رائے عامہ کا اظہار کیا جائے دراں حالیکہ اسے یہ قوت و اختیار حاصل تھا کہ جمہور کی آواز کو بالکل بند کر دے۔ لارڈ امہرسٹ فروری ۱۸۲۸ء میں انگلستان کو روانہ ہو گیا اور کونسل کے رکن اعلیٰ مسٹر بٹر ورتھ بیلی نے بالفعل انصرام حکومت اپنی سپردگی میں لے لیا۔

صفحہ ۳۵۷

فصل دوم

لارڈ ولیم بینٹنک کا عہد حکومت۔ فوجی کارروائیاں۔ دیسی ریاستیں رنجیت سنگھ

لارڈ ولیم بینٹنک

لارڈ ولیم بینٹنک کی گورنری مدراس سے فوری معزولی نے

باب ہشتم
فصل دوم

اہل سیف کی طرف سے جو بوچھار توہین کی گورنر جنرل کی ذات پر کیگئی وہ کسی طرح اہل قلم کی توہینوں سے کم نہیں تھی اور اُسسے ایسا ایسا کانٹو نہیں گھسیٹا گیا جیسا کبھی کسی پہلے گورنر جنرل کے ساتھ نہیں پیش آیا تھا۔ کمانڈر انچیف لارڈ کمبرمیر نے اتنا کام ضرور کیا کہ ۱۷۹۶ء کی بغاوت کی طرح اس دفعہ نمایندۂ مجلس قائم ہونیکا تو انسداد کر دیا مگر خود کمانڈر انچیف نے اس حکم کو نہایت غیر منصفانہ سمجھا اور کہا۔ اسپر مجلس انتظامیہ نے حکم دیا کہ اگر کمانڈر انچیف نے بطور خود اپنے عہدے سے استعفیٰ نہ داخل کر دیا ہوتا تو مجلس موصوفہ اُسسے فوراً برخاست کر دیتی۔ لارڈ ولیم بھی اس حکم کو غیر ضروری اور بعید از انصاف وسیاست سمجھتا تھا مگر اب جبکہ مجلس انتظامیہ نے کلکتہ گورنمنٹ کے ہندوستان میں حکومت اعلیٰ ہونیکا لحاظ نکرکے تیسری مرتبہ اس حکم کے اتباع کی تاکید کی تھی تو یہ گورنر جنرل کے اختیارات سے بالاتر تھا کہ اسکی تعمیل کو معرض تعویق میں ڈال سکتا۔ مجلس انتظامیہ نے فوجی افسروں کے محضرناموں کے لہجے کو فوجی ملازمت کے آداب کے بالکل خلاف سمجھا اور ڈیوک آف ولنگٹن کے کامل اتفاق رائے کے ساتھ اپنا عزم بالجزم ظاہر کر دیا کہ اس حکم کی بہر نوع تعمیل کرائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب جو نازک صورت معاملات نے اختیار کر لی تھی اُسکے اعتبار سے مجلس موصوفہ کے لئے بھی یہی ایک مسلک عمل رہ گیا تھا۔ یہ تخفیف ایک فاش غلطی تھی اور تعجب اسپر ہوتا ہے کہ مجلس انتظامیہ کی سی پختہ کار جماعت نے دو لاکھ سالانہ کی حقیر بچت کی خاطر اپنی شاندار فوج کی وفاداری و اطاعت شعاری کو کس طرح خطرے میں ڈالنا پسند کر لیا۔ اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ اسکے بعد کے تیس سال تک جو زمام حکومت مجلس موصوفہ کے ہاتھ میں رہی اس عرصے میں بھی مجلس موصوفہ کو یہ توفیق نہوئی کہ اسکے بعد جو بارہ لڑائیاں یہ فوج لڑی تھی اُسکی بابت حسن خدمات کا لحاظ کرکے اس نامعقول تخفیف کی تلافی کر دیتی۔

صفحہ ۳۵۹

عطیات ومعافیات

ہندوستانی رئیسوں کا زمانۂ قدیم سے یہ قاعدہ

باب ہشتم
فصل دوم

یہ صیغہ اب بھی دنیا بھر میں اعلیٰ ترین مشاہرہ پانیوالا تھا کیونکہ اسکا تکدمہ اب بھی نوے لاکھ سالانہ تھا جسکو اگر چار سو سولہ افسروں میں تقسیم کیا جائے تو ہر افسر کو اوسطاً بیس ہزار روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ لیکن اس صیغے میں جو معقول و معتدل تخفیف مراعات یا مشاہرات میں مجلس موصوفہ نے تجویز کی تھی اور لارڈ ولیم بین ٹنک نے اُسپر عمل درآمد کیا تھا اس سے بھی لارڈ ولیم بین ٹنک کو ایسی ایسی توہینوں کا ہدف بننا پڑا کہ اُسکے فطری تحمل و استقلال میں فرق آ آگیا۔

صفحہ ۲۵۸

نصف بھتے کا روبکار

کفایت شعاری کی ان تمام کارروائیوں میں سے کسی نے متعلقین کے جذبات کو اتنا برانگیختہ نہیں کیا جتنا نصف بھتے کے روبکار نے کیا۔ انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی جن افسروں کو صوبہ جات زیریں کی چھاؤنیوں میں رہنا پڑتا تھا انھیں پورا بھتہ بطور ضمیمہ مشاہرات کے عطا ہوتا تھا۔ مجلس انتظامیہ نے اس انتظام پر اعتراض کیا تھا اور اول لارڈ ہیسٹنگز کو پھر لارڈ امہرسٹ کو یہ احکام بھیجے تھے کہ اس مقدار بھتے کو نصف کر دیا جائے لیکن دونوں گورنر جنرلوں نے پھر اس معاملے کو بغرض نظر ثانی ایوان ہند میں واپس کر دیا تھا جہاں سے یہ احکام زیادہ تاکیدی صیغے میں واپس آ گئے تھے۔ اس موضوع پر سب سے آخری مراسلہ لارڈ ولیم بین ٹنک کے کلکتہ پہنچنے کے بعد ہی وصول ہوا اور مجلس انتظامیہ کے احکام کے اتباع میں لارڈ موصوف نے نومبر ۱۸۲۸ء میں ایک روبکار جاری کر دیا جسکا منشا یہ تھا کہ جتنے فوجی افسر ایسی چھاؤنیوں میں تھے جو کلکتے سے چار سو میل کے اندر واقع تھیں اُنکو نصف بھتہ دیا جائیگا۔ اس روبکار نے فوج میں آگ لگا دی جس سے چوتھی یورپین بغاوت کے خدشات پیدا ہو گئے۔ ایک افسر تو یہاں تک کہہ گزرا کہ اگر اس وقت میں کوئی دشمن رونما ہو جائے تو ایک فوجی افسر بھی ایسا نہیں ہے جو فوج کو کوچ کرنیکا حکم دے یا ایک رجمنٹ بھی ایسی نہیں ہے جو کوچ کرنیکے لئے تیار ہو۔

بہشتم
حصہ دوم

منشا یہ تھا کہ ملکی ملازمین کے قابلترین اصحاب کو منتخب کر کے ایک مجلس ترتیب دیجائے جسکو افسران مال کے عطیات و معافیات متنازعہ کے فیصلوں کی اپیل سننے کا حق حاصل ہو۔ اس ترکیب سے افسران مال نے بھی اپنے کام میں زیادہ سرگرمی کا اظہار شروع کر دیا۔ ان سرگرم کارروائیوں نے اُن لوگوں کو بہت برافروختہ کیا جن پر انکا اثر پڑتا تھا اور ایسے لوگوں نے بہت سے عذرات پیش کرنے شروع کیئے جو ایک حد تک معقول بھی تھے مثلاً یہ کہ اُنکے دعووں کو ثابت کرنیکی دشواریاں مرور زمانہ کے ساتھ بہت کچھ بڑھگئی تھیں۔ بہت سی دستاویزیں آگ پانی سے ضائع ہوگئی تھیں یا دیمک انھیں چاٹ گئی تھی اور بہت سی آراضی ایسی تھی کہ ممکن ہے کہ کسی زمانے میں انکو فریب سے حاصل کیا گیا ہو مگر موجودہ قابضان نے تو انکو نقد دام دیکر ان لوگوں سے خرید کیا تھا جنکے پاس وہ اس وقت تھیں۔ اگرچہ قابضان عطیات کو کسی حالت میں بے دخل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان پر لگان عائد کر دیا جاتا تھا پھر بھی اس قسم کی اراضی کی جمعبندی نے گورنمنٹ کو بہت بدنام کیا۔ اس تمام تحقیقاتی عملے پر گورنمنٹ کو اسّی لاکھ صرف کرنا پڑا اور اسکے ذریعے سے تیس لاکھ سالانہ آمدنی کی اراضی بحق سرکار قابل ضبطی قرار دیگئی ہ

صفحہ ۳۶۰

قبیلۂ کول کی شورش ۱۸۳۲ء

اگر اس سے پہلے اور اسکے بعد کے زمانے سے مقابلہ کیا جائے جبکہ تخت الٹ گیئے خاندان بن بن کر بگڑ گیئے اور ہندوستان کا نقشہ ہی بالکل بدل گیا تو لارڈ ولیم بین ٹنک کے زمانے کے واقعات کو بہت ہی کم اہمیت دی جاسکتی ہے۔ اس گورنر جنرل کے زمانے میں قبیلۂ کول کی شورش ایسی تھی جسمیں ایک حد تک خاصے پیمانے پر فوجی کارروائی کرنی پڑی تھی۔ کول۔ ڈانگر۔ شمال اور جنوب۔ مغربی بنگال کے دوسرے قبیلے جو ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے سمجھے جاتے ہیں اب تک پہاڑی اور ویران قطعات میں اپنی آزادی کو قائم رکھے ہوئے تھے

باب ہشتم
فصل دوم

رہا تھا کہ اکثر اشخاص کو اور مذہبی جماعتوں کو اراضی بطور عطیات کے دیدی جاتی تھی جو ہر قسم کی لاگ بھینٹ سے مستثنیٰ رہتی تھی۔ انمیں سے بعض مذہبی اوقاف و عطیات خوش عقیدہ رئیسوں کی طرف سے تبرکاً برقرار رکھے جاتے تھے بلکہ اکثر ہندوستان میں اور خصوصاً دکن میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہر نئی گدی نشینی کے وقت نیا حکمراں ان عطیات و مواضعات کو ضبط کرلیا کرتا تھا بلکہ بعض اوقات تو ایک ہی رئیس اپنے عطیات کو ضبط کرلیتا تھا۔ زوال سلطنت مغلیہ کے زمانے میں عطائے معافیات کے یہ شاہی حقوق عمّال صوبہ جات نے غصب کر لیئے تھے۔ مالیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی کلکتہ گورنمنٹ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جتنے عطیات ۱۷۶۵ء سے پہلے زمانے کے ہونگے وہ سب جائز سمجھے جائینگے لیکن چونکہ ایسے عطیات کا کہیں باقاعدہ اندراج نہیں تھا اسلیئے راجاؤں۔ جاگیرداروں۔ زمینداروں بلکہ محکمۂ مال کے افسروں نے نئی نئی جعلی سندیں بنالیں اور پرانی سندوں میں بھی چپکے چپکے تاریخیں ہٹانی شروع کردیں اور گورنمنٹ کو اسکا علم ہوا کہ تمام سلطنت کی آمدنی کا دسواں حصہ ان جعلی دستاویزوں کے ذریعے سے ناجائز طور پر گورنمنٹ کے خزانے میں داخل ہونیسے رکا جاچکا ہے۔ لارڈ کارنوالس کے بندوبست کے منشا کے مطابق ان عطیات کی ضبطی کا اختیار گورنمنٹ کو اس صورت میں حاصل تھا جبکہ انکی حقیقت کی تحقیقات ہوکر ناجائز قرار دیدی جائے۔ جس افسر مال کے سپرد یہ تحقیقاتی کارروائی ہوئی تھی اُسے ہر ہر قدم پر اپنے اُن زر آشنا ماتحتوں کی حرکتوں کی وجہ سے رکاوٹیں پیش آتی رہتی تھیں جنکو قابضان عطیات کی طرف سے نذرانے اور تنخواہیں ملتی رہتی تھیں۔ چنانچہ اس افسر نے بھی اپنے کام میں کچھ بیدلی سی برتنی شروع کردی تھی اور اسکی ضرورت پڑگئی تھی کہ یا تو اس مفت میں ضائع ہونیوالی آمدنی کو بٹے کھاتے ہی میں جانے دیا جائے یا اسکے حصول کی پوری طور پر کوشش کیجائے۔ لارڈ ولیم بین ٹنک کے ہندوستان آنیسے تین ہفتے پہلے ایک تجویز منظور کیجا چکی تھی جس کا

باب ہشتم
فصل دوم

جرمانے عائد کر دیے۔ ان جرمانوں کے خلاف ان لوگوں نے مجسٹریٹ کی عدالت میں اپیلیں کیں مگر ضابطہ کی طوالت نے دامن صبر اُن کے ہاتھ سے چھڑا دیا اور ایک مسلمان درویش تیتو میر کے فتوے کے مطابق انھوں نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے اول ایک مندر کو گائے

(صفحہ ۳۶۱)

کے خون سے بھرشٹ کیا اور گائے کا خون بعض برہمنوں کے حلق میں ڈالا اور اسکے بعد مواضعات و کارخانہ جات میں آگ لگاتے ہوئے اور اپنے چوبیں مورچے باندھتے ہوے آگے بڑھے۔ بنگال کے پرامن صوبے میں جس نے دشمن کے لشکر کا دھواں بھی ستر سال سے نہیں دیکھا تھا اسکی ضرورت پڑگئی کہ دو پیدل رجمٹیں تھوڑے سے سوار اور کچھ توپیں میدان میں لائی جائیں۔ باغیوں نے اپنے چوبین مورچوں میں ایک گھنٹہ مدافعت کی یہاں تک کہ وہ مورچے تسخیر ہو گئے اور آتش بغاوت باغیوں کے خون سے بجھا دیگئی ؛

الحاق کچھ ردکرگ

کسی حد سے زیادہ صلح پسند گورنر جنرل کا عہد حکومت بھی توسیع مملکت کے قدرتی میلان طبع سے نہیں بچ سکا اور سلطنت کی حدود میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا ہی گیا مگر لارڈ ولیم بین ٹنک کے عہد حکومت میں کمپنی کی مملکت میں اتنا حقیر اضافہ ہوا کہ نہ اسکا کوئی خیال کیا گیا نہ ایوان ہند کی طرف سے اظہار ملامت کی نوبت آئی شمال مشرقی بنگال کے کوہستان کی چھوٹی سی ریاست کچھار کا رئیس ۱۸۳۲ء میں قتل کر ڈالا گیا۔ اور اسکے بعد جو طوائف الملوک کا دور وہاں شروع ہوا اسمیں وہاں کی مخلوق نے برطانوی حمایت کی استدعا کی اور لارڈ ولیم بین ٹنک نے اس حمایت سے دریغ نہیں کیا۔ عظیم الشان برطانوی سلطنت کے اس گوشۂ تنہائی نے اس وقت کے بعد سے بڑی تجارتی منزلت حاصل کر لی ہے کیونکہ چائے کی کاشت میں شخصی سرمایہ دار و کا ایک کرور روپیہ وہاں خرچ ہو رہا ہے۔ اس ریاست کا جائے وقوع اور وہاں کی زمین چائے کے لئے خاص طور سے موزوں ہے۔ ریاست کرگ ساحل ملابار پر ریاست

باب ہشتم
فصل دوم

سوائے اُن مستثنےٰ حالتوں کے جہاں راجپوت زمینداروں نے انکے حقوق پر ہاتھ ڈال دئے تھے اور اپنی آمدنی بڑھانیکے لئے اُن علاقوں میں ان وحشی قبیلوں سے زیادہ واقفکار کاشتکاروں کو لاکر آباد کر دیا تھا۔ ان اجنبیوں کے آجانے سے ان وحشی قبیلوں میں ایک قسم کی بے چینی سی پیدا ہوگئی تھی جسمیں ان بنگالی اہلکاروں کے تشدد و استحصال سے اور اضافہ ہوگیا جنکا ایک جم غفیر اس صوبے میں گھس پڑا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں قبیلۂ کول نے بڑی تعداد میں بغاوت کر دی۔ زمینداروں کے کھیتوں کو برباد کر ڈالا انکے مواضعات کو آگ لگا دی اور اُنکے ایک ہزار سے زائد آدمیوں کو فوج پہنچنے سے پہلے پہلے مار ڈالا۔ چونکہ وہ صرف تیر و کمان اور کلہاڑیوں کے سوا نے اور کوئی ہتھیار نہیں رکھتے تھے اسلئے انکی سرکوبی کر دینے میں کوئی دقت نہیں پڑی پھر بھی بہت غیر ضروری قتل و خون انگریزی فوج کے ہاتھ سے ہوگیا۔ قرب و جوار کے اضلاع میں بھی اس بغاوت کے فرو ہونے سے پہلے چار رجمنٹیں بھیجدینے کی ضرورت سمجھی گئی تھی۔ بہر حال اس سرکشی سے مخلوق کو فائدہ ضرور ہوا۔ یعنے اسکی وجہ سے لارڈ ولیم بین ٹنک کو انکی حالت پر رحم آگیا اور اسنے کمپنی کے ضوابط سے اور قانونی محکموں کے بار گراں سے انکو بالکل سبکدوش کر دیا اور اسکو غیر آئینی صوبہ قرار دیکر ایک کمشنر کی خاص نگرانی میں دیدیا۔

تیتو میر کی بغاوت ۱۸۳۱ء کلکتے کے ایوان حکومت سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر ایک اور بھی بغاوت واقع ہوئی۔ سید احمد ایک مسلمان مجتہد و مجاہد نے زیرین بنگال میں بہت سے مرید جمع کر لئے تھے جنکی تعداد ضلع بارہ سیٹ میں خاص طور سے زیادہ تھی۔ ان لوگوں کو جو تعصب اپنے ہی مذہب کے دوسرے فرقوں سے تھا جنکو یہ بدعتی کہکر پکارتے تھے۔ اور جو مخاصمت ہندوؤں سے تھی جنکو کافر کہتے تھے اُسکی وجہ سے انکی طرف سے عالمگیر مخاصمت کے خیالات پیدا ہوگئے اور بعض ہندو زمینداروں نے ان پر بڑے بڑے

باب ہشتم فصل دوم

فوج چار سمت سے اس ملک میں پیشقدمی کرتی ہوئی چلی اور اسکے پیچ در پیچ اور پرخطر پہاڑی راستوں کو طے کر کے اپریل ۱۸۳۲ء میں برطانوی پھریرا خاص شہر مرکارا یعنے دارالحکومت کی فصیلوں پر قائم کر دیا۔ اس ملک کا بھی فوراً مملکت برطانیہ کے ساتھ الحاق کر لیا گیا اور اب اسکو انگریز پر حوصلہ مندوں نے قہوے کی کاشت سے ڈھانپ دیا ہے ؛

عدم مداخلت

پہلے پہلے لارڈ ولیم بینٹنک کی سیاسی حکمت عملی بھی دیسی ریاستوں کے معاملات میں اسی اصول عدم مداخلت کی پابند رہی جو اب تک لیڈن ہال سٹریٹ کو بہت مرغوب تھا سر چارلس مٹکاف نے تنازعہ بھرت پور کے متعلق ۱۸۲۶ء میں اپنے روزنامچے میں یہ لکھدیا تھا کہ ہمکو ہندوستان کی سب سے زبردست طاقت ہونیکی وجہ سے حامی قانون و محافظ حقوق ہونیکی حیثیت حاصل ہے۔ مجلس انتظامیہ نے اس عقیدے کی تردید کرنے میں بہت جلدی کی اور مخصوص و تاکیدی احکام کے ذریعے سے گورنمنٹ ہند پر یہ زور ڈالا کہ دیسی رئیسوں کے معاملات میں مداخلت ہونے سے قطعاً احتراز کرے الّا ایسی صورت میں جبکہ اُنکے خراجوں اور نعلبندیوں کی بروقت ادائیگی کے لئے کسی مداخلت کی ضرورت پڑ جائے ایسے احکام کا نتیجہ یہ تھا کہ گورنمنٹ کی نامعقول حیثیت بجائے کسی مبارک حامی امن و امان کے ایک منحوس ناخواندہ قرضخواہ کی سی ہوگئی تھی۔ پھر بھی لارڈ ولیم بینٹنک کو کئی موقعوں پر یہاں تک مجبور ہونا پڑا کہ وہ کسی طرح اپنے شاہی اختیارات کو کام میں لانیسے احتراز ہی نہیں کر سکتا تھا مثلاً کسی غاصب کے منصوبوں کو پامال کرنیکے لئے کسی اندرونی طوائف الملوکی کا استیصال کرنیکے لئے یا راعی و رعایا میں ہم آہنگی و مدارات پیدا کرنیکے لئے۔ اسلئے لارڈ موصوف کی سیاسی حکمت عملی ایک تذبذب کی تصویر ہے اور اُسکے عہد حکومت میں سب سے کم قابل اطمینان حصہ ہے ؛

راجہ میسور کی سقیم حکومت

نئی ریاست میسور کے قائم کرتے وقت انتظام ریاست حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے شہرۂ آفاق برہمن وزیر پورنیا

باب ہشتم
فصل دوم

میسور اور سمندر کے درمیان حائل ہے۔ اسکا کل رقبہ ڈیڑھ ہزار مربع میل ہے جسکا کوئی حصہ تین ہزار فٹ سطح سمندر سے ارتفاع میں کم نہیں ہے۔ کُرگ کے بہادر راجہ نے ٹیپو کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں اپنی چھوٹی سی ریاست کی ایسی پامردی و جانبازی سے حفاظت کی تھی کہ لارڈ کارنوالس اور لارڈ ولزلی دونوں نے بیساختہ اظہار توصیف کیا تھا بلکہ لارڈ ولزلی نے راجہ کو ایک تلوار بھی تحفتہً بھیجی تھی جو بڑے فخر و مباہات کے ساتھ حکمران خاندان کے موروثی خزانے میں محفوظ تھی۔ لیکن اس راجہ کے جانشین نے ۱۸۲۰ء میں ایسی سفاکی و بیرحمی پر کمر باندھی کہ ہندوستان کا کوئی رئیس بھی اسکی ہمسری نہیں کرسکتا تھا۔ جس شخص پر اُسے ذرا بھی مخالفت کا شبہ ہوجاتا اُسے فوراً تہ تیغ بیدریغ کرادیا جاتا تھا اور آیندہ کے لئے مدعیان حکومت کا خدشہ مٹانیکے لئے اُسنے اپنے تمام رشتہ داروں کو جنگل میں بھیجکر قتل کرادیا اگر کسی شخص سے اُسکو کوئی رنج پہنچتا وہ اُسکے بھی مار ڈالنے میں اصلا باک نہیں رکھتا تھا۔ ساتھ ہی اسکے اُسکو گورنمنٹ برطانیہ سے لِلّٰہی بغض تھا۔ اور اُسنے اپنے صوبے میں کسی انگریز کے بھی قدم رکھنے کی سخت ممانعت کررکھی تھی اسلئے اُسکی سفاکیاں شہرۂ آفاق نہو سکیں۔ بہرحال ۱۸۳۲ء میں راجہ کی بہن اور بہنوئی دونوں جانیں سلامت لیکر نکل بھاگے اور رزیڈنٹ میسور سے ظالم راجہ کی سفاکیوں کی داستانیں بیان کیں رزیڈنٹ بہ نفس نفیس راجدھانی کو گیا اور راجہ کو معقولیت اختیار کرنیکا مشورہ دیا مگر بالکل بیسود ہوا۔ راجہ نے نہایت گستاخی کے خطوط گورنر مدراس کو لکھے بلکہ گورنر جنرل تک کو نہ چھوڑا اور ساتھ ہی اسکے اپنی چھوٹی سی فوج کو گورنمنٹ برطانیہ کے مقابلے کے لئے کیل کانٹے سے درست کرلیا۔ لارڈ ولیم بینٹنک نے راجہ کو گوش نصیحت نیوش سے بے بہرہ پاکر اسکے ساتھ مردم آزار کا سا برتاؤ کرنا پسند کیا اور ایک اعلان عام شایع کیا جسمیں اُسکی سفاکیوں کو شمار کرایا گیا تھا اور اس کو حکومت سے معزول کردینے کی اطلاع دیگئی تھی۔ ۱۸۳۴ء میں چھ ہزار انگریزی

صفحہ ۳۶۲

قائم ہوچکا ہے مگر یہ گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ برطانیہ کی نیکنامی و اقتدار کو
ان بدنظمیوں کے ساتھ آیندہ کے لئے منسوب کئے جانیکی نوبت آئے
چنانچہ اس قسم کی بدنظمیوں کے اعادہ ہونیکا تدارک کرنیکے لئے اور
ریاست میسور کو تباہی سے بچانیکے لئے گورنر جنرل کی نظر میں اسکی
ضرورت ہے کہ ملک کا تمام و کمال انتظام برطانوی حکام کے ہاتھوں
میں دیدیا جائے اور شرائط سند کے مطابق راجہ کو اندازاً چار لاکھ
روپیہ سالانہ اور عین آمدنی کا پانچواں حصہ دیدیا جایا کریگا جو حسن انتظام
کے ساتھ اندازاً ڈیڑھ لاکھ کی مزید رقم ہو جائیگی۔ اسکے بعد ہی اُس
مجلس نے جو اسباب بغاوت کی جانچ کرنیکے لئے قائم کیگئی تھی پیش کی جس
سے گورنر جنرل نے یہ نتیجہ نکالا کہ حقیقتہً بعض شکایات میں مبالغے سے کام
لیا گیا تھا چنانچہ لارڈ ولیم بینٹنک نے صرف اتنا سا علاقہ تو کمپنی کے
قبضے میں رہنے دیا جو نعلبندی کی کفالت کے کام آسکے اور بقیہ علاقہ
پھر اس شرط پر راجہ کو واپس دیدیا کہ جب کبھی گورنمنٹ کافۃ الناس
کی بہبودی کے خیال سے ضروری سمجھیگی اسکا انتظام اپنے ہاتھ میں لے
لیگی۔ مجلس انتظامیہ نے لارڈ ولیم بینٹنک کی تمام کارروائی کو اس
معاملے میں پسند کیا تھا مگر مجلس موصوفہ نے اس تجویز واپسی کو بالکل نامنظور کردیا
اور صاف لکھدیا کہ تمام ریاست کا ضبط کر لینا شرائط کے مطابق بالکل
جائز ہے اور رفاہ عام کے لحاظ سے اشد ضروری ہے ؎

صفحہ ۴۶

جودھپور

عدم مداخلت کا اصول خاص طور سے راجپوتانے کی دو ریاستوں
جودھپور اور جے پور کے لئے بہت منحوس ثابت ہوا جہاں
کہ جاگیردار بھائی بندوں کی شورش پسند طبیعتوں نے امن عامہ قائم
رکھنے کے لئے شاہی گورنمنٹ کی مداخلت کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ مان سنگھ
راجہ جودھپور کو اسکے سرداروں نے خنگ بینڈاری سے پہلے فاتر العقلی
کا صحیح یا غلط عذر قائم کرکے گدی سے اتار دیا تھا مگر سنہ ۱۸۲۱ء میں راجہ
مذکور نے پھر اپنے اختیارات حکومت حاصل کرلئے اگرچہ فتور عقل کا عذر

باب ہشتم
فصل دوم
(صفحہ ۳۶۲)

سے کے ہاتھ میں دیدیا گیا تھا اور اسکا انتظام قائم رکھنے کے لئے اُسکے مددگاروں کے طور پر کمپنی سے چند نہایت تجربہ کار افسروں کو دیدیا گیا تھا۔ اس ریاست نے دس سال کے عرصے میں خوب خوشحالی حاصل کرلی اور دو کروڑ کی رقم خزانے میں بچت میں پڑگئی۔ لیکن راجہ نے اپنے خوشامدیوں اور مصاحبوں کے اثر صحبت سے سولہ برس کی عمر میں اپنے بلوغ کا اعلان کرکے پورنیا کو برخاست کردیا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ رزیڈنٹ نے یہ رپورٹ کی کہ راجہ اپنے ناقابل اعتبار مزاج کی وجہ سے ہرگز حکومت کے قابل نہیں ہے ساتھ ہی اسکے وہ اپنے خوشامدی مصاحبوں کے ہاتھ میں بالکل کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ غرض یہ کہ نظم حکومت بیس سال تک برابر زوال پذیر ہوتا چلا گیا۔ پورنیا کی جمع کی ہوئی تمام دولت غارت ہوگئی۔ حاکموں میں طمع زر و بداطواریاں بڑھ گئیں بڑے سے بڑے عہدے فروخت کئے جانے لگے۔ خالصہ اراضی قریب سے معافیات وعطیات کے ذیل میں جانے لگی اور رعایا کو نئے نئے محاصل کے بار گراں کے نیچے دبا دیا گیا آخر کار تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق مخلوق نے ہتھیار سنبھالے اور نصف مملکت میں بغاوت پھیل گئی۔ ملک کے ہر حصے سے موقع تاکنے والے بدقماش آکر باغیوں کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور تمام دکن کے امن میں خلل پڑ گیا یہاں تک کہ کمپنی کا علاقہ بھی اس اختلال سے محفوظ نہ رہ سکا۔ مجبوراً میدان میں زبردست انگریزی فوج اتارنی پڑی لیکن اُسکے ساتھ ہی ایک مصالحانہ اعلان بھی اس مضمون کا شائع کردیا گیا کہ جو لوگ پُر امن طریقوں سے اپنی شکایتیں پیش کرنی چاہتے ہیں انکو امان دیجائیگی۔ آئیں اور برطانوی حکام کی خدمت میں اپنی شکایتیں پیش کریں۔ تمام جائز شکایات کو رفع کیا جائیگا۔ ریاست کے باشندوں نے برطانوی حکام پر پورا اعتماد کرلیا اور تمام بغاوت فوراً فرو ہوگئی۔

اسکے بعد ۱۸۳۲ء میں گورنر جنرل نے راجہ کو یہ اطلاع دیدی کہ ہرچند امن

باب ہشتم
فصل دوم

خانہ جنگی کے تمام سامان مہیا ہو گئے۔ اس وقت سرڈیوڈ کا جانشین سرچارلس مٹکاف بہ نفس نفیس جے پور گیا اور تمام سرداروں کا ایک دربار عام منعقد کیا اور اُنکے بحث مباحثے سے یہ نتیجہ نکلا کہ سرداروں کی کثرت رائے مان جی کی طرف تھی۔ چنانچہ سرچارلس نے مان جی کی حکومت کی تصدیق کی اور اُسے اجازت دیدی کہ وہ جسے چاہے اپنا وزیر منتخب کرے۔ پھر جوتارام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا گیا مگر ایکی دفعہ ریاست کی آمدنی سکے خوب چھکتے پنچے ہونے لگ گئے۔ فوجوں کی تنخواہ بقایا میں رہنے لگی اور سرداروں کے خلاف سخت انتقامی کارروائیاں کی جانے لگیں۔ پھر لارڈ ولیم بین ٹنک سے فریاد کی گئی کہ کمپنی کی گورنمنٹ کے شاہی اختیارات سے کام لیکر ریاست کی بدنظمیوں کی اصلاح فرمائے مگر لارڈ موصوف نے دست اندازی کرنیسے انکار کر دیا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد مان جی کا انتقال ہو گیا اور اُسکے بعد ہی اُسکا بیٹا راجہ بھی وفات پا گیا جسپر زہر خورانی کا شبہ کیا گیا اور جوتارام کے خلاف اس قدر نفرت و اشتعال بڑھ گیا کہ اُسے شہر سے باہر جاکر رہنا پڑا جہاں اُسنے ایک فوج بھی جمع کر لی۔ اس اثنا میں لارڈ ولیم بین ٹنک اپنے عہدے سے سبکدوش ہو چکا تھا اور اُسکے جانشین نے شیر خوار وارث کا حامی بننا منظور کر لیا اور خاص راجدھانی میں ایک پولیٹکل ایجنٹ یعنے مشیر سیاست متعین کر دیا۔ یہ پولٹیکل ایجنٹ ٹھیک ایسے وقت پر شہر میں پہنچا کہ جوش میں بھرے ہوئے سرداروں میں اور جوتارام کے طرفداروں میں آویزش ہونے ہی والی تھی۔ پولٹیکل ایجنٹ کو بھی قتل کر دینے کی کوشش جوتارام کے طرفداروں نے کی مگر بڑی مشکل سے پولٹیکل ایجنٹ جان بچا کر نکل بھاگا البتہ اُسکا اسسٹنٹ قاتلوں کی تیغ بیدریغ کا شکار ہو گیا۔ اس قسم کی طوائف الملوکی کا آیندہ کے لئے انسداد کر دینے کی خاطر دربار جے پور کے معاملات پر زیادہ سخت نگرانی پولٹیکل ایجنٹ کی قائم کر دیگئی ہے۔

(صفحہ ۳۶۵)

معاملات اودھ

۱۸۱۸ء میں لارڈ ہسٹنگز نواب وزیر اودھ کو خود مختار بادشاہ بنانیکا شہنشاہی اختیار کام میں لایا تھا جس سے

باب ہشتم
فصل دوم

اب بھی قائم تھا اور اپنی گدی سے اتارنیوالے سرداروں سے انتقام لینا شروع کر دیا ان سرداروں نے کلکتہ گورنمنٹ سے فریاد کی مگر دادرسی نہیں ہوئی آخر کار مجبور ہوکر انھوں نے سات ہزار کی ایک فوج جمع کی اور خاص راجدھانی پر چڑھائی کر دی۔ اب راجہ نے لارڈ ولیم بنٹنک سے رجوع کیا اور لارڈ موصوف کو تمام راجپوتانے میں آتش جنگ بھڑک اٹھنے کے خدشے سے شاہی اختیارات کام میں لانیکی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ رزیڈنٹ جودھپور کو ہدایت کیگئی کہ متنازعین میں مصالحت کرادی جائے اور رزیڈنٹ مذکور کی ایک جنبش قلم سے تمام معاملات کا تصفیہ ہو گیا۔ لیکن راجہ کا جوش جنون پھر بھڑکا ۱۸۳۹ء کے زمانے میں اُسنے پھر نہ صرف اپنی رعایا پر ہی ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا بلکہ جنگل کے غارتگر قبیلوں کی بھی ہمت بڑھانے لگا اور ٹھگوں اور بدقماش لوگوں کی سپردگی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس راجہ کے حواس ٹھکانے کرنے کے لئے ایک زبردست انگریزی فوج جودھپور پر بھیجی گئی۔ راٹھور راجپوت اپنے گیتوں میں اپنی ایک لاکھ تلواروں کی بہت شیخیاں مارا کرتے تھے جنسے انھوں نے اکبر کا تخت قائم رکھ چھوڑا تھا۔ مگر اب انگریزی فوج کے استقبال کے لئے جودھپور کا وکیل حاضر ہوا اور یہ عاجزی کرنے لگا کہ کمپنی بہادر کا ایک ادنی سپاہی لاٹ صاحب کا حکم خاص راجدھانی میں آکر منوا سکتا تھا اس فوج بھیجنے کی تکلیف کیوں گوارا کیگئی۔ غرض یہ کہ راجہ نے تمام مطالبات کو فوراً منظور کر لیا ۔

جے پور — راجہ جے پور کی نابالغی کے زمانے میں اُس کی ماں رانی نے مدارالمہامی اپنے ذمہ لیلی تھی اور اُسنے اپنے مصاحب جوتارام ساہوکار کے مشورے پر بلاچون وچرا عمل کرنا شروع کر دیا۔ ریاست کے متکبر جاگیرداروں نے جوتارام کو عہدۂ وزارت سے نکال دیا اور اپنے طبقے کے ایک ٹھاکر بیری سال کو اس عہدے پر متمکن کر دیا۔ لیکن مدارالمہام رانی نے سرڈیوڈ اخترلونی کی منظوری جوتارام کو پھر بحال کرد ینے کے لئے حاصل کر لی۔ سرداروں کو یہ تغیر و تبدل نہایت ناگوار گزرا اور

معاملات کی درستی میں صرف کیا تھا دراں حالیکہ اُسکے بادشاہ کی بدکاریاں ہمیشہ اسکے حسن انتظام کی سدراہ ہوتی رہتی تھیں۔ لارڈ ولیم بین ٹنک کی رائے میں حکیم مہدی ہندوستان کے قابل ترین منتظموں میں سے تھا اور مال کے کام میں تو کوئی ہندوستانی یا یوریپن اس سے سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ حکیم مہدی نے رفتہ رفتہ ایک شاہانہ دولت جمع کرلی تھی جسے وہ شہنشاہانہ فیاضی کے ساتھ خیرات میں لٹایا کرتا تھا اور ہندوستانکا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو اُسکے چشمۂ فیض سے سیراب نہیں ہوا ہو۔ ایکی مرتبہ انصرام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی حکیم مہدی نے نہایت معقول اصلاحات رائج کیں۔ اور ہمت کرکے محلسرا کی بدخرچیوں میں اور درباری خوشامدیوں کے غیر معمولی مصارف میں بھی تخفیف کا عمل درآمد کردیا۔ لیکن اودھ کے مطلق العنان دربار کے لئے وہ غیر معمولی روک کرنیوالا مصلح ثابت ہوا اور بادشاہ نے اسکے خلاف اس حیلے سے اظہار ناراضگی کیا کہ اُسنے شاہ کی والدہ کا تذکرہ مناسب ادب وآداب سے نہیں کیا تھا اور شاہ کے والد ماجد کی تصویر کی توہین کی تھی۔ چونکہ اس وقت میں لارڈ ولیم بین ٹنک بھی اسکی حمایت پر آمادہ نہیں ہوا اسلئے اُسنے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور برطانوی علاقے میں جاکر عزلت نشین ہوگیا۔ اودھ کی حالت کے متعلق مجلس انتظامیہ نے نہایت صحیح رائے حسب ذیل ظاہر کی تھی:-

> یہ برطانوی گورنمنٹ ہی ہے جو بدنظمی کے خلاف اٹھنے والی تمام آوازوں کو بالاہتمام بند کرتی رہتی ہے اور اسطرح اس بدنظمی کی رسی دراز کرتی جاتی ہے جو روز بروز اسلئے زیادہ مستحکم ہوتی جاتی ہے کہ ایک نیم مہذب حکومت کی کوتہ اندیشی وطماعی کو ایک مہذب سلطنت کے ہتھیاروں سے برابر قوت پہنچتی رہتی ہے۔

لارڈ ولیم بین ٹنک نے مملکت اودھ کی سقیم حالت کے متعلق جو

نواب وزیر کو شاہی خاندان کے اُن اراکین کا غیر معمولی اعزاز کرنیسے خلاصی
مل گئی تھی جو لکھنؤ میں رہا کرتے تھے خواہ وہ کتنی ہی ردی حالت میں ہوں۔
یہ بادشاہ جو لارڈ ولیم بینٹنک کے عہد میں تخت نشین ہوا تھا زنانے میں
تربیت پایا ہوا تھا اسلئے اپنے خیالات میں بالکل بچکانہ اور زنانہ تھا اور اسکی
زندگی برابر عیش و عشرت میں گزرتی تھی۔ رزیڈنٹ سر ہربرٹ میڈک نے
اس ملک کی حالت کے متعلق یہ رپورٹ کی کہ نہایت ہی تباہ ہو رہی ہے کسی
کی جان و مال و آبرو محفوظ نہیں ہے اور مشکل سے کوئی دن ایسا گزرتا ہے کہ
زمینداروں کی کسی گڑھی پر حملہ نہ کیا جاتا ہو جو اس بات کے عادی ہو گئے
تھے کہ بغیر تشدد کے اپنے ذمے کے محاصل داخل نہیں کرتے تھے
لارڈ ولیم بینٹنک نے خود اس ملک کا دورہ کیا اور اسکو نہایت تباہی اور
مصیبت کی حالت میں پایا۔ اسکو یہ خیال ہوا کہ جس طرح برطانیہ مخلوق کی
سرکشی و بغاوت کے مقابلے میں بادشاہ کا حامی بنا ہوا ہے اسی طرح پر
برطانیہ کو مظلوم مخلوق کا بھی محافظ بادشاہ کے ظلم و ستم کے مقابلے میں
بننا چاہیئے چنانچہ ۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بینٹنک نے شاہ اودھ کو ایک
خریطہ بھیجا جسمیں اسکو تمام بدنظمیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی تھی اور
صاف الفاظ میں اُسے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر اب بھی اصلاحات سے
پہلو تہی کی گئی تو ملک کا انتظام شاہ کے ہاتھوں سے بالکل لے لیا جائیگا
اور اسکو اسکے خاندان اور دربار کے قائم رکھنے کے لئے ایک معقول
وظیفہ سالانہ دیدیا جایا کرے گا۔ مگر اس فہمائش کی پہلے سے سن گن پا کر
شاہ اودھ نے اپنے سابق وزیر حکیم مہدی کو پھر طلب کیا جسکو اُسنے کچھ
روز سے برخاست کر دیا تھا اور اُسکو وزیر اعظم پھر بنا دیا۔ یہ غیر معمولی
قابلیت کا آدمی شیراز کے ایرانی شرفا میں سے تھا اور ہندوستان میں
تلاش معاش وارد ہو کر اودھ کی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا جہاں اسنے
اپنی قابلیت کی وجہ سے بہت جلد امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ اُسنے اپنے وطن
ثانی کی مرفہ الحالی کو اپنی خوشحالی سمجھکر اپنی خداداد قابلیتوں کو انتظامی

صفحہ ۳۶۶

برابر ان کو لگائے رکھتا تھا اور اس کام کی نگرانی بہ نفس نفیس کیا کرتا تھا یہاں تک کہ اُسنے اپنی اردی فوج کو ایک نہایت جرار سپاہ بنا لیا تھا اور اوسکی امداد کے لئے اعلیٰ درجے کا توپ خانہ بھی اُسکے ساتھ لگا لیا تھا۔

رنجیت سنگھ کی فتوحات

پنجاب کے تمام سکھ رئیسوں کو مغلوب کر کے رنجیت سنگھ نے فتح خاں وزیر کابل سے ایک معاہدہ کشمیر پر ایک مشترک مہم لیجانیکے لئے طے کیا۔ لیکن وزیر نے سکھ فوجوں سے پہلے اپنی فوجیں بڑھا کر کشمیر پر قبضہ کر لیا اور پھر رنجیت سنگھ کو ثمرات ظفر میں حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ رنجیت سنگھ نے اسکے جواب میں موقع خالی پاکر دریائے سندھ کے صوبہ اٹک پر قبضہ کر لیا۔ اسپر رنجیت سنگھ اور فتح خاں میں جنگ ہوئی جسمیں فتح خاں کو شکست ہوگئی اور سکھوں کی حکومت بالاستقلال دریائے سندھ کے کناروں پر قائم ہوگئی۔ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ نے صوبہ ملتان پر قبضہ کر لیا اور فتح خاں کے اُسی زمانے میں قتل کر دیے جانے سے موقع پاکر مشرقی افغانستان کے دار الحکومت پشاور پر قبضہ کر لیا کیونکہ فتح خاں ہی کی قابلیت و تن دہی سے اب تک سلطنت افغانستان تباہی سے بچی ہوئی تھی۔ اگرچہ پشاور پر رنجیت سنگھ زیادہ عرصے تک اپنا قبضہ قائم نہیں رکھ سکا مگر اسنے اسکی تلافی کشمیر پر قبضہ حاصل کر لینے سے کر لی اور دو سال بعد ڈیرہ جات پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ دریائے سندھ کے داہنے کنارے پر سندھ کی سرحد تک پھیلتا جاتا ہے اور ۳۰۰ میل کی لمبی پٹی ہے۔

فرانسیسی افسروں کی آمد

۱۸۲۲ء میں نپولین کی فوج کے دو افسر کرنل الارڈ اور کرنل ونچورا جو خاندان بوربن کے تخت حکومت پر دوبارہ جلوہ فرما ہونیکی وجہ سے فرانس چھوڑ کر چلے آئے تھے اور ایران میں نوکر ہو گئے تھے کسی طرح لاہور آ گئے اور کچھ پس و پیش کے بعد رنجیت سنگھ نے اُنہیں اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ سکھ فوج جو پہلے ہی

باب ہشتم فصل دوم

تفصیلی حالات مجلس انتظامیہ میں بھیجے تھے اُس مراسلے کے جواب میں مجلس موصوفہ نے اُسے مجاز کر دیا کہ اگر وہ کافۃ الناس کی بہبودی کے خیال سے ضرورت سمجھے تو اودھ کی حکومت کو تمام وکمال کمپنی کے ہاتھ میں لیلے - چونکہ لارڈ ولیم بینٹنک اس وقت ہندوستان سے روانہ ہونیوالا تھا اسلئے اس وقت اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ مجلس انتظامیہ کے اس مراسلے کے خلاصے سے شاہ اودھ کو آگاہ کردے ۔ ساتھ ہی اُس کے یہ بھی اطلاع دیدے کہ مجلس موصوفہ کے احکام کی تعمیل اس دفعہ اور اس امید پر ملتوی کی جاتی ہے کہ آیندہ کے لئے ضروری اصلاحات پر عمل درآمد کرلیا جائیگا ۔ لیکن اصلاحات پر عمل درآمد کرنیکی نوبت کبھی نہیں آئی اور مجلس انتظامیہ کے احکام کی تعمیل بیس سال بعد کرنی ہی پڑی ۔

رنجیت سنگھ کی ترقیاں

لارڈ ولیم بینٹنک کے عہد حکومت کا سب سے شاندار واقعہ لارڈ موصوف کی رنجیت سنگھ کے ساتھ ملاقات ہے ۔ لیکن اس ملاقات کی تفصیل کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کی اُن ترقیوں پر ایک نظر ڈال لی جائے ۔ جو مسٹر مٹکاف کے ۱۸۰۹ء کے روک تھام کرنیوالے معاہدے کے بعد سے اُسنے کی تھیں ۔ اُسکی زندگی کی غایت صرف فتوحات تھیں اور اُسکی توجہ اپنی فوج کو ترقی دینے میں اور خزانے کے جمع کرنے میں اس درجے مصروف رہتی تھی کہ وہ ایک حد تک اپنے ملکی انتظام کی طرف سے غافل کہا جاسکتا ہے ۔ جس طرح ایک موسم کے بعد بندھے ہوئے وقت پر دوسرا موسم آجاتا ہے اسی طرح بارش ختم ہوتے ہی اُسکی فوج کسی نہ کسی مہم کے واسطے بندھی ہوئی تیار رہتی تھی ۔ متواتر جنگبازی سکھ قوم کی جنگی طبیعتوں کے خاص طور سے موافق تھی کیونکہ اس سے اُنکو ایک تو اپنے دل کا سا مشغلہ مل جاتا تھا دوسرے نام آوری اور دولت بھی حاصل ہوجاتی تھی ۔ سکھوں کو اپنے آقا کے دامن سے وابستہ کرنیوالی صرف یہی دو چیزیں یعنے نام آوری اور دولت تھیں ۔ رنجیت سنگھ نے اپنی پلٹنوں کی ترتیب کمپنی کی فوج کے نمونے پر شروع کردی تھی اور ورزش و قواعد پر

صفحہ ۳۷۶

باب ہشتم
فصل دوم

کافروں کے خلاف اعلان جہاد کیا اور اسلام کا سبز نشان بلند کیا مگر اسکو رنجیت سنگھ کی قواعد دان فوج کے ہاتھوں شکست نصیب ہوئی اور مجبور ہوکر فرار ہونا پڑا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں وہ پھر کوہستان سے اترا اور پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح سے پھول کر اُسنے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور اپنے نام پر سکہ چلایا جسکے ایک طرف احمد اول حامی دین کندہ تھا۔ لیکن اُسکے دعاوی و تحکم نے کوہستان کے اُن وحشی قبائل کو اُس سے بدظن اور نفور کر دیا جو اب تک اُسکا ساتھ دے رہے تھے چنانچہ انھوں نے اسکو اپنے ملک سے نکال دیا۔ راستے میں کشمیر جاتے ہوئے اُسے سکھ فوجوں نے آلیا اور مئی سنہ ۱۸۳۱ء میں قتل کر ڈالا۔

لارڈ امہرسٹ اور رنجیت سنگھ

سنہ ۱۸۲۷ء میں لارڈ امہرسٹ نے اپنے گرمائی مستقر شملے پر رہنا شروع کیا جو کہ لاہور سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ رنجیت سنگھ کو یہ موقع اچھا نظر آیا اور اُسنے گورنر جنرل کو اپنی طرف سے ہدیہ سلام شوق بھیجا اور شاہ انگلستان کے واسطے کشمیری شالوں کا ایک شاہیانہ ارمغان کے طور پر بھیجا جو لارڈ امہرسٹ نے اپنی واپسی پر شاہ انگلستان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ رنجیت سنگھ کو گھوڑوں کا بے انتہا شوق تھا۔ اور لارڈ النبرو صدر جماعت نگران کار نے یہ ارادہ کیا کہ شاہیانے کے معاوضے میں رنجیت سنگھ کو کچھ جوڑیاں گاڑی کے گھوڑوں کی انگریزی گھاٹ کی بھیجی جائیں۔ اس زمانے میں دریائے سندھ کے علاقوں کا حال اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا جتنا کہ اسکندر اعظم کے زمانے میں معلوم تھا۔ اسلئے ان جانوروں کو بجائے بنگال و ہندوستان کے سیدھے راستے سے بھیجنے کے لارڈ النبرو نے یہ تجویز کی کہ انکو دریائے سندھ کے راستے سے بھیجا جائے جسکی غرض یہ تھی کہ اس ملک کا حال بھی معلوم ہو جائے اور اگر ممکن ہو تو کنارے کے دیسی رئیسوں سے دوستانہ تعلقات بھی قائم کر لئے جائیں۔ ان گھوڑوں کے بمبئی پہنچ جانے پر گورنر بمبئی سر جان مالکم نے لفٹننٹ برنس کو اس وفد کی

صفحہ ۳۶۹

۳۶۸ باب ہشتم فصل دوم

سے اپنی شجاعت۔ قومی روح اور مذہبی جوش کی وجہ سے ممتاز تھی اب ان افسروں کی وجہ سے اور انکے بعد آجانیوالے جنرل کورٹ اور جنرل آدیٹے بل کی وجہ سے یورپ کی قواعد دانی اور جنگی چالوں سے بھی خوب واقف ہوگئی اور نہایت زبردست اور ان پلٹنوں سے زیادہ کارآمد ہو گئی جو ڈی باٹن نے سندھیا کے واسطے یا ریمنڈ نے نواب نظام الملک کے واسطے تیار کی تھیں ؎

نوشہرہ کی لڑائی ۱۸۲۳ء مارچ ۱۸۲۳ء میں رنجیت سنگھ نے ۲۳ ہزار فوج کے ساتھ پشاور پر قبضہ کرنیکے ارادے سے پیشقدمی کی لیکن کوہستانی قبیلۂ یوسف زئی نے سکھ کافروں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اور پانچہزار یوسف زئی اپنی پہاڑیوں سے اتر آئے اور سکھوں کو شکست کامل دیدی۔ مگر رنجیت سنگھ نے تازہ دم فوجیں طلب کرلیں اور آخر کار میدان جیت لیا اور پشاور کو لوٹ لیا۔ یہ آویزش اس وجہ سے قابل یادگار ہے کہ ایک کوہستانی قبیلے کی مختصرسی غیر قواعددان جماعت نے محض اپنے مذہبی جوش اور ایمانی قوت سے اپنے سے چارگنی قواعددان اور تربیت یافتہ سکھ فوج کے کسی طرح قدم نہیں جمنے دیے۔ رنجیت سنگھ نے اس صوبے کو شاہ کابل کے دشمن بھائی یار محمد خان کے سپرد اس شرط پر کر دیا کہ وہ سالانہ خراج دیا کرے۔ چار سال بعد پھر اس صوبے کے امن میں سید احمد مجاہد کی وجہ سے خلل پڑا۔ سید احمد امیر خاں پٹھان کی فوج میں ایک معمولی درجے کا رسالے کا افسر تھا اور جس وقت امیر خاں کی فوج ٹوٹ گئی تو سید احمد نے اپنے اجتہاد و الہام کا دعوے کیا اور اپنے ہم مذہبوں کے ایک خاص طبقے میں مذہبی جوش و خروش کی ایک آگ لگا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ کسی پہلی فصل میں سید احمد کے کلکتہ جانیکا تذکرہ کیا جا چکا ہے جہاں سے وہ سید ھا مکے کو چلا گیا جو اسلامی جوش کا سرچشمہ ہے۔ وہاں سے وہ زیادہ جوش سے بھرا ہوا دل لیکر ہندوستان واپس آیا اور سیدھا افغانستان چلا گیا جہاں اُسنے

باب ہشتم فصل دوم

مملکت کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ ڈھائی کرور تھا اور اسکے خزانے کے تہہ خانوں میں دس کرور نقد جمع تھا۔ اگرچہ وہ خود کچھہ لکھا پڑھا نہیں تھا لیکن اُسنے قابل میرمنشی رکھہ چھوڑے تھے جو دن رات باری باری سے اُسکی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ وہ اُنسے پڑھوا کر تمام فارسی۔ پنجابی۔ پشتو تحریریں سنتا تھا اور اُنکو خوب سمجھکر ہر ایک کا جواب خود لکھواتا تھا۔ اگرچہ وہ انتہائے عروج پر پہنچ گیا تھا مگر اُسنے اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی شخصی نسبت شاہی کا اختیار کرنا پسند نہیں کیا بلکہ اسی پر خوش تھا کہ اُسسے خالصہ برادری کا سرپنچ سمجھا جائے۔

صفحہ ۳۷

اور اس برادری کا نام ایسا تھا جسکو تمام سکھہ سپاہی و سردار ایک مذہبی عقیدت و ارادت کے ساتھہ سنتے اور لیتے تھے۔ رنجیت سنگھہ نے اسکو بھی ایک اہم معاملہ سمجھ رکھا تھا کہ اپنے تخت اور اپنے خاندان کی آیندہ حفاظت کے لئے وہ قوت حاصل کرے جو گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھہ نہایت قریبی ارتباط قائم کرنے سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اور لارڈ ولیم بین ٹنک اپنی طرف سے اسکو مصلحت ملکی کا مقتضا سمجھتا تھا کہ جن دیسی رئیسوں نے رنجیت سنگھہ کی ترقیوں پر چشم امید رکھنی شروع کردی تھی اُن پر یہ ثابت کردے کہ انگریزی اور سکھہ سلطنتوں میں دلی ارتباط کے تعلقات قائم ہیں۔ چنانچہ گورنر جنرل اور رنجیت سنگھہ کی ملاقات کی تقریب کا انتظام مقام روپڑ واقع ساحل ستلج پر کیا جانے لگا۔

روپڑ کی دید و باز دید

یہ تقریب اُن تمام تقاریب سے زیادہ شان و شوکت والی تھی جس میں اب تک کمپنی کے ملازموں کو شریک ہونیکا اتفاق ہوا تھا۔ لارڈ کارنوالس کی طرح لارڈ ولیم بین ٹنک بھی اپنی سادہ طرز ماند و بود کے لئے مشہور تھا اور اُسکو شاہانہ نمود و نمائش مطلق پسند نہیں تھی لیکن اس موقع پر لارڈ ولیم بین ٹنک کو بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں پر کمپنی کا رعب و وقار قائم کرنیکے لئے اس تقریب کو نہایت شاہانہ شان و شوکت کے ساتھہ منعقد کیا جائے۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو لارڈ ولیم بین ٹنک

باب ہشتم
فصل دوم

سالاری کے واسطے منتخب کیا۔ دریائے سندھ کے دہانے پر لفٹننٹ برنس
صوبہ سندھ میں داخل ہوا جسکے امیروں نے ہمیشہ انگریزی وکیلوں سے
ساتھ مخاصمانہ برتاؤ روا رکھا تھا۔ اور چونکہ ان امیرون نے لفٹننٹ برنس
کی آمد کو بھی بدشگونی سمجھا اس لئے انھوں نے لفٹننٹ مذکور کی بڑی ذلت
کی اور دو مرتبہ اُسے اپنے ملک سے واپس ہونے پر مجبور کیا۔ آخرکار
اُن کو کسی نہ کسی طرح اس بات پر راضی کیا گیا کہ انھوں نے اپنے ملک میں
سے نکل جانیکے لئے لفٹننٹ مذکور کے لئے وسائل باربرداری کا انتظام
کر دیا اور لفٹننٹ مذکور پنجاب کی سرحد تک پہنچگیا۔ یہاں رنجیت سنگھ
کی طرف سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اسکا استقبال کیا گیا اور
خاص دربار رنجیت سنگھ میں بڑے تپاک و گرمجوشی کے ساتھ ان کا
خیر مقدم عمل میں آیا۔ جس وقت لارڈ النبرو کا خریطہ رنجیت سنگھ کی خدمت
میں پیش کیا گیا۔ اس وقت اسکی ساٹھوں توپوں میں سے ہر ایک نے
شاہی سلامی سر کی اور جب تک لفٹننٹ برنس کا وہاں قیام رہا اس کے
ساتھ نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کیا گیا۔ وہاں سے لفٹننٹ برنس سیدھا
شملہ آیا جہاں لارڈ ولیم بینٹنگ رہا کرتا تھا اور جو معلومات اُس نے
ملک سندھ اور دوسری ریاستہائے سواحل سندھ کی تجارت۔ سیاست
اور وسائل جنگ کے متعلق بہم پہنچائی تھیں وہ لارڈ موصوف کی خدمت
میں بالتفصیل پیش کر دیں۔ یہاں اسے اُسے یہ ہدایت ہوئی کہ افغانستان
بلخ۔ بخارا ہوتا ہوا بمبئی کو واپس جائے ؂

رنجیت سنگھ کے وسائل

رنجیت سنگھ کی طاقت بیس سال تک بالاستقلال
بڑھتی رہی۔ اُسکے جاگیرداروں کی امدادی فوج
کو شامل کر کے اسکی کل سپاہ کی تعداد اسّی ہزار تھی جو سب کی سب
کم سے کم ایک درجن فتوحات کے جوش سے عالی حوصلہ ہو رہی تھی اور
جس کا بڑا حصہ یورپین قواعد دانی و قیادت سے بہرہ مند تھا۔ اسکے
توپ خانے میں ۳۷۶ توپیں اور اسی قدر زنبورچے تھے۔ اسکی

باب ششم صفوہ
فصل دوم

خوش نما ہاتھ پیر سے مقابلہ کیا جا سکے۔ اسی طرح نمائشوں ضیافتوں اور فوجی کرتبوں میں ایک ہفتہ گزر گیا جنسے دلوں میں عصر مغلیہ کی یاد تازہ ہوگئی اسکے بعد فریقین ایک دوسرے کی قوت کا صحیح اندازہ کرکے رخصت ہو گئے ؛

معاہدۂ سندھ

رنجیت سنگھ کو عرصے سے اسکا خیال تھا کہ کسی طرح سندھ کو اپنی مملکت میں شامل کرلے۔ اسکو خاص طور سے شکارپور پر قبضہ کرنیکی بہت تمنا تھی جو دریائے سندھ کے داہنے کنارے پر ایک مشہور تجارتی منڈی تھی جسکی ساکھ اتنی قائم تھی کہ وہاں کی ہنڈی کلکتے سے استراخان تک چلتی تھی۔ اس ملاقات کے دوران میں اُسنے گورنر جنرل کے سکرٹریوں سے برسبیل تذکرہ اس معاملے کے متعلق کچھ کہلوانا چاہا جسمیں اسنے یہ بھی اشارہ کردیا تھا کہ لفٹنٹ برنس کی رپورٹ کے مطابق سندھ کے خزانے میں بیس کرور نقد جمع ہے اور وہاں کی فوج بہت کمزور ہے۔ لیکن اگرچہ اسی زمانے میں لارڈ ولیم بنٹنک کرنل پوٹنگر کی سرکردگی میں ایک دفعہ امیران سندھ کی خدمت میں ایک تجارتی معاہدہ طے کرنیکے لیئے بھیج چکا تھا پھر بھی سکرٹریوں نے کوئی لفظ رنجیت سنگھ کے سامنے زبان سے نہیں نکالا۔ اول اول امیران سندھ نے کمپنی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق بھی پیدا کرنے سے بالکل بیزاری ظاہر کی اس احتمال سے کہ یہی کارخانے کل کو انکی جانوں کے لیئے قلعے بن جائینگے۔ لیکن آخر کار کرنل پوٹنگر کے اصرار سے وہ سب راضی ہوگئے اور ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کیئے گئے جسمیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ متعاقدین ایکدوسرے کے مقبوضات کو کبھی للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھیں گے مگر اس معاہدے اور اس شرط کے باوجود بھی گیارہ سال نہیں گزرنے پائے تھے کہ سندھ ایک انگریزی صوبہ ہو چکا تھا ؛

شملے سے اُتر کر روپڑ آیا اور رنجیت سنگھ اسکے تین روز بعد مع اپنے پرشوکت دربار کے دس ہزار سوار اور چھ ہزار چیدہ پیدل سپاہ کے بدرقے میں ستلج کے دوسرے کنارے پر پہنچگیا۔ دوسرے دن اس نے کشتیوں کے پُل پر ہوکر دریائے ستلج کو عبور کیا اور کنارے سے ایک شاہانہ جلوس کے ساتھ روانہ ہوا جس میں اسکے پیچھے پیچھے اسکے مغرق و مکلل سردار ہاتھیوں پر سوار تھے اور دونوں بازوؤں پر چار ہزار رسالے کے جوان تھے جنکو وہ بطور تقاضائے احتیاط کے اپنے ساتھ اس کنارے پر لے آیا تھا۔ لارڈ ولیم بین ٹنک نے ہندوستان کے ہر حصے سے انواع و اقسام کے نہایت قیمتی تحائف اس قدر جمع کرلئے تھے کہ رنجیت سنگھ کے دل سے گاڑی کے گھوڑوں کی یاد کو بھی بھلا سکیں۔ رنجیت سنگھ نے ہر چیز کو بچوں کے سے شوق کے ساتھ الٹ پلٹ کرکے دیکھا اور اُن سبکو اپنے سامنے احتیاط سے بندھوا کر اپنے داروغہ توشہ خانے کے سپرد کرادیا۔ دوسرے دن گورنر جنرل نے ملاقات بازدید کی۔ یہ منظر بھی غیر معمولی شان و شوکت کا تھا۔ اس وقت سکھ پڑاؤ کی رونق و آرائش بھی قابل دید تھی۔ اور اورنگ زیب کے بعد سے ابتک کوئی تقریب ایسی شان و شوکت کی ہندوستان میں نہیں منعقد ہوئی تھی جسمیں ایشیائی عظمت و شان کے انتہائی مطمح نظر کا جلوہ نظر آتا تھا۔

رنجیت سنگھ کی بے تکلفی۔ اُسکی ذوق شوق کی گفتگو اور آزادانہ سوال جواب نے اُن تمام شاہانہ تکلفات کو نہایت رواں اور آرام دہ بنادیا تھا جو اپنی خشکی و طوالت کی وجہ سے بار گزرنے لگتے ہیں۔ رنجیت سنگھ نے اپنے شوق کے تمام گھوڑوں کو ایک ایک کرکے لارڈ ولیم بین ٹنک کے سامنے پھروایا اور اُنکے نام اور اوصاف بڑے شوق سے بیان کرتا رہا۔ ان سب کے سلسلے میں اسنے ایک انگریزی گھوڑا بھی منگوایا تاکہ اسکے دیوزاد اعضا کا دوسرے گھوڑوں کے

ظاہر کی تھی کہ یہ اُن ملازمان کمپنی کی آرام گاہیں ہیں جو کسی بالاتر ذمہ داری کے کام کے قابل نہیں ہیں۔ سوائے چند مستثنیات کے ان عدالتوں کے حاکموں کی طرز تحقیقات نفرت انگیز ہوتی تھی اور اپیل میں جو اُنکے متضاد و مختلف فیصلے صادر ہوتے تھے وہ ماتحت حکام کے لیئے زیادہ پریشانیوں اور الجھنوں میں ڈالنے والی نظریں ہو جایا کرتے تھے؛

فوجداری فیصلوں کے متعلق یوں کہنا چاہیئے کہ ان عدالتوں کے متعلق شکایت عام ہو گئی تھی۔ اُن عدالتوں کے حکام اپنے دوروں پر سال میں دو دفعہ جایا کرتے تھے اور اُنکے انتظار میں ملزم حوالات میں رہتے تھے اور فریادیوں اور گواہوں کو بھی روکے رکھا جاتا تھا جسکا صرفہ وہ بچارے خود برداشت کرتے تھے۔ اس صورت واقعات کے اعتبار سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ پولیس کا داروغہ جو جرائم کی تفتیش کرنے آتا تھا ملک الموت سمجھا جاتا اور تمام ملک میں اخفائے جرائم کی عادت خاص اہتمام سے بڑھتی چلی جاتی تھی؛

لارڈ ولیم بینٹنک نے تمام ملک کو ایسی عدالتیں بالکل توڑ کر ممنون احسان بنا لیا جن میں قانون کے تین بڑے عیب تھے۔ یعنے دیر لگتی تھی۔ روپے کی زیر باری ہوتی تھی اور پھر بھی نتیجہ نکل آنے پر کوئی اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ ان دورہ کرنے والے ججوں کے فرائض کو ضلعوار ججوں کی طرف منتقل کر دیا گیا جنکا کام یہ تھا کہ ہر مہینے حوالاتیوں کے مقدمات کی تحقیقات کرتے تھے ممالک مغربی و شمالی کے لیئے ایک صدر عدالت (Chief Court) علیحدہ قائم کی گئی جس سے دہلی کے باشندوں کو یہ آرام ہو گیا کہ انھیں ایک ہزار میل کا سفر طے کر کے اپیل دائر کرنیکے لیئے کلکتے نہیں جانا پڑتا تھا۔ اسی قسم کی ایک آرام کی صورت اس صوبے کے واسطے یہ پیدا کی گئی کہ ایک صدر محکمۂ مال (Board of Revenue) الہ آباد میں قائم کر دیا گیا۔ جس سے تیس لاکھ آبادی کے مالیہ کی نگرانی کرنیوالا محکمہ اُنھی کے درمیان موجود ہو گیا۔

فصل سوم

لارڈ ولیم بین ٹنک کا عہد حکومت۔ ملکی اصلاحات ۱۸۳۳ء کا اجازت نامہ سر چارلس مٹکاف

ملکی اصلاحات

لارڈ ولیم بین ٹنک کے عہد حکومت کی اصل شان و شوکت ان روشن خیالانہ اصلاحوں۔ بنی نوع کی اُن دلیرانہ ہمدردیوں اور حقیقی ترقی کی ان تھک کوششوں میں مضمر ہے جنہیں اُسکے دوسرے پیشرو اُس سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں تیس سال سے مقامی حکومت باوجود انگلستان کی حکومت کی ممانعت کے اس کام میں مصروف تھی کہ ہندوستان میں برطانوی عظمت و اقتدار کو قائم کیا جائے اور سلطنت کو مستحکم بنایا جائے مگر ابھی تک تمدن و مفید صیغہائے انتظام قائم کرنیکی مد محتاج توجہ چلی آتی تھی۔ لارڈ کارنوالس کے بعد سے ان صیغوں کو ترقی دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی اور بڑی حد تک ان سب کا عدم وجود برابر ہو چلا تھا بلکہ تکلیف دہ ہو گئے تھے۔ لارڈ ولیم بین ٹنک میں بعض خصوصیات نہایت لاثانی تھیں یعنے اُسکے خیالات نہایت پاکیزہ تھے۔ موروثی تعصبات سے اسکا دل صاف تھا اور اُسکے ارادوں میں ایک قدرتی استقلال تھا۔ اسلئے اُسکے عہد حکومت کو برطانوی ہند میں ایک عصر جدید کی داغ بیل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

عدالتہائے صوبہ جات ۱۸۳۱ء

(صفحہ ۲۷۳)

صوبہ جات کی عدالتوں کی وجہ سے قانونی فیصلوں کی کارروائی میں بڑی دقتیں پیدا ہو گئی تھیں اور اُن عدالتوں کے متعلق لارڈ ولیم بین ٹنک نے یہ رائے

باب ہشتم فصل سوم

مالیہ کے مختلف پہلوؤں پر مباحثے کیئے اور الہ آباد کے محکمۂ مال سے بھی پوری پوری گفتگو کی۔ اسکے بعد اُسنے احاطۂ بنگال کو واپس آکر ۱۸۳۳ء میں جدید بندوبست کا ضابطہ شروع کیا۔ اس ضابطے کی اصل شان اسکی سادگی ہے اور اسمیں بعض اُن پیچیدہ تفتیشوں کو بالکل منسوخ کردیا گیا ہے جو سابقہ ضابطے کی رو سے ضروری تھیں۔ اراضی کی احتیاط سے پیمائش کی گئی اور اُسکی نوعیت کے اعتبار سے تقسیم کردی گئی اور اُس کے صحیح عرض وطول کا اندراج کرلیا گیا جس سے نفاق اور مقدمہ بازی کا بڑا ذریعہ بالکل معدوم ہوگیا۔ اُسکے بعد مقامی کاشتکاروں اور زمینداروں سے آزادانہ مشورہ کرکے افسرِ مال کے ذریعے سے تیس سال کے لیئے جمعبندی کردی گئی۔ ان مہتم بالشان کارروائیوں کی مجموعی نگرانی مسٹر ایربٹ برڈ کو سپرد کی گئی جو سرجان شور کے بعد سے اب تک بہترین افسرِ مال تسلیم کیا جاتا تھا مسٹر ایربٹ برڈ کو اپنے زمانے کے تمام حکام کے مقابلے میں ممالک مغربی و شمالی کے داخل خارج اراضی کے متعلق بہترین معلومات حاصل تھیں ساتھ ہی اسکے مسٹر برڈ میں اسقدر کام کرنیکی قوت اور اپنے کام میں اس قدر مصروف رہنے کی ہمت تھی کہ اُسنے بہتر ہزار مربع میل اراضی کا بندوبست جس کے ساتھ دو کروڑ تیس لاکھ نفوس کی مرگ وزیست کے اغراض وابستہ تھے دس سال کے عرصے میں بدرجۂ اتم تکمیل کو پہنچا دیا۔ مسٹر برڈ کو گورنمنٹ نے یہ اجازت دیدی تھی کہ وہ اپنے مددگار خود ہی منتخب کرلے اور اُسکی قابلیت کا سکہ وہ چلتا تھا کہ اسکی ماتحتی میں کام کرلینے کی عزت کو عمر بھر کے لیئے ایک تمغۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستانیوں کی بہرہ مندی ملازمت

سب سے زیادہ جس کارگزاری نے لارڈ ولیم بین ٹنک کو ہندوستانیوں کے دلوں میں محبت وعزت کی جگہ دلائی وہ اُسکی یہ حق شناسی تھی کہ اُسنے ہندوستانیوں کو گورنمنٹ کی ملازمت سے بہرہ مند ہونیکی اجازت دیدی۔ سوائے ادنیٰ ترین اور کمترین تنخواہوں کے اہلکاریوں کے

ان فوائد کی قدر و قیمت اس سے اور بھی بے انتہا بڑھگئی کہ ہندوستانیوں کو تمام دیوانی فوجداری اور مالی محکمہ جات میں اُنکی اپنی زبان استعمال کرنیکی اجازت دیدی گئی حقیقتہً اہل ہند اپنی مادری زبان سے بمقابلہ فارسی کے بہت زیادہ آشنا و مانوس تھے مگر ابتداءً انگریزی گورنمنٹ نے بھی شہنشاہان مغلیہ کی تقلید میں فارسی ہی کو دفتر کی زبان رکھا تھا جو ہندوستانیوں کو بھی دقت میں ڈالنے والی تھی اور عدالتوں میں نہ حاکموں کو اُس سے کوئی واقفیت ہوتی تھی نہ فریقین یا گواہان میں کوئی اس سے آشنا ہوتا تھا۔

ممالک مغربی وشمالی میں بندوبست

لارڈ ولیم بینٹنک کے عہد حکومت کی سب سے بڑی کارگزاریوں میں سے ممالک مغربی وشمالی کا بندوبست بھی تھا۔ لارڈ ولزلی نے جب ان ممالک کے سب سے آخری صوبے کا الحاق برطانوی ہند سے ۱۸۰۳ء میں لیا تھا تو اُسنے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر مجلس انتظامیہ نے منظوری دیدی تو ان ممالک میں بھی دس سال بعد دوامی بندوبست کا عمل درآمد کر دیا جائیگا۔

(صفحہ ۳۰۷)

مجلس انتظامیہ نے دوامی بندوبست کی تجویز کو مسترد کر کے صرف یکسالہ بندوبست کی منظوری دی۔ مگر اتنی تھوڑی سی میعاد ترقی زراعت کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ہر زمیندار اسکو حماقت سمجھتا تھا کہ ایسی زمین کے بنانے پر اپنا روپیہ صرف کرے جس سے اُسکو صرف دو تین سال تک آمدنی ہو سکے۔ چنانچہ تجدید بندوبست کا جب وقت آیا تو کنوئیں ہٹ چکے تھے اور کھیتیاں کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہگئی تھیں۔ اس زبردست مسئلے کو معقولیت کے ساتھ حل کرنیکی ۱۸۲۲ء میں کوشش بھی کیگئی لیکن اُس سنہ کا مشہور ضابطہ اپنی جزویات کے اعتبار سے اتنا پیچیدہ تھا کہ گورنمنٹ کے ہاتھ کے تلے جتنا عملہ تھا وہ اس سے عہدہ برآ ہونیکے لئے کافی نہیں تھا اور موعودہ دس سال گزر بھی گئے اور ابھی بندوبست کی گویا ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس تغافل شعاری کے سخت دھبے کو مٹانیکے لیئے لارڈ ولیم بینٹنک نے تمام صوبہ جات ممالک مغربی وشمالی میں دورہ کیا۔ ہر ضلع کے مالی حکام سے

باب ہشتم
فصل سوم

حکمت عملی کا نفاذ ۱۸۳۱ء کے ضابطے کے ذریعے سے کیا گیا جسکی رو سے احاطۂ بنگال کے تمام قانونی عملے کو بالکل از سر نو ترتیب دیا گیا اور تمام مقدمات کی ابتدائی تحقیقات ہندوستانی حکام کے سپرد کی گئی عام اس سے کہ وہ کسی نوعیت یا کسی قسم کے ہوں۔ خواہ وہ رعایا کے خلاف ہوں یا خود گورنمنٹ کے خلاف ہوں۔ رفتہ رفتہ ہندوستانیوں کو دوسرے تمام سرشتوں میں داخل کیا گیا اور انھوں نے سرکاری ملازمت میں داخل ہونیکی طرف اس قدر میلان طبع اور شوق کا اظہار کیا ہے کہ ایک حد تک اپنی شخصی آزادی کے خیالات بھی اُن میں سے فنا ہوتے جاتے ہیں۔ اسی موقع پر ایک اور لغویت کا بھی تدارک کر دیا گیا۔ کمپنی اور اس کے ملازموں نے صرف اس خیال سے کہ کہیں اس سے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچے دیسی عیسائیوں کو ہر عہدے سے محروم کر رکھا تھا یہاں تک کہ پولیس کنسٹبلی بھی اُن کو نہیں دی جاتی تھی مگر لارڈ ولیم بینٹنک نے یہ حکم نافذ فرمایا کہ ہندوستانیوں کو سرکاری نوکری دینے میں ذات یا مذہب کا کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہیئے

رسم ستی کی ممانعت

سب سے زیادہ قابل یادگار اور خلق اللہ پر رحم کھانیکا جو کام لارڈ ولیم بینٹنک نے کیا وہ رسم ستی کی قطعی ممانعت و منسوخی تھی۔ دو ہزار برس سے ہندوستان کے جس جس حصے میں ہندو مذہب کے قدم جمتے گئے تھے اُسی حصے میں یہ رسم برابر جاری چلی آ رہی تھی۔ پہلی کوشش جو اس رسم کی موقوفی کی کیگئی اُسکے محرک مسٹر جارج اڈنی ممبر کلکتہ کونسل اور ڈاکٹر کیری تھے جنھوں نے ۱۸۰۵ء میں لارڈ ولزلی کی خدمت میں ایک ملتمسہ (Address) اس موضوع پر پیش کیا تھا۔ لارڈ ولزلی اُس وقت ہندوستان سے روانگی کی تیاری کر رہا تھا اسلیئے اُسنے صرف اپنی رائے اس رسم کی موقوفی کے متعلق لکھدی تھی۔ اسکے بعد اس رسم کی ادائگی کے لیئے ایک ضابطہ نافذ کرکے ستیوں کی تعداد میں کچھ کمی پیدا کرنیکی کوشش کی گئی مگر مجلس انتظامیہ نے

صفحہ ۳۷۵

باب ہشتم
فصل سوم
صفحہ ۳۷۰

اور تمام عہدوں سے ہندوستانیوں کو یکقلم بیدخلی لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت کی نہایت سخت اور نہایت مہلک غلطی تھی۔ ایک پوری قوم کا اس طرح ملازمت سے بیدخل کر دیا جانا دراں حالیکہ اس قوم کی زندگی زمانۂ قدیم سے انتظام ریاست کے ہر صیغے میں حصہ لینے میں گزرتی چلی آئی ہو ایک ایسی زیادتی تھی جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے جس گال قوم نے سیزر روما کی پیش قدمی کو روکا تھا اسی گال کی دوسری یا تیری نسل کے آدمی روما کی مجلس حکومت کے اراکین ہو گئے تھے جن راجپوتوں نے بابر کا مقابلہ کیا تھا اور اسکی تمام حوصلہ مندیو کا قریب قریب خاتمہ ہی مقام بیانہ پر کر دیا تھا انھیں راجپوتوں کے پوتوں کو بابر کے شہرۂ آفاق پوتے نے صوبجات کی عاملی اور فوجوں کی سپہ سالاری پر متعین کیا اور انھی راجپوتوں نے خلیج بنگال تک اور دریائے سیحوں کے کناروں تک سلطنت مغلیہ کی خاطر اپنا خون چھڑکا اور جو اعتماد ان پر سلطنت مغلیہ نے کیا تھا اس کا یہ عوض دیا کہ جس وقت مغلوں کے ہم مذہب غدار جو تخت و تاج سے قریبی تعلقات بھی رکھنے والے تھے اپنے حامی دین بادشاہ کے خلاف سازشوں اور بغاوتوں میں مصروف تھے اسوقت بھی غیر مذہب راجپوتی تلواریں سچی نمک حلالی اور وفاداری سے اس کے تخت کو قائم رکھے ہوئے تھیں۔ لیکن ہندوستان میں جس جس مقام پر کمپنی کی حکومت پھیلتی جاتی تھی وہیں وہیں ہر معمولی قدر و قیمت کا عہدہ بھی صرف کمپنی کے اُن یوروپین ملازموں کو دیا جاتا تھا جو حلفیہ اقرارنامے داخل کر چکے تھے اور ہندوستان کا ہر باشندہ خواہ وہ کتنا بھی قابل و لائق کیوں نہو اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لینے سے بالکل محروم کر دیا جاتا تھا جس کے معنے یہ تھے کہ وہ باعزت و حوصلہ مند زندگی بسر کرنیکا ارادہ بھی کرنے نہ پائے لارڈ ولیم بینٹنک کی طبیعت پر اس اصول عمل کی شیطنت کا بڑا گہرا اثر پڑا اور اُسنے بقول خود یہ عزم کر لیا کہ اعزاز و امتیاز کے دروازے ہندوستانیوں پر کھول دئے جائیں اور اُنکو حکومت کے مکارم و منافع سے کافی بہرہ حاصل کرنیکی اجازت دیدی جائے۔ اس فیاضانہ

باب ہشتم
فصل سوم

اُس پر عملدرآمد کروں اور اپنے دل کو اور قوت ایمانی کو تسکین اور اطمینان دے لوں۔

اُسنے فوراً ہی ایک خفیہ روبکار جاری کیا جسکے ذریعے سے کم و بیش پچاس اہل قلم و اہل سیف حکام کی رائیں طلب کی گئی تھیں اور اُنسے یہ بھی دریافت کیا گیا تھا کہ اس رسم کی موقوفی سے ملک پر عموماً اور سپاہیوں کی حالت پر خصوصاً کیا اثر پڑیگا۔ فوجی حکام میں سے اکثر نے گورنر جنرل کو یہ یقین دلایا کہ اس رسم کی فوری اور تاکیدی ممانعت سے ہندوستانی سپاہیوں میں کوئی بے چینی نہیں پیدا ہوگی۔ اہل قلم حکام میں سے تین چوتھائی نے اُسکی موقوفی کی تائید کی۔ ان رایوں سے دل قوی ہوکر اور مجلس انتظامیہ کی پوری پشت پناہی پر بھروسہ کرکے لارڈ ولیم بین ٹنک نے ۴۔ دسمبر ۱۸۲۹ء کو وہ مشہور ضابطہ نافذ فرمایا جس کا منشا یہ تھا کہ آئندہ سے رسم ستی ناجائز اور مجرمانہ قرار دی جاتی ہے اور عدالتہائے فوجداری میں اُسکی تحقیقات ہوکر قتل انسان مستلزم السزا کے برابر سزا اُسکی پاداش میں دی جائیگی۔ کسی طرف سے کوئی ناپذیرائی یا بے چینی کے آثار نہیں ظاہر ہوئے۔ سوائے چند کلکتے کے بابوؤں کے جنکی پشت پناہی پر ہندوستان کا زبردست مستشرق ڈاکٹر ہوریس ہیمین ولسن تھا جسکو پنڈت اور برہمن لوگ مذہبی احترام و عزت کی نظر سے دیکھتے تھے

صفحہ ۳۷۶

سال بھر تک ہوا کے رخ کو دیکھنے کے بعد لارڈ ولیم بین ٹنک نے مجلس انتظامیہ کو یہ یقین دلادیا کہ ستی کو موقوف کرنے پر جس سرکشی و بغاوت کا خطرہ تھا اُس سے بڑھکر کوئی کابوس کبھی انگریزی حکومت کے سینے پر نہیں سوار ہوا ہوگا۔ آجکل کے روشن خیال ہندوستانی بھی اس رسم کو ایک عدیم وحشیانہ رسم سے تعبیر کرتے ہیں جس طرح کہ انگریز لوگ قدیم ڈروئڈ فرقے کی انسانی قربانی کے متعلق اپنا خیال رکھتے تھے۔

انسداد ٹھگی ۱۸۳۰ء

یہ لارڈ ولیم بین ٹنک کے عہد حکومت ہی کا واقعہ ہے کہ پہلی دفعہ سرگرم تدابیر ٹھگوں کے

باب ہشتم
فصل سوم

نہایت صحیح رائے یہ ظاہر کی کہ اس طرح پر یہ رسم اور بڑھتی جاتی تھی کیونکہ جب گورنمنٹ اسکو بعض خاص حالتوں میں ممنوع قرار دیتی تھی تو اُسکے معنے یہ تھے کہ اُسکے علاوہ دوسری حالتوں میں اُسکی اجازت دیدیتی تھی۔ اس مسئلے پر بڑی سرگرمی سے کئی سال تبادلۂ خیالات ہوتا رہا جسمیں سلطنت کے نہایت ممتاز اراکین شریک تھے لیکن ہر شخص اس رسم کی موقوفی کی تجویز کے متعلق رائے دیتے ہوئے جھجکتا تھا۔ سنہ ۱۸۲۳ء میں مجلس انتظامیہ نے گورنمنٹ ہند کے نام ایک مراسلہ بھیجا جسمیں تمام دلائل جو اس رسم کی موقوفی کے خلاف پیش کیئے جاچکے تھے ان سب کی نہایت قابلیت وصداقت کے ساتھ تردید کیگئی تھی اور پھر معاملے کو مقامی حکام کے فیصلے کے لیئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن گورنر جنرل نے حکام گورنمنٹ کی رایوں کو اس معاملے میں اسقدر مختلف پایا کہ اُسنے مجبور ہوکر مجلس انتظامیہ کو یہ اطلاع دیدی کہ اس رسم کی یقینی منسوخی کی رائے نہیں دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ لارڈ ولیم بین ٹنک کے تقرر کے وقت مجلس انتظامیہ نے اس معاملے میں تمام وکمال اختیارات لارڈ موصوف کو تفویض فرمادئے۔

لارڈ ولیم بین ٹنک لکھتا ہے۔

میں نے کلکتے کے ساحل پر جس وقت قدم رکھا ہے تو اُسوقت مجھے یہ معلوم ہورہا تھا کہ اس ہولناک ذمہ داری کا بار دنیا وعقبیٰ میں میری گردن پر رہیگا اگر میں یہ سمجھوں کہ نہ صرف سلطنت برطانیہ کی خوشحالی کو بلکہ رعایائے ہند کی حقیقی خوش وقتی اور دائمی بہبودی کو اس رسم سے صدمہ پہنچ رہا ہے اور پھر یہ سمجھکر میں اس مجرمانہ رسم کو جاری رہنے دوں۔ چنانچہ میںنے یہ عزم بالجزم کرلیا ہے کہ پورے غور وخوض کے بعد جو رائے قائم ہوسکے وہ بہت جلد قائم کرلوں اور ایسی رائے قائم کرلینے کے بعد عام اس سے کہ وہ نفی میں ہو یا اثبات میں

باب ہشتم
فصل سوم

اس سرے سے اس سرے تک گھومتے پھرتے تھے اور اُنکے شکاروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچگئی تھی - لارڈ ولیم بینٹنک نے یہ تہیہ کرلیا کہ خواہ کتنا ہی روپیہ اور وقت صرف ہوجائے مگر اس وبا سے ملک کو پاک کرکے رہیگا چنانچہ اُسنے اُسکے انسداد کے لیئے خاص محکمہ کھولا جسکا انصرام میجر ولیم سلیمن کے سپرد کیا جسکا نام بھی ایدآلآباد کے لیئے اس فرض انسانی کی ادائگی کے ساتھ وابستہ رہیگا - میجر سلیمن نے ایک نہایت جامع خاکہ کارروائی کا کھینچا جس میں ہر صوبے کو حتیٰ کہ دیسی ریاستوں کو بھی شامل کیا گیا اور ایسے مخبروں کے ذریعے سے جو بعد کو سرکاری گواہ بنادیئے جاتے تھے اس تمام جتھے کی ہر نقل و حرکت کا پورا پورا پتہ لگانا شروع کیا - میجر موصوف نے تجربہ کار افسروں کے ایک نہایت مکمل عملے کی امداد سے جسکا انتخاب بھی خود اسی نے کیا تھا ہر سمت میں ٹھگوں کے خلاف دوڑ دھوپ شروع کردی اور چھ سال کے عرصے میں ان بے ایمان پھانسی لگانیوالوں کی دو ہزار کی تعداد گرفتار ہوکر عدالتوں میں پیش کردیگئی اور کسی کو قتل اور کسی کو قید سخت کی سزائیں دیدی گئیں اور یہ برادری آخر کار ٹوٹ گئی ۔

صفحہ ۳۷۷

دخانی سلسلۂ آمد و رفت ۱۸۳۴ء

ہندوستان پہنچنے کے بعد ہی لارڈ ولیم بینٹنک کی توجہ دریائے گنگا میں دخانی سلسلۂ آمد و رفت قائم کرنیکی طرف مبذول ہوئی - اُسکی خاص ہدایات کے مطابق دو جہاز کلکتے میں تیار کیئے گئے اور اُنمیں انگلستان سے منگاکر انجن لگائے گئے اور انھوں نے کلکتے سے الہ آباد تک کا وہ سفر تین ہفتے میں طے کیا جو عموماً تین ماہ میں طے ہوتا تھا - اُسکے بعد یہ کام شخصی کمپنیوں کی طرف منتقل کردیا گیا - اس سے بھی زیادہ اہم جو غرض اُسکے مدنظر تھی وہ یہ تھی کہ کسی طرح انگلستان اور ہندوستان کے درمیان کے سفر کو جلد تر طے کیا جاسکے - ۱۸۲۳ء میں کلکتے میں بہت بڑا چندہ اس غرض کے پورا کرنیکے لئے جمع کیا گیا اور جو جہاز اس سفر کو ۲۰ دن میں

باب ہشتم فصل سوم

استیصال کامل کرنیکے لیئے اختیار کی گیئں۔ یہ ٹھگ موروثی لٹیروں کی ایک برادری تھی جنکا گزر اوقات اسپر تھا کہ راستے میں کسی کو اکیلا پایا تو اُس کو پھانسی دیکر اُس کا مال لے لیتے تھے۔ ہندوستان کے بہت کم قطعے مقامی ٹھگوں سے خالی ہوتے تھے مگر یہ لوگ عموماً کاشتکاری کا بھیس کرکے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اپنے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے اور اپنے بال بچوں کو مواضعات میں چھوڑ جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ جنگل کے راستوں میں اِدھر اُدھر گشت کرتے تھے اور جب کبھی کوئی مسافر نظر آتا تو اسطرح اُسکے شریک راہ ہو جاتے گویا بالکل اتفاقیہ مل گئے ہیں۔ وہ اپنے شکار کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلاتے اور اُس سے ضروری باتیں ترکیب سے پوچھ لیتے۔ چلتے چلتے جہاں کسی تنہائی کی جگہ میں پہنچے اور ذرا پیچھے ہٹ کر کوئی رومال یا پگڑی کا سرا مسافر کے گلے میں ڈالا اور اُسے ایسا کھینچا کہ غریب کا دم بند ہوگیا اور پھر پھڑا کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اسکے بعد اُسکی تلاشی لی اور اُن کُدالیوں سے گڑھا کھودا جو خاص دیبی کے نام پر چڑھی ہوئی ہوتی تھیں اور نعش کو اُسی گڑھے میں دبا دیا۔ ان ٹھگوں میں آپس میں قسما قسمی ہوجاتی تھی کہ ایکدوسرے کا حال کسی پر ظاہر نہیں کرینگے اور اُنکی ایک خاص بولی تھی جس سے یہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے تھے۔ یہ لوگ دُرگا دیبی کا بڑا احترام کرتے تھے جو بدقماشوں چوروں اور گلکٹوں کی دیبی ماتا ہے۔ اس دیبی کا تہوار بڑی خاص عقیدت و ارادت کے ساتھ منایا کرتے تھے اور اپنے مال غنیمت میں کا کچھ حصہ اس دیبی کے کسی مشہور مندر پر چڑھایا کرتے تھے۔ انھوں نے کچھ علامتیں اور شگون ایسے مقرر کر رکھے تھے جنکے معنے سے وہ اپنی دیبی کے احکام کی تعبیر کرتے تھے اور جب یہ شگون موافق نکلتے تھے تو وہ یہ سمجھکر اپنے کام پر روانہ ہوتے تھے کہ کسی مذہبی احکام کی تعمیل کے لیئے جارہے ہیں۔ یہ ٹھگ تمام ہندوستان کے

ہندوستانیوں کی عزت افزائی کی جائے اُسکے معنے لیڈن ہال سٹریٹ میں یہ سمجھے گئے تھے کہ ہندوستانی علم ادب کے احیاء کی کوشش کیجائے اور اسی کام کے لیئے اس رقم کو خاص طور سے صرف کیا جانے لگا۔ مسٹر آدم عارضی گورنر جنرل نے اپنے مختصر سے عہد میں یہ قابل امتیاز کام کر لیا تھا کہ اُسنے ایک مجلس تعلیمات اس غرض سے قائم کی تھی کہ مغرب کے علم و فن اور مفید معلومات میں ہندوستانیوں کو بہتر طریقے پر تعلیم دینے کی تجاویز پیش کرے۔ اس تجویز کو مجلس انتظامیہ کے ایک مراسلے سے بڑی تقویت پہنچگئی جسکا مسودہ مسٹر جیمس مل فلسفی مورخ نے تیار کیا تھا جسنے ایوان ہند میں ایک مقتدر جگہ حاصل کر لی تھی اور ایوان مذکور کے احکام پر اُسکے معقول مشوروں کا اثر پڑتا رہتا تھا۔ کلکتے کا سررشتہ تعلیم ڈاکٹر ہورس ہیمن ولسن کی نگرانی میں کر دیا تھا جو مشرقی علوم و نظام کا بڑا زبردست حمایتی تھا اور مجلس انتظامیہ سے یہ استدعا کی گئی تھی کہ ایوان حکومت کے دس لاکھ کے عطیے میں سے ہندو کالج بنارس۔ محمدن کالج کلکتہ کی ترقی و توسیع میں اور ایک نیا کالج احاطۂ بنگال میں قائم کرنے میں صرف کیا جائے۔ اس استدعا کے جواب میں مجلس انتظامیہ نے مسٹر مل کے مشورے کے مطابق حسب ذیل تحریر بھیجی ؎

صرف ہندو یا اسلامی علم ادب کی تعلیم دینے کی تجویز کو منظور کر کے گورنمنٹ نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی تھی کہ بہت کچھ وہ تعلیم دلادے جو بالکل بھوتی تھی جسکے ساتھ ہی بہت کچھ وہ حصہ بھی آجائے جو مضرت رساں تھا اور بہت تھوڑا حصہ ایسی تعلیم کا موجود تھا جو اصل مفید و نتیجہ خیز کہی جا سکتی ہے اسلیئے آئندہ کے لیئے غایت اصلی صرف ہندو یا مسلمانی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے بلکہ مفید اور نتیجہ خیز تعلیم ہونی چاہیئے عام اس سے کہ وہ کسی سے تعلق رکھتی ہو ؎

باوصف اسکے کلکتے میں مستشرقیت کا وہی زور شور رہا اور صرف قسم کھانیکے لیئے چند مستثنیات کے علاوہ تمام رقم اس تعلیم کی مد میں

باب ہشتم
فصل سوم

طے کرے اُسکے لیئے خاص انعام مقرر کیا گیا۔ کپتان جونسن نے اپنے
جہاز انٹرپرائز میں یہ کوشش کی کہ راس امید کے گرد ہو کر اس
سفر کو مقررہ میعاد میں طے کرے مگر اُسکو ایک سو تیرہ دن لگ گئے
لارڈ ولیم بینٹنک نے بحر قلزم کے راستے سے یہ تجربہ کرنے کا ارادہ کیا
اور چار سو ٹن کے ایک چھوٹے جہاز ہیو لنڈسے کو جو بمبئی میں بنایا گیا تھا
یہ ہدایت کی کہ بمبئی سے سوئز تک سفر کرے جو اس جہاز نے ایک
ماہ میں طے کر لیا۔ اُسکے بعد متواتر تین اور سفر بھی کیئے گئے اور یہ
ثابت ہو گیا کہ اگر معقول انتظامات کیئے جا سکیں تو بحر قلزم میں ہو کر
بمبئی سے لندن تک کا سفر پچپن ۵۵ دن میں طے ہو سکیگا۔ بہرحال مجلس انتظامیہ
نے ان تجربات پر اعتراض کیا اور یہ سوال کیا کہ جو غرض حاصل
ہو سکیگی وہ اتنی قابل قدر بھی ہو گی کہ اتنا صرفہ اُسکے لیئے برداشت
کیا جا سکے اور ساتھ ہی اسکے ہیو لنڈسے کے ڈاک لانے لیجانیکی ممانعت
صادر فرمائی۔ اُسکے بعد یہ مسئلہ ایوان عام میں پیش کیا گیا۔ جہاں سے
یہ تجویز منظور ہو گئی کہ با ضابطہ دخانی سلسلۂ آمد و رفت کا ہندوستان
اور انگلستان کے درمیان قائم کرنا ایک قومی اہمیت کا کام ہے۔
چنانچہ ہیو لنڈسے کو پھر کام میں لگائے جانیکی کارروائی ہونے لگی مگر
مجلس انتظامیہ نے اس طرف سے کچھ ایسی سرد مہری برتی کہ کام نہایت
عدم توجہی سے ہونے لگا اور آخر کار بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ازل سے
یہ سہرا پینن شولر اینڈ اورینٹل کمپنی کے سر بندھا لکھا ہوا تھا کہ نہر سویز
کی امداد سے کمپنی مذکور لارڈ ولیم بینٹنک کے نصب العین کی تکمیل کرے
اور ہندوستان و انگلستان کا درمیانی راستہ تین ہفتے میں طے کیا جائے۔

تعلیم

صفحہ ۳۷۸

لارڈ ولیم بینٹنک کی مساعی سے نصاب تعلیم میں ایک خاص
قوت متحرکہ اور مفید نتیجہ خیزی پیدا ہو گئی۔ ایوان حکومت
نے جو دس لاکھ روپیہ صرف کرنا اس غرض سے منظور فرمایا تھا کہ اس کے
ذریعے سے علم ادب کے احیاء و ترقی میں کوشش کی جائے اور قابل

میدان جیت گئی اور اب انگریزی ادب وزبان سے اعلیٰ طبقۂ آبادی اتنا ہی مانوس وآشنا ہوگیا ہے جیسا کسی زمانے میں انگلستان کا اعلیٰ طبقہ رومیوں کے علم ادب وزبان سے رومیوں کی حکومت انگلستان کے وقت تھا؛

مڈیکل کالج

آخری اور سب سے جوٹی کا کارنامہ لارڈ ولیم بن ٹنک کا یہ تھا کہ اُسنے دیسی نیم حکیموں کی جگہ طبی کالج قائم کیا جسمیں ہندوستانی طلبہ کو علم طب کے ہر شعبے میں انگریزی کتابوں اور انگریزی حاشیوں اور رسالوں کے ذریعے سے بہترین تعلیم دی جاتی ہے۔ محکمۂ طبیات کے قابلترین افسروں کو اس درگاہ کی اعلیٰ مدرسیاں عطا کی گئیں۔ ایک طبی کتبخانہ اور عجائب خانہ قائم کیا گیا اور نہایت فیاضی سے وہ تمام آلات وغیرہ کالج میں بہم پہنچائے گئے جنکی موجودگی سے یہ کالج یورپ کی بہترین طبی درسگاہوں کا مقابلہ کرسکے۔ بڑے سربرآوردہ تجربہ کار عقلا نے اس تجربے میں ناکامی کا منھ دیکھنے کی پیشین گوئی کی تھی کیونکہ بیس صدی سے ہندوؤں نے اپنے عقائد مذہبی کے اعتبار سے نعش کے ساتھ چھو جانیکو پلیدی کا ایک درجہ شمار کر رکھا تھا۔ لیکن ان تمام عقلا کی پیشین گوئیاں محض خواب وخیال ثابت ہوئیں۔ ہندو طلبا نہایت شوق سے چیر پھاڑ کے کمروں میں جانے لگے اور نعش چیرنے کی چھری کو یورپ والوں کی سی بے تکلفی کے ساتھ ہاتھ میں لینے لگے اور وہی طبی کالج آج کل ہندوستان کے لیئے ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہو رہا ہے شوقین طلبہ کالے پانی کے پار بھی ہو آئے اور اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیئے انگلستان میں بھی رہ آئے اور اپنے یورپین ہمچشموں کے ساتھ مقابلے کے امتحانات میں کامیاب بھی ہو آئے؛

مالیہ

سوائے دو حقیر مستثنیات کے لارڈ ولیم بن ٹنک کا عہد حکومت دور امن کہلایا جاسکتا ہے اور اسکا اثر مالیہ کی حالت پر بھی اچھا پڑا۔ جب اُسنے کام سنبھالا تو سرکاری خزانے پر ایک کروڑ کا قرضہ تھا

باب ہشتم
فصل سوم

صرف ہوتی رہی جسکی طرف سے مجلس انتظامیہ نے اظہار بیزاری کیا تھا۔

انگریزی تعلیم

اس اثنا میں انگریزی تعلیم کی طرف مخلوق کا میلان خاطر خاص دار الحکومت اور اسکے مضافات میں بڑھتا جارہا تھا اور محکمۂ تعلیمات پر انگریزی تعلیم کے انتظام کرنیکا زیادہ شوق سے تقاضہ کیا جانے لگا تھا۔ محکمۂ تعلیم میں اس وقت دو تفریقیں ہورہی تھیں جنمیں اتفاق ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک فریق تمام رقم کو صرف شاستر اور قرآن کی تعلیم پر صرف کرنا چاہتا تھا اور دوسرے کی غرض یہ تھی کہ اس رقم کو انگریزی زبان کے ذریعے سے مغربی علوم و فنون کے نکات ہندوستانیوں پر ظاہر کرنے میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ اس اختلاف کو گورنمنٹ کی ثالثی کی طرف رجوع کرنیکی ضرورت پڑی۔ اتفاق سے اس وقت مسٹر میکالے صرف اعلی کونسل کا ممبر ہی نہیں تھا بلکہ محکمۂ تعلیمات کا صدر بھی تھا اور اُسنے نہایت زور شور کے ساتھ مستشرقیت کا سلسلہ جاری رکھنے کی اس بنا پر مخالفت کی کہ اس سے حق کا انکشاف نہیں ہوتا بلکہ باطل کے فنا ہونے میں دیر لگتی ہے۔

صفحہ ۳۷۹

مسٹر میکالے کا استدلال حسب ذیل تھا۔

> بصورت موجودہ ہمارے محکمے کی صرف اتنی سی حیثیت ہے کہ ہم ایسی کتابیں چھاپے جائیں جن سے غلط تاریخ لغو مابعد الطبعیات مہمل طبعیات اور مبہم الٰہیات کو امداد ملتی ہے۔

اس ما بہ النزاع مسئلے کا آخری فیصلہ ۷۔ مارچ ۱۸۳۵ء کو اسطرح ہوا کہ لارڈ ولیم بینٹنک نے یہ تجویز منظور کی جسمیں اُسنے تہ دل سے اس امر سے اتفاق کیا تھا کہ برطانوی گورنمنٹ کی اصلی غرض یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں یورپین علوم و فنون کو ترقی دے اور جو رقم مد تعلیمات کے لئے مخصوص کردی گئی ہے اُسکا بہترین مصرف یہ ہے کہ اُسکے ذریعے سے صرف انگریزی تعلیم دلائی جائے۔ اس طرح انگریزی تعلیم آخر کار

باب ہشتم
فصل سوم

سلطنت کا حاکم ہونیکے بھی کبھی عام شہریوں کی سی سادہ طرز ماند و بود کو ترک نہیں کیا۔ جسنے مشرقی شخصیت میں مغربی حریت کی روح پھونکدی۔ جسنے کبھی اسکو فراموش نہیں کیا کہ حکومت کی غایت محکوموں کی خیر طلبی ہوتی چاہئیے۔ جسنے بیرحمانہ رسوم کو منسوخ کر دیا۔ جسنے ذلت آمیز تفریق و امتیاز کو مٹا دیا۔ جسنے عام رائے کے اظہار کے لئے آزادی عطا کر دی۔ اور جسکے ذہن میں ہمیشہ یہی اصول رہا کہ اس حکومت کی اخلاقی اور ادراک کی شان میں ترقی ہوتی چلی جائے جو اُسکے ہاتھ میں دی گئی تھی۔ یہہ مجسمہ اُن لوگوں کی طرف سے نصب کرایا گیا ہے جو بلحاظ قومیت معاشرت۔ زبان اور مذہب کے ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ ہیں لیکن وہ سب کے سب نہایت احترام و امتنان کے ساتھ اُس عاقل دیانت دار اور شفیق حاکم کی یاد اپنے دل میں رکھتے ہیں"۔

انگلستان واپس آکر لارڈ ولیم بینٹنک گلاسگو کی طرف سے ایوان حکومت کا ممبر منتخب کیا گیا۔ یہی ایک گورنر جنرل ایسا تھا جس کو ایوان حکومت میں جگہ ملی۔ اور علاوہ وارن ہیسٹنگز کے یہی ایک گورنر جنرل ایسا تھا جسکو شہنشاہ انگلستان کی طرف سے کوئی امتیازی اعزاز نہیں عطا کیا گیا۔

سنہ ۱۸۳۳ء کا پٹہ

جس میعاد کے لئے کمپنی کو تجارتی و سیاسی حقوق کا پٹہ دیا گیا تھا وہ سنہ ۱۸۳۳ء میں ختم ہوگئی۔ اور اس دفعہ مسٹر چارلس گرانٹ صدر جماعت نگران کار کی یارہی تھی کہ نئے پٹے کا مسئلہ ایوان حکومت میں پیش کرے۔ وہ دو اہم امور جن پر پارلیمنٹ کی خاص توجہ منعطف ہونیکی ضرورت تھی اُنمیں سے ایک تو چین کے ساتھ تجارت کا اجارہ تھا اور دوسرے ہندوستانی عملداری تھی۔ چین کی

صفحہ ۳۸۱

باب ہشتم
فصل سوم

اور جب اُسنے کام سنبھلوایا تو سرکاری خزانے میں ڈیڑھ کروڑ جمع تھا جو اُسکے جانشین نے جنگ افغان میں اُڑا دیا۔ جس طرح اُسکے پیشرو نے جنگ برہما میں وہ تمام بچت اُڑا دی تھی جو لارڈ ہیسٹنگز خزانے میں چھوڑ کر گیا تھا۔ لارڈ ولیم بین ٹنک تقریباً آٹھ سال تک حکومت کرکے مارچ ۱۸۳۵ء میں انگلستان کو روانہ ہوگیا۔ لارڈ کارنوالس اور لارڈ ہیسٹنگز کے زمانوں کے درمیان صرف لارڈ ولیم بین ٹنک کا عہد حکومت ہی ایسا رہا جسمیں ہندوستان میں قابل یادگار ترقیاں ہوئیں۔ لارڈ ولیم بین ٹنک نے حکومت کی جمودی حکمت عملی کو منسوخ کردیا اور اُسکی جگہ سلطنت کے ہر صیغے و سررشتے میں ایک روشنخیالی اور ترقی کی روح پھونکدی جسکی قوت متحرکہ اِبتک سرگرم کارگزاریوں کی حیثیت میں پائی جاتی ہے۔ اُسنے سلطنت کے سررشتہ جات کی کسلمند رگوں میں تازہ خون دوڑا دیا جس سے اُنمیں تازہ زندگی اور نمو غود کر آئی۔ اُسکی تمام ترقیوں کے منصوبے جتنے طبعی و حقیقی ہوتے تھے اُتنی ہی دلیری و استقلال کے ساتھ اُن پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ اُسنے ہندوستانیوں کو اُنھی کے ملک کے نظم حکومت میں حصہ دیکر اُنکو ہمیشہ کے لیئے اپنا ممنون احسان بنالیا اور تمام مسیحی دنیا نے اُسے اس اخلاقی جرأت پر قابل تحسین و توصیف سمجھا کہ اُسنے ستی کی سفاک رسم کو موقوف و منسوخ کردیا جس وقت اُسکے عہد حکومت کی یادگار قائم کرنیکا اور کلکتے میں اُسکا مجسمہ نصب کرنیکا سوال پیش ہوا اُس وقت ہندوستانی اور یوروپین طبقے نے اپنے اپنے اظہار خلوص کا مقابلہ کرنیکے لیئے ایک سے ایک نے بڑھکر اُسکے لیئے چندہ دیا۔ اس مجسمے کو مسٹر میکالے کے زور طبع سے اس کتبے سے زینت دیگئی کہ

"یہ مجسمہ ولیم کونیڈش بین ٹنک کی یادگار ہے۔ جسنے سات سال تک ہندوستان میں نہایت دوراندیشی۔ ایمانداری اور خیر طلبی کے ساتھ حکومت کی جسنے باوجود اتنی بڑی

صفحہ ۳۸۰

باب ہشتم
فصل سوم

اور بڑی سخت مخالفت کے بعد یہہ شرط منظور ہو سکی تھی۔

نئے پٹے کے اثرات

کمپنی کے نظمائے نئے پٹے کی شرطیں ہندوستان کے حکام کو بھیجتے وقت ان الفاظ میں اپنے پختہ ارادے کا اظہار کیا تھا کہ

ہمارے ملک نے ہمیں اپنے سب سے بڑے مفید و گراں قدر ماورائے بحر مقبوضات (یعنی ہندوستان) پر حکومت کرنے کے قانون اور انتظامی اختیارات عطا کئے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس عطائے اختیارات سے ہماری قوم کے جو فیاضانہ اور منصفانہ مقاصد ہیں انکو تا امکان پورا کر دکھائیں۔ مجلس موصوفہ نے اپنے وطن سے دور حکام سے پوری دلی امداد کی تمنا کی تھی کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائگی میں کسی قسم کا تساہل و تغافل روا نہ رکھینگے۔ اب مجلس انتظامیہ کو ایک بڑے تجارتی کاروبار کے انتظام سے آزادی مل چکی تھی جسکے ساتھ ہی وہ گھڑی گھڑی کی پریشانیاں بھی جاتی رہی تھیں جو تجارتی معاملات کی وجہ سے رونما ہوتی رہتی تھیں اسلئے اب مجلس موصوفہ کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنی تمام قوت عمل کو اپنی اہم سیاسی امانت پر صرف کرے۔ اراکین مجلس کے دلوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان چند خاص موقعوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے جبکہ کبھی کبھی موروثی تعصب کا جوش غالب ہو جاتا تھا تو باقی آئندہ پچیس سال تک جس اصول اور جس کارگذاری کی ایوان ہند نے اپنے ملازموں کو تلقین و تاکید کی اُس میں نمایاں معاملہ فہمی اعتدال پسندی اور خیر سگالی کی شان ایسی نظر آتی تھی جیسی محکوم ممالک کے ساتھ اصول کارگذاری میں بہت ہی شاذ و نادر مل سکتی ہے۔

صفحہ ۴۸۲

گورنر جنرل کے انتخاب میں اختلاف ۱۸۳۵ء

لارڈ ولیم بینٹنک کا استعفیٰ وصول ہونے پر مجلس انتظامیہ نے گورنر جنرلی کا عہدہ مسٹر منسٹوارٹ الفنسٹن کو پیش کیا لیکن مسٹر الفنسٹن کی صحت کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اُسے مجبوراً انکار کرنا پڑا۔ اسکے بعد مجلس موصوفہ نے یہ تجویز منظور کی کہ جو خدمات سر چارلس مٹکاف نے

تجارت میں حصہ لینے کا جو مطالبہ ملک کے تاجروں اور کاریگروں کی طرف سے کیا جارہا تھا اب اسکا لحاظ نہ کرنا ناممکن معلوم ہوا اور یہ تجارت بھی سب کے واسطے عام کردی گئی اور دوسو چونتیس سال تک جاری رہنے کے بعد اب کمپنی کی اجارہ داری تجارت کی حیثیت بالکل معدوم ہوگئی ہندوستان کی حکمرانی البتہ مزید بیس سال کے لئے کمپنی کے ہاتوں میں رہنے دیگئی۔ ہندوستان میں اصول حکومت کے متعلق بعض درجۂ دوم کی تجاویز اور بھی منظور کیگئیں جو اپنی اپنی جگہ پر کافی اہمیت رکھتی تھیں۔ ممالک مغربی و شمالی کو شامل کرنیکے لئے ایک چوتھا احاطہ قائم کیا گیا۔ اس موقع پر پہلی مرتبہ آئین سازی کے اختیارات بھی گورنمنٹ کو عطاء کئے گئے۔ اور اسکے حیطۂ اختیار میں تمام سلطنت ہند رکھی گئی یعنے جتنے اشخاص یہاں مقیم ہوں عام اس سے کہ وہ انگریز ہوں یا ہندوستانی ہوں یا کسی دوسری قوم والے۔ جتنے مقامات اس سلطنت میں شامل ہوں جتنی چیزیں اسمیں موجود پائی جائیں۔ جتنی عدالتیں اس میں قائم کی جاچکی ہوں یا کیجائیں عام اس سے کہ وہ مقامی حکام کی طرف سے قائم ہوئی ہوں یا شاہی اجازت سے قائم ہوئی ہوں۔ ان اختیارات آئین سازی میں بعض خاص مستثنیات رکھدئے گئے تھے جنکا تعلق خاص طور سے ایوان حکومت کے شاہی حقوق سے تھا۔ اعلی کونسل میں ایک چوتھا ممبر اور بڑھایا گیا جسکے واسطے سر برآوردہ قانون دان انگریز ہونیکی شرط تھی اور پہلے پہل اس عہدے کو مسٹر میکالے جیسے ذہین آدمی کے تقرر سے امتیاز حاصل ہوا یہ بھی منظوری دی گئی کہ آئندہ سے کسی ہندوستانی کو یا شہنشاہ معظم کی رعایا کے کسی فرد کو محض اسکے مذہب۔ نژاد بوم نسل یا رنگ کے اعتبار سے کسی اسامی یا کسی عہدے یا کسی ملازمت سے بشرط قابلیت محروم نہیں کیا جائیگا۔ ایک اور شرط بھی اس پیٹے کی اہل یورپ کے ہندوستان میں جائداد خرید کرنے اور آزادی سے رہنے بسنے کے متعلق تھی اور ایوان ہند نے اپنے موروثی اصول کے مطابق اسکی انتہائی مخالفت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا

فراغ حوصلگی کا بھی اظہار نہیں کیا مجلس انتظامیہ نے اس نفسانفسی پر سخت احتجاج کیا کہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کے اغراض کو بھی انگلستان کی فرقہ بندیوں کا پابند اور متبع کیا جائے مگر باوجود اسکے لارڈ آکلینڈ کو ہندوستان کا گورنر جنرل ۱۸۳۵ء کو بھیجا گیا جمہور پسند طبقے کے صیغۂ امیر البحری کا پہلا لارڈ تھا ؛

سرچارلس مٹکاف

۱۸۳۳ء کے ایکٹ کی رو سے ایک چوتھا احاطۂ آگرہ اول قائم کیا گیا تھا اور سرچارلس مٹکاف کی قابلانہ خدمات کے صلے میں اسکا تقرر اس احاطے میں کیا گیا اور ساتھ ہی اسکے یہ معزز منصب بھی اسکو عطا کیا گیا کہ وہ قائم مقام گورنر جنرل رہے۔ چنانچہ اسے زیادہ عرصے تک آگرے رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ لارڈ ولیم بین ٹنک کے ہندوستان سے چلے جانیکی وجہ سے اسے گورنر جنرلی کا کام سنبھالنے کے لئے کلکتہ چلا جانا پڑا۔ وہ عہدۂ گورنر جنرلی پر بارہ مہینے تک رہا اور اسنے آزادیِ مطابع کا قانون جاری کرکے اپنے عہد حکومت کو قابل امتیاز بنادیا۔ مسٹر آدم کا سخت ضابطہ ۱۸۳۳ء جواب تک مجموعۂ قوانین میں داخل تھا اگرچہ صرف ایک یا دو ہی موقعوں پر مالکان مطابع و اخبارات کو تباہ کرنیکے لئے استعمال کیا گیا تھا پھر بھی اِن مطلق العنان کارروائیوں کی نفرت و کراہیت نے گورنمنٹ کی شان میں فرق ڈالدیا تھا۔ لارڈ امہرسٹ کے عہد حکومت کے نصف آخر میں مطابع کو عملی طور پر آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ لارڈ ولیم بین ٹنک نے علی الاعلان ہر قسم کی سیاسی بندشوں کے مطابق اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا تھا اور مطابع پر سختی کرنیکی کارروائی کو بھی نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا مگر جو آزادی اسکے زمانے میں حاصل تھی وہ محض گورنر جنرل کی روا داری کی وجہ سے تھی۔ سرچارلس مٹکاف نے یہ محسوس کیا کہ محض روا داری پر بس کرنا مناسب نہیں ہے ۱۸۳۵ء میں ایوان

باب ہشتم
فصل سوم

اب تک سلطنت کی ادا کی ہیں اور جو شان بالعموم اسکی ملازمت کی رہی ہے انکا لحاظ کرکے یہ نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالفعل جبکہ سرچارلس عارضی طور سے عہدہ گورنر جنرلی پر متمکن ہے کوئی دوسرا انتظام اس عہدے کو پُر کرنیکے لئے کیا جائے۔ لیکن وزارت نے اس انتخاب کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا بلکہ محکمۂ موصوفہ نے مسٹر کیننگ کے اس اصول پر عمل درآمد کرنا مناسب سمجھا کہ ایسا موقع آنا محال ہے کہ ہندوستان کے اعلیٰ ترین عہدے پر سوائے کسی تازہ ولایت کے کسی ہندوستانی انگریز کا تقرر موزوں ہو سکے۔ چنانچہ انگریزی اور ہندوستانی حکومتوں کی اس درمیانی کڑی کے متعلق اسی اصول پر قائم رہنا چاہئے کیونکہ اسی میں دونوں حکومتوں کا فائدہ ہے۔ مجلس انتظامیہ نے بڑے زور و شور کے ساتھ ایسے اصول پر عمل پیرا ہونیکی مخالفت کی جس سے کمپنی کے ملازمین سلطنت ہند کے اعلیٰ ترین عہدے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوئے جاتے تھے اسکے بعد ہی جمہور پسند وزارت پر یکایک شاہ پسند وزارت غالب آگئی اور نیئے صدر جماعت نگراں کار لارڈ آلنبرو نے دوسری مرتبہ یہ عہدہ یہ جان کر مسٹر الفنسٹن کو پیش کیا کہ وہ ضرور انکار کریگا اور جب مسٹر الفنسٹن نے انکار کر دیا تو یورپ کے ایک سربرآوردہ مدبر لارڈ ہیٹسبری کا اس عہدے کے لئے تقرر منظور فرما دیا۔ مگر ادھر تو لارڈ موصوف سے ایوان ہند میں حلف اطاعت لیا گیا۔ اور اسکی روانگی کا ہفتہ وغیرہ اُسے ملکہ لندن ٹیورن میں اسکو الوداعی ضیافت دی گئی کہ اُدھر پھر جمہور پسند وزارت برسر اختیار ہوگئی اور اُسنے فوراً اس تقرر کو منسوخ کر دیا۔ دراں حالیکہ ۱۸۰۷ء میں جو شاہ پسند وزارت برسر اقتدار ہو گئی تھی تو اُسنے جمہور پسند پیشروؤں کے لارڈ منٹو کے تقرر میں دخل دینے سے احتراز کیا تھا جو ابھی انگلستان سے روانہ بھی نہیں ہوا تھا مگر ۱۸۳۵ء کی جمہور پسند وزارت نے اس نظیر کی تقلید کرنیکی

قابل قدر خدمات کا فائدہ کچھ دن اور کمپنی کو پہنچائے۔ چنانچہ اُسکو جی سی بی کا معزز تمغہ عطا فرمایا تھا اور تیسری مرتبہ پھر قائم مقام گورنر جنرل بصورت عدم موجودگی مستقل گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ سر چارلس مٹکاف مجلس انتظامیہ کے اس اصرار سے اور لارڈ آکلینڈ کے زیادہ مجبور کرنے سے رضامند ہو کر اپنی لفٹننٹ گورنری پر آگرہ آگیا مگر اس عہدے پر زیادہ عرصے تک رہنا اُسکی قسمت میں نہ تھا۔ آگرے پہنچنے کے بعد ہی سر چارلس نے سنا کہ مجلس انتظامیہ کو سر چارلس کے ضابطۂ آزادی مطابع سے سخت اشتعال پہنچا ہے اور ایوان ہند میں سر چارلس اور اُسکے حقوق کے متعلق بالکل ہوا ہی پلٹ گئی ہے۔ مجلس انتظامیہ آزادی مطابع کو بھی اُسی مخدوش نظر سے دیکھتی تھی جس سے وہ آزادی تجارت کو دیکھتی تھی اور مجلس موصوفہ نے اپنی ناخوشی کے اظہار کا جو پہلا موقع ہاتھ آیا اُسے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مدراس کی گورنری خالی ہوئی اور سر چارلس کو یہ امید تھی کہ جو قربانی وہ حال ہی میں کر چکا تھا اُسکا لحاظ کرکے اُسی کا تقرر اس عہدے پر عمل میں آئیگا لیکن مجلس انتظامیہ کی شان بے نیازی نے یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ سر چارلس کا نام فہرست امیدواران میں بھی شامل کیا جاتا۔

تمام ایوان حکومت کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ سر چارلس میں اس عہدے کے لیئے موزوں ہونیکی بہترین قابلیتیں ہیں لیکن یہ بھی صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا گیا کہ اپنی گورنر جنرلی کے زمانے میں جو کارروائی اُسنے آزادی مطابع عطا کرنیکی کی ہے اُسکی وجہ سے اُسکے تمام استحقاق ترقی جاتے رہے ہیں۔ ایوان ہند کے سکرٹری مسٹر میلویل کو سر چارلس نے ایک خط لکھا کہ۔

یہ سننے میں آیا ہے کہ میرے ضابطۂ مطابع کی وجہ سے
مجھپر مجلس انتظامیہ کا عتاب نازل ہوا ہے جسکی وجہ سے

باب ہشتم
فصل سوم

حکومت نے اہل یورپ کو یہ آزادی دیدی تھی کہ وہ ہندوستان میں زمینیں خرید سکیں اور آزادی سے رہ بس سکیں۔ اور گورنمنٹ کے ہاتھ سے اُن انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے کے اختیارات جاتے رہے تھے جو اپنے تئیں کسی طرح گورنمنٹ کے لئے باعث پریشانی ثابت کرتے تھے۔ اسکے علاوہ انگریز لوگ وہ حقوق حاصل کرنا چاہتے تھے جو اُنھیں دوسرے برطانوی مقبوضات میں حاصل تھے اور اُنمیں سے آزادی تقریر وتحریر بھی تھی۔ سر چارلس ہمیشہ سے آزادی مطابع کا بڑا سرگرم پیروکار تھا اور اب جو گورنمنٹ کو آئین سازی کے اختیارات حاصل ہوگئے اس سے سر چارلس مٹکاف نے فائدہ اُٹھاکر فوراً ایک ضابطہ جاری کیا جسکی رو سے اُن تمام قوانین سابقہ کو منسوخ کردیا گیا تھا جو مطابع کا گلا گھونٹنے والے تھے اور مطابع کو قانوناً بالکل آزادی دیدی۔ اس ضابطے کا ہندوستان کے انگریزی طبقے نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا جسمیں وہ ہندوستانی اعلیٰ طبقے کے لوگ بھی شامل ہوئے جو اپنی معاشرت کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے اور اس واقعے کی یادگار قائم کرنیکے لئے فوراً چندہ کیا گیا جس سے ایک شاندار ایوان تعمیر کیا گیا جو سر چارلس مٹکاف کے نام نامی کے ساتھ منسوب ہے۔

اسی اثنا میں ایک اہم تبدیلی احاطۂ آگرہ کی حیثیت میں کردیگئی جسکی حکومت سر چارلس مٹکاف کے سپرد ہوچکی تھی۔ مجلس انتظامیہ کی خواہشات کی تعمیل میں اس احاطہ کو لفٹننٹ گورنری کی تحت حیثیت میں تبدیل کردیا گیا۔ سر چارلس کو تقاضائے فطرت کے مطابق یہ شاق گزرا کہ اب اپنے تئیں گورنر جنرل کے لفٹننٹ کی حیثیت میں پھر دیکھے دراں حالیکہ وہ خاص گورنر جنرلی کا کام کرچکا تھا اسلئے اب اُسنے اپنی خدمات سے دست بردار ہوجانیکا عزم کرلیا۔ مگر مجلس انتظامیہ کے صدر نے سر چارلس کو اُسکی محبت وطن کا واسطہ دلاکر اس عہدے کو اس تخفیف شدہ حیثیت پر قبول کرنیکے لئے مجبور کیا تاکہ وہ اپنی

صفحہ ۳۸

اُس گھڑی کا انتظار کر رہا ہے جبکہ اُسے اپنے منصب پر مامور ہو کر اپنے ہمجنس کے ساتھ بھلائی کرنیکی تعلیم کو ترقی دینے کا اور ہندوستان کی کروروں مخلوق پر اچھی حکومت کی برکتیں نازل کرنیکا موقع ملیگا۔ مگر شاید اُس بری طرح کسی کی آرزوؤں کا خون نہیں ہوا ہو گا۔ اس کا تمام غم فزا عہد حکومت صرف ایک واقعۂ ہائلہ یعنے جنگ افغانستان پر مشتمل ہے۔ اس بری گھڑی کی لڑائی کی ابتدا جولائی ۱۸۳۹ء میں ہوئی اور اُسکا دل دہلا دینے والا اختتام جنوری ۱۸۴۲ء میں ہوا۔ اس سنگین کارروائی کا صحیح اندازہ قائم کرنیکے لئے یہ ضروری ہے کہ جس وقت اس منحوس مہم پر ہاتھ ڈالا گیا اُس وقت کے اس اجتماع واقعات و اسباب پر ایک نظر ڈال لی جائے جو افغانستان۔ پنجاب۔ ایران اور روس میں رونما ہوگئے تھے ؛

شاہ شجاع

کابل کے جلا وطن بادشاہ اور لُدھیانے کے انگریزی وظیفہ خوار شاہ شجاع نے ۱۸۳۳ء میں پھر اپنا تخت کابل حاصل کرنیکی ایک کوشش کی۔ اُسنے دریائے سندھ کو بلا مقاومت عبور کرلیا اور جنوری ۱۸۳۴ء میں مقام شکارپور پر امیران سندھ کو شکست دی اور انھیں مجبور کرکے پانچ لاکھ روپیہ اُنسے وصول کیا۔ یہانسے اُسنے قندھار پر پیشقدمی کی مگر راستے میں امیر دوست محمدؐ کی فوجوں سے اُسکی مڈبھیڑ ہو گئی اور وہ شکست فاش کھا کر پھر ہندوستان کو اپنی جائے پناہ لدھیانہ کی طرف بھاگ آیا۔ جس وقت کہ دوست محمد کی فوجیں شاہ شجاع کو افغانستان سے نکالنے میں مصروف تھیں رنجیت سنگھ نے دریائے ستلج کو عبور کرکے ایک ناگہانی یورش کے ذریعے سے صوبۂ پشاور پر قبضہ کرلیا ؛

سندھ کے متعلق رنجیت سنگھ کے منصوبے

اس نقض امن سے فائدہ اُٹھاکر دریائے ستلج کے داہنے کنارے پر رہنے والے ایک غارتگر قبیلے نے تابڑ توڑ یورشیں ضلع ہزارہ

مجھے اس دفعہ گورنری مدراس سے محروم رکھا گیا ہے۔
اگر یہ خبریں سچ ہیں تو میں اپنی مودبانہ التماس پیش کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے استعفیٰ داخل کرنیکی اجازت دی جائے۔

اس خط کو چار مہینے تک دبائے رکھنے کے بعد مجلس انتظامیہ نے سنہ ۱۸۳۷ء میں ایک نہایت مجمل و ناملائم جواب اُسکو بھیجا جسکے وصول ہوتے ہی اُسنے فوراً اپنا استعفا پیش کر دیا اور اُسکا تعلق بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ قطع ہوگیا اور بالکل اُسی ترکیب سے ہوا جیسے اُسکے اور بہت سے عظمت و شان والے پیشروؤں کا ہوا تھا۔ لیکن وہ خدمات جنکو کمپنی نے اپنے ہاتھ سے کھو دینا گوارا کرلیا تھا محکمۂ وزارت سے خراج قدر افزائی وصول کرنے میں کامیاب ہوگئیں اور اُسکو یکے بعد دیگرے سلطنت کی دو مستعمرات (Colonies) کی گورنریاں تفویض فرمائی گئیں۔

باب نہم

فصل اول

لارڈ آکلینڈ۔ آغاز جنگ افغانستان

لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل

لارڈ آکلینڈ نے ۲۰۔ مارچ سنہ ۱۸۳۶ء کو بہ حیثیت گورنر جنرل کے حلف اطاعت لیا۔ مجلس انتظامیہ نے جو رخصتی ضیافت اُسے دی تھی اُسمیں تقریر کرتے ہوئے اُسنے مجلس موصوفہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ بڑی آرزوؤں کے ساتھ

باب نہم
فصل اول

جہاد کر دیا۔ وسط ایشیا کی تمام اسلامی دنیا میں جوش و خروش کی ایک لہر سی دوڑ گئی اور کوہ ہندوکش کے دامنوں سے۔ ترکستان کے تمام وحشت خیز میدانوں سے اور کوہستان کے بعید ترین وادیوں سے ہزارہا مجاہد پیغمبر اسلام کے جھنڈے تلے آکر جمع ہو گئے۔ ان مذہبی جوش جنوں سے بھرے ہوئے جانبازوں کا اجتماع دیکھکر رنجیت سنگھ کا بھی دل بیٹھنے لگا۔ اور جس وقت وہ اپنی فوج کو لیکر پشاور کی طرف چلا ہے اُس وقت اُسنے ایک امریکن قسمت آزما مسمی ہارلینڈ کو مجاہدوں کے لشکر میں بھیجا۔ ظاہر تو یہ کہا گیا کہ ہارلینڈ کچھ پیام لیکر دوست محمد کے پاس جارہا ہے مگر اصل مقصد یہ تھا کہ وہ مجاہدوں کے لشکر میں پھوٹ ڈالدے۔ ہارلینڈ وہاں جاکر اپنی نفاق افگنی میں اسقدر کامیاب ہوا کہ اُسنے دوست محمد کے تیغ زن بھائیوں کے دلوں میں دوست محمد کی بڑھتی ہوئی عظمت و شان کی طرف سے رشک و حسد کے خیالات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ ایک نے تو فوراً اپنی دس ہزار سپاہ کے ساتھ دوست محمد کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض یہ کہ تمام لشکر میں انسی طرح نفسی نفسی پھیل گئی اور ایک عام اضطراب و تشویش کا عالم طاری ہو گیا اور بقول ہارلینڈ کے جہاں پچاس ہزار پیدل اور ایک لاکھ سوار جوش جنوں میں بھرے ہوئے مارنے مرنیکو تیار نظر آرہے تھے وہاں صبح کو افغانی لشکر کا نشان کارواں تک باقی نہیں رہا تھا۔ دوست محمد نہایت مضطرب و ملول کابل کو واپس چلا گیا۔

دوست محمد کی نقل و حرکت

لارڈ آکلینڈ کی آمد کی خبر سنکر دوست محمد نے ایک دوستانہ مراسلہ لارڈ موصوف کے پاس بھیجا اور رنجیت سنگھ کے ساتھ اپنے ناخوشگوار تعلقات کا حوالہ دیکر اُس سے یہ رائے طلب کی کہ اس خاص معاملے میں کیا طرز عمل اختیار کرنیکی ضرورت ہے۔ لارڈ آکلینڈ نے اُسکا دیسا ہی

صفحہ ۴۲۸

باب نہم
فصل اول

صفحہ ۳۸۶

پر کرنی شروع کر دیں جسکو رنجیت سنگھ اپنے مقبوضات میں شامل کر چکا تھا۔ رنجیت سنگھ نے ان غارت گروں کی دلیریوں کو سبب یا بلا سبب امیران سندھ کے ایماء سے منسوب کیا اور پنجاب کی فوجوں نے ان امیروں کے دو قلعوں پر قبضہ کر لیا اور دونوں فریق بالکل ایک ایسی جنگ کے لئے تیار ہو گئے جسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ امیران سندھ کا زور بالکل ٹوٹ جاتا اور رنجیت سنگھ کی حکومت تمام دریائے سندھ کے بہاؤ پر سمندر تک پھیلتی چلی جاتی اور گورنمنٹ ہندوستان کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا۔ ایک طرف کرنل پوٹنگر نے بڑی مشکلوں سے امیران سندھ کو جنگ چھیڑ دینے سے باز رکھا اور دوسری طرف برطانوی نمائندہ دربار پنجاب کپتان ویڈ کو مجبور ہو کر ذرا درشت لہجے میں یہاں تک کہدینا پڑا کہ اگر پنجاب گورنمنٹ اُن منصوبوں پر کوئی مزید کارروائی کریگی جو گورنمنٹ برطانیہ کے اغراض و مقاصد کے خلاف ہیں تو پنجاب گورنمنٹ کو خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہونا پڑے گا۔ اگرچہ رنجیت سنگھ کے منچلے اور حوصلہ مند فوجی افسر برابر اُسپر یہ زور ڈال رہے تھے کہ اسکی توسیع مملکت پر جو یہ تحکمانہ حدود عائد کئے جا رہے ہیں اُنکے خلاف ضرور سرکشی کر کے انکو ایک دفعہ توڑ دینا چاہئے مگر رنجیت سنگھ نے اپنی شاندار ڈاڑھی کو ہلایا اور کہا وہ دو لاکھ مرہٹے تیغ زن کہاں ہیں جو کسی زمانے میں بات بات پر کمپنی کا منہ توڑنیکو تیار رہتے تھے۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے برطانوی گورنمنٹ کی عظمت و شان کے آگے سر جھکانے ہی میں سلامتی دیکھکر سندھ کی مہم سے فوراً ہاتھ اُٹھا لیا ؎

دوست محمد کی یورش پشاور

پشاور کا کانٹا دوست محمد کے دل میں کھٹک رہا تھا اور اُسنے فوراً یہ تدبیر کی کہ ایک حامی دین غازی بنکر کافر سکھوں کے خلاف اعلان

باب نہم
فصل اول

دریائے جیحون پر جالئے اور نہایت نپی تلی رفتار کے ساتھ مشرق کی طرف آگے بڑھے اور ہر قدم پر وسط ایشیا پر اپنی فولادی گرفت کو سخت تر کرتے جاتے تھے۔ دریائے جیحون پر انھوں نے قلعہ جات کا ایک سلسلہ قائم کیا جو یورال کی جھیل سے شروع ہو کر سات سو میل جانب مشرق قلعہ ورنو تک چلا گیا ہے اس اثنا میں روس کے مدبران خارجیہ برابر ایران میں اور ایران سے ہو کر افغانستان میں اپنا اثر و اقتدار پھیلانے میں مصروف رہے تھے۔ فتح علی شاہ ایران ہمیشہ انگریزوں کی دوستی کو روس کی دوستی پر ترجیح دیتا تھا مگر اس بادشاہ کے مرتے ہی اُسکے بیٹے محمد شاہ نے اپنے تئیں بالکل روس کی گود میں ڈالدیا۔ کپتان مالکم کے پہلے برطانوی وفد کے بعد سے اب تک برطانوی گورنمنٹ نے مختلف وفدوں اور سفارتوں کے ایران بھیجنے میں تقریباً ایک کرور روپیہ اس غرض سے صرف کیا تھا کہ دربار ایران میں اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا جائے جو سلطنت ہند کے واسطے پشت پناہی کا کام دے سکے۔ مگر اب یکایک وزارت انگلستان کے سینہ پر سانپ سا لوٹ گیا کہ اسکی تمام محنت اور دولت ضائع گئی اور تمام برطانوی اثر و اقتدار جو طہران میں اب تک قائم کیا جا سکا تھا اُسکی جگہ روس کا دور دورہ ہو گیا۔

ہرات کا نامہ و پیام ۱۸۳۷ء شاہان ایران کی للچائی ہوئی نظریں ہمیشہ ہرات پر پڑتی رہتی تھیں جو مغربی افغانستان کی کنجی تھی۔ اور محمد شاہ نے ایک اور مہم ہرات پر لیجانیکا عزم کر لیا۔ کامران شاہ ہرات نے ایرانی علاقے پر متواتر یورشیں کی تھیں اور ضابطے کے اعداد کے مطابق بارہ ہزار ایرانی رعایا کو پکڑ لے گیا تھا اور اُنکو غلاموں کی طرح فروخت کر دیا تھا۔ دربار طہران کے برطانوی سفیر مسٹر ایم نیل کی رائے میں ہرات پر مہم بھیجنا ہرات کے حکمران کی سفاکیوں کے اعتبار سے نہایت جائز تھا۔ لیکن اُسنے یہ بھی لکھدیا تھا کہ موجودہ صورت حالات کے اعتبار سے افغانستان میں

صفحہ ۴۴۴

باب نہم
فصل اول

دوستانہ جواب لکھا اور اُسمیں اپنا یہ بھی ارادہ ظاہر کیا کہ ایک سمجھدار سفیر عنقریب تجارتی تعلقات کے متعلق گفتگو کرنیکو کابل بھیجا جائیگا۔ سکھوں کے ساتھ جو تنازعہ تھا اسکے متعلق لارڈ آکلینڈ نے حسب ذیل صاف جواب دیدیا۔

محب من۔ آپ واقف ہیں کہ برطانوی گورنمنٹ کا یہ مسلک نہیں ہے کہ دوسری خود مختار ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کیا کرے۔

برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے کسی امداد کی بھی جب اُمید نہ رہی تو دوست محمد نے شاہ ایران کو ایک مراسلہ لکھا جسمیں اُسکو شاہ اسلام کرکے خطاب کیا تھا اور کافر سکھوں نے کابل پر جو مصیبتیں نازل کر رکھی تھیں اُنسے نجات ولانیکی استدعا کی تھی۔ دوست محمد کو اپنے دامن شہرت پر سے شکست پشاور کا دھبا مٹانیکا بڑا اضطراب تھا چنانچہ اُسنے اپنے بیٹے اکبر خاں کو بڑی زبردست فوج کے ساتھ صوبۂ پشاور پر بھیجا اور سکھوں کو سخت شکست ہوگئی مگر پنجاب سے بے نظیر سرعت و سرگرمی کے ساتھ تازہ دم فوجیں آنی شروع ہوگئیں اور دوسری آویزش میں افغانیوں کو کابل کی طرف پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔ اس نازک وقت پر لارڈ آکلینڈ کا فرستادہ کپتان برنس تجارت و صنعت و حرفت پر گفتگو کرنیکے لئے دربار کابل میں پہنچا۔

ممالک مشرق میں روس کی پیش قدمیاں

رومیوں کی طرح روسیوں نے بھی نہایت باقاعدہ اپنی قوت عمل کو اپنے مقبوضات و محروسات کی توسیع میں صرف کیا ہے۔ اور ایک صدی سے زائد کا عرصہ ہوگیا کہ وہ یورپ و ایشیا میں اپنے منصوبۂ عظمت کو برابر بلا ناکامی کا منھ دیکھے ہوئے ترقی دیتے چلے آرہے ہیں۔ کاسکوں کو اپنا محکوم بنا لینے کے بعد روسیوں نے اپنے قدم ۱۸۳۰ء میں

ملک کا کوئی گوشہ باقی نہیں بچا یہاں تک کہ جنوبی گوشۂ دکن کی مخلوق نے دولت و مال کو زمین میں دفن کرنا شروع کر دیا؂

لارڈ آکلینڈ کی نقل و حرکت

اسی ہل چل میں لارڈ آکلینڈ کلکتے سے روانہ ہو کر شملہ آیا۔ ممالک مغربی و شمالی پر اس وقت میں سخت قحط طاری تھا جسنے اس صوبے کی آبادی میں سے پانچ لاکھ جانوں پر چھاڑو دیدی تھی اور لارڈ آکلینڈ کے لشکر میں اس وقت جو بیس ہزار کی تعداد تھی اُسنے اس قحط سالی کی مصیبت کو اور بڑھا دیا اسلئے اُس سے یہ التجا کی گئی کہ واپس کلکتے چلا جائے۔ اگر اُسنے اس مشورے پہ کان دھرا ہوتا اور دار الحکومت کو واپس چلا گیا ہوتا اور اس طرح کونسل کے ممبروں کا معقول اثر اُسپر پڑسکا ہوتا تو کمپنی پر سے جنگ افغانستان کی مصیبت ٹل جاتی۔ مگر لارڈ موصوف نے اپنے سفر کو اسی طرح جاری رکھنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ شملہ میں اُسکی مجلس شوریٰ میں ایک مسٹر میکناٹن معتمد امور خارجہ تھا۔ ایک مسٹر کالوین خود اُسی کا پرائیویٹ سکرٹری تھا اور ایک مسٹر ٹورنیس تھا جو بڑی قابلیتوں اور بڑے جوش و خروش کا نوجوان ملکی افسر تھا۔ لیکن یہ تینوں شخص لارڈ آکلینڈ کے مقابلے میں زیادہ مستقل مزاج اور زبردست طبیعت والے تھے اسلئے اس جنگ کو انہی کے مشوروں سے منسوب کرنا چاہئے۔ گورنمنٹ انگلستان نے جب ہر طرف وہ بےچینی اور سرکشی کے آثار ہویدا دیکھے جو روس اور اُسکے کارکن سلطنت ہند کے خلاف بڑے اہتمام سے پیدا کر رہے اور بڑھا رہے تھے تو گورنمنٹ ہندوستان کو بتاکید یہ ہدایت کی کہ اپنے بچاؤ کے زیادہ مستحکم ذرائع اختیار کرے۔ ادھر مسٹر ایم نیل نے لارڈ آکلینڈ کو بڑے شد و مد سے یہ مشورہ دیا کہ دوست محمد کو قوت پہنچا کر اور روپیہ دیکر افغانستان میں ایک زبردست حد فاصل قائم کرے؂

صفحہ ۳۰۹

کپتان برنس کابل میں

یہ جوش و خروش ۱۸۳۷ء کا زمانہ تھا جبکہ

باب نہم
فصل اول

ایرانی فوج کے داخلے کے معنے یہ ہونگے کہ روسی اقتدار کے قدم ہندوستان کی دہلیز تک آگئے جس سے یقیناً سلطنت ہند کے امن و سکون میں تزلزل پیدا ہو جائیگا۔ مسٹر ایم نیل نے شاہ ایران کو اس مہم سے باز رکھنے کے لئے ہر طرح کا زور لگایا مگر ادھر روسی مشن برابر شاہ کی پیٹھ ٹھکتا رہا اور اسے ہر طرح کی امداد کا بھروسا بھی دلاتا رہا۔ محکمۂ وزارت لندن نے ایک فہمائشی یادداشت ان کارروائیوں کے متعلق دار الحکومت روس کو ارسال کی اور وہاں سے یہ جواب ملا کہ روسی سفیر کاونٹ سیمانک نے اپنی سلطنت کی ہدایات سے کچھ قدم آگے بڑھا کر کارروائی کر لی ہے مگر باوجود اسکے بھی اس سفیر کو واپس نہیں بلایا گیا بلکہ اسکی کارروائیاں اسقدر قومی خیالات کے مطابق تھیں کہ اسکو گزٹ نے اپنے ایک افتتاحیہ میں یہاں تک لکھا کہ انگلستان کے ساتھ ایکی دفعہ صلحنامہ کے شرائط خاص کلکتے میں حسب دلخواہ طے کی جائینگی۔[1]

مہم ہرات ۱۸۳۷ء

شاہ ایران مہم ہرات پر جولائی ۱۸۳۷ء میں روانہ ہوا۔ اسکے ساتھ پچاس ہزار فوج اور پچاس توپیں تھیں اور وہ اپنے دل میں یہ منصوبے باندھ رہا تھا کہ سکھوں کی قوت کو بالکل توڑ کر نادرشاہ کے نقش قدم پر چلتا ہوا سیدھا دہلی پہنچ جائے۔ اس مہم کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ یہ برطانوی اقتدار پر روسی اقتدار کے غالب آجانیکی علامت ہے اور اس سے صرف وسط ایشیا ہی میں نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں بھی ایک سنسنی پھیل گئی اور یہاں کے رئیسوں نے کمپنی کی ذلت کے متعلق چہ میگوئیاں بھی شروع کر دیں مسلمانوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان بے شمار غازیوں کی راہ دیکھنی شروع کی جنکی پشت پر دو لاکھ روسی ہونگے۔ آٹھ صدی کے ہندوستانی انقلاب کے منبع و مخرج یعنے وسط ایشیا کی فوجی نقل و حرکت کی مبالغہ آمیز خبریں اڑنی شروع ہو گئیں جن سے

باب نہم
فصل اول

اسمیں شک نہیں کہ اگر شملہ کی مجلس شوریٰ نے اس مسئلے میں فراخ جرأت سے کام لیا ہوتا اور اسکا تصفیہ کابل میں کپتان برنس کے اور لاہور میں کپتان ویڈ کے ہاتھوں میں دیدیا ہوتا تو بہت جلد اور بہت اچھی طرح سارا معاملہ سلجھ جاتا اور دوست محمد سے دوستانہ ارتباط قائم ہوجاتا۔ لیکن اول سے آخر تک ہندوستانی گورنمنٹ کی افغانی حکمت عملی پر ایک حماقت طاری چلی آرہی تھی۔ کپتان برنس نے قندھاری سرداروں کو سختی سے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر وہ ایرانیوں سے کوئی معاہدہ طے کرینگے تو انھیں برطانوی گورنمنٹ کی سخت ناخوشی برداشت کرنی پڑے گی۔ اس دھمکی کا یہ اثر ہوا تھا کہ اُن سرداروں نے معمولی مراسم تک سے دریغ کرکے ایرانی سفیر کو الٹے قدموں واپس کردیا تھا کیونکہ کپتان برنس نے انھیں یہ بھی یقین دلادیا تھا کہ اگر ایران کی طرف سے اُن پر کوئی حملہ کیا گیا تو برطانیہ اُنکی حفاظت کرے گا اور ضرورت پڑی تو فوج بھی دے گا۔ مگر لارڈ آکلینڈ کو جب اس کارروائی کی اطلاع ہوئی تو اُسنے کپتان برنس کو سختی سے اسپر سرزنش کی کہ اُس نے ان اختیارات کے حدود سے باہر کیوں قدم رکھا جو اسکو دیدئے گئے تھے اور اُسے تاکید کا حکم بھیجا گیا کہ وہ سرداران قندھار کو صاف لفظوں میں اطلاع دیدے کہ جو امیدیں انکو دلائی گئی تھیں انکو برطانوی حکومت کا شرف منظوری نہیں حاصل ہوسکا۔ اس اطلاع پر سرداران موصوف نے فوراً ایران کے ساتھ معاہدہ طے کرلیا اور روسی سفیر طہران نے اس معاہدے کی تصدیق کرتے ہوئے یہ کفالت کی کہ قندھار کو ہر حملے سے محفوظ رکھا جائیگا۔ بہرحال کپتان برنس کی تجاویز کو بعد میں محکمۂ وزارت نے بہت پسند کیا۔

روسی سفیر

۱۸۳۶ء لارڈ آکلینڈ کے دل شکن جواب کے وصول ہونیکے بعد دوست محمد نے ایک سفیر شہنشاہ روس کے پاس سکھوں کے خلاف امداد طلب کرنیکے لئے بھیجا۔ اسپر کپتان وٹکیوچ

(صفحہ ۳۹۰)

باب نہم
فصل اول

کپتان برنس کابل پہنچا۔ مشرق میں کسی وفد یا سفارت کی اہمیت کا اندازہ اُن تحائف کی قیمت سے کیا جاتا ہے جو وہ اپنے ساتھ لائے اور مسٹر منٹوارٹ الفنسٹن کے ساتھ ۱۸۰۸ء میں جو تحائف آئے تھے اُنکی یاد اب تک دلوں میں تازہ تھی۔ چنانچہ جس وقت کپتان برنس نے اپنا کیسۂ تحائف کھولا اور اُسمیں سے ایک دوربین اور ایک پستول امیر دوست محمد کے لئے اور کچھ سوئیاں اور کچھ پنیں محلسرا کے لئے نکالکر پیش کیں اُسی وقت سے اُسکی سفارت کو حقیر نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ کپتان برنس نے افغانستان میں ایران کے اثر کو غالب پایا۔ دوست محمد کے دوسرے بھائی جو قندھار کے حکمران تھے وہ شاہ ایران کے ساتھ مجارحانہ و مدافعانہ معاہدے کے متعلق نامہ و پیام میں مصروف تھے اور اُنکے دربار میں ایرانی سفیر اس معاہدے کی شرائط طے کرنیکے لئے آچکا تھا اور اپنے ساتھ ہی دوست محمد کے پاس آنیو اسلے سفیر کو بھی مع تحائف و خلعت فاخرہ کے لائے تھے۔ دوست محمد کے دل کو پشاور کی لگی ہوئی تھی اور اُسنے کپتان برنس کو یہ یقین دلانا چاہا کہ اگر اسکو برطانوی گورنمنٹ کی طرفسے سکھوں کے خلاف کسی امداد کی امید دلائی جائے تو وہ ایران کے ساتھ تمام تعلقات منقطع کردینے کو بالکل تیار ہے۔ اور قندھار کے بااختیار وکیل کو بھی فوراً واپس کردے گا۔ لیکن لارڈ آکلینڈ کے دل پر رنجیت سنگھ کا کچھ ایسا ڈر بیٹھا ہوا تھا کہ اُسنے پشاور کے متعلق کسی تجویز کے سننے سے بھی بالکل انکار کردیا۔ اسی زمانے میں رنجیت سنگھ کی طرفسے کچھ اس قسم کا ایما کیا گیا جسکا منشاء یہ تھا کہ اگر دوست محمد سالانہ خراج دینے پر راضی ہو تو پشاور اُسکو واپس دیا جاسکتا ہے اور دوست محمد اسپر بھی رضامند ہوگیا کہ پشاور کو بطور جاگیر کے قبضے میں رکھے اور معمولی نذرانہ وغیرہ لاہور کو بھیجتا رہے۔

باب نہم
فصل اول

ہر فرد کے دل میں آتش نفرت و حقارت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ غرض یہ کہ کپتان برنس کی سفارت کا قضیہ طے ہو گیا۔

کپتان برنس کی واپسی

دوست محمد نے پھر دست مصالحت بڑھایا اور اُس نے ایک خاص خریطۂ مودت خود گورنر جنرل کو لکھا جسکا لہجہ برابری سے بھی بہت کم بلکہ انکسار تک پہنچا ہوا تھا۔ اس خط میں گورنر جنرل سے استدعا کی گئی کہ افغانیوں کی شکایت کا تدارک کرے اور ذرا سی اُنکی ہمت بندھا دے لیکن لارڈ آکلینڈ نے۔ ہر تحریک مصالحت کی طرف سے اپنے کان بالکل بند کر لئے تھے اور صرف یہی خواہش ظاہر کی کہ افغانی حکمران کو روس اور ایران کے تمام دلفریب وعدوں پر ہرگز اعتبار نکرنا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی اسکے خود گورنر جنرل نے اسکے معاوضے میں کوئی بھی وعدہ سوائے اسکے نہیں کیا تھا کہ سکھوں کی آیندہ چیرہ دستیوں سے کابل کی حفاظت کرنیکی کوشش کیجائیگی۔ شملے کے مدبرین کو اسکا اچھی طرح علم تھا کہ رنجیت سنگھ کا کابل پر چڑھائی کرنیکا ارادہ بالکل ایسا ہی بعید از قیاس تھا جیسا کہ پیکن کا دار السلطنت چین پر دھاوا کرنا اور بقول جنرل آوی ٹیبل سکھ سپہ سالار کے درۂ خیبر کا نام آتے ہی سکھوں کو خوف پیدا ہوتا تھا۔ جب انگریزی امداد کی آخری شعاع امید بھی غائب ہو گئی اُس وقت روسی سفیر کو تمام شہر میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ گشت کرایا گیا اور دربار کابل میں بڑی عزت و شان کے ساتھ اُسکا خیر مقدم کیا گیا۔ کپتان برنس جس وقت شملے واپس آیا ہے تو اُسنے لارڈ آکلینڈ کے مشیروں میں دوست محمد کے خلاف نہایت خصومت و عناد کے جذبات موجزن پائے۔ اُسکا قصور اُن مدبروں کے نزدیک یہ بڑا سخت تھا کہ اُستے اُنکے احکام کے سامنے عاجزی سے سر تسلیم خم کرنیکے بجائے یہ کیا کہ ہندوستان کے دروازے پر بیٹھکر یہ سوچتا رہا کہ انگریزوں

باب نہم
فصل اول

کابل بھیجا گیا اور وہ اپنے ساتھ بڑے بڑے قیمتی تحائف اور خاص شاہی قلم کا خریطہ لیکر آیا۔ اس خریطے کی اصلیت پر بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں مگر کسی طرح اسکو بالکل جعلی بھی نہیں ثابت کیا جا سکا ہے۔ یہ روسی سفیر ۱۹۔ دسمبر ۱۸۳۷ء کو کابل پہنچا اور دوست محمد فوراً کپتان برنس سے پھر ملا اور اُسے یقین دلایا کہ دربار کابل کو سوائے برطانوی گورنمنٹ کے اور کسی حکومت سے ارتباط کرنا منظور نہیں ہے اور اگر اسکو شملے سے کسی قسم کی بھی امید دلا دی جائے تو وہ روسی سفیر کو سرسری ملاقات کرکے رخصت کر دے گا۔ کپتان برنس نے اُدھر تو دوست محمد کو روسیوں کے ساتھ ارتباط کرنیکی کوتہ اندیشی پر فہمائش کی ادھر لارڈ آکلینڈ پر یہ زور ڈالا کہ کابل کے اکھاڑے میں جو انگلستان اور روس کی برابر ہے ٹکر ہو رہی ہے۔ اُسکی اہمیت کو محسوس کرے اور سمجھے۔ مگر لارڈ آکلینڈ نے یہی جواب دیا کہ دوست محمد کو پشاور کا خیال بالکل دل سے نکال ڈالنا چاہئے اور جو کارروائی اس میں رنجیت سنگھ کرنی مناسب سمجھے اسی پر قانع رہنا چاہئے۔ پھر دوست محمد نے یہاں تک استدعا کی کہ اگر پشاور کو اُسکے اور اُسکے اُس بھائی کے مشترک قبضے میں چھوڑ دیا جائے جسکے سپرد اب رنجیت سنگھ نے کر رکھا ہے تو بھی وہ قانع ہو جائیگا۔ اس پر کپتان برنس نے پھر لارڈ آکلینڈ پر بہت زور دیا کہ دوست محمد کی استدعا پر کان دھرے اور یہ یقین دلایا کہ حکمران افغانستان کو انگریزی حکومت کے ساتھ ارتباط پیدا کرنیکا اتنا اضطراب ہے کہ اسنے اب تک روسی سفیر کو باریابی بھی نہیں عطا کی ہے۔ مگر کپتان برنس کی اس امید پر بھی اس خط نے پانی پھیر دیا جو شملہ کی مجلس شوری کی زیر ہدایت گورنر جنرل نے دوست محمد کو لکھوا کر بھیجا۔

صفحہ ۳۹۱

یہ خط صرف متکبرانہ شان ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ اسمیں ایک انداز تحکم بھی تھا۔ اس کا ہر ہر جملہ افغانستان کے حکمران خاندان کے

اس تمام مہم کی ترتیب مسٹر کالون کے مشورے کے مطابق کی گئی تھی مگر سر جان ہوب ہاؤس صدر جماعت نگرا نکار نے بھی بعد کو اسکی ذمہ داری میں اپنے تئیں اس طرح شریک کر لیا کہ جس وقت شملے سے اس مہم کی باقاعدہ روانگی کی اطلاع لندن جا رہی تھی اسی وقت راستے میں محکمۂ وزارت کی طرف سے اُسکے جواز کی منظوری ہندوستان کو آ رہی تھی۔ سوائے ڈاؤننگ اسٹریٹ کے محکمۂ وزارت کے اور شملے کی مجلس شوریٰ کے اور ہر طرف سے اس بیہودہ مہم کی مخالفت کی گئی۔ مسٹر الفنسٹن نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر ستائیس ہزار فوج درۂ بولان کے راستے سے قندھار بھیجی جا سکے اور اُسکی رسد وغیرہ کا کافی انتظام ممکن ہو تو کابل آسانی سے فتح کیا جا سکتا ہے اور شاہ شجاع کو تخت کابل پر متمکن کیا جا سکتا ہے لیکن یہ امید رکھنا پھر بھی بالکل فضول ہو گا کہ ایسے دور دراز مقام پر جہاں اسقدر سردی پڑتی ہو۔ اس قدر افلاس ہو۔ اس قدر سرکش مخلوق رہتی ہو شاہ شجاع کی حکومت کو بھی انگریز لوگ برابر اپنی امداد سے قائم رکھ سکینگے۔ لارڈ ولیم بین ٹنگ کی رائے میں یہ مہم ناقابل اعتبار حماقت تھی۔ لارڈ ولزلی نے کہا کہ یہ کارنامۂ وحشت یعنے ہندوستان کی سرحد سے اور ہندوستانی وسائل سے آٹھ سو میل کے فاصلے پر ایک ایسے ملک میں فوجی مہم بھیجنا جہاں سوائے کوہستان۔ ریگستان اور برفستان کے اور کچھ نہو سراسر فاتر العقلی ہے۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے اپنی دقیق نظری سے یہ پیشین گوئی کر دی کہ افغانستان میں کسی حکومت کو قائم کرنیکے ارادے سے ایک مرتبہ دریائے سندھ کو عبور کرنیکے معنے یہ ہونگے کہ ہمیشہ اُس ملک میں فوجی کارروائی کرنی پڑتی رہے۔ اس مہم کو جائز ثابت کرنیکی بھی شملے کے ایک مراسلۂ مورخۂ یکم اکتوبر ۱۸۳۸ء کے ذریعے سے کوشش کی گئی تھی جو کمپنی کے تمام دفاتر میں اس اعتبار سے

باب نہم
فصل اول

کے شرائط ماننے یا اُنکے مخالفوں کے۔ چنانچہ یہ بھی عزم کر لیا گیا تھا کہ انگریزی فوجوں کو دریائے سندھ کے پار بھیجا جائے اور دوست محمد کو ہاتھ پکڑ کر تخت سے اُتار دیا جائے اور شاہ شجاع کو اسکی جگہ تخت نشین کر دیا جائے۔ پہلے پہل تو یہ تجویز کی گئی کہ شاہ شجاع کو کابل لیجانیکے لئے بطور بدرقے کے ایک مہم تیار کی جائے۔ برطانوی گورنمنٹ تمام مصارف کی کفالت کرے اور اپنے کچھ فوجی افسر بھی شاہ شجاع کی فوجوں کو قواعد سکھانے اور کار آمد بنانیکے لئے بصیغۂ مستعار ساتھ کر دے اور اپنا ایک قائم مقام بھی اُسکے ہمراہ کر دے۔ لیکن یہ بہت ہی جلد ظاہر ہو گیا کہ جب تک ہندوستانی گورنمنٹ خود ایک فریق بنکر اس جنگ میں شریک نہیں ہو گی تب تک نتیجہ ناکامی ہی رہیگا۔ چنانچہ یہ طے کو لیا گیا کہ ایک زبردست انگریزی فوج وسط ایشیا کے غیر مانوس خطے میں بھیجی جائے۔ جہاں کہ تمام ذخائر رسد و آلات حرب و دیگر ضروریات جنگ اُس فوج کے ساتھ ساتھ کچے پکے دوستوں اور اتحادیوں کے ممالک میں سے ہوتے ہوئے جائیں۔ لمبے لمبے ہولناک کوہستانی راستے طے کئے جائیں جس میں وحشی اور غارتگر قبیلے بھرے پڑے ہوں۔ یہ فوج اس طرح لدی پھندی جاکر ایرانیوں کو ہرات کا محاصرہ اُٹھا دینے پر مجبور کرے۔ دوست محمد کو افغانستان سے نکال باہر کرے اور شاہ شجاع کو تخت کابل پر متمکن کر دے۔ چنانچہ مسٹر میکناٹن نے فوراً نامہ و پیام کر کے ایک اتحاد ثلثہ برطانوی گورنمنٹ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع میں قائم کیا۔ رنجیت سنگھ نے فوجی امداد اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ شاہ شجاع سکھ سلطنت کے حقوق اُس تمام علاقے پر تسلیم کرے جو دریائے سندھ کے پار رنجیت سنگھ نے فتح کر لیا تھا اور امیران سندھ سے جو نذرانہ وصول کرے اُسمیں سے برابر کا حصہ رنجیت سنگھ کو بھی دے۔

صفحہ ۳۹۲

حصار کی دیواریں ٹوٹنی شروع ہو چکی تھیں اور اگر ایک خاص آدمی کی سرگرم مدافعت اہل ہرات کو نصیب نہ ہو گئی ہوتی تو شاید پہلے ہی دن ہلہ بول کر ایرانیوں نے قلعے کو فتح کر لیا ہوتا۔ اس محاصرے سے چند ہی روز پہلے بمبئی توپ خانے کا ایک نوجوان افسر مسمی لفٹنٹ پوٹنگر جو کہ معائنۂ موقعہ کے لئے وسط ایشیا میں بھیجا گیا تھا شہر ہرات میں سید کا بھیس کئے ہوئے داخل ہوا اور وہاں محاصرے کی خبر گرم سنکر اس ارادے سے ٹھہر گیا کہ اگر ممکن ہو تو اس کشاکش میں ضرور حصہ لے۔ اُسکی خدمات شاہ کامران اور وزیر یار محمد نے بڑے شوق سے قبول کر لیں اور اُسمیں جو فطری قابلیت عمل تھی اُسنے اُسے بہت جلد منصرم اُمور عامہ کے رتبے تک پہنچا دیا۔ قلعہ بند فوج میں ہمت مردانہ کی ایک روح پھونک گئی تھی اور لفٹنٹ پوٹنگر کے زیر اہتمام ہراتیوں نے ایرانیوں کے تمام ہلّوں کو پانچ مہینے تک برابر پسپا کیا دراں حالیکہ ایرانیوں کی امداد پر ایک روسی رجمنٹ بھی آ گئی تھی جنکو روسی سلطنت نے اپنا نام چھپانے کے لئے مفرورین کا لقب دیدیا تھا۔ مسٹر ایم نیل انگریزی سفیر طہران ۶۔ اپریل ۱۸۳۸ء کو ایرانی لشکر میں خود آیا اور جب اُسنے محاصرین و محصورین کو اپنی نمایندگی منظور کرنے پر راضی پایا تو وہ شاہ کامران سے گفتگو کرنے کے لئے خود ہرات کے اندر گیا اور ایک معقول مفاہمت کے تمام آثار ہویدا ہو گئے۔ لیکن مسٹر ایم نیل کی عدم موجودگی میں روسی سفیر بھی لشکر ایران میں طہران سے دو اسپہ کوچ کر کے آ پہنچا اور شاہ ایران سے محاصرہ جاری رکھنے پر اصرار کیا اور فوج کی کفالت کے لئے زر نقد بھی پیش کیا۔ چنانچہ معاملات کا رخ بالکل بدل گیا اور جس وقت برطانوی سفیر ہرات سے ایرانی لشکر میں واپس آیا ہے تو شاہ ایران نے نہایت سرد مہری سے اُسکے ساتھ گفتگو کی۔ جو شرائط کہ شاہ کامران کے ساتھ اُسنے طے کی تھیں وہ سب مسترد کر دیں اور محاصرے کی کارروائی سختی سے پھر جاری کر دینے کا عزم بالجزم

باب نہم
فصل اول

ایک بے نظیر دستاویز ہے کہ اس سے زیادہ بیباکی کے ساتھ غلط بیانیوں اور خودستائیوں کی بھرمار اور کسی ضابطے کی تحریر میں نہیں کی گئی ہوگی۔ صرف ایک مثال سے اس تمام مراسلے کے انداز کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسمیں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ فوجی اجتماع کے احکام اعلیٰ کونسل کے استصواب و اتفاق کے بعد دئے گئے ہیں دراں حالیکہ جس وقت کونسل کے پاس اجتماع فوج کا اعلان درج روزنامچہ کرنیکو بھیجا گیا تھا اُسی وقت کونسل نے اُس حکمت عملی کی تکمیل پر اسلئے احتجاج کیا تھا کہ ایسے سنگین معاملے میں کونسل کو یہ موقع بھی ندیا گیا کہ وہ اپنی رائے ظاہر کر سکتی۔ کونسل کو صرف یہ لکھدیا گیا تھا کہ اجتماع افواج کی فوری غرض یہ ہے کہ اُس قلعہ بند فوج کو امداد پہنچائی جائے۔ جو اس وقت ہرات میں محصور ہے ؎

محاصرۂ ہرات

صوبۂ ہرات جسپر قبضہ کرنیکی تمنا عرصے سے شاہان ایران کے دلوں میں جاگزین تھی وہ صوبہ ہے جس میں سے ہوکر ہی وہ راستہ آتا ہے جو ایک زبردست اور سامان حرب سے آراستہ فوج کو شمال مغرب کی جانب سے ہندوستان پہنچا سکتا ہے اور جس طرح افغانستان کا ایک مشرقی دروازہ کابل کو سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح دوسرا مغربی دروازہ ہرات کو سمجھنا چاہئے۔ فوج کی آراستگی و رسد رسانی کے لئے جن جن اشیا کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب اس صوبے میں بکثرت دستیاب ہوتی ہیں اور زمین کی کثرت پیداوار کے اعتبار سے اسکو وسط ایشیا کا بام کہتے ہیں۔ اس وقت ہرات کا بادشاہ مسمی کامران نہایت عیش پسند اور ایشیائی مطلق العنان حاکموں کا بدترین نمونہ تھا۔ اُسکا وزیر یار محمد بھی اگرچہ قابلیت و شجاعت سے بالکل بے بہرہ نہیں تھا مگر اُسکی کسی نے نہایت سچی صفت یہ بیان کی تھی کہ افغانستان بھر میں چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ شاہ ایران نے ۲۳۔ نومبر ۱۸۳۷ء کو ہرات کا محاصرہ کیا

صفحہ ۳۹۳

باب نہم
فصل اول

نکلاہ اپنی آدھی فوج اور لکھو کھا روپیہ وہاں ضائع کرکے وہاں سے اپنے دارالحکومت کو سدھارا اور یہ بدنامی کا ٹیکا ماتھے پر لیتا گیا کہ جس مہم کی نو مہینے سے تمام سنٹرل ایشیا میں دھوم مچی ہوئی تھی وہ آخر کار جس شور اشوری سے آئی تھی اسی بے نکلی سے واپس گئی۔ چالیس ہزار ایرانیوں اور انکے حمایتی روسی انجنیروں کے مقابلے میں اس قابل یادگار مدافعت کو مدافعت ارکاٹ کے برابر کی جگہ تاریخ میں مل گئی ہے اور اسکا سہرا اس نوجوان انگریز کے سر رہتا ہے جسنے کبھی فوجی ملازمت میں کوئی تجربہ بھی نہیں حاصل کیا تھا بلکہ فن حرب کی معلومات صرف کتابوں کے ذریعے سے بہم پہنچائی تھیں اور پھر اسنے محاصرین کی ایک پیش نہ جانے دی ؎

شملے کی مہم پھر بھی ملتوی نہ کی گئی

روس و ایران کے وہ مہتم بالشان منصوبے جیسے بحیرۂ کاسپین سے راس کماری تک سنسنی پھیلی ہوئی تھی اب بالکل پامال ہو چلے تھے۔ جن خطرات کا برطانوی ہند کو سامنا کرنا تھا وہ یکدم رفع ہو چلے تھے۔ روس کا وسط ایشیا میں کہیں وجود بھی نہیں رہا تھا اور یہ امید کی جا رہی تھی کہ شملے کی کابلی مہم بھی اب ترک کر دی جائیگی مگر شملے کی گورنمنٹ اپنی حماقت سے اسکو پھر بھی جاری ہی رکھنے پر قائم رہی۔ چنانچہ ۹۔ نومبر ۱۸۳۸ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ ہر گاہ کہ محاصرۂ ہرات کا اٹھ جانا موجب طمانیت و مبارکباد ہے لیکن گورنمنٹ اب بھی اس وجہ سے فوجی مہم کو جاری رکھیگی کہ شاہ شجاع اور رنجیت سنگھ کے ساتھ جو معاہدہ ہو چکا ہے اسکی رو سے گورنمنٹ کو پاس عزت کرکے بھی یہ مہم جاری رکھنی چاہئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رنجیت سنگھ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اسمیں کوئی تذکرہ ایسا نہیں تھا کہ برطانوی فوج دریائے سندھ کو عبور کرکے جائیگی ادھر خود شاہ شجاع کا دل بھی یہ بدنامی اپنے سر لینے کو نہیں چاہتا تھا کہ وہ کافروں کی پامردی سے اپنی بہشت وطن میں آئے۔ شاہ شجاع تو صرف کمپنی سے زر نقد کا طالب تھا تاکہ وہ اپنے لیے کرائے کے سپاہی جمع کر سکے ؎

صفحہ ۳۹

باب نہم
فصل اول

رفع محاصرہ

ظاہر کیا۔ یہ دیکھکر مسٹر ایم نیل سرحد ترکستان کی طرف ٹل کر چلا آیا۔
۲۴۔جون ۱۸۳۸ء کا دن ہلہ بولنے کے لئے مقرر کیا گیا
اُس دن جو ہلہ کیا گیا اُسکا اہتمام خود کاؤنٹ سمیانک روسی
مشیر نے اپنے ہاتھ میں لیا اور اُسکے انجنیر بھی اُسکے شریک تھے پانچ نقاط پر
حملہ کیا گیا اور چار پر حملہ آوروں کو شکست کھاکر پیچھے ہٹنا پڑا لیکن پانچویں
نقطے پر خط مدافعت میں درز پیدا ہوگئی اور ہراتیوں نے ہمتیں ہار نی
شروع کردیں حتیٰ کہ خود یار محمد بھی میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آیا۔
مگر پوٹنگر اُسکو پھر گھسیٹ کر مورچے پر لایا اور مدافعت کی کارروائی ایسے
جوش اور ایسی پامردی سے عمل میں آئی کہ یا تو ایرانی بالکل قلعے پر قبضہ
کرہی چکے تھے یا یکایک تنگ آکر پیچھے ہٹنے لگے اور بھاگ کھڑے ہوئے
اور موقعہ پر سترہ سو مقتول اور زخمی چھوڑ گئے۔ اسکے بعد محاصرے کو
ناکہ بندی میں تبدیل کردیا گیا اور اہل قلعہ پر ضروریات زندگی حرام
ہونے لگیں۔ مگر اس اثنا میں ہندوستانی گورنمنٹ کے بھیجے دو جنگی
جہازوں نے جزیرۂ خرق پر قبضہ کرلیا تھا اور مبالغہ آمیز افواہوں
نے اُن دونوں کو ایک پورا زبردست بیڑہ بناکر مشہور کردیا۔
مسٹر ایم نیل نے اس افواہ کی وجہ سے جو انتشار پھیل گیا تھا اُس
سے فائدہ اُٹھاکر کرنل سٹوڈارڈ کو ایرانی لشکر میں یہ پیام لیکر بھیجا
کہ اگر شاہ ایران نے اپنی فوجی کارروائی کو فوراً ملتوی نکر دیا تو
اُسکو برطانوی گورنمنٹ کی سخت ناخوشی برداشت کرنی ہوگی جسنے
خلیج فارس میں ایک زبردست بحری مہم تو بالفعل بھیج بھی دی ہے۔
اس محاصرے سے شاہ ایران کو بھی سخت زیرباری ہو چکی تھی اسلئے
وہ بھی اُسکے اُٹھا دینے کے لئے کوئی اچھا سا بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا
تھا۔ کرنل اسٹوڈارڈ کا پیام سنتے ہی اُسنے یہ جواب کہلا بھیجا کہ برطانوی
گورنمنٹ کی خوشنودی کی خاطر محاصرہ فوراً اُٹھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ
۹۔ستمبر ۱۸۳۸ء کو ایرانی لشکر کا ٹانڈا وہاں سے لدگیا اور بادشاہ

باب نہم
فصل دوم

باقاعدہ فوج کی تعداد اکیس ہزار تھی۔ اس تمام فوجکشی کا سیاسی انصرام مسٹر میکناٹن کی سپردگی میں دیا گیا تھا اور مسٹر موصوف کو سفیر کا لقب دیکر ساتھ کر دیا گیا تھا۔ کابل کا سیدھا راستہ پنجاب میں سے ہو کر تھا مگر لارڈ آکلینڈ کے قدیم اور وفادار دوست رنجیت سنگھ نے پچاس ہزار سے زائد کے لشکر کو اپنی مملکت سے راستہ دینے سے انکار کر دیا اور اب مجبوراً یہ تدبیر اختیار کرنی پڑی کہ دریائے سندھ کے کنارے کنارے ایک ہزار میل کا پیچدار راستہ اختیار کیا جائے اور پھر دریا کو عبور کرکے قندھار و کابل پر پیشقدمی کی جائے۔

امیران سندھ پر چیرہ دستیاں

اس چکر دار راستے میں ایک غرض یہ بھی مدنظر تھی کہ اُس منصوبے پر بھی عمل کر لیا جا سکیگا جو امیران سندھ سے نذرانہ وصول کرنیکے لئے پختہ کیا گیا تھا۔ صوبۂ سندھ کسی زمانے میں کابل کا باجگذار رہا تھا اور جب کبھی حکمرانان کابل زیادہ زبردستیاں کرتے تو اُن کو خراج بھی دیدیا کرتا تھا۔ لیکن چالیس سال سے اوپر گزر چکے تھے کہ کوئی خراج وغیرہ کابل کو نہیں دیا گیا تھا اور سندھ کے امیر عملی طور سے بالکل خود مختار رہے تھے۔ لیکن اب اُنسے یہ مطالبہ ایک ایسے بادشاہ کی طرفسے کیا گیا جو تیس سال سے جلاوطن تھا کہ جملہ بقایا پچیس لاکھ روپے نقد فوراً ادا کریں۔ کرنل پوٹنگر برطانوی وکیل سندھ نے یہ مطالبہ پیش کیا لیکن جس وقت اُسے فارغخطی کی دو دستاویزیں دکھائی گئیں تو وہ

صفحہ ۳۹۶

محو حیرت ہو کر رہگیا۔ یعنے خاص شاہ شجاع کے ہاتھ کی لکھی ہوئی قرآن شریف کے دو نسخوں پر دو فارغخطیاں تھیں جن میں شاہ شجاع نے تمام آیندہ دعاوی سے دستبرداری پانچ سال پہلے اُس وقت کردی تھی جبکہ اُسنے تیس لاکھ روپیہ امیران سندھ سے وصول کیا تھا۔ یہ تحریریں شاہ شجاع کے دستخط و مہر سے مزین تھیں۔ بہرحال لارڈ آکلینڈ نے یہ حکم دیدیا کہ اُسکو کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی کہ ان فارغخطیوں

باب نہم
فصل دوم

فصل دوم

لارڈ آکلینڈ کا عہد حکومت۔ جنگ افغانستان۔ دوست محمد کی مغلوبیت

رنجیت سنگھ اور گورنر جنرل کی ملاقات ۱۸۳۸ء

یہ سپاہ سندھ نومبر ۱۸۳۸ء میں فیروز پور میں جمع ہوئی۔ اور اُسی مقام پر ہند کے گورنر جنرل اور شیر پنجاب میں ایک بڑی شاندار تقریب ملاقات بھی ہوئی۔ رنجیت سنگھ اُس وقت قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھا مگر اُسکے چہرے سے اب بھی ارادے کی پختگی ظاہر ہوتی تھی اور اُسکی ایک ہی آنکھ اب بھی اولوالعزمی کی روشنی سے چمکتی تھی۔ اس موقعہ پر بڑے شاندار جلوس نکالے گئے اور بڑی بڑی نمائشی کارروائیاں ہوئیں اور طرح طرح کے فوجی کرتب اور نمائشی قواعدیں ہوئیں۔ چونکہ اب فوج کو ہرات جانا نہیں تھا اسلئے اُسکی قوت میں کمی کر دی گئی اور کمانڈر انچیف نے بھی چونکہ اُسی صورت میں اُسکی قیادت منظور کی تھی کہ وہ وسط ایشیا میں پیشقدمی کرے گی اسلئے اب اُسنے بھی ایک ایسی چھوٹی سی فوج کی سرکردگی سے انکار کر دیا جسکی تنہا غرض یہ تھی کہ ایک ایسے رئیس کو جو شاہ شجاع سے کہیں زیادہ قابل تھا معزول کرکے اسکی جگہ شاہ شجاع کو تخت کابل پر متمکن کر دیا جائے۔ بنگالی سپاہ جو ساڑھے نو ہزار باقاعدہ فوج اور تیس ہزار شتر سواروں اور اڑتیس ہزار دیگر لشکریوں پر مشتمل تھی۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۳۸ء کو فیروز پور سے روانہ ہوئی۔ جو فوج شاہ شجاع کے لئے کمپنی کے روپے سے بھرتی کی گئی تھی اور کمپنی کے افسروں ہی کی قیادت میں تھی مگر شاہ شجاع کی فوج کہلاتی تھی وہ تعداد میں چھ ہزار تھی۔ بمبئی کی سپاہ سرجان کین کی سرکردگی میں پانچ ہزار چھ سو تھی۔ غرض یہ کہ کل

بند کر سکتا تھا۔ چقماق کے نکیلے پتھروں نے اونٹوں کو لنگڑا کر دیا۔
شدت تکان اور چراگاہ کی عدم موجودگی نے توپ خانے کے
گھوڑوں کے چھکے چھڑا دئے اور اکثر انگریزی خیمہ و خرگاہ۔ رسد
و ذخائر حرب کوہستانی راستوں کے بیچ میں پڑا رہ جاتا تھا۔ اور
گھاٹی کی کسی تہ میں جو چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا وہ جانوروں کی لاشوں
سے گندہ ہو گیا تھا اس ہولناک درے سے نکلکر انگریزی سپاہ
خوبصورت وادی شال میں داخل ہوئی۔ لیکن جو ذخائر رسد وہاں
مل سکے وہ ناکافی تھے اور فوج کو عنقریب فاقہ کشی سے دوچار
ہو جانیکا ڈر ہونے لگا۔ خدا خدا کر کے ۶۔ اپریل ۱۸۳۹ء کو بمبئی کی سپاہ
اور شاہ شجاع کی سپاہ بھی آکر بنگالی سپاہ سے مقام کوئٹہ پر
مل گئیں اور سرجان کین نے سپہ سالار کل کا انصرام اپنے ہاتھ میں لیا۔
کھانیکو نہیں ملنے کی وجہ سے تمام سپاہ بغاوت پر آمادہ تھی گورہ
سپاہیوں کے نان پاؤ کے وزن میں کمی کر دیگئی اور دیسی سپاہیوں
کے پٹے کو گھٹا کر صرف آدھ سیر روزانہ کر دیا گیا تھا اور غیر مبارز طلب
لشکریوں کو اس سے بھی نصف مقدار ملتی تھی۔ پھر سب پر طرہ
یہ کہ قندھار پر پیشقدمی کا بھی حکم سپاہ کو دیا گیا۔ قندھار کے
راستے میں درۂ خوجک واقع تھا جو اگرچہ درۂ بولان کے
برابر طویل نہیں تھا مگر اس سے کسی طرح کم مصیبت خیز نہیں تھا۔
میدانی اور قلعہ شکن توپوں کو اس درے کی عمودی چٹانوں
میں سے اوپر سے نیچے گھسیٹنے کا کام گورہ سپاہی کر رہے تھے
جو بھوک اور پیاس سے ہارے ہوئے تکان
سے شل ہو رہے تھے۔ جس وقت شاہ شجاع قندھار کے قریب
پہنچا ہے اس وقت دوست محمد کے بھائی بارک زئی اپنے ان افسروں
کی غداری سے مجبور ہو کر جانب مغرب بھاگ گئے جنھیں شاہ شجاع
کی رشوتوں نے اپنا کر لیا تھا۔ چنانچہ شاہ شجاع بلا مقاومت ۲۵۔ اپریل ۱۸۳۹ء

صفحہ ۳۹۶

کی تحقیقات کی جائے اور مسٹر میکناٹن نے یہ راے ظاہر کر دی کہ بجائے اسکے کہ ہم اپنی شاندار مہم میں امیران سندھ کی مقاومت کی وجہ سے کسی قسم کی رکاوٹ پڑنیکو گوارا کریں یہ بہتر ہے کہ ہم بیس ہزار پنجابی فوج کو اُنکے دار الحکومت پر ٹوٹ پڑنیکو آزاد چھوڑ دیں۔ یہ بھی تجویز کی گئی کہ امیران سندھ کو ایک عہد معاونت پر بھی مجبور کر کے اُنسے تین لاکھ سالانہ نعلبندی بھی وصول کی جایا کرے۔ چونکہ امیران مذکور نے اُن مطالبات کی تعمیل سے انکار کیا اسلئے مسٹر میکناٹن نے کرنل پوٹنگر کو یہ حکم دیدیا کہ اُن سب کو صاف الفاظ میں آگاہ کر دے کہ اگر ضرورت پڑی تو اُن کو بالکل تباہ و برباد کر دینے کے لئے نہ یہاں قوت کی کمی ہے نہ اُس قوت کو کام میں لانیکے ارادے کی کمی ہے۔ اسکے ساتھ ہی سرجان کین بمبئی والی فوج کے ساتھ سرحد حیدر آباد تک بڑھتا چلا گیا اور بنگالی سپاہ کو بھی اُسکے ساتھ شرکت عمل کرنیکے لئے روانہ کر دیا گیا۔ اُن فوجی مظاہرات سے مرعوب ہو کر لاچار امیروں نے سپر ڈالدی۔ معاہدے پر دستخط بھی کر دئے اور پہلی قسط بھی مطالبے کی ادا کر دی۔

فوج کی پیشقدمی

ہندو سپاہیوں نے اپنی مذہبی اوہام پرستی کو بالائے طاق رکھکر دریائے سندھ کو عبور بھی کر لیا اور اُسکے داہنے کنارے پر انگلستان کا علم بھی نصب کر دیا۔ لیکن دریائے سندھ کے عبور ہوتے ہی فوج پر سختیاں آنی شروع ہو گئیں۔ بنگالی دستہ بطور ہراول کے کچھ گنداوا کے ایکسو چالیس میل کے خشک ریگستان میں آگے بڑھگیا جہاں بہت ہی کم پانی ملتا تھا اور گھانس کا تنکا بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہزارہا کی تعداد میں اونٹ مر گئے اور باربردار کے مویشیوں کا نقصان جن پر تمام فوج کی زندگی کا انحصار تھا بہت سخت ہوا۔ اس بے آب ریگستان کو عبور کر کے اُس سپاہ کو چھ دن تک پھر ایک درۂ بولان کے سنگلاخ نشیب و فراز میں ٹھوکریں کھانی پڑیں جہاں پر ایک چھوٹا سا دستہ بھی آکر تمام فوج کو بالکل تالے میں

کابل تک رسائی تسخیر غزنی سے کابل کا راستہ صاف ہوگیا اور دوست محمد نے بدحواس ہوکر اپنے سرداروں کو جمع کیا اور اپنے ہاتھ میں قرآن لیکر اُنسے یہ استدعا کی کہ اصلی بھادروں اور سچے مسلموں کی طرح ایک آخری مقاومت اور کرلیں اُسکے الفاظ یہ تھے۔

"تم نے میرا نمک کھایا ہے۔ اور تیرہ سال تک کھایا ہے
اب ایک مرتبہ اور فتح خاں کے بھائی کے برابر کھڑے
ہوجاؤ اسکو ان کافر کتوں پر ایک آخری حملہ اور کرلینے دو
پھر جب یہ تمہارا سردار ان میں کھیت رہ جائے تو شاہ شجاع
کے ساتھ اپنی شرائط طے کرلینا۔"

لیکن اُن سرداروں کی شجاعت و وفاداری دونوں فنا ہوچکی تھیں اور جب دوست محمد نے ہر طرح سے مایوسی ہی کا سامنا دیکھا تو اپنی تمام توپوں کو مقام ارگن دیہ پر دفن کردیا اور چند وفادار ہمراہیوں کے ساتھ کوہ ہندوکش کے علاقے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ کپتان اوٹرم اور نو دیگر افسروں نے اولوالعزمانہ جوش کے ساتھ کچھ سوار ساتھ لیکر دوست محمد کا تعاقب شروع کردیا۔ اور چھ دن رات تک اُسے کہیں دم نہ لینے دیا۔ لیکن متعاقبین کے ہمراہ کئی سو افغانی سوار لیکر حاجی خاں غدار سردار بھی ہوگیا تھا اور اُسکی غدارانہ کارروائیوں نے اُن کے ہر ہر قدم پر رکاوٹیں ڈالیں۔ غرض یہ کہ مقام بمیان پہنچکر کرنل آؤٹرم کو یہ معلوم ہوگیا کہ دوست محمد خاں حدود افغانستان سے باہر نکل چکا تھا۔ ۷۔ اگست ۱۸۳۹ء کو شاہ شجاع مغرق مکلل لباس زیب تن کرکے جنگی جلوس کے ساتھ شہر کابل میں نکلا اور پھر قلعۂ معلیٰ موسومۂ بالاحصار کو چلا گیا۔ لیکن اُس اوپری نمائش میں کچھ دلی جوش وخروش نہیں پایا جاتا تھا۔ شہر کے باشندے اپنے اپنے دروازوں پر

باب نہم
فصل دوم

کو شہر قندھار میں داخل ہو گیا۔

تسخیر غزنی

حملہ آور سپاہ کو اب بھی اُسی تخفیف شدہ روزینے کے ساتھ دس ہفتے تک فصلیں پکنے کے انتظار میں قندھار میں بیکار پڑا رہنا پڑا۔ قندھار سے دو سو تیس میل اور کابل سے نوّے میل کے فاصلے پر غزنی کا مشہور قلعہ واقع تھا۔ جہاں سے آٹھ صدی پہلے محمود غزنوی نے ہندوستان کے میدانوں پر علم ہلالی نصب کرنیکو خروج کیا تھا۔ دوست محمدؐ کے بیٹے حیدر خاں کو اس قلعے کی فوج کے استحکام و امداد کے لئے چھ ماہ کے سامان رسد کے ساتھ بھیجدیا گیا تھا۔ یہ حصن حصین جو سطح زمین پر ستر فٹ کی عمودی بلندی تک اُٹھتا چلا گیا تھا مع اپنی پر آب خندق کے ہر قسم کی زینہ سازی یا سرنگبازی کے مقابلے میں ناقابل تسخیر نخوت کے ساتھ کھڑا نظر آتا تھا۔ سرجان کین نادانی کر کے اپنی قلعہ شکن توپیں بھی قندھار چھوڑ آیا تھا اور حملہ آور فوج کی ناکامی یقینی نظر آنے لگی تھی۔ حسن اتفاق سے ایک شہر پناہ کی تعمیر اب تک تکمیل نہیں ہوئی تھی اور چیف انجنیر کپتان ٹومسن نے کمانڈر انچیف کو یہ یقین دلایا کہ جس طریقے پر کوئی کامیابی کی امید ہو سکتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ اس ناتمام پھاٹک کو سرنگ سے اُڑا دیا جائے اور اُسی کے راستے سے زبردستی قلعے کے اندر گھسا جائے۔ چنانچہ انجنیر مذکور کے زیر اہتمام نو سو رطل بارود تھیلوں میں بھر کر خفیہ طور سے ایک طوفان خیز شب میں اُس موقعہ پر پہنچائی گئی۔ وہ بارود اُڑی۔ ناتمام شہر پناہ مع اردگرد کی فصیل کے لرزنے لگی اور چونے پتھر کے ٹکڑے اور لکڑی کی کڑیاں بڑی آواز سے نیچے آ رہیں۔ کرنل ڈینی تیرھویں پیدل پلٹن کا افسر حلہ بولنے والی جماعت کو لیکر بادو باراں کی طرح جھپٹ پڑا اور گرے ہوئے ملبے کے سر بسر ڈھیر پر بڑی خونریز آویزش کے بعد صبح کے وقت انگریزی جھنڈا غزنی کے نخوت انگیز قلعہ پر لہرانے لگا۔

صفحہ ۳۹۰

باب نہم
فصل دوم

پیشین گوئی کردی تھی تکمیل فتح کے بعد ہی انگریزوں کی دشواریاں شروع ہوگئیں جنرل ولشائر سپہ سالار افواج بمبئی کو یہ ہدایت کردی گئی تھی کہ واپسی میں حکمران بلوچستان مسمی محراب خاں کو سخت سزا دیتا ہوا آئے کیونکہ حقیقت انگریزی سپاہ اُسکے ملک میں سے پیشقدمی کر رہی تھی تو اُس وقت میں اُسنے رسد رسانی کا انتظام نہیں کیا تھا۔ لیکن امر واقعہ یہ تھا کہ انگریزی فوجوں نے دوران پیشقدمی میں بلوچستان میں بالقصد لوٹ مار شروع کردی تھی اسلئے حکمران بلوچستان کے پاس فالتو رسد ہی نہیں رہی تھی جو وہ اُنکے لئے بہم پہنچاتا۔ چنانچہ یہ انتقامی کارروائی محض عناد و بے انصافی پر مبنی تھی۔ بلوچیوں نے اپنے ملک اور اپنے سردار کی نہایت جاں بازی سے حفاظت کی لیکن دارالحکومت قلات کو برسم یلغار فتح کرلیا گیا اور خان قلات مع اپنے آٹھ سرداروں کے میدان شجاعت میں کام آگیا۔

فوجی اعزاز

فوجی کامیابیوں سے یہ مہم جس قدر خالی تھی اُسی قدر تقسیم اعزاز سے پُر تھی۔ یہ تقسیم اعزاز کی کارروائی خاص محکمۂ وزارت کی دماغ پرور دہ تھی اور باوجودیکہ انگلستان و ہندوستان کے ہر طبقے سے اسکی مخالفت میں صدائیں بلند کیگئیں مگر تقاضائے تدبیر یہی سمجھا گیا کہ پہلی ہی کامیابی کو بخوبی چمکایا جائے لارڈ آکلینڈ کو ارل بنا دیا گیا۔ سر جان کین جسنے ہیجمہ زی سے بھی کم مائگی کا ثبوت دیا تھا بیرن بنا دیگیا اور دو ہزار پونڈ سالانہ اُسکا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ مسٹر میکناٹن۔ کرنل پوٹنگر اور جنرل ولشر کو بیرونٹ بنا یا گیا۔ اور کرنل ویڈ کو نائٹ کا خطاب دیا گیا۔ لیکن کپتان ٹامسن جسنے اس مہم کو نہایت ذلیل و مہلک ناکامی سے بچایا تھا اور غزنی کی شہرپناہ کو اڑایا تھا اُس غریب کو بلا اضافۂ تنخواہ کے میجر کا عہدہ دیا گیا اور آرڈر آف باتھ کا سب سے ادنی تمغہ دیا گیا اور بس۔ چنانچہ اس نے بد دل ہوکر ملازمت سے کنارہ کشی کرلی۔

رنجیت سنگھ کی وفات

۲۷۔ جون ۱۸۳۹ء کو جس وقت فوجی مہم قندھار سے

باب نہم
فصل دوم

تماشائی بنے جمع تھے مگر وہ شاہ شجاع کے دیدار سے مشرف ہونے اور دعائیں دینے نہیں آئے تھے بلکہ اپنے شہر کی سڑکوں پر کافر سپاہیوں کو فوجی انداز سے گزرتے دیکھکر اُن پر لعنتیں بھیجنے اور ہاتھ پھیلاکر کوسنے آئے تھے۔

تین ہفتے کے بعد شاہ شجاع کا بیٹا تیمور بھی آکر کابل پہنچگیا۔ یہ صاحبزادہ اپنے ساتھ چار ہزار اناڑی رنگروٹ لیکر چلا تھا جنکو کمپنی تنخواہ دیتی تھی اور جنکی سرکردگی کرنل ویڈ کے سپرد تھی۔ اس مہم کے ساتھ رنجیت سنگھ کی چھ ہزار امدادی فوج بھی تھی جنکے نزدیک افغانستان کی جانب ہر قدم منحوس تھا چنانچہ یہ چھ ہزار فوج برابر سرکشی و بغاوت کے آثار ظاہر کرتی رہی تھی۔ جس وقت یہ فوج خیبر میں داخل ہوئی تو اپنے معمول کے مطابق آفریدیوں نے اُس کی پیشقدمی کی مقاومت کا ارادہ کیا لیکن کرنل ویڈ نے فوجوں کو پہاڑیوں پر چڑھاکر آفریدیوں کے بازوؤں کو اُلٹ دیا اور اس اُستادانہ نقل و حرکت سے یہ ہولناک کوہستانی راستے شاید پہلی دفعہ بجائے سونیکے زور کے فولاد کے زور سے کھولے جاسکے۔

فوج کا قیام

اس مہم کی اصل غایت یہ تھی کہ ایک دشمن رئیس کو معزول کرکے ایک دوست رئیس کو اُسکی جگہ تخت کابل پر بٹھایا جائے اور یہ غرض پوری ہو چکی تھی اور اب شملے کے مراسلے کے مطابق برطانوی افواج کو واپس بلا لینا چاہئے تھا مگر شاہ شجاع کی تخت نشینی سے دو ہفتے کے اندر ہی لارڈ آکلینڈ نے یہ اندراج روزنامچے میں کیا کہ شاہ شجاع کو بغیر کسی برطانوی فوج کی امداد کے چھوڑ دینے سے اُسکی پھر جلاوطنی لازم ہو جائیگی جس سے ہندوستانی گورنمنٹ کی نہایت ذلت ہوگی اور آیندہ کے لئے پھر خطرات کی سبیل نکل آئیگی۔ اسلئے یہ طے کیا گیا کہ دس ہزار کی فوج شاہ شجاع کو تخت پر متمکن رکھنے کے لئے کابل میں چھوڑ دی جائے۔ اور جیسی کہ ڈیوک آف ولنگٹن

صفحہ ۳۹۹

باب نہم
فصل دوم

لگام چڑھائی جائے۔ پنجاب کو تمام سنگ راہ سے پاک کیا جائے اور پشاور کو شاہ شجاع کی مملکت میں شامل کر دیا جائے۔

روسیوں کو شاہ خوارزم سے وجہ شکایت | کابل پر قبضہ کر لینے کے بعد ہی جو روسیوں کا خوف سر ولیم میکنٹن، سر الکزینڈر برنس اور دوسرے افغانستان کے برطانوی افسروں کے سینوں پر غالب رہتا تھا وہ چونکا چونکا دینے والی حد تک بڑھ گیا کیونکہ یہ اعلان ہوا کہ ایک زبردست روسی ہم مقام خیوا پر پیشقدمی کرنے والی ہے جسکو قدیم مورخ خوارزم کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یہ ملک بحیرۂ ارال کے جنوب میں دریائے سیحون کے کناروں پر واقع ہے لیکن سوائے سیرہ زار مردے کے مسلسل چٹیل میدان ہے جنہیں کہیں قسم کھانیکو کوئی پہاڑی یا دریا یا جھیل نہیں ہے اور کل آبادی مشکل سے دس لاکھ ہوگی۔ نصف صدی سے اس ملک کے حکمرانوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ روسی کاروانوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ روسی چوکیوں پر دھاوے مارتے تھے اور روسی رعایا کو پکڑ لے جاتے تھے اور انھیں غلام بنا کر رکھتے تھے۔ زار روس نے ایک فوجی ہم اس غرض سے بھیجنے کا عزم کیا کہ اپنے اُن شاہانہ فرائض کو ادا کرے جو اپنی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرنے کے اُسپر عائد تھے۔ لیکن اسمیں ایک اور غرض بھی مضمر تھی۔ لارڈ آکلینڈ نے اپنے شملے والے مراسلے میں تحریر کیا تھا کہ برطانوی فوجی ہم کی غرض یہ ہے کہ برطانوی اثر و اقتدار کو وسط ایشیا میں وہ نام اور استحکام حاصل ہو جائے جو برطانیہ کے شایان شان ہے۔ سر ولیم میکناٹن کی حریص طبیعت اس مقصد کو اس حد تک حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گئی جسنے خود اُسکے اہل ملک کو بھی چونکا دیا تھا۔ یعنے اُسنے ایک فوج ہمیان سے بھی آگے اس غرض سے بھیجدی تھی کہ ایک خاص ازبک سردار کو گدی سے اُتار کر دوسرے کو اُسکی جگہ بٹھا آئے چنانچہ اُسکی سنسنی تمام ترکستان میں پھیل گئی تھی۔ میجر ٹاڈ جسکو گورنر جنرل کا قائم مقام بنا کر ہرات میں بھیجا گیا تھا

باب نہم
فصل دوم

روانہ ہو رہی تھی ستاون سال کی عمر میں رنجیت سنگھ نے انتقال کیا۔ اُسکی صحت جسمانی کو اُن بے اعتدالیوں نے بالکل خراب کر دیا تھا جنمیں وہ عرصے سے بالکل غرق ہی ہو گیا تھا۔ رنجیت سنگھ میں بھی وہ سلطنت بنانیکی قابلیت تھی جو سیواجی اور حیدر علی میں تھی۔ سکھ عظمت کی تمام عمارت گویا رنجیت سنگھ کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تھی اور اگر اُسکو کمپنی کی قوت چاروں طرف سے ہاتھ پانوٗں باندھکر نہ ڈال دیتی تو اسمیں شک نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک زبردست سکھ سلطنت قائم کر کے جاتا۔ اُسنے اپنے باپ سے ورثے میں صرف ایک سکھ قبیلے کی سرداری اور توڑے داربند وقوالی والے ایک چھوٹے سے رسالے کی قیادت پائی تھی جبکہ تمام پنجاب تقریباً ایک درجن سکھ سرداروں کی نت نئی آویزشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور اُسنے اپنے جانشین کے لئے ایک عظیم الشان مملکت چھوڑی جسکے خزانے قرب وجوار کی ریاستوں کے مال غنیمت سے بھرے ہوئے تھے اور جسکے پاس اس وقت اسّی ہزار سپاہ اور تین سو توپیں تھیں۔ اور فوج بھی ایسی تھی کہ باعتبار قواعد دانی وآراستگی وشجاعت کے اُن سب فوجوں پر فوقیت رکھتی تھی جو کبھی کسی ہندوستانی رئیس کے جھنڈے تلے جمع ہوئی ہونگی۔ اُسکو دولت جمع کرنیکا بڑا شوق تھا اور اُسنے اپنے خزانے میں بارہ کروڑ روپیہ چھوڑا جسمیں نصف کرور وہ غربا پر تقسیم کر گیا تھا۔ مشہور ہیرا کوہ نور جو آجکل انگلستان کے تاج کو زینت دے رہا ہے رنجیت سنگھ ہی نے جگنناتھ پر چڑھایا تھا۔ تمام پنجاب میں وہی ایک شخص تھا جو انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا حامی تھا اور مہم کابل کے زمانے میں اُسنے اپنے تمام ملکی وسائل کو انگریزی گورنمنٹ کے تحت تصرف میں دیدیا تھا۔ اُس کے فوجی افسروں اور وزیروں میں اُسکے انتقال کے بعد ہی پھوٹ پڑ گئی اور اس مخاصمت سے انگریزوں کی حیثیت افغانستان میں اس قدر مخدوش ہو گئی کہ سر ولیم میکناٹن نے لارڈ آکلینڈ کو یہ مشورہ دیا کہ اب اِن سنگھوں یعنے سکھ سرداروں کو

صفحہ ۴۰۰

باب نہم
فصل دوم

اگر ہم اسی رفتار سے بڑھے چلے گئے تو بہت جلد روسی کاسک اور ہندوستانی سپاہی دریائے سیحون پر تیغ آزمائی کرتے نظر آنے لگینگے۔ روسی مہم کو بالکل ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اس مہم نے ماہ نومبر ۱۸۳۹ء میں مقام اورن برگ سے ایک ہزار میل کا سفر طے کرنیکے لئے کوچ کیا۔ سردی کا بنجہ تھا اور زمین پر کئی کئی فٹ برف جمی ہوئی تھی اور کہیں ایک گھانس کا تنکا نام کو نظر آتا تھا اسلئے سپہ سالار کو مجبور ہو کر اپنی آدھی فوج ضائع کرکے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ اسکے بعد میجر ٹاڈ نے کپتان شکسپیر کو خیوا بھیجا جسنے خان خیوا کو مجبور کرکے اس سے چارسو روسی غلام اپنے قبضے میں لئے اور رفع شر کے لئے انکو خود لیجا کر اورن برگ پہنچا آیا مگر انگریزی افسر کی اس کارگزاری کو دخل در معقولات سے زائد وقعت روسیوں نے نہیں دی۔

بالاحصار

جس وقت یہ طے کرلیا گیا کہ انگریزی فوج کو افغانستان میں رکھا جائے اُس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ پیش ہوا کہ انگریزی فوج کا پڑاؤ کس جگہ ڈالا جائے۔ کابل کا بالاحصار ایک پہاڑی پر بنا ہوا تھا جہاں سے تمام شہر پر پوری زد پڑتی تھی۔ اسمیں پانچہزار فوج کے قیام کی کافی گنجائش تھی اور اگر سامان حرب و ذخائر خوراک کا عمدہ انتظام کرلیا جاتا تو صرف ایکہزار فوج اس قلعے کی محافظت ہر قسم و ہر تعداد کی افغانی فوج کے مقابلے میں بہت اچھی طرح کرسکتی تھی۔ بالاحصار در اصل کابل کی کنجی تھی اور انگریزوں کے لئے سلامتی اس میں تھی کہ اُسپر اپنا قبضہ قائم رکھتے۔ شاہ شجاع نے یہ اصرار کیا کہ انگریزی فوج کو اس میں سے نکال دیا جائے اور قلعے کو صرف حرم سرا کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے اور خدا جانے کس بری گھڑی سے انگریزی سفیر اپنی معمولی معاملہ فہمی و دور اندیشی کے خلاف شاہ شجاع کے اصرار پر رضامند ہوگیا اور قلعہ بند فوج کو میدانوں کی چھاؤنیوں میں لاکر ڈال دیا گیا جو ایسے بے پناہ موقع پر تیار کی گئی تھیں کہ اُنسے بدتر خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ افغانستان کی

صفحہ ۴۰۲

باب نہم
فصل دوم

اس قلعے کے استحکام کو ترقی دے رہا تھا اور اسنے اپنے ایک اسسٹنٹ کو خیوا ایں اس غرض سے بھیجا کہ وہاں کے خان کو برطانوی دوستی کی برکات سے مستفیض ہونیکا مشورہ دے۔ اس سفیر نے اپنے افسر کی ہدایات سے بڑھکر یہ کام کیا کہ خیوا کے خان کے ساتھ ایک مجارحانہ ومدافعانہ اتحاد کی تجویز پیش کر دی جسکو لارڈ آکلینڈ نے فوراً نامنظور کر دیا۔ اسی زمانے میں ایک وفد بخارا بھی بھیجا گیا تھا۔

صفحہ ۴۰۱

روسی مہم خیوا سنہ ۱۸۴۰ء

اس متواتر فوجی اور سفارتی نقل وحرکت نے دار الحکومت روس کی مجلس شوریٰ کی آتش رشک کو مشتعل کر دیا جو برطانوی گورنمنٹ کی مداخلت کو وسط ایشیا کی سیاست میں ناپسند کرتی تھی اور زار روس نے مہم خیوا کو یہ حکم دیا کہ بلا توقف کوچ کر جائے دراں حالیکہ ابھی اُس وقت میں پانچ ماہ کا عرصہ تھا جو اُسکی روانگی کے لئے ابتداً مقرر کیا گیا تھا۔ جس روبکار کے ذریعے سے اس مہم کی روانگی کا اعلان کیا گیا اُسمیں اول تو اُن نقصانات کی تفصیل کی گئی تھی جو روس کو اہل خیوا کے ہاتھوں برداشت کرنے پڑے تھے اور اُسکے بعد بالکل لارڈ آکلینڈ کی زبان میں یہ توجیہ کی گئی تھی کہ اس مہم کی غرض یہ ہے کہ ایشیا کے اس حصے میں اُس جائز اقتدار کو مستحکم کرے جس پر روس کا ہر طرح سے حق پہنچتا ہے۔ روسی اخباروں نے بغیر بات بنائے صاف الفاظ میں یہ بحث شروع کر دی تھی کہ اس مہم کی اصل غرض یہی ہے کہ خیوا۔ بخارا۔ اور قوقند میں ایسا زبردست روسی اقتدار قائم کرے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر وسط ایشیا میں بالکل جڑ ہی نہ پکڑنے پائے۔ یہ دونوں یورپین سلطنتیں جنکی قسمتوں میں ایشیائی حکومت کی تقسیم لکھی ہوئی تھی اُس وقت ایک دوسرے کی رفتار ترقی پر رشک کر رہی تھیں اور ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنیکے لئے فوجی مہمات تک کی مہلک تدبیر پر اُتر آئی تھیں۔ بیرن برونو نے لارڈ پامرسٹن سے اس صورت واقعات کو دیکھکر یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ

باب نہم
فصل دوم

آوارہ گردی کرنیکے بعد اپنے عیال و اطفال کو برطانوی حمایت وحفاظت کے سپرد کردیا۔ اس طرح انگریزی پاس عزت و وقار پر جو اعتماد ایک ایسی قوم کی طرف سے ظاہر کیا جاتا جو خود اپنی غداری کے لئے ضرب المثل تھی ایک زبردست ثبوت انگریزوں کی قومی خصوصیت کا تھا۔ آخر کار دوست محمد نے کسی نہ کسی طرح بخارا سے رہائی حاصل کرکے کابل پر پھر پیشقدمی کی کیونکہ اُسکے ساتھ پھر چھ سات ہزار اوزبک جمع ہوگئے تھے جنکے ساتھ وہ ہندوکش سے پار جانیکا ارادہ کر رہا تھا تاکہ پیغمبر اسلام کا نام لیکر جہاد کا اعلان کرے اور شاہ شجاع اور اُسکے کافر حامیوں کے ساتھ جو بیزاری پھیلی ہوئی تھی اُس سے فائدہ اُٹھاکر کابل پر فاتحانہ پیشقدمی کرے۔ لیکن بریگیڈیر ڈینی نے محض مٹھی بھر فوج سے اس کا راستہ روکا اور اُسکے اوزبکوں کے جم غفیر کو شکست دیکر بالکل منتشر کردیا۔ اس شکست کے بعد دوست محمد شمالی کوہستان کی طرف چلا گیا اور جن سرداروں نے قرآن پر ہاتھ رکھکر شاہ شجاع کا ساتھ دینے کی قسم کھائی تھی وہ دوست محمد سے جاملے مگر سر رابرٹ سیل نے اُن پر حملہ کرکے زبردست فتح حاصل کرلی۔ دوست محمد دو تین ہفتے تک اسی طرح پہاڑی پہاڑی مارا مارا پھرا اُسکے بعد ضلع نذرو میں آگیا جو کابل کے بالکل قریب ہی تھا اور اُسکے آتے ہی تمام ضلع میں ایک آگ سی لگ گئی ۲- نومبر ۱۸۴۰ء کو سر رابرٹ سیل نے جو برابر دوست محمد کے تعاقب میں رہا تھا وسیر وادی پروندرا میں حملہ کیا۔ اگرچہ تمام وادی میں مسلح آدمی بھرے تھے مگر دوست محمد کے ساتھ صرف دوسو سوار تھے۔ انگریزی رسالہ نمبر ۲ نے اُسپر دھاوا کیا اور دوست محمد نے بھی مردانہ وار مقابلہ کرنیکا عزم کرلیا۔ وہ اپنی رکابوں پر زور دیکر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اپنا سر ننگا کرلیا اور خدا اور رسول کا واسطہ دیکر غازیوں کو ندا دی کہ آئیں اور ملعون کافروں کے مقابلے میں اُسکی امداد کریں۔ ہر طرف سے مسلح مددگار اُٹھنے شروع ہوگئے تھے کہ انگریزی رسالے کے سوار بھیڑ بکریوں کی طرح میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے البتہ صرف یورپین افسر دادِ مردانگی

دصفحہ ۴۰۳

باب نہم
فصل دوم

تمام حکمت عملی اول سے آخر تک ایک سلسلۂ حماقت تھی لیکن ٹٹیپ کا بندیہ تھا کہ بالاحصار کو شاہ کابل کی ڈیڑھ سو حرموں کے لئے خالی کردیا گیا۔ یہ خیال روز بروز یقین کے درجے تک پہنچتا گیا کہ شاہ شجاع کا اپنی رعیت کے دلوں پر بالکل قبضہ نہیں تھا اور صرف کافروں ہی کے سہارے سے یہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے اسکی طرف سے بیزاری بڑھتی جاتی تھی۔ اس کافر فوج کی موجودگی کو وبائے طاعون سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے سیاسی افسر بڑے خاندانی اور بڑے اخلاق کے آدمی تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جنکے انداز نخوت وتکبر نے افغانیوں کے دلوں میں نفرت پیدا کردی تھی اور بے باک آوارگیوں نے جنسے نہایت شریف خاندانوں کی عزتوں پر حملے ہوتے تھے آتش غیظ وغضب کو تمام نواح کابل میں مشتعل کردیا تھا لہٰذا تیس ماہ تک جو انگریزی فوج کابل میں رہی اس زمانے کی حکومت صرف پہرے چوکی کی حکومت تھی جو انگریزی سنگینوں کے بل بوتے پر قائم تھی۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ افغانستان پر حکومت نہیں کی جارہی تھی بلکہ بڑے قلعوں کی حفاظت کی جارہی تھی اور انگریزی فوج کسی آتش فشاں کے دخان انگیز دہانے پر کھڑی ہوئی تھی۔ کابل پر قبضہ کرنیکے چندہی ہفتے کے اندر خیبر کے کوہستانیوں نے ایک بڑے فوجی دستے کو بالکل قتل عام کرکے اُنکے خیمہ وخرگاہ تک کو لوٹ لیا تھا۔ ادھر تمام صوبۂ بلوچستان نے علانیہ بغاوت کرکے اُس رئیس کو گدی سے اتار دیا تھا جسے جنرل ولشر نے زبردستی اُن پر حاکم بنا دیا تھا۔ اور انگریزی حکومت کو پھر سے قائم کرنیکے لئے جنرل نوٹ کو قندھار سے فوج لیکر جانا پڑا تھا لیکن اصل وجہ پریشانی خود دوست محمد کی نقل وحرکت سے متعلق تھی۔

امیر دوست محمد کی نقل وحرکت

کابل سے فرار ہونیکے بعد امیر دوست محمد نے امیر بخارا الملقب بہ امیرالمومنین کی میزبانی کو گوارا کیا لیکن اُس ایشیا کے سب سے سفاک بادشاہ نے بہت جلد اپنے نظرکردہ مہمان کو نظربند کرلیا اس اثنا میں دوست محمد خاں کے بھائی زبر خاں نے عرصے تک اپنے اہل وعیال کے ساتھ

باب نہم
فصل سوم

فصل سوم

لارڈ آکلینڈ کا عہد حکومت - جنگ افغانستان - انگریزی فوج کی تباہی

صفحہ ۴۰۴

میجر ٹاڈ کو سر ولیم میکناٹن نے اس غرض سے ہرات بھیجدیا تھا کہ برطانوی اقتدار کو وہاں قائم رکھے اور قلعے کے استحکام کا بھی انتظام کرے۔ کابل سے خوب روپیہ بھی ضروری مصارف کے لئے بھیجا جاتا رہا مگر وزیر یار محمد اس بات پر ناراض ہو گیا کہ میجر ٹاڈ نے بردہ فروشی کی مکروہ اور بدنام تجارت کو بالکل بند کر دینے کی کوششیں شروع کر دی تھیں جس میں وزیر موصوف خود ملوث تھا۔ چنانچہ یار محمد نے تمام صوبۂ ہرات کو بالکل شاہ ایران کے تحت تصرف میں دیدینے کا سازباز شروع کر دیا۔ اس ناسپاسی و غداری سے مشتعل ہو کر سر ولیم میکناٹن نے صوبۂ ہرات کو شاہ شجاع کی مملکت کے ساتھ الحاق کر دینے کی تجویز کی لیکن لارڈ آکلینڈ کسی وجہ سے اسی کو مناسب سمجھے ہوئے تھا کہ وزیر کی ہر کارروائی کو ستائش کی نظر سے ہی دیکھا جائے چنانچہ توپوں - بندوقوں - آلات حرب - اور ذخائر حرب کی اس فیاضی کے ساتھ ہرات پر بھرمار کی گئی کہ اس فضول خرچی نے کلکتے کے حکام خزانہ کو بھی تشویش میں ڈالدیا۔ لیکن اس فیاضی کے اظہار نے مزید دیدہ دلیری کی سازشوں پر یار محمد کو ابھار دیا اور اُسنے ایرانی گورنر شیراز کے ساتھ اس قسم کا ایک منصوبہ باندھا کہ قندھار پر حملہ کیا جائے۔ اس تازہ غداری نے میجر ٹاڈ کے ہاتھ سے دامن صبر بالکل چھڑادیا اور اُسنے معمولی وظائف کو اس وقت تک کے لئے روک لیا کہ گورنر جنرل سے جو تازہ استصواب کیا گیا تھا اُسکا جواب آجائے۔ اس پر وزیر یار محمد نے اپنے مطالبات کو اور بڑھادیا اور ۸ - فروری سنہ ۱۸۴۱ء کو

باب نہم
فصل دوم

دیتے رہے یہاں تک کہ اُنمیں سے بھی تین قتل اور دو زخمی ہو گئے۔
سر الگزنڈر برنس بھی اس وقت میدان جنگ میں تھا اور اُسنے بصیغۂ فوری ایک شقہ برطانوی سفیر کے نام بھیجا کہ اب سوائے اس کے چارۂ کار نہیں رہا ہے کہ پیچھے ہٹ کے کابل تک پہنچا جائے اور اُسکی حفاظت کے لئے اپنی فوجوں کو ہر طرف سے بلا کر جمع کر لیا جائے۔ یہ شقہ سفیر برطانیہ کو دوسرے دن سہ پہر کے وقت ملا جبکہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو جا رہا تھا مگر یکایک وہ کیا دیکھتا ہے کہ دوست محمد خود سامنے سے آگیا اور گھوڑے سے اُتر کر اپنی تلوار کھول کر سفیر کے حوالے کر دی اور اُسکی حمایت میں آجانیکی تمنا ان لفظوں کے ساتھ کی۔

"میں نے اپنی فتح وظفر کے وقت بھی یہی خیال کیا تھا کہ اس آویزش کو جاری رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ اسلئے اب جبکہ میں نے اپنے دشمنوں کا سرمیدان مقابلہ کر کے اُنھیں اچھی طرح اپنی بہادری کا جوہر دکھا دیا ہے اور اُنھیں شکست دیدی ہے میں خود اسلئے آیا ہوں کہ اُنھی کی حمایت وحفاظت کا متمنی ہوں اور اسمیں میری کوئی توہین یا ذلت نہیں ہے۔"

دوست محمد اُسی وقت سفیر کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار انگریزی چھاؤنی میں چلا آیا جہاں اُسکی اس مصیبت کی آن بان اور شاہانہ شان نے بالعموم خراج تحسین وہمدردی حاصل کر لیا جسمیں اسوجہ سے اور زیادتی ہوگئی کہ بالا حصار میں جو کاٹھ کی پتلی تخت پر جلوہ گر تھی وہ بالکل اُسکی ضد تھی۔ دوست محمد کو کلکتے بھیجدیا گیا جہاں لارڈ آکلینڈ نے حد درجہ عزت واحترام کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا اور اُسکے گزارے کے لئے دو لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دیا۔

باب نہم
فصل سوم

ہر دستے کے ساتھ ایک مُلا تھا اور ایک علم تھا جس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

کرنل ڈُڈبرن نے اس فوج پر بڑی سختی سے حملہ کیا اور اُسکو کامل شکست دیدی۔ یہ نئی برادری بالکل ٹوٹ گئی اور تمام سرداروں نے اطاعت قبول کرلی سوائے اکرم خاں کے جسکی غیور طبیعت کسی شرط پر رضامند نہیں ہوتی تھی۔ اگر کسی مہذب ملک میں یہ شخص ہوتا تو اُسکو وطن پرست کا خطاب دیا جاتا مگر اس وقت افغانستان میں اُسکو باغی کہکر یاد کیا جاتا تھا۔ اُسکی طبیعت کا اندازہ اُسکے اس مقولے سے اچھی طرح ہوسکتا ہے۔

ہم خونریزی پر صبر کرسکتے ہیں مگر کسی آقا پر قناعت نہیں کرسکتے۔

مگر اکرم خاں کے ہی ایک زر آشنا قبیلے والے نے رشوت لیکر اُسے گرفتار کرا دیا اور کابُل کے احکام کے مطابق اس بہادر کو توپ دم کردیا گیا۔

مشرقی غلزئی

قندھار کے شمال مشرق میں جو صوبہ تھا اُسمیں قبیلۂ غلزئی آباد تھا۔ یہ بڑے خوبصورت تنومند لوگ تھے جو اسلحہ کے استعمال میں بڑے ماہر تھے اور میدان جنگ میں چالیس ہزار سرفروش لاسکتے تھے لیکن اُنکی خصوصیت یہ تھی کہ بے انتہا شعلہ خو اور آتش مزاج تھے۔ اُنھیں اپنی آزادی قائم رکھنے کا جتنا خیال تھا اُتنا ہی دوسروں کی آزادی چھین لینے کا شوق تھا۔ اگلے زمانوں میں اُنکے فاتحانہ ہتھیار دارالسلطنت ایران تک پہنچ چکے تھے اور ہندوستان کے بہت سے میدانوں میں اُنھوں نے اپنی مردانگی کے جوہر دکھائے تھے۔ اور کبھی کابُل یا قندھار کے حکمرانوں کے آگے اُنھوں نے سر اطاعت خم نہیں کیا تھا۔ سر ولیم میکناٹن نے ایک سالانہ وظیفہ مقرر کرکے اُنھیں اسپر راضی کرلیا تھا کہ اپنے قتل و غارتگری کے طریقوں کو چھوڑدیں اور راہزنیوں سے محترز رہیں لیکن اُنکے دل میں دخیل کار اجنبیوں کے ساتھ جو کینہ و عناد کے جذبات موجزن تھے اُنکا روز بروز اظہار ہونے لگا اور اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ اُنکے خاص علاقے کے اندر جو قلعہ قلات غلزئی تھا

باب نہم
فصل سوم

اُس نے نہایت تقاضے کے ساتھ اسپر اصرار کیا کہ دو لاکھ روپیہ اُسکے ذاتی قرضے کی ادائگی کے لئے دیا جائے۔ استحکام قلعہ کے لئے مزید رقم دی جائے ماہانہ وظیفے میں اضافہ کیا جائے ورنہ میجر ٹاڈ فوراً شہر چھوڑ کر چلا جائے۔ اس پر میجر موصوف نے فوراً سفارت خانے کو وہاں سے علٰحدہ کر لیا جس سے لارڈ آکلینڈ کو سخت قلق ہوا اور اُسنے میجر ٹاڈ کو محکمۂ سیاست سے علٰحدہ کر کے اپنی رجمنٹ میں واپس کر دیا۔

جنرل ٹوٹ اور میجر رالنسن

صوبۂ قندھار کا سیاسی انصرام میجر رالنسن کو سپرد کیا گیا تھا۔ اور فوج کی قیادت جنرل ٹوٹ کو دیگئی تھی جو نہایت سلجھی ہوئی طبیعت اور نہایت بچے تلے مزاج کا آدمی تھا۔ اُسنے نہایت مستعدی و کامیابی کے ساتھ اُن تمام بغاوتوں اور بلووں کو دبانیکی کارروائیاں کیں جو یکے بعد دیگرے اسکے قرب وجوار میں برپا ہوتے رہتے تھے لیکن اُسکی آزادیٔ رائے نے لارڈ آکلینڈ اور سرولیم میکناٹن دونوں کو ناراض کر رکھا تھا اور بدقسمتی سے اُسکو وہ ترقی دینے سے انکار کر دیا گیا جسکی اُمید اُسکو سرولبی کاٹن کی سپہ سالاری کابل سے سبکدوشی حاصل کرنے پر لگی ہوئی تھی اور اگر وہ عہدہ جنرل موصوف کو دیدیا جاتا تو نومبر میں جو بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا وہ بلا سر سے ٹل جاتی۔ دُرّانی جو شاہ شجاع کے ہم قبیلہ تھے اس صوبے میں آباد تھے جو ہرات و قندھار کے درمیان واقع ہے اور اُنکو اپنے امیر کے تخت پر بیٹھنے سے جتنی خوشی بھی ہوتی وہ کم تھی مگر جب اُنھوں نے یہ دیکھا کہ باوجود اُنکا اپنا امیر ہونیکے بھی اُنکو نعمت حکومت سے محروم رکھا جاتا ہے اور تمام معزز عہدے صرف اہل یورپ کے ہاتھوں میں ہیں اور دیئے جا رہے ہیں تو اُنھوں نے شاہ شجاع کے خلاف دوسرے قبائل سے بہت زیادہ خصومت و نفرت کا اظہار شروع کر دیا۔ دُرّانی سردار اکبر خاں نے ماہ جولائی ۱۸۴۱ء میں چھ ہزار کا لشکر ہلمند کے کناروں پر جمع کر لیا۔ یہ فوج چھ دستوں پر منقسم تھی

صفحہ ۴۰۵

باب نہم
فصل سوم

نہایت دوستانہ تھے۔ روسی مہم خیوا بالکل ناکام ہوچکی تھی۔ دوست محمد مع اپنے خاندان کے کلکتے میں نظربند و وظیفہ خوار تھا۔ اور بلوچستان کی بغاوت بالکل فرو کی جاچکی تھی۔ یہاں تک کہ سر ولیم میکناٹن نے یہ اطلاع بھیجدی تھی کہ دُرانیوں کی ناکیں بھی زمین پر رگڑ دیگئی ہیں اور تمام افغانستان پر ایسا امن وامان طاری ہے جیسا کسی ہندوستانی صوبے میں ہوتا ہے بلکہ اُسکا سکون حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ ایسے وقت میں اس سے بہتر معاملہ فہمی وتدبّر اور کیا ہوسکتا تھا کہ اس واپسی افواج کے مشورے پر فوراً عمل کیا جاتا۔ لیکن بدقسمتی سے اس مسئلے کا حل ہندوستانی گورنمنٹ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا تھا یعنے اُن لوگوں کے فیصلے پر منحصر رکھا گیا تھا جنھوں نے اس جنگ کے توڑ جوڑ لگائے تھے اور اُن سب کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ اس وقت میں شاہ شجاع کو انگریزی امداد سے محروم کردینا بے نظیر سیاسی بیرحمی ہوگی۔ لارڈ آکلینڈ کو یہ بات سمجھا دینے میں کیا دیر لگتی تھی کہ انگریزی فوجوں کو ہرگز اُس وقت تک واپس نہ بلایا جائے جب تک کہ شاہ شجاع کی حکومت پورے طور پر مستحکم نہو جائے۔ دراں حالیکہ سوائے برطانوی سفیر سر ولیم میکناٹن کے اور ہر شخص کی آنکھیں یہ دیکھنے کے لئے کھلی ہوئی تھیں کہ جب تک وہ انگریز جنکو عام افغانی مردود کافر پکارتے تھے ملک میں اپنی فوجوں کو مقیم رکھینگے اُس وقت تک شاہ شجاع کی حکومت ہرگز ہرگز قائم نہیں ہوسکیگی۔ غرض یہ کہ یہی طے کیا گیا کہ انگریزی فوجیں افغانستان ہی میں رہیں سپاہ کی قوت میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا جائے بلکہ اخراجات میں بھی کمی کیجائے اور مزید اخراجات کے لئے نیا قرضہ کھولا جائے ؎

تخفیف وبغاوت ۱۸۴۱ء

صفحہ ۷ بہم

تخفیف کا عملدرآمد یوں تجویز کیا گیا کہ سب سے پہلے سرداروں کے وظائف میں کمی کی جائے۔ اور وہی مہلک کارروائیاں اس وقت بھی کیجانی شروع ہوئیں جو اس تمام فوجکشی کے دوران میں ہر موقعہ پر کیگئی تھیں یعنے جو بات سب سے آخر میں کرنیکی تھی وہی سب سے اول کیجانے لگی۔ سب سے پہلے

باب نہم
فصل سوم

اس کے استحکام مزید کی کارروائی کی جائے۔ غلزیئوں نے اس کارروائی کی مخالفت کی اور بڑی فوج لیکر اُسکو روکنے کے لئے کوچ کیا لیکن کرنل وٹمیر نے اُسکا راستہ روکا اور بڑی سخت اور خونریز لڑائی ہوئی جو مغرب سے بھی پانچ گھنٹے بعد تک جاری رہی اور غلزیئوں کو شکست کامل نصیب ہوئی۔ اب ہر طرف کا طوفان بے تمیزی فرو ہو چکا تھا اور سر ولیم میکناٹن نے اپنی تمام دشواریوں کے اختتام پر اپنے تئیں مبارکباد دینی شروع کر دی تھی۔ لیکن میجر رالنسن نے مر ولیم کو اس خود فریبی سے نکالنے کی کوشش کی اور یہ یقین دلایا کہ تمام ملک میں انگریزوں کے خلاف ایک بغض وعناد کی روح پھنکی پڑی ہے اور افغانیوں کو پہلا موقع ہاتھ آتے ہی تمام ملک میں غدر پھوٹ پڑیگا۔

صفحہ۴۰۶

افغانستان پر قبضہ رکھنے کا عزم

ایسا موقع آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ افغانستان میں حفاظتی فوج رکھنے کے مصارف کا بار ہندوستانی خزانے پر بہت سخت پڑتا جا رہا تھا قبضہ رکھنے والی فوج کی تعداد پچیس ہزار سے کچھ ہی کم تھی اور سالانہ اخراجات کا موازنہ ڈیڑھ کرور ہوتا تھا۔ لارڈ ولیم بینٹنک نے جتنی دولت جمع کی تھی وہ سب اُڑ چکی تھی اور خزانے کا بالکل نچوڑ نکل گیا تھا اور مجلس انتظامیہ کو بھی تشویش پیدا ہو گئی تھی سنہ ۱۸۴۱ء کے اختتام پر مجلس انتظامیہ نے اپنے خیالات کا اظہار گورنر جنرل پر کیا اور صاف لکھدیا کہ یہ ظاہر ہے کہ نئے بادشاہ کی حکومت کو بغیر بہت بڑی فوج کے قائم نہیں رکھا جا سکتا ہے اسلئے فوج میں اضافہ کرنیکی بہت ضرورت ہے۔ مگر مجلس موصوفہ کی رائے میں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کو بالکل چھوڑ دیا جائے اور نہایت صاف الفاظ میں اپنی مشتہرہ غایت سے بے تعلقی کا آیندہ کے لئے اعلان کر دیا جائے۔ اسوقت جو صورت حالات تھی وہ انگریزی فوجوں کی واپسی کے لئے ہمیشہ سے زائد موزوں نظر آتی تھی۔ دربار ایران کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات

باب نہم
فصل سوم

جائے لیکن اس پر بھی درۂ خورد کابل میں سختی سے حملہ کیا گیا۔ مقام تیزین پر پہنچکر سر رابرٹ سیل نے ایک دستہ اس کام کے لئے متعین کیا کہ غلزئی سردار کے قلعے پر حملہ کرے اور اگر یہ قلعہ تسخیر ہو جاتا تو تمام سرکشی کا سر اچھی طرح کچل دیا جاتا لیکن چالباز سرداروں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو نرم گرم کر کے کچھ ایسا راضی کر لیا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ کرنے پر رضامند ہو گیا جسکی رو سے اُنکے تمام مطالبات اُنکو حاصل ہوئے جاتے تھے۔ اُنکے وظیفے پھر بحال کر دئے گئے اور دس ہزار روپیہ اور بھی اُنکو دیا گیا لیکن یہ بغاوت بجائے فرو ہونیکے اس اظہار کمزوری سے اور بھی بڑھ گئی۔ غلزئیوں نے ظاہرا تو اطاعت قبول کر لی مگر خفیہ طور پر اپنے ایلچی آگے والے قبیلوں کے پاس بغاوت کرنیکے لئے بھیجدئیے اور سر رابرٹ سیل کو گندمک تک پہنچنے کے لئے چپہ چپہ زمین پر لڑ بھڑ کر گزرنا پڑا اور گندمک پہنچکر اُسے معلوم ہوا کہ اُسکا رابطہ دارالحکومت سے بالکل قطع ہو چکا تھا اور تمام ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی تھی ؂

سر الکزنڈر برنس کا قتل

سر ولیم میکناٹن کو اپنی حسن خدمات افغانستان کے صلے میں گورنر بمبئی بنا دیا گیا تھا اور وہ شروع ماہ نومبر ۱۸۴۱ء میں کابل سے روانہ ہونیکی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس سے پہلے مہینے میں اگرچہ معاشرت کی عام حالت نہایت پر سکون نظر آ رہی تھی مگر خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعے سے انگریزوں کو بالکل نکال باہر کرنیکے لئے ایک عام برادری قائم کی جا رہی تھی جسمیں تقریباً ہر قبیلے کا سردار شامل تھا۔ سفیر برطانیہ کو سوائے سر الکزنڈر برنس کے تمام دیگر تجربہ کار اور باخبر حکام نے اس منڈلاتے ہوئے طوفان سے آگاہ کر دیا تھا مگر وہ اب تک اُسی خود فریبی میں مبتلا تھا کہ ملک پر غیر معمولی سکون و امن طاری ہے اور غلزئیوں کی بغاوت کو ایک مقامی طوفان بے تمیزی سمجھتا تھا۔ یکم نومبر ۱۸۴۱ء کی شام کو سر الکزنڈر برنس اپنی جائے قیام سے سفیر برطانیہ کو یہ مبارکباد دینے اُسکی جائے قیام پر آیا کہ وہ ملک کو ایسے امن و سکون کی حالت میں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہے۔

صفحہ ۴۰۸

باب نہم
فصل سوم

مشرقی غلزئیوں کو کابل میں طلب کیا گیا اور اُنکو یہ اطلاع دی گئی کہ مصالح سلطنت کا تقاضا یہ ہے کہ اُنکے وظائف میں لازمی طور سے کمی کر دی جائے۔
اس وقت میں جو وظائف انگریزوں کی طرف سے دئے جاتے تھے یہی وظائف زمانۂ قدیم سے ہر حکمران کابُل کی طرف سے دئے گئے تھے اور کوہستانی قبیلے ان وظائف کو اپنا آبائی ورثہ سمجھنے کے عادی ہوگئے تھے۔ یہ کوہستانی قبیلے ایک شان بے نیازی کے ساتھ افغانی سیاسیات سے اپنے تئیں بے تعلق رکھتے تھے اور جب تک اُنکے اِن موروثی حقوق میں مداخلت نہیں کی جاتی تھی اُس وقت تک اُنھیں گاؤ آمد و خرفت سے کوئی بحث نہیں ہوتی تھی۔ جن وظائف میں اِس وقت تخفیف کی جارہی تھی اُنکی کفالت برطانوی گورنمنٹ نے اُس وقت کی تھی جبکہ ملک پر قبضہ کیا جارہا تھا اور ان قبیلوں نے اپنی طرف سے اپنے معاہدات کی پابندی بڑی ایمانداری کے ساتھ اب تک کی تھی۔ ان کوہستانی قبیلوں نے انگریزی چوکیوں پر۔ یا ڈاک کے ہرکاروں پر یا کمزور فوجی دستوں پر یا کاروانوں پر کبھی اُنگلی بھی نہیں اُٹھنے دی تھی اور یہ سب ان کوہستانی راستوں سے جو دنیا میں سب سے زیادہ دشوار گزار تھے بے روک ٹوک گزرتے چلے جاتے تھے۔ ان سب نے اپنے وظائف کی تخفیف کی اطلاع ماہ اکتوبر ۱۸۴۱ء میں بلا عذر سن لی۔ برطانوی سفیر کو بڑے ادب سے سلام کیا اور رخصت ہوگئے۔ گھر پہنچتے ہی پہلا قافلہ جو اُدھر سے گزرا اُسے لوٹ لیا اور دروں کی ناکہ بندیاں کر دیں۔ ۳۵ ویں دیسی رجمنٹ جسکو کرنل من ٹیتھ کی سرکردگی میں ہندوستان واپس جانیکا حکم مل چکا تھا۔ اسکو یہ حکم سفیر برطانیہ نے دیا کہ ان دروں پر پیشقدمی کرکے اُن بدمعاشوں کو سزائے معقول دے اور ہندوستان کے راستوں کو کھول دے۔ لیکن اس رجمنٹ پر رات کے وقت حملہ کیا گیا اور اُسکا بہت سا خیمہ و خرگاہ لوٹ لیا گیا۔ سر رابرٹ سیل کو جو اُس فوج پر سپہ سالار مقرر ہوا تھا جو ہندستان کو واپس آرہی تھی یہ حکم دیا گیا تھا کہ پینتیسویں رجمنٹ کی کمک کے لئے

باب ۱۱
فصل سوم
صفحہ ۴۰۹

جنرل الفنسٹن

جنرل الفنسٹن جو تمام فوج کا سپہ سالار تھا شاہی فوج کا ایک بہادر بوڑھا افسر تھا مگر وہ اس اہم اور مخدوش منصب کے لئے اپنی جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے ہرگز موزوں نہیں تھا۔ بلکہ اپنے قلب کی کمزوری اور غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے بالکل ہی اہل نہیں تھا۔ کمانڈر انچیف کی سبکدوشی پر سر جیمز نکلسن نے جنرل نوٹ کو سپہ سالاری کے لئے تجویز کیا تھا مگر جنرل مذکور نے اسوجہ سے گورنر جنرل کی نارضامندی خرید لی تھی کہ وہ انگریزوں کی مخدوش حالت پر اپنی آزادانہ رائے بیباکانہ ظاہر کر دیا کرتا تھا اسلئے جنرل الفنسٹن سے اصرار کیا گیا کہ وہ اس عہدے کو قبول کرے دراں حالیکہ اُسکے رعشہ براندام اور فالج زدہ دستخط سے اسکا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا تھا کہ وہ ایسے ملک کی فوج کی سپہ سالاری کے ہرگز ہرگز قابل نہیں ہے جسمیں بغاوت کا مواد اچھی طرح پک چکا ہو۔ نظر بریں واقعات یہ ناممکن ہے کہ لارڈ آکلینڈ کو اُن مصائب کی جوابدہی سے بالکل بری الذمہ قرار دیدیا جائے۔ جو بعد کو پیش آئے اور جنکو تمام و کمال اس افسر کی ناقابلیت و نااہلیت سے منسوب کیا جاسکتا ہے جسکا انتخاب خاص لارڈ آکلینڈ نے ہی کیا تھا۔ برطانوی سفیر نے اس طوفان بے تمیزی کو بالکل حقیر سمجھا اور بے پروائی سے یہ کہدیا کہ یہ بہت جلد فرو ہو جائے گا اور جنرل الفنسٹن کو بھی اس وقت بیں مفت میں مشقت برداشت کرنے سے خلاصی مل جاتی تھی پھر بھلا وہ کیوں نہ سر ولیم کی رائے سے اتفاق کرتا۔ بہرحال یہ فیصلہ کیا گیا کہ بریگیڈیر شلٹن کا دستۂ فوج جو سیاسنگ کی چوٹی پر خیمہ زن تھا بالاحصار پر بھیجا جائے اور اگر ممکن ہو تو سر الکزنڈر برنس کو بھی کچھ کمک بھیجی جائے کیسی سیاسی یا فوجی حاکم کی طرف سے ایسی کوشش نہیں کیگئی کہ سر الکزنڈر کی جان بچانیکی ضرورت سمجھی جائے ورنہ صرف ڈیڑھ میل کا سیدھا راستہ بلا روک ٹوک طے کرکے آسانی سے دونوں بھائیوں کی جانیں بچائی جاسکتی تھیں۔ ایسے نازک موقع پر جبکہ ایک ایک لمحہ بھاری ہو رہا تھا گھنٹے کے گھنٹے شاہ شجاع کے ساتھ اس مباحثے میں ضائع کر دئیے گئے کہ بریگیڈیر شلٹن کو بالاحصار میں داخل ہونے دیا جائے۔ اور جب اسکا تصفیہ ہوگیا تو بریگیڈیر موصوف نے

باب نہم
فصل سوم

عین اسی وقت میں بہت سے سازشی ایک گھر میں بغاوت کے منصوبے طے کرنیکے لئے جمع ہو رہے تھے اور ۲۔ نومبر ۱۸۴۱ئہ کی صبح کو سر الگزنڈر کے قیام گاہ کو باغیوں نے گھیر لیا اور زور زور سے نعرے لگانے شروع کر دئے۔ برنس نے فوراً ایک قاصد چھاؤنی سے امداد طلب کرنیکے لئے بھیجا اور خود بالاخانے پر چڑھ گیا اور وہاں سے شورش پسندوں سے چکنی چپڑی باتیں کرنے لگا اور اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے فدیے میں بڑی بڑی رقمیں دینے کا وعدہ کیا مگر وہ سب تو صرف اُسکے خون کے پیاسے تھے۔ سر الگزنڈر برنس تمام برطانوی افسروں میں افغانیوں کو نہایت ناپسند تھا کیونکہ بہت سے برطانوی حکام نے اپنے میل جول اور خوش مزاجی سے اعلیٰ درجے کی نیک چلنی سے افغانیوں کے دلوں میں بہت کچھ عزت پیدا کرلی تھی۔ بہرحال برنس کو اُسکے ایک غدار کشمیری نوکر نے دھوکا دیکر اسکے پائیں باغ میں پہنچا دیا اور وہاں اُسکے اور اُسکے بھائی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گئے۔ اسکے بعد باغی کپتان جونسن کے قیام گاہ کی طرف چلے جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ ایک حماقت یہ کی گئی تھی کہ کپتان جونسن کو جو شاہ شجاع کی فوج کا بخشی تھا یہ اجازت دیدیگئی تھی کہ وہ اپنی تحویل کو اسی مکان میں منتقل کرلائے۔ باغیوں نے اس گھر میں سے دو لاکھ کی رقم لوٹ لی اور پھر بہت سے دوسرے حکام کے مکانات میں بھی آگ لگا دی۔ ابتدائً شورش پسندوں کی تعداد ایکسو سے زائد نہیں تھی مگر جوں جوں ادھر مال غنیمت ان کے ہاتھ پڑنے لگا اُس سے اُنکی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا اور ذرا سی دیر میں تمام شہر میں ایک وحشت ناک ہلچل مچگئی۔ جتنے سردار سازش میں شریک تھے انھیں اپنی کامیابی کا اتنا کم بھروسا تھا کہ انھوں نے اپنے گھوڑے کسے ہوئے تیار کھڑے کر رکھے تھے کہ انگریزی فوج کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں۔ بعد کو اُن سب نے یہ اقبال کیا تھا کہ اگر ابتدائے شورش پر ذرا سی بھی سرگرمی کا اظہار انگریزوں کی طرف سے ہو جاتا تو تمام بغاوت فوراً فرو ہو جاتی۔ مگر یہاں سے کچھ کوشش ہی نہیں کیگئی تر

باب نہم
فصل سوم

دیواروں پر چڑھے ہوئے سپاہی اور فوجی افسر نہایت نفرت و حقارت کے اشتعال کے ساتھ یہ دیکھ رہے تھے کہ جن ذخائر رسد پر ان فوجوں کی سلامتی کا انحصار تھا اُن پر افغانیوں کا ایک جم غفیر چیونٹیوں کی طرح چمٹا ہوا ہے اور بے تکلف اٹھا اٹھا کر لئے جا رہا ہے۔

جنرل سیل اور جنرل نوٹ

جنرل سیل کے پاس گندمک میں سر ولیم میکناٹن کا حکم واپسی کابل کا پہنچا مگر جنگی مجلس مشاورت منعقد کرنے پر یہ طے پایا کہ فوج کی حالت اسقدر سقیم ہو رہی ہے اور درمیانی دروں کی باغیوں نے ایسی پوری ناکہ بندی کر رکھی ہے کہ کابل جانیکی کوشش میں یقیناً تمام فوج تباہ ہو جائیگی اسلئے جلال آباد پر پیشقدمی کی جائے۔ جنرل نوٹ کو یہ عذر ہوا کہ اُسکی فوج پانچ یا چھ ہفتے سے پہلے کابل نہیں پہنچ سکتی اور غزنی کے بعد اُسے چپہ چپہ زمین پر لڑائی لڑنی پڑے گی اور برف سے ڈھکے ہوئے راستوں سے گزرنا ہوگا چنانچہ وہ ایسی سقیم حالت میں کابل پہنچیگی کہ وہاں بہت کم کارآمد ثابت ہوسکیگی۔ بہرحال اُسنے اپنی تین رجمنٹیں بھیج بھی دیں مگر وہ تینوں راستے میں برف گرتے ہی واپس آگئیں۔ اب کابل میں غیر معمولی سرگرمی سے یہہ کوشش ہونے لگی کہ قرب وجوار کے مواضع سے رسد کا کوئی انتظام کیا جائے اور بغاوت کے چار دن بعد جنرل الفنسٹن نے برطانوی سفیر کو اطلاع دی کہ ہم عارضی طور سے اپنی مشکلات پر غالب آتے چلے ہیں اور کچھ دن میں پورے طور سے غالب آجائینگے۔ اور باوجودیکہ اس وقت صرف پانچہزار فوج اُسکی سرکردگی میں تھی مگر تغافل شعار جنرل کا کہنا اب بھی یہی تھا کہ ہماری حالت ابھی تک مایوس کن نہیں ہے البتہ رفتار واقعات بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ سر ولیم میکناٹن نے جب یہ دیکھا کہ اب انگریزی فوج کی عزت و سلامتی معرض خطر میں آچکی ہے تو اُسکو مجبور ہوکر یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ باغی سرداروں کے ساتھ تحریک صلح کرے۔ چنانچہ اُسنے اپنے میر منشی موہن لال کے ذریعے سے اول ایک لاکھ۔ پھر دو لاکھ تین لاکھ اور پانچ لاکھ تک اُنکو دینا چاہا لیکن جیسا کہ خیال تھا اس تازہ علامت کمزوری سے باغیوں کی کبر و نخوت میں اضافہ

باب ہم فصل سوم

سوائے اسکے اور کچھ نہیں کیا کہ کرنل کیمبل کی پسپائی کو اپنی زد میں لے لیا جو مع شاہ شجاع کی ہندوستانی فوج کے سرالکزنڈر کی خلاصی کے لئے گیا تھا اور وہاں سے بڑی طرح پسپا ہوکر آرہا تھا ؛

برطانوی سفیر اور سپہ سالار کی سہل انگاریاں

اس مصیبت کے پہلے دن کی شام کو بجائے اسکے کہ جنرل الفنسٹن سرگرمی کے ساتھ دوسرے دن کے لئے تجویز عمل مرتب کرتا اُسنے سفیر کو صرف یہ لکھکر بھیجدیا کہ ہمکو انتظار کرنا چاہیئے کہ کل کی صبح اپنے ساتھ کیالاتی ہے اُس وقت ہم سوچ لینگے کہ کیا کیا جاسکتا ہے ۔ مگر دوسرے دن بھی سوائے اسکے کچھ نہیں کیا گیا کہ دوپہر کے تین گھنٹے بعد ایک مختصر سی فوج کے ساتھ شہر کے اندر گھسنے کی ایک کمزور سی کوشش کی گئی مگر جو ہزار در ہزار مسلح آدمی شہر میں اب تک کی کامیابیوں سے بلند ہمت ہوگئے تھے اُنھوں نے اس فوج کو بُری طرح پسپا کردیا ۔ بغاوت سے تیس گھنٹے کے اندر سرولیم میکناٹن پر بے حد مایوسی طاری ہونی شروع ہوگئی اور اُسنے جنرل نوٹ اور جنرل سیل کو خطوط لکھے کہ فوراً امداد کے لئے انکو فوجیں سفیر برطانیہ کے پاس پہنچائیں ۔ بالاحصار کو چھوڑ کر میدانی نشیبوں میں چھاؤنیاں قائم کرنیکی مہلک فروگذاشت اب اچھی طرح ظاہر ہونی شروع ہوگئی فصیلیں جو تعمیر کیگئی تھیں وہ ایسی حقیر تھیں کہ ایک ٹٹو انکو پھلانگ سکتا تھا اور قرب وجوار کی پہاڑیوں اور گڑھیوں سے ان چھاؤنیوں پر ایسی زد پڑتی تھی کہ فوجیں بغیر ہدف آتشباری بنے ان میں سے نکل نہیں سکتی تھیں ۔ ذخائر رسد جن پر فوج کا تمام دارومدار ہوتا تھا بجائے اسکے کہ خاص چھاؤنی کے اندر رکھے جاتے وہاں سے چارسو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے قلعے میں رکھے گئے تھے جسکی حفاظت کے لئے صرف اسی سپاہی متعین کئے گئے تھے ۔ تن آسان سپہ سالار نے اِن ذخائر کو بچانیکی سرگرم کوشش کرنیکے بجائے یہ گوارا کرلیا کہ دشمن اس قلعے پر سرنگ کے ذریعے سے پہنچگیا ۔ قلعہ دار نے جب دیکھا کہ اُسکی امداد کی کوئی کوشش نہیں کیجاتی تو وہ بھی مجبوراً اس قلعے کو خالی کرکے اپنی جان بچالایا ۔ اور چھاؤنی کی

صفحہ ۴۱۰

ہو گئے کہ چھاؤنی کو سخت نقصان پہنچا سکیں اور سفیر کی عاجزانہ تمناؤں کے بعد بریگیڈیر شلٹن افغانیوں کے اس پہاڑی سے قدم اکھاڑنے کے لئے باہر نکلا۔ جو سردار اس افغانی فوج کی قیادت کر رہا تھا مارا گیا اور تمام دستے پر ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ وہ ابتری کی حالت میں شہر کی طرف فرار ہو گئے۔ سفیر اُسوقت سپہ سالار کے برابر کھڑا ہوا چھاؤنی کی دیواروں پر سے تماشا دیکھ رہا تھا اور اُسنے سپہ سالار سے بہت اصرار کیا کہ اس وقت میں تعجیل سے کام لے اور اس موقع سے فائدہ اُٹھانیکے لئے فوراً مزید فوج بھیجدے مگر سپہ سالار نے بے پروائی سے یہ کہکر ٹال دیا کہ یہ ایک پروحشت منصوبہ ہے۔ بہر حال دشمن کو یہ موقع مل گیا کہ اُسنے پھر اپنے حواس مجتمع کئے اور ایکدفعہ المضاعف جوش و خروش کے ساتھ لوٹ پڑا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی پلٹن کے ایکدم سے پاؤں اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس بھاگ دوڑ میں مفرورین و متعاقبین اس قدر خلط ملط ہو گئے تھے کہ اگر افغانی چاہتے تو بڑے مزے میں چھاؤنیوں پر بھی قبضہ کر لیتے مگر افغانی سرداروں نے فتح کابل پاکر اپنے سپاہیوں کو علٰحدہ کر لیا۔ اس شکست سے تمام فوجی کارروائیوں کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ ان تین ہفتوں کی مصیبتوں کو بالکل جائز طریقے پر دونوں انگریزی قائدوں کے باہمی رشک و حسد اور مشترک بدانتظامی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ غرض یہ کہ آیندہ کے لئے تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ فوج کے بالکل چھکے چھوٹ گئے اور تمام لشکر پر مایوسی و بد دلی طاری ہو گئی ٭

باب نہم
فصل سوم
صفحہ ۱۱۴

ہو گیا۔ سپہ سالار کی قطعی نا قابلیت کی وجہ سے قلعہ بند فوج کی تباہی ہر لحظہ یقینی ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن کچھ موہوم سی امید اس سے بندھتی تھی کہ اگر بریگیڈیر شلٹن کو جو ۲۔ نومبر ۱۸۴۱ء سے بالا حصار میں فوج لئے پڑا تھا طلب کر کے شریک قیادت کر دیا جائے تو کچھ کام چل جائیگا۔

بریگیڈیر شلٹن

بریگیڈیر شلٹن بڑی ہمت والا افسر تھا جسکو اپنی پامردی و استقلال کی وجہ سے خاص امتیاز حاصل تھا اور ۹۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو اُسکے آکر شریک ہو جانیسے فوج کے بجھے ہوئے دلوں میں ایک تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ لیکن بہت ہی جلد یہ ظاہر ہو گیا کہ بریگیڈیر موصوف کی تنک مزاجی ایسی بلا تھی کہ جس سے اُسکے تمام اوصاف کا عدم و وجود برابر ہو جاتا تھا۔ اگر وہ یکجہتی کے ساتھ بوڑھے سپہ سالار کے ساتھ اتحاد عمل کر سکتا تو وہ یقیناً فوج کو تباہی سے بچانے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اُسکی ضدی طبیعت کی وجہ سے جو اختلاف و نفاق پیدا ہوتا جا رہا تھا اُسنے صورت معاملات کو بالکل ہی مایوس کُن بنا دیا تھا۔ اب بھی ایک مفر باقی رہگیا تھا جسمیں فوج کی سلامتی اور تباہی سے بچ جانیکی یقینی صورت نظر آ رہی تھی اور وہ یہ تھا کہ ناقابل تسخیر بالا حصار میں فوراً جا کر پناہ لی جائے۔ شاہ شجاع برابر اس قسم کی نقل و حرکت پر اصرار کر رہا تھا اور سفیر اور سپہ سالار دونوں شاہ شجاع کی اس تحریک سے متفق تھے مگر بریگیڈیر شلٹن اصرار کے ساتھ اس پر عمل کرنے سے انکار کئے گیا اور اپنے لغو استدلال پر برابر اڑا رہا اور پندرہ ہزار جانوں کی قسمت کے فیصلے کے ساتھ اُسکا نام ہمیشہ ذلت کے ساتھ لیا جاتا رہیگا۔

آخری آویزش

اسمیں کچھ لطف نہیں آتا کہ اُس طویل اور پُر درد فہرست کو بالتفصیل لکھا جائے جسمیں تابڑ توڑ حماقتوں پر حماقتیں ایسی ہوتی رہیں جنسے افسروں کے دل ٹوٹ گئے سپاہیوں کے چھکّے چھوٹ گئے اور تمام فوج کی بربادی کے سب سامان مہیا ہو گئے۔ ۲۳۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو افغانیوں نے بہمرو کی پہاڑیوں پر مورچہ باندھا جہاں سے وہ اس قابل

باب نہم
فصل چہارم

کہ برطانوی فوج کو تلوار کے زور سے اپنی رسد رسانی کا انتظام کرنا چاہیئے مگر پست ہمت سپہ سالار نے صرف یہی جواب دیا کہ اب تو سلامتی صرف اسی میں رہ گئی ہے کہ کسی طرح اس ملک سے ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کا راستہ لیں۔ ٹر

صلحنامہ ۱۱۔ دسمبر ۱۸۴۱ء

اب تمام فوج کے سر پر فاقہ منڈلا رہا تھا۔ ۱۱۔ دسمبر ۱۸۴۱ء کو صرف مبارز طلبوں کے لائق ایک دن کی خوراک باقی رہگئی اور سفیر کو پھر نائثہ و پیام کرنیکی ایک اور کوشش کرنی پڑی اور مجبور ہوکر وہ تمام شرائط منظور کرنی پڑیں جو افغانیوں نے عائد کرنی پسند کیں۔ یہ شرطیں نہایت ذلت آمیز تھیں۔ یعنے جلال آباد۔ قندھار۔ کابل اور غزنی کی فوجوں کو فوراً ملک خالی کردینا اور افغانیوں کی طرف سے اُنکے راستے کے لئے ہر قسم کی رسد و باربرداری کا انتظام کیا جانا۔ دوست محمد اور اُسکے تمام خاندان کو خلاصی دی جانی۔ شاہ شجاع کے یہ اختیار میں تھا کہ خواہ کابل میں رہکر بطور نظربند کے وظیفہ لئے جائے خواہ انگریزی فوج کے ساتھ واپس چلا جائے۔ فوج کو کابل تین دن کے اندر چھوڑ دینے کی تاکید تھی اور اس اثنا میں اُسکی رسد وغیرہ کا پورے طور سے انتظام تھا۔ اور چار افسروں کو بطور یرغمال کے سپرد کر دینے کی بھی قید تھی۔ برطانوی ہند کی تاریخ میں اس سے زائد ذلت آمیز کوئی معاہدہ کبھی نہیں ہوا۔ لیکن اُسکی تائید کرنیکے لئے سر ولیم نے مندرجۂ ذیل اندراج اپنے روزنامچے میں کیا تھا۔

صفحہ ۳۱۴

ہم چالیس دن تک اپنے سے بہت زیادہ تعداد کے ساتھ مصروف جنگ رہ چکے ہیں گردوپیش کے حالات ہمارے نہایت ناموافق رہے ہیں۔ ہمارا نقصان جان اتنا ہوچکا ہے کہ اُسپر دل روتا ہے اور ایک یا دو دن میں ہم بھوکوں مرجائینگے۔ جن شرائط پر ہمنے معاملہ طے کیا ہے اُن سے بہتر ممکن نہیں تھیں کیونکہ اگر ان شرائط کو منظور نہیں کیا جاتا تو پندرہ ہزار جانوں کا نقصان ہمارے ملک کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔

باب نہم

فصل چہارم

صفحہ ۱۲۴۱

لارڈ آکلینڈ کا عہد حکومت جنگ افغانستان۔ انگریزی فوج کا استیصال کابل

نامہ و پیام

۲۳- نومبر ۱۸۴۱ء کی معصیبت کے تین دن بعد شاہ شجاع نے سفیر سے یہ التجا کی کہ بالاحصار میں آکر پناہ لیلے اور خاصکر فوجی سرداروں سے شاہ موصوف نے بہت ہی اصرار کیا مگر وہ سب کے سب اس تجویز کو نامنظور ہی کرنے پر اڑے رہے اور سپہ سالار نے ایک ضابطے کے خط میں شاہ شجاع کو یہ اطلاع بھی دیدی کہ اب اس ملک میں انگریزوں کا رہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلئے پھر سر ولیم کو افغانی سرداروں کے ساتھ مجلس شوریٰ منعقد کرنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن جب اُن سب نے انگریزوں کو انتہائی حالت پر پہنچا ہوا پایا تو نہایت تمکنت کے ساتھ صرف یہ ایک شرط پیش کی کہ تمام انگریزی فوج بلا شرط ہتھیار ڈال دے اور تمام آلات حرب و ذخائر وغیرہ حوالے کر دے۔ چنانچہ گفتگوئے صلح پھر منقطع ہوگئی۔ اسکے ایک ہفتے بعد دوست محمد کا سب سے لائق بیٹا اکبر خاں جو بڑی ہمت والا نوجوان سپاہی تھا مگر نہایت شعلہ خو اور آتش مزاج تھا کابل میں وارد ہوا اور قومی برادری نے اُسکو فوراً اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ اکبر خاں نے فوراً یہ محسوس کر لیا کہ تمام برطانوی فوج کو بالکل تباہ کر دینے کے لئے صرف اسکی ضرورت ہے کہ اُنکی رسد کو بالکل بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اُسنے تاکیدی اعلان کر دیا کہ جس کسی نے انگریزی فوجوں کو رسد بہم پہنچائی اسکو سزائے موت دی جائیگی۔ سفیر نے جب فوج کی تباہی کو ناگزیر سمجھا تو پھر سپہ سالار سے التجائیں شروع کیں کہ بالاحصار میں پناہ لیلے لیکن جنرل نے پھر اس مشورے پر کاربند ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر سفیر نے یہ تجویز کی

باب نہم
فصل چہارم

جی چاہے اٹھوا لیجائیں اور بیچارے سپاہی اور افسر ٹکر ٹکر دیکھتے تھے اور دم نہیں مار سکتے تھے۔ یہ سب کچھ تو ہوتا رہا مگر انگریزی فوج کو جو رسد پہنچائی جارہی تھی وہ اتنی کم تھی کہ سپاہیوں کا پیٹ بھی مشکل سے بھر سکتا تھا اور اکبر خاں اور اسکے سرداروں نے رسد رسانی اور کوچ کے لئے باربرداری میں صرف خست ہی نہیں برتی بلکہ اپنے مطالبات کو بھی بڑھانا شروع کردیا۔ اور اسپر اصرار کیا کہ ہر قسم کا سامان حرب و دیگر ذخائر حوالے کردئے جائیں اور تمام شادی شدہ انگریزی خاندانوں کو اول میں دیدیا جائے۔ یہ حالت دیکھکر سر ولیم میکناٹن نے اپنے میر منشی کو ہدایت کی کہ دوسرے قبیلوں سے نامہ و پیام کرے اور انھیں یہ اطلاع دیدے کہ اگر کوئی قبیلہ بھی اسپر راضی ہوجائے کہ وہ شاہ شجاع کو اپنی حمایت میں لے لیگا تو انگریز لوگ اکبر خاں کے بدعہد قبیلۂ بارکزئی سے تمام تعلقات منقطع کرنیکو تیار رہیں۔ اس نازک موقع پر جبکہ ہر طرف سے ڈرانیوالے خطرات چھائے چلے جارہے تھے سر ولیم میکناٹن کے پاس اکبر خاں کی طرف سے ایک تازہ پیام یہ پہنچا کہ برطانوی فوج کو آئندہ موسم بہار تک جانا نہیں چاہیئے۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی تجویز تھی کہ شاہ شجاع کو امیر افغانستان رہنے دیا جائے اور اکبر خاں کو اسکا وزیر بنا دیا جائے اور برطانوی گورنمنٹ اکبر خاں کو فوراً تیس لاکھ روپیہ یکمشت دے اور سالانہ چار لاکھ روپے کا وظیفہ دیا کرے۔ اس بری گھڑی میں اپنی جان و عزت کو بچانیکی خاطر سفیر نے اپنی تحریر کے ذریعے سے ان تجاویز کو بھی منظور کرلیا اور اس مجلس شوریٰ میں بھی شریک ہونے کا وعدہ کرلیا جو اسکے متعلق دوسرے دن منعقد ہونے والی تھی۔

صفحہ ۴۷۴

سفیر کا قتل جنرل الفنسٹن کی رائے میں یہ تمام تجویز کسی سازش پر مبنی تھی اور اس مجلس شوریٰ میں شرکت کرنے سے اسنے سفیر کو باز رکھنا چاہا مگر اسنے گھبراہٹ کے لہجے میں صرف یہ جواب دیدیا۔
آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ

باب نہم
فصل چہارم

لیکن بد قسمت سفیر کی اصلی حیثیت کو مستند ترین مورخ مسمی کے ای نے اس سے بھی زیادہ صداقت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہر طرف سے مصیبتوں اور بلاؤں میں محصور ہو کر۔ گراں بار ذمہ داریوں کے بوجھ کے تلے دبکر جنہیں کوئی اور حصہ بٹانیوالا نہیں تھا۔ جبکہ اُسکے ملک کی عزت کی کشتی بھنور میں تھی اور غداری پر آمادہ دشمن اُسکے تعاقب میں تھا۔ سفیر برطانیہ کو مجبور ہو کر اپنے شرکائے مصیبت کی کمزوری کی وجہ سے صلح کے لئے نامہ وپیام کرنا پڑا۔

اس ذلت آمیز اقرارنامے کی تمام وکمال ذمہ داری جنرل الفنسٹن اور میجر شلٹن پر عائد ہوتی ہے جن دونوں سے زیادہ کوئی شخص اُن مناصب کا نا اہل نہیں ہوسکتا تھا جن پر یہ دونوں سرفراز تھے۔

ایک کی ناقابلیت اُسکی جسمانی کمزوری اور خلقی بزدلی کی وجہ سے اور دوسرے کی نااہلیت اُسکی ناقابل اعتبار ضد اور ہٹ کے کارن تھی۔ سر رابرٹ سیل کو جلال آباد میں جو شاندار کامیابی میسر آگئی تھی وہ اچھی طرح ثابت کررہی ہے کہ اگر تمام اُن وسائل کو جن پر دسترس ممکن تھی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ کام میں لایا جاسکتا اور کام لینے والے اپنے میں کچھ قابلیت و اہلیت رکھتے ہوتے تو کابل کی فوج کی حالت کیسی آسانی سے سنبھل جاتی۔

صلحنامے کی خلاف ورزی

بہر حال افغانیوں کا ہر گز یہ ارادہ نہیں تھا کہ صلحنامے کی کسی شرط کی تعمیل کریں یا کسی یورپین کو بھی جیتا بچکر نکل جانے دیں۔ بالاحصار میں جو تھوڑی سی فوج تھی اُسنے بھی اُس قلعے کو ۱۳۔ نومبر ۱۸۴۱ع کو خالی کر دیا۔ چھاؤنی کے قرب وجوار میں جتنے قلعے تھے وہ سب حوالے کردئے گئے اور جلال آباد اور دوسرے فوجی مستقروں کے سپہ سالاروں کے نام کے احکام واپسی سفیر کی طرف سے لکھے جاکر اکبر خاں کے حوالے کردیئے گئے۔ افغانی سرداروں کو یہ اجازت دیدیگئی تھی کہ وہ خود مخزن حرب ورسد میں گھس جائیں اور جو کچھ اُنکا

کے شفا خانے میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت میجر پوٹنگر نے سفیر کا سیاسی منصب قبول کیا اور جنگی مجلس شوریٰ اُن شرائط پر غور کرنیکے لیئے منعقد کی جن پر اب پھر افغانی سرداروں نے فوج کو پشاور تک سلامتی سے پہنچا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سر ولیم کے ساتھ جو شرطیں طے کی گئیں تھیں اُنمیں اور ان شرطوں میں خاص طور سے مزید نذرانوں اور مطالبوں کا فرق تھا جو افغانی سردار خاص اپنی ذات کے لیئے چاہتے تھے۔ ہرات کے سورما نے ان ذلت آمیز مراعات کے منظور کرنے سے نفرت کے ساتھ انکار کیا اور تمام افسروں پر یہ زور دیا کہ وہ بھی نفرت و حقارت کے ساتھ اُنکو مسترد کر دیں میجر پوٹنگر کی ہمت اب بھی تمام سپاہ کو بچا سکتی تھی لیکن جنگی مجلس کسی طرح لڑائی لڑنے پر راضی نہیں تھی اور نئے صلحنامے کو بھی بلا چون وچرا کے منظور کر لیا گیا۔ جیسی کہ امید تھی افغانی سرداروں نے اپنے مطالبات کو بڑھانا شروع کیا اور یہ تقاضہ کیا کہ زر نقد کی قسم سے ایک ایک پیسہ اور ہتھیار کی قسم سے سوائے چھ ضرب کے ایک ایک توپ اور بندوق اُنکے حوالے کر دی جائے اور جتنے شادی شدہ افسر تھے وہ مع اپنے بال بچوں کے کابُل کی نظربندی میں بطور یرغمال کے چھوڑ دیئے جائیں۔ اسی زمانے میں جلال آباد اور پشاور سے اس مضمون کے خطوط موصول ہو چکے تھے کہ کمک کی سپاہ مارا مار چلی آرہی ہے اسلیئے کابُل کی محصور فوج کو کچھ دن دم خم اور قائم رکھنا چاہیئے۔ ساتھ ہی اسکے ایسی اطلاعیں بھی مل چکی تھیں کہ خود افغانی سرداروں میں پھوٹ پڑنے لگی ہے اور میجر پوٹنگر نے اس ایک شعاع امید کی روشنی سے ہی فائدہ اُٹھانیکا موقع دیکھکر تمام فوجی افسروں کو قسمیں دلائیں کہ ایک مردانہ وار کوشش کر کے یا تو بالاحصار پر قبضہ کر لیں یا راستہ چیرتے ہوئے جلال آباد جا لیں۔ لیکن چھاؤنی کے شیطان بریگیڈیر شلٹن نے پھر ان دونوں تجویزوں کو مطلقاً ناقابل عمل و محال ہی قرار دیا۔ اسلیئے صلحنامے کی تکمیل کرنی ہی پڑی اور تمام چھوٹے ہتھیار۔ تمام توپیں اور تمام باربرداری کی گاڑیاں وغیرہ درانحالیکہ کل فوج کی زبان سے

باب نہم
فصل چہارم

جان جوکھم کا معاملہ ہے لیکن اگر یہی تجاویز بار آور ہو گئیں تو یہ جان جوکھم بھی یہی مجھے سو مرتبہ مرجانا قبول ہے مگر پھر ایسے چھ ہفتے گزارنے منظور نہیں جیسے گزر چکے ہیں۔

۲۳- دسمبر ۱۸۴۱ء کی دوپہر کو سر ولیم میکناٹن اپنے تین افسر اور چھ خاص محافظ لیکر مقام مشاورت کی طرف روانہ ہوا جو چھاؤنی سے صرف چھ سو گز کے فاصلے پر ایک پہاڑی کی ڈھال تھی جہاں برف پر اکبر خاں نے کچھ نمگیر بچھا لیے تھے۔ ابھی انگریزی افسران پر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہر ایک کو علٰحدہ علٰحدہ گرفتار کر لیا گیا اور ایک ایک سوار کی کاٹھی پر لاد کر سرپٹ شہر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ایک افسر راستے میں گر گیا تو وہیں اُسکے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ خاص سفیر کو اکبر خاں نے گولی سے مار دیا اور تمام غازیوں نے جھپٹکر اُسکی نعش کو قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ اس بُری طرح سر ولیم میکناٹن کا خاتمہ ہوا اگرچہ ایک عقل و انصاف سے عاری حکمت عملی کا شکار بنا ہوا تھا مگر جتنے افسروں نے بہادری و مردانگی کے ساتھ کمپنی کی خدمت میں اپنی جانیں قربان کیں اُنمیں سے کسی کے مقابلے میں وہ کمتر بہادر یا مردانہ نہیں تھا۔ سات ہفتے کی بے نظیر مصیبتوں اور بلاؤں کے دوران میں اُسنے ایسی ہمت اور ایسے استقلال کا ثبوت دیا جسکی نظیر کمپنی کی تاریخ میں معدوم ہے۔ کابل میں وہی ایک اہل قلم تھا مگر تمام کابلی فوج میں وہی سب سے زیادہ سپاہیانہ دل رکھتا تھا۔ وہ کئی سال تک مدراس کی فوج میں ملازم رہ چکا تھا اور اسمیں ذرا شبہ و شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس وقت بھی فوج کی قیادت وہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو جو بُرا دن دیکھنا فوج کو نصیب ہوا وہ ٹل جاتا۔

میجر پوٹنگر

سفیر کے قتل کا انتقام لینے کی انگریزی چھاؤنی سے کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اُسکی قیمہ قیمہ نعش کو بھی حاصل کرنیکی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ جسکو بڑی تشہیر کے ساتھ تمام شہر کابل میں گھسیٹا گیا۔ اب تمام آنکھیں میجر پوٹنگر کی طرف متوجہ ہو گئیں جو ابتدائے بغاوت کے وقت زخمی ہو کر مقام چریکار سے آیا تھا اور کس مپرسی کی حالت میں چھاؤنی

۱۸۴۱ع

یرغمال کا مطالبہ کیا جسکی تعمیل کی گئی۔ تجاک اور تیزین کے درمیان خورد کابل کا سنگلاخ درہ حائل تھا جسکا طول پانچ میل تھا اور اسقدر تنگ تھا کہ سورج کی کرنوں کا اسکے غار و مغاک تک بہت ہی کم گزر ہوتا تھا۔ پھر اسکی سطح پر بھی ایک تیز رو نالہ بہتا تھا جسے پورا درہ طے کرنے میں اٹھائیس دفعہ عبور کرنا پڑتا تھا اور اسی دشوار گزار تنگنائے میں لوگوں کا ایک بے ترتیب جم غفیر دیوانہ وار اس جد و جہد میں معروف تھا کہ کسی طرح اپنی جان سلامت لیکر نکل جائے۔ لیکن غلزئیوں نے ہر پہاڑی کی چوٹی پر سے اپنی قادر اندازی کے کرتب دکھانے شروع کیئے اور اپنی آٹھ سو گز مارنے والی بندوقوں سے اس تمام بھیڑ پر آگ برسانی شروع کردی یہاں تک کہ برف کی سردی اور آگ کی مار سے تین ہزار کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس خونریزی کے ہولناک منظر میں نازک بدن انگریز خاتونیں اپنے شیر خوار بچوں کو گود میں لیئے ہوئے افغانی گولیوں کی بوچھار سے بچنے کے لیئے اِدھر سے اُدھر ایک سراسیمگی کے عالم میں دوڑتی پھرتی تھیں ؀

فوج کا استیصال کامل | صبح کو اکبر خان پھر نازل ہو گیا اور کچھ رسد لاکر بیٹش کی اور افسروں کو چندے قیام کرنیکا مشورہ دیا۔

تمام فوج نے اس احمقانہ تجویز کی مخالفت کی مگر سپہ سالار نے ہر فہمایش کی طرف سے اپنے کان بند کر لیئے اور فوجوں کو مجبور ہو کر دن بھر برف کے اندر نکما پڑا رہنا پڑا۔ اکبر خاں نے پھر یہ تجویز کی کہ خاتونوں اور بچوں کو اسکی سپردگی میں دیدیا جائے تاکہ وہ اُنکو پشاور تک حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔ کابل سے روانہ ہونیکے بعد کوئی دانہ منکل سے اُڑکر اُن سب کے منھ تک گیا تھا۔ اُنکے جسم پر نہ کافی کپڑے تھے نہ برف سے ان کے محفوظ رہنے کا کوئی انتظام تھا۔ میجر پوٹنگر نے جواب اکبر خاں کا قیدی تھا یہ محسوس کر لیا کہ ان عورتوں اور بچوں کے واسطے ان مصیبتوں سے بچ رہنا محال ہو گا چنانچہ میجر موصوف کے مشورے کے مطابق

باب نہم
فصل چہارم

غصہ کے جلے نکل رہے تھے دشمن کے حوالے کر دیگئیں۔ ۴ جنوری ۱۸۴۲ء کو تصدیق شدہ صلحنامہ اٹھارہ افغانی سرداروں کی مہروں سے مزین ہو کر وصول ہوگیا۔ یہ صلحنامہ کمال نخوت کے ساتھ لکھوایا گیا تھا اور انگریزوں نے نہایت عجز و بے بسی کے ساتھ اُسے قبول کیا تھا۔ لہٰذا تھوڑے ہی دن بعد اسکی خلاف ورزی کرنے میں بھی افغانیوں کو کوئی تکلف و تردد نہ ہوا۔

فوج کی واپسی

۶ - جنوری ۱۸۴۲ء کو انگریزی سپاہ نے جو اب بھی ساڑھے چار ہزار مبارز طلبوں اور گیارہ ہزار دیگر لشکریوں پر مشتمل تھی اپنی منحوس پسپائی شروع کی۔ چونکہ زمین ٹخنوں ٹخنوں برف سے ڈھکی ہوئی تھی اسلیئے فوج کی سلامتی اُسکی تیز نقل و حرکت پر منحصر تھی۔ اگر دوپہر سے پہلے یہ سپاہ دریائے کابل کو عبور کرلیتی اور مستعدی سے آگے بڑھی چلی جاتی تو اسکو اُس مصیبت سے نجات مل جاتی جو پیش آنیوالی تھی۔ لیکن سپہ سالار کی بدانتظامی سے دستۂ عقب نے اُس وقت تک چھاونی کے دروازوں کو نہ چھوڑا جب تک کہ شام کا دھندلکا غالب نہ آگیا۔ فوج کے نکلتے ہی افغانی غازی اکدم جھپٹ پڑے اور چھاونی کی عمارتوں میں آگ لگادی اور اس پہلی شب بلا کو اُس ہولناک آگ سے روشن کر دیا۔ صبح کے وقت تک فوج میں سے پابندی ضابطہ کی طرف سے

صفحہ ۱۶۴

بے اعتنائی شروع ہوگئی اور یہ سپاہ کوئی باقاعدہ پسپائی اختیار کرنے والی فوج نہیں رہی بلکہ ایک بدحواس بے ترتیب انبوہ بنگئی۔ صرف تیز قدمی پر سلامتی کا دار و مدار رہگیا تھا مگر فوجی حکام کی حماقت سے کوچ کی دوسری شب کو ہی مقام بت خاک پر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ مردوں عورتوں بچوں۔ گھوڑوں اونٹوں۔ کا ایک انبوہ کثیر اس طرح بغیر خوراک آسمان کے سائے کے تلے برف کے فرش پر نہایت بے ترتیبی وابتری کی حالت میں پڑا ہوا انتہائے مصیبت و آفت کا ایک لاثانی منظر پیش کر رہا تھا۔ یکایک اکبر خاں پھر نمودار ہوگیا اور اُسنے فوج کی سلامتی اور سلامت روی کے ساتھ تیزین تک پہنچنے کے لیئے مزید

باب نہم
فصل چہارم

سپاہ میں سے سوائے ایکسو بیس اسیران جنگ کے صرف یہی ایک شخص شہیدان جفا کا حال بیان کرنیوالا باقی بچکر نکل آیا تھا ؛

اس حادثۂ ہائلہ کے اثرات

تمام فوج کے استیصال کامل سے برطانوی قوت پر ہندوستان میں ایسی شدید ضرب لگی تھی کہ اُسکا علاج محال نظر آتا تھا۔ لیکن برطانیہ کی حکومت ایسے استحکام کے ساتھ قائم ہو چکی تھی کہ اس ناکامی سے دیسی رئیسوں کی طرفسے اُس اظہار مخاصمت کی نوبت نہیں آئی نہ ہندوستانی طبقے میں کوئی ایسی ہلچل پڑی جو ۱۸۰۴ء کی کرنل مونسن کی فوج کی تباہی سے۔ یا ۱۸۱۴ء کی نیپال کی ناکامی سے یا ۱۸۲۵ء میں برھما کی رفتار پیشقدمی کے سست پڑجانے سے پیدا ہو گئی تھی۔ اگرچہ مصیبت ایسی سنگین تھی کہ لارڈ آکلینڈ بالکل دل پکڑ کر بیٹھگیا تھا مگر مندرجۂ ذیل اعلان شائع کرنے پر اُسکی ہمت بندھائی گئی۔

گورنر جنرل کی رائے میں برطانوی سپاہ کے ایک حصے پر مصیبت کا نازل ہو جانا سلطنت برطانیہ کے واسطے ازسرنو اپنی سرگرمی اور زبردستی کے اظہار کرنیکا ذریعہ مل جاتا ہے اور ہند کی برطانوی فوج کے لیئے پھر اپنی قابل تعریف شجاعت و مردانگی کا ثبوت دینے کا موقع آجاتا ہے کیونکہ یہ مصیبت صرف اس وجہ سے نازل ہوئی ہے کہ فوج کا قیام ایک دورو دراز ملک میں تھا جہاں کچھ بعد مسافت کی وجہ سے اور کچھ موسم کی سختی کی وجہ سے وقت پر امداد نہیں پہنچ سکتی تھی۔

لیکن اس اظہار سرگرمی کے بعد لارڈ آکلینڈ پر پھر پست ہمتی کا دورہ پڑگیا اور بجائے اسکے کہ وہ اُسپر غور کرتا کہ برطانیہ کے کھوئے ہوئے فوجی اقتدار کو پھر کسطرح قائم کرے جو انگریزوں کی قوت کا ہندوستان میں سنگ بنیاد تھا وہ پھر اس بات پر تیار ہو گیا کہ اس نقصان کو بلا انتقام لیئے برداشت کرے اور صرف اس فکر میں مصروف ہو گیا کہ کس طرح جنرل سیل کو افغانستان سے

باب نہم
فصل چہارم

لیڈی میکناٹن۔ لیڈی سیل اور دیگر نو خاتونیں مع پندرہ بچوں اور آٹھ افسروں کے پھر اکبر خاں کے لشکر میں بھیجدی گئیں اور تباہی سے بچا لی گئیں ۱۰ جنوری ۱۸۴۲ء کی صبح کو بقیہ فوج نے پھر کوچ کیا لیکن شام سے پہلے دیسی سپاہیوں کی بہت سی تعداد معدوم ہو چکی تھی۔ یہ سردی سے ٹھٹھرا ہوا بدحواس گروہ بھیڑ بکری کی طرح غلزئیوں کی تیغ بیدریغ کا شکار ہو گیا تھا اور دو پہاڑیوں کے درمیان کا تنگ راستہ مقتول و مجروح جسموں سے بالکل پٹ گیا تھا۔ ساڑھے چار سو گورہ سپاہی اور افسروں کی

صفحہ ۱۷۴

بڑی تعداد اب بھی باقی رہ گئی تھی لیکن ہر معرکے کے موقعہ پر دشمن نے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ہر درے کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور انگریزی لشکر میں برابر موت کا بازار گرم تھا۔ جگدلک پہنچکر اکبر خاں کے ساتھ پھر مشورہ کیا گیا جو برابر انگریزی سپاہ کے تعاقب میں منڈلاتا چلا آرہا تھا۔ اکبر خاں نے رسد بہم پہنچانیکا اس شرط سے وعدہ کیا کہ جنرل الفنسٹن برگیڈیر شلٹن اور ایک دوسرے افسر کو حوالگی جلال آباد کی ضمانت کے طور پر سپرد کر دیا جائے۔ لیکن یہ رعایت بھی انگریزوں کو ان غلزئی قبائل کے پنجۂ ستم سے محفوظ نہ کر سکی جنمیں خون کی پیاس اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ روپے کی لالچ پر بھی غالب آگئی تھی جو برابر انکو پیش کیا جا رہا تھا۔ اکبر خاں نے افسروں اور خاتونوں پر قبضہ حاصل کر کے بقیہ فوج کو غلزئیوں کے جوش انتقام کا شکار ہونیکے لئے چھوڑ دیا اور وہاں سے چلتا بنا۔ جگدلک پر بارہ شجاع ترین افسروں کی قسمت کا لکھا اُنکے سامنے آگیا اور اس مقام پر کابل کی سپاہ کا حقیقتہً عدم وجود برابر سا ہو گیا۔ بیس افسر اور ۴۵ گورہ سپاہی کسی نہ کسی طرح گندمک تک پہنچنے کے قابل ہوئے لیکن وہ بھی اپنے دشمنوں کی آتش باری کا شکار ہوتے رہے اور صرف ایک افسر ڈاکٹر برائڈن بچ رہا جو ۱۳۔ جنوری ۱۸۴۲ء کو اپنے تھکے ہوئے اور بھوک کے مارے گھوڑے پر سوار خستہ و شکستہ حال آہستہ آہستہ قلعۂ جلال آباد کی طرف گھسٹتا ہوا فصیلوں پر سے نظر آتا تھا۔ پندرہ ہزار

باب نہم
فصل چہارم

اور یہ معاہیں شریک جنگ رہ چکا تھا اور جسکی معاملہ فہمی۔ احتیاط اور عزم و استقلال نے اُسکو اس مہتم بالشان کارنامے کے لیئے نہایت موزوں کر دیا تھا۔ مگر ۲۲۔ جنوری ۱۸۴۲ء کو کابل کی فوج کے استیصال کامل کی اطلاع مل گئی اور مسٹر کلارک نے کمانڈر انچیف سے مشورہ کرنیکے لئے ملاقات کی کہ اب اس نازک موقعہ پر کیا طرز عمل اختیار کرنیکی ضرورت ہے۔ سر جیسپر کمانڈر انچیف نے یہ کہا کہ اب ہماری غایت صرف یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح سر رابوٹ سیل کی محصور فوج کو افغانستان سے صحیح و سالم ہندوستان تک واپس لے آیا جائے لیکن مسٹر کلارک نے ایسے جذبے سے متاثر ہوکر جو ایک برطانوی کے زیادہ شایان شان تھا یہ رائے قائم کی کہ قومی عزت اور استحکام سلطنت کا تقاضا یہ ہے کہ جلال آباد کی قلعہ بند فوج کو کمک پہنچائی جائے اور ادھر سے یہ فوج اور اُدھر سے قندھار کی فوج دونوں ایک ہی وقت میں کابل پر خروج کریں اور افغانیوں کو خاص انگریزوں کے میدان ذلت میں شکست فاش دیکر اپنا انتقام لیں اور پھر وہاں سے اپنی بدنامی و ذلت کا دھبہ مٹا کر سربلندی کے ساتھ ہندوستان کو واپس آئیں۔ اس پُرجوش تجویز کے زور شور کا کسی سے مقابلہ نہو سکا اور ایک تیسرے دستے کو بھی یہ احکام دیدیئے گئے کہ جنرل پولک کی فوج سے جاملنے کے لیئے تیار ہو جائے۔ لیکن لارڈ آکلینڈ کے آخری مراسلے نے مسٹر کلارک کو یہ اطلاع دی کہ اس وقت ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہمارے جو آدمی دریائے سندھ کے پار پھنسے پڑے ہیں اُنکو صحیح و سالم ہندوستان واپس لے آیا جائے۔

صفحہ ۴۱۹

لارڈ آکلینڈ کے عہد حکومت کا اختتام

۲۸۔ فروری ۱۸۴۲ء کو لارڈ النبرو کے کلکتے پہنچ جانے سے لارڈ آکلینڈ کا منحوس عہد حکومت اختتام کو پہنچ گیا۔ لارڈ آکلینڈ نے تعلیمات کے متعلق اپنے روزنامچے میں نہایت فیاضانہ تجاویز کا اندراج کیا تھا۔ اور طبعیات کی ترقی میں اسنے بہت کوشش کی تھی جسکا وہ خود بھی طبعاً دلدادہ تھا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے اُسکا تمام عہد حکومت صرف ایک ہی معاملے کے

مع فوج کے صحیح وسالم واپس لایا جائے بدقسمتی سے فوج کا کمانڈر انچیف بھی اسی طرح بالکل ہمت سے خالی تھا لیکن مسٹر جارج کلارک پولٹیکل ایجنٹ پنجاب نے چھاؤنی کے محاصرے کا حال سنکر اُس فوجی دستے کو سرعت کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا جو افغانستان سے واپس آنیوالی سپاہ کی کمک کے لیئے متعین کیا گیا تھا مگر یہ فوج کرنل ویلڈ کی سرکردگی میں اور نہ اُوسکے ساتھ کوئی رسالہ کیا گیا نہ توپیں کی گئیں۔ کرنل ویلڈ نے نہایت آہستہ خرامی کے ساتھ پنجاب میں رینگنا شروع کیا اور اُسکو پشاور پہنچتے پہنچتے ۳۵ دن لگ گئے دراں حالیکہ رنجیت سنگھ کے ایک فرانسیسی افسر نے اتنی فاصلے کو مع اپنی فوج کے بارہ دن میں طے کیا تھا۔ ہندوستانی سپاہی اپنے ساتھ کے سپاہیوں کی جانیں بچانیکے شوق میں آگے بڑھنے پر بے چین تھے لیکن کرنل ویلڈ پشاور میں ٹالے بالے بتاتا رہا یہاں تک کہ رنجیت سنگھ کے بھیجے ہوے سکھ سپاہیوں کے میل جول سے انگریزی فوج میں بھی پست ہمتی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ یہ سکھ فوج برطانوی فوج کی امداد کے لیئے بھیجی گئی تھی مگر جمرود پہنچکر اس فوج نے درۂ خیبر کے اندر جھانکا اور وہاں سے پلٹ کر سیدھی گھر کی راہ لی۔ اسکے بعد کرنل ویلڈ بغیر سکھوں کے درۂ خیبر میں داخل ہوا مگر جو لچر توپیں سکھوں نے اُسے مستعار دی تھیں پہلے ہی گولہ اندازی میں بیکار ہوگئیں سپاہیوں کی ہمتیں بھی پست ہوگئیں اور وہ اور انھوں نے آفریدیوں کے سامنے سے بھاگنے کی ذلت گوارا کی اور اپنا توپ خانہ بھی آفریدیوں کے لیئے چھوڑ آئے۔

جنرل پولک لارڈ آکلینڈ کی اب ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کابل میں جو فوج محصور تھی اسکی کمک کے لیئے کوئی اور فوج بھیجی جائے مگر مسٹر کلارک کی سرگرمی تمام عذرات پر غالب آگئی اور تین ہزار کی ایک سپاہ نے جسمیں کچھ حصہ گورہ فوج کا بھی تھا ہم۔ جنوری ۱۸۴۲ء کو دریائے ستلج کو عبور کیا۔ حسن اتفاق سے یہ سپاہ جنرل پولک کے زیر قیادت تھی جو پرانا توپ خانیکا افسر تھا اور لارڈ لیک کے دوش بدوش تیغ زنی کرچکا تھا۔ بھرت پور۔ نیپال

باب دہم
فصل اول

اور چاروں رجمنٹوں کو نہایت نافرمانی پر آمادہ پایا۔ بہت سے ہندوستانی سپاہی اپنے جھنڈوں کے تلے سے بھاگ چکے تھے اور ہر رات کو جلسے اسلیئے ہوتے تھے کہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کیا جائے کہ کسی صورت سے درۂ خیبر میں داخل نہوں۔ جنرل پولک جو رجمنٹیں اپنے ساتھ لایا تھا اُن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن جنرل موصوف نے اس سازش کو نہایت سرگرمی اور مستعدی سے فرو کر دیا۔ خود فوجی افسر بھی دروں کی سختی برداشت کرنے پر سپاہیوں سے کم بددلی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ سر رابرٹ سیل کے برابر تقاضے چلے آ رہے تھے کہ اُنکی امداد کے لیئے فوری صیغے میں فوجیں بھیجنی چاہئیں لیکن جنرل پولک سمجھے ہوئے تھا کہ ایسی ہمت ٹوٹی ہوئی سپاہ کے ساتھ پیشقدمی کرنے میں ناکامی کا خطرہ ناگزیر تھا۔ چونکہ اسکو مجبوراً مزید فوج کا انتظار کرنا تھا اسلیئے اُسنے فروری اور مارچ ۱۸۴۲ء کے دونوں مہینے فوجکو آرام دیا کہ اُنکی صحت بحال ہو جائے نیز اس عرصے میں جنگی قواعد کی پابندی کا سپاہیوں کو عادی بنایا اور اُنمیں از سر نو ہمت اور جوش پیدا کیا۔ اس کے بعد ہی سوار فوج کی ایک رجمنٹ اور کچھ توپخانے کے سوار پہنچ جانے سے فوج کی ہمت اور بڑھ گئی۔ راجہ گلاب سنگھ بھی آکر پہنچگیا اور سکھوں کی امدادی فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیلی اور جنرل پولک کے ماہرانہ انتظام و اولعزمانہ دم خم کی وجہ سے سکھوں کے دل سے بھی درۂ خیبر کی ہیبت جاتی رہی۔ اور راجہ گلاب سنگھ بھی مستعدی کے ساتھ اتحاد عمل پر تیار ہو گیا۔ اہل خیبر نے اپنے کوہستانی راستوں سے گزرنے دینے کے لیئے رقوم خطیر طلب کیں اور درے کے مدخل و مخرج کو چٹانوں اور درختوں کے ڈالوں سے بند کرنا شروع کر دیا اور پہاڑی کو دونوں طرف سے اپنی فوجوں کی زد میں لے لیا۔ لیکن جنرل پولک نے اپنی فوج کو پہاڑ پر چڑھا دینے کی ایسی چال چلی کہ اُنکے تمام مخاصمانہ منصوبے دھرے کے دھرے رہگئے۔ ۵۔ اپریل ۱۸۴۲ء کو پچھلی رات کو تین بجے انگریزی فوجیں اپنے پڑاؤ سے سناٹے کے عالم میں نکلیں اور بڑی مستعدی کے ساتھ

باب نہم
فصل چہارم

سلسلے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنے افغانستان پر فوجکشی۔ افغانستان کا قبضہ اور افغانستان کا ہاتھ سے کھو دیا جانا۔ لارڈ آکلینڈ کا عہد حکومت جس وقت شروع ہوا تو خزانہ میں تمام مصارف کے بعد ڈیڑھ کروڑ روپیہ جمع تھا اور جس وقت ختم ہوا تو دو کروڑ کا صرفہ بعد فاضلات ہو چکا تھا اور سلطنت کا قرضہ بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ شاہ پسند جماعت نے ایک گورنر جنرل لارڈ امہرسٹ کا انتخاب کیا تھا اور جمہور پسند نے دوسرے گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ کو پسند کیا تھا۔ اول الذکر نے ۳۳ کرور روپیہ جنگ برما میں اڑا دیا اور آخر الذکر نے اُتنی ہی رقم جنگ افغانستان میں لٹا دی ؎

باب دہم

فصل اول

لارڈ النبرو کا عہد حکومت۔ انگریزی سپاہ کی کابل پر پیشقدمی

لارڈ النبرو

لارڈ النبرو جس نے اب انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا نہایت بربہ آوردہ مدبر تھا۔ وہ نہایت فصیح مقرر تھا اور کئی سال سے ہندوستانی معاملات میں خاص طور سے [illegible] لیتا۔ یا تھا خاص کر گزشتہ پٹے کے مباحثے کے موقعہ پر اُسنے بہت ہی کام کیا تھا۔ لارڈ ولزلی اور لارڈ منٹو کی طرح لارڈ النبرو نے بھی جماعت نگراں کار میں کام کیا تھا جہاں ہندوستان کے آئین حکومت۔ حکمت عملی۔ اور اصول عمل کے متعلق بہت وسیع معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اُسکو سب جانتے تھے کہ بڑی قوت عمل اور استقلال مزاج کا آدمی ہے اسلیئے ہندوستان کے حکمراں طبقے نے اُسکی آمد کو اُسکے پیش رو کی کمزور اور مذبذب حکمت عملی کے مقابلے میں سلطنت برطانیہ کے استحکام و زور آوری کی فال نیک سمجھا تھا۔

جنرل پولک کی پیشقدمی

۵۔ فروری ۱۸۴۲ء کو جنرل پولک پشاور پہنچا۔

فقرہ ۴۲۰

باب دہم
فصل اول

۹۔ جنوری ۱۸۴۲ء کو ایک سوار شہر کے پھاٹک پر گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور جنرل الفنسٹن کی تحریر کو پیش کر کے قلعے کے تخلیے کا مطالبہ کیا۔ قلعے کے افسروں نے جواب دیا کہ چونکہ اکبر خاں نے پہاڑی سرداروں کے پاس ایسے احکام بھیجدیئے تھے کہ پسپا ہونیوالی انگریزی فوج کو بالکل تباہ کر ڈالیں اسلیئے قلعہ بند فوج اپنے سپہ سالار کابل کے پاس سے مزید ہدایات وصول ہوئے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔ جنوری ۱۸۴۲ء کے اختتام پر شاہ شجاع کی طرف سے ایک مراسلہ بہ حیثیت شاہ گورنمنٹ افغانستان وصول ہوا کہ جلال آباد کو انگریزی قلعہ بند فوج فوراً خالی کر دے۔ جنگی مجلس شوریٰ منعقد کی گئی اور فوج کے سپہ سالار اور پولٹیکل ایجنٹ کی رائے یہ ہوئی کہ مطالبۂ تخلیہ کی تعمیل کی جائے جسکے ساتھ ہی پولیٹکل ایجنٹ نے اپنی رائے کی یہ کہکر تائید کی کہ انگریزی فوج کو یہ قلعہ خالی کر کے پشاور واپس پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ بظاہر اسباب سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہندوستانی گورنمنٹ نے جلال آباد کے محصورین کو کمک بھیجنے کا خیال ترک کر کے انھیں اپنی قسمت پر چھوڑ دیا ہے ایسی صورت میں اُنکا دیر تک جان بچا سکنا ممکن نہوگا۔ لیکن کپتان بروڈفٹ نے مردانہ وار یہ جواب دیا کہ کچھ پروا نہیں اگر ہماری اپنی گورنمنٹ ہمیں لاوارث کر کے چھوڑ چکی ہے تب بھی اس نازک وقت میں ہماری قومی و ملکی عزت ہمکو قائم رکھنی چاہیئے اور یہ ایسا فرض ہے جسکی عدم ادائگی کی حالت میں ہماری کوئی توبہ قابل پذیرائی نہیں ہوگی۔ بہر حال مجلس شوریٰ میں کثرت رائے اس طرف تھی کہ سپہ سالار اور پولٹیکل ایجنٹ کی رائے صائب ہے لیکن آخر کار یہ طے کیا گیا کہ اگر آئندہ کوئی مراسلہ شاہ شجاع یا کابل کے انگریزی افسروں کی طرف سے پھر اسی مضمون کا وصول ہو جائے تو پھر سپہ سالار اور پولیٹکل ایجنٹ کی جو رائے ہوگی ویسی ہی کارروائی کیجائیگی غرض یہ کہ اس مطالبے کا جو جواب قلعہ بند فوج کی طرفسے دیا گیا اُس کا جواب الجواب اس قسم کا وصول ہوا جو ناقابل تعمیل مطالبات سے بھرا ہوا تھا۔ کپتان بروڈفٹ نے پھر بھی تخلیۂ قلعہ پر اپنے پہلے ہی

باب دہم
فصل اول

ناہموار پہاڑیوں پر چڑھ گئیں اور علی الصباح پٹھانوں نے اپنی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر انگریزی فوجوں کو قابض پایا۔ نہایت سخت آویزش کے بعد آخر کار افغانی ہر طرف سر پر پاؤں رکھکر بھاگتے نظر آئے۔ اس طرح درہ کی ناکہ بندی ٹوٹ گئی اور انہیں باربرداری کے ان جانوروں کو آنیکا راستہ مل گیا جن کی قطاریں دو میل تک لمبی تھیں اور ان پر جنرل سیل اور موجودہ فوج دونوں کے واسطے رسد اور ذخائر حرب بھیجے گئے تھے۔ اُسکے بعد اس فوج کی پیشقدمی میں اور کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی اور یہ بخیر و عافیت ۱۵۔ اپریل ۱۸۴۲ء کو جلال آباد پہنچگئی ۔

جنرل سیل جلال آباد میں

سر رابرٹ سیل ۱۳۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو جلال آباد پہنچا تھا اور اُس وقت اُسکے پاس صرف دو دن کا توشہ تھا۔ قلعے کا استحکام نہایت ردی حالت میں تھا اور فصیلوں پر سے ہوکر تمام مضافات قلعہ کو راستے جاتے تھے۔ شہر پناہ کے باہر بہت سی گڑھیوں اور مسجدوں کے کھنڈر واقع تھے جنسے قلعے سے بیس بیس گز کے فاصلے پر ہی حملہ آوروں کو خاصی پناہ مل سکتی تھی اور خاص شہر اور مواضعات کے باشندے نہایت سخت مخاصمت کے جذبات سے پُر تھے۔ انگریزی فوج کے پہنچنے کے دوسرے ہی دن قرب و جوار کے پانچہزار مسلح باشندے چیختے چلاتے اور گالیاں دیتے ہوئے آئے اور قلعے کی دیواروں کو آکر گھیر لیا مگر کرنل منٹیتھ نے اُنکو سخت شکست دیکر بالکل منتشر کر دیا۔ کپتان بروڈفٹ جو بڑی مستعدی اور نہایت قابلیت کا افسر تھا مع اپنے سرنگبازوں اور کان کنوں کے اس فوجی دستے کے ساتھ آیا تھا۔ اسکو قلعے کا انجنیر مقرر کیا گیا اور اُسنے قلعے کے استحکام کی مرمت و تعمیر کا کام بڑی سرگرمی سے شروع کر دیا۔ پیادہ پلٹن نمبر ۱۳ کے سب سپاہیوں کو مزدوری پر لگا دیا گیا تمام قلعہ بند فوج میں ایک دوسرے سے کام میں بڑھ جانیکا جوش ایسا پھیلا ہوا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھنڈر ونکا بے پناہ ڈھیر ایک مستحکم قلعہ بنگیا جو سوائے قلعہ شکن توپ خانے کے اور کسی قسم کے آلات حرب کے قابو میں نہیں آسکتا تھا۔

صفحہ ۴۲۱

گولہ بارود بھی بہت کم ہوتا چلا۔ اکبر خاں اپنے پڑاؤ کو آہستہ آہستہ شہر کے قریب تر لاتا جا رہا تھا اور اس وقت اُسکا پڑاؤ شہر سے صرف دو میل پر آگیا تھا۔ آخر کار کپتان ہیولاک اور اُسکے دوسرے ہمسر سرداروں نے سپہ سالار کو اسپر مجبور کیا کہ اس نازک حالت سے نکلنے کے لئے دشمن کے لشکر پر ایک جانبازانہ حملہ کر دیا جائے۔ اس خروج کی تجویزیں کی گئی کہ فوج کو تین دستوں میں تقسیم کر کے تینوں تین طرف سے ایک ساتھ حملہ کریں اور دشمن کی فوج کو دریا کی طرف دباتے ہوئے لئے چلے جائیں جو اس وقت پورے چڑھاؤ پر تھا۔ کسی خاص غلطی کی وجہ سے ایک دستہ پر اکبر خاں کے اعلیٰ درجے کے رسالے کی بڑی سخت مار پڑی مگر آخر کا نتیجہ یہی نکلا گھنٹہ بھر کے اندر اکبر خاں کی فوج کو ہر نقطے پر شکست ہوئی اور دریا تک اسکو ہٹا دیا جہاں سے وہ تو کسی طرح اپنی جان بچا کر نکل گیا مگر اسکے تمام ذخائر و آلات حرب انگریزی فوج کے ہاتھ آگئے اور اُسکے پڑاؤ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا۔ اکبر خاں تو ادھر غائب ہوا ادھر قرب و جوار کے سرداروں نے آ آکر اظہار اطاعت کرنا شروع کر دیا اور سامان رسد وغیرہ سے قلعے کو پاٹ دیا۔ اس واقعے کے ہفتہ بھر بعد آکر جنرل پولاک پہنچا تو اُسنے قلعہ بند فوج کو جو اپنی خلاصی کی تدبیر خود کر چکی تھی نہایت بڑھی ہوئی ہمت اور اعلیٰ درجے کی صحت کے ساتھ تیار پایا۔ کابل میں بھی ایک دن اگر ایسی ہمت باندھ لی جاتی تو انگریزی فوج کی قسمت کا پانسہ ہی پلٹ جاتا۔

معاملات قندھار

کابل میں بغاوت ہوتے ہی افغانی سرداروں نے اپنے ایلچی مغربی افغانستان میں شورش برپا کرا دینے کے لئے بھیجدیئے تھے اور جنرل نوٹ نے اپنی فوج کو قندھار میں جمع کر لیا تھا لیکن بے چینی کا جوش و خروش قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ شاہ شجاع کا خاص رسالہ موسومہ جانباز اور شاہ شجاع ہی کے قبیلے کے دوسرے سردار نقاب غداری منھ سے اُلٹ کر باغیوں کے شریک ہو گئے اور خاص شاہ شجاع کا بیٹا انکا سرغنا بنگیا۔ کئی ہفتے کی تیاریوں کے بعد سب باغی قندھار پر حملہ کرنیکو بڑھے

صفحہ ۴۲۳

باب دہم
فصل اول

اعتراض کا اعادہ کیا۔ اس اثنا میں دوسرے افسروں کے حواس بھی کچھ درست ہو گئے تھے اور حال ہی کے ایک دھاوے میں ۹۰۰ راس مویشی بھی قلعہ بند فوج کے ہاتھ آجانیسے اس طرف سے بھی کچھ اطمینان ہو گیا تھا اسلئے سپہ سالار اور پولٹیکل ایجنٹ کے مشورے کے خلاف کثرت رائے یہی ہوئی کہ فوری تخلیہ نہ کیا جائے بلکہ از سرنو شرائط طے کی جائیں۔

زلزلے

۱۸- فروری ۱۸۴۲ء کو متواتر کئی زلزلے ایسے آئے کہ تین ماہ کی محنت دو گھنٹے میں برابر ہو کر رہگئی۔ مورچے تمام معدوم ہو گئے۔

صفحہ ۲۲۴

برجیاں تمام بری طرح ٹوٹ گئیں۔ اور ایک پھاٹک بالکل گر کر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن اس تمام نقصان کی مرمت ایسی سرگرمی و مستعدی کے ساتھ کر دی گئی کہ افغانیوں کے منہ سے یہ نکلوا دیا کہ زلزلے کا اثر اس علاقے میں نہیں محسوس ہوا ہو گا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد اکبر خاں جو اب تک افغان سرداروں کے اختلاف باہمی کی وجہ سے کابل میں کچھ عرصے تک رکا رہ گیا تھا قریب کی وادی میں آکر خیمہ زن ہوا اور جو حکم اُسنے کابل کے برطانوی افسروں سے زبردستی وصول کیا تھا اُسکے مطابق شہر کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن اُسنے دیکھا کہ قلعے کے استحکامات کی تکمیل کر لیگئی ہے اور ذخائر کا کافی انتظام کر لیا گیا ہے اور اب یہاں اُسکا سابقہ الفنسٹن یا شیلٹن جیسے آدمیوں سے نہیں پڑنے والا تھا بلکہ ایسے افسروں اور سپاہیوں سے پڑنیوالا تھا جو جوش مردانگی اور اعتماد ذاتی پر پھولے ہوئے تھے۔ ۱۱- مارچ ۱۸۴۲ء کو اکبر خاں نے شہر پر حملہ کرنیکے لیئے پیشقدمی کی مگر قلعہ بند فوج نے ایسے زور شور کے ساتھ خروج کیا کہ اکبر خاں کو بڑی ذلت کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب اکبر خاں نے محاصرے کو ناکہ بندی کی صورت میں تبدیل کر دیا تاکہ تمام قلعہ بند فوج کو ضروریات زندگی سے تنگ کر کے عاجز کر ڈالے جیسا علاج اُسنے کابُل والی فوج کا کیا تھا۔ ناکہ بندی کی سختی سے قلعہ والوں کی حالت در اصل نازک ہوتی چلی۔ چارے کی کمی سے مویشی تباہ ہونے لگے سپاہیوں کی خوراک میں کمی کر دی گئی اور سوکھا گوشت ملنے لگا۔ افسروں کے خوانوں میں تخفیف کر دی گئی اور

باب دہم
فصل اول

یہ لوگ یکایک ایک دیوار کے پیچھے سے نکل پڑے جو صرف چار فٹ اونچی تھی اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بنی ہوئی تھی۔ یہ انگریزی فوج پہلے ہی تصادم میں منتشر سی ہو گئی مگر پھر جلد ہی حواس بر جا کر کے اور آگے بڑھنے پر تیار ہو گئی لیکن بدحواس سپہ سالار نے گھبرا کر کوئٹے کی طرف پسپائی شروع کر دی بلکہ پسپائی میں جہاں دم لیتا تو وہاں بھی خندقیں ضرور کھدوا لیتا تھا۔

لارڈ النبرو کا اعلان

۱۵۔ مارچ ۱۸۴۲ء کو لارڈ النبرو نے مندرجۂ ذیل اعلان اپنے اور ممبران کونسل کے دستخطوں سے شائع کیا۔

صفحہ ۴۲۴

اب ہمارا اصول عمل یہ ہے کہ ہم افغانیوں پر ایک آخری اور کاری ضرب لگا کر اپنی فوجی نیکنامی کو پھر قائم کر دیں تاکہ افغانیوں کو اور ہماری رعایا اور اتحادیوں کو یہ واضح ہو جائے کہ ہم اُن لوگوں کو سزا دے سکتے ہیں جو سفاکیاں اور بے رحمیاں کرتے ہیں۔ اسکے بعد ہم اپنی فوجوں کو افغانستان سے قطعی طور پر واپس بلالیں نہ اس وجہ سے کہ وہاں فوجی قبضہ رکھنے کے وسائل و ذرائع کی ہمارے لئے کمی ہے بلکہ اسلیئے کہ ہم کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ جس بادشاہ کو ہمنے تخت پر بٹھایا ہے اُسکے متعلق ہمیں غلط فہمی ہو گئی یعنے انگریزی قوم اُسکے حق کی تائید نہیں کرتی۔

ان شریفانہ خیالات کا بڑی مسرت کے ساتھ تمام ہندوستان میں خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن لارڈ النبرو کلکتے میں ایک مختصر سے قیام کے بعد ایوان کونسل کو چھوڑ کر شمال مغرب کی سمت روانہ ہو گیا۔ اور تسخیر غزنی اور جنرل انگلینڈ کی ہزیمت کی خبر پاکر اور جنرل ندکور کی کوئٹے کی طرف بدحواس واپسی کی اطلاع وصول ہونے پر اُسنے کمانڈر انچیف سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جتنی جلد آسانی سے ممکن ہو انگریزی افواج کو قندھار اور جلال آباد سے واپس طلب کر لیا جائے۔ اب اسکو اسی پر اعتراض تھا کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا نہیں کہ انگریزی فوجوں کو صرف اس غرض کے لیئے پیشقدمی کرنیکا حکم دیا جائے

باب دہم
فصل اول

لیکن صرف بیس منٹ کی ایک ہی مڈبھیڑ میں اُنکے جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے۔ آخر کار مرزا احمد جو ملک بھر میں قابلترین شخص تھا اور جسکو میجر رالنسن کا پورا اعتماد حاصل تھا باغیوں کے لشکر میں چلا گیا اور اُنکی جماعت کو اس شخص کے آجانے سے بڑی باقاعدگی اور قوت حاصل ہو گئی۔ باغیوں نے شہر کے اردگرد منڈلانا جاری رکھا اور اسکی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ انکی قوت کو بالکل توڑ دیا جائے۔ چنانچہ ۱۔ مارچ ۱۸۴۲ء کو جنرل نوٹ نے بڑے زور شور سے خروج کیا مگر باغی اُسکو شہر سے کچھ فاصلہ تک اپنے تعاقب میں لگا لیگئے اور اُسے شہر کے باہر ہی شام ہو گئی۔ شام کا دھندلکا چھاتے ہی مرزا احمد اور شاہ شجاع کے بیٹے نے ہراتی دروازے کی طرف پیشقدمی شروع کر دی جہاں کہ انکے گرگوں نے پہلے سے ہی بہت سے جھاڑ جھنکاڑ تیل میں تر کر کے ڈھیر کر دئے تھے۔ ادھر تو ان جھاڑوں سے شعلے بلند ہوئے اُدھر اس علامت کو سمجھکر غازی لوگ نشۂ وحشت سے سرشار ہو کر نعروں اور لعنتوں کی چیخوں کے ساتھ انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اس طوفان بے تمیزی میں جو تاریکی کی وجہ سے اور بھی ہولناک ہو گیا تھا میجر رالنسن اور میجر لین نے ہراتی دروازے کی نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ پانچ گھنٹے تک حفاظت کی آدھی رات کے قریب کہیں جاکر حملہ آوروں کا جوش سب ختم ہو گیا اور وہ پسپا ہو گئے اور قندھار تسخیر ہونے سے بچا لیا گیا ؏

منحوس ناکامیاں اس شاندار کامیابی کے ساتھ نہایت منحوس ناکامیاں بھی پیش آئیں۔ غزنی چار ماہ کی مقاومت کرنیکے بعد افغانیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اگر کوئی اور افسر ہوتا تو آسانی سے اُس وقت تک مقاومت کیئے جاتا کہ کمک پہنچ جاتی۔ علاوہ بریں جنرل انگلینڈ جنوب کی طرف سے قندھار کی طرف کوچ کر رہا تھا اور اس کے ساتھ بہت کچھ سامان رسد۔ ذخائر حرب اور نقد تھا جس وقت وہ ہیکل زئی پر پہنچا تو اُسکی فوج کے پانسو آدمیوں پر دشمن کے ایک گروہ نے اچانک حملہ کر دیا اور بہت سے سپاہی مار ڈالے۔

باب دہم
فصل اول

کارروائی جتنی جلد ممکن ہوگی اور جس وقت واقعات و اسباب ذرا بھی موافق ہو جائینگے کی جائیگی۔ غرض یہ کہ اس بہانے سے انکو بھی کچھ عرصے ٹھہر جانیکا موقعہ مل گیا۔

فوری تخلیۂ افغانستان کے احکام نے تمام ہندوستان میں اس سرے سے اُس سرے تک ایک نفرت خیز سنسنی پیدا کر دی۔ اور یہ خیال عالمگیر ہوگیا کہ ایسی حالت میں فوجوں کو واپس بلا لینا جبکہ انگریزی اقتدار کا سکہ نہیں بیٹھ سکا ہو بلکہ اپنے قیدی بھی واپس نہ مل سکے ہوں اس سے زیادہ ذلت آمیز ہے کہ تمام فوج کابل ہی میں ہتھیار ڈالدیتی کیونکہ اُس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ جنگ کے ناگوار موقعوں میں سے ایک اتفاق یہ بھی تھا اور اب تو صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں کے قومی وقار و اقتدار پر ایک نہ مٹنے والا داغ لگ گیا ہے۔ باوجودیکہ جمہور کی رائے کی لارڈ النبرد کے دل میں ذرہ بھر وقعت نہیں تھی مگر اس موقع پر جو ہر طرف سے مخالفت و ملامت کی صدائیں بلند ہوئیں تو لارڈ موصوف کو بھی ان سے متاثر ہونا پڑا اور اُسنے پھر اپنا ارادہ بدل دیا۔ ۴۔ جولائی ۱۸۴۲ء سنہ کو جنرل نوٹ کو ایک باضابطہ مراسلے کے ذریعے سے یہ یقین دلایا گیا کہ واپسی افواج کا جو عزم گورنر جنرل نے کرلیا ہے اسمیں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی مگر ایک نج کے خط میں جنرل موصوف کو لارڈ النبرد نے یہ لکھا کہ اگر فوجوں کی واپسی اس طرح عمل میں آئے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اول غزنی اور کابل پر چڑھائی کرلی جائے جن دونوں موقعوں پر انگریزی فوج کو منحوس ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ چکا ہے۔ ان پیشقدمیوں سے ہمارے سپاہیوں کی ہمت پر بہت بڑا اثر پڑیگا اور ایشیا میں جو جو ہمارے دوست دشمن ہیں وہ بھی اپنے اپنے طور پر متاثر ہو جائینگے۔ ہمارے وطن میں اور دیگر دول یورپ کی نظروں میں بھی ہماری بات بڑی ہو جائیگی۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ حوصلہ مندی نہایت معقول تھی مگر اسکے ساتھ خطرات بھی اتنے ہی خطیر تھے۔ بہرحال اسی خط کی ایک نقل جنرل پولاک کو بھی اس ایماء کے ساتھ بھیجدی گئی تھی کہ

(صفحہ ۴۲۵)

باب دہم
فصل اول

کہ وہ گزشتہ نقصانات کی تلافی کریں اور کمپنی کی فوجی عزت و شان کو اُسکی اصلی اور ابتدائی آن بان پر پھر قائم کردیں۔ چنانچہ جنرل نوٹ کو یہ حکم بھیجدیا گیا کہ وہ قندھار کی شہر پناہوں کو سرنگ سے اڑا کر اور فصیلوں کو بالکل گرا کر قندھار سے واپس لوٹ آئے اور جنرل پولک کو یہ ہدایات کی گئیں کہ وہ بھی صوبۂ شمال مغربی کی طرف واپس چلا آئے اور صرف شدید ضرورت کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل ملتوی کیجائے۔

جنرل نوٹ اور جنرل پولک کے جوابات

اس مراسلے کا جنرل پولک نے یہ جواب دیا کہ اس وقت میں افواج کی واپسی کے معنے حقیقۃً شکست کے سمجھے جائینگے اور انگریزوں کا جو اقتدار ایک زبردست قوم کی حیثیت سے ایشیا میں قائم ہے وہ بالکل خاک میں مل جائیگا جس سے نہایت تباہ کن نتائج برآمد ہونگے۔

جنرل پولک نے یہ بھی لکھا کہ اسیران جنگ کی خلاصی بھی ایک ایسی غرض ہے جسکو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا علاوہ براں اس وقت میں باربرداری کے مواشی کی کمیابی بھی ایک ایسی وجہ ہے جس سے کسی طرح کئی ماہ سے پہلے واپسی ممکن نظر نہیں آتی۔ اس توڑ جوڑ سے خدا خدا کر کے جنرل پولک کو تو یہ موقع مل گیا کہ اُسنے فوری واپسی کے احکام کو کچھ عرصے کے لیئے ٹال دیا اور وہ منتظر رہا کہ کب لارڈ الن برو کی متلوّن طبیعت اس کے منشا کے مطابق رنگ بدلتی ہے جنرل نوٹ اور میجر رالنسن بڑی دقتوں سے اس قابل ہوئے تھے کہ تمام صوبے میں جو سرکشی کی روح پھیلی ہوئی تھی اُسکو کسی طرح دبائے رکھیں اور بغاوت وطوائف الملوکی کے دیپکے کو ابلنے سے روکے رہیں۔ اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ افغانیوں کو اگر انگریزی افواج کی واپسی کا ذرا سا شبہ بھی ہوجائیگا تو تمام ملک پھر سرکشی پر آمادہ ہوجائیگا۔ جسکا سب سے پہلا نقصان دہ نتیجہ تو یہ نکلیگا کہ بغیر فوجی کارروائی کیئے ذخائر رسد اور وسائل باربرداری کا دستیاب ہونا ناممکن ہوجائیگا۔ مگر جنرل نوٹ نے صرف اس مختصر جواب دینے ہی میں مصلحت سمجھی کہ تخلیئے کی

یرغمال و اسیران جنگ

جو انگریزی افسر بطور یرغمال کے سپرد کیئے گئے تھے اُنکی بڑی تعداد زماں شاہ کے سپرد کر دیگئی تھی اور یہی ایک افغانی سردار ایسا تھا جو اس تمام طوفان بے تمیزی کے دوران میں غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ انگریزوں کا طرفدار رہا تھا۔ شاہ شجاع کے قتل کے بعد زماں شاہ کو اسپر مجبور کیا گیا کہ وہ اُن قیدیوں کو کابل کے قاضی القضاۃ کے سپرد کر دے اور قاضی موصوف نے چار ہزار روپے میں ان سبکو اکبر خاں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ یہ سب قیدی اکبر خاں کے سپرد اوسی وقت کر دیئے گئے تھے جبکہ انگریزی فوجیں اپنی پسپائی میں مصروف تھیں اسلیئے اُن سبکو اُن تمام خونریزی کے موقعوں پر سے گزرنا پڑا جہاں شکستہ و ریختہ نعشوں کے ڈھیر اور اُنکے سڑنے گلنے کی بدبو سے بدحواس و پریشان ہوئے جاتے تھے۔ اس راستے سے اُن سبکو تیزین کے ایک قلعے میں لایا گیا اور وہاں سے دشوار گزار کوہستانی راستوں پر سے ہو کر بدیع آباد پہنچایا گیا جو جلال آباد سے صرف چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں اتنا سا آرام اِن کو مل گیا کہ یہ لوگ اپنے جلال آبادی دوستوں سے کسی نہ کسی طرح نامہ و پیام کرنیکے قابل ہو گئے اور وہاں سے اُنکی تفریح کے لیئے کتابیں اور اخبار بھی آنے لگے۔ جنرل پولک کی پیش قدمی کی خبر سنتے ہی ان سب قیدیوں کو پھر قیام امن کے خیال سے تیزین کو بھیجدیا گیا اور اسی جگہ جنرل الفنسٹن کا انتقال ہو گیا۔ جنرل موصوف نہایت نیک طینت اور دلاور سپاہی تھا اور اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے نہایت ہردلعزیز تھا لیکن جس ذمہ داری کے عہدے پر لارڈ آکلینڈ نے اُسے سرفراز کر دیا تھا اُسکا وہ کسی طرح اہل نہیں تھا۔ ۲۲- مئی ۱۸۴۲ء کو اسیران جنگ کو ایک ایسے قلعے میں پہنچایا گیا جو کابل سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں ان کو نسبتہً زیادہ آرام اور آزادی سے بہرہ مند ہونے دیا گیا بلکہ بالاحصار میں جو اُنکے دوست آشنا تھے اُنسے ملنے جلنے کی بھی اجازت دیدی گئی۔

باب دہم
فصل اول

وہ بھی اگر ممکن العمل سمجھے تو جنرل نوٹ کے ساتھ اتحاد عمل کرنیکے لیئے کابل پر پیشقدمی کرے۔ اس طرح کابل پر پیشقدمی کرکے انگریزوں کی خاک میں ملی ہوئی قومی عزت کو از سر نو حاصل کرنیکا ایماء دونوں انگریزی سپہ سالاروں کی نہایت خوشی و خوش وقتی کا باعث ہوا خصوصاً جبکہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ انکو اتنی بڑی ذمہ داری کا اہل سمجھا گیا جو بہ حیثیت فرمانروائے ہندوستان کے گورنر جنرل کو خود اپنے اوپر عائد کرنی چاہیئے تھی ؎

شاہ شجاع

کابل سے فوج کی پسپائی کے بعد شاہ شجاع کو شاہ کابل تسلیم کرلیا گیا تھا مگر امور مملکت کا انصرام تمام و کمال سرکش سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ شاہ شجاع متواتر جلال آباد سے نامہ و پیام کرتا رہا جسمیں وہ برابر اپنی وفاداری کا تاج برطانیہ کے ساتھ یقین دلاتا رہتا اور برابر روپے کی امداد طلب کرتا رہتا تھا دراں حالیکہ لدھیانے سے روانہ ہونیکے بعد اب تک جو فیاضانہ عطیات اُسے دیئے گئے تھے انمیں سے وہ بیس لاکھ کی رقم خطیر پس انداز کرچکا تھا۔ افغانی سرداروں کے سامنے شاہ شجاع برابر اپنی وابستگی سے اپنے قومی اغراض و مقاصد کے ساتھ جتاتا رہتا تھا اور اُن سرداروں نے اُس سے یہ مطالبہ کیا کہ اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لیئے اُس فوج کی زمام قیادت ہاتھ میں لے جو جنرل سیل کو جلال آباد سے نکال باہر کرنیکے لیئے جانیوالی تھی۔ ایسی افواہ اُڑرہی تھی کہ ادھر شاہ شجاع بالاحصار سے اترا اُدھر بارک زئیوں نے اُسے اندھا کردیا یا قتل کرڈالا اسلیئے اُسنے اپنی سلامتی کے لیئے اُنسے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر قسم لی اور ۵۔ اپریل کو قلعۂ معلی سے شاہی ضابطے اور جلوس کے ساتھ اُترا۔ راستے میں اُسے گولی سے مار دیا گیا اور اُسکے جسم پر سے تمام جواہرات اتار کر اُسکی نعش کو ایک خندق میں پھینک دیا گیا۔ یہ نعش اُسکے بیٹے کو بعد میں ملی جس نے اسکو شاہی جلوس کے ساتھ دفن کرایا۔ اسکے بعد مختلف سرداروں میں تنازعات شروع ہوگئے جنکا اختتام اکبر خاں کی کامیابی پر ہوا ؎

۱۸۴۲ء

باب دہم
فصل اول

نہیں رکھی اور دشمن کے سپاہیوں کو ہر ہر چٹان پر سے ہٹا کر تمام سپاہ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح بھگا دیا۔ اکبر خاں خود بھی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور اپنی فوج کو اُس کے حال پر چھوڑ گیا۔ اس کے بعد ۵ استمبر ۱۸۴۲ء کو بالا حصار پر انگریزی پھریرا لہراتا ہوا نظر آنے لگا۔

قندھار سے خروج

جنرل نوٹ نے ۷۔ اگست ۱۸۴۲ء کو قندھار سے خروج کیا۔ فوجی اور سیاسی حکام نے ایسی قابل تعریف باقاعدگی اور باضابطگی کو قائم رکھا تھا کہ کسی سپاہی یا افسر کی طرف سے کوئی ایسی حرکت دوران قیام میں ظہور میں نہیں آئی تھی جس سے قندھار کے باشندوں کو کسی قسم کی شکایت یا اشتعال کا موقعہ ملتا چنانچہ جس وقت انگریزی فوج کوچ کے لیئے تیار ہوئی ہے تو قندھاری جوق جوق اُسکے گرد جمع ہو گئے اور نہایت تپاک سے اُنکے ساتھ الوداعی معانقے کرنے لگے۔ راستے میں اس فوج کو کسی اہم مدافعت یا مقاومت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ غزنی کے تمام برج و فصیل کو اس فوج نے مسمار کر دیا اور چوبی چیزوں کو آگ لگا دی اور اس قدیم شہر کے شعلے جو عرصے تک مسلمانوں کی عظمت و شان کا گہوارہ رہ چکا تھا رات بھر آسمان تک بلند ہوتے نظر آتے رہے۔ اسی شہر میں وہ صندلیں کواڑ بھی محفوظ تھے جو محمود غزنوی سومنات کے پھاٹک سے اُتار کر لایا تھا اور لارڈ النبرا نے بزعم خود اپنے عہد حکومت کی ایک عمدہ یادگار یہ قائم کرنی پسند کی کہ ان کواڑوں کو پھر ہندوستان ہی کو واپس دلا دیا جائے۔ جنرل نوٹ کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ وہ اپنے ساتھ ہی محمود غزنوی کا وہ گرز گراں بھی لیتا آئے جو سلطان محمود کے مزار پر آویزاں تھا تاکہ وہ کواڑ اور یہ گرز انگریزوں کی فاتحانہ پیشقدمی کے بہترین غنیمت کے طور پر ہندوستان میں لائے جائیں۔ جنرل پولک کے ایکدن بعد جنرل نوٹ کی فوج بھی کابل میں داخل ہو گئی۔

اسیران جنگ کی خلاصی

کابل پہنچتے ہی جنرل پولک کو سب سے پہلے ان اسیران بلا کا خیال آیا جنھیں ۲۵۔ اگست ۱۸۴۲ء کو اکبر خان نے ہندوکش کی عمودی چڑھائیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں پر سے

باب دہم
فصل اول

اسی اثناء میں اکبر خاں نے اپنے ایک قیدی افسر کو جنرل پولک کے پاس یہ پیام لیکر بھیجا کہ اگر جنرل موصوف کابل پر پیشقدمی ملتوی کرکے افغانستان سے امن کے ساتھ اپنی فوجوں کو واپس لے جائے تو تمام برطانوی قیدی بلا استثنا چھوڑ دیئے جائینگے۔ ورنہ ان سبکو ترکستانی اوزبکوں کے ہاتھ فروخت کرنیکے لیئے ترکستان بھیجدیا جائیگا۔ اس تجویز کو جنرل پولک نے حقارت کے ساتھ نامنظور کردیا ؎

جنرل پولک کی پیشقدمی

کابل پر پیشقدمی کرنیکی اجازت کا جلال آباد میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا لیکن وسط اگست ۱۸۴۲ء سے پہلے کسی طرح یہ ممکن نہوا کہ جنرل پولک کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ جنرل نوٹ کی طرف روانہ ہوگیا ۲۰۔ اگست ۱۸۴۲ء کو آٹھ ہزار انگریزی فوج نے نہایت اولوالعزمانہ جوش کے ساتھ جلال آباد سے خروج کیا۔ مقام جگدلک پر غلزئی قبیلے کے بہترین چیدہ سپاہیوں نے اپنے قابلترین سرداروں کی سرکردگی میں اس فوج کا راستہ روکا لیکن اس دفعہ اُنکا کام اُس پست ہمت گروہ سے نہیں پڑنیوالا تھا جسکو صرف اپنی پسپائی اور جان بچا کے بھاگنے کا خیال تھا چنانچہ انگریزی فوج نے نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک شدید معرکے کے بعد غلزئیوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ غلزئیوں کی مکمل تباہی اور جنرل پولک کی مردانہ پیشقدمی نے کابل کے سرداروں کے چھکے چھوڑادیئے اور اکبر خاں نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانیکے لیئے اپنے تمام قیدیوں کو ترکستان بھیجدیا اور اپنے تمام افغانی سرداروں کو مع اُنکی جمعیتوں کے لیکر جوش انتقام سے بھرے ہوئے دشمن کو کابل پر چڑھ آنے سے روکنے کے لیئے کوچ کیا۔ متخاصمین کی مڈبھیر اس دفعہ وادی تیزین میں ہوئی اور گزشتہ جنوری کے قتل عام کے منظر کی طرح اس دفعہ بھی ہر پہاڑی کے چپے چپے پر توڑے دار بندوقیں ہی بندوقیں نظر آتی تھیں۔ مگر اس موقع پر ہندوستانی سپاہیوں نے اپنے ہم چشم انگریزی سپاہیوں کی ہمسری کرنے میں کوئی کسر اُٹھا

صفحہ ۲۷۴

باب دہم
فصل اول

ایک معقول رقم بطور محاصل راہداری کے وصول کی۔ اُسنے ڈھائی سو افغانیوں کا ایک بدرقہ اس وعدے پر مہیا کیا کہ کابل پہنچکر ہر شخص کو بجائے ایک کے چار چار ماہ کی تنخواہ دی جائیگی۔ اُسنے قرب وجوار کے سرداروں کے نام ایک اعلان اس مضمون کا جاری کیا کہ جو کوئی سردار حاضر ہوکر اظہار اطاعت کریگا اُسکو محاصل اراضی اور نعلبندی وغیرہ سے بالکل معافی دیدی جائیگی۔ اس خیال سے کہ شاید کچھ دن قلعہ بند ہونیکی ضرورت پڑ جائے میجر موصوف نے قلعے کے استحکام کو درست کرا لیا۔ شہر میں کنوئیں کھدوائے اور کافی سامان رسد جمع کر لیا۔ ۱۵۔ستمبر ۱۸۴۲ء کو ایک سوار یہ خوشخبری لئے ہوئے آکر پہنچا کہ اکبر خاں کی فوج کو شکست فاش نصیب ہو گئی ہے اور جنرل پولک پورے زور شور کے ساتھ کابل پر پیش قدمی کرتا چلا جارہا ہے۔ چنانچہ میجر پوٹنگر اور اُسکے ہمراہیوں نے فوراً کابل روانہ ہونیکا عزم بالجزم کر لیا۔ ۱۶۔ستمبر ۱۸۴۲ء کو ان سب نے اپنے محبس کو الوداع کہا اور تکان یا بیماری کا خیال کئے بغیر رات ایک کھلی پہاڑی پر چین کی نیند لیکر کاٹی۔ دوسرے دن سہ پہر کے وقت سر رچمنڈ شکسپیر اور اُسکے چھ سو سوار ان ہی قیدیوں کے درمیان نظر آتے تھے اور آٹھ ماہ کی مصیبتوں کا ایکدم خاتمہ ہو چکا تھا دو دن کے بعد جبکہ قیدی کابل کے انگریزی لشکر میں داخل ہوئے تو تمام لشکرگاہ نعروں سے گونجنے لگا۔ ان قیدیوں میں بعض بھیڑ کی پوستین پہنے تھے۔ جب سے ہندوستان میں انگریزی اقتدار حکومت قائم ہوا ہے اُس وقت سے اب تک کبھی تمام انگریزی طبقے پر ایسا عام اضطراب نہیں طاری ہوا تھا جیسا ان اسیران بلا کے انجام کے متعلق ہر دل پر طاری تھا اور انکی جان بری و خلاصی کی خوشخبری سے جو لہر خوشی و خوشوقتی کی تمام ملک میں دوڑ گئی اُسکو دل ہی جان سکتا ہے بیان کرنا محال ہے ؎

استانلف

منتشر افغانی فوج کے بقیۃ السیف حصے پھر قوہستان میں امین اللہ کی سرکردگی میں جمع ہونے شروع ہو گئے جو انگریزوں کا

باب دہم
فصل اول

کئی ہزار فٹ سطح زمین سے اوپر ہو کر بمیان بھیجدیا تھا جہاں وہ سب ۳ ستمبر ۱۸۴۲ء کو پہنچگئے تھے۔ چنانچہ جنرل پولک نے اپنے ملٹری سکرٹری سر رجمنڈ شکسپیر کو ان اسیروں کی تلاش میں چھ سو سواروں کے ساتھ فوراً روانہ کیا۔ یہ سب قیدی اس وقت صالح محمد کی سپردگی میں تھے جو کہ انگریزوں کی بھرتی کی ہوئی افغانستانی فوج کا ایک افسر تھا مگر سال بھر ہوا کہ اپنی ملازمت ترک کر کے فرار ہو گیا تھا۔ ۱۱ ستمبر ۱۸۴۲ء کو صالح محمد نے اُن قیدیوں میں سے کپتان جونسن۔ کپتان جارج لارنس اور میجر پوٹنگر کو علحدگی میں طلب کیا اور اول تو انھیں اکبر خاں کا ایک خط دکھایا جسمیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اسیران جنگ کو ہندوکش کے مرتفع علاقوں میں لیجا کر قلوں کے اوزبک سرداروں کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر صالح محمد نے ایک اور خط موہن لعل میر منشی سابق سفیر کابل کا دکھایا جسمیں جنرل پولک کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر صالح محمد ان قیدیوں کو حوالہ کر دے تو اُسے بیس ہزار روپیہ نقد یکمشت اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ دیا جایا کریگا۔ صالح محمد نے تینوں افسروں سے کہا کہ مجھے جنرل پولک کا کچھ حال معلوم نہیں۔ البتہ اگر آپ تینوں صاحب اپنے خدا کی قسم کھا کر اس شرط کی ایفا کا وعدہ کریں تو میں آپ کو آپ کے ہمقوموں کے سپرد کر دوں۔ اس تجویز کا جملہ اسیران نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا اور تمام افسروں نے اور خاتونوں نے ایفائے شرط کا اپنے تیئں ذمہ دار قرار دیا اور ایک دستاویز مرتب کر کے صالح محمد کے حوالے کر دی ؛

صفحہ ۴۲۸

میجر پوٹنگر کی سرگرمیاں عام انتخاب کے مطابق میجر پوٹنگر کو ان خلاصی یافتہ اسیروں کی نقل وحرکت کی قیادت سپرد کی گئی اور ایک مرتبہ پھر ہرات کے سورما کو اپنی طبیعت کے مطابق رنگ میں ظاہر ہونیکا موقع مل گیا۔ میجر پوٹنگر نے بمیان کے اس گورنر کو فوراً معزول کر دیا جسکی طرف سے برخاش کا خیال تھا قلعے پر دوسرا جھنڈا بلند کر دیا اور لوہانی کے سوداگروں کے ایک کاروان سے جو اُس راستے سے گذر رہا تھا

باب دہم
فصل دل

لارڈ النبرو کے اعلانات

لارڈ النبرو کے پاس کابل کے دوبارہ تسخیر ہونیکی خبر مقام شملہ پر اُس وقت پہنچی جبکہ وہ اسی کوٹھی میں اقامت گزیں تھا جسمیں بیٹھکر چار سال پہلے لارڈ آکلینڈ نے اعلان جنگ کیا تھا اور یہیں سے لارڈ النبرو نے اختتام جنگ کا اعلان شائع کیا۔ تمام کارروائی میں ایک نمائش پیدا کرنے کے لیئے اختتام جنگ کے اعلان کی تاریخ بھی وہی اور اُسی مہینے کی رکھی گئی جو اعلان جنگ کی تھی اگرچہ اسکی اشاعت دس روز بعد تک نہو سکی۔ لارڈ النبرو کے اعلان کو عام طور سے اسلیئے ملامت کی نظروں سے دیکھا گیا کہ اسکی طرز تحریر اپنے پیشرو کی نسبت طعنہ زنی کا پہلو لیئے ہوئے تھی۔ اس اعلان میں لارڈ النبرو نے فخر کے ساتھ لکھا تھا:

> وہ مصیبتیں جنکی نظیر تاریخ عالم صرف ایسے ہی موقعوں پر پیش کر سکتی ہے جبکہ اُنکے نازل ہونیکے اسباب ویسی ہی غلط کاریوں سے خود پیدا کر لیئے گئے ہوں جیسے کہ ان مصیبتوں کے لیئے پیدا کر لیئے گئے تھے۔ وہ سب ختم ہو گئی ہیں اور تمام گزشتہ ناکامیوں کا انتقام ہر موقع پر ایک مختصر سی فوجکشی کے ذریعے سے لے لیا گیا ہے۔ انگلستان اور ہندوستان کی مشترکہ فوج اپنے سلاح جنگ کے اپنی قواعد دانی کے اور اپنی جانبازی کے اعتبار سے اور اپنے اعلیٰ درجے کے قائدوں کے اعتبار سے ایشیا کی اُن تمام افواج کا مقابلہ کر سکتی ہے جو اسوقت میدان میں لائی جا سکیں اور ایسے تمام متخاصمین کے مقابلے میں وہ اپنی پامردی سے کبھی میدان نہیں چھوڑیگی اور کبھی اسکا زور نہیں توڑا جا سکیگا اور عنایت ایزدی سے ہمیشہ اُس شاندار سلطنت کو اپنے قبضہ وقابو میں رکھیگی جو اسی فوج نے اپنی جانبازی اور سرفروشی کے ذریعے سے حاصل کی ہے۔

صفحہ ۳۴

جب سے زمام حکومت لارڈ النبرو نے ہاتھ میں لی تھی اس وقت سے

سب سے قدیمی دشمن تھا چنانچہ یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس اجتماع کو منتشر کر دیا جائے
ایک دستہ قوہستان کے بڑے شہر استالیف پر حملہ کرنیکے لئے بھیجا گیا۔ یہاں کا قلعہ افغانستان کے اُن
قلعوں میں تھا جو ابتک فتح نہ ہوے تھے لیکن اُسکو بہت ہی تھوڑا نقصان اُٹھا کر
انگریزی فوج نے فتح کر لیا۔ قلعہ چریکھار جہاں گورکھا رجمنٹ پوری کٹ چکی تھی
اور اسکے ساتھ ہی اور دوسرے معرکے کے قلعے بھی تسخیر کر لئے گئے جنھوں نے
گزشتہ شورش کے زمانے میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ اب انتقامی مہم کی
غایت پوری ہو چکی تھی۔ افغانستان کو پھر فتح کر لیا گیا تھا اور برطانیہ کا فوجی
اقتدار اصلی شان و شوکت کے ساتھ قائم کیا جا چکا تھا۔ لیکن اب بھی
یہ ضروری معلوم ہوا کہ خاص دار الحکومت میں انگریزی غلبۂ انتقام کی کوئی
نمایاں اور دیرپا یادگار چھوڑی جائے۔ چنانچہ وہ صدر بازار جہاں کہ سفیر کی
نعش کے ساتھ عام مخلوق نے طرح طرح کی توہین کا برتاؤ کیا تھا اور جو اپنی
شان تعمیر کے اعتبار سے وسط ایشیا کی شاندار عمارتوں میں شمار ہونیکے
قابل تھا سرنگ لگا کر اڑا دیا گیا۔ باوجودیکہ فوجی حکام نے شہر کے پھاٹکوں پر
بہت کچھ پہرے وغیرہ لگائے رکھے اور طرح طرح سے روک تھام کی مگر دونوں
انگریزی سپہ سالاروں کے لشکروں کے سپاہی بے لگام ہو کر ٹوٹ پڑے
اور شہر میں گھس پڑے اور کئی دن تک شہر کابل ان تمام سفاکیوں اور
دراز دستیوں کا منظر بنا رہا جو ایسے فوجیوں کے ہاتھوں سے عمل میں آسکتی
تھیں جنکو جوش انتقام نے اور اپنے مقتول بھائیوں کے ساتھ جو توہین
کی گئی تھی ان کی یاد نے بالکل آپے سے باہر کر رکھا تھا۔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۴۲ء کو
انگریزی جھنڈا بالا حصار پر سے اُتار لیا گیا اور دونوں فوجوں نے افغانستان
کی طرف پیٹھ موڑ لی۔ شاہ شجاع کا تمام خاندان بھی انگریزی سپاہ کے ساتھ ہی
واپس آ گیا اور اپنے سابقہ ملجا و ماویٰ مقام لدھیانہ میں سکونت گزین ہو گیا۔
راستے میں جنرل پولاک جلال آباد ٹھیرا اور وہاں کی قلعہ بندی کو سرنگ
سے اڑا دیا اور اس طرح کوچ کرتی ہوئی مظفر و منصور برطانوی فوج دریائے
ستلج کے کنارے پہنچ گئی۔

باب دہم
فصل اول

فیروزپور پر فاتحین کا استقبال

لارڈ النبرو نے فیروزپور پر ایک بڑی فوج جمع کرلی تھی جسکی ایک غرض تو یہ تھی کہ سکھوں پر رعب جمایا جائے اور دوسری غرض یہ تھی ایک زبردست استقبالی جشن برپا کیا جائے۔ چنانچہ اس جگہ دریائے ستلج کے پل کے دامن میں اُن سینکڑوں ہاتھیوں کے درمیان جنھیں لارڈ النبرو نے فاتحین کے استقبال واعزاز کے لیئے جمع کیا تھا اور اپنی نظر کے سامنے سجوایا تھا فرمانروائے ہند نے جنرل پولک کا مع اسکے افغانی قیدیوں کے اور جنرل نوٹ کا مع اُسکے صندلیں کواڑوں کے استقبال کیا۔ افسروں کی نہایت شاندار شامیانوں کے تلے ضیافتیں کی گئیں جن پر وہ پھریرے اُڑ رہے تھے جن پر اُن فتوحات کے نام لکھے ہوئے تھے جو ان افسروں نے حاصل کی تھیں اور سپاہیوں کی تواضع بقول گورنر جنرل کے فربدار مٹھائیوں سے کی گئی۔ اس وقت افغانستان سے آنیوالی فوج کی تعداد کو شامل کرکے کل چالیس ہزار کا اجتماع فیروزپور میں ہوا تھا اور ماوراے سندھ میں جن منحوس ناکامیوں کا منھ انگریزوں کو دیکھنا پڑچکا تھا اُنکے لحاظ سے اس اجتماع کو ایک زبردست اور شاندار فوجی نمائش سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جتنے افغانی قیدی انگریزوں کے ہاتھ میں تھے وہ سب آزاد کر دیئے گئے۔ لارڈ النبرو نے (صفحہ ۴۳۱) جس وقت امیر دوست محمد خاں سے الوداعی ملاقات کی ہے اُسوقت اُسے یہ شوق اٹھا کہ دوست محمد خاں کی رائے دریافت کرے کہ اُسنے ہندوستان کو اور اُسکے فرمانرواؤں کو کیسا پایا۔ سادہ مزاج امیر نے جواب دیا۔

مجھے آپ کے وسائل۔ آپ کی قوت۔ آپ کی سپاہ۔ آپ کے جہازات۔ اور آپ کے ذخائر حرب نے حیرت زدہ کردیا ہے لیکن جو بات میری سمجھ میں بالکل ہی نہیں آتی وہ یہ ہے کہ ایسی عظیم الشان اور سرسبز سلطنت کے زبردست فرمانرواؤں کو اسکی کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ دریائے سندھ کو عبور کرکے صرف اسلیئے ایک سنگلاخ

باب دوم
فصل اول

وہ اس درجہ پیچ وتاب کی حالت میں رہا تھا کہ اس اعلان کے اکثر بڑھے چڑھے جملوں نے کوئی استعجاب نہیں پیدا کیا البتہ یہ افسوس ضرور عام طور پر کیا گیا کہ فرمانروائے ہند میں اپنی ذہنی و دماغی قابلیتوں کے برابر تحمل و تمکین نہیں ہے۔ اسکے بعد ہی سومنات کے کواڑوں کا اعلان شائع کیا گیا لیکن اسکا سمجھدار طبقے کی طرف سے یہ کہکر مضحکہ اڑایا گیا کہ یہ نپولین کے اس اعلان کا پھوہڑپن سے منہ چڑھانا ہے جو اُس نے اہرام مصری کے متعلق شائع کیا تھا۔ گورنر جنرل نے ہندوستان کے رئیسوں اور سرداروں کو اس طرح خطاب کیا تھا:۔

احباب و برادران۔ ہماری مظفر و منصور سپاہ اپنے ہمراہ افغانستان سے سومنات کے کواڑ لا رہی ہے اور محمود کا لٹا ہوا مزار غزنی کے کھنڈروں کو حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ آٹھ صدی پہلے کی توہین بالقصہ کا انتقام اب لیا گیا ہے اے سرہند۔ راجواڑے۔ مالوے اور گجرات کے رئیسو اور سردارو میں اس فاتحانہ جنگ کے اس شاندار مال غنیمت کو آپ کے سپرد کرونگا اور آپ خود پوری عزت و احترام کے ساتھ ان صندل کے کواڑوں کو لے جاکر سومنات کے مندر پر چڑھا دیجئے۔

ڈیوک آف ولنگٹن نے اس شیخ چلی کی بڑ کو فخر ظفر سے تعبیر کیا تھا لیکن ہندوستان کے عام یورپین اور دیسی طبقے نے اسکو صوت الحمیر سے زائد وقیع نہیں سمجھا۔ جنرل نوٹ کے خاص اہتمام میں وہ کواڑ خاص گورنر جنرل کی گاڑی میں ایک پوری واگن پر رکھوا کر نہایت زرق برق پوشش کے ساتھ آگرے لائے گئے۔ یہ لاؤ لشکر جس وقت آگے بڑھا ہے تو ہزاروں ہندو اس واگن کے آگے ڈھوک دیر ہے تھے اور کسی دیوتا کی طرح اُس پر بھی نذر بھینٹ چڑھا رہے تھے۔ لیکن یہ کواڑ آگرے سے آگے نہیں بڑھے اور وہیں کے قلعے کے کرکری خانے میں ڈال دیئے گئے۔

باب دہم
فصل اول

اونٹوں کی بدولت ہو سکا جو امیران سندھ نے بہم پہنچائے تھے۔ مگر بعض سرداروں کے مزاج انگریزوں کی افغانی ناکامیوں سے کچھ بگڑ گئے تھے اور انکی طرف سے کچھ مخاصمانہ انداز کا اظہار ہوا تھا۔ اور میجر آؤٹرام نے ان کے خلاف الزام مخاصمت قائم کر کے معاہدہ ۱۸۳۹ء پر نظر ثانی کیئے جانیکا مشورہ گورنر جنرل کو دیا۔ لارڈ النبرو نے یہ جواب دیا کہ گورنمنٹ نے یہ طے کر لیا ہے گذشتہ واقعات کی بناء پر برطانیہ کی قوت کو کمزور سمجھکر جس کسی امیر نے کسی قسم کے معاندانہ یا مخالفانہ انداز کا اظہار کیا ہوگا اسکو نہایت عبرت انگیز سزا دی جائے مگر اسکے لیئے غداری یا بیوفائی کا بیّن ترین ثبوت موجود ہونا چاہیئے۔

سر چارلس نیپیر

سر چارلس نیپیر ستمبر ۱۸۴۲ء میں سندھ پہنچا اور اُسکو کامل سیاسی و فوجی اختیارات تفویض کیئے گئے تھے۔ وہ نہایت ممتاز و مدبر آور وہ جنگجو تھا اور اپنی مستعدی کے لیئے خاص طور سے مشہور تھا لیکن اپنے عہدے کا انصرام جس وقت اُسنے اپنے ذمے لیا ہے اُس وقت اُسکے خیالات امیران سندھ کی طرف سے نہایت سخت خراب ہو چکے تھے۔ غداری کے الزامات کی تحقیقات سر چارلس کے سپرد کی گئی اور گورنر جنرل نے صاف اور واضح الفاظ میں اُسے یہ ہدایت کر دی کہ امیران مذکور کے خلاف کسی قسم کی کارروائی اُس وقت تک ہرگز نہ کی جائے جب تک کہ اُنکے قصور کا پورا پورا ثبوت نہ مل جائے۔ سوائے تین الزاموں کے اور تمام الزامات بہت جلد بے اصل ثابت ہو گئے اور تمام قصور کا انحصار صرف ایک خط کے جواز و ناجواز پر رہگیا جسکے متعلق بہترین علماء و فضلا نے یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ اسکی اصلیت مشکوک ہے۔ لیکن باوجودیکہ سر چارلس نیپیر اس زبان سے بالکل نابلد تھا اُسنے اس خط کو اصلی قرار دیا اور امیران سندھ سے اسکے متعلق کوئی مطالبہ جواب یا صفائی کا بھی نہیں کیا۔ اور اُسنے یہ فیصلہ کر دیا کہ ۱۸۳۹ء کے معاہدے کی خلاف ورزی وقوع میں آ گئی ہے۔

جدید معاہدات

میجر آؤٹرام نے جس رپورٹ میں غدار امیروں کے خلاف الزامات پیش کیئے تھے اسکے ساتھ ہی ایک نئے

قطعہ میں قدم رنجہ فرمائیں کہ مجھکو میرے مفلس و مفلوک ملک سے محروم کریں۔

جس حیرت و استعجاب کا اظہار دوست محمد خاں نے کیا تھا وہی نے یورپ اور ہندوستان کے ادنیٰ و اعلیٰ طبقے کی عقل و فہم کو چکر میں ڈال رکھا تھا۔ غرض یہ کہ یہاں آکر افغانستان کے مکروہ تماشے پر آخری پردہ گر گیا۔

امیران سندھ کے رنگ ڈھنگ

یکم اکتوبر ۱۸۴۲ء کو لارڈ ڈالن برو نے اپنے شملے کے اعلان میں یہ ظاہر کیا کہ حکومت ہند اُن حدود پر قانع ہو چکی ہے جو کہ کاتبان قضا و قدر نے اس کی مملکت کے لیئے معین کر دی ہیں اور اب وہ اپنی تمامتر توجہ و کوشش قیام و استحکام امن و امان میں مبذول و مصروف کرے گی۔ چنانچہ اس نے ایک تمغہ بھی ڈھلوایا جس کے ایک طرف لاطینی الفاظ "کھویا ہوا امن پھر حاصل ہوا" کندہ تھے۔ لیکن چھ ماہ کے اندر ہی اسی گورنر جنرل نے پھر ایک اعلان شائع کیا جس میں ملک سندھ کو کمپنی کی محروسات میں شامل کرنیکی اطلاع دیگئی تھی۔ ملک سندھ تین مملکتوں میں تقسیم تھا۔ جنکو بالائی۔ وسطی اور زیریں سندھ کہنا چاہیئے۔ ان تینوں مملکتوں کے رئیس علحدہ علحدہ تھے جو بالکل خود مختار تھے۔ ۱۸۳۹ء میں سر ولیم میکناٹن نے جو زبردستی کے معاہدے ان کے سر ڈالے تھے ان کی ذلت کو ان امیروں نے صبر و شکر کرکے گوارا کر لیا تھا اور تین سال تک برابر جو انگریزی فوجیں افغانستان میں مصروف کار رہیں اس دوران میں ان امیروں کی طرز و روش نہایت وفاشعارانہ رہی تھی۔ انھوں نے انگریزی رسد اور فوجوں کو بلا روک ٹوک اپنے ملک سے گزرنے دیا تھا اور دخانی جہازوں کے لیئے ایندھن وغیرہ کا پورا انتظام کیا تھا۔ کابل کی فوج کا استیصال قطعی ہو جانیکے بعد بھی یہ امیر برابر رسد اور بار برداری کا انتظام کرتے رہے تھے اور جنرل نوٹ نے جو کابل تک کوچ کیا وہ صرف انھی تین ہزار

باب دہم
فصل اول
صفحہ ۳۳۴

سردار سرفراز تھا جسکی سندھی اور انگریزی افسر یکساں عزت و توقیر کرتے تھے۔ ملک کے دستور کے مطابق یہ اعزاز بطور ورثے کے میر رستم کے بھائی علی مراد کو پہنچنے والا تھا لیکن میر رستم یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے بیٹے کو اپنا جانشین قرار دیدے۔ اپنے سر پگڑی بندھوانیکے لیئے علی مراد نے یہ توڑ جوڑ شروع کیا کہ ایک طرف تو سر چارلس کے دل میں جگہ کرنی شروع کی اور اُسکے دل میں میر رستم کی طرف سے بغض و کینہ پیدا کر دیا دوسری طرف وہ میر رستم کو ایسے پہلو پر لے آیا کہ وہ کوئی نہ کوئی علانیہ معاندانہ حرکت برطانوی گورنمنٹ کے خلاف کر بیٹھے۔ علی مراد نے سر چارلس پر کچھ ایسا داؤں چلا کہ اُسنے میر رستم کے پاس تین نہایت عتاب آمیز پیامات بھیجے اور جبکہ بوڑھے رئیس نے بالمشافہہ جوابدہی کے لیئے حاضری کی اجازت چاہی تو سر چارلس نے ملاقات سے انکار کر دیا اور اُسے حکم دیا کہ اپنے بھائی علی مراد کے قلعہ دیجی میں واپس چلا جائے۔ میر رستم وہاں پہنچا ہی تھا کہ علی مراد نے اُسکی طرف سے ایک ہبہ نامہ سر چارلس نیپیر کو اس مضمون کا بھیجا کہ میں بصحت حواس بلا جبر و اکراہ اپنی پگڑی کو۔ اپنی فوج کو اپنے قلعہ جات کو اور اپنی مملکت کو اپنے بھائی علی مراد کے حوالے کرتا ہوں اسپر سر چارلس کو شبہ پیدا ہوا کہ اس حوالگی میں زبردستی یا فریب سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اُسنے علی مراد کو یہ اطلاع دی کہ وہ بہ نفس نفیس موقع پہنچکر میر رستم سے اس معاملے میں گفتگو کرے گا۔ علی مراد جانتا تھا کہ یہ ملاقات اُسکے منصوبوں کے لیئے اور خود اُسکے لیئے مہلک ثابت ہوگی اسلیئے اُسنے آدھی رات کو اپنے بھائی کو جگایا اور اُس سے کہا کہ صبح ہی انگریزی جرنیل تمکو گرفتار کرنے آرہا ہے اسلیئے کسی طرح اپنی جان لیکر بھاگو۔ بدحواس بوڑھا گھبرا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور بارہ میل کے فاصلے پر اسکے کچھ عزیز رہتے تھے وہاں پناہ گزین ہوا۔ سر چارلس کو میر رستم کے روپوش ہو جانیکی اطلاع ملتے ہی اُسنے ایک اعلان رعایا میران سندھ کو خطاب کر کے شائع کیا جس میں میر رستم پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ میر رستم نے برطانوی گورنمنٹ کی

باب دہم
فصل اول

معاہدے کا مسودہ بھی گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کیا تھا جسکا منشا یہ تھا کہ نعلبندی کی رقم کے عوض میں علاقہ حوالے کر دیا جائے اور جن امیروں نے عہد شکنی کی تھی اُنکے علاقوں کا کچھ حصہ بطور سزا کے نواب بہاولپور کی ریاست میں منتقل کر دیا جائے۔ ۱۲- نومبر ۱۸۴۲ء کو سر چارلس نیپیر کے پاس گورنر جنرل کا منظور فرمایا ہوا ایک مسودہ پہنچا جسمیں میجر آوٹرام نے اپنے مسودے سے یہ فرق دیکھا کہ ایک توجس علاقے کا بالعوض خراج کے الحاق کیا جانا تھا وہ اُس سے زائد تھا جو میجر موصوف نے تجویز کیا تھا دوسرے امیران سندھ کو اُنکے رئیسانہ استحقاق یعنے سکہ زنی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ میجر آوٹرام نے اس اختلاف کو محض سہو پر محمول کیا اور سر چارلس سے استدعا کی کہ وہ اسکی طرف گورنر جنرل کو توجہ دلائے۔ بہرحال میجر آوٹرام نے یہی مناسب سمجھا کہ اس مسودے کو دس ہفتے تک رہنے رکھے اور آخر کار جس وقت کہ گورنر جنرل کی طرف سے یہ ہدایات وصول ہوئیں کہ غلطیوں کی اصلاح کر لی جائے اُس وقت امیران سندھ ایسے برباد ہو چکے تھے کہ اسکی تلافی ممکن نہیں تھی درانحالیکہ گورنر جنرل نے سر چارلس نیپیر کو صاف الفاظ میں ہدایت کر دی تھی کہ معاہدے کی شرائط پر اُس وقت تک عملدرآمد نہ کیا جائے جب تک کہ امیران سندھ اُسکو قبول کر کے اسکی تصدیق نہ کر دیں مگر سر چارلس نے انکو اس معاہدے کی شرائط پر رد و قدح کرنیکا موقع بھی نہیں دیا اور وہ تمام علاقہ زبردستی چھین لیا جو پہلے والے غلط معاہدے میں مشخص کیا گیا تھا یہ علاقہ اُن بلوچی سرداروں کا تھا جو امیران سندھ کے جاگیردار تھے اور وہ بیچارے فوراً اپنی روزی سے محروم کر دئیے گئے۔

علی مراد کی افترا پردازیاں

ان سخت اور غیر منصفانہ کارروائیوں کی نوبت بہت کچھ علی مراد کی افترا پردازیوں کی وجہ سے آئی تھی۔ بالائی سندھ میں رئیس کا خطاب سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا اور اُسکی امتیازی علامت پگڑی تھی۔ اس اعزاز پر میر رستم ایک بیاسی سالہ

باب دہم
فصل اول

آقاؤں کی مہریں اونکے پاس تھیں اور اُنکو مجاز کردیا گیا تھا کہ وہ معاہدے پر تصدیقی مہریں ثبت کردیں اگر اُسنے تصدیقی مہریں وہیں کرائی جائیں تو تمام قضیہ وہیں رفع دفع ہوجاتا مگر سرچارلس نے اب تکمیل معاہدہ کی اس مقام پر اجازت دینے سے انکار کردیا اور اُن کارکنوں کو حکم دیا کہ حیدرآباد جائیں۔ اس طرح سرچارلس نے بالائی اور زیرین سندھ کے تمام آتشگیر مادے کو ایک ہی جگہ حیدرآباد میں اپنے ہاتھوں سے جمع کردیا ؎

حیدرآباد کی مجلس مشاورت

حیدرآباد کی مجلس مشاورت میں امیروں نے ۱۸۳۹ء کے معاہدے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونیسے صاف انکار کیا اور اُس خط کو بالکل جعلی بتایا جسکو وجہ ثبوت قرار دیا جارہا تھا اور جسکے دیکھنے کی اجازت بھی اُنکو نہیں دی جارہی تھی۔ بہت سی ردو قدح کے بعد ۱۲- فروری ۱۸۴۳ء کو امیران مذکور نے جدید معاہدے پر اپنی مہریں ثبت کردیں لیکن اُنھوں نے میجر آوٹرام کو یہ یقین دلادیا کہ جو بلوچی فوجیں اسوقت حیدرآباد میں جمع ہیں وہ جب بالائی سندھ کے اُن رئیسوں کو دیکھتی ہیں جنکے علاقے سرچارلس نے ضبط کرلیئے ہیں اور خصوصاً جب میر رستم پر اُنکی نظر پڑتی ہے جس کو سرچارلس نے جاہ وملک سے معزول کردیا ہے تو اُنکی آنکھوں میں خون اُترآتا ہے اسلیئے اگر یہ بلوچی فوجیں جوش اشتعال میں کوئی حرکت کر بیٹھیں تو امیران موصوف اسکے ہرگز ذمہ دار نہیں ہونگے۔ اسکے بعد ہی سرچارلس کے مع اپنی فوج کے وہاں آپہنچنے سے الجھن اور بے چینی اور بڑھ گئی۔ جس وقت معاہدے پر دستخط ہو جانیکے بعد میجر اوٹرام قلعے سے روانہ ہوکر اپنے پڑاؤ پر جارہا تھا اُسکو عام شہریوں کے ایک انبوہ نے آکر گھیر لیا اور انگریزوں کے نام پر لعنت کی بوچھار کرنی شروع کردی۔ اس وقت اگر امیران سندھ خود درمیان میں آکر میجر آوٹرام کو بہ حفاظت رزیڈنسی تک نہ پہنچا دیتے تو میجر موصوف اس جوش اشتعال کے ہاتھوں کھیت رہ جاتا۔ دوسرے دن امیروں کا ایک وفد میجر آوٹرام کی خدمت میں باریاب ہوا اور اُسنے یہ اطلاع دی کہ بلوچی فوجوں کا غیظ وغضب اس درجہ بڑھگیا ہے کہ اب وہ

باب دہم
فصل اول

بالقصد توہین کی ہے اسلیئے گورنمنٹ مذکور علی مراد کو خاندان تالپورہ کا سردار تسلیم کرتی ہے۔ اسکی اطلاع پاتے ہی میر رستم نے اپنے کامدار کو سرچارلس کے پاس معاملات کی توضیح کے لیئے بھیجا کہ علی مراد نے اپنے قلعے میں میر رستم کو نظر بند کر لیا تھا اور اس مراسلے پر میر رستم کی مہر زبردستی حاصل کر کے ثبت کی گئی تھی اور اسکے بعد علی مراد نے فریب کر کے میر رستم کو روپوش ہونے پر مجبور کیا تھا۔ اس پیام کا سرچارلس نے نہایت حوصلہ شکن جواب دیکر کامدار کو واپس کر دیا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد سرچارلس نے صحرائے سندھ کے قلعۂ امام گڑھ پر ایک فوجی مہم بھیجی۔ یہ قلعہ بالائی سندھ کا جبل الطارق کہلاتا تھا اور سرچارلس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ سندھ کے سرداروں پر یہ ثابت کر دے کہ نہ اُنکے ریگستانوں میں یہ طاقت ہے نہ اُنکے نامہ و پیام میں یہ اثر ہے کہ وہ برطانوی فوج کی پیشقدمی میں حائل وحارج ہو سکیں۔ انگریزی فوج نے چار دن تک ریگستان میں صعوبات سفر برداشت کیں۔ قلعے پر پہنچکر اُنھوں نے اُسکو خالی پایا اور جو بارود خانہ وہاں موجود تھا اُسی کے ذریعے سے قلعے کو اڑا دیا۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے اس حرکت کو ایک مہتم بالشان فوجی کارنامے سے تعبیر کیا لیکن چونکہ مالک قلعہ میر محمد نے اب تک برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو گورنمنٹ مذکور کے لیئے باعث اشتعال ہوتی اسلیئے عام اہل الرائے نے اسکو حریصانہ چیرہ دستی سے تعبیر کیا ؛

امیران سندھ کے ساتھ مشاورت

بالائی سندھ کے علاقوں کو ضبط کر کے میر رستم کو اسکے اعزاز و اختیارات سے محروم کر چکنے کے بعد سرچارلس نیپیر نے بالائی و زیرین سندھ کے تمام امیروں کو یہ حکم بھیجا کہ مقام خیرپور پر میجر آوٹرام سے ملاقات کریں اور شرائط معاہدہ پر گفتگو کر کے اُس پر دستخط کر دیں۔ مگر چونکہ بعض امیر نہیں آئے اس لیئے مجلس شوریٰ کو حیدرآباد سندھ میں منتقل کر دیا گیا۔ دو دن کے بعد زیرین سندھ کے امیروں کے قائم مقام خیرپور آکر پہنچگئے۔ اُن کے

۱۸۴۳

باب دہم
فصل اول

کسی اور موقع کی منتظر منڈلا رہی تھی مگر امیروں کی طرف سے اظہار اطاعت اور حوالگی قلعہ نے سر چارلس نیپیر کو تمام تشویش سے نجات دلا دی۔ سر چارلس نیپیر ۲۰ فروری ۱۸۴۳ء کو حیدر آباد میں داخل ہوا اور تالپورہ خاندان کے جمع کیئے ہوئے خزائن پر قبضہ کر لیا جنکو حسب دستور فوراً فوج کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ لارڈ النبرو نے معرکۂ میانی کی فتح کا مژدہ سنتے ہی ایک اعلان شائع کیا جسکے ذریعے مصر کے موافق زرخیز ملک سندھ کا محروسات کمپنی کے ساتھ الحاق کیا گیا تھا۔ پھر بہادر شیر محمد نے بلوچیوں کے منتشر جانبازوں کو جمع کیا اور اپنے ملک کی خود مختاری کو بحال کرنیکے لیئے ایک دفعہ اور جان جھونکنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت کمک پہنچکر سر چارلس کی فوج بھی چھ ہزار تک پہنچگئی تھی۔ اُسنے مقام ڈبہ پر دشمن کا بیس ہزار کا لشکر جما ہوا پایا۔ اس موقع پر بھی فریقین نے داد مردانگی دی لیکن یہاں بھی اُسی فوج کو ویسی ہی کامل فتح نصیب ہوئی جسکو میانی پر ہوئی تھی اور ملک سندھ کی تسخیر کی تکمیل ہوگئی ٭

تبصرہ

سندھ کی فوج کی مردانگی کا مقابلہ کابل کی فوج کی بزدلی سے کیا گیا اور اس نئے فوجی کارنامے نے تمام ہندوستان میں بجا طور پر فخر و مباہات کے جذبات دلوں میں پیدا کر دسے لیکن یہ تمام مسرتیں اس سچے خیال سے خاک میں ملی جاتی تھیں کہ یہ جنگ کسی طرح حق بجانب نہیں قرار دی جاسکتی تھی۔ لارڈ النبرو نے بڑی شاندار لفاظی کے ساتھ اسکو حق بجانب ثابت کرنیکی کوشش کی مگر اس تمام فصاحت و بلاغت نے اسکو اور بھی ناجائز اور غیر منصفانہ ثابت کیا۔ لارڈ النبرو کی اصلی غلطی یہ تھی کہ اُسنے سر چارلس پر آنکھ بند کرکے اعتبار و اعتماد کر لیا تھا درانحالیکہ سر چارلس پر اپنی عقل کا بہت کم اثر رہتا تھا اور غیظ و غضب کا بہت زیادہ۔ اور سر چارلس اکثر وہ اطلاعیں چھپا جاتا تھا جو آداب ملازمت و شرافت کے اعتبار سے اسکو گورنر جنرل تک پہنچانی چاہئے تھیں سر جان ہوب ہاؤس صدر جماعت نگران کار نے نہایت صحیح رائے ظاہر کی تھی کہ سندھ کی تسخیر ہرگز ممکن نہ تھی اگر گورنر جنرل کو صحیح واقعات کی اطلاع مل سکی ہوتی اور علی مراد کے جعل و فریب سے خبردار ہوگیا ہوتا۔ لیکن سر چارلس کو علی مراد کی

صفحہ ۴۳۶

باب ہم
فصل اول

اپنے سرداروں کا حکم بھی نہیں مانتی ہیں۔ دو دن تک برابر ان امیروں نے میجر آؤٹرام سے التجائیں کیں کہ اس وقت میں رزیڈنسی سے ٹل کر کسی زیادہ محفوظ مقام پر چلا جائے مگر میجر موصوف نے محض اپنی دلیری کے بھروسے پر عقل کو بالائے طاق رکھدیا تھا اور وہاں سے ہٹنے سے انکار کرتا رہا۔ ۱۵- فروری ۱۸۴۳ء کی صبح کو یعنے معاہدے پر دستخط ہونیکے تین دن بعد پیدل بلوچی فوج کے دل کے دل رزیڈنسی کی طرف امنڈتے چلے اور میجر آؤٹرام کو تین گھنٹے کی جانبازانہ مدافعت کے بعد مجبور ہو کر اُس مسلح جہاز پر پناہ لینی پڑی جو وہاں سے پانسو گز کے فاصلے پر لنگرزن تھا۔

معرکہ میانی

اب ہتھیار سنبھالنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جب بلوچیوں کو یہ معلوم ہوا کہ باوجود معاہدے پر دستخط ہو جانیکے بھی سر چارلس کو اسی پر اصرار ہے کہ حیدرآباد پر فوجی حملہ کیا جائے تو بلوچی فوجیں کثیر تعداد میں وہاں جمع ہونے لگیں۔ ۱۷- فروری ۱۸۴۳ء کو سر چارلس نیپیر بلوچی فوج کے مقابلے میں آیا جو اس وقت پر مقام میانی پر جمع ہوئی تھی جو حیدرآباد سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ بلوچی فوج کی تعداد بیس ہزار تھی اور سر چارلس کے پاس صرف دو ہزار سات سو مستعد دان کار تھے۔ بلوچیوں نے زمین کے چپہ چپہ پر قدم جمائے رکھے اور تین گھنٹے تک نہایت جانبازانہ مدافعت کرنیکے بعد آہستہ آہستہ میدان کارزار سے ہٹنا شروع کیا اور اپنا خیمہ و خرگاہ اور توپ خانہ بھی فاتحین کے ہاتھ میں چھوڑ گئے۔ اس جنگ کی شدت اور نتیجے پر اگر غور کیا جائے تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے میدانوں میں انگریزی سپاہیوں سے زیادہ کوئی سپاہی دلیری کے ساتھ جان جھونکنے کے لیئے موت کے منھ میں نہیں گھسا ہو گا اور انگریزی افسروں سے بہتر کسی فوجی افسر نے میدان جنگ میں قابلیت اور اور مہارت حرب کا ثبوت نہیں دیا ہو گا۔ کسی فریق نے نہ پناہ مانگی نہ کسی کی طرف سے دی گئی۔ دشمن کا نقصان مقتول و مجروح ملا کر پانچ ہزار ہوا اور انگریزوں کے صرف دو سو ستاون ضائع ہوئے جنمیں اُنیس افسر بھی تھے۔ دوسرے دن دس ہزار بلوچیوں کا ایک اور دستہ پہنچگیا اور اتنی ہی تعداد قرب و جوار میں

۱۸۴۳ء

باب دہم
فصل دوم

بند کر دیا جائے کہ اُنھوں نے اپنے آقاؤں کی سلطنت میں ایک نئی مملکت کا اضافہ کر دیا تھا۔ فروری ۱۸۴۳ء میں ۳۴ دیسی پلٹن نے سندھ جانے سے انکار کر دیا تاوقتیکہ اُنکو وہ بھتہ نہ دیا جائے جو اُن فوجوں کو دیا جاتا تھا جو دریائے اٹک کے پار کوچ کرنیوالی تھیں۔ ۷ بنگالی رسالے اور گھوڑ چڑھے توپ خانے نے بھی اسکی تقلید کی اور اُنکو چھاؤنیوں میں واپس پہنچا دیا گیا۔ ۶۹ اور ۴ پلٹنوں کو سرحد پر کوچ کرنیکا حکم دیا گیا تھا مگر انھوں نے بھی فیروزپور پہنچکر کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور ۶۴ نے لدھیانہ مُدکی اور شکارپور میں بغاوت کر دی ان سب میں سے کسی ایک موقع پر بھی نہ سلطنت کا رعب داب قائم رکھا جاسکا نہ پابندی ضابطہ قائم کی جاسکی۔ جب گورنمنٹ نے یہ دیکھ لیا کہ بنگالی سپاہ میں سے سندھ کے لئے حفاظتی فوج نہیں بھیجی جاسکتی تو اُسنے مدراسی فوج کی طرف توجہ کی اور ایک رجمنٹ بمبئی کو بھیجی گئی۔ لیکن اس فوج کے سپاہیوں کو بھی جب یہ معلوم ہوا کہ اُنکو زائد بھتہ نہیں دیا جائیگا تو انھوں نے بھی حکم ماننے سے انکار کر دیا (صفحہ ۳۴۷) اسکے بعد صوبۂ سندھ کا تعلق احاطۂ بمبئی سے کر دیا گیا اور سپاہیوں کی شرح تنخواہ کا بھی معقول انتظام کر دیا گیا۔

معاملات گوالیار

لارڈ النبرو کے عہد حکومت میں دوسرا اہم معاملہ گوالیار کے متعلق پیش آیا۔ دولت راؤ سندھیا کا ۱۸۲۷ء میں انتقال ہو گیا تھا اور اُسکی بیوہ بائیزہ بائی نے جنکوجی کو متبنیٰ کر لیا تھا جو ۱۸۴۳ء میں لاولد فوت ہو گیا۔ ۱۸۳۵ء میں جنکوجی نے تارا بائی کے ساتھ عقد ثانی کر لیا تھا جو جنکوجی کی وفات کے وقت صرف تیرہ سال کی تھی۔ جنکوجی کی وفات کے بعد تارا بائی نے اٹھارہ سال کا ایک لڑکا متبنیٰ کیا جس کا نام گیاجی رکھا۔ گوالیار کی مجلس شوریٰ کو یہ کد تھی کہ زمام حکومت موجودہ وزارت کے ہاتھ میں رہے برخلاف اسکے لارڈ النبرو نے راجہ اور اُسکی متبنیٰ کرنیوالی ماں دونوں کو کم عمر پاکر یہ مصلحت سمجھی کہ ریاست کا انتظام صرف ایک قابل شخص کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ جو دو امیدوار

باب دہم
فصل اول

بے ایمانیوں کی کچھ خبر بھی نہیں تھی کہ اُسنے اپنے روزنامچے میں حسب ذیل اندراج کر دیا تھا۔

ہمکو ان امیروں پر دباؤ ڈالنے کے لیئے صرف کسی حیلے کی ضرورت ہے.... جو حکومت زیادہ زبردست ہے وہ بہت جلد اپنے زیردست کو ہضم کر جائیگی...... ہمکو سندھ پر قبضہ کرنیکا کوئی استحقاق نہیں ہے لیکن ہم قبضہ کر کے رہینگے اور یہ نہایت فائدہ مند کارآمد اور شریفانہ بے ایمانی ہوگی۔

اس معاملے کی بے ایمانی اسکے فائدے سے زیادہ صاف اور ظاہر نظر آتی ہے۔ البتہ فاتحین کو ضرور ذاتی فوائد ہوئے یعنے اُنکے مال غنیمت میں خوب جھکے پنچے ہوے جسمیں صرف سات لاکھ تو سر چارلس نپیر کا ہی حصہ ملا تھا۔ سلطنت ہندوستان کے مالیہ پر اس تسخیر نے ڈھائی کرور روپے کا ناقابل برداشت بوجھ پندرہ سال کے عرصے میں ڈال دیا۔

فصل دوم

لارڈ النبرو کا عہد حکومت سندھیا کے ساتھ جنگبازی۔ لارڈ النبرو کی واپسی

فوجوں کی بغاوت ۱۸۴۳ء الحاق سندھ کا خدائی انتقام بھی ساتھ ہی ساتھ نازل ہوا۔ اس سے دیسی فوجوں کی وفاداری اور اطاعت شعاری میں بڑا فرق پڑ گیا اور اس بغاوت کی داغ بیل پڑ گئی جسنے تیرہ سال کے بعد تمام دیسی فوج کا صفایا کر کے رکھدیا۔ جس وقت سندھ کو برطانوی صوبہ بنایا جا چکا تو فوجوں کو وہ زائد بھتہ ملنا بند ہو گیا جو انھیں دشمن کے ملک میں میدان جنگ میں ملا کرتا تھا۔ مگر اُنکی سمجھ میں یہ انصاف و قاعدہ کسی طرح نہیں آتا تھا کہ اُنکا بھتہ صرف اس لیئے کیوں

باب دہم
فصل دوم
صفحہ ۸۰۳ ہم

دو ثلث بھی اسکے بھینٹ چڑھ جاتا تھا۔ متواتر وزرا نے اس فوج کی تعداد گھٹانیکی کوشش کی تھی مگر اُسمیں اسقدر اتفاق تھا کہ ایک پلٹن کا توڑا جانا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ علاوہ براں اس فوج کی تنخواہ اکثر بقایا میں رہتی تھی جس سے یہ لوگ اور بھی دیدہ دلیر اور غیر اطاعت شعار ہو گئے تھے اور ریاست کو اس فوج پر بالکل قابو نہیں حاصل تھا۔ ۱۸۴۳ء میں ایک فوج نے مالوے میں بڑی بڑی زیادتیاں کی تھیں اور رزیڈنٹ کی متواتر اور سخت فہمائشوں پر ریاست نے اُسکے قائد کو تن تنہا حاضری دربار کا حکم دیا تھا مگر وہ اپنی تمام فوج اپنے ساتھ لیکر آیا اور دربار پر رعب جاکر چلا گیا۔ لارڈ النبرو نے مدار المہام پر برابر یہی تقاضہ جاری رکھا تھا کہ اس سرکشی و عدول حکمی کی روح کو فوج میں سے فنا کیا جائے مگر مدار المہام کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی تھی۔

بدنظمیوں کا آغاز

مدار المہام کی جلا وطنی کے بعد تارا بائی نے انصرام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بڑے زور شور سے روزانہ دربار منعقد کرنے شروع کر دیئے تمام امور کا انتظام دادا خاص جی کے ہاتھ میں دیدیا گیا جو اگرچہ اس وقت صرف تیرہ سال کا تھا مگر اسنے خوب ہی خوب نقدی اور جاگیریں عطا کرکے ہر طرف رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ لیکن ریاست کے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ دادا خاص جی کا برتاؤ معقولیت کا پہلو لئے ہوئے نہیں تھا اسلیئے اُن سب نے اسکے خلاف سازش کرلی تھی اور وہ بغیر معقول بدرقے کے نقل و حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ جو فوج کہ اسوقت خاص گوالیار میں موجود تھی اُسکو طرفدار بنانیکے لیئے اس وقت ہر دو فریق برسرکار تھے اسلئے اس فوج کا مزاج اور بھی بگڑ گیا تھا اور ریاست کی بدنظمیاں بڑی سرعت کے ساتھ نازک صورت اختیار کرتی جاتی تھیں۔ رانی نے رزیڈنٹ کی واپسی گوالیار پر بہت کچھ اصرار کیا مگر رزیڈنٹ نے صاف جواب دیدیا تھا کہ جب تک تمام بدنظمیوں کی جڑ یعنے دادا کو

مدار المہامی کے لیئے لارڈ ایلنبرو کی خدمت میں پیش کیئے گئے اُنمیں سے لارڈ موصوف نے ماما جی کو منتخب کیا جو متوفی راجہ کا ماموں تھا۔ برخلاف اسکے تارا بائی اور ریاست کی با اثر جماعت داداخاص جی کو پسند کرتی تھی جو خاندانی مہتمم توشہ خانہ تھا۔ جب ان سب نے اپنی مرضی کے خلاف مدار المہامی ماماں صاحب کو ملتی ہوئی دیکھی تو ہر طریقے سے اسکے انتظامی معاملات میں مداخلت کر کے انصرام مملکت میں رخنے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اپنی حکومت کو زوردار بنانیکے لیئے مدار المہام نے نوجوان راجہ کی نسبت اپنی بھتیجی سے کر دی۔ محل کے سرداروں نے نوجوان بیوہ رانی کو یہ پٹی پڑھادی کہ اس نسبت سے رانی موصوفہ کا اقتدار خاک میں مل جائیگا اور شادی کے دس دن بعد رانی موصوفہ نے رزیڈنٹ کو اطلاع دی کہ موجودہ مدار المہام کو ریاست کی خدمات سے سبکدوش کرنیکا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ رزیڈنٹ نے اس جلد بازی اور ناسمجھی کی کارروائی سے باز رہنے کے لیئے رانی کو بہت کچھ فہمائش کی مگر اسنے نصیحت کی طرف سے اپنے کان بالکل بند کر لیئے اور ماما صاحب کو شہر بدر کر ہی دیا۔ اس طرح ایک ایسے نائب الریاست کی تذلیل وجلاوطنی سے جسکو گورنر جنرل نے نامزد کیا تھا اور جسکی حکومت کو گورنمنٹ مدد دیتی تھی گویا برطانوی گورنمنٹ کی علانیہ مخالفت ومقاومت تھی چنانچہ گورنمنٹ موصوفہ نے اپنے رزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ دربار گوالیار سے سفارتی تعلقات قطع کر کے چلا آئے۔

گوالیار کی فوج کی حالت سب سے زیادہ تشویش میں ڈالنے والی گوالیار کی فوج کی حالت تھی جسکی تعداد اس وقت تیس ہزار پیدل اور دس ہزار سوار پر مشتمل تھی جو سب مرہٹہ قوم سے نہیں تھے بلکہ راجپوتانہ۔ اودھ اور دیگر صوبہ جات کی جنگجو قوموں میں سے بھرتی کیئے گئے تھے اور یوروپین افسروں نے انکو قواعد سکھائی تھی۔ یہ فوج ضروریات ریاست سے بہت زائد تھی اور ریاست کی آمدنی کا

باب دہم
فصل دہم

اور عدم مداخلت کے اصول پر عمل نہ کیا جائے جس پر عمل پیرا ہونا صرف دور امن وامان میں موزوں ہوسکتا ہے۔ پنجاب میں یہ صورت تھی کہ ستر ہزار کی ایک فوج اپنی قوت وزور کے گھمنڈ پر اور گزشتہ فتحمندیوں سے مست ومتکبر ہوکر قتل وغارت پر آمادہ تھی اور کسی ضابطے اور قاعدے کی پابندی کرنے پر تیار نہیں تھی۔ اور یہ تمام سپاہ دریائے ستلج سے صرف تین منزل پر مقیم تھی۔ گورنمنٹ برطانیہ کا فرض تھا کہ اس پنجابی فوج کی مخاصمانہ نقل وحرکت کے خلاف ہر طرح سے احتیاط وپیش بندی پر عمل پیرا ہو اور سب سے بہتر احتیاط وپیش بندی یہ تھی کہ اپنے عقب کو اور اپنے وسائل ارتباط کو مضبوط ومستحکم کرلیا جائے جسکے لئے گورنمنٹ گوالیار کے ساتھ دوستانہ تعلقات لازمی وضروری تھے۔ لارڈ النبرو نے رانی پر دو ماہ تک برابر یہ زور دیا تھا کہ دادا کو حوالے کردے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا چنانچہ ۱۱- دسمبر ۱۸۴۳ء کو لارڈ موصوف خود گوالیار پہنچا اور جب اُسے معلوم ہوگیا کہ دادائے موصوف اب بھی گوالیار ہی میں موجود ہے تو اُسنے صاف الفاظ میں رانی کو مطلع کردیا کہ اب نہ گورنمنٹ برطانیہ یہ برداشت کرسکتی ہے کہ سندھیا کے علاقے میں کوئی معاندانہ حکومت قائم رہے نہ اس کو روا رکھ سکتی ہے کہ کوئی ایسی حکومت وہاں رہے جو برطانیہ کے ساتھ دوستانہ ومخلصانہ رسم وارتباط قائم نہیں رکھے۔ اسلئے برطانوی افواج کو حکم دیدیا گیا ہے کہ وہ گوالیار کے علاقے میں پیش قدمی کرتی چلی جائیں اور اپنی پیشقدمی کو اُس وقت تک نہ روکیں جب تک کہ مشترکہ سرحد کی امن وحفاظت کا پورا اطمینان نہو جائے۔

گوالیار کے ساتھ نامہ وپیام

سرہیو گف کمانڈر انچیف کو گوالیار کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیدیا گیا۔ اسپر رانی نے دادا خاص جی کو رزیڈنٹ کے لشکر میں دھولپور بھیجدیا اور لارڈ النبرو کو ایک ملتمسہ اس مضمون کا بھیجا کہ اب گورنمنٹ برطانیہ کے منشا کی تعمیل کردیگئی ہے اسلئے افواج کی پیشقدمی کا حکم منسوخ فرمادیا جائے۔ مگر لارڈ النبرو نے اسکا

باب دہم
فصل دوم

مجالس انتظامیہ سے بالکل بے تعلق نہ کر دیا جائیگا اُس وقت تک برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا قائم ہونا محال ہے۔ یہ مراسلہ کسی طرح دادا کے ہاتھ پڑ گیا اور اُسنے اسے دبا رکھا اور رانی کو خبر نہ کی۔ لارڈ النبرو نے دادا کی اس حرکت کو ایک سنگین جرم سے تعبیر کر کے یہ مطالبہ کیا کہ اُسکو رزیڈنٹ کی حراست میں دیدیا جائے مگر رانی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح ریاست کے تین یا آٹھ سرداروں نے ایک حصۂ فوج کو اپنے قابو میں کر لیا اور محل خاص کا محاصرہ کر کے دادا کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ مگر وہ کسی ڈھب سے نکل بھاگا اور پھر جا کر انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس خیال سے پوری تیاریاں بھی شروع کر دیں کہ کہیں برطانوی گورنمنٹ کوئی کارروائی اُسکی ذات کے خلاف نہ کرے۔

لارڈ النبرو کی یادداشت

یکم نومبر ۱۸۴۳ء کو لارڈ النبرو نے معاملات گوالیار پر ایک مفصل یادداشت مرتب کی۔ اس یادداشت میں اول لارڈ موصوف نے برطانیہ کی اُس حیثیت سے بحث کی تھی جو اُسکو بہ اعتبار حکومت عالیہ ہونیکے ہندوستان میں حاصل تھی اور جو ذمہ داریاں اس حکومت عالیہ پر عائد ہوتی تھیں اُن پر تبصرہ کر کے گوالیار کے اُن واقعات کی تفصیل کی تھی جو دوران سال میں پیش آئے تھے۔ اُسنے اپنے نامزد کیے ہوئے مدار المہام کی جلا وطنی کو اور اُسکی جگہ اُسکے مخالف کی سپردگی اختیارات کو نہایت سنگین جرم سے تعبیر کیا تھا۔ اُس نے یہ دکھایا تھا کہ چالیس ہزار کی ایک سپاہ جسکے ساتھ زبردست

صفحہ ۴۳۹

توپ خانہ ہے صوبۂ شمال مغربی کی سرحد سے صرف چند منزل کے فاصلے پر گوالیار میں مقیم ہے اور اُسکی سرکردگی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جس نے باوجود برطانیہ کی مخالفت کے مدار المہامی حاصل کر لی ہے اور اُسی عہدے پر اب تک متمکن ہے۔ اُسنے یہ دکھایا تھا کہ جو واقعات حال ہی میں لاہور میں پیش آ چکے تھے اُنکا مقتضا یہ تھا کہ پھر کسی ایسی رواداری

باب دہم
فصل دوم

کیا ضرورت ہے ذرا سا گھوڑے کو کوڑا کر کے کاوا پھرا لیا جانا کافی ہوگا۔ غرض یہ کہ اس پیشقدمی کو ایک جنگی تماشے سے تعبیر کیا جا رہا تھا یہاں تک کہ فوجی افسروں کی خاتونیں بھی ہاتھیوں پر سوار ہوکر تماشہ دیکھنے کے لئے ساتھ آئی تھیں۔ دشمن کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنے کے لئے کوئی گرداوری بھی ضروری نہیں سمجھی گئی تھی اور کسیکو کانوں کان یہ خبر نہیں تھی کہ چالاک دشمن نے راتوں رات اپنی جگہ بدل لی ہے۔ انگریزی فوجیں خوش خوش مہاراجپور کی طرف چلیں کیونکہ یہ مقام صبح کا ناشتہ کرنیکے لیئے مقرر کیا گیا تھا کہ یکایک چھپے ہوئے توپ خانے کی گولہ باری نے بتا دیا کہ دشمن یہاں ہے۔ سر ہیوگف کو فوراً فوج کی ترتیب میں تبدیل کرنے کی ضرورت پڑگئی اور لبقول گورنر جنرل کے ایک ایسی لڑائی لڑنی پڑی جس کی ہر بات بے موقع ہوگئی تھی۔ برطانوی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مرہٹہ سپاہ ۱۴ ہزار تھی۔ چونکہ رانی نے دادا کو حوالے کر دیا تھا اسلیئے برطانوی فوج اپنی قلعہ شکن توپیں بھی پیچھے چھوڑ آئی تھی اور جو ہلکی مار کی توپیں ساتھ تھیں اُنکو دشمن کی بھاری مار کی توپوں نے بہت جلد خموش کر دیا۔ مجبور ہو کر سر ہیوگف نے معمولی قاعدے کے مطابق رسالے کو دشمن کے توپ خانے پر دھاوا کرنیکا حکم دیا اور جب تک ایک بھی توپچی باقی رہا برابر گولہ باری میں مصروف رہا۔ آخر گورہ سپاہیوں کی غیر متزلزل جاں بازی سے یہ معرکہ سر ہوگیا مگر ایک ہزار جانباز بھی میدان میں کام آگئے تھے یا زخمی ہوگئے تھے۔ اُسی دن یعنے ۲۹۔ دسمبر ۱۸۴۳ء کو مقام پنیر پر ایک اور آویزش بھی ہوئی مگر یہ کوئی زبردست معرکہ نہیں تھا اور آسانی سے سر کر لیا گیا۔

نیا معاہدہ

ان فتوحات سے سندھیا کی مملکت بالکل گورنر جنرل کے تحت تصرف میں آگئی مگر گورنر جنرل نے اسکو صحیح وسالم رہنے دیا اور صرف اُسکی مطلق العنانی کو سلب کر لینا ضروری سمجھا۔ نوجوان رانی کو انصرام حکومت سے معزول کر کے تین لاکھ سالانہ کا وظیفہ دیکر

صفحہ ۱۱۴

باب دہم
فصل دوم

یہی جواب دیا کہ گوالیار میں اس وقت ایک ایسی زبردست حکومت کی ضرورت ہے جو رعایا کو اپنے قابو میں رکھ سکے اور گوالیار کی فوج جو اس وقت ہر حیثیت سے ریاست کی مالک بنی ہوئی ہے توڑ کر کم کردیجائے اور اسکی جگہ انگریزی حمایتی فوج کی تعداد بڑھا دی جائے۔ ریاست کی مجلس شوریٰ نے جب یہ دیکھا کہ برطانوی فوج برابر دریائے چنبل تک جو مشترکہ سرحد تھی بڑھتی چلی آرہی ہے تو مقتدر ارکین کا ایک وفد یہ استدعا لیکر بھیجا کہ بیوہ رانی اور راجہ کو گورنر جنرل شرف ملاقات بخشے۔ لارڈ النبرو نے اس ملاقات سے انکار کردیا مگر اُن سب نے یہ کہکر اصرار کیا کہ اگر سابقہ نظائر کے خلاف گورنر جنرل نے گوالیار کی سرحد کو عبور کرلیا تو سندھیا خاندان کا تمام عزو وقار خاک میں مل جائیگا۔

صفحہ ۴۴

چونکہ لارڈ النبرو اپنی ضد پر قائم نظر آتا تھا اس لیئے یہ تجویز کی گئی کہ گوالیار سے ۲۳ میل کے فاصلے پر فریقین ملاقات کریں۔ مگر گوالیار کی سپاہ نے اپنی رانی اور راجہ کو شہر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی بلکہ ایک طوفان بے تمیزی برپا کرکے شہر سے کوچ کرگئی اور ریزیڈنٹ کو یہ پیام بھیجدیا کہ ہم ابھی جاکر انگریزی فوجوں کو چنبل پار مار بھگاتے ہیں ۔

معرکۂ مہاراج پور

دو دن تک مقام ہنگونہ پر شاہی مہمانوں کا انتظار کرکے لارڈ النبرو نے سرہیوگف کو گوالیار پر پیشقدمی کرنیکا حکم دیا۔ سندھیا کی فوج ایک زبردست مقام چوندا پر جمی ہوئی تھی اور سرہیوگف نے اسی مقام کو تاک کر تمام انتظامات کی تکمیل کی تھی لیکن رات کے سناٹے میں سندھیا فوج کی سات پلٹنیں مع بھاری مار کی بیس بڑی توپوں کے چپکے سے آگے بڑھ آئیں اور مہاراجپور پر مورچہ بندی کرکے اپنا ہولناک توپ خانہ اپنے سامنے نصب کرلیا۔ انگریزی کمانڈر انچیف اور اُسکے دوسرے افسر یہ سمجھے ہوئے تھے کہ دشمن کی فوج کا ایک بے قاعدہ انبوہ ہوگا جو پہلا گولا چلتے ہی فرار برفرار کریگا۔ انگریزی اجینٹ کا یہ قول تھا کہ ایسی فوج کے مقابلے کے لیئے توپ چلانے کی

باب دہم
فصل دوم

ہو گیا تھا اور اُسکا تمام عہد حکومت متواتر جنگبازی کی ایک مسلسل داستان ہے۔ سومنات کے پھاٹک کے متعلق جو عامیانہ اعلان اُسنے کیا تھا اُسپر تمام انگلستان میں خوب مضحکہ اُڑایا گیا تھا اور یورپ میں اُس کو بڑی حقارت کی نظروں سے دیکھا گیا تھا اور اُسکی معاملہ فہمی اور انتظامی قابلیت پر جو اعتماد کیا جاتا تھا وہ بالکل زائل ہو گیا تھا۔ ارکین مجلس انتظامیہ کی نظر میں لارڈ النبرو ایک بالکل بے اصول حکمراں ثابت ہو چکا تھا اور اُنھیں ہر لحظہ یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کہیں اُسکا تلون اُنھیں کسی نئی مشکلات میں نہ مبتلا کرے۔ اُنکی نظر میں سلطنت ہند ہرگز اُس وقت تک مامون نہیں تھی جب تک کہ وہ لارڈ النبرو کے ہاتھوں میں تھی۔ اور باوجودیکہ محکمۂ وزارت نے برابر فہمائشیں کیں اور ڈیوک آف ولنگٹن نے اس معاملے میں خاص طور پر کدکی مگر مجلس انتظامیہ نے اپنے اُس اختیار معزولی کو کام میں لانیکا عزم بالجزم کر لیا تھا جو نئے پٹے کے وقت بھی مجلس موصوفہ کے ہاتھ سے نہیں چھینا جا سکا تھا۔ فوج نے اپنے محبوب لارڈ النبرو کی معزولی کو ایک انفعالی بغاوت و سرکشی کے ساتھ برداشت کیا۔ باوجودیکہ لارڈ النبرو کی بہت سی شریفانہ خصلتوں کا ہر خاص و عام مداح تھا۔ ہر شخص یہ تسلیم کرتا تھا کہ وہ کبھی اپنے عزیز و اقربا کو بھرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر شخص تعریف کرتا تھا کہ وہ اہل وطن کا خاص سرپرست ہے اور ہر دوست دشمن یہ مانتا تھا کہ اُسنے ہمیشہ اپنے فرائض کو نہایت مستعدی و تندہی سے ادا کیا پھر بھی انگلستان کے خواص و عوام کے طبقات نے مجلس انتظامیہ کی اس تجویز کو سراسر معقولیت پر مبنی قرار دیا کہ اُسنے لارڈ النبرو کو گورنر جنرلی سے سبکدوش کر دیا۔ لارڈ موصوف یکم اگست ۱۸۴۴ء کو انگلستان روانہ ہو گیا اور بارہ مہینے کے لئے سکھوں کے ساتھ جنگ پیش آنیکا خطرہ اور ٹل گیا۔

صفحہ ۴۴۴

لارڈ النبرو کے عہد حکومت کی ترقیاں

لارڈ النبرو کو جنگبازی و سیاست میں اس درجہ منہمک رہنا پڑا تھا کہ اُسے ملک کی اخلاقی۔ مادی یا دماغی ترقیوں کے لئے کچھ کر سکنے کا بہت ہی کم موقع ملا تھا۔ پھر بھی بعض امور اُسکے زمانے میں ایسے ہو گئے ہیں جو ضرور قابل تذکرہ ہیں۔ یہ لارڈ النبرو کے زمانے ہی میں ہوا کہ صوبہ جات زیرین کا عدالتی انتظام

باب دہم
فصل دوم

بالکل علیحدہ کردیا گیا اور نظام حکومت ایک مجلس حکومت کے ہاتھ میں دیدیا گیا جسکے اراکین کو رزیڈنٹ کے احکام کی پابندی کرنیکی سختی کے ساتھ ہدایت کردیگئی تھی۔ ریاست کی سرکش فوج کو تخفیف کرکے صرف نو ہزار رہنے دیا گیا اور ۳۲ توپیں اُنکے پاس چھوڑی گئیں۔ ساتھ ہی اسکے برطانوی حمایتی فوج کو بڑھاکر دس ہزار کردیا گیا۔ یہ دس ہزار فوج ہر قسم کے ہتھیار بندوں کی ایک مختصر سی مستحکم سپاہ ہوگئی جسکی تعلیم و تربیت کمپنی کے افسروں کے ذریعے سے ہوئی۔ اسمیں اعلیٰ قوم کے برہمن اور راجپوت تھے جو اپنی زبردست ہڈی اور گسیلے جسموں کے ساتھ ہی عالی حوصلہ اور بلند ہمت بھی تھے اور یہ سب خصوصیات بعد کے غدر کے زمانے میں خاص اُسی گورمنٹ کے خلاف کام میں آئیں جسنے انکو ایسا بنا دیا تھا۔ کس نیاموخت علم تیراز من ؛ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد ؛

لارڈ النبرو کی واپسی　لارڈ النبرو مارچ ۱۸۴۴ء میں کلکتے واپس آیا اور ۱۵۔ جون ۱۸۴۴ء کو تمام ہندوستان میں اس خبر سے سناٹا چھا گیا کہ مجلس انتظامیہ نے لارڈ النبرو کو گورنر جنرلی سے سبکدوش کردیا ہے۔ ایوان ہند کے ساتھ جو خط و کتابت لارڈ موصوف کیا کرتا تھا اُس میں وہ اراکین مجلس انتظامیہ کے واسطے اُس ادب و احترام کا لحاظ نہیں رکھتا تھا جو اُنکی شایانِ شان اس حیثیت سے تھا جو اُنھیں سلطنت ہند میں حاصل تھی۔ لارڈ النبرو ایک زمانے میں جماعت نگران کار کا افسر اعلیٰ رہ چکا تھا اور وہی ہوا اب بھی اُسکے دماغ میں بھری ہوئی تھی چنانچہ اب بھی وہ اراکین مجلس انتظامیہ کو اپنے پہلے طریقے کے مطابق خطاب کیا کرتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ کئی موقعوں پر لارڈ موصوف نے بہ اختیار خود ایسی کارروائیاں کرلی تھیں جو اراکین مجلس انتظامیہ کی حکومت کی منافی بلکہ توہین کرنے والی تھیں۔ لارڈ النبرو اہل قلم کے ساتھ علانیہ حقارت کا برتاؤ روا رکھتا تھا اور اُسکی تمام ہمدردیوں اور دلبستگیوں سے صرف اہل سیف متمتع ہوتے تھے۔ لارڈ موصوف کو جنگی شہرت و سربرآوردگی حاصل کرنیکا ایک خبط سا

باب دہم
فصل سوم

آئرلینڈ کا سکرٹری مقرر ہوا جن عہدوں پر اُستے انصرام امور و انتظام معاملات میں بڑا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت سر ہنری ہارڈنگ کی فوجی قابلیتوں نے اُسے ایوان ہند کی نظروں میں قابل انتخاب ٹھیرایا تھا کیونکہ یہ وہ وقت تھا جبکہ ستلج کا دہنا کنارہ دشمن کی سنگینوں سے چمک رہا تھا اور سکھ فوج خود اپنی ریاست کے قابو سے بھی باہر ہو چکی تھی۔ سر ہنری ہارڈنگ بھی اس وقت لارڈ ہیسٹنگز کی طرح ساٹھ سال کی پختہ عمر پر پہنچ چکا تھا اور الوداعی ضیافت میں اسنے بھی یہی کہا تھا کہ

صفحہ ۳۴۴

میں ہندوستان کو یہ بڑی تمنا لیکر جا رہا ہوں کہ صلح جوئی اور امن پروری کے ذریعے سے شہرت حاصل کروں اور فتوحات و نبرد آزمائی کی وجہ سے سربرآوردہ نہ ہوں۔ لیکن جیسا کہ اسکے دونوں پیشرووں یعنے لارڈ ولزلی اور ہیسٹنگز کے ساتھ اتفاق ہو چکا تھا یہ صلح جوئی کے ارادے خاص اسی لئے تھے کہ بہت جلد فسخ ہو جائیں اور اُسکے عہد حکومت کے جو سب سے زیادہ قابل یادگار واقعات یہ تھے کہ ۵۴ دن کے اندر چار سخت لڑائیاں لڑی گئیں۔

انقلاب پنجاب

ہندوستان پہنچنے کے بعد سے سر ہنری ہارڈنگ کی نظر ہمیشہ افق پنجاب پر لگی رہی جہاں کہ ہولناک طوفان اُمنڈ رہا تھا کیونکہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد سے غیر معمولی طوائف الملوکی اور خونریزی کا بازار اس ملک میں گرم ہو گیا تھا۔ جولائی ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی جگہ اسکا کم سن بیٹا کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا تھا۔ اگرچہ کھڑک سنگھ کا نوجوان بیٹا جو اپنے دادا کی سی اولوالعزمی رکھتا تھا انصرام ریاست کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا مگر اُسکو اپنی حکومت میں مجبور ہو کر دھیان سنگھ کے ساتھ حصہ بٹانا پڑا تھا جو ڈوگرہ خاندان جموں کا ایک زبردست رکن تھا اور یہ خاندان اس وقت پنجاب بھر میں زبردست مانا جاتا تھا۔ اس خاندان کا رکن اعلیٰ گلاب سنگھ دراصل ایک ہرکارہ تھا مگر رنجیت سنگھ نے اُسکی محنت و مستعدی کی قدر کر کے اُسے

بہتر صورت میں اس طرح کر دیا گیا کہ ایک ڈپٹی مجسٹریٹ کا عہدہ نیا قائم ہوا اور اس اسامی پر ہر ذات قوم اور مذہب کے آدمی کا انتخاب عمل میں آسکتا تھا۔ پولیس کے داروغہ کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا گیا جنکے ہاتھ میں ہزارہا مخلوق کی جان و مال کی حفاظت تھی۔ سلطنت کی طرف سے چٹھی ڈالنے کا طریقہ منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اس سے نہایت درجہ اخلاقی پستی پیدا ہوتی جاتی تھی۔ سب سے خوشنما سہرا جو لارڈ النبرو کے سر ہے وہ یہ ہے کہ اسی نے مسٹر ولبر فورس برڈ کے مشورے سے غلامی کا فوری اور قطعی انسداد کرنیکے لیئے ایک ضابطہ نافذ فرمایا ؞

فصل سوم

لارڈ ہارڈنگ کا عہد حکومت۔ پنجاب۔ سکھوں سے جنگبازی

لارڈ ہارڈنگ

لارڈ النبرو کی واپسی پر محکمۂ وزارت اور مجلس انتظامیہ نے متفق الرائے ہو کر لارڈ ہارڈنگ کو گورنر جنرل تجویز کیا۔ سر ہنری ہارڈنگ چھوٹی سی عمر میں فوجی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا اور ڈیوک آف ولنگٹن کی ماتحتی میں جنگ پے نن شولا میں نبرد آزمائی کر چکا تھا۔ اس جنگ میں اسنے بڑی نیکنامی حاصل کی تھی خصوصاً معرکۂ البیورا اکی سرکردگی کو سر ہنری ہارڈنگ کی قابلیت و شجاعت کے ساتھ منسوب کیا جاتا تھا اور ایک بڑے مورخ کے قلم سے اسکی نشان میں یہ الفاظ نکلے تھے کہ یہ نوخیز جوان پختہ کار سپہ سالار کی سی عمیق نظر رکھتا ہے اور قدیم یونانی سورماؤں کا سا دل اسکے پہلو میں ہے۔ معرکۂ واٹرلو میں سر ہنری ایک زخم کھا کر فوج کے کام سے خارج ہو گیا تھا۔ انگلستان واپس آکر وہ پارلیمنٹ میں داخل ہو گیا اور دو مرتبہ محکمۂ حرب کا سکرٹری اور ایک مرتبہ

باب دہم
فصل سوم

جنگجو سکھوں پر مشتمل تھی جو نہایت زبردست قومی و مذہبی جذبات سے متحد ہو رہے تھے۔ اپنی گذشتہ کامیابیوں پر مغرور تھے اور اپنے زور و قوت پر اترائے ہوئے تھے۔ جب سے رنجیت سنگھ کا فولادی آنکس انکے سر پر سے ہٹ گیا تھا اُس وقت سے یہہ مست ہاتھی پنجاب کے مالک بنے ہوئے تھے۔ تمام سپاہی فرداً فرداً اپنے اپنے افسروں کے مطیع تھے پھر بھی کبھی کبھی وہ اپنے سردار کو توپ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ کوئی فوجی نقل و حرکت بہ حیثیت مجموعی بادشاہ یا وزرا کے حکم سے نہیں ہوتی تھی بلکہ فوجی مجالس کی ہدایات کے مطابق عمل میں آتی تھی جو پانچ ممبروں کی ایک جماعت تھی اور یہ پنچ فوجی مفاد کے علاوہ اور کسی بات کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جو لوگ سب سے زیادہ عطیات ان فوجوں کو دے سکتے تھے اُنھی کو انکی امداد یقینی حاصل ہو سکتی تھی ؎

شیر سنگھ کا قتل

۱۸۴۳ء کا سال اُن پیچیدگیوں کے واسطے ممتاز تھا جنکی طرف لارڈ النبرو نے اپنی یادداشت مورخہ یکم نومبر ۱۸۴۳ء میں اشارہ کر کے یہ ضرورت ثابت کی تھی کہ برطانوی افواج کے عقب میں جو آمادۂ سرکشی فوج گوالیار میں موجود ہے اُسکا زور بالکل توڑ دیا جائے۔ پنجاب کے وزیر دھیان سنگھ نے جب اپنا اقتدار بالکل زائل ہوتا ہوا دیکھا تو اُسنے شیر سنگھ کو یہ مشورہ دیا کہ اجیت سنگھ کو وطن میں واپس بلائے جو ایک زبردست سکھ قبیلے کا سردار تھا جسکو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اجیت سنگھ نے عہدۂ وزارت پر متمکن ہو چکنے کے کچھ عرصے بعد شیر سنگھ کو اُس نئی فوج کی قواعد ملاحظہ کرنیکی دعوت دی جو اُسنے حال ہی میں بھرتی کی تھی اور وہیں سرمیدان شیر سنگھ کے گولی مار دی اسکے بعد اجیت سنگھ نے دھیان سنگھ کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر دھیان سنگھ کے نوعمر بیٹے ہیرا سنگھ نے فوج سے استدعا کی کہ ان سفاکیوں کا انتقام لیں۔ فوج نے اُسکی سن لی اور محل خاص کو گھیر لیا اور اجیت سنگھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اسکے بعد ہیرا سنگھ نے محل سے

باب دہم
فصل سوم

بڑے درجے پر پہنچا دیا تھا اور رفتہ رفتہ اُسے جمون کا علاقہ جاگیر میں مل گیا تھا۔ گلاب سنگھ راجپوت تھا اسلیئے ایک غیر سکھ خاندان کے اس طرح عظمت و شان تک پہنچ جانے نے اس خاندان کو سکھوں کی نگاہ میں آماجگاہ نفرت و عداوت بنا دیا تھا۔ کھڑک سنگھ اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے عمر طبعی تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا۔ اور اُسکا نوجوان بیٹا نونہال سنگھ جس وقت اُسکی کریا کرم سے فارغ ہو کر آ رہا تھا کہ اُسپر ایک خس پوش پھاٹک گر پڑا جس کے صدمے سے وہ بھی جانبر نہو سکا ۔

پنجاب کی فوج

رنجیت سنگھ کا منہ بولا بیٹا شیر سنگھ اس وقت فوج کے کچھ حصے کو اپنا طرفدار بنا چکا تھا چنانچہ اُسنے لاہور پر پیشقدمی کی اور ۱۸ - جنوری ۱۸۴۱ء کو تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ شیر سنگھ بہت معاملہ فہم اور بڑا صاف دل حکمران تھا مگر عیش و عشرت کا بندہ تھا اور جمون والے ڈوگرہ خاندان کے ہاتھ میں بالکل کھلونا بنا ہوا تھا کیونکہ اس خاندان کو نہ وہ اپنے قابو میں لا سکتا تھا نہ اپنے راستے سے ہٹا سکتا تھا۔ جس فوج نے شیر سنگھ کا ساتھ دیا تھا اُسکو اس نے بطور انعام کے اضافہ تنخواہ سے سرفراز کیا جس سے اہل فوج کی آزپوری اور دیدہ دلیری اور بڑھگئی اور انھوں نے اُن سبکو اپنی چیرہ دستیوں کا شکار بنانا شروع کیا جو کسی حیثیت سے بھی انکو اپنے خلاف نظر آتے تھے۔ شیر سنگھ نے فوج پر قابو پانیکے لیئے گورنمنٹ برطانیہ سے استمداد کیا تھا اور اُس وقت میں خالصہ فوج کی قوت کا اس قدر کم اندازہ تھا کہ صرف دس ہزار کی ایک فوج اسلیئے تیار کی گئی تھی کہ لاہور پر پیشقدمی کر کے خالصہ فوج کا استیصال کامل کر دے۔ اس کارنامۂ وحشت کی خبر سنکر شیر سنگھ نے صرف اپنی انگلی اپنے گلے پر پھیری جسکے معنے یہ تھے کہ اس کا اور اُسکے حمایتیوں کا یہ حشر ہوگا کہ گلے کٹ جائینگے۔ اگر یہ انگریزی فوج اسوقت

صفحہ ۴۴۴

دریائے ستلج کو عبور کر لیتی تو تمام خالصہ فوج یکدل ہو کر اُٹھ کھڑی ہوتی اور حملہ آوروں کو فوراً اسی دیر میں دریائے ستلج کے یا موت کے گھاٹ اُتار دیتی۔ اس وقت خالصہ فوج بہ استثنائے چند مسلمانوں کے تمام و کمال

باب دہم
فصل سوم

دو شخصوں کے ہاتھ میں آگیا جنمیں سے ایک تو رانی جھنڈوں کا بھائی جواہر سنگھ تھا اور دوسرا رانی کا خاص نظر کردہ لال سنگھ برہمن تھا۔ جسمیں سوائے حسن صورت اور جامہ زیبی کے اور کوئی قابلیت نہیں تھی۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں مزید اضافہ کیا گیا اور اب وہ اسقدر سرکش ہوگئے کہ کوئی ایسا مشغلہ نکالنے کی ضرورت پڑگئی جسمیں اُنکو الجھا کر اپنی ہی ریاست کی شکست وریخت سے باز رکھا جاسکے۔ چنانچہ اُنکو یہ ایما کیا گیا کہ جموں پر خروج کریں اور گلاب سنگھ سے روپیہ وصول کریں۔ اس اشارے پر انھوں نے فوراً عمل کیا اور جموں پر یورش کرکے گلاب سنگھ کو گرفتار کرکے لاہور لے آئے اور یہاں اُس سے ایک کرور روپیہ وصول کیا گیا۔ مزید شرارتوں سے اُن کو باز رکھنے کے لیئے یہ حکم دیا گیا کہ وہ مول راج پر چڑھائی کریں جو اپنے باپ کی جگہ صوبۂ ملتان کی صوبہ داری پر متعین کیا گیا تھا۔ یہاں سے بھی سپاہیوں نے اٹھارہ لاکھ کی رقم وصول کی۔ اسکے کچھ ہی دن بعد بدبخت سنگھ کے ایک دوسرے بڑے بیٹے پیشورا سنگھ نے علم بغاوت بلند کیا مگر اُسے شکست ہوگئی اور جواہر سنگھ نے اسکو ذلت کے ساتھ قتل کرا دیا۔ پیشورا سنگھ نے عام رعایا اور فوج میں ایک گونہ ہردلعزیزی حاصل کرلی تھی اور شراب خوار وزیر کی اس حرکت پر اسدرجہ نفرت وحقارت کے جذبات فوج میں مشتعل ہوے کہ جواہر سنگھ کو زبردستی گھسیٹ کر میانمیر کے میدان میں لیجا کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اپنے بھائی کے قتل کے بعد رانی نے بہ نفس نفیس روزانہ دربار میں بیٹھنا شروع کیا اور لال سنگھ کو وزیر اعظم اور تیج سنگھ کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ لیکن اب فوج ایک ہی سال کے اندر جموں اور ملتان کے دو بڑے بڑے رئیسوں کو نیچا دکھا چکی تھی اسلیئے وہ ریاست کی بالکل حاکم بنی ہوئی تھی ؂

سرحدی تیاریاں ۱۸۴۵ء

پنجاب میں جس طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اُسنے گورنمنٹ ہند کو اسپر مجبور کیا کہ اپنی سرحد کی حفاظت کے لیئے مستعدی وسرگرمی کے ساتھ زبردست تدابیر اختیار کرے۔

باب دہم
فصل سوم

رنجیت سنگھ کے ایک پنجسالہ لڑکے دلیپ سنگھ کو باہر نکالا اور اُسے تخت نشین کرکے عہدۂ وزارت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فوج کی تنخواہ میں فی نفر عیسے کا اضافہ کرکے اُنھیں بھی اپنے قابو میں کرلیا۔ اسوقت کے بعد سے گویا فوج ہی تمام سیاہ وسپید کی مالک بنگئی۔

ہیرا سنگھ کا قتل

ہیرا سنگھ کی حالت خود بھی نہایت مخدوش وغیر مصئون تھی۔ اُسکا ایک چچا جمون سے اُسکی جگہ لینے کے لئے لاہور پر چڑھائی کرکے آیا مگر وہ شکست دیکر قتل کردیا گیا۔ خالصہ فوج جو اس وقت ہیرا سنگھ کو اپنی جگہ پر قائم رکھے ہوئے تھی خود بڑی پرخطر تھی اسلیئے ہیرا سنگھ نے یہ تدبیر سوچی کہ فوج کو مختلف علاقوں میں تقسیم کردیا جائے اور صدر میں جو کمی اُنکی روانگی سے پڑے اُس کو نئی بھرتی سے پورا کرلیا جائے۔ مگر پنچ ہرگز اسپر راضی نہیں ہوئے کہ بغیر اُنکی مرضی واجازت کے ایک پلٹن بھی صدر سے کہیں باہر کو روانہ ہو

صفحہ ۴۴

ہیرا سنگھ کے عہد حکومت کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر اسکے اتالیق پنڈت جلا کی ہدایات ومشورے پر تھا جو جمون والے خاندان کا پجاری تھا اور جسکی قابلیت کی ایسی دھاک بندھی ہوئی تھی کہ اگر وہ کسی طرح خالصہ فوج کو اپنے قابو میں کرلیتا تو یہ عام طور سے یقین کیا جاتا تھا کہ وہ لاہور میں بھی خاندان پیشوا قائم کرلیتا۔ مگر قبل اسکے کہ یہ پنڈت اپنی قوت کو مستحکم کرے اسنے گلاب سنگھ کا زور توڑنا چاہا جو اس وقت دھیان سنگھ کی جگہ جمون کی گدی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ ہی پنڈت نے بعض سرداروں کی جاگیریں بھی ضبط کرلیں اور سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ دلیپ سنگھ کی والدہ یعنے رانی جھنڈون کو اور اُسکے بھائی کو اپنے نخوت وتکبر کے انداز سے ناراض کردیا۔ رانی نے اس معاملے کی شکایت فوج سے کی اور پنڈت اور ہیرا سنگھ کو مجبور ہوکر لاہور سے بھاگنا پڑا۔ مگر انکو راستے میں گرفتار کرکے قتل کرڈالا گیا اور اُنکے سر کاٹ کر لاہور لائے گئے۔ ہیرا سنگھ کی حکومت ٹوٹ جانیکے بعد انصرام ریاست

باب دہم
۱۱
فصل سوم

یہی ایک بہترین طریقہ تھا کہ سرکش فوج کو برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ الجھا دیا جائے
اور انھی تینوں نے سلطنت کے ساتھ اپنی جانیں بھی بچانیکے لئے سکھ پلٹنوں کو
انگریزی سرحد میں اتروایا اور لاہور کو قتل و غارت سے بچانیکے لئے
خالصہ فوجوں کو یہ لالچ دیکر ستلج پار بھیجا کہ وہ جاکر دہلی اور بنارس کو لوٹیں گی

خالصہ فوج کا ستلج کو عبور کرنا ۱۸۴۵ء

۱۷۔ نومبر ۱۸۴۵ء کو ستلج عبور کرنیکا حکم دیا گیا۔ میجر براڈفٹ پولٹیکل ایجنٹ نے اسپر زور دیا
کہ مدافعت کی نہایت زبردست تدبیریں اختیار کی جائیں مگر سر ہنری ہارڈنگ کو
اب تک صلح ہو جانیکی امید تھی اسلئے اُسنے پولٹیکل ایجنٹ کو ہدایت
کی کہ لاہور دربار کو ایک اور فہمائشی مراسلہ بھیجے۔ اس مراسلے کا صرف
یہ جواب ملا کہ سکھ فوجوں کو بصیغۂ فوری اپنی پیشقدمی جاری رکھنے کا
اپنی سلطنت کا حکم وصول ہو گیا۔ قومی و مذہبی جوش سے مشتعل ہو کر ساٹھ ہزار
خالصہ فوج مع چالیس ہزار غیر مبارز لشکریوں اور ڈیڑھ سو بھاری مار کی
توپوں کے چار دن کے اندر ستلج عبور کر آئی اور ۱۶۔۱۷۔ دسمبر ۱۸۴۵ء
تک قلعہ فیروز پور کے قریب اپنے مورچے قائم کر لیئے۔ اس قلعے میں سر جان لٹلر
کی سرکردگی میں دس ہزار مقامی فوج اور اکیس توپیں تھیں۔ ۱۱۔ دسمبر ۱۸۴۵ء
کو انبالے میں کمانڈر انچیف کے سرکاری شامیانوں میں بڑی شاندار بال پارٹی
(محفل رقص و سرود) کی تیاریاں کی گئی تھیں کہ یہ اطلاع پہنچی کہ تمام سکھ فوج
پیشقدمی کرکے ستلج تک آگئی ہے اور اُسکو عبور کرنے ہی والی ہے۔

صفحہ ۷۴۴

ناچ رنگ کو فوراً بالائے طاق رکھدیا گیا اور سر جان لٹلر کی کمک کے لیئے
کوچ کی تیاریاں کیجانے لگیں کیونکہ افسر مذکور چھ گنی فوج سے ہر طرف سے
گھر جانیوالا تھا۔ وقت کا ہر لمحہ قیمتی ہو رہا تھا اور انگریزی فوجوں کو
جو پورے سامان حرب سے لدی ہوئی تھیں ایسا کوچ کرنا پڑا جو اسوقت
سے پہلے ہندوستان میں کبھی نہیں کیا گیا تھا یعنی دشوار گزار ریگستان
کے تھکا دینے والے راستوں پر چھ دن میں ڈیڑھ سو میل کا سفر کرنا پڑا اور
راستے میں کھانا پکانیکے لیئے بھی بہت ہی کم وقت ملتا تھا اور آرام کے لیئے

باب دہم
فصل سوم
صفحہ ۶۴۴

دریائے ستلج پر فیروز پور کی جو چھاؤنی تھی اسمیں مقامی فوج کافی نہیں تھی اسلیئے
اُس فوج کی تعداد لارڈ ایلنبرو نے بڑھا دی تھی۔ لیکن سر ہنری ہارڈنگ
نے یہ محسوس کیا کہ اگرچہ فیروز پور کی مقامی فوج کی تعداد سترہ ہزار تھی
پھر بھی یہ فوج محض مدافعت کے لیئے کافی نہیں تھی چہ جائیکہ کوئی جارحانہ
کارروائی اسکے ذریعے سے کی جاسکے جسکی ضرورت آپڑنی بالکل بعید از قیاس
نہ تھی۔ چنانچہ سر ہنری نے رفتہ رفتہ چالیس ہزار فوج اس سرحد پر جمع کردی
اور یہ کارروائی ایسی خموشی اور حسن تدبیر کے ساتھ کی گئی کہ سکھوں کو کانوں کان
خبر نہونے پائی یہاں تک کہ خود برطانوی علاقہ میں بھی اسکی طرف کوئی توجہ
نہیں کی گئی۔ ساتھ ہی اسکے سندھ سے وہ ۵۶ بڑی کشتیاں بھی فیروز پور
منگائی گئیں جو لارڈ ایلنبرو نے کسی اڑے وقت پر پل کا کام دینے کے لیئے
تیار کرائی تھیں۔ بعض مورخوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ سکھ سرحد کے قریب
اس قدر زبردست انگریزی فوجوں کے اجتماع نے خالصہ قوم کو مشتبہ و متوجہ کیا
اور انھوں نے انگریزی فوجوں کا ردعمل کرنیکے لیئے انگریزی سرحد پر اپنی فوجیں
اُتاریں۔ لیکن جب سے کہ انگریزوں کی افغانی ناکامیوں نے اُنکے اقتدار میں
فرق ڈال دیا تھا اُس وقت سے خالصہ فوج دو مرتبہ دریائے ستلج کے کناروں پر
جمع ہو چکی اور اسکو عبور کرکے انگریزی سرحد میں گھس پڑنیکی دھمکی دے چکی تھی۔
علاوہ بریں جو بدنظمی اس وقت پنجاب پر طاری تھی۔ جیسی زبردست اور جنگجو
فوج اس وقت وہاں جمع تھی۔ جس طرح زمانہ گزشتہ کی کامیابیوں سے اُنکی
ہمتیں بلند ہو رہی تھیں اور جس قدر نئی فتوحات کے حوصلے اسکے دل میں
پیدا ہو رہے تھے اور سب پر طرہ یہ کہ جیسی کچھ مطلق العنانی اور سرکشی کی روح
اُسمیں حلول کیئے ہوئے تھی ان سب امور کا لحاظ کرکے گورنر جنرل کے لیئے
سوائے اسکے چارہ کار ہی کیا رہگیا تھا کہ وہ ایسے نازک موقع کے لیئے
پوری پوری تیاریاں کر رکھے جو ہر وقت سر پر آجانیوالا تھا۔ جو جارحانہ کارروائیاں
سکھوں نے کیں وہ سب رانی جھنڈون۔ تیج سنگھ اور لعل سنگھ کی حرکتیں
تھیں۔ ان سکھوں کو یہ معلوم تھا کہ اپنی حکومت کو پنجاب میں قائم رکھنے کا صرف

باب ۴ فصل سوم

لائے - ایک گورہ پلٹن بھی ایک دفعہ دشمن کی تابڑ توڑ آتشباری کے سامنے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی اور تمام انگریزی سپاہ پر ایسی کچھ بدحواسی طاری ہورہی تھی کہ ایک رجمنٹ نے دوسری پر آگ برسانی شروع کردی تھی مگر خیریہ گزری کہ نوسو مقتول اور زخمی ہوکر بھی فتح نے انگریزوں کا ہی ساتھ دیا - ساٹھ سال سے حکام انگلستان کا یہ طرز عمل رہا تھا کہ جب کبھی کوئی گورنر فوجی آدمی ہوتا تو اُسیکے سپرد کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی کردیا جاتا تھا - صفحہ ۴۴۸ سوء اتفاق سے اس اصول پر سرہنری ہارڈنگ کے تقرر کے وقت عمل نہیں کیا گیا تھا - لیکن مُدکی پر جو منحوس جنگی غلطیاں سر ہیوگف نے کیں اُنکو دیکھکر سرہنری ہارڈنگ نے بطور رضاکار کے اپنی خدمات کمانڈر انچیف کو پیش کردیں اور عالی حوصلگی کے ساتھ سپہ سالار درجہ دوم کا عہدہ قبول کرلیا اور اس طرح بروقت تمام فوجیوں کا اعتماد اپنے سپہ سالار پر پھر قائم ہوگیا -

معرکۂ فیروز شہر ۱۸۴۵ء انگریزی فوج دو دن تک تکان سے آسودہ ہونے اور اپنے مریضوں کو ٹھکانے لگانے کیلئے مُدکی پر مقیم رہی - اسی جگہ دو گورہ اور دو دیسی رجمنٹیں اور بطور کمک کے آگئیں جنکو سرہنری ہارڈنگ نے دو منزلہ کوچ کرا کے یہاں تک لا پہنچایا تھا - ۲۱ - دسمبر ۱۸۴۵ء کو انگریزی فوج بلا انتظام رسد و بلا خیمہ و خرگاہ ساتھ لیئے سکھ لشکر کی طرف بڑھی جو فیروز شہر پر پڑا ہوا تھا - سرجان لٹلر کو بھی حکم بھیجدیا گیا کہ وہ بھی کسی طرح ٹھیک وقت پر اپنے تیئں فیروز شہر پہنچائے - سرجان لٹلر نے علی الصباح اس تدبیر سے خروج کیا کہ تیج سنگھ کو خبر بھی نہو نے پائی یعنے اپنے خیمے نصب کیئے ہوئے چھوڑے - بازار کے پھریرے لہراتے رہے اور خرگاہیں اُسی طرح قائم رہیں - غرض یہ کہ اس طرح ساڑھے پانچ ہزار فوج اور بائیس توپوں کے ساتھ سرجان لٹلر بھی دوپہر سے پہلے فیروز شہر پہنچگیا - سکھ لشکر ایک میل لمبے اور نصف میل چوڑے مستطیل کی شکل میں پڑا ہوا تھا اور موضع فیروز شہر کو اُسنے اپنے قلب میں لے لیا تھا - اس لشکر میں لال سنگھ کی زیر قیادت کل ۳۵ ہزار فوج تھی جس کے ساتھ

باب دہم
فصل سوم

تو ایک گھنٹہ بھی مشکل سے میسر ہو سکا۔ ۱۳۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو گورنر جنرل نے اعلان جنگ شائع کیا اور ان سکھ علاقوں کو بحق کمپنی ضبط شدہ قرار دیا جو ستلج کے جنوب میں واقع تھے۔ دریائے ستلج کو عبور کر لینے کے ایک دن بعد سکھ فوج کا ایک بڑا حصہ آگے بڑھکر مقام فیروز شہر پر آ گیا اور نہایت زبردست مورچے قائم کر لیئے اور تیج سنگھ کو ابتدائی مورچوں پر باقیماندہ فوج کے ساتھ سر جان لٹلر کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیئے چھوڑ آئے ۔

معرکۂ مُدکی ۱۸۴۵ء

لال سنگھ کے جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف مختصر سی فوج کے ساتھ کمک کے لیئے چلے آرہے ہیں چنانچہ لال سنگھ بیس ہزار فوج اور بائیس توپوں کے ساتھ آگے بڑھکر مقام مُدکی پر آ گیا اور جھاڑی کی آڑ لیکر انگریزی فوج کا خیر مقدم کرنیکے لیئے تیار ہو گیا۔ ۱۸۔ دسمبر ۱۸۴۵ء کو انگریزی فوج نے اکتیس میل کا تھکا دینے والا کوچ خشک اور بے آب میدانوں میں ہو کر کیا تھا سپاہی پیاس سے سخت مضطرب تھے۔ گزشتہ شب سے انھیں کچھ کھانیکی نوبت نہیں آئی تھی اور آتے ہی وہ کھانا پکانیکی تیاریوں میں مصروف ہوئے تھے کہ ناگاہ سامنے سے گرد بلند ہوئی اور توپ کی گرج نے لال سنگھ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی۔ یہاں بھی مہاراج پور (گوالیار) کی طرح سر ہیو گف پر اچانک ایک آفت آ پڑی تھی۔ المختصر وہ آویزش شروع ہوئی جسمیں کہ ایک طرف تو انگریزی فوج کے قواعد داں یورپین اور ہندوستانی سپاہی تھے اور دوسری طرف پنجاب کی خالصہ پلٹنیں تھیں۔ اس موقع پر اسی سکھ فوج نے جس کی نسبت ایک بڑے مدبر نے کہا تھا کہ عدم قواعد اطاعت اور اپنی زیادتیوں اور ظلموں کی وجہ سے وہ ایک بے قاعدہ انبوہ ہو گئی تھی اب اپنی فضیلت دوسروں پر ثابت کر دی ۔ ایک انگریزی رجمنٹ نے تو پیٹھ دکھا دی اور عقب فوج میں جا کر پناہ لی اور بڑی مشکلوں سے کمانڈر انچیف اور دیگر افسر مل کر اُن بھگوڑوں کو پھر سامنے کی صف میں

"توپیں بند ہو گئیں اور گولہ بارود ہوا میں اڑنے لگا۔
رسالے بیچ میں رکے رہ گئے اور صفیں ٹوٹ ٹوٹ کر پلٹنوں پر
پلٹنیں پیچھے ڈھکیلی جانے لگیں اور شام سے پہلے دشمن کی
فوج کے کئی مورچے شکست نہیں ہوسکے۔ رات کی تاریکی
اور لڑائی کی سختی نے انگریزوں کو بالکل بدحواس کر دیا تھا
تمام جھنڈوں اور تمام صفوں کے سپاہی آپس میں خلط ملط
ہو گئے تھے۔ جرنیلوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ فوج کو شکست
نصیب ہوئی یا فتح۔ اور کرنیلوں کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ جس رجمنٹ کی
قیادت انکے سپرد تھی اسکا کیا حشر ہوا یا خود اس فوج کا
کہاں ٹھکانہ ہے جسکا ایک جزو انکی رجمنٹ تھی"
گورنر جنرل کے پانچ اڈیکانگ مارے گئے اور چار زخمی ہو گئے۔ خود
گورنر جنرل نے تمام رات ایک رجمنٹ سے دوسری میں گھوم گھوم کر
بسر کی اور برابر ہر سپاہی کو تسلی دیتا اور انکے دل بڑھاتا رہا۔ اگرچہ اسکو
برابر یہ مشورہ دیا جا رہا تھا کہ فیروز پور کی طرف پسپا ہو کر دم لیلے مگر
اسنے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اسی میدان میں مارے اور مرے اور
صبح ہوتے ہی پھر حملہ شروع کر دے درانحالیکہ اسکے پاس صرف ایک
تازہ دم دستہ صبح کے معرکے میں شریک ہونیکے لئے رہگیا تھا باقی تمام
فوج کے تکان و بدحواسی سے چھکے چھوٹ رہے تھے۔ دن نکلنے سے
پہلے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف نے جنرل گلبرٹ کی منتشر فوج کے
جانبازوں کو مجتمع کیا اور سکھ توپ خانوں پر دھاوا بول دیا اور تھوڑی سی
مقاومت کے بعد اُن پر قبضہ کر لیا۔ سکھ لشکر میں رات بھر دھواں دھار
تقریریں ہوتی رہی تھیں اور مجلس شوریٰ میں ایک دوسرے پر طرح طرح
کے الزامات لگائے جاتے رہے تھے۔ اسکے بعد فوجی خزانہ لوٹ لیا گیا
تھا اور سپہ سالار کی بزدلی یا غداری کی وجہ سے وہ جانباز جنھوں نے
قدیم رومیوں کی سی بہادری کے ساتھ اپنے رومی طرز کے لشکر میں

باب دہم
فصل سوم

ایکسو بھاری توپیں اور ڈھائی سو شتر زنبورچے تھے۔ توپ خانوں میں معمولی ہلکی میدانی توپیں نہیں تھیں بلکہ بھاری قلعہ شکن توپیں تھیں جو نہایت قاعدے کے ساتھ جگہ جگہ نصب کی گئی تھیں۔ سال کا سب سے چھوٹا دن تھا اور ایسا دشمن صعب سامنے تھا جسنے مُدکی پرناک چنے چبوا دیئے تھے اسلیئے ہر لمحہ بیش قیمت ہونا چاہیئے تھا مگر سرجان لٹلر کے پہنچ جانیکے بعد بھی کئی گھنٹے لغویات میں ضائع کر دیئے گئے اور سہ پہر کو چار بجے کے بعد کہیں جا کر پہلا گولا چلایا گیا۔ سر چارلس نیپیر نے اس دن کی نبرد آزمائی پر جو تبصرہ کیا ہے اُسمیں لکھا ہے کہ حملہ دونوں بازووں پر سے ہونا چاہیئے تھا جدھر بھاری توپیں نصب نہیں تھیں بلکہ وہ سب سامنے کی طرف بالکل اس طرح جما دی گئی تھیں کہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی تھیں۔ مگر سر ہیوگف نے اپنی وہی پرانی بھدی چال شروع کی یعنے فوجوں کو سیدھا توپوں کے منھ میں ہلہ بولنے کا حکم دیا اور توپ خانے کو نوک سنگین فتح کرنیکا عزم کر لیا۔ میمنہ کی قیادت خود کمانڈر انچیف نے اپنے ہاتھ میں لی۔ سر ہنری ہارڈنگ کو قلب پر متعین کیا گیا اور سر جان لٹلر کو میسرہ سپرد کیا گیا سر ہنری ہارڈنگ کے حصے میں وہ موقع آیا جہاں سے دشمن کے سخت ترین مورچے پر دھاوا کرنا تھا جسکی حفاظت کے لیئے سب سے بھاری توپیں لگی ہوئی تھیں۔ جو میدانی توپیں سر ہنری کے پاس تھیں وہ اس موقعہ پر تقریباً بالکل بیکار ثابت ہو گئی تھیں اور سپاہیوں کو سر ہتیلی پر لیکر توپوں کے منھ میں اپنے تئیں جھونکنا پڑ رہا تھا۔ لیکن دشمن کی تابڑ توڑ آتشباری کسی طرح ان جانبازوں کے قدم آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔ باسٹھویں پلٹن گرابوں اور گولوں سے بالکل بھُن گئی اور کچھ دیر اپنی جگہ پر قائم رہکر بُری طرح پیچھے ہٹی لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو اس پسپائی میں اُنکے لیئے کوئی ذلت نہیں تھی۔ دوسرے دستوں کو بھی اسی قیامت خیز آتشباری کا سامنا کرنا پڑا اور یہی اُن کا بھی حشر ہوا۔ اس لڑائی کی کیفیت سکھ مورخ کے الفاظ میں کچھ بہتر بیان ہو سکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

صفحہ ۹۹۴

باب دہم
فصل سوم

انگریزوں کو کبھی ایسے زبردست اور ایسے ہٹیلے دشمن سے سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جو فنون حرب سے بھی ایسی ہی اچھی طرح واقف ہو۔ اگرچہ ان معرکوں کی سختی میں سکھوں کی شجاعت کو بھی بڑا دخل تھا مگر جنگ کی طوالت و پیچیدگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کی طرف سے جنگی چالوں میں بہت غلطیاں کی گئیں اور اُن کے پاس سامان حرب بھی بہت خراب تھا۔ بہرحال انصافاً اس معرکے کو برابر اور غیر منفصلہ کہا جا سکتا ہے۔

معرکۂ علیوال

سکھ مجارحت کی لہر تو اب آگے بڑھنے سے روک دی گئی تھی اور جو ساٹھ ہزار خالصہ سپاہی دریائے ستلج کو عبور کر کے کمپنی کے علاقے میں گھس آئے تھے اُن میں سے اب ایک بھی اس کنارے نظر نہیں آتا تھا لیکن دونوں معرکوں میں انگریزی سپاہ کا ایک خمس کام آ چکا تھا اور سامان حرب بالکل ختم ہو چکا تھا اور اس کی ضرورت تھی کہ علاوہ انتظام رسد کے کسی قریب ترین مخزن حرب سے قلعہ شکن توپیں بھی منگائی جائیں۔ یہ قریب ترین مخزن حرب اس وقت دہلی میں تھا جو دو سو میل دور تھی اس طرح مجبوراً انگریزی فوج کو پورا ایک موسم بیکاری میں گزارنا پڑا جس کو سکھوں نے کمزوری یا بزدلی سے منسوب کیا اور سکھ سپہ سالار رنجوڑ سنگھ نے ایک خاصی فوج کے ساتھ دریائے ستلج کو عبور کر کے چھاؤنی لدھیانہ کو دھمکی دینی شروع کی۔ سر ہیری سمتھ کو اس سکھ فوج کا راستہ روکنے کے لیئے روانہ کیا گیا مگر یہ افسر اس قدر مطلق العنان تھا کہ کسی کے مشورے پر عمل نہیں کرتا تھا چنانچہ اس کا راستہ سکھوں نے مقام بڈھے وال پر بالکل روک لیا جس سے سکھ سپہ سالار کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ کسی نہ کسی طرح دریائے ستلج کے بائیں کنارے کو سکھ فوج سے بالکل صاف ہی کر دیا جائے تاکہ اُن ذخائر رسد و حرب

باب دہم
فصل سوم

داد شجاعت دی تھی صبح کے وقت سرپر پاؤں رکھکر ستلج کی طرف بھاگتے نظر آرہے تھے اور میدان اپنے غیر ملکی متخاصمین کے لیئے خالی چھوڑ گئے تھے۔ انگریزی صفوف نے مورچوں پر قبضہ کرتے ہی دم لینے کے لیئے قیام کیا اور جب وقت دونوں سپہ سالار فاتح صفوف کے سامنے سے گزرے ہیں تو سپاہیوں نے دلی جوش کے نعروں کے ساتھ انکا خیر مقدم کیا۔ ابھی تالیوں کی گونج کانوں سے نکلی بھی نہ تھی کہ پھر سامنے سے گرد کا طوفان اٹھا اور تازہ دم دشمن کے آپہنچنے کی خبر آگئی۔ یہ تیج سنگھ تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ سرجان لٹلر اُسکی آنکھ بچاکر نکل گیا ہے تو وہ سیدھا فیروزشہر کی طرف بائیس ہزار پیدل پانچ ہزار سوار اور ستر توپوں کے ساتھ کوچ کرکے آیا۔ یہاں اسنے دیکھا کہ سکھ فوج اپنے مورچے کھو چکی ہے اور سیدھی ستلج کی طرف بدحواس بھاگی جارہی ہے تو اُسنے بھی بیدلی کے ساتھ تھوڑی سی گولہ باری کی جسکا فوری اثر یہ ہوا کہ انگریزوں کا کمزور میدانی توپ خانہ قریب قریب بیکار ہونے لگا تھا مگر ذرا سی دیر میں تیج سنگھ خودی میدان چھوڑکر ستلج کی طرف ہٹگیا۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت تیج سنگھ کو کیا خبر تھی کہ انگریزی سپاہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بقیۃ السیف انگریزی فوج کی بھوک کے مارے جان نکلی جاتی تھی کیونکہ چھتیس گھنٹے سے ایک دانہ تک اُن کے منھ میں نہیں گیا تھا۔ اُنکا سامان حرب بالکل صرف ہوچکا تھا اور اگر ان پر ذرا زور سے حملہ کیا جاتا تو انکی سخت ترین جانبازی بھی انھیں کامل تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتی۔ غرض یہ کہ اکدفعہ پھر محض انگریزی اقبال کی کرامت نے سلطنت ہند کو انگریزوں کے لیئے بچا لیا۔ انگریزوں کا نقصان دو ہزار چار سو اکاون مقتول و مجروح ہوا جنمیں اکیسو تین افسر تھے۔ معرکہ فیروز شہر سخت ترین اور نازک ترین معرکہ تھا جو انگریزوں کو ہندوستان میں پیش آیا۔ اس سے پہلے

صفحہ ۵۰۴

مقابلے میں کبھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یہیں ایک سلسلہ نصف دائرے کی شکل کے دھسوں کا تھا جو پشت پر دریائے ستلج پر ختم ہو جاتے تھے۔ اس شکل کے سلسلے کا بیرونی چکر ڈھائی میل کا تھا اس کے سامنے حفاظت کے لیئے ایک خندق کھودی گئی تھی۔ ان مورچوں کی حفاظت کے لیئے ۳۵ ہزار سکھ فوج تھی اور ۶۷ بھاری قلعہ شکن توپیں تھیں۔ کشتیوں کے پل کے ذریعے سے اس مورچہ بند پڑاؤ کا ارتباط اصل لشکر سے قائم کیا گیا تھا اور اس لشکر میں بھی بھاری توپیں بائیں کنارے پر زد قائم رکھنے کے لیئے نصب کر دی گئی تھیں۔ ۸ ر فروری ۱۸۴۶ء کو ذخائر رسد و حرب مع قلعہ شکن توپوں کے دہلی سے آکر پہنچے اور انگریزی فوج کی ہر لحظہ پست ہونے والی ہمتیں کچھ بندھیں۔ اسی عرصے میں جنرل سمتھ کی فوج بھی آکر انگریزی لشکر میں شریک ہو گئی اور پندرہ ۱۵ ہزار کا اضافہ ہو گیا جس میں پانچ ہزار گورہ فوج تھی۔ قلعہ شکن توپوں کو دشمن کے مورچوں کے مقابلے میں اچھی مار کی جگہ پر نصب کیا گیا اور ۱۰ ر فروری ۱۸۴۶ء کو ان توپوں نے آتش باری شروع کی سکھوں نے بھی اپنے زبردست توپ خانے سے ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا اور دن کے نو بجے یہ ثابت ہو گیا کہ انگریزی گولہ باری دشمن کے مورچوں پر کچھ اثر نہیں کر سکی تھی۔ گولہ بارود بھی بہت ضائع ہونے لگا تھا اور وہ توپیں جن کا سات ہفتے تک انتظار کیا گیا تھا ایسے موقع پر کچھ بے مصرف ثابت ہونے لگیں اس لیئے یہ طے کیا گیا کہ اب لڑائی کی ہار جیت کو صرف بندوقچیوں کی نشانہ بازی اور سنگین اندازوں کی جانبازی کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ جنرل ڈکس۔ جنرل گلبرٹ اور جنرل سمتھ کے تین دستوں نے تین نقاط پر دھاوا شروع کیا۔ سر رابرٹ ڈکس کے دستے نے پہلے قدم آگے بڑھایا اور سنگینوں سے حملہ کر کے خندق کو عبور کر لیا اور دھس پر چڑھ گیا۔ سکھوں نے جب یہ دیکھا کہ اسی نقطے پر حملے کا اجتماع ہو گیا تو انھوں نے ادھر ادھر کے

باب ۴
فصل سوم

پر حملہ نہ ہو سکے جو دہلی سے چلے آرہے تھے۔ جنرل سمتھ کی فوج کو کمک پہنچا کر اس کی تعداد گیارہ ہزار کردی گئی اور دریائے ستلج کے کنارے انگریزی اور سکھ فوجیں پھر مقابلے کے لیئے اتریں سکھوں کی فوج میں جو پہاڑی قوم کے سپاہی کنار دریا کی حفاظت پر متعین تھے وہ بہت جلد بھاگ کھڑے ہوئے مگر خالصہ سپاہی جو اصلی سکھ خون تھے نہایت پامردی کے ساتھ میدان میں اڑے رہے اور جب تک کرنل کیورٹن کا رسالہ تین مرتبہ اُن کی صفوں کو چیر کر اُن کے اندر نہ گھس گیا تب تک انھوں نے قدم پیچھے نہ ہٹائے آخر کار وہ دریا کی طرف پسپا ہوئے اور بہت سے غرقاب ہو گئے اور بہت سے پار اُتر گئے اور انگریز فاتحین کے ہاتھ میں (۶۷) توپیں چھوڑ گئے۔ اس شکست فاش نے لاہور کی مجلس حکومت کو بالکل مایوس کر دیا۔ لال سنگھ وزیر اعظم کو ناقابل قرار دے کر معزول کر دیا گیا اور جموں سے گلاب سنگھ کو طلب کیا گیا تاکہ وہ سرہنری ہارڈنگ کے ساتھ صلح کے لیئے سلسلہ جنبانی کرے۔ گلاب سنگھ کو جواباً اطلاع دے دی گئی کہ گورنر جنرل صرف اُسی صورت میں لاہور میں سکھ سلطنت کے وجود کا روادار ہو سکتا ہے جب کہ خالصہ فوج کو بالکل توڑ دیا جائے جو نقض امن کی جڑ ہے۔ گلاب سنگھ نے یہ جواب دیا کہ سکھ فوج کی نقل و حرکت کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے کیونکہ وہ برابر حکام ریاست پر غالب آتی چلی جارہی ہے۔ چنانچہ نامہ و پیام اسی درجے پر قطع ہو گیا۔

جنوری ۱۸۴۶ء

معرکۂ سوبراؤن

یہاں تو کمانڈر انچیف بھاری توپ خانے کے دہلی سے آنے کا انتظار کر رہا تھا اور اُس طرف سکھوں نے اپنی فوجوں کو ہری کے گھاٹ سے ستلج پار اُتارنا شروع کیا اور ایسا زبردست مورچہ قائم کیا جس سے سخت تر انگریزی فوج کے

جنگ پانی پت کے بعد سے ہندوستان میں ایسی ابتری ایسی مصیبت اور ایسی رستاخیز کا عالم دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ سکھوں کے نقصان کا اندازہ آٹھ ہزار لگایا گیا تھا اور اُن کا تمام خیمہ وخرگاہ تمام توپ خانہ تمام ذخائر رسد وحرب اور تمام طبل ونشان وغیرہ انگریزوں کے ہاتھ آ گئے۔ انگریزوں کا بھی ۲۳۸۳ مقتول ومجروح کا نقصان ہوا مگر فتح کامل نصیب ہوگئی۔ فاتحین نے جس وقت خندقوں کو اپنے بہادر مدافعین کی نعشوں سے پٹا ہوا دیکھا ستلج کے پایاب راستے کو ہزاروں مقتولوں سے اٹا ہوا پایا اور دریا کے ہر طرف ایک جرار سپاہ کی شکست وریخت کے آثار نظر آئے تو اُن کے دلوں سے بیساختہ اپنے بہادر متخاصمین کی شجاعت ومردانگی کی داد نکل گئی اور زبانیں خود بخود خالصہ شجاعوں کی جرأت وپامردی کے کارنامے دُہرانے لگیں۔

داخلۂ پنجاب سر ہنری ہارڈنگ اپنے ساتھ سندھ سے فیروزپور چند کشتیاں لایا تھا اور میجر ایبٹ نے دن رات سرگرم کار رہکر اُن کشتیوں کا پل تیار کرایا تھا جو معرکۂ سوبراؤن کی شب ہی کو تیار ہو چکا تھا۔ سوبراؤن پر خود سر ہنری کو بھی میدان کارزار میں سخت مصروف رہنا پڑا تھا اور گھوڑے سے گرجانے کی وجہ سے اُس کے سخت چوٹ بھی آگئی تھی مگر فتح کامل حاصل ہوتے ہی اُس نے فوراً بیس میل کا گھوڑے کا سفر فیروزپور تک کیا اور اسی شب کو نہایت سرعت ومستعدی سے کام لے کر کشتیوں کے پل پر سے چھ رجمنٹیں پنجاب کی حدود میں اُتار دیں۔ اس کے تین دن کے اندر تمام انگریزی فوج بلا کسی حادثے کے دریا سے پار اُتر گئی۔ اس فوج کی تعداد مع غیر مبارز لشکریوں کے ایک لاکھ تھی جس کے ساتھ ۶۸ ہزار جانور اور چالیس میدانی توپیں تھیں۔ دار الحکومت پر پیش قدمی جاری ہی تھی کہ سکھوں کا وفد صلح گلاب سنگھ کی سرکردگی میں گورنر جنرل کی خدمت

باب دہم
فصل سوم

مورچوں کی مدافعت کو کمزور کرنے کے تمام توپیں اسی نقطے پر لا کر جمع کر دیں۔ جنرل ڈکس کو کمک پہنچانے کے لیئے تازہ دم رجمنٹیں بڑھائی گئیں مگر سکھوں کی بھون ڈالنے والی آگ نے انھیں قدم آگے نہ بڑھانے دیا بلکہ قدم جمانے بھی نہ دیا۔ اب جنرل گلبرٹ اور جنرل سمتھ کے دستوں کو بھی حکم دیا گیا کہ اپنے اپنے نقاط پر ایک ساتھ حملے کریں۔ سکھوں نے یہ دیکھتے ہی اپنی فوجوں کو اُن نقاط پر واپس کر لیا جو ابھی ابھی اُنھوں نے چھوڑ دیئے تھے اور مورچے کے چپے چپے سے گراب گولے اور گولیاں انگریزی فوج پر برسانی شروع کیں۔ اُس دن کا سب سے زیادہ قابل یادگار کارنامہ جنرل گلبرٹ کے دستے کا قلب لشکر پر دھاوا کرنا تھا۔ جنرل موصوف کی فوجوں کو متواتر پسپا ہونا پڑا مگر ہر دفعہ وہ بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ جان ہتیلی پر رکھ کر اُنھوں نے مورچے کو سر کر ہی لیا اگرچہ اُن کا نقصان بھی اس موقع پر ۶۸۹ مقتول و مجروح کا ہوا۔ غرض یہ کہ سکھوں نے جو تین موقعے اپنے بچاؤ کے رکھے تھے وہ باقی نہ رہنے۔ سب سے پہلے تیج سنگھ نے راہ فرار اختیار کی اور اتفاقیہ یا قصداً کشتیوں کے پل پر سے گزرتے ہی اُسے توڑ واڈالا۔ خالصہ سپاہیوں پر اب تین طرف سے برابر مار پڑ رہی تھی اور اُن کی ترتیب بالکل شکستہ ہوگئی تھی مگر اب بھی وہ چپہ چپہ زمین پر خون چھڑک رہے تھے۔ آخر کار ہر طرح سے مایوس ہو کر اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے پر موت کو ترجیح دی اور سر کے بھل اُس دریا میں دنادن کودنے لگے جو رات کو یکایک پایاب حالت سے طغیانی پر آگیا تھا۔ دھاریں سے پار نکل جانے کی کوشش میں سیکڑوں غرقاب ہو کر رہ گئے

صفحہ ۴۵۲

باب ۴ فصل سوم

صوبوں کی قیمت اچھی خاصی مل گئی مگر خود گلاب سنگھ کو سوائے اس کے کیا ملا کہ وہ صرف ایسی ریاستوں کے رئیس کے خالی خطاب سے سرفراز کر دیا گیا جن کی حکومت اب بھی عملی طور پر اُسی کے ہاتھ میں تھی اور جس سے لے دخل کرنے کی اس وقت برطانوی فوج میں قوت بھی نہیں تھی ۔

تصفیۂ پنجاب

۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو ایک باضابطہ عہدنامے کی رو سے پنجاب کے معاملات کا تصفیہ کر دیا گیا۔ اس عہدنامے کی شرطیں یہ تھیں کہ خالصہ فوج کو توڑ دیا جائے ۔ سکھ سلطنت کی اندرونی ضروریات کے لئے بیس ہزار پیدل اور بارہ ہزار سوار رکھے جائیں اور جتنی توپیں انگریزی فوج کے خلاف کام میں لائی گئی تھیں وہ سب انگریزوں کے حوالے کر دی جائیں ۔ اگرچہ جنگ ختم ہو چکی تھی اور خالصہ فوج کو شکست کامل نصیب ہو کر تجزیۂ پنجاب عمل میں آ چکا تھا پھر بھی ہندوستانی طبقات کو برطانوی کامیابی پر شبہہ تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس منحوس خبر پر یقین کرنے کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا۔ ہندوستانیوں کی نظر بڑی تمناؤں کے ساتھ پنجاب کی اس نئی سلطنت پر لگی ہوئی تھی کیونکہ خود پنجاب ہندو دھرم کا گہوارہ تھا اور اس ہونہار سلطنت سے یہ امیدیں وابستہ تھیں کہ ایک دن ہند و عظمت وشان کو از سر نو زندہ کرے گی ۔ سر ہنری ہارڈنگ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس شبہہ و شک کو دلوں سے نکالے اور یہ ثابت کر دے کہ رنجیت سنگھ کی قوت کی نشانی پامال کر کے رکھ دی گئی ہے ۔ چنانچہ اُن دو سو پچاس توپوں کا ایک بہت بڑا جلوس تیار کیا گیا جو سکھوں سے بطور مالِ غنیمت کے حاصل کی گئی تھیں اور ہر طرح کی جنگی شان و شوکت کے ساتھ اس مالِ غنیمت کو لاہور سے کلکتے تک روز روشن میں پہنچایا گیا۔

صفحہ ۵۵۴

مختلف منزلوں اور چھاؤنیوں پر اس جلوس کا ملازمان کمپنی کی طرف سے بڑی عزّ و شان کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور کلکتے پہنچنے پر نہایت پُر شوکت جشن منعقد کیا گیا۔ انگلستان کے ایوان حکومت میں سر رابرٹ پیل اور ڈیوک آف ولنگٹن نے سر ہنری ہارڈنگ ۔ سر ہیوگف اور اُن کے جاں باز

باب دہم
فصل سوم

میں حاضر ہوا لیکن اُن کا خیر مقدم ایسے وفد کی طرح کیا گیا جو بلا اشتعال حملہ کرنے والے دشمن کی طرف سے آیا تھا اور اُن کے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ اس کے بعد خود دلیپ سنگھ انگریزی لشکر میں آیا مگر اس کو بھی مناسب پاس مراتب کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو لاہور کے قلعے پر برطانوی فوج نے قبضہ کر لیا اور بقیہ لشکر نے میانمیر کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔

صفحہ ۳۱۵۴

سر ہنری ہارڈنگ کے انتظامات

ثمرات جنگ کے طور پر اس وقت تمام پنجاب گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھا اور اگر وہ چاہتا تو تمام مملکت کو کمپنی کے محروسات میں شامل کر لیتا مگر اُسے بالفعل یہ خلاف مصلحت نظر آیا کہ اپنی گورنمنٹ کو اتنی بڑی مملکت کے بوجھ سے گراں بار کرے علاوہ بریں فوج کی اخلاقی حالت بھی کمزور ہو رہی تھی۔ گرمی اور کاہلی کا موسم سر پر چلا آرہا تھا اور چار متواتر معرکوں نے گورا فوج کی تعداد میں تین ہزار کی کمی کر دی تھی دراں حالیکہ اس وقت بھی بقیۃ السیف خالصہ فوج کی تعداد ۲۴ ہزار تھی جس کے پاس چالیس توپیں تھیں۔ بہر حال گورنر جنرل کو اس وقت صرف یہی کافی معلوم ہوا کہ خالصہ فوج کی دیدہ دلیری اور مداخلت بیجا کی سزا کے طور پر فی الحال سکھ سلطنت کو اُن تمام مقبوضات سے محروم کر دیا جائے جو دریائے ستلج کے جنوب میں واقع ہیں اور ضلع جلندھر پر بھی انگریزی قبضہ کر لیا جائے۔ باقی اُن کی سیاسی آزادی کو بالفعل برقرار رکھا جائے۔ سکھ سلطنت سے تاوان جنگ کا بھی مطالبہ کیا گیا جس کی مجموعی مقدار ڈیڑھ کرور تھی لیکن اس وقت حالت یہ تھی کہ وزرا کی فضول خرچیوں نے اور فوج کی آزپرودیوں نے رنجیت سنگھ کے بارہ کرور کے اندوختے میں سے صرف نصف کرور خزانے میں باقی چھوڑا تھا۔ چنانچہ سر ہنری ہارڈنگ نے یہ فیصلہ کیا کہ بقیہ ایک کرور کے عوض صوبۂ کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس وقت گلاب سنگھ راجۂ جموں بیچ میں آگیا اور اس شرط پر ایک کرور دینے کا وعدہ کیا کہ راجۂ مذکور کو جموں اور کشمیر کا خود مختار رئیس تسلیم کر لیا جائے۔ برطانیہ کو تاوان دونوں

باب دہم
فصل سوم

لال سنگھ کا ایک خریطہ پیش کیا جس میں گورنر مذکور کو ہدایت کی گئی تھی کہ حوالگی کشمیر میں تعویق و تاخیر کرتا رہے اور اس پر عملدرآمد نہ ہونے دے۔ اس پر ایک مشترک مجلس یورپین افسروں اور سکھ سرداروں کی اس کی تحقیقات کے لیئے بیٹھی اور نہایت صاف اور بے لاگ شہادتوں سے یہ الزام لال سنگھ کے خلاف بایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اور رانی کے الوداعی آنسوؤں کی بھی پروا نہ کر کے لال سنگھ کے لیئے جلاوطنی کی سزا تجویز کر دی گئی اور کچھ وظیفہ دے کر ہمیشہ کے لیئے اُس کا قدم درمیان سے نکال دیا گیا۔ اختتام سال پر پنجاب کی مجلس حکومت اور دیگر بااثر سکھ سرداروں نے لارڈ ہارڈنگ کو یہ یقین دلایا کہ اگر ابھی انگریزی فوج ہٹا لی گئی تو خالصہ فوج کا پھر وہی پہلا ساز و ر بندھ جائے گا اس لیئے ان سب کے اصرار سے لارڈ موصوف کو مجبور ہو جانا پڑا۔ چنانچہ ایک نیا عہدنامہ مرتب کیا گیا جس پر باون سکھ سرداروں نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ اس کی شرطیں یہ تھیں کہ ایک مجلس مدارالمہامی قائم کی جائے جس میں آٹھ سکھ سردار ہوں۔ یہ مجلس برطانوی رزیڈنٹ کی زیر ہدایت و نگرانی انتظام ریاست کیا کرے مختلف قلعوں اور چھاؤنیوں پر انگریزی فوج متعین رکھی جائے جس کے اخراجات کی کفالت کے لیئے ۲۲ لاکھ سالانہ کی رقم مد مصارف میں منظور کی جائے۔ یہ انتظام دلیپ سنگھ کی نابالغی یعنی آٹھ سال تک قائم رہے غرض یہ کہ پنجاب میں عملی طور پر تمام اقتدار حکومت میجر لارنس کو مل گیا جو بنگال توپ خانے کا ایک افسر تھا۔

صفحہ ۵۵۴

فوجی تخفیف　　آٹھ سال تک گورنمنٹ ہندوستان برابر جنگ یا جنگی تیاریوں میں مصروف رہی تھی اور بنگال۔ بمبئی۔ مدراس تینوں احاطوں کی خاص فوجوں کی تعداد ایک لاکھ بارہ ہزار تک پہنچا دی گئی تھی۔ سلطنت کے ملیے پر فوجی مصارف گراں بار ہوتے جاتے تھے اور اختتام جنگ پنجاب پر یہ حساب آ کر بیٹھا کہ مصارف آمدنی سے ڈیڑھ کرور زائد ہوئے تھے۔ گزشتہ ۲۶ ۔۱۸ کے عرصے میں گوالیار۔ سندھ اور پنجاب کی تین خود مختار

معاونین کے لیئے تجویز شکریہ کی تحریک کی جس کے دوران میں وہ زبردست تقریریں کی گئیں جن سے ان بہادروں کی قدر و منزلت کئی گونہ بڑھ گئی۔ گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کو ایوان خاص کی ممبریاں مع جاگیرات و خطابات عطا فرمائی گئیں اور فاتح علیوال کو بیرونٹ کے منصب سے سرفراز کیا گیا۔ جس قدر فوج شریک جنگ رہی تھی اُس کے تمام افراد کو انگلستان سے منظوری آنے کا انتظار کیئے بغیر سر ہنری ہارڈنگ نے سال سال بھر کا بھتہ انعام میں دلا یا۔

پنجاب میں نئے انتظامات دربار لاہور کے اصرار و التجا پر لارڈ ہارڈنگ اس پر رضامند ہوگیا کہ صرف ایک سال کے لیئے کم عمر راجہ اور اُس کی نئی حکومت کی حمایت و حفاظت کے لیئے برطانوی فوج کو لاہور ہی میں رہنے دے اور میجر ہنری لارنیس افسر توپ خانہ بنگال کا انتخاب کیا گیا کہ وہ برطانوی قائم مقام کے طور پر دربار لاہور میں مقیم رہے اور لال سنگھ جو رانی کا خاص نظر کردہ تھا پھر رانی کی سفارش پر وزیر مقرر کیا گیا۔ یہ شخص ادنی خاندان سے تھا اور کوئی کسبی لیاقت ملکی یا فوجی معاملات کے انتظام و انصرام کی بھی نہیں رکھتا تھا اور اُس کے عہد حکومت نے آزپروریوں اور جیرہ دستیوں کی وجہ سے اعلیٰ و ادنیٰ طبقات میں اس کو بدنام اور قابل نفرت بنا دیا اور سب سے آخر میں اُس نے جو غداری برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ کی اس سے اُسکی ملازمت کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ کشمیر راجہ گلاب سنگھ کو دیا جانا طے ہو چکا تھا مگر وہاں کے گورنر شیخ امام الدین نے اول تو حوالگی میں کچھ تکلف کیا مگر پھر بالکل انکار کردیا۔ میجر لارنیس نے یہ ضروری سمجھا کہ مقاومت کی پہلی چنگاری ہی کو سرد کردیا جائے اور اس خیال سے کہ دیر لگ جانے سے کہیں واپسی کا راستہ برف سے بند نہ ہو جائے فوراً ایک زبردست فوج لے کر کشمیر پر پیش قدمی کی۔ اس فوج میں دس ہزار تو وہ سکھ سپاہی تھے جن کو گورنمنٹ نے حال ہی میں شکست دی تھی اور ایک چھوٹا سا دستہ گوروں کا تھا۔ بہر حال سرکش گورنر کو اطاعت پر مجبور ہونا پڑا اور اُس نے اپنی صفائی میں

باب دہم
فصل سوم

تین فوجیں قائم کیں جو سامان سفر اور آلات حرب و ذخائر سے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ ان میں سوار۔ پیدل۔ توپ خانہ سب کچھ ہی تھا اور اُن کے مستقر لاہور۔ جلندھر اور فیروزپور میں رکھے گئے تاکہ اطلاع ملتے ہی بلاتعویق اُس مقام پر پہنچ سکیں جہاں کسی قسم کی بغاوت سرکشی یا نقض امن کا وقوع یا احتمال وقوع ہو۔

دوسری ترقی کی کارروائیاں

اپنے بیالیس ماہ کے عہد حکومت میں لارڈ ہارڈنگ کی توجہ خاص طور سے خالصہ فوج کی قوت توڑنے میں مصروف رہی جس کے ساتھ ہی پنجاب کا انتظام بھی زیر نظر تھا پھر بھی اُس نے اتنا وقت کسی نہ کسی طرح نکال لیا کہ ہندوستان کی مادی اور معاشرتی ترقیوں کے متعلق بھی کچھ کارروائی کی جا سکے۔ لارڈ آکلینڈ کی تجویز پر مجلس انتظامیہ یہ منظوری صادر کر چکی تھی کہ دریائے گنگا کی بڑی نہر کی تعمیر کرائی جائے۔ لارڈ النبرو نے جنگی مصروفیتوں کی وجہ سے اس کام کو ملتوی رکھا تھا لیکن اُس کے جانشین نے اُس کو ہاتھ میں لیا اور بڑی سرگرمی کے ساتھ چلایا۔ اسی عہد میں وہ قابل یادگار تجویز بھی منظور کی گئی کہ آئندہ ملکی ملازمتیں دارالعلوموں کے کامیاب طلبہ کو دی جایا کریں۔ اس طرح سلطنت کو اُن دماغی قابلیتوں سے مستفیض ہونے کا موقع ملنے لگا جو خود سلطنت ہی کی علم پروری کا کرشمہ تھیں۔ انگلستان کی طرح ہندوستان میں بھی تعلیم کے متعلق فرقہ بندیوں کا زور تھا اس لئے یہ مفید تجویز منظوری کے بعد بھی عرصے تک معرض عمل میں نہ آسکی۔ مگر اس کی منظوری کا سہرا لارڈ ہارڈنگ ہی کے سر رہتا ہے اور لارڈ موصوف ہی کو اس کے متعلق کلکتے کے ہندوستانی شرفا کی طرف سے اظہار امتنان کا سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ نے ایک خاص نازک موقع پر ہندوستانی ریلوں کی تجویز میں بڑی زبردست روح پھونک دی۔ یہ تجویز لارڈ النبرو کے عہد حکومت میں اپنے احیا کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور لارڈ موصوف نے اُس کو چار دن کی چاندنی کہہ کر بے غورا

باب دہم
فصل سوم

فوجیں جن کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تھی بالکل توڑ دی جا چکی تھیں اور اُن کا توپ خانہ جو پانسو ضرب توپ مشتمل تھا منتقل ہو کر انگریزی سلح خانوں میں پہنچ چکا تھا۔ اب کوئی ہندوستانی قوت ایسی نہیں رہی تھی جو برطانیہ کے مقابلے میں کھڑی ہو سکے اس لیئے وقت آگیا تھا کہ بلا تکلف انگریزی فوج میں تخفیف کر دی جائے۔ حسن اتفاق سے جو تجربہ لارڈ ہارڈنگ کو بحیثیت فوجی افسر کے میدان جنگ میں حاصل ہو چکا تھا اُس سے یہ بڑا فائدہ ہوا کہ تخفیف پر اس طرح عملدرآمد کر لیا گیا کہ برطانیہ کے فوجی اقتدار میں کوئی فرق نہیں آنے پایا۔ یورپین اور ہندوستانی افسروں کی تعداد کو برقرار رکھ کر لارڈ ہارڈنگ نے ہر رجمنٹ کی تعداد میں کمی کر کے کل پچاس ہزار آدمی چھانٹ ڈالے۔ گرد اور پلٹنوں کو بالکل توڑ دیا لیکن اس کا بڑا خیال رکھا کہ جس جس کو جو شخصی مراعات از قسم بھتہ وغیرہ حاصل تھیں اُن میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ ان انتظامات سے ڈیڑھ کرور کی خالص بچت نکل آئی اور جو دونوں سکھ صوبے قبضے میں لیئے گئے تھے اُن کی آمدنی بعد زائد وصول ہوئی۔ باوجود اس گراں قدر تخفیف کے سب سے زیادہ مخدوش شمال مغربی سرحد کو فراموش نہیں کیا گیا بلکہ اُس کے استحکام و حفاظت کے لیئے ہمیشہ سے زائد انتظام کیا گیا یعنی میرٹھ اور اُس سے اوپر کی چھاؤنیوں میں ۵۴ ہزار فوج مع ایک سو بیس توپوں کے مستقل طور پر متعین کر دی گئی۔ پنجاب کے قیام امن کے متعلق بھی جو انتظامات لارڈ ہارڈنگ نے کیئے اُن سے بھی اُس کی معاملہ فہمی و انتظامی قابلیت کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اُس نے کبھی اس خود فریب مسئلے پر یقین نہیں کیا کہ پنجاب بھی بنگال کی طرح امن و سکون سے رہ سکے گا جس میں ایسے برخاست شدہ سپاہیوں کے جتھے بھرے پڑے تھے جن کے ہاتھ سات سال تک نہایت غرور و تمکنت کے ساتھ کھلے رہے تھے اور جو طرح طرح کے فوجی مراعات سے جائز و ناجائز فوائد اُٹھاتے رہے تھے۔ چنانچہ ہر قسم کی باغیانہ تحریک کے فوری انسداد کے لیئے اُس نے

صفحہ ۴۵۶

باب یازدہم
فصل اوّل

باب یازدہم

فصل اوّل

لارڈ ڈلہوزی کا عہدِ حکومت ۔ دوسری جنگ خالصہ

لارڈ ڈلہوزی

لارڈ ڈلہوزی نے ۱۹ ر جنوری ۱۸۴۸ء کو کلکتہ پہنچ کر اجلاس کونسل میں نشست کی ۔ وہ اُس وقت چھتیس سال کا تھا اور اب تک جتنے گورنر جنرل آ چکے تھے اُن سب میں کم عمر تھا۔ اپنے اعزاز پر فائز ہونے سے پہلے اُس کو ایوان عام میں ممبری مل چکی تھی اور سر رابرٹ پیل کی آخری مجلس شوریٰ میں لارڈ ڈلہوزی ایوان تجارت کی صدارت پر متمکن تھا جب کہ ایوان مذکور میں ریلوں کی تجاویز کی بھرمار تھی اور کارکنوں کو کام سے بہت ہی کم فرصت ملتی تھی ۔ لارڈ ڈلہوزی نے جس وقت حکومت ہند کا انصرام ہاتھ میں لیا ہے اُس وقت اُس کو کوئی واقفیت ہندوستان کی طرز حکومت اور اُصول عمل سے نہیں تھی جیسی کہ لارڈ ولزلی ۔ لارڈ منٹو یا لارڈ ولیم بینٹنگ کو تھی ۔ لیکن اُس کی معاملہ فہمی اور نکتہ رسی فوراً نظام حکومت کی تہہ تک پہنچ گئی اور وہ بہت جلد تمام جزویات پر حاوی ہو گیا ۔ اُس کا عہدِ حکومت آٹھ سال تک رہا اور اس دوران میں کثرت کے ساتھ ایسے معاملات پیش آئے جو مدتوں تک رعایائے ہند کی مرفہ الحالی و خوش وقتی پر اثر ڈالتے رہیں گے اور اُس کا مبارک عہدِ حکومت تاریخ کے قابل یادگار زمانوں میں شمار کیا جاتا رہے گا ۔ تاریخی ترتیب سے قطع نظر کر کے ہم ان تمام معاملات کو تین عنوانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

(۱) جنگی کارروائیاں (۲) الحاقات (۳) معاشرتی و مادی ترقیاں ۔

باب دہم فصل سوم

چھوڑ دیا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ نے سرکاری دفاتر میں اتوار کے دن کام کرنا ممنوع قرار دے دیا تاکہ ہندوستانیوں کے یہ ذہن نشین ہوجائے کہ انگریز لوگ اپنی مذہبی روایات کا کس درجہ احترام کرتے ہیں۔ لارڈ ولیم بینٹنک نے کمپنی کے تمام محروسات میں رسم ستی کو ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن یہ قبیح رسم دیسی ریاستوں میں اب تک ممنوع نہیں تھی۔ شملے کے قریب ہی ایک چھوٹی سی ریاست منڈی کا راجہ انتقال کر گیا اور اُس کی ایک درجن بیویاں اُس کی چتا پر جل کر بھسم ہوگئیں۔ لارڈ ہارڈنگ نے یہ دیکھ کر اقتدار حکومت کا بھرپور زور لگایا اور دیسی رئیسوں کو اس سفاکانہ رسم کے ممنوع قرار دینے کی پرزور ترغیب دی۔ چنانچہ لارڈ موصوف کے پاس اپنی روانگی سے پہلے چوبیس خود مختار رئیسوں کے پاس سے اطمینان دلانے والی تحریریں ایسی آگئی تھیں کہ رئیسان موصوف اپنے اپنے علاقوں میں اس رسم کی منسوخی کے لیئے زبردست کارروائیاں کر رہے ہیں اور آجکل تو ستی ہندوستان میں ایسی ہی نادر ہے جیسے مقابلہ (Duel) انگلستان میں

صفحہ ۵۷۴

لارڈ ہارڈنگ کی سرپرستیوں کا مقصد ہمیشہ کافۂ انام کی بہبودی تھا اور لارڈ ڈالن بروکی طرح اس کے متعلق بھی کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اُس کی نوازشات خویش و احباب تک محدود رہتی ہوں۔ اس لئے ہندوستانی طبقات کا اعتماد حسن اوصاف کی وجہ سے حاصل کیا تھا وہ اُسکی وقت کی اپچ اور درشتی و نرمی کی آمیزش تھی جس میں ایک طرف تو اُس کی نیک طینتی یا خیر سگالی تھی اور دوسری طرف اُسکا استقلال اور ضابطہ تھا۔ ۱۵ مارچ ۱۸۴۸ء کو لارڈ ہارڈنگ کلکتے سے روانہ ہوا اور یہ اطمینان اپنے ساتھ لے کر گیا کہ اب سات سال تک ہندوستان میں گولی چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی لیکن آئندہ کے لیئے کوئی رائے قائم کرنا ہمیشہ سے مشکل رہا ہے خصوصاً ہندوستان کی سی انقلاب انگیز سرزمین میں تو محال ہی ہے۔ لارڈ ہارڈنگ کو روانہ ہوئے پورے بارہ مہینے بھی نہیں گزرنے پائے کہ پنجاب میں پھر بغاوت ہوپڑی اور اُس کو دوبارہ تسخیر کر کے برطانوی صوبہ بنا دیا گیا۔

باب یازدہم
فصل اوّل

کو یہ مطالبہ منظور کرنا پڑا مگر اُس نے اس کارروائی کو اپنی رعایا کی نظر میں ذلّت وتوہین سے تعبیر کیا اور مجلس مشاورت سے کبیدہ خاطر اور ترش رو ہو کر اٹھ گیا۔
۲۰ مارچ ۱۸۴۸ء کو دونوں برطانوی افسر اُن مختلف محکمہ جات کا معائنہ کرنے کے لیئے گئے جو نئے گورنر کی طرف منتقل کیئے جانے والے تھے۔ لیکن واپسی میں جس وقت کہ وہ قلعے سے نکل رہے تھے اُن کو خفیہ قاتلوں نے مار کر گرا دیا اور اُن کے خدّام اُن کو اس مستحکم مندر میں لے گئے جو قلعے سے قریب ہی آجکل ان لوگوں کا پڑاؤ تھا۔ اُن افسروں نے نہایت بہادری کے ساتھ اپنے چھوٹے سے قلعے کی حفاظت کی یہاں تک کہ ان کے سکھ سپاہی بھی اُن سے پھر گئے۔ اس کے بعد کثرت سے وحشی سکھ طوفان بے تمیزی اُٹھاتے ہوئے اندر گھس پڑے اور دونوں انگریزی افسروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اُن کے سر کاٹ کر مولراج کے پاس لے گئے جو بجائے اس کے کہ اس حملے کے وقت انگریزوں کی مدد کرتا اس وقت میں بھاگ کر اپنی دیہات کی کوٹھی پر چلا گیا تھا۔ دوسرے دن مولراج نے باغیوں کی سرغنائی اختیار کی اور اعلان عام شائع کیا کہ جس کے ذریعے سے تمام صوبے کے باشندوں کو صلائے عام دی گئی تھی کہ آئیں اور لامذہب فرنگیوں کے خلاف مذہبی جنگ میں شریک ہوں۔ اس وقت وہ نازک موقع آگیا تھا جس کے لیئے لارڈ ہارڈنگ نے اپنے متحرک دستے تیّار کیئے تھے اور اگر میجر لارنس ہوتا تو وہ فوراً چڑھ دوڑتا اور بغاوت کے پودے کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا جس طرح کہ اُس نے دو سال پہلے کشمیر میں امام الدین کی بغاوت کی بیخ کنی کر دی تھی لیکن سر فریڈرک نے جس وقت برطانوی افسروں پر حملے کی خبر سنی اُس وقت تو ایک زبردست فوج تیار کی اور ملتان پر پیشقدمی کا ارادہ کیا مگر جب ان کے قتل ہو جانے کی اطّلاع آگئی تو کوچ ملتوی کر دیا اور معاملے کو بغرض استصواب کمانڈر انچیف کی خدمت میں پیش کر دیا اور کمانڈر انچیف نے بالفعل تمام کارروائی کو اُس وقت تک کے لیئے معرض التوا میں ڈال دیا جب تک کہ موسم سرما میں وہ خود بہ نفس نفیس میدان جنگ میں نہ جا سکے؛

۴۵۹

صفحہ ۵۸۴
باب یازدہم
فصل اول

مول راج اور ملتان

لارڈ ڈلہوزی کے پہنچنے سے چار ہی ماہ کے اندر جنگی الاپ پھر سنائی دینے لگی۔ اوّل اوّل اُفق ملتان پر ایک چھوٹا سا ابر کا ٹکڑا اُٹھا جو چھ ماہ کے اندر تمام ملک پر چھا گیا اور ۱۸۴۵ء کے شدید معرکے کا طوفان نازل ہوکر رہا۔ سر ہنری لارنیس رزیڈنٹ دربار لاہور کو اپنی صحت کے خیال سے انگلستان جانا پڑا اور اُس کی جگہ ایک ملکی افسر سر فریڈرک کری کا تقرر عمل میں آیا۔ سوء اتفاق سے صورت حالات ایک ایسے افسر کے تقرر کی متقاضی تھی جو جنگی تجربات و تحکمات سے بہرہ مند ہو اور چونکہ سر فریڈرک نہ جنگی تجربہ رکھتا تھا نہ فوجیوں کی سی شان تحکم اُس میں تھی اس لئے جنگ ناگزیر ہوگئی۔ مول راج نے اپنے والد کی جگہ گورنری ملتان کا انصرام ۱۸۴۴ء میں اپنے ہاتھ میں لیا لیکن حکّام لاہور کے ساتھ اُس کا انداز اطاعت شعاری محض برائے نام تھا۔ لال سنگھ وزیر کو چونکہ یہ علم تھا کہ مول راج کے والد نے بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا ہے اس لئے اُس نے مول راج سے بطور رسوم گدّی نشینی ایک کرور روپے کا نذرانہ طلب کیا۔ لکھا پڑھی کے بعد یہ مطالبہ بیس لاکھ تک گھٹا دیا گیا تھا مگر مول راج اُس کی ادائگی میں برابر لیت و لعل کرتا رہا تھا یہاں تک کہ لارڈ ہارڈنگ کی نگرانی میں لاہور میں زبردست گورنمنٹ قائم ہوگئی۔ پھر جو اُس سے حساب صاف کرنے کا تقاضا کیا گیا تو اُس نے اس عذر کے ساتھ مستعفی ہونا چاہا کہ یہ ایک نیا مالی قانون ہے جو کسی طرح منظور نہیں کیا جا سکتا۔ دربار لاہور نے مول راج کی بات پکڑ لی اور یہاں سے خان سنگھ کو گورنری کا انصرام ہاتھ میں لینے کے لئے بھیجا اور سر فریڈرک کری نے ایک ملکی افسر مسٹر ایگنیو اور ایک لفٹنٹ انڈرسن کو ساڑھے تین سو سکھ سپاہیوں کے بدرقے کے ساتھ خان سنگھ کے ہمراہ بھیجا اور یہ جماعت ۱۸ مارچ ۱۸۴۸ء کو ملتان پہنچ گئی۔

برطانوی افسران کا قتل

دوسری صبح کو مول راج خود برطانوی افسروں کے پاس آیا اور یہ استدعا کی کہ نئے گورنر کی طرف سے ایک مصدقہ رسید سپرد گی انصرام کی دے دی جائے مگر مسٹر ایگنیو نے اس پر اصرار کیا کہ مول راج کو چھ سال کا پورا پورا حساب سمجھانا چاہیئے۔ بہت کچھ ردّ و کد کے بعد مول راج

مددیں تھیں مگر پھر مول راج کو شکستِ فاش نصیب ہوئی اور وہ اپنی شکست خوردہ فوج کو لے کر خاص ملتان میں قلعہ بند ہو گیا۔

جنرل وہش کی روانگی

اب سر فریڈرک نے سمجھ لیا کہ لفٹننٹ ایڈورڈز کے صاف کیئے ہوئے راستے پر چلنے میں دیر لگانے کا وقت نہیں ہے اور اُس نے اپنی ذمہ داری پر جنرل وہش کو حکم دیا کہ سات ہزار فوج اور قلعہ شکن توپ خانہ لے کر فوراً ملتان پر پیش قدمی کرے اور اس پیش قدمی کی سر ہیوگف کی طرف سے بھی کچھ مخالفت نہیں کی گئی۔ اسی اثنا میں لفٹننٹ ایڈورڈز کی شرکت کے لیئے ایک سکھ فوج بھی دربارِ لاہور کی بھیجی ہوئی آ پہنچی تھی جس کا سپہ سالار شیر سنگھ تھا۔ بظاہر یہ فوج مول راج کا زور توڑنے کو بھیجی گئی تھی مگر بباطن مول راج کی امداد کے لیئے آئی تھی اور لاہور میں یہ ایک کھلا ہوا راز تھا کہ یہ فوج کسی طرح انگریزوں کی اطاعت کرنے پر رضامند نہیں ہے۔ لاہور سے ملتان صرف دو سو بیس میل کے فاصلے پر ہے اور اگرچہ جنرل وہش کو ہر جگہ دریائی سفر کی سہولتیں بہم پہنچتی رہیں تاہم اُسے ملتان پہنچنے میں ۳۹ دن لگ گئے۔ اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر مول راج نے اپنی فوج میں بہت اضافہ کر لیا اور قلعے کے استحکامات کو مستحکم تر کر لیا دراں حالیکہ پہلے ہی ملک بھر میں یہ قلعہ سب سے زبردست تھا۔ ۳ دسمبر ۱۸۴۸ء کو قلعہ شکن توپ خانہ ملتان آ کر پہنچا اور ابھی اُسے کام کرتے ہوئے ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ تمام فوجی کارروائیاں یکایک اختتام کو پہنچ گئیں۔ شیر سنگھ جو جنرل وہش کے ساتھ ہی لفٹننٹ ایڈورڈز کے لشکر میں شریک ہو گیا تھا اپنے افسروں اور سپاہیوں کے اصرار سے مجبور ہو گیا اور ۱۴ دسمبر ۱۸۴۸ء کو اپنے پانچ ہزار سپاہی لے کر دشمن کی طرف چلا گیا۔ اب جنرل وہش کو مجبور ہو کر محاصرہ اُٹھا دینا پڑا اور وہ ملتان کے قریب ہی ایک مقام محفوظ پر ہٹ آیا جو کمک کے آنے کا انتظار کرنے کے لیئے موزوں تھا۔ یہاں جنرل وہش نے مورچہ بندی کر لی اور گویا خود محصور ہو گیا۔ شیر سنگھ نے فوراً ایک

باب یازدہم
فصل اوّل

لفٹننٹ ایڈورڈز

ابھی رزیڈنٹ لاہور اور کمانڈر انچیف میں تبادلۂ خیالات ہی ہو رہا تھا کہ کلائیو کی روح ایک نوجوان فوجی افسر لفٹننٹ ایڈورڈز میں حلول کر گئی جو ضلع بنوں کے مالی بندوبست کے کام پر متعین تھا اور اُس نے اس بغاوت کو فرد کرنے کی دل میں ٹھان لی۔ لاہور کے احکام کا انتظار کئے بغیر اُس نے بارہ سو پیدل اور ساڑھے تین سو سوار کے ہمراہ صرف دو توپیں لے کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ مگر راستے میں اُس نے ایک خط پکڑا جس سے اُس کو یہ علم ہو گیا کہ اس کے سپاہی اس پر رضامند ہو گئے تھے کہ اپنی خدمات کو اور اپنے افسر کے سر کو مول راج کے ہاتھ چوبیس ہزار روپے میں بیچ ڈالیں اس لئے وہ پھر دریائے سندھ کو عبور کر کے واپس آ گیا اور دوسرے رنگروٹ بھرتی کرنے شروع کئے جو غدّاری کی آلائش سے پاک تھے اور بقول لفٹننٹ ایڈورڈز کے وہ جاں باز سپاہی تھے جو اپنا گلا کٹا کر بھی دوسرے کا سر اُتار لینے پر ہر وقت راضی تھے۔ کچھ ہی عرصے میں کرنل کورٹ لینڈ اپنی مسلمانوں کی فوج کے ساتھ اُس کا شریک ہو گیا اور بہاول پور کی فوج بھی اُس کی کمک کے لئے آ گئی چنانچہ اس انگریزی فوج میں اور مول راج کی آٹھ ہزار سکھ فوج میں مقام کنیری پر پہلی مڈبھیڑ ہوئی جس میں ۱۸ جون ۱۸۴۸ء کو مول راج نے شکست کھائی۔ لفٹننٹ ایڈورڈز نے رزیڈنٹ لاہور سے بتاکید استدعا کی کہ اُس کی کمک کے لئے کچھ فوج بھیجے اور لاہور میں ایک معقول کمک بھیجنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سر ہیوگف کمانڈر انچیف نے پھر حکمانہ مداخلت کی اور یہ عذر پیش کیا کہ موسم فوج کشی کے لئے موزوں نہیں ہے اور قلعہ شکن توپیں ابھی تک کانپور سے روانہ نہیں ہوئی ہیں۔ دس روز کے بعد امام الدین کی سرکردگی میں چار ہزار فوج کی کمک لفٹننٹ ایڈورڈز کے پاس آ پہنچی اور اگرچہ لفٹننٹ مذکور کو امام الدین کے خلوص پر شبہ تھا مگر اس نے پھر مقام سدوسین پر مول راج کی فوج پر حملہ کر ہی دیا۔ اس دفعہ اگرچہ مول راج کے ساتھ گیارہ ہزار سکھ فوج تھی اور گیارہ توپیں اُس کی

نمبر ۶۰۰۴

سکھ فوج تھی جن کی وفاداری پر ایسی حالت میں بہت ہی کم بھروسہ کیا جا سکتا تھا کہ تمام پنجاب کی ہوا ایسے زہریلے اثرات سے مسموم ہو رہی تھی۔ چونکہ ان سپاہیوں میں میجر لارنیس بہت ہر دلعزیز ہو گیا تھا اس لیئے اوّل اوّل تو اُنھوں نے چتر سنگھ کے ہر قسم کے اغوا کو مسترد کر دیا مگر رفتہ رفتہ دوست محمّد خاں کے بھائی سلطان محمّد کے اصرار کے آگے اُنھیں گردن جھکا دینی پڑی۔ یہ سلطان محمّد افغانیوں کی غدّاری کا روح و رواں تھا۔ اس پر برطانوی گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات تھے کیونکہ میجر جارج لارنس کے بھائی سر ہنری لارنیس نے اس کو لاہور کے جیل سے آزادی دلائی تھی اور اس کی جاگیر بحال کی تھی۔ غرض یہ کہ سلطان محمّد کے اغوا سے سکھ فوج پھر گئی اور رزیڈنسی کو لوٹ لیا۔ ادھر ایک مختصر سا بدرقہ اسی سلطان محمّد نے بہم پہنچا دیا جس کی حفاظت میں رزیڈنٹ نے سلطان محمّد کے قول و قسم پر بھروسہ کر کے پشاور چھوڑا۔ مگر ابھی وہ وہاں سے بہت دور نہیں گیا تھا کہ سلطان محمّد نے اس کو چتر سنگھ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ رنجیت سنگھ کے پرانے نبرد آزما تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور اُن کے دلوں میں انگریزوں سے مقابلہ کرنے اور پھر ایک مرتبہ سر میدان گزشتہ ناکامیوں میں کھوئی ہوئی عزّت حاصل کرنے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ حقیر سی بغاوت ملتان کو محض سہل انگاری نے ایک زبردست قومی جنگ بنا دیا اور اس وقت لارڈ ڈلہوزی کو ہندوستان کے شجاع ترین سپاہیوں کا مقابلہ کرنا تھا جو حبِّ ملک و ملّت کے جوش سے سرشار ہو رہے تھے۔ مگر لارڈ موصوف نے اپنے تئیں اس مقابلے کے لیئے بالکل تیّار پایا۔ سر جارج کلارک گورنر بمبئی کی زبردست کوشش سے بڑی تاخیر کے بعد سات ہزار فوج جنرل وھش کی کمک کے لیئے دریائے سندھ کے اوپر ہو کر بھیجی گئی اور بنگالی فوج کی سترہ ہزار مزید کمک آجانے سے جنرل وھش کی جمعیت خاصی زبردست ہو گئی۔ ۱۰ اکتوبر ۱۸۴۸ء کو لارڈ ڈلہوزی خود میدان کارزار کو روانہ ہوا۔ بارک پور میں جو سپاس نامہ اُسے پیش کیا گیا تھا اُس کے جواب میں اُس نے دورانِ تقریر میں یہ الفاظ کہے:-

باب یازدہم
فصل اول

اعلان شائع کیا جس میں پاک گرو کا واسطہ دے کر بے رحم غاصب فرنگیوں کے خلاف مذہبی جنگ میں شریک ہونے کی صلائے عام دی گئی تھی کہ جو لوگ سکھ مہاراجہ کا نمک کھاتے ہیں وہ آئیں اور ان ظالموں کو برباد کر ڈالیں۔

بغاوت کی ترقی

ان ہی کارروائیوں کے دوران میں بعض واقعات لاہور اور دیگر مقامات پر ایسے پیش آ گئے جن سے اس مخدوش سرنگ کا پتہ چل گیا جس پر کہ اس وقت انگریز بیٹھے ہوئے تھے۔ یعنی یہ ظاہر ہوا کہ مہارانی جو بڑے حوصلے اور بڑی اٹھک سازش والی طبیعت کی تھی عرصے سے کابل۔ قندھار۔ کشمیر اور راجپوتانے کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام میں مصروف تھی جس کی غرض برطانوی گورنمنٹ کے خلاف ایک مشترکہ سازش کرنی تھی اور مجلس حکومت کے تمام اراکین باستثنائے صرف دو ممبروں کے اس ساز باز میں شریک تھے۔ سر فریڈرک نے بڑی ہوشیاری سے ایک جنگی چال چل کر رانی کی ذات پر قبضہ حاصل کر لیا تھا چنانچہ رانی موصوفہ کو فوراً رزیڈنٹ بنارس کے پاس روانہ کر دیا گیا جو ہمیشہ سے ہندوستان کے معزول راجاؤں اور رانیوں کا نگراں رہتا چلا آیا تھا۔ بغاوت کی آتش اب علانیہ اپنے شعلے بلند کرنے لگی۔

۱۸۴۸ء

شیر سنگھ کا باپ چتر سنگھ جو صوبۂ ہزارہ کا گورنر تھا میدان میں آ گیا اور اعلان کر دیا کہ میں اپنا سر خدا کی راہ میں اور اپنے ہتھیار خالصہ قوم کیواسطے وقف کر چکا۔ چتر سنگھ نے دوست محمد خاں کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا اور اُسے اس شرط پر صوبۂ پشاور دے دینے کا وعدہ کیا کہ وہ انگریزوں کے خلاف اس مذہبی جنگ میں سکھوں کی شرکت کرے۔ یہ تحفہ ایسا دلفریب تھا کہ کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ دوست محمد نے اس امدادی فوج کے ساتھ باغیوں کی شرکت کا وعدہ کر لیا۔ پشاور جسے چتر سنگھ نے دوست محمد کے ہاتھ بیچ دیا تھا اس وقت میجر جارج لارنس کے سیاسی اقتدار کے تحت میں تھا اور اُس میں اُس وقت ۸ ہزار مقامی

باب یازدہم
فصل اوّل

دریا کے اس کنارے تک آگے بڑھا دیا تھا۔ اس دستے کو تو انگریزی فوج نے فوراً مار کر پار بھگا دیا مگر اُسی وقت شیر سنگھ کے توپ خانے نے تابڑ توڑ آگ برسانی شروع کر دی اور چونکہ اُس کی توپیں بڑے موقع سے دوسرے کنارے پر اونچی جگہ نصب تھیں اس لیئے انگریزی فوج کو پسپائی کا حکم دیا گیا۔ اس پسپائی میں ایک توپ اور دو گاڑیاں ریت سے نکال کر نہیں لائی جا سکیں اور بجائے اس کے کہ توپ کا منہ کیل دیا جاتا اور گاڑیوں کو اڑا دیا جاتا یہ غلطی کی گئی کہ اُن کو ریت سے نکالنے کی کوشش ہونے لگی۔ اُسی وقت کئی ہزار سکھ پایاب راستے سے ہو کر انگریزی فوج پر جھپٹے اور سکھ توپ خانے نے پسپا ہونے والوں پر آتش باری جاری رکھی۔ اُس دن کا معرکہ اسی پسپائی پر ختم ہو جاتا مگر کمانڈر انچیف کرنل ہیولاک کو جو رسالہ ۱۴ کا افسر تھا اور اسپین وغیرہ کی جنگ میں بہت شہرت حاصل کر چکا تھا یہ حکم دیا کہ سکھوں پر دریا کی تلیٹی میں حملہ کرے جو دو میل چوڑی اور خشک تھی۔ اس کارنامۂ وحشت میں کرنل ہیولاک اور بہادر کرنل کیورٹن کی جانیں جاتی رہیں۔

معرکۂ سعد اللہ پور

شیر سنگھ کے مورچوں پر سامنے سے حملہ کرنا حماقت سے کم نہیں تھا اس لیئے سر جوزف ٹھیکویل کو آٹھ ہزار سوار پیدل اور توپ خانے کے ساتھ یکم دسمبر ۱۸۴۸ء کو وزیر آباد بھیجا گیا جو دریا کی چڑھائی پر تئیس میل کے فاصلے پر تھا۔ دوسرے دن سر جوزف نے اس مقام پر دریائے چناب کو عبور کر لیا اور بارہ میل تک شیر سنگھ کے لشکر کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نقل و حرکت کا حال سنتے ہی شیر سنگھ نے اپنی فوج کو فوراً رام نگر سے ہٹا لیا اور سر ہیوگف کو خالی مورچوں پر گولہ بارود اُڑانے کے لیئے چھوڑ دیا۔ سکھ اور سر جوزف کی فوجوں کا تصادم سعد اللہ نگر پر ہوا۔ انگریزی فوج نے دو گھنٹے تک سکھوں کو گولہ باری کرنے دی اور آگے بڑھنے دیا اور خود ایک گولہ بھی نہیں چلایا یہاں تک کہ وہ پورے طور سے زد میں آ گئے۔ اب جنرل ٹھیکویل کے میدانی توپ خانے کا منہ کھلا اور بڑے زور و شور سے کھلا اور سکھوں کی توپیں سست پڑنے لگیں

صفحہ ۴۶۳

باب یازدہم
فصل اوّل

"گزشتہ نظائر سے متنبہہ نہ ہو کر گزشتہ مثالوں سے نصیحت حاصل نہ کر کے سکھ قوم نے پھر نعرۂ مبارز طلبی بلند کیا ہے اور میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے جواب میں انھیں برطانوی انتقام سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

صفحہ ۴۶۲

شیر سنگھ

مول راج نے شیر سنگھ کا خیر مقدم بڑی بے اعتباری کے ساتھ کیا۔ اس نے شیر سنگھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ جنرل وِش کا لشکر چھوڑ کر تو چلا آئے مگر اپنا اور اپنے لشکریوں کا بار قلعہ بند فوج پر نہ ڈالے۔ چنانچہ جنرل وِش سے پھر جانے کے بچیس دن بعد شیر سنگھ ملتان سے روانہ ہو گیا اور پانچ ہزار کی سپاہ کے ساتھ لاہور کی طرف چلا جس کی تعداد ہر منزل پر پرانے خالصہ نبرد آزماؤں کی شرکت سے بڑھتی جاتی تھی شیر سنگھ نے دریائے راوی کا کشتیوں کا پل جلا ڈالا جس کے شعلے انگریزی چھاؤنیوں میں نظر آتے تھے۔ دراں حالیکہ یہ علم ہو چکا تھا کہ شیر سنگھ اور چتر سنگھ پندرہ ہزار فوج کے ساتھ میدان کارزار میں سرگرم کار ہیں مگر اس کے کئی ہفتے بعد تک لاہور کو بے حفاظت چھوڑے رکھا گیا اور اگر شیر سنگھ کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ آسانی سے دار الحکومت پر قبضہ کر لیتا۔ لیکن وہ دریائے چناب کی طرف مقام رام نگر پر بڑھے چلا گیا آخر کار وہ وقت آیا کہ برطانیہ کی عظیم الشان سپاہ اوائل نومبر ۱۸۴۸ء میں فیروز پور پر جمع ہوئی اور ۱۶ ہ نومبر ۱۸۴۸ء کو سر ہیوگف نے خود اس کی قیادت ہاتھ میں لی۔ اس سپاہ میں چار گورہ اور گیارہ ہندوستانی پیدل رجمنٹیں تھیں تین گورہ اور پانچ دیسی رسالے تھے اور پانچ رسالے بیقاعدہ فوج کے تھے یہ سپاہ اگرچہ پیدل فوج کے اعتبار سے کمزور تھی مگر میدانی توپ خانے کے اعتبار سے غیر معمولی قوت رکھتی تھی۔ لارڈ ہیوگف نے ابتدائے جنگ اس طرح کی کہ اپنی سپاہ کو رام نگر پر بڑھایا جہاں دریائے چناب کے داہنے کنارے شیر سنگھ کا لشکر پڑا ہوا تھا اور سامنے سے اس کی حفاظت کے لیے اٹھائیس ضرب کا توپ خانہ لگا ہوا تھا۔ شیر سنگھ کے پاس کام کرنے والی کشتیاں تھیں اور پایاب راستے کو اس نے اپنی زد میں لے رکھا تھا اور ایک دستہ فوج کا

جوش میں آگئی اور اُس نے جنگ شروع ہونے کے احکام جاری کر دیئے۔ سکھوں نے معرکے کو متواتر آتشباری سے شروع کیا اور ایسے گھنے جنگل کے اندر سے آگ برسانی شروع کی جہاں انگریزی توپ خانے کے واسطے سوائے توپوں کی چمکاروں اور دھویں کے بادلوں کے اور کوئی ہدف نہیں تھا۔ یہ گولہ باری گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی اور شام کے تین بجے جب صرف دو گھنٹے دن باقی تھا انگریزی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ جنرل کیمبل کی دونوں پیدل رجمنٹوں میں سے جنرل پینی کے دستے کو بُری طرح پیچھے ہٹنا پڑا۔ ۲۴ ویں پیدل پلٹن جو اس رجمنٹ کا ایک جزو تھی اور جس میں عموماً نوجوان سپاہی تھے ایسے زور وشور سے آگے بڑھی کہ شیر سنگھ جس کے مقابلے میں یہ بڑھ رہے تھے پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کرنے لگا مگر جب اُس نے غور سے دیکھا کہ وہ سب نوجوان بے اختیار ہانپ رہے ہیں اور چلنے کا دم بھی اُن میں نہیں ہے بلکہ آ کر توپوں پر گر پڑیں گے تو اُس نے اُن پر گراب کا ایک فیر توپوں سے ادا جس کے مہلک اثر سے اُن کی ترتیب میں بالکل فرق پڑ گیا۔ اس کے بعد سکھ بند وقچیوں نے جنگل کی آڑ سے ان پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ تمام پلٹن پر سخت بدحواسی طاری ہو گئی اور افسروں کی تمام کوششیں ترتیب و نظام قائم رکھنے کی بیکار ثابت ہوئیں۔ فوج کا نشان دشمن کے ہاتھ پڑ گیا لیکن اس سے پہلے ۲۳۔ افسر اور ۵۹ ہم نن کمیشن افسر اور سپاہی مارے جا چکے تھے۔ جنرل کیمبل جس نے اپنے مقابلے کی فوج کو دبا لیا تھا بتعجیل تمام جنرل پینی کو کمک کی امداد کے لیئے آیا اور سکھوں کے ہاتھ سے ارمغان ظفر کو چھین لیا۔ جنرل گلبرٹ کی رجمنٹ نے نہایت جاں بازی کے ساتھ اپنے سامنے کی فوج کو منتشر کیا لیکن ایسے جنگل میں تعاقب کرنا ناممکن تھا جہاں آدمی کو اپنے سامنے بیس گز آگے تک کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ابھی انگریزی فوج کا یہ دستہ اپنے زخمیوں کو سمیٹ رہا تھا کہ ایک جماعت سکھوں کی چپکے سے اُن کی پشت پر پہنچ گئی اور اُن پر آگ برسانی شروع کی اور اگر اس وقت

صفحہ ۴۶

اور رفتہ رفتہ بند ہوگئیں۔ اُس وقت صرف ایک گھنٹہ دن باقی تھا اور مدکی اور فیروز شہر کے نظائر سے فائدہ اُٹھا کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ صبح تک حملے کو ملتوی رکھا جائے۔ رات کی تاریکی میں شیر سنگھ اپنا خیمہ و خرگاہ اور ذخائر و آلات حرب لے کر چپکے سے میدان سے ہٹ گیا اور صبح جب جنرل ٹیکویل اپنی فوج کو حرکت میں لایا تو شیر سنگھ تعاقب کی زد سے بھی نکل چکا تھا۔ شیر سنگھ سعد اللہ نگر سے اپنے میدانی توپ خانے کو صحیح و سالم لے کر نکل گیا اور اس کی فوجیں بھی بالکل تازہ دم رہیں۔ اس کے بعد اس نے جہلم پر نہایت اعلیٰ درجے کا مورچہ اس طرح باندھا کہ اپنی پشت پر دریا کو لیا۔ فوج کے بڑے حصوں کو نالوں میں رکھا جن کے مزید استحکام کے لئے دُھس باندھ دیئے گئے تھے اور اپنے سامنے ایک بڑی لمبی چوڑی اور نہایت گنجان جھاڑی کو رکھا۔ چھ ہفتے تک انگریزی فوج بیکار پڑی رہی۔ بلکہ اُس زمانے کے ماہران حرب کی تو رائے یہ تھی کہ اس فوج کو اس وقت تک اسی طرح بیکار پڑا رہنا چاہیئے تھا کہ ملتان تسخیر ہوکر وہ بڑی سپاہ اُس کی کمک کے لئے نہ آجاتی۔ یہی مسلک آخر کار اختیار بھی کیا گیا جس سے جنگ فاتحانہ اختتام کو پہنچ گئی۔ مگر اس وقت تو ہمیں اُس منحوس لڑائی کا ذکر کرنا ہے جو معرکۂ چلیانوالہ کے نام سے مشہور ہے۔

چلیانوالہ

۱۲؍ جنوری ۱۸۴۹ء کو انگریزی فوج بارہ میل مقام ڈنجی تک بڑھ گئی اور ۱۳؍ جنوری ۱۸۴۹ء کو چلیانوالہ جا پہنچی وہاں یہ معلوم ہوا کہ سکھوں نے رسول پور کے زبردست مورچوں کو چھوڑ دیا ہے اور بلا مورچہ بندی کے سر میدان مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ لارڈ گف نے فوجی کارروائی کو اُس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا جب تک کہ باقاعدہ گرد آوری کے ذریعے سے موقع محل کا صحیح اندازہ نہ لگا لیا جائے اور انگریزی لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کے احکام بھی دیدیئے گئے تھے کہ یکایک چند گولے اُن سکھ توپوں سے آکر لشکر میں گرے جو معمول سے کچھ آگے بڑھ آئی تھیں۔ اس حرکت پر لارڈ گف کی مخاصمانہ فطرت اور متقادمانہ نخوت

باب یازدہم
فصل اوّل

اور چار توپوں پر قبضہ کر لیا۔ رات کے دُھندلکے نے اس آویزش کو اختتام پر پہنچایا۔ انگریزی فوجیں تکان سے نیم جان ہو رہی تھیں اور سپاہی پیاس کے مارے زبانیں نکالے دیتے تھے مگر پانی سوائے چلیانوالا کے اور کہیں نہیں مل سکتا تھا اور یہ مقام میدان کارزار سے دو میل کے فاصلے پر تھا چنانچہ کمانڈر انچیف کو مجبوراً اسی مقام پر ہٹ آنا پڑا۔ رات میں سکھ فوجوں اور مسلح کاشتکاروں کی مسلح جماعتیں کی جماعتیں میدان کارزار میں گشت لگاتی رہیں اور مقتولوں کی صورتیں بگاڑتی اور زخمیوں کو قتل کرتی رہیں اور بندوقوں کے کندے مردہ و زندہ پر یکساں صاف کرتی رہیں۔ جتنی توپیں اس سے پہلے معرکوں میں ہاتھ آئی تھیں وہ سب سوائے بارہ کے ہاتھ سے جاتی رہیں جو بچا کر انگریزی سپاہ کے پڑاؤ تک لائی جا سکیں۔

معرکۂ چلیانوالا کا مابعد

یہ معرکۂ چلیانوالا تھا جس کو ہر طرح سے انگریزوں کی شکست سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سکھ فوج کو بالکل شکست نہیں ہوئی بلکہ وہ میدان جنگ سے تین میل کے فاصلے پر ایک اور مقام پر پیچھے ہٹ آئیں۔ علاوہ سکھ توپوں کے چار انگریزی توپیں بھی چھن گئیں تین رجمنٹوں کے نشان بھی چھن گئے۔ انگریزی رسالے کی شہرت بھی خاک میں مل گئی اور سب پر طرہ یہ کہ سکھوں کی شجاعت و ہمت کے ساتھ اُن کی عظمت بھی چند گونہ زائد ہو گئی۔ ۸۹۔ افسروں کو شامل کر کے انگریزی مقتول و مجروح کی تعداد ۲۴۴۶ تھی اگرچہ گورنر جنرل نے ضابطے سے معرکۂ چلیانوالا کو فتح سے تعبیر کیا اور اس فتح کی تقریب میں سلامی کی توپیں بھی تینوں احاطوں میں سر کی گئیں مگر شیر سنگھ گورنر جنرل سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا یعنی وہ تقریب فتح کی سلامی شام معرکہ ہی کو سر کر چکا تھا۔ ہندوستان کے خاص و عام طبقات نے اس معرکے کو نہایت سخت اور قابل افسوس مصیبت سے تعبیر کیا۔ انگلستان میں اس کی تفصیلات کا بڑی سنسنی اور نہایت حقارت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ برطانوی نشانات چھنوا دیئے گئے تھے برطانوی توپوں پر قبضہ دے دیا گیا تھا۔ برطانوی رسالہ دشمن کے سامنے سے پیٹھ موڑ کر بھاگا تھا

باب یازدہم
فصل اوّل

میجر ڈالس کا میدانی توپ خانہ اُن کو اپنی پناہ میں نہ لے لیتا تو تمام انگریزی دستہ بالکل تباہ ہو جاتا۔ غرض یہ کہ معرکہ نہایت سخت و صعب تھا اور ایک عینی شاہد کے الفاظ کے مطابق زمین و آسمان میں گولے اور گولیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

رسالوں کی نقل و حرکت

رسالوں کے کارنامے نہایت منحوس اور نہایت ذلیل تھے۔ لارڈ گف نے چار دستے سواروں کی پہلی صف میں جمائے تھے اور اُن کو ایسے توپ خانے کی آگ کے سامنے بے پناہ رکھ دیا تھا جس تک یہ پہنچ نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کے سامنے گنجان جھاڑی کی بھول بھلیاں تھی۔ ان رسالوں کے ساتھ جو میدانی توپ خانہ تھا اُسکی توپیں پیچھے لگا دی گئی تھیں اس لیئے وہ ایک گولہ بھی نہیں چلا سکتا تھا۔ اس دستے کی قیادت ایک ضعیف العمر جرنیل کے ہاتھ میں دی گئی تھی جو بغیر سہارے کے گھوڑے پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ نہایت مغلوب الغضب تھا اور صرف اگلے زمانے کی جنگی چالوں سے واقف تھا۔ سواروں کی صف جس وقت آگے بڑھی تو بیچ بیچ میں درختوں کے کنج اور جھاڑیوں کے جالے آجانے سے جگہ جگہ سے صف کو ٹوٹ جانا پڑا اور اُس کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بن گئیں جو ایک دوسرے کے پیچھے ہو لیں۔

ص ۶۷۴

اس حالت میں سکھوں کی ایک چھوٹی سی نشے میں سرشار ٹکڑی جتھا باندھ کر ان کے درمیان میں گھس پڑی اور ہندوستانی رسالے پر اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ اس حرکت سے طاری ہو گئی کہ کسی طرح اس کا علاج ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اُدھر سے یکایک رسالہ ۱۴ میں کسی نے چلا کر حکم دیا کہ تین تین کی قطاریں بازگشت کرو۔ چنانچہ سارے دستے نے ایکدم بازگشت کی اور بدحواسی کے ساتھ بھاگا اور سکھ سواروں نے پیچھے سے ان کو دبانا شروع کیا یہاں تک کہ تمام دستہ عالم بدحواسی میں پیچھے والی توپوں اور گاڑیوں کو روندتا کھوندتا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا چلا گیا۔ جو سکھ سوار تعاقب میں آرہے تھے وہ گھوڑ چڑھے توپ خانے پر ٹوٹ پڑے

باب یازدہم
فصل دوم

اور پانچ دن رات ہر قسم کی ہلکی بھاری گولہ باری ایک لمحے کو بند نہیں ہوئی۔ گولہ باری کے تیسرے دن محاصرین کا جوش و خروش اس حادثے سے کچھ دیر کیلئے فرو ہو گیا تھا کہ خاص شہر کے اندر پچاس ہزار من کا ایک بارود خانہ اڑ گیا تھا جس نے میلوں تک طبقات زمین کو ہلا ڈالا اور آسمان کو غبار و دخان سے تاریک کر دیا تھا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد گولہ باری پھر شروع ہو گئی جس میں بنگال اور بمبئی کے توپ خانے ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کر رہے تھے اور محصورین کا توپ خانہ دونوں کو مات دیدینے کا ارادہ کیئے ہوئے تھا۔ ۲ جنوری ۱۸۴۹ء کو شہر پر ہلہ بول دیا گیا اور تمام شہر کھنڈروں کا ایک عبرت خیز منظر نظر آنے لگا۔ عمارتیں بموں اور گولوں کے طوفان سے گرد برد ہو گئی تھیں کیونکہ چالیس پہر تک برابر گولہ برسایا گیا تھا۔ گلیاں اور سڑکیں مقتولین و مجروحین سے پٹ گئی تھیں مول راج نے بالا قلعے پر تین ہزار جاں بازوں کے ساتھ دو ہفتے تک اور داد شجاعت دی اور اس مٹھی بھر محصورین کی فوج نے ایسی شدید سیدھی مار والی اور آسمان سے ٹپکنے والی گولہ باری کا مقابلہ کیا جیسی ہندوستان میں ایسی نزدیک کی زد سے کبھی نہیں کی گئی تھی۔ آخر کار جب سوائے ایک کے اور تمام چھتیں بالا قلعے کی بھی ٹوٹ گئیں اور توپوں کی تابڑ توڑ بھرمار کسی طرح برداشت کے قابل ہی نہیں رہی تو بہادر قلعہ دار نے ہتھیار ڈال دیئے اور ۲۲ جنوری ۱۸۴۹ء کو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر انگریزی لشکر میں چلا آیا۔ جس وقت وہ گزر رہا تھا اس وقت اس کے افسر اور سپاہی جوش محبت و عقیدت کے ساتھ اس کے آگے ڈھوک دے رہے تھے۔

صفحہ ۶۷۸

معرکۂ گجرات کی تیاریاں

معرکۂ چلیانوالا کے بعد سکھ اور انگریزی فوجیں ایک وقت سے چند میل کے فاصلے پر پچیس دن تک پڑاؤ ڈالے پڑی رہیں۔ سکھ لشکر رسول پور پر تھا اور انگریزی لشکر چلیانوالا پر۔ ۶ فروری ۱۸۴۹ء کو شیر سنگھ لارڈ گف سے کنی کاٹ کر انگریزی مورچوں کے گرد چکر لگاتا ہوا چپکے سے نکل گیا اور گجرات پر اپنے مورچے جا لگائے۔ اب چونکہ

زدہم اوّل

اور ایک پوری برطانوی رجمنٹ فنا ہو گئی تھی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا؟ تحقیقات سے یہ تمام قیامت خیز آفتیں لارڈ گف کی ناہنجار فوجی چالوں کی برپا کی ہوئی ثابت ہوئیں۔ اور ڈیوک آف ولنگٹن کے استصواب و اتفاق رائے کے بعد لارڈ گف کو فوراً معزول کر کے واپس طلب کر لیا گیا اور اس کے عہدے پر سر چارلس نیپیر کو متمکن کیا گیا؛

فصل دوم

۱۸۴۶

لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت۔ دوسری جنگ خالصہ۔ پنجاب کا انتظام جنگ برہما

محاصرۂ ملتان آویرش چلیانوالا نے پیدل فوج کے اس قدر ہاتھ پاؤں توڑ دیئے تھے کہ لارڈ گف کو اس وقت تک انتظار کرنا ضروری معلوم ہوا جب تک کہ ملتان کو تسخیر کر کے جنرل وِش کی سپاہ واپس نہ آ جائے۔ ملتان پر لفٹنٹ اڈورڈز کی پرجوش مساعی سے جو فوائد حاصل ہوئے تھے وہ سب شیر سنگھ کے عین وقت پر دغا دے جانے سے ملیامیٹ ہو چکے تھے۔ مول راج نے اپنے صوبے پر اور اس کے وسائل پر پھر قبضہ حاصل کر لیا تھا اور قلعے کے استحکامات اور ذخائر رسد کے انتظامات کی بوجہ احسن تکمیل کر لی تھی۔ جنرل وِش جو ایک قلعہ بند مقام پر پیچھے ہٹ آیا تھا تین ماہ تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے صرف اس لیئے بیٹھا رہا کہ بمبئی کے حکام نے فوجوں کے بھیجنے میں بہت دیر لگائی۔ بہر حال بمبئی کی کمک پہنچ جانے سے جنرل وِش کی کل سپاہ سترہ ہزار ہو گئی جس کے ساتھ اس وقت ۶۴ قلعہ شکن توپیں تھیں چنانچہ جنرل موصوف نے ۲۷ دسمبر ۱۸۴۸ء کو از سر نو محاصرہ قائم کیا۔ اوّل مضافات کو صاف کیا گیا جس میں تین سو سپاہی اور ۲۳۔ افسروں کا نقصان ہوا اس کے بعد قلعہ شکن توپوں نے خاص قلعۂ ملتان کا رخ کیا

فوجیں اس وقت تازہ دم تھیں اور باقاعدہ لڑائی ساڑھے سات بجے شروع ہوگئی۔ اُس وقت مطلع بالکل صاف تھا اور دور تک پھیلی ہوئی صفوں کی سنگینوں اور بے نیام تلواروں کی چمک سے تمام عرصۂ کارزار جگمگا رہا تھا۔ برطانوی پیدل سپاہ سکھ توپوں کی مار سے ہٹا کر کھڑی کردی گئی اور گھوڑ چڑھا توپ خانہ بہادری کے ساتھ آگے بڑھا اور ایسی شاندار اور پراثر گولہ باری کی کہ پرانے سے پرانے تجربہ کار سپاہیوں نے بھی آج تک دوست دشمن کے توپ خانے سے ہوتی نہیں دیکھی تھی۔ سکھوں نے بھی نہایت ہی تابڑ توڑ آتشباری کی مگر بہت جلد یہ ظاہر ہونے لگا کہ سخت ترین انسانی استقلال اور بہترین ذخائر حرب بھی اس قیامت خیز آتش باری کا مقابلہ نہیں کرسکتے جو ۲½ گھنٹے تک سکھ توپ خانے کو اپنا آماجگاہ بنائے رہی تھی۔ ایک بندوق بھی چلنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ محض توپوں نے سکھ توپ خانے کی آگ کو بالکل بجھادیا۔ اب پیدل سپاہ نے اپنی قطاریں توڑ کر صفیں باندھیں اور اپنے میدانی توپ خانے کی پناہ میں بالاستقلال قدم بڑھانا شروع کیا۔ سکھوں نے بھی جان توڑ کر لڑائی کی داد دی لیکن برطانوی فوج کے جوش و استقلال کے مقابلے میں کچھ پیش نہ چلی اور آخر کار دونوں گاؤں فتح ہوگئے اور تمام سکھ صفیں ٹوٹ گئیں اور انگریزی پلٹنوں نے دل کھول کھول کر قلعۂ گجرات کے گرداگرد اُن کا تعاقب کیا۔ رسالے جن سے اب تک کوئی کام نہیں لیا گیا تھا اب آزاد چھوڑے گئے اور اس زور و شور سے بڑھے کہ بھاگنے والے دشمن کے پیدلوں کو گرد برد کر ڈالا اور شکست خوردہ سکھ فوج کو روند کچل کے رکھ دیا۔ ساڑھے چار بجے جب کہ مفرورین و متعاقبین گجرات سے پندرہ میل کے فاصلے تک نکل آئے تھے سواروں نے باگیں ردکیں۔ اس وقت تک شیر سنگھ کی فوج گویا ایک لٹا کھسٹا قافلہ رہ گیا تھا جس کو تمام خیمہ و خرگاہ، تمام طبل و علم اور ۵۳ توپوں سے محروم کردیا گیا تھا۔ معرکۂ گجرات ہندوستان کی شاندار ترین فتوحات میں شمار کیا جاتا ہے

صفحہ ۴۶۸

یازدہم
ل دوم

جنرل وِش کی سپاہ کا آخری حصہ بھی لارڈ گف کے لشکر میں آچکا تھا اس لئے تمام انگریزی فوج بھی گجرات کی طرف ۲۰ فروری ۱۸۴۹ء کو بڑھی۔ اس وقت لشکر میں بنگال سفر مینا کا قائد جنرل چیپ بھی شریک تھا جس نے اپنی ذاتی مستعدی اور حربی قابلیت کے جوہر محاصرۂ ملتان میں دکھائے تھے اور حقیقتہً محاصرۂ مذکور کی تمام کامیابی کا سہرا جنرل مذکور ہی کے سر رہتا ہے اس وقت بھی برطانوی سفر مینا کی قیادت جنرل چیپ کے سپرد کی گئی۔ نہایت مصروفیت و تندہی کے ساتھ جنرل موصوف نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے میں اپنا وقت صرف کیا کیونکہ پہلے موقعوں پر مہاراج پور۔ مُدکی اور چلیانوالا میں اسی عدم واقفیت سے تباہ کن نتائج ظہور پذیر ہو چکے تھے۔ شیر سنگھ کے لشکر کا تخمینہ پچاس ہزار تھا جس کے ساتھ ساٹھ توپیں تھیں یہ لشکر شہر گجرات کی فصیلوں کے سامنے اس طرح پڑا تھا کہ اس کی بائیں جانب ایک چھوٹی سی ندی تھی اور دہنی جانب دریائے دوار اکی خشک تلیٹی تھی۔ دونوں لشکروں کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا جس میں کئی گاؤں تھے جن کی متخاصمین نے مورچہ بندیاں کر لی تھیں۔ اب تک لارڈ گف نے اپنے تمام معرکوں میں بمقابلہ توپ کے منہ کے سنگین کی نوک پر زیادہ بھروسہ کیا تھا اسی لیئے نقصان جان نہایت شدید ہوتا رہا تھا اس دفعہ اس اصول عمل کو بالکل منقلب کر دیا گیا۔ عین معرکے سے ایک روز پہلے قابل انجنیروں نے یہ طے کر لیا تھا کہ سب سے پہلے گھوڑ چڑھے توپ خانے سے پورا پورا کام لینا چاہیئے کیونکہ انگریزی توپ خانے سے زبردست حربہ اس وقت تک ہندوستان کی کسی اور فوج کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اور جب اس زبردست توپ خانے کی تابڑ توڑ آتشباری سکھ سپاہ کی صف بندی و باقاعدگی میں اختلال ڈال دے تب پیدل سپاہ سے حملہ کیا جائے۔

معرکۂ گجرات

چنانچہ پیدل پلٹنیں اپنے سامنے ۸۴ توپیں رکھ کر متوازی خطوط میں آگے بڑھیں اور رسالے ان کے دونوں بازوؤں پر رہے۔ اتنے دن تک پوری خوراک اور آرام ملتے رہنے کی وجہ سے

باب یازدہم
فصل دوم

الحاق پنجاب

معرکۂ گجرات نے پنجاب کی قسمت کا فیصلہ کر کے خالصہ سپاہیوں کی آخری امید پر بھی پانی پھیر دیا خالصہ سورماؤں کے لیئے یہ امتیاز کچھ کم باعث فخر نہ تھا کہ انھوں نے فاتحین ہند کا مقابلہ مُدکی۔ فیروز شہر۔ علیوال۔ سوبراؤں۔ چلیانوالا اور گجرات پر کیا اور خوب کیا لیکن چھ مرتبہ ٹکر کھا چکنے کے بعد خالصہ قوم نے اپنا سر متکبرانہ اطاعت کے ساتھ اب اُس قوت کے آگے جھکا لیا تھا جس کی ٹکر وہ جھیل نہیں سکتے تھے اور ایک دفعہ وہ سر خم ہونے کے بعد پھر کبھی سرکشی کی نوبت نہیں آئی۔ انگریز اب دو مرتبہ پنجاب کو فتح کر چکے تھے اور دونوں مرتبہ ان پر بلا اشتعال حملہ کیا گیا تھا اس لیئے اب یہ ملک جنگی حقوق کے مطابق برطانوی حکومت کے تحت تصرف میں تھا اور لارڈ ڈلہوزی نے مجلس انتظامیہ سے استمزاج کیئے بغیر پنجاب کو حسب ذیل اعلان کے ذریعے سے برطانوی محروسات میں شامل کر لیا۔

"ہندوستانی گورنمنٹ کو آئے دن کی زبردستی سر پڑنے والی جنگبازی سے بچانے کا بہترین تدارک گورنر جنرل کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ مجبور ہو کر اُس قوم کو بالکل برطانوی حلقۂ انقیاد میں لے لے جو اپنی سلطنت کے قابو سے بھی نکل چکی ہے اور جس کو کوئی سزا ارتکاب جیرہ دستی سے نہیں روک سکتی اور کوئی خلق و مروت صلح و امن پر مائل نہیں کر سکتا۔"

۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو نوجوان مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اپنے باپ کے تخت پر آخری جلوہ فرمائی کی اور برطانوی حکام اور خالصہ اعیان کے سامنے لارڈ ڈلہوزی کا اعلان سُنا اور اُس قسمت کے فیصلے پر دستخط کر دئے جس کی رو سے پنجاب کی سلطنت برطانیہ کی طرف منتقل ہو گئی اور دلیپ سنگھ کے لیئے پانچ لاکھ سالانہ وجہ کفاف مقرر کر دیا گیا فصیلوں پر برطانوی پھریرے اُڑا دیئے گئے اور ایک شاہی سلامی کے ذریعے سے رنجیت سنگھ کی اُس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا اعلان کر دیا گیا جو اُس نے ہندوستان کے

اور چونکہ یہ معرکہ اس ہتھیار کے زور سے سر کیا گیا تھا جس میں برطانوی سپاہ کو اپنے معاصرین پر فوقیت تھی اس لیئے اسکا موزوں لقب توپوں والا معرکہ رکھا گیا ہے۔ یہ امر محتاج توضیح نہیں ہے کہ اس موقع پر کمانڈر انچیف کو ترتیب جنگ میں دخل دینے سے کس حسن تدبیر کے ساتھ روکا گیا اور کس خوبی سے پیدل سپاہ کو سکھ توپوں کی بے پناہ آتش باری میں جل بھنے سے بچایا گیا تھا۔

سکھوں اور افغانوں کا تعاقب

لڑائی کے دوسرے ہی دن بارہ ہزار پیدل سوار اور گھوڑ چڑھا توپ خانہ لے کر سر والٹر گلبرٹ انگریزی لشکر سے پھر روانہ ہوگیا اور بقیۃ السیف سکھ فوج کا تعاقب شروع کیا ابھی کبھی سکھ فوج کی تعداد اب بھی سولہ ہزار تھی اور سر والٹر نے دریائے سندھ کے کنارے کنارے اُن کا تعاقب اس زور شور سے کیا کہ اُن کو دم لینے کی بھی مہلت نہ دی یہاں تک کہ سکھوں نے بطور سفیر صلح کے جنرل گلبرٹ کی خدمت میں میجر جارج لارینس کو بھیجا جس کو تخلیۂ پشاور کے موقع پر قید کر لیا گیا تھا۔ ۱۲ ماہ مارچ ۱۸۴۹ء کو چتر سنگھ اور شیر سنگھ نے مانیکلا کے مشہور مقبرے پر جو کسی زمانے میں سکندر اعظم کی فتح کی یادگار سمجھا جاتا تھا اپنی تلواریں جنرل گلبرٹ کے حوالے کر دیں۔ ۳۵ چھوٹے سرداروں نے بھی اپنی اپنی تلواریں جنرل موصوف کے قدموں میں ڈال دیں اور خالصہ سپاہی ایک ایک کر کے آگے بڑھتے تھے اور آہ سرد کے ساتھ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر ہتھیاروں کے ڈھیر پر ڈال جاتے تھے۔ اب صرف اُن افغانیوں کی مزاج پرسی باقی رہ گئی تھی جن کو دوست محمد خاں نے سکھوں کی شرکت کے لیئے بھیجا تھا۔ چنانچہ بوڑھا گلبرٹ اُن کے تعاقب میں بھی جوانوں کی سی چستی کے ساتھ بلا توقف روانہ ہوگیا اور اُن کو خیبر کے دروازوں تک بھگا لے گیا اور ہندوستانیوں کے اس ستم ظریف بیان کے مطابق:-

"جو شیروں کی طرح پہاڑیوں سے اُترے تھے گیدڑوں کی طرح
اُن ہی پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔"

ہر ایک بجائے خود بڑے بڑے تجربے اور اعلیٰ درجے کے امتیازی حوصلے رکھتا تھا۔ یہ اندازِ حکومت اپنی سادگی و شان کے اعتبار سے اس ملک کی ضروریات کے لیئے نہایت موزوں تھا۔ سابقہ محروسات میں قواعد و ضوابط کی جو بھاری کتابیں اُس وقت رائج تھیں اُن کی جگہ اُس ملک سے انصاف چاہنے اور سزا سے ڈرنے والے باشندوں کے عادات و رسوم کا لحاظ کرکے مسٹر منٹگمری نے ایک سادہ اور مختصر ضابطہ تیار کر دیا جو سپید کاغذ کے چند ورق میں ختم ہو جاتا تھا۔

سرحدی قبائل اور ہتھیار لے لینے کی کارروائی

سلطنت ہند کی شمال مغربی سرحد کو اب دریائے سندھ کے اُس پار والے کوہستانی سلسلے تک پھیلا دیا گیا تھا۔ اس کوہستان میں ایسے قبائل رہتے تھے جن کا آبائی پیشہ زمانۂ قدیم سے غارت گری تھا میدانی علاقے والوں کو ان کوہستانیوں کی تاخت و تاراج سے بچانے کے لیئے خطِ سرحد پر ایک سلسلہ قلعہ جات کا تعمیر کیا گیا جن میں پوری مقدار ذخائر کی رکھی گئی اور ان سب میں آمد و رفت کئی کئی پکی سڑکوں کے ذریعے سے قائم کر دی گئی۔ ان قلعوں پر ہر وقت تیار رہنے کے لیئے لارڈ ڈلہوزی نے بطورِ خاص خونئی رجمنٹیں بھرتی کرکے رکھیں۔ الحاق کے چھ ماہ کے اندر پنجاب سے ہتھیار لے لیئے گئے اور ایک لاکھ بیس ہزار ہر قسم کے ہتھیار سپردگی میں آئے۔ ایک گرد آور فوج نئی قائم کی گئی جس میں چھ پلٹن پیدل اور ستائیس رسالے سواروں کے رکھے گئے۔ گاؤں کی چوکیداری کے پرانے قاعدے کی زیادہ باضابطہ صورت سے تجدید کی گئی جس میں رعایا کی طرف سے چوکیداروں کو تنخواہ ملتی تھی اور مقامی مکھیا اُن کی نگرانی رکھتے تھے۔ ان قابلِ تعریف انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین سال بعد کی سالانہ انتظامی رپورٹ میں بلاخوف تردید یہ ظاہر کر دیا گیا کہ پنجاب سے زائد کوئی ہندوستانی صوبہ جرائم سے پاک نہیں ہے۔

مالیہ

لگان اراضی کا حقیقی مسئلہ جس پر اقوام مشرق کی خوشحالی

باب یازدہم
فصل دوم

نقشے میں انگریزی مقبوضات کے سرخ رنگ کو دیکھ کر کی تھی کہ پنجاب بھی ایک دن سرخ ہو جائے گا۔ جو سردار کہ شریک بغاوت تھے اُن کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور وہ تھوڑے تھوڑے وظیفے پا کر گمنامی کے شکار ہو گئے مول راج پر عدالت خاص میں باضابطہ مقدمہ چلایا گیا اور حبس دوام کی سزا دی گئی مگر موت نے تھوڑے ہی دنوں میں قید زندگی سے اسکو بالکل رہا کر دیا لارڈ ڈلہوزی کو مارکوئیس کے منصب سے سرفراز کیا گیا اور کمپنی کا یہ چوتھا گورنر جنرل تھا جو مارکوئیس ہوا گجرات کی فتح نے لارڈ گف کی پیشانی سے چلیانوالا کی شکست کا ٹیکا مٹا دیا اور اس کو پھر ایوان خاص کے منصب پر بحال کر دیا گیا۔

صفحہ ۴۷۰

پنجاب کا نظم و نسق ۱۸۴۹ء - ۵۶

پنجاب کو محروسات کمپنی میں شامل کر لینے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے عزم بالجزم کر لیا کہ برطانوی حکومت کو اس ملک کے باشندوں کے لیئے نعمت الٰہی ثابت کر دکھائے اس وقت اعلیٰ درجے کا نظام حکومت قائم کرنے کے لیئے وسیع میدان عمل موجود تھا وہ نظام حکومت جو اُن غلطیوں اور غلط کاریوں سے بالکل پاک ہو سکتا تھا جو دوسرے صوبہ جات میں برطانوی حکومت کے ابتدائی عہد میں کی گئی تھیں چنانچہ اس موقع سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ ایک مجلس حکومت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کی گئی جس کا صدر سر ہنری لارنس کو بنایا گیا جو کمپنی کے بہترین مدبّروں میں سے تھا اور اختر لونی۔ منرو۔ الفنسٹن اور مٹکاف کا حقیقی جانشین ہونے کی قابلیت رکھتا تھا۔ سر ہنری لارنس کی امداد کے لیئے مسٹر رابرٹ منٹگمری اور سر جان لارنس کو مقرر کیا گیا جس کی حسن خدمات کے صلے میں بعد کو اُسے گورنر جنرل بنا دیا گیا تھا۔ خاص ہندوستان کے انتظام کے لیئے بھی اس سے بہتر مجلس حکومت نہیں قائم کی جا سکتی تھی۔ اندازِ انتظام بالکل نئے اُصول پر رکھا گیا اور کل جماعت منتظمین میں چھپن افسر رکھے گئے جن میں نصف اہل قلم تھے اور نصف اہل سیف۔ یہ سب کے سب کمپنی کے ملازموں کی ناک تھے اور

باب یازدہم
فصل دوم

ٹھگ جن کو کرنل سلیمن نے ہندوستان اور دکن سے بالکل اُکھاڑ پھینکا تھا بچے کھچے آکر پنجاب میں پناہ گزیں ہو گئے تھے مگر اب یہاں بھی ان کا قلع قمع کر دیا گیا ان سب کے ساتھ ہی دختر کشی کی بیرحمانہ رسم کی بیخ کنی کرنے کی بھی نہایت سرگرم تدبیریں کی گئیں ؎

سڑکیں اور نہریں

لارڈ ڈلہوزی کی رائے میں تسخیر پنجاب اس وقت تک نامکمل رہی جاتی تھی جب تک کہ تمام ملک میں فوجی سڑکوں کا جال نہ پور دیا جائے۔ چنانچہ پانچ سال کے قلیل عرصے میں (۲۲۰۰) میل کی سڑکیں یا تیار ہو چکی تھیں یا تیار ہو رہی تھیں ان میں سب سے اہم شاہراہ وہ تھی جو لاہور کو پشاور سے ملاتی ہے جس کا طول پورے ۲۷۵ میل ہے۔ یہ سڑک قریب قریب ایک سو بڑے اور چار سو چھوٹے پلوں پر سے گزرتی ہے اور چھ کوہستانی سلسلے عبور کر کے جاتی ہے۔ ان تمام رُکاوٹوں پر کرنل نیپیر غالب آگیا جو اس کے بعد سے لارڈ نیپیر آف ماڈلا کے منصب سے سرفراز کر دیا گیا۔ یہ لارڈ موصوف کی سرگرمی وحسن انتظام کا نتیجہ تھا کہ پنجاب نے وہ قابل وقعت ترقیاں حاصل کیں کہ وہ روستہ الکبریٰ کے کسی صوبے کی ہمسری کا مدعی ہونے لگا۔ لارڈ ڈلہوزی نے یہ بھی خیال کیا کہ کسی صوبے کی مرفہ الحالی کے لئے جو ترقی کے کام کئے جا سکتے ہیں اُن میں سے ایک اہم ترین کارگزاری ذرائع آبپاشی کی تکمیل ہے جس پر رعایا کی خوشحالی و خوش وقتی کا دارومدار ہے۔ چنانچہ اس نے یہ احکام صادر فرمائے کہ اب تک جو نہریں کسی مسلمان یا سکھ حکمراں کی تیار کرائی ہوئی موجود ہیں اُن کی اچھی طرح سے مرمت کی جائے اور عالی حوصلگی کے ساتھ نئی نہریں تعمیر کرائی جائیں۔

صفحہ ۴۷۲

کرنیل نیپیر کا سب سے مہتم بالشان آبپاشی کا کارنامہ وہ نہر ہے جس کا نام بڑی دوآب نہر ہے جو مع اپنی شاخوں کے ۴۶۵ میل کے اندر پھیلی ہوئی ہے اور اگر یورپ کی بڑی سی بڑی نہر سے بڑی نہیں ہے تو کسی سے چھوٹی بھی نہیں ہے۔ لارڈ ڈلہوزی نے آبپاشی کو حقیقی برکت

باب یازدہم
فصل دوم
صفحہ ۱۰۷

بلکہ وفاشعاری کا دارومدار ہے نہایت معاملہ فہمی اور فیاضی کے ساتھ حل کیا گیا اور اُن تمام غلطیوں سے احتراز کیا گیا جن سے سابقہ محروسات میں انتظام خراب ہو گیا تھا۔ بندوبست بڑی باریک اور صحیح جانچ پرتال کے بعد قائم کیا گیا۔ لگان اراضی کی مقدار میں تخفیف کر دی گئی اور قابضان اراضی کو پٹے دے دیئے گئے جن میں سے بعض بعض کی میعادیں تیس تیس سال تک کی تھیں۔ زمینداری کی پائداری اور لگان کی نرمی نے زراعت کو اس درجہ ہر دلعزیز بنا دیا کہ تیس ہزار سے زائد خالصہ سپاہیوں نے تلوار کے عوض قلبہ سنبھال لیا۔ اسی وقت میں لارڈ ڈلہوزی کو یہ بھی ضروری معلوم ہوا کہ دریائے گنگ کے صوبہ جات پر نصف صدی سے معافیات کے مسئلے کو معرض تعویق میں ڈالے رکھنے سے جو برابر بوجھ پڑتا جا رہا تھا اُس کا بھی ایک ہی دفعہ تصفیہ کر دیا جائے چنانچہ تمام عطیات و معافیات کی پورے طور سے قابل اطمینان طریقے کے مطابق جانچ پرتال کی گئی اور مناسب تصفیے کر دیئے گئے۔ شہر سے شہر کو یا ضلع سے ضلع کو جو تجارتی مال کی درآمد برآمد ہوتی تھی اُس پر سائر کا محصول لگا ہوا تھا جس سے تجارت میں بڑی رکاوٹیں پڑتی تھیں۔ اس محصول کو یک قلم اُڑا دیا گیا اور اُس کی کمی ایسے معقول اور اُستادانہ طریقے سے پوری کی گئی اور ایسے محاصل لگائے گئے جن میں سے صرف چار مدوں کی آمدنی رنجیت سنگھ کی اڑتالیس مدوں کی آمدنی سے زائد ہوتی تھی۔

غلامی اور ٹھگی ڈکیتی مجلس حکومت نے بچوں کی خرید و فروخت کو بھی ممنوع قرار دے دیا جو نہایت عام تھی اور اس طرح خانگی غلامی کا انسداد کر دیا۔ جس وقت پنجاب پر قبضہ کیا گیا ہے اُس وقت ڈکیتی کا بڑا زور تھا لیکن مجلس حکومت نے ان مجرموں کے مقابلے میں ویسی ہی سرگرم کارروائیاں شروع کیں جیسی کہ صوبہ پنجاب کے لئے ہر معاملے میں باعث امتیاز رہی ہیں اور پانچ سال کے اندر پنجاب اس جرم سے ایسا پاک ہو گیا جیسا ۸۰ سال کی انگریزی حکومت میں بنگال نہیں ہوا تھا۔

آ گئی جو گزشتہ ۲۶ سال سے برابر انگریزوں کے ساتھ برسرِ صلح رہتے چلے آئے تھے۔ ستمبر ۱۸۵۱ء میں رنگون کے یورپین سوداگروں نے ایک محضر نامہ ہندوستانی گورنمنٹ کی خدمت میں ارسال کیا جس میں اُن ظالمانہ کارروائیوں کی شکایت کی گئی تھی جس کے ساتھ کبھی کبھی اذیت رسانی کی بھی نوبت آجاتی تھی جو برہمی حکام کی طرف سے یورپین تاجروں کے خلاف کی جاتی تھیں۔ اس محضر نامے میں سوداگروں نے صاف لکھ دیا تھا کہ تاوقتیکہ اُن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیجائیگی وہ ہرگز ملک میں نہیں رہیں گے اور جبراً قہراً اپنا ہر قسم کا نقصان برداشت کرلیں گے۔ لارڈ ڈلہوزی اس وقت شمالی ہند میں تھا اُس کی عدم موجودگی میں کلکتہ کونسل نے یہ قرار داد منظور کی کہ برطانوی رعایا ہونے کی حیثیت سے اُن سوداگروں کو برطانوی حفاظت و حمایت کا حق پہنچتا ہے چنانچہ اُسی زمانے میں شاہی جہاز فاکس کلکتہ پہنچا تھا اُس کے ناخدا المبرٹ کو رنگون اس غرض سے بھیجا گیا کہ جاکر سوداگروں کی شکایات کی جانچ کرے اور اگر وہ اصلیت پر مبنی ہوں تو گورنمنٹ ہندوستان کی طرف سے شاہ برہما کی خدمت میں ایک مراسلہ اُن کا تدارک و تلافی چاہنے کے لئے ارسال کرے۔ اس مراسلے پر گورنمنٹ آوا نے موجودہ گورنر کے تبادلے کا اور شکایات کی باضابطہ تحقیقات کا حکم دیا۔ مگر معزول شدہ گورنر جس وقت رنگون سے روانہ ہوا ہے تو فوجی اعزاز اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ گیا اور جو نیا گورنر اُس کی جگہ آیا اُس نے برطانیہ کے قائم مقام کے ساتھ بالقصد توہین و تذلیل کا برتاؤ روا رکھا اور ملاقات کا کوئی خاص دن مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کپتان فشر بورن نے اُسے یہ آخری اطلاع بھیج دی کہ گورنمنٹ ہندوستان کا وفد دوپہر کے وقت ۶ جنوری ۱۸۵۲ء کو اُس کی خدمت میں باریاب ہوگا۔ کپتان معروف وقت مقررہ پر ایوان حکومت کے دروازے پر پہنچ گیا مگر اس وفد کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی اور دربانوں نے اُن سب کو دروازے پر

صفحہ ۳۰۴

ثابت کرنے کی غرض سے اس پر کسی قسم کا محصول لگانے سے انکار کر دیا کیونکہ اُس کی رائے میں سلطنت کو یہ معاوضہ کافی سے زائد مل جانے والا تھا کہ زراعت کی دن دونی رات چوگنی ترقّی ہو جائے۔

حسن انتظام کے ثمرات

پنجاب میں جو حکومت اس وقت قائم ہوئی تھی وہ حقیقی معنوں میں لارڈ ڈلہوزی کی گورنمنٹ تھی اور اُسی کے دماغ کی ایجاد تھی۔ اس میں شک نہیں کہ جو نگران کار اور کارکن دماغ اس وقت اس حکومت میں کام کر رہے تھے وہ تمام ہندوستان میں سب سے بہتر تھے اور کسی صوبے کو کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود لارڈ ڈلہوزی کی توجہ اور معاملہ فہمی نے تمام دولاب حکومت کے پرزوں میں ایک قوّت متحرکہ پہنچا دی تھی لارڈ ڈلہوزی نے تمام پنجاب کا ہر ہر سمت دورہ کیا اور مقامی باشندوں اور ملکی حاکموں سے برابر نہایت آزادانہ ارتباط وتبادلۂ خیالات قائم رکھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکّام سلطنت اپنے فرائض کو دلی شوق کے ساتھ ادا کرتے رہے اور کام کو بیگار سمجھ کر اس کو ٹالا کرتے نہ تھے۔ پنجاب کا نظم حکومت اس کا ثبوت تھا کہ مشرقی طرز حکومت میں انگریزوں کو کس درجہ پختگی حاصل ہو گئی ہے۔ ان قابلانہ وفیاضانہ کارگزاریوں سے وہی قوم جو برطانیہ کے واسطے آئے دن کی سیاسی بے چینی کا محرک ومنفذ بنی ہوئی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں زور وقوت کا منبع ومخرج بن گئی۔ وہی جاں باز سپاہی جنھوں نے فیروز شہر اور چلیانوالا پر برطانوی قوت کو جڑ سے ہلا ڈالا تھا اب آکر برطانیہ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے اور اُن ہی نے برطانیہ کی امدادکاریوں کے غدر میں دہلی فتح کرنے میں کی۔ وہی دریائے اراودی پر چڑھ کر گئے اور برمیوں سے نبرد آزما ہوئے اور اُن ہی نے پیکن کی فصیلوں پر انگریزی پھریرے اُڑائے۔

دوسری جنگ برہما ۱۸۵۲ء

تسخیر پنجاب کے بعد تین سال تک امن رہا اس کے بعد یکایک دوسری ناگوار جنگ برمیوں کے ساتھ پیش

باب یازدہم
فصل دوم

اپنے قبضہ و قابو میں رکھ سکے گی اگر کبھی ایک دن کے لیئے بھی
اُس نے اس کو روا رکھا کہ اپنے شاہی اقتدار مطلق کے متعلق
کسی ایک دل میں بھی شبہ و شک کی گنجائش رہنے دے یا اپنے
حاکمانہ اقتدار کو تلوار کے زور سے قائم رکھ سکنے کا عزم بالجزم
نہ کیئے رہے۔"

اس وقت میں کمانڈر انچیف سندھ میں تھا اس لیئے لارڈ ڈلہوزی کو اپنا شیر جنگ خود ہی بننا پڑا۔ چنانچہ اُس نے فوجی انتظام کرنے میں اُس وقت جس قابلیت اور پختہ کاری کا ثبوت دیا اُس نے تمام ہندوستان کو محو حیرت بنا دیا اس وقت اُس کے سامنے کوئی معمولی درجے کا کام نہیں تھا۔ ۱۰ / فروری ۱۸۵۲ء کو اعلان جنگ کیا گیا اور فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں اور اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ اوائل مئی ۱۸۵۲ء یعنی بارش شروع ہونے سے پہلے پہلے رنگون پر قبضہ کر لیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی کو اُس وقت دو فوجی مہیں بھیجنی تھیں۔ ایک بنگال سے اور دوسری مدراس سے۔ سارے جہاز اُس وقت بندرگاہ بمبئی میں پڑے ہوئے تھے اور تار برقی وغیرہ کا کوئی سلسلہ اُس زمانے میں نہیں تھا لیکن لارڈ ڈلہوزی کی پیش بندی نے ہر نقل و حرکت کو قابو میں کر لیا تھا اور اُسکی مستعدی و سرگرمی نے ہر ضرورت کو پورا کر دیا تھا۔ اُس نے ہر انتظام کی بذات خود نگرانی کی اور اُس کے ایڈیکانگ برابر کلکتہ میں مصروف رہے اور جگہ جگہ دوڑتے پھرتے تھے تاکہ انتظام کی تیاری و تکمیل کا پورا پورا اطمینان کر لیں۔ ٹناسرم کے صوبے کا تمام غلہ و مواشی کھینچ لیا گیا۔ ساحل پر مطبخ قائم کر دیئے گئے اور دخانی کشتیاں ہر وقت گوشت روٹی لشکر میں لے جانے کے لیئے تیار کھڑی رہتی تھیں۔ مولمین میں مکانات بنوا دیئے گئے تاکہ فوجوں کو بارش میں آرام مل سکے اور مقام امہرسٹ پر رنگون سے تیس میل نیچے زخمیوں اور بیماروں کے لیئے آرامگاہ تعمیر کی گئی۔"

صفحہ ۴۷

فوجی مہم

میدانی فوج کی تعداد پانچ ہزار آٹھ سو تھی جو جنرل گوڈوین کی قیادت میں دی گئی جو اوّل جنگ برہما میں خدمات

دھوپ میں یہ کہہ کر روکے رکھا کہ حضور گورنر صاحب آرام فرما رہے ہیں دراں حالیکہ گورنر مذکور برابر کھڑکیوں کی جھلملیوں میں سے انگریزی وفد کو جھانک رہا تھا اور اُن کی پریشانی پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ پاؤ گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد کپتان فشربورن واپس آگیا اور اس توہین آمیز برتاؤ کی اطلاع اپنے افسر کو دے دی۔ اتفاق سے ہندوستانی گورنمنٹ نے یہ کام کراموں کے سفیروں میں سے ایک سفیر کے سپرد کیا تھا جو "چونسٹھ توپ والا جہاز تھا اور سب طرح کی بولیاں بول سکتا تھا اور کبھی انکار نہ سُن سکتا تھا"۔ ناخدا المبرٹ اطلاع پاتے ہی فوراً دریا کے بہاؤ پر روانہ ہو گیا تاکہ ہدایات مقررہ کے مطابق ناکہ بندی کی کارروائی کرے اور راستے میں اپنے ساتھ شاہ برہما کا ایک تجارتی جہاز بھی گرفتار کرتا لے گیا۔ واپسی میں رنگون سے نیچے کی طرف والے دریا کے دونوں کناروں سے اُس پر سخت آتش باری کی گئی لیکن فاکس کی آتش باری نے اس تمام گولہ باری کو ذرا سی دیر میں بند کر دیا۔

لارڈ ڈلہوزی کی کارروائیاں

لارڈ ڈلہوزی اُس وقت میں شمال مغربی صوبہ جات کے دورے میں تھا جس وقت اُس نے نامہ وپیام کے انداز سے یہ محسوس کیا کہ گورنمنٹ ہندوستان جنگ کی طرف مائل ہوتی جاتی ہے تو وہ فی الفور اُس کو روکنے کے لیئے کلکتہ روانہ ہو گیا۔ اور جب تک کہ تیسری مراسلت تلافی شکایات کی برہمیوں کی طرف سے حقارت کے ساتھ مسترد نہ کر دی گئی اس وقت تک لارڈ ڈلہوزی نے یہ ارادہ نہ کیا کہ تلافی شکایات بضرب شمشیر کرائی جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے روزنامچے میں حسب ذیل یادداشت لکھی:

"ہندوستانی گورنمنٹ کی سلامتی وحفاظت کا مقتضا یہ ہے کہ وہ کبھی ایک دن کے لیئے بھی کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کرے۔ اُس کو کبھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ اس وسیع سلطنت کے اندر جتنے بیشمار رئیس اور رعایا موجود ہیں اُن سب کو امن کے ساتھ

انکار کر دیا اس لیئے اب لارڈ ڈلہوزی کو خود ہی یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیندہ کے لیئے کیا مسلک اختیار کیا جائے۔ پیگو کی رعایا برہمیوں کی ظالمانہ حکومت سے آزاد ہونے کی متمنی تھی کیونکہ برہمیوں نے پیگو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کے ساتھ غیر معمولی بے رحمی کا برتاؤ روا رکھا تھا۔ اہل پیگو نے برطانوی حفاظت کے دامن میں آجانے کی استدعا کی اور لارڈ ڈلہوزی کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اُن کی استدعا منظور کر لی جائے چنانچہ اُس نے پیگو کو برطانوی محروسات میں شامل کر لیا۔ اس موضوع پر اُس کا اندراج روزنامچہ حسب ذیل تھا:۔

"موجودہ نزاع کے ابتدائی مدارج میں میری قطعی رائے یہ تھی کہ برہما میں کسی قسم کی فتوحات کا حاصل کرنا ایسی مصیبت کے برابر ہوگا جو جنگ سے نازل ہو سکتی ہے لیکن میں اپنی مرضی کے خلاف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی دوسری کارروائی ہمیں اس غرض کے حاصل کرنے میں مدد نہیں دے سکتی جو ہمارے مدنظر ہے۔ یعنی میری رائے میں ہمیں اپنی حفاظت کا انتظام قائم رکھنے اور آیندہ کے لیئے اس کا اطمینان کرنے کے لیئے اس کی اشد ضرورت ہے کہ برہما کے کچھ علاقے کو برطانوی علاقے میں شامل کریں"

مجلس انتظامیہ اور محکمۂ وزارت نے لارڈ ڈلہوزی کے ساتھ اتفاق رائے کیا اور ۲۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کو ایک اعلان شائع کیا گیا جس کا منشاء یہ تھا کہ آیندہ سے پیگو کو برطانوی صوبہ سمجھا جائے۔ الحاق سے اتنے تھوڑے عرصے میں کسی صوبے کو اتنے زیادہ فوائد نہیں پہنچے ہیں جیسے پیگو کو پہنچ گئے ہیں مال کی درآمد برآمد چند سال کے عرصے میں صرف چند لاکھ سے بڑھ کر چند کروڑ تک پہنچ گئی ہے رعایا خوش حال و مطمئن ہے اور انقلاب حکومت کو اب ایک سخت مصیبت سمجھے گی۔ اوّل برہمی جنگ پر تیرہ کروڑ صرفہ پڑا تھا اور اس دوسری پر صرف ایک کروڑ سے کچھ اوپر صرف ہوا۔

باب یازدہم
فصل دوم

انجام دے چکا تھا۔ اس فوج کی قوت میں انیس دخانی جہازوں کا اضافہ کیا گیا۔ جن پر کل ۱۵۹ توپیں اور ۲۲۰۰ سپاہی تھے۔ دریائے رنگون میں فوجوں کے پہنچ جانے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ سفید جھنڈے کے ساتھ ایک جہاز اس غرض سے بھیجا گیا کہ گورنر جنرل کے آخری مراسلے کا جواب شاہ برہما سے حاصل کرے لیکن اس جہاز پر گولہ باری کی گئی اور باہمی مفاہمت کی جو آخری امید باقی رہ گئی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ ۱۱؍اپریل ۱۸۵۲ء کو انگریزی سپاہ نے رنگون کے سامنے ایک اچھے موقع پر مورچہ بندی کر لی عظیم الشان برہمیوں کا بڑا مندر انکی قوت و زور کا مخزن تھا بڑی قابلیت کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا اور اوّل جنگ برہما میں برہمیوں نے کبھی ایسی جاں بازی اور پامردی کا ثبوت نہیں دیا تھا جتنا اس معبد کی حفاظت میں دیا۔ لیکن انگریزی سپاہیوں کے آتشیں جوش کا کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا تھا اور تھوڑی سی کشاکش کے بعد اس مندر پر قبضہ کر لیا گیا اس تمام فوج کشی میں یہی سب سے پہلا اور غالباً سب سے آخری جنگی کارنامہ تھا۔ برہمی فوج منتشر ہوگئی اور رعایا اپنے اپنے گھروں کو آگئی اور اپنے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ اس شہر میں کثرت سے ذخائر رسد موجود تھے اور پیگو کے کاریگر شوق سے دوڑے چلے آئے جب انھیں یہ خبر ہوئی کہ انگریزی فوج کے قیام کے لیئے چوبیں عمارتیں تعمیر کرنی ہیں۔ لشکریوں کی صحت پر تبدیل موسم کا بہت ہی کم اثر ہوا۔ دریا جہازوں کی آمد و رفت سے ہٹ گیا تھا اور رنگون کا معمولی بندرگاہ بہت جلد ایک تجارتی منڈی بن گیا۔ اگرچہ جنرل گوڈوین کے پاس اچھا خاصہ شاندار بیڑہ موجود تھا اور دریا بھی پورے طور سے اُسکے قبضے اور زد میں تھا مگر وہ کسی طرح پروم پر پیش قدمی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ مجبوراً لارڈ ڈلہوزی کو خود رنگون جانا پڑا اور وہاں پہنچ کر اس نے اس پر اصرار کیا کہ جنرل موصوف فوری پیش قدمی کر کے اس معرکے کے مقام پر قبضہ کر لے۔ المختصر صرف ایک جان کا نقصان اُٹھا کر شہر پروم پر انگریزی فوج کا قبضہ ہو گیا۔

۵۷۔۱۸۴۸ء

الحاق پیگو

شاہ برہمانے لارڈ ڈلہوزی کے ساتھ ہر قسم کے نامہ و پیام سے

باب یازدہم
فصل دوم

انتا اور اضافہ کیا کہ برطانیہ کا یہ فرض ہے کہ جو استحقاق کسی علاقے یا آمدنی پر پیدا کرنے کے مواقع اُس کے ہاتھ لگیں اُن کو بھی ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے نہ اُنکی طرف سے غفلت کرے مثلاً کسی ریاست میں کسی قسم کے وارث کا موجود نہ ہونا یا وارث صلبی کا نہ پایا جانا۔ مگر جس کسی موقع پر برطانوی استحقاق کے متعلق ذرا سا بھی شبہہ پیدا ہو اُس کو فوراً چھوڑ دیا جائے؛

ستارا

ریاست ستارا جس پر پہلے اس اصول کا عملدرآمد کیا گیا ۱۸۱۹ء میں پیشوا کی مملکت پر قبضہ کرنے کے وقت میں لارڈ ہیسٹنگز نے شیواجی کے خاندان کے ایک فرد کے لیئے قائم کردی تھی اور اُس کی سالانہ آمدنی پندرہ لاکھ رکھی گئی تھی۔ وہ راجہ ۵ اپریل ۱۸۴۸ء کو لاولد فوت ہوگیا اُس نے کئی مرتبہ رزیڈنٹ سے استدعا کی کہ اُسے وارث متبنٰی کرنے کی اجازت دی جائے مگر رزیڈنٹ نے ہر مرتبہ یہی جواب دے دیا کہ ایسی اجازت دے دینی اُس کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے۔ اس راجہ کے انتقال سے کوئی دو گھنٹے پہلے ایک ایسا لڑکا اُس کے سامنے لایا گیا جس کو راجہ پہلے سے جانتا بھی نہ تھا مگر اُسی وقت مقررہ رسوم کے ساتھ تقریب تبنیت ادا کر دی گئی اور شاہی سلامی بھی سر کر دی گئی۔ قاعدے کے مطابق یہ متبنٰی بیٹا راجہ کی ذاتی جائداد کا مالک ہوگیا لیکن یہ سوال حل طلب رہا کہ آیا بغیر حکومت اعلیٰ کی منظوری کے یہ لڑکا گدی کا بھی مالک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ سر جارج کلارک گورنر بمبئی نے شاہی حکومت کے استمزاج کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ رائے دی کہ بصورت موجودہ گدی نشینی کو ناجائز قرار دینا گورنمنٹ کی بے انصافی کی حد تک پہنچے گا۔ مگر اس کے جانشین لارڈ فاکلینڈ نے اپنی کونسل کے دوسرے ممبروں کا اس مسئلے میں ساتھ دے کر اپنے پیش رو کی رائے سے اختلاف

صفحہ ۷۴

کیا۔ بمبئی کونسل کے قابل ترین ممبر مسٹر ولبی نے یہ رائے ظاہر کی کہ شاہی حکومت کی تصدیق جواز تبنیت کے لیئے شرط لازم ہے کیونکہ یہ رسم ایسی قدیم اور عالمگیر ہے کہ حقیقی قانون کا حکم رکھتی ہے اس لیئے یہ ہرگز قرین مصلحت و انصاف نہیں ہو سکتا کہ ستارا کی سی ریاستوں کو جو اس وقت کارکنان قضا و قدر کی طرف سے

فصل سوم

لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت ۔ الحاقات

اصول الحاق

گذشتہ پچاس سال کے اندر میسور۔ گوالیار۔ ناگپور۔ اندور اور پونا کے علاقوں کے جو حصے کمپنی کے محروسات میں شامل کیئے جاتے رہے تھے اُن ہی کی طرح پنجاب اور پیگو کے الحاق کو بھی اُن ہی وجوہ پر مبنی سمجھنا چاہیئے کہ ایسی مخاصمت کی پاداش میں ان کو بطور ثمرات جنگ کے حاصل کیا گیا تھا جس میں فریق ثانی کے لیے کوئی وجہ اشتعال ایسی نہیں تھی کہ وہ برطانیہ کے خلاف محارحت کرے۔ لیکن ستارا۔ ناگپور اور جھانسی کے بالکل خالصہ کر لینے کی بنیاد یہ تھی کہ گدی کا وارث جائز موجود نہیں تھا اس لیئے لارڈ ڈلہوزی نے کمپنی کے شاہی حقوق سے ایسے موقعوں پر فائدہ اُٹھایا۔ غرض یہ کہ ان تمام الحاقات کو لارڈ ڈلہوزی کے اصول الحاق سے موسوم کیا گیا ہے اور بعض طبقات میں اس اصول کو کسی برطانوی مدبر کی کارگزاری سے مشابہ نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ ایسے راہزنوں کی غارت گری سے تعبیر کیا گیا ہے جو اپنا مال غنیمت ڈر کے مارے جنگلوں میں بیٹھ کر شمار کیا کرتے ہیں۔ ایسے طبقات میں لارڈ ڈلہوزی کو نہایت کینہ ور بدترین ظالم شمار کیا جاتا ہے۔ اس حکمت عملی کی اصلیت دریافت کرنے کے لیئے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی آمد سے سات سال پہلے گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ۱۸۴۱ء میں یہ رائے درج روزنامچہ فرمادی تھی کہ برطانیہ کا واضح اور مستقل اصول عمل یہ ہونا چاہیئے کہ جس علاقے یا آمدنی حمک عزت کے ساتھ اُس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے اُس کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے مگر جن جن حقیقی دعوے داروں کے حقوق بصورت موجودہ قائم ہیں یا آیندہ ہوں اُن کا بھی باضابطہ احترام کیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے انصرام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے پیش روؤں کے ساتھ اتفاق رائے کا اندراج کیا جس کے ساتھ ہی

صفحہ ۴۷۶

اور اُس نے بالقصد کسی کو گود لینے سے احتراز کیا ہے۔ چنانچہ ناگپور کی ریاست جو ۱۸۱۸ء میں گورنمنٹ ہند نے راجہ اور اُسکے ورثا کو عنایت فرمائی تھی اب پھر گورنمنٹ کی طرف لوٹ آئی ہے اور گورنمنٹ بالکل آزاد ہے کہ اس معاملے میں جو کارروائی مناسب سمجھے کرے۔"

یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ۱۸۱۸ء میں ریاست ناگپور کا ایک مرہٹہ نوجوان کو عطا کر دیا جانا کسی تقاضائے عدل و انصاف پر مبنی نہیں تھا اور مقتضائے مصلحت اندیشی و معاملہ فہمی بھی ہر طرح سے اس کے منافی تھا۔ مجلس انتظامیہ نے اس ریاست کے خالصہ کر لینے سے اپنا اتفاق کامل ظاہر کیا اور اپنے فیصلے کے وجوہ یہ بیان کیئے کہ ناگپور ایک ایسی ریاست ہے جو فتح کر لینے کے بعد برطانوی گورنمنٹ نے براہ مکرمت متوفی راجہ اور اُس کے ورثا کے قبضے میں دے دی تھی۔ اب اس راجہ نے اپنا کوئی صلبی وارث نہیں چھوڑا ہے۔ کوئی مرد وارث ایسا بھی نہیں ہے جو خاندانی یا موروثی استحقاق کی بنا پر راجہ کی جانشینی کا دعویدار ہو سکے۔ راجہ نے کسی کو متبنّٰی بھی نہیں کیا ہے اور حکمران خاندان کے تمام سلسلے میں کوئی مرد ہی موجود نہیں ہے اس لیئے اس عطیئے کے منضبط کر لینے کا گورنمنٹ ہند کو حقیقی اور غیر متزلزل اختیار حاصل ہے۔"

جھانسی ۱۸۵۳ء

بندھیلکھنڈ کی ریاست جھانسی ایک سردار کے قبضے میں پیشوا کے باجگزار کی حیثیت سے چلی آتی تھی۔ ۱۸۱۷ء میں پیشوا کے تمام شاہی حقوق کمپنی کی طرف منتقل ہو گئے اور لارڈ ہیسٹنگز نے رئیس کی وفاداری کے صلے میں اس جاگیر کو موروثی طور پر اس کے قبضے میں دے دیا۔ یہ راجہ ۱۸۳۵ء میں انتقال کر گیا مگر اس نے اپنی وفات سے پہلے ایک لڑکے کو متبنّٰی کر لیا تھا لیکن سر چارلس مٹکاف گورنر آگرہ نے یہ حکم دیا تھا کہ ایسے رئیسوں کے بارے میں جن کو ریاستیں اور وظیفے بطور عطیات کے کمپنی کی طرف سے ملے ہیں شاہی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ اُن عطیات یا وظائف کو کسی مرد وارث کی عدم موجودگی میں اگر چاہے تو ضبط کر لے۔ اس لیئے موجودہ گورنمنٹ اس وراثت کو جو

ہم کو واپس دی جا رہی ہیں محض ایک غیر مصدقہ گود نشینی کی بنا پر قائم رہنے دیا جائے۔ یہ تمام متضاد رائیں لارڈ ڈلہوزی کی خدمت میں پیش کر دی گئیں اور تمام موجودہ دستاویزات اور سابقہ نظائر کا بالاستیعاب ملاحظہ کرنے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے جو اپنی رائے لکھی وہ اصول عام کے اعتبار سے بھی اور موجودہ صورت حال کے اعتبار سے بھی لفظ بلفظ مسٹر ولبی کے موافق تھی۔ اسکے بعد بمبئی اور کلکتہ کے تمام معرکۃ الآرا اتفاق کے ساتھ یہ مسئلہ مجلس انتظامیہ کے ملاحظہ و استصواب کے لیئے بھیج دیا گیا۔ مجلس موصوفہ نے جماعت نگران کار کے اتفاق رائے سے مندرجۂ ذیل ہدایت گورنمنٹ کی آیندہ رہبری کے لیئے بھیج دی:۔

"ہندوستان کے عام رواج و قانون کے مطابق ایک ماتحت ریاست جیسی کہ بصورت موجودہ ریاست ستارا ہے۔ کسی متبنٰی وارث کو بلا منظوری شاہی گورنمنٹ کے نہیں پہنچ سکتی ہے صورت موجودہ میں فریقین کے مفاد اور کافۃ الناس کی بہبودی پر غور کرنیکے بعد یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ستارا پر برطانوی قبضہ کر لیا جائے"

ناگپور ۱۸۵۳ء

کم و بیش پانچ سال کے اندر ایسی ہی صورت ناگپور میں پیش آگئی۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اپا صاحب کے غدارانہ حملۂ رزیڈنسی کی وجہ سے یہ سلطنت بالکل ضبط کر لی گئی تھی مگر لارڈ ہیسٹنگز نے پھر براہ کرمت شاہی خاندان کو اُس پر بحال کر دیا تھا۔ یہاں کا راجہ لاولد تھا اور اُس نے کسی وارث کو متبنٰی کرنے کے لیئے کئی مرتبہ رزیڈنٹ سے مشورہ کیا تھا مگر کسی کو متبنٰی کیئے بغیر ۱۸۵۳ء میں انتقال کر گیا اور کوئی وارث صلبی یا جدی۔ ہمقوم یا متبنٰی نہیں چھوڑا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس مسئلے پر ایک نہایت قابلانہ اندراج اپنے روزنامچے میں حسب ذیل کیا۔

"اس وقت ہم کو شاہی حکومت کے اس استحقاق سے بحث نہیں کرنی ہے کہ ماتحت ریاست بغیر اُس کے استصواب کے کسی کو وارث متبنٰی کر سکتی ہے یا نہیں۔ بصورت موجودہ راجہ مر چکا ہے

کرنے کے لیئے آزاد چھوڑتے ہیں ؎

نوابان کرناٹک

یہ واقعہ لارڈ ڈلہوزی ہی کے عہد حکومت میں پیش آیا کہ لارڈ موصوف کے استصواب و اتفاق کے بعد مدراس گورنمنٹ نے نواب کرناٹک کے حقوق سلب کر لیئے۔ کرناٹک کو کمپنی کے محروسات میں لارڈ ولزلی نے سنہ ۱۸۰۱ء میں شامل کر لیا تھا اور نواب اور اُس کے خاندان کے گزارے کے لیئے سات لاکھ روپیے سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن لارڈ موصوف نے کسی وارث یا جانشین کا تذکرہ سند میں عمداً نہیں کیا تھا۔ یہ ایک شخصی عطیہ ایک ایسے رئیس کو دیا گیا تھا جسکی ریاست خالصہ کی جا چکی تھی اور نواب کی ذات کو نوابی کا خطاب و منصب حاصل رہا۔ شاہی سلامی اُسے دی جاتی تھی اور قانونی گرفت سے وہ مستثنیٰ تھا۔ دو متواتر نوابوں نے سنہ ۱۸۱۹ء اور سنہ ۱۸۲۵ء میں انتقال کرتے وقت اپنے صلبی وارث چھوڑے تھے اور گورنمنٹ نے ان وارثوں کا نوابی کے خطاب اور اُس کی مخصوص مراعات سے مستفیض ہونا روا رکھا تھا۔ آخری نواب سنہ ۱۸۵۳ء میں لاولد انتقال کر گیا اور اُس کے چچا اعظم جاہ نے نوابی کے خطاب اور اُس کی مراعات و وظائف پر دعویٰ کیا۔ لارڈ ہیرس گورنر بمبئی نے ایک قابلانہ یادداشت میں یہ رائے ظاہر کی کہ اس خاص حالت میں گورنمنٹ اس کی بھی پابند نہیں ہے کہ نوابی اور اُس کے وظائف و مراعات کو نسلی ورثا کے حق میں بھی تسلیم کرتی چلی آئے چہ جائے کہ کسی ایسے شخص کا استحقاق تسلیم کرے جو صلبی وارث نہ ہو بلکہ محض یکجدی ہو۔ لارڈ ہیرس نے اس نوابی کے قیام کی اس بنا پر بھی نہایت سختی سے مخالفت کی کہ کافتہ الناس کے مفاد کے یہ منافی ہے کہ شہر میں ایک علیحدہ حکومت کسی ایسے شخص کی بھی قائم رہے جو قانونی گرفت سے مستثنیٰ ہو اور اُن تمام بدکرداریوں سے ملوث ہو جو مشرقی محلات کا خاصہ ہیں کیونکہ ایسے شخص کا وجود بے فکرے اوباشوں کے لیئے احاطۂ مدراس کے صدر مقام کے اندر ایک رخنہ بن جاتا ہے۔ اسوقت میں نواب صاحب کا محل خاص رہن پڑا تھا اور اُن کے قرضے کی مقدار پچاس لاکھ تک

باب یازدہم
فصل سوم

بذریعۂ تبنیت کے قائم کی گئی ہے جائز تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے اور اس ریاست کو متوفی رئیس کی نسل کے ایک اولاد ذکریہ کو عطا کرتی ہے۔ یہ شخص جسے راجہ تسلیم کیا گیا تھا سنہ ۱۸۵۳ء میں لاولد فوت ہو گیا اور اپنی نزع کے وقت کا متبنیٰ کیا ہوا وارث چھوڑ گیا۔ بیوہ رانی نے جو بڑے دم خم اور بڑے توڑ جوڑ کی عورت تھی اس لڑکے کی گدی نشینی کا مطالبہ کیا۔ کونسل کے ایک ممبر کرنل لو نے جو پہلی مرتبہ الحاق ناگپور کی مخالفت میں رائے دے کر چکا تھا اس موقع پر مندرجۂ ذیل رائے ظاہر کی:-

"جھانسی کے مقامی رئیس کبھی خود مختار حکمراں نہیں تھے بلکہ ایک خود مختار بادشاہ کے باجگزار رہے اور وہ بادشاہ پہلے پیشوا تھا بعد کو کمپنی۔ ایسی صورت میں برطانوی گورنمنٹ کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ ریاست جھانسی کو خالصہ کر لے"

اور لارڈ ڈلہوزی نے مندرجۂ ذیل رائے ظاہر کی:-

"متوفی راجہ نے اپنا کوئی صلبی وارث نہیں چھوڑا ہے اور کسی رئیس یا راجہ کا اس ریاست میں کوئی مرد وارث ایسا نہیں ہوا ہے جس نے پچاس سال تک حکومت کی ہو اس لیئے برطانوی گورنمنٹ کے اس استحقاق پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ گدی نشینی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے"

مجلس انتظامیہ نے بھی اس مسئلے میں یہی پہلو اختیار کیا اور جھانسی کو کمپنی کے محروسات میں شامل کر لیا گیا۔ کالوں کے غدر کے زمانے میں رانی نے اس کا نہایت خطرناک انتقام لیا اور ۸۳۔ انگریز مرد عورت اور بچوں کو خاک و خون میں ملا کر رکھدیا۔ ان تینوں ضبطیوں کے ساتھ لارڈ ڈلہوزی کے سر پر لعنت و ملامت کا بار گراں لادنے کے لیئے الحاق اودھ کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے درآں حالیکہ یہ الحاق لارڈ موصوف کے واضح و بیّن مشورے و استدلال کے خلاف براہ راست محکمۂ وزارت اور مجلس انتظامیہ کے حکم کے مطابق عمل میں آیا ہے۔ ان تمام مسائل پر ہم ناظرین کو غور و خوض کے بعد اپنی رائے قائم

باب یازدہم
فصل چہارم

محدود اور مستقل بنیاد پر قائم کرکے وقت پر تنخواہوں کے ملنے کا بند و بست تجویز کیا اور جس قدر قرضہ باقی تھا اُس کا فیصلہ اس طرح کیا کہ ممالک محروسہ کا ایک حصہ جس کی سالانہ آمدنی ۳۶ لاکھ یعنی ۶ لاکھ کم اُس رقم سے تھی جس کا دعوی ہر سال ریاست پر کیا جاتا تھا کمپنی کی طرف منتقل کر دیا جائے اس انتظام سے نواب نظام الملک نصف کرور کے قرضے سے سبکدوش ہو جاتے تھے اور یہ انتظام ہر طرح سے (مصنف کے نزدیک) مفید تھا۔ مگر نواب نظام الملک نے اس کو منظور کرنے میں سخت تذبذب فرمایا۔ آخر کار وزرا کے اصرار سے اور بالخصوص ایک ملازم خاص کی عرض معروض سے جس کو مزاج میں زیادہ دخل تھا اور جس کو وزیروں نے رشوت بھی پہنچائی تھی۔ اُنھوں نے ڈلہوزی کے عہد نامے کو منظور کر لیا۔ اس عہد نامے کی رو سے جو اضلاع منتقل ہوئے تھے وہ مغربی برار میں واقع تھے اور ان کو لارڈ ویلزلی نے اپنے زمانے کے نواب نظام الملک کو ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں حیدرآباد سے امداد ملنے کے معاوضے میں دئیے تھے۔

فصل چہارم

لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت۔ اودھ۔ معاشرتی و مادی ترقیاں

اودھ کی مزمن بدنظمی | ہندوستان کے کسی صوبے نے بدنظمی کی بلاؤں کو اتنے عرصے تک برداشت نہیں کیا ہوگا۔ جیسا کہ اودھ نے کیا تھا اور ان تمام مصیبتوں کی وجہ انگریزی فوج کی موجودگی تھی جو حکمران وقت کو رعایا کی نفرت و انتقام سے محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ وارن ہیسٹنگز۔ لارڈ کارنوالس۔ سر جان شور اور لارڈ ہیسٹنگز کی تمام نصیحتیں نقش برآب ہو چکی تھیں۔ ۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بینٹنک نے صاف الفاظ میں یہ فہمائش کر دی تھی کہ اگر بدنظمیاں اور بدکرداریوں کی اصلاح و تدارک کے لیے فوری تدابیر نہ اختیار کی گئیں اور رعایا کو حسن انتظام کے فوائد سے محروم رکھا گیا تو کمپنی نظام حکومت کو اپنے

باب یازدہم
فصل سوم

پہنچ گئی تھی۔ لارڈ ہیرس نے یہ تجویز کی کہ خاندان ارکاٹ کے سالانہ وظائف بند کر دیئے جائیں اور گورنمنٹ اس خاندان کے قرضوں کو ادا کر دے اور مدعی چچا کے لیئے تا حین حیات ایک مناسب وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس رائے سے کامل اتفاق کیا اور مجلس انتظامیہ نے اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ درحقیقت اس خاندان کے تمام حقوق صرف اُس نواب پر ختم ہو جاتے ہیں جس نے سنہ ۱۸۰۱ء میں عہد نامے پر دستخط کیئے تھے۔

نواب نظام الملک اور برار ۱۸۵۳ء

لارڈ ڈلہوزی کے ارادہ و تدبیر اور کرنل لو رزیڈنٹ متعینہ دربار حیدر آباد کے اصرار سے جو اس کو اپنے فیصلے پر تھا حیدر آباد کی کنٹنجنٹ فوج کا مشکل مسئلہ (کمپنی کے) خاطر خواہ طے ہو گیا۔ اس فوج کے قائم ہونے کا حال اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اُس میں افسروں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی اور تنخواہیں بھی اتنی زیادہ تھیں کہ ریاست کی آمدنی پر ایک بڑا بار ہو گئی تھیں۔ فوج میں تخفیف کے متعلق اگر مشورہ دیا جاتا تھا تو اُس کو نواب نظام الملک منظور نہ فرماتے تھے غرض جب اخراجات کی رقم بار بار تقاضا میں بڑھتی گئی تو رزیڈنٹ نے اپنے خزانے سے روپیہ قرض دے کر اس کو ادا کیا اور نواب نظام الملک نے اس کو اپنے ذمے سودی قرضہ تسلیم کیا۔ ریاست کی آمدنی نظم حکومت کے جملہ اخراجات کے لیئے بالکل کافی تھی مگر اس معاملے کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ قرضے کی رقم تین کرور ہو گئی تھی اور اس رقم پر شدت سے بھاری سود ادا کرنے پر ریاست مجبور کی جاتی تھی۔ یہ قرضہ اور اُس پر بھاری سود پھر چالیس ہزار باہر کے تنخواہ دار سپاہیوں کا خرچ یہ سب مل کر ریاست کو سخت زیر بار کرتے تھے۔ مصارف فوج کی وجہ سے جو قرضہ ہو جاتا تھا اُس کی بابت ریاست کی طرف سے بار بار رقوم ادا ہوتی رہتی تھیں لیکن سنہ ۱۸۵۳ء میں یہ قرضہ پھر نصف کرور کا ہو گیا جب چار برس تک اُس کے ادا ہونے میں توقف ہوا تو لارڈ ڈلہوزی بے صبر ہو گیا اور اُس نے اس معاملے کو جس طرح ہو طے کرنے کی نیت کر لی چنانچہ اُس نے ایک عہد نامے کا مسودہ تیار کیا جس میں کنٹنجنٹ فوج کو ایک

صفحہ ۸۰۴

ارباب نشاط اور مسخروں کے علاوہ اور کسی کو درشن بھی نہیں دیتا تھا۔ایک خاص سارنگیئے کو عدالت فوجداری کا حاکم اعلیٰ بنا دیا گیا تھا اور خاص گویا جو تھا وہ تو بادشاہ کی زبان کیا بالکل بادشاہ ہی بنا ہوا تھا۔ہر شخص کو عہدہ حاصل کرتے وقت پیش قرار نذرانے بادشاہ سلامت کے لیئے۔ولی عہد بہادر کے لیئے۔وزرا کے لیئے اور در اصل ہر اُس شخص کے لیئے پیش کرنے پڑتے تھے جس کو دربار شاہی میں کسی قسم کا بھی رسوخ حاصل تھا۔پھر ایسا شخص اپنا عہدہ حاصل کر لینے کے بعد اپنی خالی جیب کو غریب رعایا کی گرہ سے روپیہ لیکر پُر کرتا تھا۔کرنل سلیمین بالطبع الحاق کے بڑے سخت مخالفوں میں سے تھا اور اس موقع پر بھی اگرچہ اُسکی یادداشت میں اس تمنا کا پتہ لگتا ہے کہ اودھ کے تخت کو قائم رکھا جائے مگر اُس کے آخری الفاظ سے اُس کی مجبوری کا اچھی طرح ثبوت مل جاتا ہے وہ لکھتا ہے :-

"پچاس سال کے تلخ تجربے نے اس قسم کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہے کہ شاہ اودھ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کرے گا جس سے رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہو کر اُن کو آسائش و مرفہ الحالی نصیب ہو گی۔اب مجبور ہو کر یہ رائے ظاہر کرنی پڑتی ہے کہ برطانوی گورنمنٹ کی جو شاہی حیثیت ہندوستان میں ہے۔اور اس پر شورش ملک کے بدنصیب باشندوں کے حفظ امن کے لیئے جن قابل احترام معاہدات کا گورنمنٹ نے اپنے تئیں پابند کیا ہے اُن سب کا لازمی اور اشد تقاضا یہ ہے کہ اب گورنمنٹ برطانیہ اس میں بالکل تامل نہ کرے کہ اودھ کے نظم حکومت کو علی التدام اپنے قبضہ و تصرف میں لے لے اور شاہ اودھ کے گزارے کے لیئے مناسب وظیفہ مقرر کر دے۔"

صفحہ ۴۸۲

اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے جنرل آؤٹرام کو رزیڈنٹ مقرر کیا اور اُس کو بھی ہدایت کی کہ رعایا براپا کے پوست کندہ حالات پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ دریافت کرے۔یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جنرل موصوف بھی اُن ہی لوگوں میں سے تھا جو اس خیال کے مؤید تھے کہ ہندوستان کی چند بچی کھچی ریاستوں کو اپنی

باب یازدہم
فصل چہارم
صفحہ ۴۸۱

قبضے میں لے لیگی اور شاہ اودھ کی وہی حیثیت رہ جائے گی جو نواب مرشد آباد کی ہے۔ اس سخت فہمائش نے کچھ اصلاح کی صورت پیدا کر دی تھی مگر وہ محض عارضی ثابت ہوئی۔ اس کے بارہ سال بعد لارڈ ہیسٹنگز نے لکھنؤ کا خود سفر کیا اور نہایت دل سوزی کے ساتھ شاہ اودھ کو فہمائش کی اور اُسے یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ اگر دو سال کے اندر اصلاحات پر عملدرآمد نہیں کیا گیا تو تمام مملکت اودھ کی حکومت اُس کے ہاتھ سے نکال لی جائے گی اور اُس وقت کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔

کرنل سلیمین کی یادداشت

اس کے کچھ ہی عرصے بعد کرنل سلیمین کو رزیڈنٹ لکھنؤ مقرر کیا گیا اور اُسے ہدایت کر دی گئی کہ ملک کا دورہ کر کے اس کی جانچ کرے کہ طرز حکومت میں کسی قسم کی اصلاح کا بھی عملدرآمد کیا گیا ہے یا نہیں۔ کرنل موصوف کی یادداشت کو جرائم و مصائب کا ایک نامۂ سیاہ کہا جا سکتا ہے۔ یعنی بادشاہ نے ستر ہزار کی ایک غیر ضروری فوج رکھ چھوڑی تھی جس کو کبھی وقت پر تنخواہ نہیں ملتی تھی اور اکثر کم ملتی تھی اسلیئے اُن کو رعایا کو ستانے کا خوب موقع مل جاتا تھا۔ فوجیوں کی تاخت آور جماعتیں مواضعات کے تمام ذخائر کو بلا صرفہ لوٹ لیا کرتی تھیں اور بہت سے موقعوں پر سپاہی لوگ مکانوں کی چھتیں اور دروازوں کے کواڑ تک ایندھن کے لیئے اُتار لاتے تھے۔ کسی ملک کے لیئے اس بے ترتیب و بدلگام فوج سے بڑھ کر کوئی دوسری بلا و مصیبت خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ ملک بھر میں ۲۴۶ قلعے یا گڑھیاں تھیں جن پر ۴۷۶ توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور ان سب پر اعلےٰ طبقے کے جاگیرداروں کا قبضہ تھا جن میں زیادہ تر راجپوت تھے۔ ان سرداروں نے نہایت درجہ زرخیز اقطاع اراضی کو ٹرت ڈال کر جنگل بنا لیا تھا اور ان جھاڑیوں سے اُن تمام قانون شکن بدمعاشوں کے رمنوں کا کام لیا جاتا تھا جو دن دہاڑے راہگیروں اور سوداگروں پر لوٹ مار مچاتے تھے۔ خاص لکھنؤ سے صرف سولہ میل ہی کے فاصلے پر ایک جاگیردار نے تیس میل کے زرخیز قطعے کو جھاڑی بنا لیا تھا اور اُس کے دوردہ میں چار گڑھیاں تعمیر کر لی تھیں۔ بادشاہ جو محل میں بند رہتا تھا اپنی حرموں

باب یازدہم
فصل چہارم

اودھ کے برطانوی محروسات میں شامل کرنے کا اعلان کیا جائے۔ بادشاہ کی شاہی قائم رکھی جائے مگر وہ اپنے ہاتھ سے تمام دیوانی و فوجداری اختیارات کمپنی کے حوالے کردے اور اپنے رتبے اور دربار کو قائم رکھنے کے لیے برابر معقول دست خرچ پاتا رہے۔ ممبران کونسل میں مسٹر ڈارنس نے لارڈ ڈلہوزی سے اتفاق رائے کیا تھا مگر مسٹر گرانٹ اور گورنر جمیڈیکا نے اودھ کو برطانوی علاقے میں شامل کرلینے کی رائے دی تھی۔ جنرل لو جس نے سابقہ موقع پر الحاق ناگپور کی مخالفت کی تھی اور اب کچھ زمانے تک لکھنؤ کا رزیڈنٹ رہ چکا تھا اُس نے صاف الفاظ میں یہ ظاہر کردیا کہ اودھ کی ابتریاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ کسی طرح منصفانہ حکومت قائم کرنے کی کوئی اور صورت ہی سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمام ملک کو بلا استثنا اور بلا قید وقت علی الدوام ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت تصرف میں لے لیا جائے۔

صفحہ ۴۰۳

الحاق اودھ لارڈ ڈلہوزی نے یہ تمام مشکل معاملہ مع کرنل سیمین اور میجر اوٹرام کی یادداشتوں کے مجلس انتظامیہ کے ملاحظہ و استصواب کے لیے ارسال کردیا کیونکہ مجلس انتظامیہ اور محکمۂ وزارت پر ہی اس تصفیے کا دار و مدار تھا۔ دو مہینے تک نہایت توجہ سے غور و خوض کرنے کے بعد مجلس انتظامیہ اور محکمۂ وزارت نے یہی فیصلہ کیا کہ لارڈ ڈلہوزی کے مشورے کو مسترد کردیا جائے اور وہی مسلک اختیار کیا جائے جس سے لارڈ موصوف نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی یعنی مملکت اودھ کا الحاق کرلیا جائے اور تخت اودھ کو سرنگوں کردیا جائے۔ اس طرح مملکت اودھ کا خاتمہ ہوگیا اور شاہ کو بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ ملنا منظور ہوگیا۔

انتظامی اصلاحات لارڈ ڈلہوزی کا عہد حکومت جتنا اپنے سیاسی نتائج کی وجہ سے مشہور ہے اُتنا ہی اپنی انتظامی اصلاحات و مادی ترقیات کے واسطے بھی قابل یادگار رہے۔ ملکی ملازمت کی کوئی شاخ ایسی نہیں تھی جس میں اس کی دقیق نظر تہ تک نہ پہنچ گئی ہو اور جس میں اُس نے کسی نہ کسی قسم کی اصلاح کا عمل درآمد نہ کیا ہو۔ جن کی قدر و قیمت کا اُس کے مخالفوں کو بھی ہمیشہ

حالت پر قائم رہنے دیا جائے۔ بہرحال جنرل آؤٹرام کی یادداشت کا خلاصہ بھی یہ تھا کہ ملک میں ترقی ہی معدوم نہیں ہے بلکہ ترقی کے آثار بھی مفقود ہیں اور بروئے معاہدہ جو ذمہ داری برطانوی حکومت کے سر عائد ہوتی ہے اس کا بہترین مقتضا یہ ہے کہ اب نظامِ حکومت کو بلا تامل و تساہل اپنے ہاتھ میں لے لے کیونکہ یہ امر ضرور قابل غور ہے کہ برطانیہ جتنے عرصے تک اس ناقابل اور نااہل خاندانِ حکومت کو قائم رکھے گا اُتنے ہی عرصے تک پچاس لاکھ بندگان خدا کی آسائش وخوشحالی کا خون برطانیہ کی گردن پر رہے گا دراں حالیکہ مقدس معاہدات کی رو سے برطانیہ ان سب کے حفظ وامن وآسائش کا ذمہ دار ہے۔

لارڈ ڈلہوزی اور کونسل کی رائیں

لارڈ ڈلہوزی نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع یادداشت مرتب کی جس میں اُس نے پہلے اُس تمام شہادت کا تجزیہ کیا جو سالہا سال کے دوران میں ملکِ اودھ کے اقتدارِ حکومت کو بادشاہوں کے ہاتھوں ناجائز اور غلط طریقے پر استعمال ہونے کے متعلق جمع تھی اور اُن کے متعلق تمام رایوں کو بھی فرداً فرداً مع اُس نتیجے کے درج کیا کہ یہ برطانیہ کا مقدس فرض ہے کہ بندگان خدا کے امن وآسائش کا انتظام کرے۔ اگر انگریزی فوجوں کا قدم درمیان نہ ہوتا تو اودھ کی رعایا نے ابتک کبھی کے اپنی گلو خلاصی کے سامان کر لیئے ہوتے اس لیئے اب گورنمنٹ کی خموشی کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے یہ اضافہ کیا کہ اگرچہ حکمرانِ اودھ ان فرائض حکمرانی کے ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں جو اُن کو سپرد کیئے گئے تھے مگر وہ تاجِ برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ اظہارِ اطاعت ووفاداری میں ثابت قدم رہتے چلے آئے ہیں اور سخت ضرورتوں کے وقت بھی اُنھوں نے کبھی امکانی امداد سے دریغ نہیں کیا ہے۔ اس لیئے انصاف وامتنان کا تقاضا یہ ہے کہ رعایا کی قسمت کا فیصلہ کرتے وقت ہماری طرف سے بادشاہ کے مرتبے اور اختیارات کو کم سے کم نقصان پہنچایا جائے۔ رعایا کی خوشحالی کی صورت بغیر اس سخت کارروائی کے بھی نکل سکتی ہے کہ علاقۂ اودھ کا الحاق ہی کر لیا جائے یا تختِ اودھ کو سرنگوں ہی کر دیا جائے۔ اس لیئے میری رائے ناقص میں یہ ہرگز قرین انصاف ومصلحت نہیں ہے کہ

جن آٹھ سال پر ہم تبصرہ کر رہے ہیں اُن کے دوران میں بمبئی کی تجارت غیر معمولی درجے تک ترقی کر گئی اور کلکتہ کی تجارت بھی دوگنی ہوگئی اور دریائی تجارت تمام قسم کی رکاوٹوں اور خدشوں سے مامون ہوگئی کیونکہ ساحل پر برابر روشنی کے مینار کثرت سے تعمیر کر دیئے گئے تھے؎

ڈاک خانہ سنہ ۱۸۵۳ء ڈاک خانے کا سلسلہ انگلستان میں عرصے سے جاری تھا اور ہندوستان کے غریب باشندوں کو ارزاں محصول کے ساتھ ڈاک رسانی کی برکتوں سے مستفیض کرنے کا مسئلہ کئی مرتبہ محض تفنن طبع کے طور پر معرض بحث میں لایا گیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس مسئلے کو بھی اپنی فطری سرگرمی کے ساتھ ہاتھ میں لیا اور ایوان ہند میں آدھ آنے یا تین فارذنگ کے محصول پر خطوط ایک جگہ سے دوسری جگہ بلا قید فاصلہ پہنچانے کی تجویز پیش کی عام اس سے کہ وہ فاصلہ کئی ہزار میل کا ہی اندرون ہند میں کیوں نہو مجلس انتظامیہ نے اس تجویز کا بھی اُسی فراخ دلی و انبساط کے ساتھ خیر مقدم کیا جیسا لارڈ موصوف کی دیگر تجاویز ترقیات و اصلاحات کا کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی لارڈ موصوف نے انگلستان و ہندوستان کے درمیان ڈاک رسانی کے محصول کی تخفیف کی بھی منظوری حاصل کر لی اور وہ اس انتظام کو ہمیشہ ایک قومی فخر کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا کرتا تھا کہ اب پشاور کا اسکاٹلینڈ والا رنگروٹ اپنی ماں کے پاس صرف چھ پنس میں خط بھیج سکیگا؎

گنگا کی نہر گنگا کی نہر لارڈ ڈلہوزی کی آمد سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی لیکن اس کا کام ایسی سست رفتار سے چل رہا تھا کہ ابتک صرف سترہ لاکھ کا صرفہ ہوا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس کام کو مستقل سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھایا حتیٰ کہ مالی گراں باریوں یا جنگی اخراجات کو بھی اس کی ترقی میں حارج نہیں ہونے دیا اور چھ سال میں اس پر کل ڈیڑھ کرور کی رقم خرچ ہو کر یہ نہر تکمیل کو پہنچ گئی۔ سب سے بڑی شاخ اس کی مسٹر کالون گورنر آگرہ نے مارچ سنہ ۱۸۵۴ء میں کھولی۔ یہ مہتم بالشان کارنامہ جس کا خاکہ سر پروبی کاٹلے نے تیار کیا تھا اور جس کو تکمیل تک بھی اُسی نے پہنچایا ترقی تمدن کے شاندار ترین مساعی کا

باب یازدہم
فصل چہارم

اعتراف کرنا پڑتا ہے لارڈ ڈلہوزی کو انتظامی مجلسوں کے بوجھل اور الجھن میں ڈالنے والے طریقے سے سخت نفرت تھی اس لیئے اُس نے اس کا سلسلہ ہی قطع کر دیا اور ہر صیغے کو شخص واحد کی نگرانی و ذمہ داری میں دے کر تمام محکمہ جات میں ایک مذبوح تازہ پھونک دی۔ اگرچہ لارڈ ڈلہوزی خود اہل قلم سے تھا مگر کمپنی کے تمام صیغۂ ملازمت میں فوج سے بہتر اور مفید تر کسی محکمے میں لارڈ موصوف کے ہاتھ سے اصلاحیں عمل میں نہیں آئیں اُسنے مجلس حربیہ (Military Board) کو توڑ ڈالا اور جو کثیر فرائض اس مجلس کے ذمے تھے جن کو یہ کبھی قابلیت و اطمینان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتی تھی وہ سب صرف ایک تجربہ کار قابل افسر کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔ اس مجلسِ حربیہ پر تعمیرات کی نگرانی کا بھی بار تھا اور اس خاص شعبے میں مجلسِ موصوفہ کی ناکامیاں ہمیشہ ظاہر و باہر رہتی تھیں۔ لارڈ ڈلہوزی نے ایک محکمۂ تعمیرات قائم کیا اُس کے لیئے نہ صرف گورنمنٹ آف انڈیا کا بلکہ ہر احاطے کا علحدہ معتمد مقرر کیا۔ تمام انتظام کی ذمہ داری ایک میر تعمیرات (Chief Engineer) کے سر ڈالی گئی جس کی امداد کے لیئے بڑے بڑے قابل افسر ماتحت دیئے گئے۔ اس سے پہلے محکمۂ تعمیرات کی کارگزاریاں ہمیشہ غیر موقت اور اضطراری ہوتی تھیں۔ اس سُقم کو دور کرنے اور برابر ترقی کی صورت قائم رکھنے کے لیئے یہ انتظام کیا گیا کہ جو جو کام سال بھر میں کیا جانے والا ہوتا تھا اُس کا ایک گوشوارہ مع نقشہ جات و تخمینہ جات متعلقہ کے گورنمنٹ کی منظوری کے لیئے قبل از وقت پیش کر دیا جاتا تھا۔

مالیہ

صفحہ ۴۸۴

لارڈ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت میں ہندوستان کی آمدنی چھبیس سے تیس کرور تک پہنچ گئی۔ جن لڑائیوں میں ہندوستانی گورنمنٹ علی الاتصال دس سال تک مصروف رہ چکی تھی انھوں نے تیس کرور روپے کا زیر بار کر دیا تھا جس کی وجہ سے سالانہ اخراجات برابر آمدنی سے بڑھ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس جنگبازی کے بند ہوتے ہی فاضل اخراجات بھی کم ہو گئے اور آیندہ کو بچت رہنے کی امیدیں نظر آنے لگی تھیں مگر دو سال کے بعد کالوں کے غدر نے ان سب امیدوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔

باب یازدہم
فصل ہا

اُس نے سیاسی حکمت عملی کے ہمہ گیر اصولوں پر بھی پوری پوری نظر ڈالی چنانچہ ۲۰ اپریل ۱۸۵۳ء کو جو قابلانہ یادداشت اُس نے مرتب کر کے مجلس انتظامیہ کے ملاحظے کے لئے ارسال کی اور جو آخر کار ہندوستان میں دخانی سلسلۂ ارتباط کا سنگِ بنیاد ہو کر رہی اُس میں اُسنے مندرجۂ ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا:۔

"اب تک جو ریل کا سلسلہ بطور تجربے کے کھولا گیا ہے اُسکو ہندوستان کے دخانی سلسلۂ ارتباط کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے نقشے پر ایک غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کسی ایسے سلسلۂ ارتباط کے سیاسی فوائد کس قدر زبردست ہوں گے جس کے ذریعے سے اندرون ملک میں ہر قسم کی خبر گورنمنٹ تک موجودہ شرحِ رفتار سے پانچ گُنی تیزی کے ساتھ پہنچ سکے گی۔ جس کے ساتھ ہی گورنمنٹ اس قابل بھی ہو جائے گی کہ اپنی پوری فوجی قوت کا وزن کسی نقطۂ مقررہ پر اُتنے ہی دنوں میں ڈال سکے جتنے مہینے اب اس کے لئے درکار ہیں۔ اس سلسلۂ ارتباط کے تجارتی و معاشرتی فوائد بھی بے اندازہ ہیں۔ اگر قابلیت کے ساتھ ترتیب دیا گیا اور چلایا گیا تو ریلوں کا سلسلہ سلطنتِ ہند میں وہی اولوالعزمانہ تحریکیں پیدا کر دے گا جو اُسی کثرتِ پیداوار کا سبب ہوگا۔ اسی طرح انسانی دماغ کی مخفی قوتوں کو ظہور میں لائے گا اور ویسا ہی قومی تموّل میں اضافہ کر دے گا جیسا کہ اس ترقی یافتہ اور وسیع سلسلۂ ارتباط نے مغربی دنیا کے ممالک میں کیا ہے۔ ریل کا سلسلہ اگر دریائے اٹک تک پہنچا دیا گیا تو ہندوستان کی سرحد کو کلکتہ سے پندرہ سو میل تک بڑھائے چلے جانے سے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں وہ بہت کم ہو جائیں گے۔ مرشد آباد اگرچہ کلکتہ سے صرف ستر میل ہے مگر کلائیو کے زمانے میں جتنی دیر کلکتہ سے

صفحہ ۴۸۶

باب یازدہم
فصل چہارم

نمونہ ہے۔ اس کی پوری مسافت فرانس کی چاروں بڑی نہروں کے برابر ہے اور لمبارڈی کی تمام بڑی نہروں کے مجموعے سے بڑھ گئی ہے۔

پٹری کی سڑکیں

پٹری کی سڑکوں کا سلسلہ جو ہندوستان کے تمدنی سیاسی اور تجارتی اغراض و مفاد میں ایسی زبردست تبدیلی پیدا کرتا جا رہا ہے کہ زمانۂ سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی خاص لارڈ ڈلہوزی کی سرگرمی کا نتیجہ ہے۔ پہلی ریل کی پٹری ۱۸۴۳ء میں سر میکڈانلڈ اسٹیفنسن نے ڈالی تھی اور مسٹر ولبرفورس برڈ قائم مقام گورنر جنرل نے اور بعد کو لارڈ ہارڈنگ مستقل گورنر جنرل نے اس کی بڑی ہمت افزائی کی تھی۔ لیکن ۱۸۴۶-۴۷ء کی تجارتی آفتوں نے اور انگریزی سرمایہ داروں کی کسی نئے کام میں روپیہ لگانے کی پست ہمتی نے اس منصوبے کو اپنی جگہ سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ آخر کار سر میکڈانلڈ کی انتھک کوششیں ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی قائم کرنے میں کامیاب ہوئیں اور مجلس انتظامیہ کے ایک ممبر سر جیمس ہاگ نے اپنے برادر ارکان کو بڑی مشکل سے اس پر راضی کیا کہ ایک ایسی شرحِ سود کی منظوری و کفالت عطا کریں جو ضروری سرمایہ بہم پہنچانے میں امداد دے۔ چنانچہ بطور تجربے کے دو چھوٹی چھوٹی لائنیں کلکتہ اور بمبئی میں کھولنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن چونکہ اس قسم کی مراعات کے لیئے کثرت سے درخواستیں وصول ہونے لگیں اس لیئے مجلس انتظامیہ نے خردمندی سے کام لے کر ان تمام درخواستوں کو لارڈ ڈلہوزی کی خدمت میں اس ایما کے ساتھ بھیج دیا کہ ہندوستان کو اب بلا غیر ضروری تعویق و تاخیر کے باقاعدہ دخانی سلسلۂ ارتباط کی برکتوں سے فیض اٹھانا چاہیئے۔

لارڈ ڈلہوزی کے اندراجات

اس مسئلے کے حل کرنے کے لیئے لارڈ ڈلہوزی سے بہتر اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ وہ کئی سال تک انگلستان میں مجلس تجارت کا صدر رہ چکا تھا جبکہ ریلیں جاری کرنے کی تجویز کا وہاں بڑا زور شور تھا اس لیئے ریلوے جمع و خرچ کے جزوی اصول کا لارڈ موصوف نہایت کامل تجربہ رکھتا تھا۔ اس پختہ کاری کے ساتھ ہی

صفحہ ۵۸۴

کے پاس تھی اور سر جیمس نے اس سلسلے کے ترقی دینے میں بھی اسی قدر دل بستگی کا اظہار کیا جیساکہ دُخانی سلسلۂ آمد و رفت کے بارے میں کیا تھا۔ یہ تجویز ضابطے کے مختلف مدارج ایسی سرعت سے طے کرتی چلی گئی کہ لارڈ ڈلہوزی کا مراسلہ پہنچنے سے ایک ہی ہفتے کے اندر تارِ برقی کا سلسلہ قائم کرنیکی منظوری ایوانِ ہند کی طرف سے ہندوستان کو روانہ ہوچکی تھی۔ اب یہ تار تمام ملک پر پھیلا دیا گیا ہے اور گورنر جنرل کی امیدوں کے مطابق اس سے فوائد حاصل ہوئے ہیں کیونکہ اس سے سلطنت کا استحکام پورے طور پر قائم ہوگیا ہے اور ملک پر حکومت کرنے کی آسانیاں دس گنی بڑھ گئی ہیں بلکہ موجودہ علوم و فنون کی ترقیوں نے لارڈ ڈلہوزی کے اس بلند پرواز خیال کو بھی پورا کردیا ہے جو

صفحہ ۴۸۷

اُس نے اپنے اُسی مراسلے میں بہ الفاظ ذیل ظاہر کیا تھا:۔

"یہ بھی امید رکھنی چاہیئے کہ ہندوستانی تارِ برقی کا سلسلہ ایک دن اُن سلسلوں سے مربوط کردیا جائے گا جن کا جال اس وقت تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے اور جن کو اب بحر اطلانطک کے پار لیجانے کے منصوبے باندھے جارہے ہیں۔"

صرف یہی نہیں کہ ہندوستانی گورنمنٹ زمانۂ موجودہ میں انگلستان سے روزانہ نامہ و پیام کرسکتی ہے بلکہ حال ہی میں یہ بھی ہوچکا ہے کہ گورنر جنرل کی طرف کا شملہ سے بھیجا ہوا پیامِ تہنیت امریکا کے پریزیڈنٹ کی خدمت میں پہنچ گیا اور وہاں سے جواب بھی آگیا اور اس تمام آمد و رفت میں صرف تین گھنٹے صرف ہوے۔ اس جگہ یہ لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض حسنِ اتفاق تھا یا کارکنانِ قضا و قدر کو اسی میں کوئی مصلحت نظر آتی تھی کہ تسخیر ہندوستان سے پہلے یا پشاور کو سرحدی مستقر بنانے کے وقت بحری تار کا سلسلہ وجود میں نہیں آیا تھا ورنہ مجلس انتظامیہ اور جماعتِ نگراں کار کی طرف سے توسیع مملکت کے متعلق جس بیزاری و نفرت کا ہمیشہ سے اظہار کیا جاتا رہا ہے اُس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ اگر نامہ و پیام کی اس قدر آسانیاں اُس وقت موجود ہوتیں اور ایوانِ ہند کے احکام ہر معاملے میں فی الوقت

باب یازدہم
فصل چہارم

مرشد آباد پہنچنے میں لگتی تھی اُس سے کم وقت ریل کے ذریعے سے کلکتہ سے پشاور پہنچنے میں صرف ہوگا اور تکلیف بھی کم ہوگی۔"

اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے اُسی یادداشت میں اُن تمام ریلوں کے سلسلے کا خاکہ کھینچا تھا جن کے ذریعے سے تینوں احاطوں کو آپس میں ملا دیا جا سکتا تھا اور جن کو بنیادی سلسلے کہنا چاہیئے۔ اُس نے یہ تجویز کی کہ غیر سرکاری کمپنیوں کے ذریعے سے یہ ریلوے لائنیں تیار کرائی جائیں جن کو سلطنت اپنی ضمانت کی امداد پہنچاتی رہے اور ملکی حکومت براہ راست اُن پر اپنی نگرانی رکھے جو ایسی سخت نہ ہو کہ کارکنوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یعنی محض کافۃ النّاس کی بہبودی کے خیال سے مداخلت کیا کرے۔ اسی اصول عمل کی لارڈ ڈلہوزی نے اُس وقت بھی سفارش کی تھی جبکہ وہ انگلستان کی مجلس تجارت کا صدر تھا مگر وہاں شنوائی نہ ہو سکی۔

تار برقی ۱۸۵۲ء

لارڈ ڈلہوزی کے ہاتھوں ایک اور برکت جو ہندوستان کو نصیب ہوئی تار برقی کا سلسلہ تھا جس کی ایجاد کا سہرا سر ولیم اوشانیسی کے سر رہتا ہے۔ اس اولوالعزم نے مسلسل تجربات کے بعد اس میں کامیابی حاصل کی کہ اپنے مستقر کیدگری سے کلکتہ تک پہلا سلسلہ قائم کیا جو خبر رسانی کی آسانی کی وجہ سے بعد کو جنگ برہما میں نہایت کارآمد ثابت ہوا جبکہ ہر ہر گھنٹہ بیش قیمت ہو رہا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے سر ولیم کو فوراً انگلستان روانہ کیا اور ایک مراسلہ اُسی کے ہاتھ مجلس انتظامیہ کے ملاحظے کے لیئے ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ تار برقی کے تجربات نے لارڈ موصوف کے دل میں یہ گہری تمنّا پیدا کر دی ہے کہ سلطنت کے مختلف ممالک کو تار برقی کے ذریعے سے باہم مربوط کر دیا جائے اور لارڈ موصوف کی دلی استدعا یہ تھی کہ مجلس موصوفہ اس سلسلے کو فوراً قائم کرنے کی منظوری عطا فرمادے۔ آخر میں اُس نے لکھا تھا کہ دنیا میں اس وقت ہر چیز کی رفتار تیز ہو رہی ہے مگر ہندوستانی کاروبار اب تک اس سے مستثنیٰ ہے۔ حسنِ اتفاق سے اس زمانے میں ایوان ہند کی صدارت سر جیمس ہاگ

باب یازدہم
فصل چہارم

گروانا تھا اُسی کے اراکین ستائیس سال کے بعد ایک اضطراری حرکت کے ساتھ اُس کی قابلیتوں کو تعظیم دینے کے لیئے اُس وقت سر و قد کھڑے ہو گئے تھے جس وقت کہ وہ کمپنی کی طرف سے ۱۸۱۳ء میں شہادت دینے کیلیئے ایوان حکومت میں داخل ہوا تھا جس ایوان حکومت نے لارڈ ولزلی کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک روا رکھا تھا اُسی نے تیس سال بعد اپنے مجرم کو یہ یقین دلایا کہ اُس کے تمام افعال کا روح و رواں ہندوستان کی بہبودی کا خیال تھا اور اسکا مطمح نظر برطانوی سلطنت کی عزت و وقار کو قائم رکھنا تھا اس لیئے ایوان حکومت بھی اُس کے پر از واقعات اور مہتم بالشان عہد حکومت کو اُسی عزت و احترام کے ساتھ دیکھتا ہے جیسے اُس کے دوسرے اہل وطن دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی بریت میں اور بھی زیادہ عرصہ لگے مگر یہ امر یقینی ہے کہ اُسکی حیثیت صاف ہو کر رہے گی۔ لارڈ ڈلہوزی کے خلاف صرف ایک الزام الحاقی حکمت عملی کا ہے جس کو بعض معترضین جلد بازی سے کام لے کر سالوں کے غدر کا اصلی سبب قرار دیتے ہیں اور یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ جو سفاکیاں اس غدر میں وقوع میں آئی ہیں اُن سے جو نفرت و اشتعال طبائع میں پیدا ہوا ہے اُس کا تقاضا یہی ہونا چاہیئے کہ جس شخص کو اس غدر کا محرک سمجھا جائے اُسی پر تمام غصہ بھی اُتارا جائے۔ اس لیئے لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت کی عظیم الشان خوبیاں اُس وقت تک نظر میں نہیں جم سکتیں جب تک کہ آنے والی نسلیں اس عہد حکومت پر سے ان الزامات کے پردے کو نہ اُٹھا دیں۔

۱۸۵۳ء کا ٹیہ

۱۸۳۳ء کے ٹیٹے کی میعاد ۱۸۵۳ء میں ختم ہو گئی اور طرح طرح سے جان توڑ کر یہ کوششیں کی گئیں کہ ہندوستان کی حکومت کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے چھین لیا جائے مگر جمہور پسند طبقے کی وزارت نے یہ طے کر لیا تھا کہ ابھی یہ حکومت کمپنی ہی کے ہاتھوں میں رکھی جائے مگر پہلے کیطرح میعاد معینہ کے لیئے نہیں بلکہ اُس وقت تک کے لیئے جب تک کہ ایوان حکومت کسی دوسرے نہج کا حکم صادر نہ فرمائے۔ جماعت نگران کار کے صدر سر چارلس وُڈ نے انڈیا بل ایوان حکومت میں پیش کیا اور اُسکے ساتھ ہی

باب یازدہم
فصل چہارم

وصول ہو سکتے تو اُس وقت برطانوی سلطنتِ ہند کا کہیں وجود بھی نہ ہوتا۔

عہدِ حکومت کی شان

لارڈ ڈلہوزی ۶ مارچ ۱۸۵۶ء کو انگلستان روانہ ہوا۔ دارالحکومت کلکتہ کی آبادی تمام میدان میں ایسے حاکم کی روانگی پر افسوس ظاہر کرنے کو جمع ہوئی جس نے سلطنت کو وسیع تر، مستحکم تر اور متمدن تر بنا دیا تھا اور دوست دشمن سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ آٹھ سال کی متواتر جانکاہی نے لارڈ ڈلہوزی کی صحت پر سخت اثر کیا تھا اور چار سال تک صاحبِ فراش رہ کر صرف ۴۸ سال کی عمر میں ۱۸۶۰ء میں انتقال کر گیا۔ اُس کا عہدِ حکومت برطانوی ہند کی تاریخ کا اہم ترین دور تھا۔ اُس کی تمام تجاویز نہایت وسیع و جامع ہوا کرتی تھیں اور اُن پر حقیقی ترقی کی مُہر لگی ہوتی تھی۔ یہ نہیں کہ صرف ذرا سی دیر کی چوندھیا دینے والی جگمگاہٹ ہو گئی اور بس۔ اپنے فہم رسا اور عقلِ سلیم کی رہبری کی وجہ سے اُس کے ارادے ہمیشہ مستقل اور اُس کی شخصیت ہمیشہ زبردست رہی۔ اگر وہ اپنے ماتحتوں سے خوب دبا کر کام لیتا تھا اور ضابطے کی آہنی گرفت میں اُنھیں رکھتا تھا تو وہ خود بھی تندہی اور جانکاہی کے ساتھ سلطنت کے کاروبار میں برابر مصروف رہتا تھا اور اپنے فرائض کی ادائگی میں اُسے اس درجہ انہماک تھا کہ اُس کے کارن وہ اپنی فرصت۔ اپنے آرام۔ اپنی آسائش اور اپنی زندگی کو بھی قربان کر بیٹھا۔ جو مسئلہ اُس کے سامنے آتا تھا اُس کی تحقیقات صبر و استقلال سے کی جاتی تھی اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی خواہش نہایت ایمانداری کے ساتھ مدِ نظر رہتی تھی۔ ہر موضوع پر موافق و مخالف جتنی رائیں ہوتی تھیں وہ اُن سب کو بلا جنبہ داری کے ترتیب دیتا تھا اور جو نتیجہ وہ خود نکالتا تھا اُس کے لیئے ایسے سنگین دلائل پیش کرتا تھا کہ اُن کی حقیقت پر نہ اُس کے معاصرین کوئی اعتراض کر سکتے تھے نہ جمہور زبان کھول سکتے تھے گو زبردست جنرلوں کی قطار میں وہ بھی اُسی منصۂ شہود پر جلوہ گر نظر آتا ہے جس پر وارن ہیسٹنگز اور لارڈ ولزلی ہیں اور اُن ہی کی طرح اُس کے ضابطے کی شخصیت کو لوم لائم کا آماجگاہ بننا پڑا ہے۔ وارن ہیسٹنگز کو جس ایوانِ حکومت نے ملزم

صفحہ ۱۶۸

اس منصب پر سربلند کردیا جاتا تھا بلکہ ایک موقع پر تو ایک ایسا فوجی افسر تھا جس کو صرف مدراس کے محکمۂ رسد رسانی کی اصلاح کرنے کے صلے میں کونسل کا رکنِ اعلیٰ بنا دیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ اس بے جوڑ طریق عمل کے مطابق گیارہ سال میں بنگال کے دس گورنر اور ڈپٹی گورنر مقرر ہوئے اور ہٹا لئے گئے۔ اس آئے دن کے تغیر و تبدل اور ناگزیر نظم حکومت کے دوران میں سکرٹری کا عہدہ سر فریڈرک ہالیڈے کے سپرد رہا تھا اور صاحب موصوف کے مقامی تجربات و معلومات اور اُس کی معاملہ فہمی اور باریک بینی کے طفیل میں دولاب حکومت ایک حد تک اچھا خاصہ چلتا رہا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء کے وقت سر فریڈرک ہالیڈے کی حسن خدمات کے صلے میں اُسی کو صوبۂ بنگال و بہار کا لفٹنٹ بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۳ء کی تیسری ترمیم کے مطابق عطائے ملازمت کے اختیارات مجلس انتظامیہ سے لے لئے گئے تاکہ آزادانہ مقابلے کے لئے میدان کھل جائے۔

باب دوازدہم

فصل اوّل

لارڈ کیننگ کا عہد حکومت۔ کالوں کا غدر۔ میرٹھ۔ دہلی۔ پنجاب

لارڈ کیننگ کا عہدِ حکومت ۱۸۵۶ء

لارڈ ڈلہوزی کا جانشین لارڈ کیننگ ہوا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تیرھواں اور آخری گورنر جنرل اور ملکۂ معظمہ کا پہلا ویسرائے تھا۔ اس کا باپ جارج کیننگ ۱۸۲۲ء میں گورنر جنرل مقرر کیا گیا تھا لیکن اُس کے انگلستان سے روانہ ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ موجودہ لارڈ کیننگ اس وقت سے پہلے بیس سال تک

باب یازدہم
فصل چہارم

ایک نہایت جامع و مانع تقریر پانچ گھنٹے تک کی۔ جس وقت کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ سر چارلس وُڈ کو اس عہدے پر متمکن ہوئے ابھی صرف پانچ ہی مہینے ہوئے تھے اور اُس کو ہندوستانی معاملات سے بالکل بیگانہ ہونا چاہیئے تھا تو اس سے سر چارلس کی معاملہ فہمی اور باریک بینی کا پتہ چلتا ہے کہ اُس نے ایک ایسی زبردست اور متمدن حکومت کا خاکہ کھینچا تھا جو بعد میں لفظ بلفظ حقیقی اور اصلی ثابت ہو کر رہا۔ صرف تین خاص ترمیمیں گزشتہ پٹے کی شرائط میں کی گئیں۔ مجلس انتظامیہ کے اراکین کی تعداد بجائے تیس کے اٹھارہ رکھ دی گئی اور موجودہ تعداد میں سے چھانٹنے کے لیئے قرعہ اندازی کا بے نظیر اصول برتا گیا جسے ایوانِ ہند کے سکرٹری سر جیمس میلویل نے تجویز کیا تھا۔ اس تخفیف شدہ تعداد میں بھی ایک خاص تعداد تاج کی طرف سے انتخاب کی جانے والی تھی۔ پُرانے طریقے کے مطابق ہندوستان کے بہت سے سربرآوردہ حکام جو انگلستان کو واپس آجاتے تھے وہ مجلس انتظامیہ میں جگہ نہیں پاسکتے تھے کیونکہ عام انتخاب کے لیئے جس دردسری اور بعض موقعوں پر عاجزی کے ساتھ اپنے موافق رائیں حاصل کرنی ہوتی تھیں اور جتنی کچھ محنت و طوالت اس میں برداشت کرنی پڑتی تھی ان سے ایسی طبیعتیں یقیناً گریز کرتی تھیں جو ہندوستان میں حکومت کرنے کی عادی ہوگئی تھیں۔

صفحہ ۶۸۴

موجودہ طریقے کے مطابق وزیر اعظم کے لیئے یہ آسانی ہوگئی تھی کہ وہ جس قابل شخص کی خدمات سے امداد لینا چاہتا تھا اُسے تاج کی طرف سے انتخاب کے ذریعے سے حاصل کرسکتا تھا۔ دوسری ترمیم یہ تھی کہ بنگال اور بہار کی حکومت ایک علیحدہ لفٹننٹ گورنر کے سپرد کردی گئی۔ ان دونوں صوبوں کی آبادی کم و بیش پانچ کروڑ تھی اور آمدنی کُل ملک کی آمدنی سے ایک ثلث تھی اور انکی حکمرانی اب تک گورنر جنرل کے ہی سپرد رہتی چلی آئی تھی۔ گورنر جنرل عموماً سال میں چھ ماہ دوروں پر باہر رہتا تھا اور اُس کی عدم موجودگی کے زمانے میں ان صوبوں کی حکومت کونسل کے رکنِ اعلیٰ کی طرف منتقل ہوجاتی تھی جو بعض اوقات کوئی خالص فوجی آدمی ہوتا تھا جس کو جنگی خدمات کے صلے میں

باب دوازدہم
فصل اوّل

نفرت و مخاصمت کے خیالات پھیلاتے رہیں۔ سوء اتفاق سے اودھ کا چیف کمشنر ایک اہل قلم مسٹر کوربی جیکسن کو مقرر کیا گیا تھا جو اس عہدے کا کسی طرح اہل نہیں تھا۔ بجائے اس کے کہ آؤٹرام اور سلیمین کی طرح مسٹر جیکسن اودھ کی رعایا برایا کو غیر ملکی حکومت کے ساتھ مانوس کرنے میں محنت و کوشش کرتا اُس نے یہ کیا کہ اپنا وقت اپنے ماتحتوں کے ساتھ بے موقع اُلجھنے میں صرف کیا اور زمینداروں اور جاگیرداروں کی اراضیات پر قبضے وغیرہ کی نوعیت میں مداخلت کرکے اُس نے متکبر طبقۂ جاگیرداران اودھ کے اندر سرکشی و بغاوت کا بیج بو دیا۔

دہلی میں بے چینی

ہندوستان کے پُرانے اسلامی دارالحکومت میں جہاں کوتہ اندیشی سے اب تک بے اختیار شاہی خاندان کو اپنی بساطِ شطرنج بچھائے رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی برطانوی گورنمنٹ کی کارروائیوں نے سخت مخاصمت کے جذبات دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ بعض پرانے اراکین مجلس انتظامیہ کے خود مندانہ مشورے کے خلاف جماعت نگرانکار نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ شاہی خاندان کو اب دہلی سے علیحدہ کردیا جائے اور موجودہ بادشاہ بہادر شاہ کے بعد شاہی کا خطاب بھی منسوخ کردیا جائے اور اسکے لوازمات بھی بند کردیئے جائیں چونکہ مجلس انتظامیہ نے ان تجاویز کی مخالفت کی تھی اسلیئے اُسکے اراکین کی مخالفت کا غیر معمولی احترام کرکے لارڈ ڈلہوزی نے اس تجویز پر عمل کرنا ملتوی کردیا تھا اور اب یہ معاملہ لارڈ کیننگ کی عقل سلیم کے سپرد ہوا جس نے فوراً یہ نتیجہ نکالا کہ قلعۂ معلی جس کا دور ایک میل کا تھا اور جو شاہی محل بھی تھا اور شہر کا مستحکم حصار تھا در جنگی اغراض کے لیئے جس کی سخت ضرورت تھی گورنمنٹ ہندوستان کے قبضے میں رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ شاہِ دہلی کو ایک مراسلہ اس موضوع پر لکھا گیا جس میں یہ بھی ظاہر کردیا گیا کہ شاہ کے بیٹے محمد قریش کو شاہ کا جانشین تسلیم کیا جائے گا مگر شاہی کا خطاب اُس کے ساتھ نہیں لگایا جائیگا بہادر شاہ کی نوجوان اور بہت محبوب بیگم زینت محل اس فکر میں تھی کہ اُس کے بطن کا شہزادہ وارث بنے اس لیئے اُسے ایک تو اپنے بیٹے کے محروم

صفحہ ۴۹۱

باب دوازدہم
فصل اوّل
صفحہ ۴۹۰

ایوان خاص کا ممبر رہ چکا تھا اور سلطنت کے کئی عہدوں پر سرفراز کیا جا چکا تھا اس لیئے اُس کو آداب ضابطہ کا بہت پورا تجربہ تھا۔ مجلس انتظامیہ نے جو الوداعی ضیافت اُس کو دی تھی اُس میں یہ قابل یادگار الفاظ لارڈ کیننگ کے منھ سے نکلے تھے:۔

میری دلی تمنّا یہ ہے کہ مجھے پر امن عہد حکومت نصیب ہو مگر میں اس کو نہیں بھول سکتا کہ ہندوستان کے صاف آسمان پر بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آدمی کی ہتھیلی کے برابر نظر آتا ہے جو رفتہ رفتہ بڑھ کر یکایک طوفان کی طرح برس پڑنے کو تیّار ہو جاتا ہے اور سب کو سیلاب فنا میں بہا لے جاتا ہے۔"

مندرجۂ ذیل واقعات واضح کر دیں گے کہ اُس کا یہ نظریہ کس درجہ روشن ضمیری پر مبنی ثابت ہوا۔ اس کا تمام عہد حکومت ایسے سلسلۂ واقعات کے ساتھ ممتاز رہا ہے جو اپنی عظمت و ہیبت کے اعتبار سے عدیم النّظیر تھے یعنی ڈیڑھ لاکھ ہندوستانی فوج کا غدر کرنا پھر اُن کا استیصال کامل۔ انگریز مرد عورت اور بچّوں کا بے صرفہ قتل کیا جانا۔ ممالک مغربی و شمالی کا انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جانا اور پھر ہاتھ آ جانا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا بالکل توڑ دیا جانا اور سلطنت ہند کا تاج برطانیہ سے متعلق ہو جانا۔

بے چینی کے آثار اودھ لارڈ کیننگ فروری ۱۸۵۶ء کی آخری تاریخ کو کلکتے کے ساحل پر اترا اور دو ہفتے تک لارڈ ڈلہوزی کے ساتھ تبادلۂ خیالات سے مستفیض ہوتا رہا جس کا یقین یہ تھا کہ ہندوستان اس وقت کامل امن و سکون کی حالت میں ہے۔ جیسے جیسے سال کے دن گزرنے لگے بے چینی کے عناصر جو فوری خدشہ نہیں رکھتے تھے ظاہر ہونے شروع ہو گئے اودھ کے معزول بادشاہ کو کلکتے کے مضافات میں قیام کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور اُس کے ہوا خواہ برابر اس میں سرگرم تھے کہ خاص دارالحکومت اور اُس کے قرب و جوار میں برطانوی حکومت کے خلاف

باب دوازدہم فصل اوّل

اب تک ٹھیک ٹھیک کر رکھنے کا عادی بنا چکے تھے۔ دیسی لشکر میں چالیس ہزار سے زائد رنگروٹ ایسے تھے جو اودھ سے بھرتی کیئے گئے تھے اور اُن کو انگریزی دامن دولت کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیئے اُن کے ساتھ یہ خاص رعایت روا رکھی گئی تھی کہ جب وہ اپنے سپہ سالار کی تصدیقی تحریر پیش کر دیتے تھے تو اُن کے مقدّمات خاص عدالت میں سماعت کیئے جاتے تھے۔ یہ خاص مراعات جن سے اُن کو اپنے مواضعات میں اہمیت وشان حاصل ہو جاتی تھی

صفحہ ۴۹۲

مملکتِ اودھ کے الحاق کے وقت منسوخ ہوگئیں اور اس سے بڑی بےچینی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ علاوہ براں اب تک بنگال کی صرف چھ رجمنٹیں غیرملکی خدمات کے لیئے مخصوص کرکے بھرتی کی گئی تھیں اور ۱۸۵۶ء میں گورنمنٹ نے ایک روبکاری یہ نافذ فرمایا کہ آیندہ کسی ایسے شخص کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جائے گا جو ضرورت کے وقت سمندر کا سفر اختیار کرنے پر حلف نہ لیگا۔ یہ حکم ضروری بھی تھا اور معقول بھی تھا مگر اس سے بھی ہر رجمنٹ میں سخت بےچینی کے خیالات پیدا ہو گئے کمپنی کی فوجی ملازمت کو اب تک ایک موروثی ذریعۂ عزت سمجھا جاتا تھا لیکن اس نئے قاعدے کے مطابق اعلیٰ قوم کے سپاہیوں کے بیٹے بھتیجے جو جگہیں خالی ہونے کے انتظار میں بیٹھے تھے اب اس بات پر مجبور ہو گئے کہ یا تو فوجی ملازمت کا خیال ہی ترک کردیں یا کالے پانی کو پار کرکے اپنا دھرم بھرشٹ کریں۔

چکنے کارتوس

یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ باوجود دہلی اور لکھنؤ کے شاہی خاندانوں کے بےچینیاں پھیلانے کے بھی سپاہیوں کی بے اطمینانی بڑھتے بڑھتے عام فوجی غدر کی صورت اختیار کرلیتی اور وہ سفاکیاں عمل میں آتیں جو ایسے غدر کے ساتھ لازم تھیں یا نہیں مگر چربی دار کارتوسوں کے ناگہانی واقعے نے گورنمنٹ کے دشمنوں کے ہاتھ میں ایک فتیلہ دیدیا جس سے تمام آتشگیر مادہ بھک سے اُڑا دیا گیا۔ یہ تجویز کی گئی تھی کہ پیدل فوج کے پرانے دھماکوں کے بدلے ایک اعلیٰ درجے کی خاردار بندوق رکھی جائے جس میں بغیر چکنائے ہوئے کارتوس چڑھ نہیں سکتا تھا کلکتے کے قریب

باب دوازدہم
فصل اول

ہونے کا صدمہ دوسرے شاہی خاندان کے عزّ و وقار اور شاہی حقوق سے محروم کردئیے جانے کا بھی سخت قلق ہوا۔ اس بیگم نے جس جس طرف ہاتھ بڑھا برطانوی گورنمنٹ کے خلاف مخاصمت و بغاوت کے کل پرزوں کو حرکت دینی شروع کی نہ صرف ہندوستان کے مسلمان طبقے میں بلکہ دکن میں بھی۔ اور اپنی سازشوں کا جال ایران تک پھیلایا جو اُس وقت برطانیہ سے برسرِ جنگ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایسی افواہیں بھی اڑائی گئیں کہ لارڈ کیننگ کو ملکۂ انگلستان نے بطورِ خاص یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو بالجبر دینِ علیسوی میں داخل کرے۔ اُسی زمانے میں کسی کی یہ پیشین گوئی بھی زباں زدِ ہو رہی تھی کہ کمپنی کا راج صرف ایک صدی رہیگا اور ۱۸۵۷ء پر جنگ پلاسی کی صدی ختم ہو جاتی ہے۔ اس پیشین گوئی کی بڑے اہتمام سے تبلیغ کی جا رہی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنے پورے ہونے کے اسباب خود مہیّا کر لیئے۔ یعنی مخلوق کے ذہن میں یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا کہ برطانوی گورنمنٹ کا حشر بھی اب قضا و قدر کے ناطق فیصلے کے مطابق ہونے والا ہے اس میں ذرا شبہہ و شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ۱۸۵۶ء کے اختتام تک عام طبیعتیں مذبذب ہو چلی تھیں اور ایک مبہم سا خدشہ کسی مہلک حادثے کا ملک کے عام و خاص طبقات میں پھیلتا جا رہا تھا۔

دیسی فوج

دیسی سپاہ خواہ اپنے دیسی رئیسوں کے پاس رہی ہو خواہ انگریزی جھنڈے تلے جمع ہوئی ہو مگر کبھی سرکشی کی روح اُس سے فنا نہیں ہوئی تھی ہندھیا۔ ہلکر اور دیگر مرہٹہ رئیسوں کو اکثر اپنے آمادۂ بغاوت سپاہیوں کے ہاتھوں بڑی بڑی تشویشوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ رنجیت سنگھ صاف الفاظ میں کہہ گیا تھا کہ مجھے اپنے دشمن سے زیادہ اپنی فتحمند فوجوں کا ڈر رہتا ہے۔ کمپنی کی سپاہ میں بکسر کی ۱۷۶۴ء کی پہلی بغاوت سے لے کر شکارپور کی ۱۸۵۰ء کی آخری بغاوت تک متواتر سرکشیاں ظہور میں آتی رہی تھیں جو کم و بیش سنگین بھی تھیں۔ ۱۸۵۶ء میں دو خاص اسباب شورش ایسے تھے جنھوں نے اُن لوگوں کے دلوں کو بےچین کر دیا تھا جن کو ہم

باب دوازدہم
فصل اوّل

اُن کو موم لگا کر چکنا کرلیں۔ باوجودیکہ جنرل ہیرسے اپنے سپاہیوں میں نہایت ہر دلعزیز تھا مگر اس وقت مارے جوش کے سپاہی عقل و تمیز سے بیگانہ ہو رہے تھے۔ اور اُن کو راہِ راست پر لانا محال نظر آتا تھا جب اُن پر یہ ثابت کر دیا گیا کہ کارتوسوں میں ہرگز چربی کا کہیں وجود نہیں ہے تو انھوں نے یہ بات نکالی کہ کارتوسوں کا چکنا کاغذ پلید کرکے لگایا گیا ہے۔ سرکاری ڈاک میں اس قسم کے خطوط کی بھرمار ہونے لگی اور چند ہی روز کے اندر تمام ہندوستان میں یہی مذہب بگڑ جانے کا خدشہ اور اُس کے ساتھ یہی جوش پھیل گیا۔ چھوٹا سا ہتھیلی کے برابر بادل کا ٹکڑا رفتہ رفتہ بڑا ہونا شروع ہوگیا اور ہر لحظہ طوفان بن کر برس پڑنے اور گورنمنٹ کو سیلاب فنا میں بہالے جانے کی دھمکی دینے لگا۔

گورہ فوج کی قلت

خاص ایسے وقت میں جبکہ سلطنت کے خطرات انتہا کو پہنچے جارہے تھے ان خطرات کے تدارک کرنے کے ذرائع کی کمی تھی یعنی ہندوستان سے بڑی حد تک گورہ فوج واپس لے لیگئی تھی اور اس وقت ہندوستانی فوج کے جوشِ اشتعال کو قابو میں کرنے کیلئے اسی فوج کی سخت ضرورت تھی۔ باوجود لارڈ ڈلہوزی کی متواتر اور تاکیدی فہمائشوں کے رجمنٹ پر رجمنٹ ہندوستان سے برابر بلائی جاتی رہی تھی اور آخرکار مجبور ہوکر لارڈ موصوف کو یہ کہدینا پڑا تھا کہ اگر مزید گورہ فوج واپس بلائی گئی تو ایسی حالت میں گورنر جنرل ہرگز سلطنتِ ہند کے حفظ امن کا ذمہ دار نہیں ہوسکے گا۔ پھر بھی لارڈ ڈلہوزی کی واپسی کے بعد چار رجمنٹیں اور ایران کو بھیج دی گئی تھیں۔ زمانۂ قدیم سے یہ طریقہ رکھا گیا تھا کہ تین دیسی رجمنٹوں کے ساتھ ایک یوروپین رجمنٹ رکھی جاتی تھی اور یہی تناسب نہایت محفوظ و پُرامن تھا مگر اس وقت بجائے اس کے کلکتے اور آگرے کے درمیان ہر دس دیسی رجمنٹوں کے مقابلے میں صرف ایک گورہ رجمنٹ تھی۔ لارڈ لارینس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر غدر کے وقت سے پہلے ہندوستان میں صرف پانچ ہزار گورہ فوج اور ہوتی تو یہ غدر ہو نہیں سکتا تھا مگر حالت یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو یہ یقین

باب دوازدہم
فصل اوّل

دمدم وہ مقام تھا جہاں فوجی بندوق بازی سکھانے کا مدرسہ تھا۔ اوائل جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک نیچ قوم کے آدمی نے ایک برہمن سپاہی سے اُس کے پیتل لوٹے کا پانی پینے کو مانگا مگر اُس کی نیچی ذات کی وجہ سے برہمن نے انکار کر دیا۔ اس پر نیچ قوم والے نے طنز سے کہا کہ سب اُتم اور مدھم ذاتیں بہت جلد ایک ہوئی جاتی ہیں کیونکہ کارخانے میں گائے کی چربی اور سُور کی چکنائی سے تر کیئے ہوئے کارتوس تیار ہو رہے ہیں جو مجبوراً سب سپاہیوں کو استعمال کرنے پڑیں گے۔ یہ وحشت انگیز خبر جھاڑی کی آگ کی طرح آناً فاناً میں دمدم کے سپاہیوں اور بارک پور کی چاروں رجمنٹوں میں پھیل گئی۔ شاہ اودھ کے ہواخواہوں نے بڑے اہتمام سے یہ خبر اڑانی شروع کی کہ ایک بڑے پرانے منصوبے کی تکمیل کرنے کے لیئے اب گورنمنٹ نے لندن کے خاص احکام کے مطابق کارتوسوں کو ایسی چربیوں سے چکنایا ہے جو ہندو مسلمان دونوں کا دین دھرم بگاڑنے والی ہیں اس کے بعد سب کو زبردستی عیسائی بنا لیا جائے گا۔ تمام رجمنٹوں پر خشم و غصّے کا انتقام انگیز بھوت سوار ہو گیا جس کا ثبوت اُن سرکشانہ آتش زدگیوں سے ملنے لگا جو برابر ہر رات کو کسی افسر کے بنگلے یا سرکاری عمارت میں واقع ہوتی تھیں۔

جوش کو فرو کرنے کی کارروائیاں — کلکتہ گورنمنٹ کو جس وقت چربی دار کارتوسوں کی خبر سے جوش پھیلنے کی اطلاع پہنچی اُسی وقت اس کو فرو کرنے کے لیئے مناسب کارروائیاں شروع کر دی گئیں

صفحہ ۳۴۹

بالائی ہند کے تمام فوجی مستقروں پر تار کے ذریعے سے ہدایات بھیج دی گئیں کہ جو کارتوس دیئے جائیں وہ بغیر چکنائے ہوئے دیئے جائیں۔ بارک پور میں جنرل ہیرسے نے سپاہیوں کو یقین دلایا کہ اُن کو کسی قسم کے وسواس کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے اور گورنمنٹ کبھی اُن کی ذات پات کے معاملے کے خلاف کوئی سازش نہیں کرنی چاہتی ہے۔ کارتوسوں میں ہرگز چربی نہیں لگائی گئی ہے اور وہ سادے کارتوس لے لیں اور بطور خود

باب دوازدہم
فصل اوّل

سالانہ وظیفے میں حاصل کیا تھا جو سب کا سب وہ نانا صاحب کے لیئے چھوڑ مرا تھا۔ نانا صاحب نے اپنے لیئے گورنمنٹ سے آٹھ لاکھ روپے سالانہ کے وظیفے کا مطالبہ کیا تھا جس کی منظوری دینے سے انکار کر دیا گیا تھا اس لیئے اُس نے قسم کھائی تھی کہ گورنمنٹ سے انتقام لے گا۔ چنانچہ سال کے ابتدائی زمانے میں بیشتر وہ اودھ اور دیگر اضلاع کا دورہ کرنے اور تخم بغاوت بونے میں مصروف رہا تھا۔

دیسی رسالہ ۳ کے سوار مقیم میرٹھ جو اکثر مسلمان تھے سب سے پہلے علانیہ سرکشی کے مرتکب ہوے۔ قواعد کے میدان میں انھیں سمجھا دیا گیا تھا کہ انھیں کارتوسوں کو منھ سے کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ صرف سرے کو انگلی سے توڑ دیں لیکن ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو جن نوے آدمیوں کو کارتوس دیئے گئے تھے اُن میں سے پچاسی نے اُن کو ہاتھ ہی لگانے سے انکار کر دیا چنانچہ اُن کو جنگی عدالت میں پیش کیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ جنگی عدالت گھوڑچڑھے توپ خانے اور پیدل اور سواروں کے پندرہ ہندوستانی افسروں پر مشتمل تھی اور ۱۴ کے اتفاق رائے سے وہ سوار عدول حکمی کے مرتکب پائے گئے اور دس دس سال قید بامشقت کی سزا اُن کے لیئے تجویز کی گئی۔ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو دیگر سپاہیوں اور سواروں کے سامنے قواعد کے میدان میں ان مجرموں کی وردیاں اتروائی گئیں اور اُن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ ان میں سے بعض تمام فوج کی ناک تھے اور کئی کئی معرکوں میں سلطنت کی خدمات انجام دے چکے تھے اور انھوں نے جرنیل سے رحم کی درخواست کی کہ اس ذلت سے معافی دی جائے۔ اب سپاہیوں کے دل میں صرف اپنی ذات بگڑنے کا ہی وسوسہ نہیں رہا تھا بلکہ اُس کے ساتھ ہی غصے کی آگ بھی یہ دیکھ کر بھڑک اٹھی تھی کہ اُن کے بیڑے والوں کو بدمعاشوں کی طرح جیل خانے بھیج دیا گیا۔ یہ تمام کارروائی سپاہیوں کی نظر میں فوجی حکام کی ناقابل توجیہ چیرہ دستی اور کمانڈر انچیف کی پُرنخوت اقتدار پسندی پر مبنی تھی۔

صفحہ ۲۹۵

باب دوازدہم
فصل اول

ہو گیا تھا کہ اب اس ملک میں گورہ فوج کا وجود ہی نہیں رہا ہے۔ جب معاملے کی صورت بالکل ہی دگرگوں نظر آنے لگی تو لارڈ کیننگ نے رنگون سے رجمنٹ ۸۴ کو طلب کر لیا اور اس کی آمد پر انیسویں دیسی رجمنٹ کو قابو میں کر کے بالکل توڑ دیا جس نے برہان پور میں بغاوت کی تھی۔

میرٹھ میں علانیہ بغاوت

اپریل ۱۸۵۷ء کا مہینا بہت کم بدامنی مگر سخت بےچینی کے ساتھ گزر گیا۔ بعد کو یہ حال کھلا کہ ایک عام سازش کی ترتیب

صفحہ ۴۹۴

تمام ہندوستانی فوج میں باقاعدہ کی گئی ہے تاکہ ہندوستان کے ہر فوجی مستقر میں سب سپاہی ایک ہی وقت میں ایک ساتھ بغاوت کریں اور اس کے لئے مئی کے آخری ہفتے کے اتوار کی شام مقرر کی گئی تھی کہ جس وقت گرجاہیں نماز ہوتی ہو اس وقت تمام یورپین بلا لحاظ عمر یا جنس کے قتل کر دیئے جائیں لیکن میرٹھ میں ایک ناگہانی کارروائی سے قبل از وقت مواد پھوٹ نکلا۔ میرٹھ تمام شمال مغربی صوبے میں سب سے بڑی اور سب سے اہم چھاؤنی تھی اور توپخانے کا صدر مقام بھی یہی تھا اس لئے یہاں کی ہر نقل و حرکت کا اثر تمام دوسری چھاؤنیوں پر پڑنا لازمی تھا۔ یہاں پر محکمۂ اسلحہ سازی خاص سپاہیوں کی نظر کے سامنے چکنائی لگے ہوئے کارتوس بنانے میں مصروف رہا تھا۔ عام جوش جو خاص چھاؤنی اور اس کے مضافات میں پھیلا ہوا تھا اس کو زیادہ ترقی دینے کے لئے نئی نئی متوحش خبریں اڑائی جاتی تھیں۔ یہ مشہور کیا گیا کہ بازار میں جو آٹا بکتا ہے اس میں ہڈیاں پیس کر ملا دی گئی ہیں اور نمک کو بھی کسی طریقے سے پلید کر دیا گیا ہے۔ ان سے زیادہ سفیہانہ دروغ بافیاں اور کیا ہو سکتی تھیں مگر یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ گورنمنٹ کے دشمنوں نے موجودہ جوش و خروش سے فائدہ اٹھا کر سپاہیوں کے اشتعال کو بالکل التہاب کے درجے تک پہنچا دینے اور تمام ملک میں غدر کی آگ لگا دینے کا اچھا موقع پالیا تھا۔ شمال مغربی صوبے میں تمام سازشیوں کا سرغنہ دوندو پنتھ تھا جس کا عرفِ عام نانا صاحب تھا۔ یہ معزول پیشوا باجی راؤ کا متبنّٰی بیٹا تھا جس نے اپنے دورانِ قیام بٹھور میں گورنمنٹ سے تقریباً ڈھائی کروڑ روپیہ اپنے

باب دوازدہم
فصل اوّل
صفحہ ۴۹۶

شہر دہلی میں ایسے وقت میں ضرور پہنچ جاتے کہ وہاں کے انگریزوں کی جانیں بچا لیتے۔ اور غدر کو بڑھنے دینے سے روکے رہتے۔ مگر بدبخت ہیوٹ نے اپنے سواروں کو صرف گرد آوری کرکے واپس آجانے کا حکم دیا تھا اور بس۔ رسالہ ۳ کے پیچھے ہی پیچھے دیسی پیدل سپاہ بھی چلی اور شہر دہلی میں جو فوج ۳۸ موجود تھی اُس کی شرکت سے قتل و غارت کا کام شروع کر دیا۔ کمشنر۔ پادری اور اُس کی بیٹی۔ اور دوسرے انگریز جو ہاتھ پڑے فوراً قتل کر دیئے گئے دہلی بنک لوٹ لیا گیا اور اُس کے تمام مکین قتل کر دیئے گئے۔ دہلی کا مخزن حرب جو صوبۂ شمال مغربی میں سب سے بڑا مخزن تھا صرف نو انگریزوں اور چند غدار ہندوستانیوں کی حفاظت میں تھا۔ باغیوں نے اُس کی دیواروں پر سیڑھیاں لگائیں اور اُن پر ٹڈی دل چڑھنا شروع ہوا مگر لفٹیننٹ ولبی نے اُس سرنگ کو بتی لگا دی جو اُس نے پہلے سے بچھا دی تھی اور تمام مخزن کو دشمن کے ہاتھ میں جانے سے بچانے کے لیئے اُڑا دیا جس کے ساتھ ہی ڈھیروں باغی بھی اُڑ گئے۔ ان بہادر انگریزوں میں سے کسی کو سرنگ اُڑتے وقت بچ جانے کی امید نہیں تھی مگر اُنھوں نے اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کرکے امتیازی جاں نثاری کا ثبوت دیا۔ تعجب یہ ہے کہ اس حادثے کے بعد بھی نو میں سے چار بچ رہے۔

شہنشاہی کا اعلان اب شہر پورے طور پر باغیوں کے ہاتھ آگیا۔ جن انگریزوں نے صدر پہرے میں پناہ لی تھی اُن کو ۳۸ کی پاڑھوں نے فنا کر دیا۔ چھاؤنی جو شہر پناہ کے باہر تھی اُس میں دو ہندوستانی رجمنٹیں تھیں جو فوراً اپنے انگریز افسروں کے خلاف کھڑی ہو گئیں۔ اُن کے بنگلوں کو آگ لگا دی اور توپوں کا رُخ اُن ہی کی طرف پھیر دیا۔ ان میں سے بعض افسر اور بعض کی بیویاں کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگے اور بہت سے فسانے اُن نازک اندام خاتونوں کے بیان کیئے جاتے ہیں جن میں سے بعض اپنے بچوں کو گود میں لیئے ہوئے ماہ مئی کی چلچلاتی دھوپ میں گھروں سے جنگلوں میں پناہ لینے کے لیئے نکل کھڑی ہوئیں یا ندی نالوں میں سے گھس کر گئیں اور اُن کے

باب دوازدہم
فصل اوّل

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کی شورش

دوسرے دن ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو بروز یکشنبہ شام کے وقت جب یورپین گرجا گھر کو جا رہے تھے دیسی فوجوں نے شورش کر دی۔ رسالہ ۳ کے سوار جھپٹ کر جیل خانے پہنچے جہاں صرف دیسی سپاہیوں کا پہرہ تھا اور اپنے بیڑے والے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ پیدل اور سوار۔ ہندو اور مسلمان سب متفق ہو گئے اور جتنے یورپین مرد عورت اور بچے ہاتھ پڑے اُن سب کو تہ تیغ بے دریغ کر ڈالا پچاس برس پہلے کرنل گیلیسپی نے گورہ سواروں کے ایک دستے اور چند گھوڑ چڑھی توپوں کی امداد سے بغاوت ویلور کو فی الفور فرو کر دیا تھا اور دکن کو بچا لیا تھا۔ میرٹھ کی گورہ فوج میں اُس وقت ایک پلٹن بندوقچیوں کی تھی۔ ایک رسالہ سواروں کا تھا اور ایک بڑا گھوڑ چڑھا توپ خانہ تھا اور جنرل گیلیسپی اگر اُس وقت بھی اسی مستعدی سے کام لیتا تو میرٹھ کو بھی بچایا جا سکتا تھا اور وہ چیز بھی روک دی جاتی جسکی بنیاد پر غدر ڈالنا چاہتے تھے لیکن چھاؤنی کا افسر اعلیٰ جنرل ہیوٹ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا جس کے نہ دست و بازو میں کچھ زور تھا نہ دل میں ہمت تھی۔ اور تھا اس قدر لحیم و شحیم کہ ایسے زبردست مستقر کی سپردگی کا کسی طرح سے اہل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ساری رات افسروں کے بنگلوں کے جلائے جانے اور عیسائیوں کے بلا امتیاز قتل کیئے جانے میں بسر ہوئی اور کوئی تدارک کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جن عورتوں اور بچوں نے باغوں میں پناہ لی تھی اُن کو وہاں سے گھسیٹ کر نکالا گیا اور باغیوں کے ہولناک نعروں کے ساتھ گولیوں سے مار دیا گیا۔ بدچلن چیلخانو کے کوڑا کرکٹ۔ بازار کے چور گرہ کٹ اور میرٹھ کے تمام پاس کے شہر سے اور گاؤں کے جاہل گنوار سب آزاد ہو گئے اور جہاں کہیں کسی انگریزی بنگلے کو جلانا یا غارت کرنا منظور ہوا تو وہاں خوب لوٹ اور غارت مچاتے تھے۔

دہلی کی سفاکیاں

صبح کو یہ معلوم ہوا کہ باغی لوگ دہلی کی سڑک پر روانہ ہو گئے ہیں۔ اُس وقت بھی اگر بندوقچیوں اور توپچیوں کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا جاتا تو بھی اگر باغیوں کو یہ لوگ راستے میں نہ جا لیتے مگر

باب دوازدہم
فصل اوّل

محکموں کو مضبوط بنایا تھا ہندوستان میں برطانوی حکومت قائم ہونے کے وقت سے اس وقت تک کبھی کسی صوبے میں اتنی بڑی تعداد قابل ترین مدبروں اور ماہر ترین قائدوں کی نہیں جمع ہوئی تھی اس عقدِ ثریّا کا سب سے درخشاں ستارہ سر جان لارنس تھا جو اہرام مصری کی طرح ہر سمت کی ہوائے مخالف کے مقابلے کے لیئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اگرچہ اُس کا تعلق اہلِ قلم سے تھا مگر حربی انتظام میں بھی وہ صرف لارڈ ولزلی اور لارڈ ڈلہوزی سے دوسرے درجے پر تھا۔ اور اُس کے پیش پیش مددگاروں میں رابرٹ منٹگمری۔ ڈانلڈ میکلوڈ۔ ہربرٹ ایڈورڈز۔ نیویل چمبرلین اور سب سے بڑھ کر جان نکلسن جیسے قابل اصحاب تھے۔ لیکن عام طور پر جن اہل قلم و اہلِ سیف کی سرگرمی مستعدی۔ جاں بازی و تن دہی نے وہ کامیابیاں اُس موقع پر حاصل کیں جن پر اُن کے وطن کو بجا طور پر فخر کرنا چاہیئے اُن سب صاحبوں میں سے کسی خاص اشخاص کے ناموں کا منتخب کر لینا بہت مشکل ہے۔ ان کے کارناموں کی تفصیلات کے لیئے ناظرین کو کے۔ ای کی تاریخ غدر دیکھنی چاہئے ان تمام قابل لوگوں کا سلسلۂ ارتباط صدر حکومت کلکتہ سے منقطع کر دیا گیا تھا اور اپنے دار الحکومت میں محصور ہو کر ان کو جو کچھ کرنا تھا اپنی سمجھ کے مطابق اور اپنی ہی ذمہ داری پر کرنا تھا۔ اور جب ان کی کارگزاریوں کی قوّت و سرگرمی کا کلکتے کی اس سرکاری کمزوری و کم حوصلگی سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو سب پر ظاہر ہوتی جا رہی تھی تو بے اختیار یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ بھی مصلحتِ الٰہی تھی کہ پنجاب کے حکام کا ارتباط صدر حکومت کلکتہ سے قطع ہو گیا تھا اور وہ اپنی عقل و تمیز کو کام میں لانے کے لیئے بالکل آزاد ہو گئے تھے۔

لاہور میں دیسی سپاہیوں سے ہتھیار لے لینا

لاہور کی چھاؤنی میں اس وقت تین رجمنٹیں دیسی پیدل سپاہ کی اور ایک رسالہ تھا جن کو یہ انتظار تھا کہ کب ڈاک کے ذریعے سے میرٹھ کی بغاوت کی خبر آئے اور کب یہ سب بھی اُٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے مقابلے میں صرف ایک گورہ پیدل رجمنٹ تھی اور دو گھوڑ چڑھے توپ خانے تھے۔ سر جان لارنس تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے

باب دوازدہم
فصل اول

جسموں پر دھجیاں لگی ہوئی تھیں اور کھانے کو کچھ میسر نہیں تھا۔ شہر کے انگریز مرد عورت اور بچے پچاس کی تعداد میں باغیوں کے ہاتھ زندہ گرفتار ہو گئے تھے ان کو کئی روز تک وحشیانہ برتاؤ کے بعد محل شاہی کے احاطے میں کھڑا کیا گیا اور بھاگ نہ پانے کے خیال سے اُن کے گرد ایک رسے کا حلقہ ڈال دیا گیا اور ایک ایک کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا گیا۔ جبکہ دہلی میں ایک انگریز بھی باقی نہیں رہا تو سپاہیوں نے شاہ دہلی کو شہنشاہی پیش کی جس کو اُس نے باضابطہ منظور کر لیا۔ ایک پُرانا چاندی کا تخت ایوان عام میں بچھا دیا گیا جس پر شہنشاہ جلوہ فرما ہوا اور اکیس ضرب توپ سلامی سَر کی گئی اور رعایا برایا نے حاضر ہو کر نذریں پیش کیں اور فرامین شاہی کا نفاذ ہونے لگا۔

لارڈ کیننگ کی نقل وحرکت

۴۹۷ء

کلکتے میں تار برقی سے بجلی کی طرح یہ خبر پہنچی کہ میرٹھ میں بغاوت ہو گئی۔ دہلی ہاتھ سے جاتی رہی اور خاندان مغلیہ کی حکومت پھر قائم ہو گئی۔ لارڈ کیننگ نے فی الفور مدراس سیلون اور بمبئی سے ہر قابل روانگی یورپین سپاہ کی طلبی کی۔ ایک دخانی جہاز فوراً اس غرض سے بھیجا کہ لارڈ الگن کو راستے میں روکے جو چین کو ایک کارِ خاص پر جا رہا تھا اور اُس سے استدعا کرے کہ اُس کے ساتھ جتنی یورپین سپاہ ہے وہ سب فوراً کلکتہ بھیج دی جائے۔ اور ایرانی مہم سے جو فوجیں واپس آنے والی تھیں اُن کو بھی فوری مینے میں کلکتہ پہنچنے کے احکام نافذ کئے گئے۔

پنجاب کی کارروائیاں

تار برقی کے ذریعے سے میرٹھ کی نازک حالت کی اطلاع فی الفور حکام پنجاب کو دی گئی۔ اس صوبے میں گورہ فوج کی تعداد کم و بیش دس ہزار تھی اور سکھ فوج تیرہ ہزار تھی مگر ہندوستانی فوج ان دونوں سے زائد تھی جو بغاوت کرنے کے لئے بالکل تیار بیٹھی تھی۔ مگر پنجاب کی اصلی قوت گورہ فوج کی کثرت تعداد پر منحصر نہیں تھی بلکہ اُن افسروں کی قابلیت میں مضمر تھی جو اُس وقت وہاں کی زمام حکومت ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ پنجاب کو لارڈ ڈلہوزی کا محبوب صوبہ سمجھا جاتا تھا اور اس نے پُرانے صوبہ جات کے بہترین حکام کو پنجاب میں مقرر کر کے اس صوبے کے

باب دوازدہم
فصل اوّل

ضرورت پڑے فوراً کوچ کر دینے کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو وادیِ پشاور کی چاروں ہندوستانی رجمنٹوں کو اچانک گھیر لیا گیا اور بغاوت کرنے سے پہلے اُن سے ہتھیار رکھوا لئے گئے۔ اس اُستادانہ ہتھکنڈے سے وادیِ پشاور کے عام طبقات اور سرداروں پر ایک طلسمی اثر پڑ گیا جو اور بھی اُس وقت زیادہ ہو گیا۔ جبکہ ۵۵ باغی رجمنٹ کو کرنل نکالسن نے شکست دے کر منتشر کیا اور اُس کے بقیۃ السیف سپاہی پشاور کے قواعد والے میدان میں توپ دم کر دیئے گئے مگر دوسرے مستقروں پر اس قسم کی پیش بندیاں کی گئیں نہ ایسی کامیابیاں حاصل ہو سکیں۔ بریگیڈیر جانسن نے جو ہیوٹ کی طرح کا ایک کم سن افسر تھا لدھیانہ کو لٹ جانے دیا اور جلندھر اور فلور کی تین رجمنٹوں کو مع ہتھیاروں کے دہلی کو نکل جانے دیا۔ جہلم کی ۱۴ بھی بغاوت پر تیار پائی گئی اس لئے سر جان لارینس نے اُن کو بے ہتھیار کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی مگر افسر نے ہتھیار سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور سخت خونخوار لڑائی شروع ہو گئی جس میں ہندوستانی سپاہ غالب آ گئی اور دہلی کو کوچ کر گئی۔ اس شکست کی خبر نے سیالکوٹ کی آمادۂ بغاوت فوج کی ہمت بڑھا دی اور انھوں نے اپنے افسروں پر حملہ کیا۔ جیلخانے کو توڑ ڈالا خزانے کو لوٹ لیا۔ یورپین باشندوں کے مکانات لوٹ لئے اور دہلی کی طرف کوچ کیا مگر خدائی انتقام پیچھے آ رہا تھا جس متحرک دستے کی مجلسِ مشاورت میں تجویز کی گئی تھی اس کی قیادت کرنل نکالسن کے سپرد ہوئی اور اُس نے اپنی حسنِ قابلیت و سرگرمی سے تین رجمنٹوں سے ہتھیار لے لینے کے بعد نہایت سرعت کے ساتھ سیالکوٹ کے باغیوں کے تعاقب میں کوچ کیا اور ناقابلِ برداشت دھوپ اور گرمی کی بھی پروا نہیں کی اور اُنھیں راستے ہی میں جا لیا اور بالکل منتشر کر دیا۔ باغیوں کا تمام خیمہ و خرگاہ۔ تمام ذخائرِ حرب اور سیالکوٹ کا تمام مالِ غنیمت کرنل نکالسن کے ہاتھ آ گیا اور وہ اپنے چار سو مقتول و مجروح میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان سرگرم کارگزاریوں نے بالفعل پنجاب کو فوری خطرے سے بچا لیا؛

صفحہ ۴۹۹

راولپنڈی گیا ہوا تھا اور مسٹر منٹگمری کے ہاتھ میں انصرام حکومت تھا کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بذریعۂ تار کے میرٹھ کی بغاوت کی خبر پہنچی اور ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو یہ اطلاع آئی کہ دہلی پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا چنانچہ دوسرے ہی دن لاہور کی دیسی سپاہ سے ہتھیار لینے کی کارروائی ہو جانی ضروری سمجھی گئی۔ تمام افسر ناچ گھر سے قواعد کے میدان میں چلے گئے جہاں معمولی طریقے کے مطابق ہندوستانی سپاہ بلاکسی بدگمانی کے صف بستہ تھی۔ گورہ فوج اور توپوں کو بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک دم اس طرح ترتیب دے لیا گیا کہ تمام دیسی سپاہ اُن کی زد میں آگئی اور جس وقت حواس باختہ دیسی سپاہ نے اپنی مخدوش حالت کو محسوس کیا اور یہ سمجھ لیا کہ عدول حکمی سے مہلک نتائج پیدا ہوں گے اسی وقت اُنھوں نے بلا چون و چرا اپنے ہتھیار ڈال دینے کے احکام کی تعمیل شروع کردی اور مسٹر منٹگمری۔ بریگیڈیر کوربیٹ اور کرنل رینی کے حسنِ انتظام سے لاہور کو باغیوں کے ہاتھ میں پڑ جانے سے بچا لیا گیا؛

دیگر فوجی مستقروں پر کارگزاریاں

اسی مستعدی و سرگرمی کے اظہار سے گوبند گڑھ کا قلعہ بھی بچا لیا گیا جس کی زد میں پنجاب کا مقدس مقام امرت سر تھا۔ اسی طریقے پر کچھ دقت کے بعد فیروز پور اور پھلور کے مخزن حرب بھی باغیوں کے ہاتھ پڑ جانے سے بچا لیے گئے۔ وادی پشاور میں دریائے اٹک کے پار دو ہزار گورہ فوج تھی اور اس سے چوگنی ہندوستانی سپاہ تھی۔ پنجاب کی حفاظت کے خیال سے وادیِ پشاور پر قبضہ رکھنا لازمی تھا اور جو افسر وہاں تھے یعنی ایڈورڈز۔ کاٹن۔ چیمبرلین اور نکالسن۔ وہ سب اس مشکل کے وقت میں عہدہ برآ ہونے کی قابلیت رکھتے تھے پہلی مجلس مشاورت جو انھوں نے منعقد کی اُس میں کرنل ایڈورڈز نے یہ رائے ظاہر کی کہ غدر کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں مگر اب اُس نے ملکی اور غیر ملکیوں میں جہد حکومت کی صورت اختیار کرلی ہے جس کی سرپرستی مسلمانوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور جس کا مرکز مغلیہ دارالحکومت کو بنا لیا گیا ہے اس لیے یہ تجویز کی گئی کہ قابل اعتماد سپاہ کا ایک زبردست دستہ کسی قابل قائد کی سرکردگی میں جہاں کہیں

سر ہنری لارینس کا تقرر عمل میں آیا۔ سر ہنری کے پیشرو کی غلط کارروائیوں نے جاگیرداروں کو سخت بیگانہ کر دیا تھا اور بعد کو معلوم ہوا کہ جتنا خیال کیا گیا تھا اُس سے بہت زیادہ اثر اُن جاگیرداروں کا طبقات رعایا پر موجود تھا اس لیے اُن کا مقابلہ زیادہ سخت تھا۔ شہر لکھنؤ میں اس وقت دربار شاہی کے متعلقین میں سے ہزاروں فاقہ کش سپاہی اور اہل عملہ بھرے پڑے تھے جو ہر وقت سرکشی پر آمادہ تھے اور تمام صوبۂ اودھ میں اُن چالیس ہزار سپاہیوں کے گھر بار تھے جو اُس وقت برسرِ بغاوت تھے۔ اس وقت خاص لکھنؤ اور اُس کے مضافات میں نو دیسی رجمنٹیں پیدل اور سوار موجود تھیں جن میں تقریباً سات ہزار باغی تھے اور اُن کو روک سکنے والے صرف سات سو گورہ سپاہی تھے۔ دیسی رسالہ ۷ نہایت جوش کی حالت میں تھا اور اُس نے پیدل فوج ۴۸ کو بھی افسروں کے قتل کرنے کے لیئے اپنی شرکت پر آمادہ کر لیا تھا۔ ۳ مئی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری لارینس چاندنی رات میں اپنے گورہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر اچانک ان سرکشوں کی جائے قیام پر پہنچ گیا اور یہ سب ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے ہتھیار پھینک پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے اسکے بعد سر ہنری نے اپنی چھوٹی سی فوج کو ایسے موقع موقع سے تقسیم کیا کہ جس سے تمام شہر اور دیسی رجمنٹیں زد میں آکر مرعوب ہوگئیں۔ اس کے بعد سر ہنری نے ایک چھوٹی سی گڑھی موسومہ مچھی بھون میں ضرورت کے لیئے ذخائر رسد بھی جمع کر لیئے۔ مگر ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کی رات کو پانچ رجمنٹوں میں بغاوت پھوٹ پڑی اور اُنھوں نے چھاؤنی میں آگ لگا دی اور اپنے افسروں کو بھی بعض موقعوں پر نہایت غداری و مکاری سے کام لے کر قتل کر ڈالا۔ یہ گویا تمام صوبے کے لیئے عام غدر کی علامت ہوگئی اور وسطِ جون ۱۸۵۷ء تک صوبۂ اودھ کی ہر رجمنٹ اور ہر گرد آور پلٹن غدر میں شریک ہو چکی تھی۔ سر ہنری نے اب بھی شہر اور مضافات کو اپنی زد میں لے رکھا تھا۔ مگر ۳۰ جون ۱۸۵۷ء میں وہ کئی ہزار باغیوں کے مقابلے کیلیئے نکلا جو مقام چنہٹ پر بڑھ رہے تھے لیکن راستے میں اُس کے ہندوستانی توپچیوں نے

باب دوازدہم
فصل اول

پشاور کو چھوڑ دینے کی تجویز

میرٹھ کی بغاوت کے ایک ماہ کے اندر ستلج اور الہ آباد کے درمیان مشکل سے ہی کوئی دیسی رجمنٹ ایسی بچی ہوگی جس نے بغاوت نہ کی ہو۔ تمام باغی سپاہی دہلی کی طرف کھچے چلے جاتے تھے کیونکہ وہی نئی حکومت کی راج دھانی بن گئی تھی اس لیئے خواہ کتنی ہی جان جوکھم ہو مگر دہلی کا فتح کرلینا انگریزوں کے لیئے لازمی ہوگیا تھا۔ سرجان لارینس اور اُس کے قابل مددگاروں نے اپنی تمام توجہ اس طرف مبذول کردی کہ محاصرۂ دہلی کی تکمیل کے لیئے آدمی اور سامان جس قدر دستیاب ہوں بھیجے جائیں۔ لیکن جن وسائل تک سرجان لارینس کی دسترس تھی اور جن مقامی ضرورتوں سے وہ گھرا ہوا تھا اُن کے لحاظ سے محاصرے کی تکمیل اس قدر مشکل نظر آنے لگی کہ اُس نے یہ تجویز کی کہ پشاور اور صوبۂ ماورائے سندھ کو دوست محمد کے حوالے کردیا جائے اور وہاں کی مقامی گورہ فوج کی تقویتی امداد بھی محاصرۂ دہلی کے لیئے حاصل کرلی جائے۔ مگر کرنل ایڈورڈز اور اُس کے دیگر جاں باز معاصرین نے اس تجویز کی نہایت شد و مد سے مخالفت کی اور ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کو یہ مسئلہ لارڈ کیننگ کے استصواب کے لیئے بھیجا گیا۔ ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو لارڈ کیننگ نے اس کا جواب صرف ان مختصر الفاظ میں دیا کہ آخر دم تک پشاور میں قدم جمائے رکھو۔ لیکن پنجاب اور کلکتے کا ارتباط ایسی سختی کے ساتھ منقطع کیا گیا تھا کہ لارڈ کیننگ نے اپنا جواب جہاز کے ذریعے سے مدراس بھیجا اور وہاں سے تار کے ذریعے سے لارڈ الفنسٹن کو بمبئی پہنچایا گیا تاکہ جس طرح ممکن ہو لارڈ موصوف اس جواب کو سرجان لارینس تک پہنچا دے۔

فصل دوم

لارڈ کیننگ کا عہدِ حکومت۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ الہ آباد

واقعات لکھنؤ

مارچ ۱۸۵۷ء میں رزیڈنٹ لکھنؤ کے عہدے پر

اپنے لیئے مرہٹہ سلطنت حاصل کرے اور سلطنت مغلیہ کا نام پھر زندہ نہ ہونے پائے اس لیئے وہ ان باغیوں کے پیچھے گیا اور اُنھیں اس پر آمادہ کرکے لگا لایا کہ پہلے مورچے کو فرنگیوں سے صاف کردیں۔ تمام یورپین آبادی اس دوسو گز لمبے چوڑے احاطے میں کھچا کھچ بھری پڑی تھی۔ باغی سپاہیوں نے اس احاطے کا نہایت سخت محاصرہ کرلیا اور بڑے دہانے کی سات توپیں اُس پر لگا دیں جنھوں نے گولوں اور گراپوں کا تابڑ توڑ مینھ برسانا شروع کردیا۔ دُنیا کی تاریخ میں محصورین کو غالبًا اس سے زیادہ سخت مصیبت کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا اور جس شجاعانہ پامردی اور مردانہ استقلال کا کانپور کے محصورین نے ثبوت دیا اس سے بہتر مثال تو یقینًا تاریخ عالم پیش ہی نہیں کرسکتی۔ ۲۳ جون ۱۸۵۷ء یعنی معرکۂ پلاسی کی سالگرہ کا دن جو نجومیوں نے کمپنی کے راج کا آخری دن مقرر کردیا تھا کانپور میں بھی غیر معمولی مستعدی و سرگرمی سے گزرا لیکن جس وقت یہ دن ختم ہوا ہے تو دیسی فوج کو ایسی شکستِ فاش نصیب ہوچکی تھی کہ اُن کو عاجز ہوکر اپنے یورپین محصورین سے اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت لینی پڑی تھی۔

محصورین کی مایوس حالت

اس نازک سے قلعے کے محاصرے کو تین ہفتے گزر چکے تھے مگر یہ چھوٹا سا جاں بازوں کا جتھا اب بھی ہر حملے کا جواب ادا کرتا تھا اور حملہ آوروں کو ناقابلِ اعتبار نقصانِ جان پہنچاتا رہتا تھا لیکن محصورین کی توپیں رفتہ رفتہ نکمی ہوتی جا رہی تھیں اور اُن کے ذخائرِ حرب میں بھی کمی آتی جا رہی تھی اور فاقے کا عفریت اُن کے سامنے منھ پھاڑے کھڑا تھا۔ کھانے کا تو یہ حال تھا کہ کوئی بھولا بھٹکا کُتا آنکلتا تو اُسی کو اعلےٰ درجے کی یخنی سمجھا جاتا تھا کوئی بوڑھا گھوڑا ہاتھ پڑ جاتا تو اُسی کو شاہی قورمہ گنا جاتا تھا اور کنوئیں کا پانی بھی بہت کم ہوگیا تھا۔ یہ فطرتِ انسانی کے خلاف تھا کہ اب بھی ثابت قدم رہے چنانچہ جنرل وہیلر نے ناناصاحب کی اس شرط کو منظور کرلیا کہ مورچے کو مع توپوں وخزینہ کے حوالے کردے اور جانیں سلامت لے کر الہ آباد کو روانہ ہوجائے۔ راستے کے لیئے

صفحہ ۵۰۲

باب دوازدہم
فصل دوم

گھوڑوں کے ساز کاٹ ڈالے۔ توپوں کو ایک خندق میں پھینک دیا اور وہاں سے چلتے بنے۔ سر ہنری لارینس کی چھوٹی سی فوج کو اپنی تعداد کا چھٹا حصہ ضائع کرکے پسپائی پر مجبور ہونا پڑا اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اب اُس دم خم کی قلعی کھل گئی جس کی وجہ سے تمام شہر پر رعب چھایا ہوا تھا۔ اس شکست کے بعد سر ہنری کو مجبور ہوکر اپنے حلقۂ مدافعت کو صرف رزیڈنسی کی حدود تک محدود کر دینا پڑا۔ ۴ جولائی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری کا اُس گولے کے زخم سے انتقال ہوگیا جو دو دن پہلے خاص اس کے کمرے میں آکر پھٹا تھا اور ایسی سخت ضرورت کے وقت سلطنت برطانیہ کو اپنے ایک نہایت ہی سر برآوردہ ملازم کی خدمات سے محروم ہو جانا پڑا جس کی نیک طینتی اور خیر سگالی نے ہندوستانیوں کو بھی اُس کا گرویدہ بنا لیا تھا اور جس کی غیر معمولی قابلیتوں نے اور معاصرین کو اُس کا مدّاح کر رکھا تھا۔ سر ہنری کی وفات پر فوج کی قیادت بریگیڈیر انگلیس کے ہاتھ میں آئی اور اُس نے بھی اس سخت محاصرے کو نہایت مستقل سرگرمی کیساتھ چھ ہفتے تک برداشت کیا یہاں تک کہ آؤٹرام اور ہیولاک نے آکر محاصرہ اُٹھوا دیا۔

صفحہ ۱۰۵

کانپور کی مقامی فوج کی حالت

کانپور کے زبردست مستقر پر جنرل ویلر کی ماتحتی میں تین دیسی پیدل رجمنٹیں اور ایک رسالہ سواروں کا مقیم تھا مگر بدقسمتی سے اُس کے پاس گورہ سپاہی صرف دو سو تھے۔ اپنے چاروں طرف بغاوت کے مواد کو پکتے ہوئے دیکھ کر اُس نے خطرہ و پریشانی میں مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ کسی طرح سے کاٹ دیا اور اُس نے کوئی دو سو گز مربع ایک قطعۂ زمین کے گرد مورچہ بندی کر لی اور اُس میں اتنا ذخیرہ جمع کر لیا جو ہزار آدمیوں کے دو ماہ کے لئے کافی تھا۔ نانا صاحب جو بٹھور میں رہتا تھا برابر اس میں سرگرمی سے مصروف تھا کہ رجمنٹوں میں بغاوت پھیلائے۔ چنانچہ ۵ جون ۱۸۵۷ء کو کُل دیسی سپاہ بغاوت پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے افسروں کو تعظیم کے ساتھ رخصت کرکے خزانے کو لوٹ لیا اور دہلی کی طرف کوچ کیا۔ نانا صاحب کی غرض یہ تھی کہ کسی طرح

دو دو کر کے گھوڑوں کا دانہ پیسنے کو نکالا جاتا تھا۔ تمام قلعہ بند فوج میں سے اور کانپور کی تمام یورپین آبادی میں سے صرف چار کس ایک کشتی میں بیٹھ کر بھاگ نکلے جو بہتی چلی جارہی تھی اور کئی مرتبہ بال بال بچ کر اُن کو اودھ کے ایک وفادار زمیندار کی پناہ نصیب ہوگئی۔ یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو اعلانِ عام کے ذریعے سے ناناصاحب کو پیشوا بنایا گیا اور اس تقریب کے شایانِ شان مراسمِ تہنیت ادا کیے گئے اس کے بعد اُس نے شاہی تخت پر سلامی کے ساتھ جلوہ کیا اور رات کے وقت شہر کو چراغاں کیا گیا۔ لیکن اُس کی یہ اقبالمندیاں چار دن کی چاندنی ثابت ہوئیں کیونکہ ہیولاک کی شمشیرِ انتقام اس کی ہولناک زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے کھنچی چلی آرہی تھی۔

صفحہ ۷۰۲

کرنل نیل بنارس میں

لکھنؤ اور کانپور کی مقامی فوجوں کی مخدوش حالت کے متعلق لارڈ کیننگ کو سخت تشویش تھی اور جو جو برطانوی فوجیں ہگلی پر اُترتی جاتی تھیں اُن کو فوراً کسی نہ کسی مقام پر اتنی تعداد کے دستوں میں بھیج دیا جاتا تھا جتنی اُس زمانے کے ناکافی وسائل آمد و رفت سے جانی ممکن تھی۔ بنارس جو ہندو دھرم کا مستقر تھا اور ہندوستان میں ہمیشہ سب سے بڑی شورشگاہ رہتا چلا آیا تھا۔ اب بھی بڑی بے اطمینانی کا منبع بنا ہوا تھا کیونکہ وہاں کی چھاؤنی میں گورہ فوج کی تعداد صرف تیس تو پچیوں پر مشتمل تھی اور ہندوستانی سپاہی دو ہزار تھے۔ مسٹر ہنری ٹکر کمشنر اور اُس کے مددگار افسروں کے استقلال و احتیاط جو اس کی وجہ سے معاملات کا رُخ کچھ ایسا سلجھا ہوا رہا کہ شورش کی تحریک بار آور ہوتے ہوتے رہ گئی اور اسی اثنا میں تھوڑی سی کمک بھی دیناپور سے آگئی پہلی مختصر سی کمک کلکتے سے آکر پہنچی جس میں صرف ساٹھ بندوقچی تھے جو اپنے بہادر افسر کرنل نیل کی ماتحتی میں ۴ جون ۱۸۵۷ء کو بنارس آکر پہنچے جہاں کی افسری اُس وقت بریگیڈیر پونسن بی کے سپرد تھی ان کے آجانے سے گورہ فوج کی تعداد ڈھائی سو ہوگئی۔ کرنل نیل کے آنے سے کچھ ہی پہلے ساٹھ میل کے فاصلے پر اعظم گڑھ میں دیسی فوج نے بغاوت کر کے سات لاکھ روپیہ خزانے کا لوٹ لیا تھا۔ بنارس کی ۳۷ بھی اس کی تقلید

باب دوازدہم
فصل دوم

رسد اور بار برداری کے انتظام کی ذمہ داری نانا صاحب نے لے لی جنرل ویلر کو اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا کہ اس شیطان مجسم نانا صاحب نے ۱۲ جون ۱۸۵۷ء کو ایک سو تیس انگریز مرد عورت اور بچوں کو تہِ تیغ بے دریغ کیا ہے جو کشتیوں کے ذریعے سے فتح گڈھ کے باغیوں سے نکل بھاگے تھے اور جن کو اس جلاد نے دھوکا دے کر کانپور پر اُتر آنے کی ترغیب دی تھی۔ ۲۷ جون ۱۸۵۷ء کی صبح کو محصورین کی بقیہ جماعت مع عورتوں اور بچوں کے کوئی پاپیادہ اور کوئی گاڑیوں میں لد کر الہ آباد جانے کے لئے دریا کے کنارے آئی جہاں اُن سب نے تمام کنارے پر خونخوار سپاہیوں کو صف بستہ پایا اور اس موقع پر غداری و خوں ریزی کی وہ شیطانی حرکت کی گئی جو انسانی تاریخ کے نہایت تاریک صفحے پر بقائے عالم تک موجود رہے گی؛

گھاٹ پر قتل عام جیسے ہی یہ مصیبت کے مارے کشتیوں پر سوار ہوئے ویسے ہی تانتیا توپی نے نانا صاحب کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک چبوترے پر جگہ لی اور قتل عام کا حکم دیدیا۔ ایک بگل کے بجتے ہی دریا کی دونوں جانب سے کشتیوں پر گولیوں کی بوچھار شروع کر دی گئی۔ بہت سی کشتیوں کے پھونس کے سائبانوں میں آگ لگ گئی اور جو زخمی مرد عورت یا بچے اُن میں موجود تھے وہ وہیں کے وہیں جل کر رہ گئے۔ جو عورتیں کچھ طاقتور تھیں وہ مع اپنے بچوں کے دریا میں کود پڑیں اور اُنکو یا تو ایک ایک کر کے گولی سے مار دیا گیا یا اُن سواروں نے تلواروں سے اُن کے ٹکڑے اُڑا دیئے جو دریا کے اندر گھس پڑے تھے۔ تھوڑے سے مرد عورت کسی نہ کسی طرح بچ کر کنارے تک آپہنچے تھے کہ نانا صاحب کا حکم پہنچا کہ ایک متنفس کو بھی بچ کر جانے نہ دیا جائے اور جو عورتیں اور بچے گرفتار کیئے گئے ہیں وہ اُس کی جائے قیام پر روانہ کر دیئے جائیں وہاں ان سب مصیبت زدوں کو لے جا کر اُن قیدیوں میں شامل کر دیا گیا جو پہلے سے نانا صاحب کے قبضے میں تھے اور ان سب کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور نہایت ہی ادنیٰ درجے کا کھانا دیا جاتا تھا اور طرح طرح سے ذلیل کیا جاتا تھا اور

انکو انتہائی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ تار کے سلسلے کو کاٹ ڈالا گیا۔ ریل کی پٹریاں اکھیڑ ڈالی گئیں اور انجن جن کو سپاہی ہمیشہ اوہام پرستی کی بری نظر سے دیکھتے تھے توپوں سے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ خزانے کے دروازے جس میں تیس لاکھ کی رقم تھی کھول دیئے گئے اور ہر سپاہی تین تین چار چار توڑے ہزار ہزار روپے کے اٹھا لے گیا۔ شہر کو مع اُس کی تمام دولت کے خوب لوٹا گیا اور شاہ دہلی کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ قلعے کا چار دن تک محاصرہ رکھا گیا مگر خوش قسمتی سے کرنل نیل کے پہنچ جانے سے وہ محاصرہ اُٹھا دیا گیا۔ کرنل نیل کو لارڈ کیننگ کا حکم بذریعۂ تار پہنچا تھا کہ الہ آباد پہنچ کر وہاں کی فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے چنانچہ ۱۱ جون ۱۸۵۷ء کو کرنل موصوف الہ آباد پہنچ گیا۔ جو مٹھی بھر گورہ فوج وہ اپنے ساتھ لایا تھا اُسکی تعداد میں امدادی دستے آتے رہنے سے کچھ دن میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ کرنل نیل نے گورنمنٹ کی حکومت پھر الہ آباد اور اُس کے مضافات میں قائم کردی اور اُن بدکرداروں کو سخت سزائیں دیں جو بے صرفہ قتل و غارت میں مصروف تھے۔ چنانچہ جگہ جگہ کھڑی ہوئی پھانسیاں ایک نظارۂ عبرت پیش کرنے لگیں۔ ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو کرنل نیل نے ایک دستہ کانپور کی امداد کے لیئے بھیجا جس میں چار سو گورہ سپاہی۔ تین سو سکھ اور ایک سو نئی بھرتی کیئے ہوئے سوار تھے اور ان کے ساتھ دو توپیں تھیں۔ یہ امدادی دستہ میجر رینا ڈ کی قیادت میں دیا گیا اور میجر موصوف کو ہدایت کردی گئی کہ جس کسی پر ذرا بھی غداری کا شبہ ہو اُس کی سرسری تحقیقات کر کے انتقامی سزائیں دیتا چلا جائے۔ میجر موصوف نے تین دن تک کوچ کیا اور اپنے پیچھے جوشِ انتقام کی علامتیں یعنی برباد شدہ مواضعات اور درختوں کی شاخوں میں لٹکتی ہوئی نعشیں چھوڑتا گیا۔

کرنل ہیولاک کی پیش قدمی کرنل ہیولاک انگریزی فوج کا اجیٹنٹ جو مہم ایران کا سپہ سالار دوم ہو کر گیا تھا ایران سے صلح ہو جانے کے بعد مدراس کے راستے سے بنگال واپس آیا اور مدراس کے کمانڈر انچیف سر پیٹرک گرانٹ کے ساتھ

باب دوازدہم
فصل دوم

کرنے کے لیئے تیار تھی اس لیئے یہ ارادہ کیا گیا کہ اس سے بہت جلد ہتھیار لے لیئے جائیں۔ اس معاملے میں کارروائی بری طرح سے کی گئی اور لاہور اور پشاور کی اُستادانہ چالوں کے مقابلے میں یہ ترکیب نہایت ناقص رہی کیونکہ اُن دونوں مقاموں پر بغیر ایک جان کا بھی نقصان ہوئے رجمنٹوں سے ہتھیار لے لیئے گئے تھے۔ یہاں دیسی سپاہیوں نے گوروں پر فیر کیئے اس پر کپتان اولفرٹ کے توپ خانے نے دیسی سپاہیوں پر آگ برسائی اور وہ ہتھیار پھینک کر شہر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہر حال جو غرض تھی وہ پوری ہوگئی اگرچہ اُس میں غیر ضروری اتلافِ جان ہوا مگر بنارس پر سے خدشہ رفع ہوگیا۔

الہ آباد

بنارس میں کرنل نیل نے تمام شورش پسندوں کو یا جن پر شورش پسندی کا شبہہ بھی تھا عبرتناک سزائیں دے کر فوج کی قیادت کرنل گارڈن کے سپرد کی اور الہ آباد کے قلعے کو بچانے کے لیئے کوچ کیا۔ یہ قلعہ تمام شمال مغربی صوبے میں سب سے بڑا اور سب سے اہم تھا مگر سوءِ اتفاق سے کوئی مقامی گورہ فوج وہاں نہیں تھی اور اس وقت میں اس کی حفاظت چنار گڑھ کے بھاگے ہوئے ساٹھ بیمار انگریزوں اور پریزیز کا چھوٹا سا سکھ دستہ کر رہا تھا۔ دیسی رجمنٹ ۶ نے دہلی جا کر باغیوں سے لڑنے کی اجازت مانگی تھی اور اُن کو میدان میں کھڑا کر کے اُن کی نمک حلالی کے صلے میں لارڈ کیننگ کا پیامِ شکریہ پہنچایا گیا تھا۔ اس پر سپاہیوں نے تین نعرے خوشی کے بلند کیئے اور یورپین اور ہندوستانی افسروں نے ایک دوسرے کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ اُسی رات کو جبکہ یورپین افسر اپنے کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے غدار سپاہی اندر گھس پڑے اور اُن سب کو قتل کر ڈالا۔ مقتولین میں آٹھ بالکل نوعمر نشان بردار بھی تھے جو بالکل تازہ ولایت تھے اور ابھی تک اُن کی ملازمت کی تصدیق بھی نہیں ہوئی تھی۔ ان بیچاروں کو گھر سے نکلتے ہی اپنی قبروں میں جانا پڑا۔ اس کے بعد جیل کے قیدی چھوڑ دیئے گئے۔ یورپین باشندوں کے مکانات لوٹے اور جلائے گئے اور جو یورپین مرد عورت اور بچے قلعے سے باہر مل گئے

صفحہ ۵۰

باب دوازدہم
فصل دوم

مجدوش خبر سنائی کہ انگریزی سپہ سالار پل پر سے گزر گیا ہے اور وہ اسپہ کانپور پر بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس عفریت نے اس پیشقدمی کا انتقام اُن عورتوں اور بچوں سے لینے کا ارادہ کیا جو تین تنگ کوٹھریوں میں اُس کی قید میں پڑے سڑ رہے تھے۔ ان قیدیوں میں چار پانچ مرد بھی تھے اور انھیں ناناصاحب نے اپنے سامنے بلوا کر پہلے ٹھکانے لگوا دیا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو حکم دیا گیا اور انھوں نے جالی دار کھڑکیوں میں سے باڑھیں مارنی شروع کیں چونکہ ان باڑھوں سے اچھی طرح موت کا کام نہیں چل سکا اس لیئے مسلمان قصاب اور دوسرے جلاد تلواریں اور چھریاں لے کر اندر بھیجے گئے کہ سب قیدیوں کے ٹکڑے اُڑادیں۔ رات بھر سب مقتول و مجروح انھیں کوٹھریوں میں پڑے رہے دوسرے دن صبح کو جب انھیں نکالا گیا تو اکثر عورتیں مرچکی تھیں اکثر دم توڑ رہی تھیں مگر بچے تقریباً سب زندہ تھے چنانچہ اُن سب کو بلا تامل کنوئیں میں پھنکوا دیا گیا۔

صفحہ ۵۰۶

اس عدیم المثال سفاکی و بے رحمی کے بعد ناناصاحب پانچ ہزار فوج لے کر ہیولاک کی پیشقدمی کو روکنے کے لیئے کانپور سے باہر نکلا۔ نانا کے سپاہی نہایت جان جھونک کر لڑے مگر ہیولاک کی ماہرانہ نقل و حرکت اور گورہ سپاہیوں کی جوشِ انتقام سے بھری ہوئی شجاعت خصوصاً کوہستانی پلٹن ۷۸ کی جاں بازی نے میدان انگریزوں کے ہاتھ رکھا دوسرے دن انگریزی فوجیں کانپور میں داخل ہوگئیں مگر یہاں آدمیوں کی لاشوں سے اٹے ہوئے کنوئیں نے زبانِ حال سے اُن کے بہت دیر کرکے آنے کی شکایت کی اور اس شیطانی خوں ریزی کا انتقام کامل لینے کی استدعا کی۔ باغی سپاہیوں نے میگزین کو اُڑادیا اور منتشر ہوگئے۔ ناناصاحب بٹھور کو بھاگ گیا اور وہاں سے اپنے زنانے کے ساتھ گنگا کو عبور کرکے اودھ میں پناہ لی۔ انگریزی فوج نے اُس کے محل کو لوٹ کر مسمار کردیا۔

ہیولاک کی لکھنؤ پر پیش قدمی۔

اس اثنا میں کرنل نیل بھی اپنے اس نئے بھرتی کیئے ہوئے لشکر کو لے کر آپہنچا تھا جو لارڈ کیننگ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کرکے

[illegible]وازدہم
[illegible] دوم
صفحہ ۵۰۵

ایک ہی جہاز پر کلکتہ پہنچا جس کو جنرل اینسن کی وفات پر ہندوستان کی سپہ سالاری عارضی طور پر دے دی گئی تھی۔ راستے میں ہیولاک نے تجویز عمل کا خاکہ کھینچ لیا تھا اور آتے ہی یہ سفارش کی ایک متحرک دستہ صوبہ جات زیرین سے بالائی حصے کی طرف روانہ کیا جائے جو تمام شورش گاہوں پر ہوتا چلا جائے اس دستے کو کرنل ہیولاک کی سرکردگی میں رکھا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ الہ آباد کی شورش کو فرو کرنے کے بعد وہ فوراً جنرل ویلر کی امداد کے لیئے کانپور روانہ ہو جائے اور پھر سر ہنری لارنیس کو لکھنؤ پہنچ کر آزاد کرائے۔ بریگیڈیر جنرل ہیولاک ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو الہ آباد پہنچا اور وہاں پہنچتے ہی اُس کو یہ ناگوار خبر سننی پڑی کہ کانپور باغیوں کے ہاتھ پڑ گیا اور نانا صاحب ایک زبردست فوج اور بڑے توپ خانے کے ساتھ الہ آباد پر بڑھتا چلا آرہا ہے۔ ہیولاک نے فوراً سمجھ لیا کہ اگر رینالڈ کا چھوٹا سا دستہ باغی سپاہیوں کے مقابلے میں آگیا تو اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں بچے گا جو مصیبت کی خبر ہی لے کر آجائے۔ چنانچہ باوجود کرنل نیل کی فہمائش کے اُس نے فوری صیغے میں میجر رینالڈ کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی پیش قدمی کو روک دے۔ ہیولاک کے پاس اس وقت ایک ہزار گورہ سپاہی۔ ایک سو تیس سکھ۔ اٹھارہ رضا کار سوار اور چھ توپیں تھیں جن کا وہ چلتے وقت انتظام کر سکا تھا۔ صرف اسی ساز و سامان کے ساتھ وہ بتعجیل تمام میجر رینالڈ کی مدد کو روانہ ہوا اور اُسے فتح پور میں جا ملایا۔ دشمن کی چار ہزار تعداد انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑی مگر اُن کو بہت جلد ہی بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا اور گیارہ توپیں بھی انگریزوں کے ہاتھ آگئیں۔ یہ پہلی ٹکر تھی جو باغی فوجوں کو دہلی سے نیچے کھانی پڑی اور اس نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کیئے تین دن کے بعد ہیولاک نے پھر باغیوں کو مقام آنا ؤ پر شکست دی اور بڑی تیزی کے ساتھ بغیر قیام کیئے ہوئے دریائے پانڈو پر پہنچ کر دوسری شکست پھر اُن کو دی اور اُس پُل کو بچا لیا جسے اُڑانے کی باغی تیاریاں کر رہے تھے۔ اگر یہ پُل اُڑ جاتا تو ہیولاک کی متحرک فوج کی نقل و حرکت میں بڑی دشواریاں پڑ جاتیں۔ نانا صاحب کا بھائی جو باغیوں کے ساتھ تھا بتعجیل تمام اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور یہ

باب دوازدہم
فصل دوم
صفحہ ۵۰۷

تباہی کے سامان کرنا نہیں ہے بلکہ کانپور اور تمام دوآبے سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے چنانچہ اُس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ کانپور واپس چلا آئے اور وہاں کمک کا انتظار کرے۔ لیکن منگلوار پہنچنے پر اُس کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی کہ دشمن کی ایک زبردست فوج اُس کے مقابلے کے لیئے بڑھی چلی آرہی ہے جو نہ صرف اُس کا دریا پار کرنے کا راستہ ہی روک دیتی بلکہ ملک بھر میں یہ شورش مچاتی کہ ہیولاک کو مار کر اودھ سے باہر نکال دیا۔ اس خیال سے وہ فوراً الوٹ پڑا اور دشمن کو پھر شکست فاش دی اور پھر بلا غل غش دریا کو عبور کر کے کانپور کا راستہ لیا۔ ۱۶ر اگست ۱۸۵۷ء کو اُس نے باغیوں کے لشکر بیتھور پر حملہ کیا اور انھیں وہاں سے بالکل مار بھگایا اور اس کے بعد دس کامیاب معرکوں کے سورماؤں نے اتنے عرصے تک آرام لیا کہ کلکتے سے مزید کمک پہنچ گئی؛

خلاصی لکھنؤ

اگست ۱۸۵۷ء کے مہینہ بھر برابر تازہ فوجیں کلکتے کو سمندر کے راستے سے آتی رہیں اور الہ آباد اور کانپور بھیجی جاتی رہیں۔ سر جیمس آؤٹرام مہم ایران سے واپس ہو کر کلکتے میں پہنچ گیا تھا اور اودھ کا چیف کمشنر نامزد کر دیا گیا تھا اور اُس کے سپرد دینا پور اور کانپور کے دستوں کی قیادت کر دی گئی تھی۔ کپتان پیل نے پانسو ملاحوں کا ایک بحری دستہ اپنے جہاز شینان اور کلکتے کے دوسرے جہازوں میں سے تیار کیا اور پہلی کرتی والے ملاح پہلی مرتبہ اندرون ہند میں بھیجے گئے۔ سر جیمس اوٹرام ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ۱۴سو سپاہیوں کے ساتھ کانپور پہنچا اور اپنی فطری عالی حوصلگی و شجاعت سے اُس نے لکھنؤ کی خلاصی کا تمام ہیولاک ہی کے ہاتھ میں رہنے دیا جس نے اس کے واسطے اس درجہ جاں بازی سے محنت کی تھی اور خود بطور رضاکار کے اُس کی فوج میں شریک ہو گیا۔ سر ہنری لارنس کے انتقال کے بعد بریگیڈیر انگلیس برابر دشمن کے دھاوے مسترد کرنے میں مصروف رہا تھا لیکن رزیڈنسی کی فوج میں اب صرف ساڑھے تین سو گورے رہ گئے تھے اور تین سو ہندوستانی تھے جو تابڑ توڑ محاصرے کی تنگی سے اکتا کر مذبذب

بھیجتا رہا تھا۔ چنانچہ ہیولاک نے کانپور کو کرنل نیل کے سپرد کیا اور خود لکھنؤ کی خلاصی کے لیئے کوچ کیا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ تمام اودھ برسر بغاوت تھا۔ تمام تعلقدار انگریزوں کے مخالف ہو رہے تھے اور ہندوستانی سپاہیوں کی انگریزوں ہی کی تعلیم دی ہوئی فوج چپہ چپہ زمین پر خون چھڑکنے کو تیار تھی۔ اور ہیولاک کے پاس کل کائنات ایکہزار چارسو سپاہی کی تھی۔ ۲۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو ہیولاک کے متحرک دستے نے دریا کو ایک ایسے پُل کے ذریعے سے عبور کیا جو بڑی دشواریوں سے تیار ہو سکا تھا اور ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو آخر اُسکی مڈبھیڑ مقامِ آونگ پر دشمن کی بارہ ہزار فوج سے ہو ہی گئی۔ مگر اُس نے اس بڑی تعداد کو شکست فاش دے کر بندرہ توپیں بھی چھین لیں۔ پھر اُس نے بتعجیل تمام بصیرت گنج پر دھاوا کیا جو ایک مورچہ بند گاؤں تھا اور وہاں سے بھی باغیوں کو نکال دیا اور کچھ اور توپیں بھی قبضے میں کیں۔ لیکن چونکہ خود اُس کے بھی ڈیڑھ سو آدمی ہیضے سے۔ دھوپ سے اور زخموں سے ضائع ہو چکے تھے اس لیئے وہ کچھ عرصے کے لیئے منگلوار پر ہٹ آیا اور یہاں سے اپنے بیماروں اور زخمیوں کو کانپور بھجوا دیا اور وہاں سے کچھ کمک آجانے سے اس کی فوج پھر تیرہ سو ہو گئی۔ ۴۔ اگست ۱۸۵۷ء کو اُس نے پھر بصیرت گنج پر پیشقدمی کی جس پر بیس ہزار باغیوں نے قبضہ کر رکھا تھا مگر ہیولاک نے پھر اُن کو شکست دی اور شدت سے نقصان پہنچایا۔ لیکن پھر اُس کے لشکر میں ہیضہ پھیل گیا اور اُس کی حالت پھر تشویشناک ہو گئی۔ چار ہزار باغیوں کی تعداد ادھر بیتھور میں جمع ہو گئی تھی اور کرنل نیل پر ٹوٹ پڑنے کی دھمکی دے رہی تھی۔ گوالیار کی مشہور حمایتی فوج جو بہترین ہندوستانی فوج تھی اور ہر طرح کے آلات حرب سے آراستہ تھی بغاوت کر کے دریائے جمنا کے کنارے مقامِ کالپی تک پہنچ چکی تھی جو کانپور سے صرف ۴۵ میل تھا۔ دیناپور کی تینوں دیسی رجمنٹوں نے بھی بغاوت کر دی تھی اور اُن کی اودھ میں پیش قدمی کرنے کی اطلاعیں مل رہی تھیں۔ ہیولاک نے اس خطرے کو فوراً سمجھ لیا کہ ایسی مٹھی بھر فوج کے ساتھ لکھنؤ پر پیشقدمی کرنا صرف اپنی ہی

فصل سوم

لارڈ کیننگ کا عہد حکومت ۔ دہلی ۔ لکھنؤ ۔ وسط ہند

صفحہ ۵۰۸

محاصرۂ دہلی

اب کچھ حال محاصرہ و تسخیر دہلی کا بیان کیا جاتا ہے ۔ جنرل اینسن کمانڈر انچیف شملے پر تھا جبکہ میرٹھ کی بغاوت اور باغیوں کے دہلی پر قبضہ کر لینے کی اطلاع اُسے پہنچی اور اُس نے شملے کی تینوں گورا رجمنٹوں کو انبالہ کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور خود بھی وہاں پہنچ کر اُن کا شریک ہو گیا ۔ لیکن یہاں اُسے یکایک ہیضے کا دورہ پڑا اور ۲۷ مئی ۱۸۵۷ء کو اُس کا انتقال ہو گیا ۔ فوج کی سپہ سالاری اُس وقت سر ہنری برنارڈ کے سپرد ہوئی اور وہ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جنرل اینسن کے تاکیدی احکام کی تعمیل میں جنرل ہیوٹ نے میرٹھ سے ایک دستہ امداد کے لیئے بھیج دیا تھا اور متحدہ افواج نے باغیوں کا مقام ہنڈون پر مقابلہ کیا اور اُنھیں متواتر دو شکستیں دیں اور ایک ہفتے کے بعد پھر دہلی سے چھ میل کے فاصلے پر بدلکی سرائے پر مقابلہ ہوا اور اس دفعہ باغیوں کو ایسی سخت شکست ہوئی کہ اُن کا تمام خیمہ و خرگاہ توپیں اور دوسرا سامان حرب انگریزوں کے قبضے میں آ گیا ۔ اس کے بعد انگریزی فوج نے ایک مرتفع موقع پر قدم جمائے جہاں سے دہلی پر پوری زد پڑتی تھی اور جو پرانے انگریزی لشکر کا پڑاؤ بھی تھا ۔ شہر کے استحکامات کو بہت کچھ ترقی دے کر خوب زبردست کر لیا گیا تھا اور اس پر ایسے ہندوستانی سپاہیوں کا قبضہ تھا جو پوری طرح قواعد داں تھے اور سر سے کفن باندھ کر لڑتے تھے جن کے پاس انگریزی مخازن حرب سے حاصل کی ہوئی بے شمار توپیں تھیں اور گولہ بارود تھا ۔ انکے ہاتھوں سے ایسے شہر کو ایک دم چھین لینا جس کا دور سات میل تھا جنرل برنارڈ کی سی کمزور فوج کے ذریعے سے یقیناً ناممکن تھا اور یہ تجویز کی گئی کہ بالفعل محاصرے کا خیال

صفحہ ۵۰۹

باب دوازدہم
فصل دوم

ہو رہے تھے۔ بریگیڈیر انگلیس نے ہیولاک کو اطلاع دے دی تھی کہ اب مزید مقاومت ممکن نہیں ہے اس لئے ہیولاک کے لئے فوراً پیشقدمی کر دینا لازمی ہو گیا تھا ہیولاک کی فوج میں اسوقت ڈھائی ہزار سپاہی تھے اور تقریباً سب انگریز تھے۔ لکھنؤ کے قرب میں مقام عالم باغ تک اس فوج سے کسی نے کوئی روک ٹوک نہیں کی اور ۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو عالم باغ پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کی صبح کو بگل کی آواز نے انگریزی فوج کے لکھنؤ میں داخل ہونے کا اعلان کیا اور ہیولاک نے یہ مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ دو میل کی ایسی سڑکیں اور گلیاں طے کرتا جن میں ہر گھر کی جھانکیوں میں سے برابر گولی پڑتی وہ نہر کے کنارے کنارے اپنی فوج کو لے گیا یہاں تک کہ یہ فوج قیصر باغ تک پہنچ گئی جو ایک شاہی محل تھا جس کا بڑا زبردست استحکام باغیوں نے کر رکھا تھا اور بڑی زبردست باغی فوج یہاں موجود تھی اور معرکہ بھی اس مقام پر نہایت خطرناک پیش آیا۔ انگریزی فوجیں صبح سے برابر مصروف پیکار رہی تھیں اور اب شام کا دھندلکا چھایا چلا جا رہا تھا اور اس خیال سے کہ محصورین کی حالت انتہا سے زیادہ نازک ہو چکی ہے ہیولاک یہ تہیہ کر چکا تھا کہ رات ہی کے وقت رزیڈنسی پہنچ کر رہے گا۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کو برابر ان گلیوں میں بڑھائے چلا گیا جہاں بقول اسکے ہر گھر چھوٹا سا قلعہ بنا ہوا تھا۔ بہرحال دن کی تمام محنت و تکان اسوقت فراموش ہو گئی جبکہ محصورین نے اپنے نجات دہندوں کو رزیڈنسی کے دروازے میں گھستے دیکھ کر اپنی تین ماہ کی فاقہ کشی اور رنج جانی کے اختتام پر پرجوش نعروں کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔ انگریزی فوج کا نقصان بھی شدید ہوا یعنی ۴۶۴ مقتول و مجروح تھے جن میں بہادر کرنل نیل بھی تھا جس نے تمام فوج کو کف افسوس ملتا چھوڑ کر عروس فتح کی آغوش پر خون میں عین ایسے وقت آنکھیں بند کر لیں جبکہ اُس کی جاں بازی و سپہگری کی شہرت کو عہدۂ جرنیلی سے چار چاند لگنے والے تھے۔

صفحہ ۵۰۰

جو کمک پنجاب سے آ رہی تھی وہ بہت کم اور بہت دیر دیر سے آ رہی تھی۔ دشمن کے پاس توپوں اور گولہ بارود کی بھی کوئی کمی نہیں تھی اور برطانوی لشکر میں گولہ بارود کو بہت دیکھ بھال کر صرف کیا جا رہا تھا۔

پنجاب کی کمک

اس اثنا میں سر جان لارنس بڑی سرگرمی کے ساتھ سکھوں کی نئی رجمنٹیں بھرتی کرنے میں مصروف تھا جو دل سے انگریزوں کے طرفدار تھے۔ خالصہ کی ایک پرانی پیشین گوئی یہ تھی کہ دہلی ایک دن سکھوں کے ہاتھ سے لوٹی جائے گی اور اس وقت سکھ قوم بڑے جوش کے ساتھ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے آثار دیکھ رہی تھی اور ہزاروں کی تعداد میں انگریزی جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ بعض دیسی رجمنٹوں سے جو ہتھیار لیئے گئے تھے اور سیالکوٹ کے باغیوں کو جو قرار واقعی گوشمالی بریگیڈیر نکلسن نے دے دی تھی اُس کی وجہ سے سر جان لارینس اس قابل ہو گیا تھا کہ جنرل ولسن کو کمک پہنچانے کی سرگرمیوں کو المضاعف کر دے۔ اس قابلیت و سرگرمی کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی تھی جسکے ساتھ وہ برابر نئے دستے ترتیب دے رہا تھا اور یکے بعد دیگرے بھیجے چلا جا رہا تھا۔ آخر کار پنجاب کی حالت اس درجہ قابل اطمینان نظر آنے لگی کہ بریگیڈیر نکالسن کا ڈھائی ہزار کا متحرک دستہ بھی دہلی بھیجا جا سکتا تھا۔ چنانچہ یہ دستہ ۱۴ اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچ گیا اور وہاں کی تھکی ماندی فوجوں میں تازہ جوش پیدا کر دیا۔ بریگیڈیر نکالسن خود ایک ہفتہ پہلے انگریزی لشکر میں پہنچ گیا تھا اور وہاں اُس کا اس درجہ احترام و تعظیم کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا کہ گویا وہی جنگ کا دیوتا تھا۔

صفحہ ۵۱۰

آخری دھاوا اور دہلی کی تسخیر

قلعہ شکن توپ خانہ جس کا سلسلہ تیرہ میل کا تھا فیروز پور پر سے دہلی کی طرف جا رہا تھا۔ اُسکو رستے میں روکنے کیلئے نیمچ کی باغی رجمنٹ مع اٹھارہ توپوں کے جو دیسی فوج کا ہمیشہ سے بہترین حصہ سمجھی گئی تھی روانہ کی گئی۔ اس بڑے توپ خانہ کیساتھ اسکی حفاظت کیلیئے تھوڑی سی جمعیت وہ تھی جو سر جان نکلسن اسوقت حفاظت

باب دوازدہم
فصل سوم

ترک کر دیا جائے اور جو فوج دہلی کے سامنے پڑی ہوئی تھی اُس کو دوسرے مستقروں کی حفاظت میں اور گورنمنٹ کی حکومت اُن مستقروں پر قائم کرنے میں لگا یا جائے۔ لیکن لارڈ کیننگ ایسی تجویز پر رضامند ہونے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ شہر دہلی بغاوت کا مرکز بنتا جارہا ہے اور انگریزوں کو اپنی قوت پر اعتماد ہرگز اُس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ خاندان مغلیہ کے اس دارالسلطنت کو باغیوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے گا۔ اس کی یہ رائے تھی کہ فوجوں کے وہاں سے ہٹ جانے سے بغاوت کی روح کو تازگی حاصل ہو جائے گی اور پھر اُس کا فرو ہو جانا تقریباً محال ہو جائے گا۔

دہلی کی فوجوں کی حیثیت

۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری برنارڈ کا بھی ہیضے نے صفایا کر دیا اور فوج کی قیادت جنرل ولسن کے سپرد ہوئی۔ برطانوی فوج کا ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کو مرتفع موقع پر پڑاؤ ڈالا گیا تھا اور آئندہ کے ۱۴ ہفتے تک اگرچہ اس فوج نے دہلی کا محاصرہ کر رکھا تھا مگر در اصل خود انگریزی لشکر کی حیثیت ایسی چھاؤنی کی سی ہو رہی تھی جسے دشمن نے گھیر رکھا ہو کیونکہ اُن کے پاس توپوں اور سپاہیوں کی اس قدر کمی تھی کہ یہ سوائے مدافعت کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے اور اس طرف سے جو گولہ چلتا تھا اُس کے جواب میں دشمن کی طرف سے چار گولے آتے تھے۔ کئی دن خالی گزر گئے اور دشمن کی طرف سے اس چھاؤنی پر کوئی دھاوا نہیں ہوا مگر ۲۳ جون ۱۸۵۷ء کو جو معرکۂ پلاسی کی سالگرہ کا دن تھا چونکہ کمپنی کا راج ختم ہونے کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی اس لیئے دشمن کی طرف سے غیر معمولی سرگرمی کا اظہار کیا گیا لیکن اس مڈبھیڑ میں اور اسی قسم کی دیگر بیس مڈبھیڑوں میں سوائے ایک دفعہ کے دشمن کو ذلت کے ساتھ شہر میں گھس جانا پڑا۔ دشمن کا نقصان ہمیشہ انگریزی فوج کے نقصان سے زائد ہی ہوا کرتا تھا لیکن دشمن کی تعداد میں مسلسل اُن نئی رجمنٹوں کی آمد سے برابر اضافہ ہوتا جاتا تھا جو دہلی کو بغاوت کا مرکز سمجھ کر چلی آرہی تھیں برخلاف اس کے انگریزی فوج کے لیئے

باب ۱۰۰ و ۱۰۴
فصل سوم

محلِ شاہی کے اندر مقدمہ چلایا گیا اور اُس پر یہ جرم ثابت ہو گیا کہ اُسنے خاص دہلی میں ۴۹ عیسائیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف جنگ کی تھی اور اپنی شہنشاہی کا اعلان کر کے باغیوں کو ہمت دلائی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کو سرنگوں کریں۔ لارڈ کیننگ نے بادشاہ کی جان لینے سے احتراز کیا مگر اسکو جلاوطن بعبورِ دریائے شور کر کے بھیج دیا اور اس طرح خاندانِ مغلیہ کا بابر کی تختِ نشینی کے تین سو بتیس سال بعد خاتمہ ہوگیا۔

تسخیرِ دہلی کے نتائج

دورانِ محاصرہ و تسخیرِ دہلی میں برطانوی فوج کے مقتولین و مجروحین کی تعداد ۳۰۵۲۷ ہوئی جو بڑی سخت تھی مگر تسخیرِ دہلی نے بغاوت کی کمر توڑ دی تھی۔ اودھ اور روہیلکھنڈ اب بھی برسرِ بغاوت تھے۔ گوالیار کی دس ہزار حمایتی فوج ابھی تک بالکل صحیح و سالم تھی اور صوبۂ وسطِ ہند ابھی تک باغیوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس غدر کو قبضۂ دہلی کے ساتھ اس درجہ منسوب و متحد کر دیا گیا تھا کہ دہلی کے باغیوں کے ہاتھ سے چھن جانے نے ملک بھر میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ برطانیہ کا کوکبِ اقبال پھر عروج پر ہو گیا ہے اور اس کے بعد سے غدر کا فرو ہو جانا محض وقت کی بات رہ گئی تھی۔ محاصرۂ دہلی کے طول پکڑ جانے سے جو سازشی منصوبے پنجاب میں باندھے جانے شروع ہو گئے تھے وہ بھی تسخیرِ دہلی کے ساتھ ہی پامال ہو گئے۔ باغی فوج کی نظم و ترتیب میں قلعۂ دہلی کے ہاتھ سے جاتے رہنے سے اختلال پیدا ہو گیا تھا برخلاف اس کے برطانوی فوج کے پاس روز افزوں امداد سمندر کے راستے سے چلی آ رہی تھی۔ جو فوج کہ محاصرۂ دہلی میں مصروف تھی اُس کے آزاد ہو جانے سے آگرے کی نجات کے بھی سامان ہو گئے۔ آگرے پر نیمچ کی باغی رجمنٹ نے ۶ جولائی ۱۸۵۷ء کو حملہ کیا تھا اور جو گورہ فوج اُن کا مقابلہ کرنے کو بھیجی گئی تھی وہ اپنے قائد بریگیڈیر پولویل کی ناقابلیت کی وجہ سے شکست کھا کر پسپا ہوئی اور قلعۂ آگرہ میں پناہ گزین ہوئی جہاں تین ماہ تک تقریباً پانچ ہزار ہر درجے ہر قوم اور ہر عمر کے آدمی محصور رہے۔ اوائل اکتوبر ۱۸۵۷ء میں

باب دوازدہم
فصل سوم

کیلئے سائےکر سکتا تھا۔ باغیوں کے خروج کا حال معلوم ہوتے ہی بریگیڈیر نکلسن نے اُن کا مقابلہ کرنے کے لیئے انگریزی لشکر سے خروج کیا اور انھیں راستے ہی میں شکست دے کر منتشر کر دیا۔ یہ قلعہ شکن توپ خانہ ۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی لشکر میں پہنچ گیا اور توپوں کو مناسب ذریر نصب کرنے کی کارروائی سرگرمی سے ہونے لگی۔ ایک ہفتے تک پچاس بھاری توپوں اور منجنیقوں نے دہلی کی دیواروں اور دمدموں پر تابڑ توڑ گولے اور بم برسائے یہاں تک کہ ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فصیل کو ایک جگہ سے توڑ دینے کی خبر موصول ہوئی۔ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کی صبح کو تین بجے چار موقعوں پر دھاوا کیا گیا۔ بریگیڈیر نکلسن اپنے دھاوے کا سپہ سالار تھا اور اُس نے اپنے سامنے سے دشمن کو مار بھگایا مگر تمام فوج کو اس پر سخت صدمہ ہوا کہ عین آغوشِ ظفر میں اُسے ایک کاری زخم پہنچا جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ دوسرے دو اور دستے بھی اسی طرح کامیاب ہوئے لیکن دشمن کی مدافعت بھی نہایت جانبازانہ تھی اس لیئے پہلے دن کے حملے میں انگریزی فوج کے ۶۶ افسر اور ۱۱۰۴ سپاہی کام آئے۔ بہر حال فوجوں نے فصیل کے اندر قدم جما لیئے تھے۔ لیکن باغی بھی چپہ چپہ زمین پر خون چھڑک رہے تھے اور پورے چھ دن میں کہیں جا کر دہلی کے اندر کے تمام مورچے اور معرکے کے مقامات سر کیئے جا سکے۔ کئی روز تک شاہ دہلی کے مستحکم محل پر برابر آتشباری جاری رکھی گئی۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر پناہ کے پھاٹک کو سرنگ سے اُڑا دیا گیا اور انگریزی فوجیں دندناتی ہوئی شہر میں در آئیں مگر انکی آمد سے پہلے بادشاہ سلامت دہلی سے جانب جنوب کچھ میل کے فاصلے پر ہمایوں کے مقبرے میں پہنچ کر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ دوسرے دن کپتان ہوڈسن مقبرے پر گیا اور کشاں کشاں اُن کو مع اُن کی محبوبہ بیوی کے لے کر آیا جن کے ساتھ شہزادہ بھی تھا اور ان سب کو قلعۂ معلّی میں نظر بند کر دیا گیا۔ دوسرے دن کپتان ہوڈسن بادشاہ کے دو دوسرے بیٹوں اور ایک پوتے کی تلاش میں گیا اور چونکہ اُس نے اُن کو فرار پر تیار پایا اسلیئے وہیں کا وہیں گولی سے ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے کئی ماہ بعد بادشاہ پر جنگی عدالت میں خاص

نمبر ۱۱۵

باب دوازدہم
فصل سوم

ایسی عمدگی سے نکال لی گئی کہ باغیوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی اس لیئے وہ اُن پر
کوئی حملہ نہیں کر سکے۔ مگر ہیولاک کو شدت تکان و محنت شاقہ کی وجہ سے
اسہال کا عارضہ لاحق ہو گیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور انگریزی فوج کا
ایک نامور بہادر سپاہی کم ہو گیا؛

جنرل ونڈم کی بدطالعی

جنرل آوٹرام کو عالم باغ میں اتنی فوج کے ساتھ چھوڑ دیا گیا
کہ وہ کانپور کے ساتھ نامہ و پیام برابر بے خطر کر سکے اور
اودھ میں بھی برطانیہ کے قدم جائے رکھ سکے اور سر کالن بہ تعجیل تمام کانپور
کو روانہ ہو گیا جس کی حفاظت دو ہزار فوج کے ساتھ جنرل ونڈم کے سپرد
کردی گئی تھی۔ سر کالن ٹھیک ایسے وقت پر کانپور پہنچا کہ جنرل ونڈم کو
مبتلائے مصیبت ہونے سے بچا لیا گیا۔ گوالیار کی حمایتی فوج جو آخر کار
وسط اکتوبر میں علانیہ بغاوت کر چکی تھی جمنا کو عبور کر آئی اور نانا صاحب
کی شرکت کرنے کے لیئے بیس ہزار کی تعداد میں کانپور چلی آئی جنرل ونڈم
نے بغیر اُن کی تعداد کا اندازہ کیئے اُن پر حملہ کرنے کے لیئے کانپور سے خروج
کیا اور پہلی آویزش میں کامیابی بھی حاصل کر لی لیکن وہ اپنی فوج کی نقل و حرکت
اُستادی کے ساتھ جاری نہ رکھ سکا اور دشمن کی سپاہ سے اپنے تئیں گھر جاتا ہوا
دیکھ کر اپنا خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر کانپور کے مورچوں میں پناہ لینے کے لیئے
بڑی تیزی سے پسپا ہو گیا۔ باغیوں نے بھی ساتھ ہی ساتھ آکر شہر کانپور پر
قبضہ کر لیا اور دو دن تک جنرل ونڈم کو ایک نہایت بے جوڑ مقابلے میں مصروف
رہنا پڑا جس میں اُس کی فوج کی تعداد سے دس گنے بہتیرے باغی سپاہی تھے جو
تھے جن کے دل موجودہ کامیابی سے بڑھے ہوئے تھے۔ نانا صاحب کی
موجودگی سے ہمتیں بندھی ہوئی تھیں اور تانتیا توپی اُن کا سپہ سالار تھا۔
اگر سر کالن کی آمد سے جنرل ونڈم کو وقت پر امداد نہ پہنچ جاتی تو اُس کا بھی
وہی حشر ہوتا جو جنرل ویلر کا ہوا تھا۔ مگر سر کالن ایسے وقت پر گنگا کے کنارے
پہنچ گیا کہ اُس نے کشتیوں کے پل کو تباہ ہونے سے بچا لیا ورنہ اُس کے
ٹوٹ جانے سے پھر سر کالن بھی منہ دیکھتا ہی رہ جاتا اور جنرل ونڈم کی قسمت کا

صفحہ ۵۱۳

باب واز دہم
فصل سوم

باغیوں کی مزید فوج آگئی اور قلعے کو فتح کر لینے کی دھمکی دینے لگی آگرے والے محصورین نے اپنی حالت کی اطلاع بریگیڈیر گریٹ ہیڈ کو دی جو دہلی سے اس لیئے بھیجا گیا تھا کہ دو آبے کو باغیوں سے صاف کر دے اطلاع پاتے ہی بریگیڈیر مذکور نے ۲۸ گھنٹے میں چالیس میل کا متواتر کوچ کیا اور آگرہ پہنچ کر باغیوں کو شکست فاش دی اور اُن کی توپوں اور خیمہ وخرگاہ پر قبضہ کر لیا اور وہ پانسو جانوں کا نقصان اُٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے

سر کالن کیمبل کی لکھنؤ کو روانگی

اگرچہ لکھنؤ کے محصورین کو آؤٹرام اور ہیولاک نے خلاصی دلا دی تھی مگر پھر بھی انگریزی سپاہ اتنی کمزور تھی کہ یہ عورتوں اور بچوں کو اپنی حفاظت میں لے کر کانپور نہیں جا سکتی تھی چہ جائیکہ ایسے شہر پر برابر قبضہ رکھ سکے جس میں ابھی بہت بڑی باغی فوج مع کثیر سامان حرب کے مقیم تھی۔ رزیڈنسی کی پھر باغیوں نے ناکہ بندی کر دی تھی مگر اب کی دفعہ محصورین کے پاس کافی رسد تھی اور وہ کمک کا انتظار کر رہے تھے۔ دشمن کی توجہ خاص طور سے سرنگیں کھودنے میں مصروف رہی جن کو اس درجہ کمال تک پہنچا دیا تھا کہ سر جیمس آؤٹرام کی رائے میں اُس زمانے کے فن جنگ کے اعتبار سے بے نظیر تھیں۔ جنرل اینسن کے انتقال پر سر کالن کیمبل کانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ کانڈر انچیف مذکور اُس امدادی فوج کو لے کر جو کلکتہ پہنچی تھی اور شیناں کے کپتان پیل والی نیلی کرتی کی پلٹن کو لے کر بتعجیل تمام کانپور پہنچا۔ ۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو وہ کانپور سے پانچ ہزار سپاہ اور تیس توپوں کے ساتھ روانہ ہوا اور ۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ پہنچ کر دشمن کے مورچوں پر پیشقدمی کی لیکن ہر ہر مورچے پر اُس کی اس قدر سختی کے ساتھ مقاومت کی گئی کہ اُس کو رزیڈنسی تک راستہ چیر کر پہنچنے میں پورے تین دن لگ گئے۔ باغیوں کا سب سے مستحکم مقام سکندر باغ کوہستانی بہادروں نے ہلہ بول کر فتح کر لیا یہاں تک کہ اس میں کا ہر متنفس موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور اُس میں دو ہزار نعشیں نکال کر دفن کی گئیں سر کالن کی ایک استادانہ چال سے محصور فوج مع عورتوں اور بچوں کے

عمر ۵۱۲

باب دوازدہم
فصل سوم

یہ وہی بدیلکھنڈی ریاست تھی جسے پانچ سال پہلے لارڈ ڈلہوزی نے برطانوی مقبوضات
میں شامل کر لیا تھا؛

تسخیر جھانسی

رانی جو غیر معمولی مستعدی کی عورت تھی بے انتہا کینہ پرور بھی تھی اور اس غدر سے فائدہ اُٹھانے کے لیئے فوراً
تیار ہو گئی تاکہ اپنے جوشِ انتقام کو ٹھنڈا کر سکے اور اپنی ریاست کو پھر قائم
کر سکے۔ جو دیسی سپاہی وہاں مقیم تھے انھوں نے ۴ جون ۱۸۵۷ء کو
بغاوت کر کے وہاں کے انگریزوں پر حملہ کر دیا تھا۔ ان انگریزوں نے قلعۂ جھانسی
میں پناہ لی مگر وہاں اُن سے خدا کو بیچ میں دے کر حفاظت کا وعدہ کیا گیا
اور اُن سے ہتھیار رکھوا لیئے گئے۔ لیکن وہ سب جن کی تعداد پچھتر تھی فوراً
باندھ لیئے گئے اور مرد ایک قطار میں کھڑے کیئے گئے اور اُنکے بیوی بچے دوسری قطار میں اور رانی کے
فوری احکام کے مطابق وہیں اُن کے ٹکڑے اُڑا دیئے گئے۔ رانی نے
دس ہزار فوج شہر کی حفاظت کے لیئے جمع کی جس کے گرد پکی فصیل چار گز
موٹی اور چھ سے دس گز تک اونچی کھنچی ہوئی تھی۔ سر ہیو روز کو اس شہر کا
محاصرہ کیئے ہوئے نو دن گزرے تھے کہ بیس ہزار باغیوں کی ایک جمعیت
جن میں کچھ تعداد گوالیاری فوج کی بھی تھی جو سر کالن کیمبل کی تیغ انتقام سے
بچ کر کانپور سے بھاگ آئی تھی تانتیا توپی کی سرکردگی میں جھانسی کا محاصرہ
اُٹھوانے کے لیئے بڑھی۔ سر ہیو روز نے شہر کی گولہ باری کو ویسے ہی جاری
رکھا اور یکم اپریل ۱۸۵۸ء کو ان باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے بارہ سو سپاہی
لے کر بڑھا جن میں پانسو گورہ سپاہی تھے اور باغیوں کو شکستِ فاش دیکر
بیتوا پار بھگا دیا۔ اس معرکۂ بیتوا میں باغیوں کا نقصانِ جان ڈیڑھ ہزار
ہوا اور اُن کی تمام توپیں انگریزوں کے ہاتھ آگئیں۔ اب جھانسی پر اور بھی
زیادہ زور شور سے دھاوے کیئے گئے۔ ہر ہر گلی میں خونریز لڑائیاں ہوئیں
نہ کسی نے پناہ مانگی نہ کسی نے دی اور آخر کار وہ قلعہ مسمار ہو کر تسخیر ہو گیا؛

تسخیر کالپی

رانی نے قلعے میں آخری مقاومت کر کے کالپی کو فرار اختیار کیا جو گوالیار کے باغیوں کا مستقر اور غرب جمنا کے

صفحہ ۵۱۴

باب دوازدہم
فصل سوم

ہولناک فیصلہ ہو جاتا۔ سب سے پہلے سر کالن نے بیماروں۔ زخمیوں اور عورتوں بچوں کو حفاظت کے ساتھ الہ آباد روانہ کیا پھر باغی فوج پر حملہ کرنے کے لیئے آگے بڑھا جس کی تعداد اب پچیس ہزار ہوگئی تھی اور چالیس توپیں اُن کے ساتھ تھیں۔ تنیان کی ٹکی کرتی کی فوج نے اپنی بارہ سیری توپوں سے اسطرح کام لینا شروع کیا جیسے بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور دشمن کو خطرناک نقصان پہنچایا۔ آخرکار سر کالن کی جنگی چالوں نے اور انگریزی فوج کی جانبازی نے باغیوں کے پاؤں اُکھیڑ دیئے اور اُن کا ۱۴ میل تک تعاقب کیا گیا اور اُنکا سب سے زبردست حربہ یعنے تمام توپیں چھین لی گئیں۔ یہ تعجب ہے کہ اس معرکے میں برطانوی فوج کا نقصان صرف ۹۹ ہوا۔

وسط ہند میں فوجکشی

اب ہم باغیوں کے وسطِ ہند کے تعاقب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دہلی کی بغاوت فرو کرنے کا کام سر جان لارنس کے سپرد ہوا تھا۔ کانپور اور لکھنؤ کو واگزاشت کرانے کی ذمہ داری خود لارڈ کیننگ کی تھی اور وسط ہند کی بغاوت کی بیخ کنی کو مدراس و بمبئی گورنمنٹوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ مدراس کی فوج کا ایک دستہ ناگپور میں جمع ہوا اور جبلپور کی طرف کوچ کیا اور بمبئی فوج کا ایک دستہ کو ٹہ پر بڑھا۔ یہ دونوں دستے وسطِ ہند کی میدانی سپاہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کی کُل تعداد چھ ہزار تھی جس میں ڈھائی ہزار خالص گورہ فوج تھی ایک ٹکڑا فوج کا بریگیڈیر جنرل اسٹوارٹ کی سرگردگی میں مئو کو خلاصی دلانے کے لیئے بڑھا جس کا ابتدائے غدر سے باغیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ مئو کے محاصرے کو اُٹھا کر بریگیڈیر جنرل اسٹوارٹ نے دھار کو تسخیر کیا اور اُس کے بعد مندسور پر پانچ ہزار باغی فوج کو شکست دی۔ جنرل اسٹوارٹ نے جنوبی اضلاع کو باغیوں سے پاک کرکے اندور پر پیشقدمی کی۔ یہاں سر ہیو روز نے کُل فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور سیہور پر خروج کیا جہاں اُس نے تمام باغیوں کو سرسری سزائیں دیں اور ساگر پر پیشقدمی کرتا چلا گیا جہاں اُس نے اُن انگریزوں کو خلاصی دلائی جو کئی ماہ سے گھرے پڑے تھے۔ ۲۱ مارچ ۱۸۵۸ء کو سر ہیو روز نے جھانسی پر پیشقدمی کی

باب دوازدہم
فصل سوم

تاکہ سندھیا کے خلاف سازش ترتیب دے جو کہ گورنمنٹ کا وفادار رہا تھا۔ جن باغی فوجوں کو کالپی پر منتشر کیا گیا تھا وہ بھی تعجیل تمام تانتیا کی شریک ہوگئیں اور ایک ہفتے کے اندر چھاؤنی گوالیار میں اٹھارہ ہزار باغی فوج جمع ہوگئی۔ سندھیا کے قابل وزیر ڈنکر راؤ نے سندھیا کو مشورہ دیا کہ ابھی اپنا کوئی ارادہ ظاہر نہ کرے اور آگرے سے جو انگریزی فوج کوچ کر چکی ہے اُس کی آمد کا انتظار کرے لیکن سندھیا کی جوشیلی طبیعت نے نہ مانا اور اُس نے اپنی ذاتی آٹھ ہزار فوج سے باغیوں پر حملہ کر دیا۔ مگر اُس کی فوج کے کچھ سپاہی باغیوں کے شریک ہوگئے اور کچھ میدان سے بھاگ گئے اور سندھیا کو مجبور ہو کر یکم جون ۱۸۵۸ء کو آگرہ بھاگ جانا پڑا۔ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کر لیا اور ریاست کے مخزن حرب کے تمام ذخائر اپنے قبضے میں لے لیئے اور گوالیار کے مشہور عالم میدانی توپ خانے کے بھی مالک بن گئے۔ انھوں نے ریاست کے خزانے کا پچاس لاکھ روپیہ بھی لوٹ لیا۔ اور ہر سپاہی کو چھ ماہ کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی۔ اور نانا صاحب کے پیشوا ہونے کا اعلان کر دیا۔

گوالیار کی دوبارہ تسخیر اس سنسنی خیز واقعے کی خبر سن کر سر ہیو روز نے پھر فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور بلا توقف گوالیار پر چڑھ دوڑا درآں حالیکہ اُس زمانے میں سائے کی گرمی بھی ایک سو تیس (۱۳۰) درجے پر تھی۔ ۱۶ جون ۱۸۵۸ء کو اگرچہ انگریزی فوجیں بالکل بے دم ہو رہی تھیں اور رات بھر کوچ کر کے آئی تھیں مگر سر ہیو روز نے دشمن پر بغیر دم لیئے ہوئے حملہ کر دیا اور اُنھیں نہایت سخت نقصان پہنچا کر چھاؤنی میں سے باہر نکال دیا۔ دوسرے دن بریگیڈیر اسمتھ کا دستہ بھی مغرب کی طرف سے باغیوں کو اپنے آگے آگے بھگاتا ہوا آ پہنچا اور اُس وقت آخری حملے میں ایک سوار کے ہاتھ سے جھانسی کی بہادر رانی بھی قتل ہو گئی جس نے ہر معرکے میں نہایت سرگرم حصّہ لیا تھا۔ اس سوار کو رانی کے لباس سے دھوکا ہو گیا کہ کوئی مرد سردار ہے۔ ۱۸ جون ۱۸۵۸ء کو دشمن کے تمام مورچے اور معرکے کے مقامات تسخیر کر لیئے گئے اور اُس کی پچاس توپیں بھی چھین لی گئیں اور اُس کو سوائے فرار کے اور کوئی

باب دوازدہم
فصل سوم

باغیوں کا مرکز بنا ہوا تھا اور یہاں اُنھوں نے توپیں ڈھالنے کے کارخانے بنا لیئے تھے اور ہر قسم کا سامانِ حرب جمع کر لیا تھا۔ سر ہیوروز نے کالپی پر پیشقدمی کی اور جھنگھو رانی نے پکڑ یہاں پر فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اپنے خاص بدرقے کے ساتھ مردانہ لباس پہن کر تانتیا توپی کے ساتھ بیس ہزار فوج کی ہمراہی میں سر ہیوروز کے مقابلے کے لیئے مقام کونچ پر آگئی مگر یہاں بھی باغیوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس کے بعد سر ہیوروز مقام گولولی پر بڑھ گیا جو کالپی سے پانچ میل ہے اور اس جگہ دشمن کی تمام فوج نے پھر اُس پر حملہ کیا مگر یہاں پھر دشمن کے ہی نصیب میں شکست کھانی تھی اس فتح کے بعد کالپی مع اُن تمام ذخائر حرب و رسد کے ہاتھ آگیا جو باغیوں نے وہاں جمع کر لیئے تھے۔ جب باغیوں کا یہ صدر مقام قبضے میں آگیا تو سر ہیوروز نے وسطِ ہند کے غدر کو بالکل فرو سمجھ لیا اور اپنی فوج کو توڑ دینے کا ارادہ کر لیا جو شدّتِ گرما کی وجہ سے بالکل بیحال ہو رہی تھی اور ایک الوداعی حکم بدیں الفاظ شائع کیا:۔

> "میں اپنی بہادر فوج کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُس نے ایکہزار میل سے زائد سفر کیا ہے اور سنو سے زائد توپوں پر قبضہ کیا ہے۔ اُنھوں نے سنگلاخ کوہستانی دروں میں اور پُرپیچ گنجان جھاڑیوں میں اور غیر پایاب دریاؤں پر ہو کر سفر کیا ہے اور بڑے بڑے زبردست قلعے تسخیر کیئے ہیں اور دشمن کی بڑی بڑی بے جوڑ تعدادوں کو شکستِ فاش دی ہے اور ہر جگہ اُن پر فتح و ظفر حاصل کر کے مُلک کے نظم و سکون کو از سرِ نو قائم کیا ہے۔"

باغیوں کا گوالیار پر قبضہ

لیکن سر ہیوروز کی تھکی ماندی فوج کے لیئے ابھی کام باقی تھا۔ اس تمام غدر کے دوران میں یہ امر نہایت تعجب خیز رہا کہ باغی سپاہی شکست کے بعد ہی نہایت عجلت کے ساتھ پھر جمع ہو جاتے تھے اور تازہ تر و قوی تر صف آرائی کے ساتھ پھر مقابلے کے لیئے آموجود ہوتے تھے۔ تانتیا توپی کونچ پر شکست کھا کر سیدھا گوالیار پہنچا

۵۱۵ء

کر رہا تھا جس کی تعداد رفتہ رفتہ چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی اور جنرل موصوف
نے اس فوج کے ساتھ اودھ کا حصۂ زیرین باغیوں سے صاف کرنے کے
ارادے سے کوچ کیا اور اپنی کامیاب پیشقدمی میں باغیوں کو ہر منزل پر شکست
دیتا چلا گیا۔ ادھر سے جنگ بہادر سنگھ مدار المہام نیپال نو ہزار بہادر گورکھوں
کی فوج کے ساتھ اپنے ملک سے برطانیہ کی امداد کے لئے چلا اور دو موقعوں
پر باغیوں کو سخت خونریز شکستیں دیں۔ سر جیمس آؤٹرام کو جو عالم باغ کی قیادت
پر چھوڑ دیا گیا تھا وہاں اُس پر لکھنؤ کے بدمعاشوں اور باغی سپاہیوں نے
مل کر دو مرتبہ حملہ کیا مگر اُس نے باوجود اُن کی چھ گنی تعداد کے دونوں مرتبہ اُن کو
مار کر پیچھے ہٹا دیا۔ آخرکار ۲۸ فروری ۱۸۵۸ء کو سر کالن کیمبل کی اٹھارہ ہزار
دو سو ستائیس سپاہ جو سوار پیدل توپ خانہ گورہ اور سکھ فوجیوں پر مشتمل
تھی گنگا پار اتری اور ۵ مارچ ۱۸۵۸ء کو اُس نے شہر لکھنؤ کے باہر دلکشا
میں پڑاؤ ڈالا جہاں ایک طرف سے جنرل فرینکس اور دوسری طرف سے
جنگ بہادر کی فوجیں بھی آکر مل گئیں۔ لکھنؤ میں باغیوں نے جو مقاومت
کی وہ ایسی سخت تھی کہ کبھی انگریزی فوج کو سابقہ نہیں پڑا تھا حتیٰ کہ دہلی میں بھی
ایسی سخت مقاومت نہیں کی گئی تھی۔ باغیوں کے جوش بیگم حضرت محل کی موجودگی کی
وجہ سے بڑھے ہوئے تھے جو غیر معمولی مستعدی و سرگرمی کی عورت تھی اور تمام
بغاوت کی روح رواں رہی تھی اور سرداروں کو اس بات پر راضی کر چکی
تھی کہ اُس کے بیٹے شہزادہ فیروز کو بادشاہ تسلیم کریں گے۔ سر کالن نے جو
وقت فتح گڑھ میں ضائع کیا تھا اُس میں باغیوں نے شہر کے استحکامات کو
خوب زبردست کر لیا تھا اور جس محنت و تندہی کا اس کام میں انہوں نے
اظہار کیا تھا اُس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے اور اس سے بہتر مثال تو یقیناً ملنی
محال ہے۔ ہر موڑ پر ایک مورچہ باندھا گیا تھا اور مورچہ بندی پر تاکید اور ہر جگہ
ہر سمت میں تعمیر کر لی گئی تھیں جتنی بڑی بڑی عمارتیں تھیں اُن کو سلسلہ وار
مستحکم گڑھیاں بنا دیا گیا تھا اور تمام احاطوں کی دیواروں کو فصیلوں کی طرح
مسلح و مستحکم کر دیا گیا تھا اور سب پر بڑی اُستادی کے ساتھ مورچے باندھے گئے تھے

باب ۱۸ دہم
فصل چہارم

چارۂ کار نظر نہیں آیا لیکن چھ ہزار کی ایک مجتمع جماعت مع گوالیار کے میدانی توپخانے کے نہایت ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ سے پسپا ہوگئی چنانچہ برگیڈیر نیپیر نے چھ سو سوار اور چھ میدانی توپیں لے کر اُن کا تعاقب کیا اور اُن کی صفیں چیر کر اُن کے اندر گھس گیا جس سے وہ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ بالکل بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس شاندار کارنامے پر اس فوجکشی کی تکمیل ہوگئی اور سندھیا اپنی رعایا کے پرجوش نعروں کے ساتھ تختِ گوالیار پر پھر متمکن ہوگیا۔

صفحہ ۵۱۶

فصل چہارم

لارڈ کیننگ کا عہدِ حکومت۔ آتش غدر کا فرو ہو جانا

دوآبے کا باغیوں سے پاک ہو جانا

اُن کارروائیوں کے دوران میں جن سے وسطِ ہند کی آتش غدر سرد ہوگئی سر کالن کیمبل شرقِ جمنا میں آتش بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہا۔ اُس کا پہلا ارادہ یہ ہوا کہ گنگ وجمن کے دوآبے کو پاک کیا جائے۔ اواخر نومبر ۱۸۵۷ء میں کرنل اسٹیسن ایک متحرک دستہ لے کر دہلی سے چلا اور حصۂ زیرین کی طرف بڑھا اور جنرل والپول حصۂ بالائی کی طرف بڑھا۔ باغی سپاہیوں کو ہر مقابلے میں شکست دی گئی اور نواب فتح گڑھ کا زور بالکل توڑ ڈالا گیا جس نے ابتدائے غدر ہی میں خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اختتامِ دسمبر ۱۸۵۷ء تک اُن تمام اضلاع میں کمپنی کی حکومت بازبحال ہوگئی اور اُس وقت سر کالن نے دس ہزار فوج کے ساتھ پڑاؤ فتح گڑھ میں ڈالا۔ اب غدر صرف اودھ اور روہیلکھنڈ میں باقی رہ گیا تھا اور اگر سر کالن اپنی نقل وحرکت میں تعجیل سے کام لیتا تو وہ بہت جلد ان مقامات کو بھی پاک کر دیتا مگر اُس پر کچھ ایسی سستی چھا گئی تھی کہ اُس نے فتح گڑھ کے قرب وجوار میں دو مہینے مفت ضائع کر دیئے۔

اودھ میں فوجکشی

اس اثنا میں جنرل فرینکس بنارس میں ایک نئی فوج بھرتی

روہیلکھنڈ کی کارروائیاں بریلی دارالحکومت روہیلکھنڈ پر خان بہادر خاں کا قبضہ تھا جو حافظ رحمت خاں روہیلا سردار کی اولاد سے تھا۔ خان بہادر خاں نے غدر کے ابتدائی زمانے میں اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا تھا اور دو ججوں کو انگریزی طرزِ تحقیقات کی نقل کرکے قتل کر ڈالا تھا۔ اس وقت شہر بریلی میں بیگم اودھ۔ نانا صاحب۔ شہزادۂ فیروز اور دیگر باغی سردار جمع ہوگئے تھے جو لکھنؤ سے نکل بھاگے تھے اس لیئے تین دستے انگریزی فوج کے بریلی پر بھیجے گئے۔ ایک دستہ چھ ہزار فوج کا جس کے ساتھ ہلکا اور بھاری میدانی توپ خانہ تھا برگیڈیر والپول کی سرکردگی میں ایک چھوٹی سی گڑھی پر پہنچا جو لکھنؤ سے پچاس میل پر تھی جس میں سوائے اونچی جھاڑ کیدار فصیل اور خندق کے اور کچھ نہیں تھا اور صرف چار سو باغی اُس پر قبضہ کیئے ہوئے تھے۔ بجائے اس کے کہ اُس کو بم سے اُڑا دیا جاتا برگیڈیر والپول نے باوجود سر کالن کی سخت ممانعت کے بھی اُس کو بلہ بول کر فتح کرنا چاہا لیکن حملہ آوروں کو سو جانوں کا نقصان اُٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا اور مقتولین میں برگیڈیر آنریبل اڈرین ہوپ بھی تھا جو فوج بھر میں عزیز ترین و شجاع ترین سپاہی تھا اور اپنی اسکاٹلینڈ کی کوہستانی فوج کا گویا دیوتا تھا جن سب نے برگیڈیر والپول کو اس نقصان پر خوب ہی دل کھول کھول کر کوسا۔ اوائل مئی ۱۸۵۸ء تک سر کالن کے خاص دستوں نے بریلی کو آکر گھیر لیا اور یہ شہر مع اپنے تمام ذخائر حرب و رسد کے بہت جلد تسخیر ہوگیا لیکن اصل مال غنیمت ابھی ہاتھ نہ آیا یعنی باغی سردار مع اکثر مسلح ہمراہیوں کے نکل بھاگے۔ مگر اس دفعہ سر ہوپ گرانٹ نے انکا تعاقب کیا اور اُن کی سولہ ہزار کی ایک جماعت کو جو نواب گنج کے ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی حملہ کرکے سخت شکست دی۔ دلاور بیگم نے پھر اپنی فوجوں کو گھاگرا پر جمع کیا جہاں پھر اُس پر حملہ کرکے شکستِ فاش دی گئی۔ اب اُس کا تعاقب ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہونے لگا یہاں تک کہ وہ راپتی پہنچ گئی اور باوجود ہر طرف سے گھر جانے کے دریا پار نکل گئی اور اُس کے ساتھ ہی باقی سرغنہ اور اُس کے ہمراہی بھی نکل گئے اور یہ قافلہ

پورے دس دن تک لگاتار لڑائی ہوتی رہی جب کہیں جاکر اس مستحکم شہر کی تسخیر مکمل ہوئی پھر بھی ایک برطانوی قائد کی ذراسی چوک سے کالن کیمپبل کو فتح کے پورے ثمرات سے محروم رہجانا پڑا کیونکہ باغیوں کی بڑی تعداد مع اپنے تمام سرداروں کے جان بچاکر نکل بھاگی مگر اس تمام محاصرہ وتسخیر کے دوران میں انگریزی فوج کا نقصان بھی صرف نوسو ہوا تسخیر لکھنؤ کے بعد فتحمند سپاہیوں کو شہر کی لوٹ سے باز رکھنا ناممکن تھا جس پر وہ دل کھول کر ٹوٹ پڑے اور سب سے زیادہ حصہ مال غنیمت کا گورکھوں کو ملا جو کئی ہزار چھکڑے مال غنیمت کے اپنے ساتھ نیپال لے کر گئے۔

ضبطیِ اراضی

تسخیر لکھنؤ پر ۱۳ مارچ ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے سر جیمس آؤٹرام چیف کمشنر اودھ کے پاس حکم بھیجا کہ سوائے چھ زمینداروں کے اودھ کی تمام دیگر جاگیروں کی ضبطی کا اعلان کردیا جائے۔ سر جیمس نے اس کارروائی کے خلاف بڑے زور شور سے لارڈ کیننگ کو فہمائش کی کیونکہ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کوتہ اندیشی کیا ہوسکتی تھی کہ وفادار اور غیر وفادار اچھے اور برے سب دھان بائیس پنسیری کردیئے جائیں جس سے ملک کے امن وسکون کے قیام میں پھر بہت کچھ کھنڈتیں پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس اعلان کی انگلستان میں لارڈ ڈالن برو صدر جماعت ٹنگرا نکار نے نہایت نفرت انگیز وطعن آمیز الفاظ میں نامنظوری صادر کی مگر اس نامنظوری کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے لارڈ کیننگ کو اس حکم کی سختی کم کردینے پر رضامند کرلیا گیا تھا اور سر رابرٹ منٹگمری کو وسیع اختیارات ترتیب عطا کرکے سر جیمس آؤٹرام کا جانشین بناکر اودھ میں بھیج دیا گیا تھا۔ سر رابرٹ منٹگمری نے تعلقداران اودھ کے ساتھ بالکل تازہ بندوبست کیا جس کی رو سے ہندوستان کے اس متکبر ترین طبقۂ جاگیرداراں کو مناسب شرح لگان پر انکی جاگیروں کے منصبوں پر بتصدیق وکفالت ایوان حکومت انگلستان پھر قائم کردیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کو آنریری مجسٹریٹی کے اختیارات عطا کرکے تاج برطانیہ کے اغراض ومفاد کے ساتھ اور زیادہ وابستہ کردیا گیا۔

اور خطابات سے سرفراز فرمایا کیونکہ اب ملکۂ معظمہ نے ہندوستان کی سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

اسباب غدر مختلف مصنفین نے غدر کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں مثلاً لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت کے بیصرفہ الحاقات مثلاً بعض مادی ترقیات کا بہت جلد رواج پا جانا جیسے ریل اور تاربرقی جنہوں نے ہندوستانیوں کے دل کو وحشت زدہ کر دیا تھا۔ مثلاً انگریزی تعلیم و یورپین طبعیات کا پھیل جانا جو ہندو مذہب کی بیخ کنی کرنے والی تھی اور پرانے خیال کے خوش عقیدہ لوگوں کو وحشت زدہ کر رہی تھی اور سب سے بڑھ کر انگریزی راج کی طرف سے ایک قومی تنفر کا ہندوستانی طبعیتوں میں موجود ہونا۔ برخلاف اس کے سرجان لارنس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غدر کا تخم خود فوج ہی میں موجود تھا اس کو کسی بیرونی یا سابقہ سازش سے منسوب نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ شورش پسند طبعیتوں نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنی غایت حاصل کرنی چاہی ہو۔ اور ظاہری سبب کارتوسوں کا بدبخت معاملہ تھا۔ ان تمام رایوں کی تفصیل کے بعد ہم صرف اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ غدر کو ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا ہے اور زمانۂ موجودہ کے مؤرخین کے دل و دماغ پر اُن سخت واقعات کا ابھی تک اتنا اثر ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس کی اصلیت پر غور نہیں کر سکتے اس لیئے اُن اسباب کی تلاش کو آئندہ نسلوں کی مجتمع تفتیش و تحقیقات پر چھوڑ دینا چاہیئے جبکہ اصل حادثہ بھی جنبہ داری کی قیود سے آزاد ہو کر محض تاریخی واقعہ رہ جائے گا۔ اس قسم کے کسی آئندہ فیصلے کے قائم کرنے میں امداد دینے کے لیئے یہ کہہ دینا بیجا نہ ہوگا کہ خاص صوبۂ شمال مغربی میں بھی عام طبقات رعایا کا طرز عمل بالکل غیر جانبدارانہ رہا تھا۔ زراعت پیشہ۔ تجارت پیشہ یا حرفت پیشہ مخلوق نے بغاوت کی موافقت میں کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ جہاں سپاہی تھے وہیں غدر بھی تھا جہاں سپاہی نہیں تھے وہاں غدر بھی نہیں تھا۔ سکھوں نے اور خاصکر دریائے ستلج کی ریاستوں کے راجاؤں نے غدر کے زمانے میں

سرحد نیپال میں گھس گیا۔ جنگ بہادر نے ان مفرورین کا تعاقب کرنیکی اجازت لارڈ کیننگ کو دے دی اور ہزاروں برطانوی اسلحہ کی خوراک بنے اور ہزاروں ترائی کے فصلی بخار کے شکار ہو گئے۔ اب حقیقۃً غدر کا خاتمہ ہو چکا تھا اگرچہ بعض اضلاع میں اب بھی چھوٹی چھوٹی باغیوں کی ٹکڑیاں آمادۂ پیکار نظر آتی تھیں۔ نانا صاحب اور اُس کے بھائی کا خاتمہ ۱۸۵۹ء میں نیپال کے جنگلوں میں ہو گیا۔ بیگم اودھ کو کھٹمنڈو میں دوامی آرامگاہ نصیب ہو گئی۔ شہزادہ فیروز اودھ میں ہو کر پھر واپس نکل بھاگا اور وسط ہند میں تانتیا توپی سے آملا جہاں تانتیا توپی اب تک اپنے بقیۃ السیف ہمراہیوں کو لیئے بڑے حزم کے ساتھ ادھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا اور کسی طرح متعاقبین کے ہتھے نہیں چڑھتا تھا۔ آخرکار اُس کے ایک نہایت معتمد ہمراہی نے اُس کے ساتھ دغا کی اور ۷ اپریل ۱۸۵۹ء کو جب وہ جنگل میں سو رہا تھا اُسے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں نے اُس پر مقدمہ چلایا اور اُسے سیپری میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ باستثنائے رانی جھانسی و بیگم اودھ کے تانتیا توپی سب سے بڑا جنگی قابلیت رکھنے والا سرغنہ تھا جو غدر نے پیدا کیا تھا اور جس غیر معمولی سرگرمی اور جانبازی کا اُس نے ثبوت دیا تھا وہ اُسے کچھ نرم سزا کا مستحق قرار دے سکتی تھی مگر وہ عفریت جو گنگا کے کنارے چبوترے پر چڑھ کر بیٹھا تھا اور کانپور کے گھاٹ پر شیطانی قتل عام کا حکم دے چکا تھا کسی رحم کا مستحق نہیں تھا۔ ۸ جولائی ۱۸۵۹ء کو لارڈ کیننگ نے تمام ہندوستان میں امن عامہ کا اعلان کر دیا اور ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو اُس نے تمام صوبہ جات کا ایک شاہانہ دورہ کیا جس کے دوران میں مختلف رئیس اور سردار اپنی وفاداری اور اطاعت شعاری کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ ۳ نومبر ۱۸۵۹ء کو اُس نے کانپور میں دربار منعقد کیا جس میں اس درجہ شان و شوکت کا اظہار کیا گیا تھا جو ہندوستانیوں کی پُرتکلف طبیعت پر بڑا اثر ڈالنے والی اور برطانوی اقتدار حکومت کے پھر بحال ہونیکا اعلان کرنے والی تھی۔ تمام وفادار رئیس اس شاہی دربار میں جمع کیئے گئے اور لارڈ کیننگ نے ملکۂ معظمہ کے قائم مقام کی حیثیت سے ان سب کو خلعت فاخرہ

باب یازدہم
فصل چہارم

ایسی ایسی وحشیانہ سفاکیاں عمل میں لائی جارہی تھیں۔ اس تمام شورش کی ذمہ داری فوراً کمپنی کے سر ڈالی گئی دراں حالیکہ ستر سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا کہ کمپنی بطورِ خود کوئی سیاسی یا انتظامی کارروائی بلا استصواب و استمزاجِ محکمۂ وزارت نہیں کرتی تھی۔ اس تمام ستر سال کے عرصے میں صدرِ جماعت نگرانکار کی رائے بمقابلہ مجلس انتظامیہ کے صدر کی رائے کے بہت زیادہ وقیع رہی تھی لیکن اس وقت جمہور کی نظر کے سامنے کمپنی ہی بے نقاب تھی اور محکمۂ وزارت پردۂ زنگاری کے معشوق کی طرح حجاب سیاہ میں تھا مجلس انتظامیہ نے اس وقت سے پچاس سال پہلے بغاوتِ ویلور کے موقع پر لارڈ ولیم بین ٹنک کی فوری برخاستگی کے لیئے مندرجۂ ذیل استدلال کیا تھا:۔

"چونکہ جو مصیبت لارڈ ولیم بین ٹنک کے عہدِ حکومت میں پیش آئی ہے اُس نے لارڈ موصوف کو بھی اُس عام رائے اور رفتارِ واقعات کے ذیل میں رکھ دیا ہے جس پر قابو رکھنا مجلس انتظامیہ کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے اس لیئے یہ مجلس موصوفہ کی طاقت سے بالاتر تھا کہ اُس عام رائے اور رفتار واقعات کو بدل سکے"

یہی استدلال لفظ بلفظ اس وقت مجلس انتظامیہ کی شکستگی کے واسطے اس عظیم تر بغاوت کے وقت پیش کیا جارہا تھا۔ دسمبر ۱۸۵۷ء میں لارڈ پامرسٹن نے مجلس انتظامیہ کو باضابطہ یہ اطلاع دے دی کہ ہندوستان کو تاج برطانیہ کی بلا واسطہ ماتحتی میں لے لینے کی تجویز عنقریب ایوان حکومت میں پیش کی جائیگی۔ مجلس انتظامیہ نے مسٹر جان اسٹوارٹ مل کو ہدایت کی کہ ایوان عام میں پیش کرنے کے لیئے ایک عرضداشت کا مسودہ مرتب کرے جس میں مجلس انتظامیہ کی خدمات شمار کرائی جائیں۔ اس الزام کی تردید کی جائے کہ غدر کو کمپنی کی بد انتظامی سے کوئی تعلق ہے اور اس امر پر افسوس کے ساتھ توجہ دلائی جائے کہ ایسی بنیادی تبدیلی حکومت کے اندر اس وقت کی جارہی ہے جبکہ غدر ابھی تک فرو نہیں ہو چکا ہے۔ یہ عرضداشت

۵۲۱

باب دوازدہم
فصل چہارم
صفحہ ۵۲۰

نہایت قیمتی خدمات انجام دیں۔ راجپوتانے کے تمام رئیس پورے طور پر وفادار رہے۔ سندھیا۔ ہلکر۔ بیگم بھوپال اور نواب رامپور نے گورنمنٹ برطانیہ کی طرفداری کی اور نیپال کی مجلس حکومت نے انگریزوں کی امداد کے لئے نوہزار فوج بھیجی تھی۔ دکن میں گیکواڑ۔ ملحقہ صوبہ جات ستارا اور ناگپور کے باشندے نواب نظام الملک اور اُن کے مدبر وزیر سالار جنگ۔ بڑے بڑے مرہٹہ جاگیردار اور میسور کے سردار سب کے سب گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اظہار اطاعت و وفاشعاری کرتے رہے تھے۔ ان رئیسوں کو کبھی برطانیہ کی کامیابی کے متعلق ذرا بھی شبہہ پیدا نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ دہلی و لکھنؤ کی دوبارہ تسخیر سے پہلے بھی جبکہ برطانیہ کی قسمت کا پانسہ اُلٹ پلٹ ہو رہا تھا ان سب کو برطانیہ کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ ان سب کو اچھی طرح علم تھا کہ ڈھائی ہزار سال سے یعنی اُس زمانے سے جو عصر مہابھارت مشہور ہے اب تک ہندوستان ہر قسم کی بغاوت و سرکشی کا تماشہ گاہ رہتا چلا آیا ہے اور یہ غدر جو اس وقت برطانوی حکومت کے وجود کو دھمکی دے رہا تھا ان سب کی نظر میں معمولی رفتار واقعات کے ایک اقبال آزما کرشمے سے زیادہ وقیع نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی برطانیہ کی قوت کمزور پڑتے ہی ایک قسم کی ابتری پھیلنی شروع ہوگئی تھی یعنی شہنشاہ دہلی۔ نانا صاحب۔ بیگم اودھ۔ نواب بریلی اور نواب فتح گڑھ اس قدر دعویدار سلطنت پیدا ہوگئے تھے جو سب حصول اقتدار کے لئے آپس میں دست وگریباں ہوتے اور وہی اگلے زمانے کی سی طوائف الملوکی پھر پیدا ہو جاتی جو ہندوستان میں برطانیہ کے اقتدار حکومت حاصل کرنے سے پہلے موجود تھی۔ بدیں وجہ یہ سب رئیس دل سے اس کے متمنی تھے کہ اپنی حامی امن سلطنت یعنی برطانوی گورنمنٹ کو قائم رکھیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اعدام

کالوں کا غدر ایسٹ انڈیا کمپنی کا فتوائے موت ہو گیا۔ ایسی بغاوت کی خبر نے انگلستان پر بجلی سی گرادی تھی جس میں سلطنت ہند کے بالکل فنا ہو جانے کا اندیشہ تھا اور جس کے دوران میں

عام خیر سگالی کے ساتھ یا قابل آدمیوں کے ایسے بڑے سلسلے کے ساتھ حکومت نہیں کی گئی ہوگی لیکن کمپنی اب اپنی غایت پوری کر چکی تھی اور اب ایسی وسیع سلطنت کو غیر سلطانی ہاتھوں میں رہنے دینے کا بے تکا پن روز بروز ظاہر ہوتا چلا جا رہا تھا اس لئے اگر یہ غدر کا نازک موقع پیش نہ آتا تب بھی کمپنی پر جو اعتماد حکمرانی کیا جا رہا تھا اُس کا خاتمہ جلد ہی ہو جاتا۔

ملکہ معظمہ کا اعلان عام

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ معظمہ کے اعلان عام کا ہندوستان کی اکثر زبانوں میں ترجمہ کرا کے اظہار ضابطہ کی ہر ممکن شان وشوکت کے ساتھ تمام اقلیم ہند میں تقسیم کرایا گیا اُس اعلان کا خلاصہ حسب ذیل تھا:-

۵۲۲

"ہرگاہ کہ حضور ملکۂ معظمہ نے سلطنت ہند کو اپنے معتمد ین کمپنی بہادر سے لے کر اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیا ہے اس لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام معاہدات۔ تمام مناصب۔ تمام حقوق و رسوم جو کمپنی بہادر کے منظور و قبول کیئے ہوئے ہیں بدستور قائم و برقرار رہیں گے اور سرکاری ملازمت ملکہ معظمہ کی جملہ طبقات رعایا کے لئے بلا قید قومیت و ملت عام طور سے کھلی رہے گی۔ اگرچہ حکومت کا مذہب عیسوی ہے مگر کسی شخص کو اُس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے نقصان یا فائدہ نہیں پہنچایا جائے گا۔"

اس اعلان کا ہندوستان کے رؤسا اور رعایا نے دلی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا اُس کمپنی کا اقبال جس کے سامنے وہ ایک صدی سے سر اطاعت خم کرتے چلے آئے تھے اس واقعۂ غدر کے ساتھ زوال میں آگیا جس نے اُسکی کمزوریاں ظاہر کر دی تھیں۔ غدر کو ہندوستان کی عظیم ترین مصیبتوں میں شمار کیا گیا۔ برطانوی اقتدار حکومت کو از سر نو اُس فوجی امداد نے ہندوستان میں قائم کیا تھا جو ملکہ معظمہ نے انگلستان سے بھیجی تھی اس لئے ملکۂ معظمہ کو حق حاصل تھا کہ وہ ہندوستان کے عصائے سلطنت کو اپنے ہاتھ میں

سلطنت کی قابل ترین دستاویزات میں شمار ہونے کے قابل تھی مگر مخلوق کے پرشور مطالبات کو اُس وقت کون روک سکتا تھا۔ مسٹر بیرنگ نے اس عرضداشت کو ایوانِ عام میں پیش کیا اور لارڈ پامرسٹن کی تجویز پر یہ ترمیم پیش کی کہ بصورتِ موجودہ گورنمنٹ ہند کے لیئے کوئی نیا قانون انتظام مرتب کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ ترمیم بھی ۱۷۴ کے مقابلے میں ۳۱۸ کی کثرت رائے سے ساقط ہوگئی درانحالیکہ اُس وقت سے پانچ سال پہلے ہندوستان کی سلطنت کمپنی کے ہاتھ میں رہنے دینے کی تجویز بلا اختلاف منظور ہوگئی تھی۔ ابھی لارڈ پامرسٹن کی تجویز ایوان حکومت میں پیش ہی تھی کہ قدامت پسند طبقہ (Conservatives) برسر اقتدار ہوگیا اور یہ کام لارڈ اسٹینلے کے سر پڑا کہ وہ اس تجویز کو منظور کرائے جس نے کمپنی کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ یکم ستمبر ۱۸۵۸ء کو مجلس انتظامیہ نے لیڈن ہال اسٹریٹ میں اپنا آخری اجلاس کیا اور آخری کارنامۂ قدردانی کے طور پر سر جان لارنس کے حق میں دو ہزار پونڈ سالانہ کا وظیفہ منظور فرمایا کیونکہ سر جان لارنس ہی اُس سلطنت کے بچانے کا اصلی باعث ہوا تھا جو اس وقت تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہورہی تھی۔

کمپنی کی حیثیت و شان پر ایک نظر

ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کی باضابطہ منظوری ملکہ الزبتھ نے ۱۶۰۰ء میں دی تھی لیکن اس کے سیاسی وجود کو ۱۷۵۷ء یعنی جنگ پلاسی سے شروع اور ایک صدی بعد یعنی ۱۸۵۷ء کے غدر پر ختم سمجھنا چاہیئے۔ اس ایک صدی میں کمپنی نے ایک ایسی سلطنت پیدا کرلی تھی جو رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے بڑی تھی اور اپنی جانشینی کے وقت پندرہ کروڑ نفوس کی حکومت اپنے بادشاہ کے حوالے کردی۔ اس شاندار رفتار کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے نہ کوئی نمونہ ایسی قوت کا مل سکتا ہے جو ایسی سرعت کے ساتھ حاصل کی گئی ہو اور ایسی وسیع و پُرعظمت ہو جس میں سیاسی اخلاق کے معیار کے مطابق اس قدر کم واقعات افسوس کے قابل پیش آئے ہوں۔ باوجود اُس کی غلطیوں اور سقموں کے بھی یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ کسی بیرونی ماتحت مملکت پر کبھی ایسے جوشِ مستعدی کے ساتھ یا ایسی

باب یازدہم
فصل پنجم

کونسل کے لیئے مزید ممبروں کا انتخاب کرلیا کرے جن کی تعداد بارہ سے زائد نہیں ہونی چاہیئے۔ کل تعداد میں نصف غیر سرکاری ممبر ہونے ضروری تھے خواہ وہ یورپین ہوں یا ہندوستانی ہوں۔ اس طرح ہندوستانیوں کو پہلی مرتبہ سلطنت کے حفظ و امن قائم رکھنے کی کارروائیوں میں اپنی آواز بلند کرنے کا موقع مل گیا سب سے پہلے ہندوستانی ممبر راجہ ڈنکر راؤ۔ راجہ صاحب پٹیالہ اور راجہ صاحب بنارس ہوئے جو سب کے سب غدر کے زمانے میں گورنمنٹ کے نہایت وفادار رہے تھے۔ اس طرح کی کونسلیں علیحدہ علیحدہ بنگال بمبئی اور مدراس کی گورنمنٹوں سے متعلق بنائی گئیں اور اسی طرح ہندوستانی عنصر کو اُن میں بھی شامل کیا گیا۔

غدر کا فرو ہونا بڑی حد تک اُس امداد کی وجہ سے ممکن ہوا جو پنجاب سے ملی تھی لیکن اس مخزن سپہگری کی پوری قدر و قیمت اُس وقت تک ظاہر نہ ہوسکی جب تک کہ چین کی جنگ نہ پیش آگئی۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ پنجابی سپاہی اپنی شجاعت کے اعتبار سے بہترین سپہگری کا نمونہ ہوتا ہے اور ان چھوت کے جھگڑوں سے آزاد ہوتا ہے جن میں اعلیٰ قوم کے ہندو سپاہی مبتلا ہوتے ہیں۔ سکھوں کو فوجی ملازمت میں داخل کرنے کی پہلی ہمت لارڈ ڈلہوزی نے اُسی وقت تین سال بعد کرلی تھی جبکہ وہ فیروزشہر کے معرکے میں سلطنت برطانیہ کی جڑیں تک ہلا چکے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی نے سکھوں کی ایک رجمنٹ اُس ہندوستانی رجمنٹ کی جگہ طلب کی تھی جنھوں نے رنگون جاتے وقت جہاز پر چڑھنے سے انکار کردیا تھا۔ اسی مثال کی لارڈ کیننگ نے بھی تقلید کی اور پنجابی فوجوں کی ایک بڑی کمک چین کی مہم پر بھیجی گئی اور انھوں نے پیکن کی فصیلوں پر برطانوی علم نصب کرنے میں امداد دی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا تمام عملۂ حکومت تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہوجانے سے کمپنی کی چودہ ہزار گورہ فوج بھی منتقل ہوگئی۔ اگرچہ اس تغیر و تبدل سے اُن افسروں یا سپاہیوں کی حیثیت میں یا آئندہ ترقی کی امیدوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا پھر بھی ان لوگوں کو اس طرح بغیر خود اُن کی رائے طلب کیئے ہوئے

باب دوازدہم
فصل پنجم

لے لے۔ ایسے سخت جھٹکے کے بعد یہ صاف نظر آتا تھا کہ بالکل نئے اصول حکومت کے رواج دینے سے امن وسکون میں بڑی امداد ملے گی اور کافتہ الناس کے دلوں کو ایک گونہ اطمینان حاصل ہوجائے گا چنانچہ یہی ہوا۔ ہندوستان کے باشندوں نے قدیم سے سلطانی شان وسطوت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا اور اب ملک میں اس خیال سے فخر ومباہات کی لہر دوڑ گئی کہ ہندوستانی بھی کسی شہنشاہ کی رعایا ہیں اور محض کسی زمیندار کی رعایا نہیں ہیں جو آخر زمانے میں کمپنی سمجھا جانے لگا تھا۔

فصل پنجم

مابعد ۱۸۵۸ء کا خلاصہ

تسخیر ہندوستان میں جو صدی صرف ہوئی وہ غدر ۱۸۵۷ء کے فرو ہونے پر اور ہندوستان کے تاج برطانیہ کے ساتھ متعلق ہوجانے پر پوری ہوگئی۔ واقعاتِ مابعد کا تذکرہ تاریخ ہند کے ایک نئے دور سے تعلق رکھتا ہے جس کی تفصیل اس اصل کتاب کے خلاصے میں کرنی مناسب نہیں ہے اس لئے ہم ۱۸۹۱ء تک کے خاص خاص واقعات کا مختصر سا حوالہ دے کر اس کتاب کو ختم کردیں گے۔

۱۸۵۹ء

۱۸۵۳ء کے پٹے کی تجدید کے وقت اعلےٰ کونسل کو شاہی قانون سازی کے اختیارات دے دئیے گئے تھے اور اُس کے ممبروں کی تعداد میں ایک ایک ممبر کا ہر احاطے سے اور ایک لفٹنٹ گورنر کا اور عدالتِ عالیہ کے دو ججوں کا اضافہ کردیا گیا تھا اب حکومت کے تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہوجانے سے ایک اور اہم تبدیلی عمل میں لائی گئی۔ عدالت عالیہ کے دونوں ججوں کو کونسل سے علٰحدہ کردیا گیا اور گورنر جنرل کو ہدایت کردی گئی کہ جب وہ قانون سازی میں مصروف ہو تو

صفحہ ۳۰۵

باب دوازدہم
فصل پنجم

نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ پیشگی رقم ملنے کے بعد اُن بیچاروں کو معلوم ہوتا تھا کہ اب اُن کا نام کسی طرح نیل والے صاحب کی کتاب سے خارج ہی نہیں ہوسکتا۔ ایک مرتبہ لفٹننٹ گورنر بنگال کو ڈھاکہ کے دورے سے واپس آتے وقت ہزارہا مرد و عورت کی قطاروں نے گھیر لیا اور دہائیاں دینی شروع کیں۔ اس پیچیدگی کا سلجھاوا اس طرح کیا گیا کہ ایک روبکار نافذ کیا گیا جس میں ایک طرف تو یہ حکم تھا کہ دوران سال موجودہ میں اگر کوئی مزدور پیشگی روپیہ لے کر کام کرنے سے انکار کرے گا تو نقضِ معاہدہ کے جرم میں اُسے سزا دی جائیگی۔ دوسری طرف ایک کمیشن اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ مزدوروں کی شکایتوں کی تحقیقات کرے۔ یہ تمام شکایتیں بالکل جائز اور اصلی ثابت ہوئیں اور لفٹننٹ گورنر نے آئندہ کے لئے ایسی منظوری صادر کرنے سے انکار کر دیا کہ کسی مزدور پر فوجداری مقدمہ ہر قسم کے نقضِ معاہدہ کے متعلق چلایا جا سکے۔

سنہ ۱۸۶۱ء

غدر کی وجہ سے ملکی قرضے میں پچاس کرور کا اضافہ ہو گیا تھا اور سالانہ اخراجات فوجی مصارف کے بڑھ جانیکی وجہ سے پچاس کرور تک پہنچ گئے تھے اور سالانہ فاضل خرچہ دس کرور ہو گیا تھا۔ حکومت کا سب سے کمزور پہلو ہمیشہ مالیہ رہا تھا۔ ہندوستان نے انگریزوں کے اندر قابل ترین مدبرین۔ سفرا۔ سپہ سالار اور منتظم پیدا کر دیئے تھے مگر ایک بھی منتظم مالیہ نہیں پیدا کیا تھا۔ سر چارلس وُڈ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کونسل میں ایک فنانشل ممبر (رکنِ مالیہ) کا اضافہ کیا اور اس عہدے پر سر جیمس ولسن کا انتخاب کیا جو خزینۂ لندن کا ایک سکرٹری رہ چکا تھا اور مالیہ سے اُس کو طبعی لگاؤ تھا۔ سر جیمس ولسن نے تمام محاصل پر علمی اصول کے مطابق نظر ثانی کی اور پانچ سال کے واسطے غدر کے غیر معمولی اخراجات پورے

صفحہ ۵۲۵

کرنے کے لئے رعایا برایا کی سالانہ آمدنی پر محصول عائد کیا اور ہر قسم کے لائسنس پر بھی محصول لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے سکۂ رائج الوقت میں بھی ترمیم کی اور ساہوکاری ہنڈی جاری کرنے کے جو حقوق بنگال۔ مدراس اور بمبئی کے بینکوں (ساہوکاری کوٹھیوں) کو بذریعہ پٹے کے دیئے گئے وہ منسوخ

باب دوازدہم
فصل پنجم

ایک آقا کی خدمت سے دوسرے کی خدمت میں منتقل کر دیئے جانیکے خلاف احتجاج پیدا ہوا اور اکثر طبیعتوں میں بے چینی کے آثار نظر آنے لگے اور ایک رجمنٹ نے تو کھلم کھلا عدول حکمی پر آمادگی ظاہر کی۔ لارڈ کیننگ نے اس وقت میں یہ اعلان کر دیا کہ جو گورہ سپاہی ترکِ ملازمت کے خواہشمند ہیں اُن کو سبکدوش کر کے سرکاری خرچ سے انگلستان بھیجا جاسکتا ہے۔ سپاہیوں کو شاہی ملازمت پر کوئی اعتراض نہیں تھا البتہ وہ اس موقع پر کچھ انعام کے امیدوار تھے جسطرح سپاہیوں کو اُس وقت دیا جاتا تھا جبکہ وہ میعادِ ملازمت ختم کر چکنے پر فوجی ملازمت سے سبکدوش ہوا کرتے تھے۔ سپاہیوں کی یہ امید بالکل بجا تھی لیکن غیر منصفانہ حکم کے ساتھ اُن کو مایوس کر دیا گیا اور دس ہزار کی تعداد نے سبکدوشی حاصل کر لی۔ اس سے دو نقصان ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اگر فی کس تھوڑا سا انعام دے دیا جاتا تو سلطنت پر اتنا بار نہیں پڑتا جتنا دس ہزار کو انگلستان تک پہنچانے میں صرفے میں پڑا۔ دوسرے یہ کہ سلطنت کو اپنے دس ہزار تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ سپاہیوں کی خدمات سے محروم ہو جانا پڑا۔ علاوہ براں باوجود اکثر ہندوستانی مدبرین کے مشورے کے یہ بھی طے کر لیا گیا کہ مقامی گورہ فوج قائم کرنیکا سلسلہ ہی بالکل قطع کر دیا جائے۔ دراں حالیکہ اس فوج کی قدر و قیمت پر لارڈ کارنوالس اور اُس کے جانشینوں نے بہت کچھ زور دیا تھا۔ ہندوستانی بیڑہ بھی جو چند سو مستولی جہازوں کا ایک مسلح بیڑا تھا اور ہندوستانی سمندروں کی گرداوری میں کام دیا کرتا تھا اسی سلسلے میں توڑ دیا گیا اور گرداوری کی خدمت بھی شاہی بیڑے کے سپرد کر دی گئی ؛

۱۸۶۰ء

اسی سنہ میں بنگال کے نیل پیدا کرنے والے اضلاع میں نیل کے کام کو بہت کچھ نقصان اس وجہ سے پہنچا کہ مزدوروں نے یورپین کاشتکاران نیل کے واسطے نیل بونے سے انکار کر دیا۔ اس کاشت سے اُن مزدوروں کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا مگر وہ اسپر اسلیئے مجبور تھے کہ پیشگی رقمیں اسی مزدوری کے وعدے پر اُن کے سر ڈال دی جاتی تھیں اور اُن سے ایسے اقرار ناموں پر دستخط یا نشانِ انگشت لے لیئے جاتے تھے جن کے مضمون سے بھی وہ واقف

باب دوازدہم
فصل پنجم

ایک ایک ہائی کورٹ قائم کیا گیا جو کچھ انگریزی بیرسٹروں اور کچھ کمپنی کے ججوں کے سپرد کیا گیا جن کے ساتھ ہی ایک ایک قابل ہندوستانی قانون داں کو بھی کرسی عدالت پر متمکن کیا گیا جو خود اُس کی ذات کے لیئے بیحد عزت کا اور تمام ملک کے لیئے بیحد شکریہ کا باعث ہوا۔ اس طرح ہندوستانیوں کو بھی انگریزوں کے برابر قانونی احکام صادر کرنے میں رعایا برایا کی قسمتوں کے فیصلے کرنے کے اختیارات دے کر لارڈ کارنوالس کی مکروہ تفریق کو مٹا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عدالت خفیفہ بھی سادہ ضابطے کے ساتھ ہر صوبے میں قائم کردی گئی۔ جن کے ذریعے سے چھوٹے چھوٹے قرضوں کی وصولی میں آسانیاں پیدا ہوگئیں ؛

صفحہ ۵۲۶

۱۸۶۲ء لیڈی کیننگ کی موت کی وجہ سے لارڈ کیننگ کو بہت جلد ہندوستان سے جانا پڑا علاوہ بریں خود لارڈ موصوف کی صحت بھی چھ سال کی غیر معمولی فکر و تشویش سے نہایت خراب ہوگئی تھی مارچ ۱۸۶۲ء میں لارڈ کیننگ ہندوستان سے روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر تین ماہ سے زائد زندہ نہ رہ سکا۔ برطانوی ہند کی تاریخ میں لارڈ کیننگ کا عہد حکومت سب سے زیادہ قابل یادگار زمانہ ہے کسی گورنر جنرل کو کبھی ایسی گہری تشویش کا زمانہ نہیں گزارنا پڑا تھا نہ ایسی سخت نازک حالت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسے معاملات کے سمجھنے اور تدارک کرنے میں سست اور سہل انگار تھا جن کے انتظام و تدارک کے لیئے لارڈ ڈلہوزی کی پیش بندی مستعدی و سرگرمی بے بہا ثابت ہوتی۔ پھر بھی لارڈ کیننگ پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ اُسنے کسی قسم کی بزدلی یا پست ہمتی کا ثبوت دیا بلکہ نہایت ہی دل دہلا دینے والے حادثات کے وقت بھی اُس کا استقلال و سکون ایسا رہا کہ اُس کی برابری نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ اس سے بہتر کوئی ظاہر کر سکے ؛

۱۸۶۳ء لارڈ الگن جس نے چینی معاملات کو کامیابی کے ساتھ تکمیل تک پہنچایا تھا لارڈ کیننگ کا جانشین مقرر کیا گیا اور ۱۲ مارچ ۱۸۶۲ء کو کلکتہ پہنچا لیکن دوسرے ہی سال نومبر کے مہینے میں مقام دھرم سالہ واقع کوہستان ہمالیہ میں فوت ہوگیا۔ اسے اپنے مختصر سے عہد حکومت میں

کر دیئے اور سلطنت کی طرف سے نوٹ جاری کرنے کا محکمہ قائم کیا۔ اس طرح نئے محاصل عائد کر کے اور اخراجات میں مناسب تخفیفیں کر کے تین سال کے عرصے میں جمع خرچ آکر برابر بیٹھا بدقسمتی سے موت نے مسٹر ولسن کی کار آمد زندگی کو مالی اصلاحات کی تکمیل سے پہلے ختم کر دیا۔

مسٹر میکالے نے ایک مجموعۂ تعزیرات ہند ۱۸۳۷ء میں مرتب کیا تھا جو بیس سال کے طویل عرصے تک اس کمیشن سے اُس کمیشن کی طرف منتقل ہوتا رہا اور آخرکار آخری ترمیم کے بعد ۱۸۶۰ء میں ملکی قانون بن کر نافذ ہوا۔ اسی زمانے میں محکمۂ آئین سازی (Legislative Council) نے ایک قابل تعریف ضابطۂ فوجداری و دیوانی منظور فرمایا جس سے اس پیچ دار عدالتی کارروائی میں بہت سادگی اور آسانی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے منصفانہ فیصلہ ہونے میں بہت دیر لگتی تھی۔
لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی نے دوران غدر میں سلطنت کی نہایت ہی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اور اپنے احاطے میں میلان بغاوت کو بالکل روکے رکھا تھا اور ایک متحرک دستۂ فوج قائم کر کے وسط ہند کا غدر رفع کرایا تھا۔ ان محنتوں اور پریشانیوں نے لارڈ موصوف کی صحت پر بہت خراب اثر کیا اور وہ نہایت سقیم حالت میں انگلستان چلا گیا جہاں سے عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے اسنے شہر خموشاں آباد کیا۔

غدر کے زمانے میں نواب نظام الملک حیدر آباد نے نہایت وفاداری و خلوص کا ثبوت دیا تھا اس لیئے اُس کے صلے میں اُن کو اعزازی خطابات دیئے گئے اور وہ تین صوبے بھی بالکل انھیں کو دے دیئے گئے جو انھوں نے بطور تعلقبندی گورنمنٹ کے حوالے کر دیئے تھے اور جو پچاس لاکھ کا قرضہ گورنمنٹ کا اُن کے ذمہ تھا وہ بھی معاف کر دیا گیا۔ ریاست شوراپور بھی جو راجہ کی بغاوت کی وجہ سے ضبط کر لی گئی تھی نواب نظام الملک ہی کو دے دی گئی۔

سنہ ۱۸۶۱ء لارڈ کیننگ کے عہد حکومت کے آخری زمانے میں تمام ملک کی قانونی عدالتوں کے نظام کو از سر نو درست کیا گیا۔ عدالت عالیہ اور صدر عدالت کو ایک کر کے ہر احاطے میں

باب دوازدہم
فصل پنجم

جس سے انگلستان کے کپڑا بننے کے کارخانوں کا پیٹ بھرتا تھا اس لیئے یہ ضرورت پڑی کہ ہندوستان کی طرف نظر اٹھائی جائے۔ چنانچہ ہندوستانی روئی کی قیمت بے انتہا بڑھ گئی اور نکاسی کی مقدار دو سو سے تین سو فی صدی تک ہو گئی اور چونکہ اس نکاسی کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس قیمت کا مال انگلستان سے نہیں دیا جا سکتا تھا اس لیئے اس کی قیمت زرِ نقد میں ادا کی گئی۔ امریکہ کی ملکی جنگ کے دوران میں ۷۵ کروڑ کا زرِ نقد ہندوستان میں آیا اور کاشتکاروں کی گودیں اس قدر دولت سے بھر گئیں جتنی کبھی انھوں نے یا اُن کے بزرگوں نے دیکھی بھی نہیں تھی کسی شاعر نے اس دولت کی افزونی کو شاعرانہ مبالغے کے ساتھ یوں بیان کیا تھا کہ ہندوستانی کسانوں نے اپنی گاڑیوں کے پہیوں پر بجائے لوہے کے چاندی کے ہال چڑھا لیئے؛

۱۸۶۵ء

روئی کی برآمد سے بمبئی میں جو غیر معمولی توفیر دولت کی ہو گئی اُس سے اقتصادی نظریات کا ایک خبط سا مخلوق میں پیدا ہو گیا۔ نہایت ہی ناقابلِ عمل تجارتی منصوبے باندھے گئے اور فوراً منظور ہو گئے اور کمپنیوں کے حصے کی قیمت پندرہ بیس گنی تک بڑھ گئی۔ بمبئی بینک بھی ان دور از کار تجارتی منصوبوں میں بے سوچے سمجھے شریک ہو گیا اور جب یہ بلبلا ٹوٹ گیا تو بینک مذکور کو دیوالیہ بن کر عدالت میں گھسنا پڑا اور یہ پہلی انگریزی ساہوکاری کوٹھی تھی جس کے ساتھ گورنمنٹ کا نام لگا ہوا تھا اور جس کو ایسی ذلت کا سامنا کرنا پڑا؛

سر جان لارنس نے بنگال گورنمنٹ کو بھوٹان کے کوہستانی قبائل سے سرحدی تنازعات میں الجھا ہوا پایا۔ تسخیر آسام کے بعد مزروعہ زمین کا ایک قطعہ موسومہ دوار جو پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا برطانوی محروسات میں شامل کر لیا گیا تھا لیکن رئیس بھوٹان کو اُس کے معاوضے میں ایک حقیر سی رقم سالانہ دے دی جاتی تھی تاکہ کوہستانی قبائل شورش و بدامنی پھیلانے سے باز رہیں۔ لیکن اس معاوضے نے یہ اثر نہیں کیا کہ وہ قبائل میدانی علاقے میں اپنی غارتگرانہ تاختوں سے باز رہتے جن میں علاوہ مال و دولت کے

باب دوازدہم
فصل پنجم

اپنی کوئی قابلیت ظاہر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ بہر حال اُس کے عہدِ حکومت میں بھی ایک قابلِ تذکرہ واقعہ یہ ہوا کہ وہابی جوشیلے مسلمانوں کے زیرِ اہتمام مقام ستنہ واقع سرحدِ افغانستان پر ایک جنگی سازش گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف کی گئی۔ بریگیڈیر چیمبرلین کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج دو گورہ اور چھ دیسی پلٹنوں کی اُن پہاڑی قلعوں پر حملہ کرنے کے واسطے بھیجی گئی جن میں دو صدی پہلے اکبر کی تمام فوجیں فنا ہو گئی تھیں۔ غدر کے پورے کوہستانیوں نے اس انگریزی فوج کی صرف مدافعت ہی نہیں کی بلکہ اس سختی سے مجارحت بھی کی۔ بریگیڈیر چیمبرلین زخموں سے بالکل نکما ہو گیا اور تمام فوج کی حالت ایسی نازک ہو گئی کہ کمانڈر انچیف کے احتجاج کے خلاف کلکتہ کونسل نے یہ تہیہ کر لیا کہ اس بے سود کوہستانی جنگبازی سے انگریزی فوجوں کو واپس بلا لیا جائے اگر یہ تجویز عمل میں لائی جاتی تو کوہستان کے وحشی قبائل زیادہ دیدہ دلیر ہو کر مور و ملخ کی طرح پنجاب پر ٹوٹ پڑتے۔ خوش قسمتی سے عین اسوقت پر سر ولیم ڈینی زن گورنر مدراس کلکتے میں قائم مقام گورنر جنرل ہو کر آ پہنچا اور اُس نے یہ حکم دیا کہ اس کوہستانی فوجکشی کو سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا جائے چنانچہ اختتام ۱۸۶۳ء تک یہ فوجکشی کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہنچ گئی؛

۱۸۶۴ء

محکمۂ وزارت کو مسلمانوں کی تازہ بغاوت اور اُس کے لازمی نتائج کے خطرات نے نہایت تشویش میں ڈال دیا تھا۔ اس لیئے محکمۂ موصوف نے گورنر جنرل کا عہدہ فوراً اُس شخص کو تفویض کیا جس نے غدر کے زمانے میں خاص طور سے جانکاہی کر کے سلطنت کو بچا لیا تھا اور جس کو ذاتی واقفیت بھی پوری پوری اس سرحد کے متعلق حاصل تھی۔ سر جان لارنیس گورنر جنرل ہو کر ۱۲ جنوری ۱۸۶۴ء کو کلکتہ پہنچا اور یہاں آ کر اُس نے مہمِ امبیلا یعنی متذکرۂ صدر کوہستانی بغاوت کو اتمام تک پہنچا ہوا پایا۔ چار سال بعد ان وحشی کوہستانیوں پر پھر وہی بغاوت کا مزمن دورہ پڑا مگر ایک بریگیڈ کو وقت پر بھیج کر اس کا فوری تدارک کر دیا گیا؛

نمبر ۵۲۷

امریکہ کی خانہ جنگی نے اُس روئی کی درآمد میں بڑا فرق ڈال دیا تھا

اُس کا وہ ضابطہ بھی تھا جس کو پنجاب اور اودھ کے مسائل ملکیت اراضی سے تعلق تھا۔ لارڈ موصوف یہ چاہتا تھا کہ زمینداروں اور تعلقداروں کی دراز دستیوں سے موروثی کاشتکاروں کے حقوق محفوظ رکھے۔ اس ضابطے کے خلاف بہت کچھ شور وشغب برپا کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ ویسرائے نے وہ جدت کی ہے جس سے وہ تمام معاہدات درہم وبرہم ہو جاتے ہیں جو تعلقداروں کے ساتھ کیئے گئے ہیں اور اُس کا لازمی نتیجہ شورش و بے چینی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اودھ میں تحقیقات کرنے سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ وہ کاشتکار جنکی خاطر گورنمنٹ تعلقداروں کی ناراضی مول لینے کی جوکھم میں پڑنے کو تیّار رہتی ایسے تھے کہ باوجود تعلقداروں کے ظلم وستم کی ہمیشہ شکایت کرنے کے بھی اُنھوں نے غدر میں بُرا نے تعلقداروں کا ساتھ دیا تھا اس لیئے اُن کے موروثی حقوق وہیں سلب ہو چکے تھے اور اب جو ان کو نئے حقوق کاشتکاری دیئے گئے اُن کے اعتبار سے اُن کو موروثی کاشتکاروں کے ذیل میں شامل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مسئلے پر بہت زور شور سے اور بڑے تلخ وترش مباحثے ہوتے رہے یہاں تک کہ سر چارلس وڈ کے ایک مراسلے نے اس معاملے کا فیصلہ تو نہیں کیا البتہ اُس کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس مراسلے میں مقامی حکّام سے خواہش کی گئی تھی کہ اس امر کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ کاشتکاروں کے اصلی حقوق بھی فراموش نہ ہونے پائیں اور تعلقداران اودھ کی اُس حیثیت اور منصب کا بھی خاص طور سے خیال رہے جس سے لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے اُن کو سرفراز کیا تھا۔

سنہ ۱۸۶۷ء

سر جان لارنس کے عہدِ حکومت میں میسور کے معاملات بھی زیر تنقیح آئے۔ لارڈ ولیم بینٹنگ کو راجۂ میسور کی ناقابل برداشت بدنظمیوں کی وجہ سے مجبور ہو کر انصرامِ حکومت اُس کے ہاتھ سے لے لینا پڑا تھا اور اُس کے لیئے ایک مناسب وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس ریاست کا انتظام جنرل کبن کے ہاتھ میں دیا گیا جو کمپنی کے اعلےٰ درجے کے مدبرین میں سے تھا اور جنرل موصوف کے زیر انتظام میسور نے عدیم النظیر ترقی حاصل کی

صفحہ ۵۲۹

باب دوازدہم
فصل پنجم

وہ آدمیوں کو بھی پکڑلے جایا کرتے تھے۔ ان حرکتوں پر یہ معاوضے کی رقم بند کر لیگئی جس پر بھوٹانیوں کی تاختیں اور بڑھ گئیں اور آنریبل ایشلے ایڈن کو گورنمنٹ بنگال نے بھوٹان میں سفارت پر روانہ کیا۔ یہ ایک کوتہ اندیشی کی حرکت تھی جس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ وحشی قبائل نے آنریبل ایشلے کے ساتھ طرح طرح کی ذلت کا برتاؤ کیا اور اُس کو مجبور کر کے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کرائے جس کی روسے گورنمنٹ بنگال علاقۂ دوار سے دست بردار ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اعلان جنگ کیا گیا۔ دشمن کو اگرچہ حقیر سمجھا گیا تھا مگر اُس نے ایک قلعے کو انگریزی فوج سے پھر چھین لیا۔ اُس مُلک کی آب و ہوا خراب تھی اور جو فوج وہاں حملہ کرنے کے لیئے گورنمنٹ بنگال نے بھیجی تھی وہ بھی بالکل ناکافی تھی

صفحہ ۵۲۸

چنانچہ دوسرے سال دوسری فوجکشی اختیار کی گئی جس میں بہت زیادہ فوج سے کام لیا گیا اور اگرچہ انگریزی فوجوں کو اُس ملک کی خراب آب وہوا سے سخت نقصان اُٹھانا پڑا مگر بھوٹانیوں کو شرائط ماننے پر مجبور کر لیا گیا۔ جو معاہدہ ان کے ساتھ کیا گیا اُس کی روسے علاقۂ دوار کے معاوضے میں اُن کو گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۲۵ ہزار سالانہ دیا جانا منظور کیا گیا۔ یہ تمام معاملہ اوّل سے آخر تک نہایت منحوس ثابت ہوا اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ بنگال گورنمنٹ میں نہ جنگ کی قابلیت تھی نہ سفارت کی اہلیت تھی؛

سنہ ۱۸۶۶ء

اس سال میں صوبۂ اڑیسہ میں ایک تباہ کن قحط رونما ہوا۔ سالِ ماسبق میں بارش کا فقدان کامل اس قحط کا پیش خیمہ ہو چکا تھا مگر بنگال گورنمنٹ نے کوئی انتظامی تدابیر اختیار نہیں کیں اور اُس وقت تک بالکل خوابِ غفلت میں پڑی رہی جب تک کہ قحط نے آکر صوبے کو گھیر نہ لیا اور سمندر کے راستے سے بھی امداد پہنچانا ناممکن ہوگیا لارڈ ہیرس گورنر مدراس کی ہمدردانہ سرگرمیوں سے اس مصیبت میں تخفیف بیشک ہوگئی پھر بھی نقصانِ جان کا کمترین اور صحیح ترین اندازہ ساڑھے سات لاکھ لگایا گیا اور اس حادثے سے بنگال گورنمنٹ کے دامن انتظام پر نہایت سیاہ دھبہ لگ گیا؛

سنہ ۱۸۶۵ء

سرجان لارینس کے اہم ترین کارنامہ جات آئین سازی میں

باب دوازدہم
فصل پنجم

تعمیر کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ کچھ عرصے تک یہی مسلک مصلحت اندیشی پر مبنی رہ سکتا تھا لیکن وسط ایشیا کے واقعات کچھ ایسی تیزی سے ترقی کر رہے تھے کہ روس کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر اس مدبرانہ غیر جانبداری کا قائم رہنا قابل عمل اور مطابق مصلحت نہیں نظر آتا تھا؛

سر جان لارنیس کا عہد حکومت اس سرگرم دلبستگی کی وجہ سے ممتاز ہے جو اس کو ذرائع آبپاشی کے ساتھ تھی۔ اپنے عہد حکومت کے ختم ہونے سے کچھ ہی پہلے اس نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں ان تمام ذرائع آبپاشی کی تفصیل کی تھی جو تمام احاطوں کے واسطے زیر تجویز تھے یا تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔ ان سب کی تکمیل کے لیئے کئی کروڑ روپیہ درکار تھا لیکن چونکہ مالیہ میں سالانہ مصارف فاضلات میں بڑتے چلے جا رہے تھے اس لیئے ہندوستان میں نہریں جاری کرنے کی تجویز کسی مبارک تر زمانے کے لیئے ملتوی کر دی گئی؛

صفحہ ۵۳۰

انگلستان پہنچنے پر سر جان لارنیس کو اپنی حسن خدمات کے صلے میں ایوان خاص کی ممبری و منصب سے سرفراز کیا گیا؛

لارڈ میو کو سر جان لارنیس کا جانشین کر کے بھیجا گیا اور وہ اوائل ۱۸۶۸ء میں ہندوستان پہنچا اور پہلا کام یہ کیا کہ معاملات افغانستان کے متعلق سر جان لارنیس کے اصول عدم مداخلت میں ترمیم کی۔ امیر شیر علی خاں کو ملاقات کے لیئے دعوت دی گئی اور ۲۹ مارچ ۱۸۶۸ء کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ انبالے میں اس کا خیر مقدم کیا گیا جہاں کہ صرف اسکی حیثیت فرمانروائی افغانستان ہی کو نہیں تسلیم کیا گیا بلکہ اس کو بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ اور ایک معقول تعداد سالانہ آلات حرب کی مقرر کر کے اچھی طرح خوش کر دیا گیا؛

لارڈ میو نے اپنے تئیں ہندوستانیوں میں اپنی خوش اخلاقی سے اور انگریزوں میں اپنی شاہانہ مدارات سے ہر دلعزیز بنا لیا تھا۔ اس کے عہد حکومت کا ممتاز ترین کارنامہ وہ تجویز ہے جس کی رو سے دس ہزار میل ریل گاڑیوں کا سلسلہ دیسی ریاستوں میں جاری کیا جانے والا تھا جس میں کمپنیوں کا

باب دوازدہم
فصل پنجم

راجہ نے لارڈ ہیسٹنگز کو بحالی حکومت کی درخواست دی تھی جس پر جنرل کین سے کیفیت طلب کی گئی اور اُس نے یہ رپورٹ کی کہ اب تک جتنے کام ترقی کے کیئے جاچکے ہیں اُن سب میں رکاوٹیں ڈالنے کی راجہ کی طرف سے ہمیشہ بے انتہا کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور اُس کے ہاتھ میں زمام حکومت دے دینا رعایا کی خوشحالی کے منافی ہوگا۔ اس پر راجہ کی درخواست نامنظور کردی گئی تھی۔ اسی طرح کی درخواستیں لارڈ ڈلہوزی۔ لارڈ کیننگ لارڈ الگن اور سرجان لارنس کی خدمت میں بھی پیش کی گئیں اور ہر دفعہ نامنظور ہوئیں۔ سرچارلس وُڈ نے پانچوں گورنر جنرلوں کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد راجہ نے ایک لڑکے کو متبنّیٰ کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس لڑکے کو گدّی کا وارث تسلیم کیا جائے۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ولزلی نے اس ریاست کو قائم کرتے وقت جان بوجھ کر وارثوں اور جانشینوں کا کوئی تذکرہ سند میں نہیں کیا تھا یعنی گدّی کے قبضے کو صرف راجہ کے عین حیات کے لیئے محدود کردیا تھا جس کو یہ ریاست بطور ذاتی عطیے کے دی گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۸۶۷ء میں قدامت پسند وزیر ہند سرچارلس وُڈ نے ہندوستان کے تمام حکّامِ سلطنت کے فیصلے کو مسترد کردیا اور متبنّیٰ لڑکے کو گدّی کا آئندہ مالک تسلیم کرلیا جس کو سنِ بلوغ پر پہنچنے کے بعد یعنی سنہ ۱۸۸۱ء میں اختیاراتِ حکومت دے دیئے جائیں گے۔

سنہ ۱۸۶۸ء | امیر دوست محمّد خاں جس نے برطانیہ کے ساتھ تمام معاہدات کو بڑے احترام سے پورا کیا تھا سنہ ۱۸۶۳ء میں انتقال کرگیا

اور اُس کے خاندان میں حصولِ تخت وتاج کے لیئے فوراً نزاع برپا ہوگیا۔ اُس کا بیٹا شیر علی خاں جس کو وہ اپنی زندگی میں نامزد کرگیا تھا تخت پر بیٹھ گیا تھا مگر اُس کو بہت جلد تاج وتخت سے محروم کردیا گیا اور پھر اُس نے قبضہ کرلیا۔ ان تمام اندرونی مجادلات میں سرجان لارنس نے سخت غیر جانبداری کو قائم رکھا اور اُن تنازعات میں حصہ لینے سے احتراز کیا جو ملک کو برباد کیئے جارہے تھے بعض مؤرخین نے گورنر جنرل کے اس اصولِ عمل کو مدبّرانہ سکون سے

باب دوازدہم
فصل پنجم

کس قدر دور اندیشی پر مبنی تھا؛

اس عہد میں خاص ہندوستان میں قحط کے خطرے سے بڑی تشویش پیدا ہو رہی تھی۔ بنگال و بہار میں بارش نہ ہونے سے چاول کی فصل کو اس قدر نقصان پہنچا تھا کہ اگر مناسب امدادی تدابیر وقت سے پہلے اختیار نہ کی جاتیں تو غلّہ ملنا مشکل ہو جاتا۔ ۱۸۶۶ء میں اُڑیسہ پر جو بلائے قحط نازل ہوئی تھی اُس کے سے ہولناک نتائج کی نوبت نہ آنے دینے کے خیال سے سر جارج کیمبل گورنر بنگال نے اپنی مستعدی و سرگرمی و انتظامی قابلیت سے کام لے کر بہت بڑی مقدار غلّے کی خرید کر بھر لی تھی اور آنے والی مصیبت سے پہلے ہی امدادی کام شروع کرا دیا۔ ان آنے والی مصیبتوں کے لیئے جو پیش بندیاں اس قابل گورنر نے اختیار کی تھیں اُن میں اُس کو ہندوستان و انگلستان کے حکام کی امداد بھی برابر ملتی رہی؛

۱۸۷۴ء

یہ سال تاریک مستقبل کے شگون بد کے ساتھ شروع ہوا اور جو مصیبت خاص تھی وہ عام ہوتی نظر آنے لگی ۱۸۷۳ء کی فصل خریف ہی نہیں بلکہ فصل ربیع بھی خراب ہو گئی اور گورنمنٹ کو چاول کی مقدار اُس اندازے سے بہت زیادہ بہم پہنچانی پڑی جو اُس نے ابتدا میں قائم کیا تھا جس کے ساتھ ہی باربرداری کی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا جو تقسیم غلّہ میں حارج تھیں۔ مگر سر جارج کیمبل کے جانشین سر رچارڈ ٹمپل کی انتظامی قابلیت تمام رکاوٹوں پر غالب آگئی اور اُس نے اپنے زیر تصرّف وسائل کا استعمال نہایت قابلیت سے کر کے اس وقت تک کامیابی کے ساتھ قحط کا مقابلہ کیا جب تک کہ ماہ جون کی موسلا دھار بارش نے تمام خطرات کو سر سے ہٹا نہ دیا اور اُن لوگوں کو پھر اپنی زراعت کے کام پر جانے کے قابل بنا دیا جن کو ابھی تک گورنمنٹ سے کھانے پینے کی امداد مل رہی تھی۔ کچھ اندازہ اُس عظیم الشان امدادی کام کی نوعیت کا اس سے ہو سکتا ہے کہ قحط زدہ علاقوں میں غلّہ پہنچانے کیلئے

باب دوازدہم
فصل پنجم

کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ۱۸۷۲ء میں لارڈ میو کی زندگی کا خاتمہ ایک قاتل کے خنجر برّاں نے جزیرۂ انڈمان کے دورے کے وقت کر دیا۔

۱۸۷۲ء

لارڈ میو کے قتل پر لارڈ نیپیر گورنر مدراس نے قانون کے مطابق اُس وقت تک انصرام گورنر جنرلی کو اپنے ہاتھ میں رکھا جب تک کہ ابتدائے ۱۸۷۲ء میں لارڈ نارتھ بروک ہندوستان نہ پہنچ گیا۔ نیا وائسرائے چونکہ انگلستان میں نائب وزیر رہ چکا تھا اس لیئے اُسکو سلطنت کے معاملات کا پورا تجربہ تھا اور اُس کی مدبّرانہ قابلیتوں کے امتحان کا وقت بہت جلد اُس موقع پر آگیا جبکہ روس نے اپنی مخدوش پیشقدمی وسط ایشیا میں شروع کی۔ امیر خوارزم (Khiva) نے گورنمنٹ ہندوستان سے اعانت طلب کی مگر لارڈ نارتھ بروک نے یہ جواب دے دیا کہ جس موقع پر روس کی سی کوئی دولت عظمیٰ اپنے جائز مطالبات پیش کر رہی ہو تو ایک کمتر متمدن قوم کا فرض ہے کہ اُن مطالبات کو تسلیم کرے اس لیئے انگلستان کی طرف سے کسی امداد کی امید نہیں دلائی جا سکتی ہے چونکہ روسی گورنمنٹ نے اس معاملے کو کھول کر صاف کر دیا تھا کہ اُس کی غرض صرف اپنی شکایتوں کی تلافی کرانی ہے اور خیوا کے کسی حصّے پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ایسی صورت میں یہ سمجھ میں آنا مشکل تھا کہ انگلستان کس استحقاق سے مداخلت کرے۔

۱۸۷۳ء

خوارزم پر یہ تعزیری مہم ۱۸۷۳ء کی فصل بہار میں شروع ہوئی اور روسیوں کو اُنھیں حسب دلخواہ کامیابی حاصل ہوگئی روسی فوج جنرل کاف مین کی سرکردگی میں بلا مقاومت تمام ملک میں گشت لگا آئی اور دار الحکومت پر بلا کسی اہم مدافعت کے قابض ہوگئی۔ خانِ خوارزم مغلوب ہوگیا اور وہ تمام مطالبات منظور کر لیئے جو روسی جرنیل نے اُس پر عائد کیئے تھے جس میں زارِ روس کی ماتحتی میں آجانے کی بھی ایک شرط تھی جس نے خوارزم کی آزادی کا ہی فیصلہ کر دیا اس پیشقدمی کے بعد انگریزی اور روسی حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ یہ طے پایا کہ روس اُس سرحد افغانستان میں کسی قسم کی مداخلت کرنے سے باز رہے جو انگلستان نے قائم کر دی تھی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ معاہدہ

صفحہ ۵۱۳

باب دوازدہم
فصل پنجم

اور بھڑک اٹھا۔ اُس زمانے میں کرنل فیری بڑودہ کا رزیڈنٹ تھا اور جس وقت کہ یہ اختلافات انتہائی صورت اختیار کیے ہوئے تھے عین اُسی وقت میں زہر خورانی کے ذریعے سے رزیڈنٹ کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ یہ شبہہ کیا گیا کہ گیکوار کے ایما سے یہ حرکت کی گئی ہے۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں ایک شاہی کمیشن اس الزام کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن میں تین دیسی رئیس تھے۔ مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ جے پور اور راجہ سر ڈنکر راؤ۔ اور تین انگریزی حکام تھے۔ سر رچارڈ کوچ صدر کمیشن۔ سر رچارڈ میڈ اور مسٹر فلپ میلویل۔ اگرچہ اس میں گورنمنٹ کی معلومات کے لیے صرف تفتیشی کارروائی کی ضرورت تھی مگر تحقیقات بالکل انگریزی مقدمات کے طریقے پر کی گئی اور گیکوار کی طرف سے مسٹر سرجنٹ بیلنٹائن نے پیروکاری کی جس کو خاص طور سے اسی کام کے لیے لندن سے طلب کیا گیا تھا نتیجے پر ممبران عدالت میں اختلاف رائے ہوا یعنی دیسی رئیسوں کو گیکوار کے خلاف ثبوت جرم میں شک تھا اور انگریزی حکام کو کوئی شبہہ وشک نہیں تھا اس معاملے کو آخری تجویز کے لیے وائسرائے کی خدمت میں پیش کر دیا گیا جس کو سزا دینا کا اختیار بھی تھا۔ وائسرائے نے حکام انگلستان کی منظوری سے یہ فیصلہ کیا کہ گیکوار کو معزول کر دیا جائے اگرچہ بعد میں اس تجویز کو خالص قانونی سزا نہیں بلکہ مصالح ملکی پر مبنی قرار دیا گیا۔ کاندیش قبیلۂ مرہٹہ کا ایک نوجوان شہزادہ ملہار راؤ کی جگہ تخت پر بٹھایا گیا اور اُس کو حکمرانی کے قابل بنانے کے لیے برطانوی نگرانی میں ایک نہایت قابل ہندوستانی مدبر کی تاتیقی میں دیا گیا موجودہ عہدناموں کی حدبندیوں میں کسی قسم کا تغیر کیے بغیر حدود ریاست کو بدستور رہنے دیا گیا۔

۱۸۷۵ء

گورنر مدراس لارڈ ہوبرٹ ۲۷ اپریل ۱۸۷۵ء کو انتقال کر گیا۔ وہ نہایت ہی ایماندار اور قابل مدبر تھا اور اُس نے کافۃ الناس کی خوشحالی و بہبودی کے لیے بہت کام کیا اور اپنے عہد حکومت میں مدراس کے مصنوعی بندرگاہ کو تعمیر کرنے کی اور شہر میں سڑک کی دونوں طرف گندی نالیاں بنانے کی تجویزیں کی تھیں۔ متوفی گورنر کی جگہ ڈیوک آف بکنگھم

۵۲۴

باب دوازدہم
فصل پنجم

دو دو بیلوں کے ایک لاکھ چھکڑوں کی ضرورت پڑی تھی جو ریلوے اسٹیشن سے صدر ذخائر تک غلّہ لے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار اونٹ اور نو ہزار گھوڑے اندرونی علاقے میں جہاں ریل نہیں تھی غلّہ پہنچاتے تھے اور دو ہزار تین سو کشتیاں اور دس دخانی جہاز گنگا اور دوسرے دریاوں کے راستوں سے غلّہ لا رہے تھے۔ اس امدادی کام سے بڑے پیمانے پر فائدہ اٹھانے کے لیئے لارڈ نارتھ بروک نے قحط زدوں کو دو بڑے رفاہِ عام کے کاموں پر لگایا جن میں سے ایک تو نہر دریائے سون کی توسیع کا کام تھا اور دوسرا نارتھ بنگال ریلوے کی تعمیر کا کام تھا جس وقت قحط کی سختی زوروں پر تھی اُس وقت ان دونوں بڑے اور دوسرے چھوٹے مقامی کاموں پر سترہ لاکھ ستر ہزار قحط زدگان لگے ہوئے تھے اور امدادی کارروائیوں میں گورنمنٹ کا ستر لاکھ پونڈ صرف ہوا۔

صفحہ ۴۳۲

افغانستان میں معاملات نے غیر اطمینانی صورت اختیار کرلی تھی۔ امیر شیر علی خاں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے یعقوب خاں کو جلاوطن کرنے کے بعد پھر اُسے کابل واپس طلب کرلیا اور جب وہ آگیا تو اُسے قید کردیا۔ اس فریب دہی کی اصل وجہ یہ افواہ مشہور کی گئی تھی کہ یعقوب خاں ایرانیوں کے ساتھ حوالگی ہرات کے متعلق ساز باز کررہا تھا لیکن اصل وجہ یہ تھی کہ امیر شیر علی خاں اپنے چھوٹے اور پیارے بیٹے عبد اللہ خاں کو اپنے بعد تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ایسی نوبت آنے سے پہلے عبد اللہ خاں انتقال کرگیا اور شیر علی خاں کے بعد یعقوب خاں کی تخت نشینی سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ باوجود فریب کا شکار ہونے کے بھی یعقوب خاں اپنی حصولِ مرضی میں کامیاب ہوگیا۔

۱۸۷۵ء

ملہار راؤ گیکوار بردہ کے نغو اور سقیم نظامِ ریاست نے برطانوی حکام کو متواتر فہمائشوں پر مجبور کیا تھا اور گورنمنٹ نے جب اُس کے ایک بیٹے کا حق تسلیم کرنے میں تامّل کیا جسے ملہار راؤ اپنا وارث جائز قرار دیتا تھا تو اُس سے ملہار راؤ کا غصّہ برطانوی حکام کے خلاف

باب دوازدہم
فصل پنجم

منظور کیا جس کو ٹیریف ایکٹ (ضابطۂ درآمد و برآمد) کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس ضابطے کے ذریعے سے ہندوستان کے محاصل سائرات کے تمام سلسلے پر نظر ثانی کی گئی تھی اور محاصل برآمد منسوخ کرکے روئی کے تیار مال پر درآمد کے محصول کو قائم رکھا گیا تھا اور اعلیٰ قسم کی صاف کی ہوئی روئی پر ایک زائد محصول مقرر کیا گیا تھا۔ لارڈ سالسبری نے فوراً ہی اس پر نہ صرف اپنی نامنظوری کا اظہار کیا بلکہ پُرزور الفاظ میں ہندوستانی حکام پر یہ اعتراض بھی کیا کہ انھوں نے بلا استمزاج صدر حکومتِ انگلستان کیونکر ایسے اہم ضابطے کو باختیار خود منظور کرلیا۔ لارڈ نارتھ بروک نے اس کا جواب نہایت قابلیت اور حفظِ مراتب کے لحاظ کے ساتھ دے دیا۔ ۴ جنوری ۱۸۷۶ء کو لارڈ نارتھ بروک اپنے عہدے سے سبکدوش ہوکر انگلستان پہنچا اور حسنِ خدمات کے صلے میں اُسے ارل بنایا گیا۔

لارڈ نارتھ بروک کا جانشین لارڈ لٹن اگرچہ علم ادب اور فن سفارت میں امتیازی شہرت حاصل کرچکا تھا مگر ابھی تک اُس کو کوئی انتظامی ذمہ داری کا عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ روئی کی درآمد کے مکروہ محصول کو رفتہ رفتہ منسوخ کردیا گیا۔ لارڈ لٹن نے ہندوستانی طبقے کے ساتھ نہایت خلوص و محبت کا برتاؤ کیا اور اینگلو انڈین طبقے کو بھی بتاکید یہی ہدایت کی کہ اس خلوص و محبت سے تالیفِ قلوب کرنے میں ساعی رہیں۔ ۵۳۴

۱۸۷۷ء

شہزادۂ ولی عہد کے ورودِ دہلی کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ شہر پھر ایک بڑے جشن کا منظر بن گیا۔ ایوانِ حکومتِ انگلستان نے یہ فیصلہ کیا کہ ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کا شہنشاہی لقب اختیار کرے اس لیے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں ہندوستانی رئیسوں اور سرداروں کا دربارِ عام منعقد کیا گیا جس میں اس نئے لقب کا اعلان وائسرائے نے کیا اور وفاداری کے پرجوش نعروں کے ساتھ حاضرین نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اتنے ہندوستانی رئیسوں اور یورپین حاکموں کی موجودگی سے یہ موقع بھی مل گیا کہ ایک مجلس اُن قانونی اور مالی معاملات پر غور کرنے کیلئے بھی

گورنرِ مدراس مقرر ہو کر آیا۔

قومی اہمیت کا ایک واقعہ یعنی شہزادۂ ولی عہدِ انگلستان کا ورود بھی ہندوستان میں اسی سال کے اختتام پر پیش آیا۔ ۱۱؍اکتوبر ۱۸۷۵ء کو انگلستان سے روانہ ہو کر شہزادۂ ولی عہد کچھ روز اوتھینیا (Athens) قیام فرماتا ہوا قاہرہ گیا جہاں اُس نے وائسرائے کے سب سے بڑے بیٹے توفیق کو ستارۂ ہند کے تمغہ و خطاب سے سرفراز فرمایا اور وہاں سے روانہ ہو کر ۸؍نومبر ۱۸۷۵ء کو ساحلِ بمبئی پر اُترا۔ جس شان و شوکت کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا گیا وہ نہایت پرجوش تھی اور تمام شاہی دورے کے دوران میں ہر صورتِ حال سے اس ورودِ مسعود پر ہندوستانیوں کے اطمینان و امتنان کا پتہ لگتا تھا۔ مدراس میں گورنر کی طرف سے شہزادے کو شاندار ضیافت دی گئی اور وہیں اُس نے اُس احاطے کے مہاراجوں سے دید و باز دید کی۔ ۱۸۷۶ء کے روزِ نوروز کو وہ ایک ستارۂ ہند کی خطاب یابی کے جلسے کا صدر نشین ہوا جو نہایت شان و شوکت کے ساتھ کلکتے میں منعقد کیا گیا تھا۔ پھر شہزادہ بالائی ہند کی طرف روانہ ہوا اور سرکاری جلوس کے ساتھ پانچ میل کی دورویہ فوجی صف بندی کے اندر سے گزرتا ہوا دہلی میں داخل ہوا اور ہندوستان کے اس قدیم دار الحکومت میں ہندوستانی طبقے کی طرف سے اُس کو ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ نیپال۔ پٹیالہ۔ گوالیار اور اندور کے دورے کرا کر شہزادے کو دیسی ریاستوں کے انداز و شان کا مطالعہ کرنے کے موقع بہم پہنچائے گئے۔ ۱۳؍مارچ ۱۸۷۶ء کو جب شہزادہ بندرگاہِ بمبئی پر پہنچا تو اُس نے لارڈ نارتھ بروک کو ایک خط لکھا جس میں ہندوستان کے دورے سے بے انتہا مسرت و اطمینان حاصل کرنے کا اظہار فرمایا اور یہ بھی اعتراف کیا کہ جو سبق اس دورے سے سیکھے ہیں وہ اُس کی آیندہ زندگی میں باعثِ رہنمائی ہوں گے۔

اسی اثنا میں وائسرائے اور وزیرِ ہند کے درمیان بعض کشیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ ۵؍اگست ۱۸۷۶ء کو ہندوستانی گورنمنٹ نے ایک ضابطہ

باب دوازدہم
فصل پنجم

قحط کے اس طرح وقتاً فوقتاً رونما ہونے کو دیکھ کر سر جان سٹریچی ممبر مالیہ نے ایک تجویز پیش کی جس کی رو سے ایک مزید ٹیکس لگایا گیا جس کی مجموعی آمدنی اس قسم کی امدادی ضروریات کے لئے محفوظ رکھی جانیوالی تھی اور اس تجویز نے مناسب موقع پر گورنمنٹ کی منظوری بھی حاصل کرلی؛

۵۳۵
جنگ بہادر نیپال کا بادشاہ گر مدار المہام جس کی غدر کی خدمات کا تذکرہ کیا جاچکا ہے اسی سال میں فوت ہوگیا۔ اگرچہ وہ اپنے علاقے سے نہایت سختی کے ساتھ اہل یورپ کو باہر رکھتا تھا مگر ہندوستانی گورنمنٹ کے ساتھ اُس کا اصول عمل ہمیشہ دوستی و صلح جوئی پر مبنی رہا تھا اور اس سرحد پر ایسے سچے دوست کے نقصان کو ہندوستانی حکام نے دلی صدمے کے ساتھ محسوس کیا؛

شمال مغربی سرحد پر جو قبائل ہیں وہ فطرۃً سرکش اور شورہ پشت واقع ہوئے ہیں چنانچہ اس سال انھوں نے پھر کچھ زیادتی کے آثار ظاہر کئے اور ان کی سرکوبی کے لیئے سخت کارروائیوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ان میں سے ایک قبیلے نے جس کا نام جواکی تھا ایک ہفتے کے اندر برطانوی علاقے میں چار تاختیں کیں۔ اپنی آخری تاخت میں جواکیوں نے رجمنٹ ۲۲ کے ایک حصے پر حملہ کیا اور کئی سپاہیوں کو مقتول و مجروح کیا۔ آخر کار ایک تعزیری مہم اُن کے خلاف بھیجی گئی جس نے تمام سرکشی کا انسداد کردیا اور سرحد پر پھر امن قائم ہوگیا؛

۱۸۷۸ء
اپریل ۱۸۷۸ء میں گورنمنٹ انگلستان کی طرف سے گورنمنٹ ہندوستان کو ایک حکم وصول ہوا کہ سات ہزار ہندوستانی سپاہی مالٹا کو روانہ کرے۔ ہندوستانی تاریخ میں یہ واقعہ عدیم المثال تھا کہ ہندوستانی سپاہی سے یورپ میں کام لیا جائے۔ یہ فوج بھیج دی گئی مگر معاملات مشرق کی وہ پیچیدہ صورت حال جس کی وجہ سے اس نقل و حرکت کی ضرورت پڑی تھی محض سفارتی تدبر سے سلجھ گئی اور چند ماہ کے بعد ہی یہ فوج واپس طلب کرلی گئی؛

باب دوازدہم
فصل پنجم

منعقد کرلی جائے جو اس وقت حکام کی توجہ کے متقاضی تھے۔ اسکے ساتھ ہی اکثر مراعات عطا کرنے کی گزشتہ خدمات کے صلے میں انعامات یا پنشنیں دینے یا بڑھانے کی کارروائیاں بھی اسی اجلاس میں کردی گئیں۔ اس دربار کی سب سے اہم شان یہ تھی کہ اس موقع پر سولہ ہزار قیدی رہا کیئے گئے جن کے معاملات کی سرایڈورڈ بیلی نے بڑی کوشش سے تحقیقات کی تھی اور سرایڈورڈ بیلی ہی کی ذات کے ساتھ اس فیض عام اور اُس کے اس مبارک اثر کو منسوب کیا جاسکتا ہے جو ہندوستانیوں کے دلوں میں اس کارروائی سے پیدا ہوا۔

مگر اس شاندار تقریب نے وہ مکمل سیاسی اثر پیدا نہیں کیا جس کی امید کی گئی تھی کیونکہ مخلوق کے دلوں پر قحط کے آثار نے پریشانیاں طاری کررکھی تھیں اور یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ اس حلقے میں بمبئی اور مدراس کے احاطے بالکل ہی برباد ہوجائیں گے اور گرانی کے آثار قرب وجوار کی ریاستوں میں بھی محسوس ہونے لگیں گے۔ یہ تمام خدشات بہت جلد پورے ہوگئے۔ گزشتہ سال کی بارش ایک حد تک کم ہوئی تھی اور ۱۸۷۷ء کی برسات بھی کچھ ایسی کمزور اور بے قاعدہ ہی کہ قحط کی بلائے مبرم سر پر آہی گئی۔ لیکن ہندوستانی حکام اب سمجھدار اور پختہ کار ہوچکے تھے اور پہلے موقع پر امدادی کام جاری کرنے اور غلہ تقسیم کرنے کے جو وسائل بنگال میں اختیار کیئے گئے تھے اُن ہی کو فوراً یہاں بھی ہاتھ میں لیا گیا۔ مگر باوجود ان تمام کوششوں کے ایوان عام میں ضابطے سے یہ اعلان کیا گیا کہ ساڑھے تیرہ لاکھ نفوس کا نقصان ہوا اور جب جاڑا خوب اچھی طرح چمک گیا تب کہیں جاکر قحط زدہ اضلاع میں امداد کی ضرورت ختم ہوئی۔ انگلستان نے بھی پانچ لاکھ چندہ بھیجکر حکام ہندوستان کی بڑی فیاضی سے امداد کی تھی اور جس شرافت اور فیاضی کے ساتھ اسوقت انگلستان نے اپنی ایشیائی رعیت کی مصیبت میں دستگیری کی اُسنے دونوں قوموں کے ارتباط کو پیوستہ تر کردیا اور روس کی ریشہ دوانیوں سے جو برائیاں پیدا ہوجانے کا احتمال تھا وہ سب بالکل فنا ہوکر رہگیا۔ ہندوستان میں

باب دوازدہم
فصل پنجم

جنرل اسٹوارٹ چار سو میل کے دشوار گزار ملک کا نہایت ہی سخت کوچ کر کے جنرل بڈلف کی سپاہ سے مقامِ تخت پل پر مل گیا جو درۂ خوجک اور درۂ غوازہ کا نقطۂ اتصال ہے۔ قندھار کے باہر وہاں کے مقامی رسالے نے کچھ مدافعت کی جس کے بعد انگریزی سپاہ نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ البتہ قندھار کے قرب وجوار میں اور وادی غوست میں جنرل رابرٹ کے ساتھ تابڑ توڑ بیقاعدہ مڈبھیڑیں ہوتی رہیں۔ کوہستانی قبیلے برابر نقل وحرکت میں مصروف نظر آتے تھے مگر اس سے آگے اندرونِ ملک میں فوجی پیشقدمی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ برطانوی سپاہ کی پہلی پیشقدمی پر شیر علی خاں کابل سے فرار ہو کر مزار شریف پہنچ گیا تھا جہاں اُس نے انگریزوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر یکم فروری ۱۸۷۹ء کو اُس کے یکایک انتقال کر جانے سے اُس کے منصوبے وہیں ختم ہو گئے اور اُس کی دورنگ زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ شیر علی خاں کا بیٹا یعقوب خاں تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اور انگریزی گورنمنٹ نے بھی اُس کو شاہِ افغانستان تسلیم کر لیا مگر اُس نے انگریزی حکومت سے کسی قسم کا نامہ وپیام کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ کابل پر فوجکشی کی دھمکی دی گئی چنانچہ وہ اس پر رضامند ہو گیا کہ انگریزی سفیر میجر کواگنری سے مقامِ گندمک پر ملاقات کرے اور اس جگہ کچھ سیاسی ردّ و بدل کے بعد ایک مجارحانہ ومدافعانہ صلحنامہ ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء کو طے پایا جس کی ایک خاص شرط یہ تھی کہ ایک انگریزی ریذیڈنٹ مستقل طور پر دربار کابل میں مقیم رہے۔

میجر کواگنری جس کو موجودہ فوجکشی کے صلے میں نائٹ کا خطاب دیا گیا تھا برطانوی ریذیڈنٹ مقیم دربارِ کابل متعین کیا گیا کیونکہ صوبۂ شمال مغربی کے نیم وحشی قبائل کے متعلق اُسے عرصۂ دراز کا تجربہ تھا۔ اور وہ اُن سے خوب کام نکالنا جانتا تھا اس لیئے وہ اس عہدے کے لیئے نہایت موزوں تھا لیکن میجر موصوف مع اپنے ہمرکابوں کے ابھی کابل میں گھسنے ہی پایا تھا کہ یعقوب خاں نے اُسے آگاہ کر دیا کہ اُس کی زندگی خطرے میں ہے۔ میجر کواگنری نے نہایت استغنا کے ساتھ اس کا جواب یہ دیا کہ اگر وہ ایک

ب دوانزدہم
عمل تجسیم

اس اثنا میں کابل کے ساتھ برطانوی تعلقات نہایت پیچیدہ ہو گئے تھے۔ امیر شیر علی نے برطانوی قبضۂ کوئٹہ پر بہت بُرا مانا تھا۔ اس شکایت کے ساتھ ہی دیگر وجوہ شکایت بھی تھے اور سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ پشاور میں جو کابل کے قائم مقام اور انگریزی قائم مقام کے درمیان مجلس مشاورت منعقد ہوئی تھی وہ بالکل ناکام رہی جس کا اثر یہ ہوا کہ امیر شیر علی ایک روسی وفد کو شرف باریابی عطا کرنے پر راضی ہو گیا۔ اس کے جواب میں لارڈ لٹن نے ایک انگریزی سفارت جنرل چیمبرلین کی سرکردگی میں فوراً روانہ کی لیکن ۲۱ ستمبر ۱۸۷۸ء کو یہ سفارت درۂ خیبر کے پہلے ہی قلعۂ علی مسجد سے واپس کر دی گئی کیونکہ قلعدار نے اپنی گورنمنٹ کے احکام کے اتباع میں اس سفارت کو آگے جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ایک ہندوستانی سفیر غلام حسین کو پہلے سے اس غرض سے کابل بھیج دیا گیا تھا کہ وہ جا کر ذرا امیر کو ٹٹو لے وہ بھی واپس آ گیا اور ناقابل اطمینان جواب لایا اس لیے وائسرائے نے امیر شیر علی کے پاس ایک آخری مراسلہ اس مضمون کا بھیجا کہ اگر ۲۰ نومبر ۱۸۷۸ء سے پہلے انگریزی مطالبات کی تعمیل نہیں کی گئی تو مخاصمت باضابطہ شروع ہو جائے گی۔ اس کا کچھ ٹالنے والا جواب آیا اور یہاں سے فوراً اعلان جنگ کر دیا گیا۔

صفحہ ۵۳۶

جنرل سر سیمویل براؤن کو حکم دیا گیا کہ ایک زبردست فوج کے ساتھ درۂ خیبر کے راستے سے خاص کابل پر پیشقدمی کرے۔ یہ سپاہ ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو روانہ ہوئی لیکن اس کی پیشقدمی کو علی مسجد پر روک دیا گیا۔ مگر اس اہم قلعے کی تسخیر اور اس کے بعد ہی افغانی فوج کا تخلیۂ جلال آباد بہت جلد عمل میں آ گیا اور انگریزی فوج تمام موسم سرما میں شہر جلال آباد کے باہر بغیر کسی مقاومت یا مدافعت سے دوچار ہوئے پڑی رہی۔ جنرل رابرٹس جو بریگیڈ ۔۔ کی قیادت پر تھا درۂ خرم کے ذریعے سے افغانستان کے اندر گھسا اور درۂ پیوار پر اس کا سخت مقابلہ کیا گیا مگر افغانیوں کی کوئی شجاعت اس درے پر قبضہ کر لینے سے انگریزی فوج کو باز نہ رکھ سکی۔ ایک دوسری بریگیڈ کا قائد

باب دوازدہم
فصل پنجم

کابل میں ایک شاندار دربار منعقد کیا تاکہ برطانیہ کے صلح جو اور امن پسند اصول عمل کا اعلان کرے۔ ولی محمد خاں کو جو شیر علی کا رشتے میں بھائی تھا اس امید پر کابل کا فوجی گورنر مقرر کیا گیا کہ وہ کچھ عرصے میں ملکی اختیارات بھی حاصل کرے گا لیکن یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مخلوق کا رجحان اب بھی بہت زیادہ یعقوب خاں کی طرف تھا جو اس وقت گورنمنٹ کا نظر بند تھا اور جس کی بحالی پھر کسی طرح گورنمنٹ ہند منظور کرنے کو تیار نہیں تھی۔ چونکہ بالائی افغانستان کے کسی حصے کو برطانوی محروسات میں شامل کر لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیئے انگریز یہ چاہتے تھے کہ تخلیۂ کابل کے متعلق کسی سے نامہ و پیام کریں اور ملک کی حکومت کسی ایسے دعویدار کے سپرد کریں جو تخت پر استحقاق جائز بھی ثابت کر سکے اور اتنی قوت بھی رکھتا ہو کہ افغانیوں کے سر زبردستی اپنی اطاعت کے لیئے خم کرا لے۔ دو امیدوار جو اس وقت نظر کے سامنے تھے ان میں سے ایک ایوب خاں خلف شیر علی خاں تھا اور دوسرا عبدالرحمن خاں برادر زادۂ شیر علی خاں تھا جو تخت کا دعویدار خود شیر علی خاں کے مقابلے میں رہ چکا تھا اور عرصے سے ترکستان میں روسی وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اس اثنا میں باوجود ناقابل برداشت فوجی مصارف کے برطانوی سپاہ نے ملک پر اپنا قبضہ برابر قائم رکھا اور مارچ سنہ ۱۸۸۰ء میں سر لیپل گریفن کو کابل اس غرض سے بھیجا گیا کہ جنرل رابرٹس سے سیاسی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لے۔ سر لیپل گریفن کو یہ اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو افغانستان کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ خود مختار رئیس وہاں قائم کر دے۔ پہلی کارروائی اس تجویز کے متعلق یہ کی گئی کہ امیر سابق کے ایک چچیرے بھائی شیر علی خاں کو مملکت قندھار کا والی بنایا گیا اور اس کے مشورے کے لیئے ایک برطانوی رزیڈنٹ اور اسکی حمایت کے لیئے ایک برطانوی فوج وہاں متعین کی گئی۔

صفحہ ۸۳۸

چونکہ بنگال کی فوج نے عرصے تک ہندوستان سے باہر رہنے کی وجہ سے بے چینی کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیئے تھے اس لیئے اس کو سبکدوش

باب دوازدہم
فصل پنجم
صفحہ ۵۰۳/۷

مارا گیا۔ ہندوستان میں اُس جیسے اور بہت سے اُس کی جگہ لینے کو موجود ہیں۔ چند ہفتے تو آرام سے گزر گئے اور ملک میں کچھ صورت قیام امن کی پیدا ہوتی جارہی تھی کہ یکایک بہادر کواگنری اور اُس کے ساتھیوں کے قتل نے اور رزیڈنسی کی ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کی آتش زدگی نے امن کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ افغانیوں نے ابکی تیسری مرتبہ پھر انگریزوں کے ساتھ نقض عہد کیا تھا اور اپنی اصلی یا فرضی شکایات کا انتقام انگریزی قائم مقام سے لے لیا تھا۔ پھر ایک مرتبہ ایک زبردست برطانوی فوج اپنے ہموطنوں کے خون ناحق کا انتقام لینے غم و غصہ سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ کابل کی طرف چلی۔ سر فریڈرک رابرٹس نے فوراً کابل پر پیش قدمی کی جس پر اُس نے ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو قبضہ کرلیا۔ راستے میں صرف مقام چار اسیاب پر تھوڑی سی مدافعت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یعقوب خاں جو پہلے سے بھاگ کر برطانوی لشکر میں آگیا تھا تخت سے معزول قرار دیا گیا اور نظر بند کرلیا گیا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ ملک کے آئندہ نظام حکومت کے متعلق امن قائم ہونے کے بعد سرداروں سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا جائے گا۔ نومبر ۱۸۷۹ء میں بعض کوہستانی قبیلوں اور سرکش سپاہیوں کی تازہ بغاوت نے پھر بڑی تشویش پیدا کردی جس میں اس وجہ سے اور اضافہ ہوگیا کہ ہندوستان کے ساتھ سر فریڈرک رابرٹس کا ارتباط بالکل قطع ہوگیا اور جنرل مذکور کو مجبوراً اپنے سابقہ پڑاؤ کو چھوڑ کر شیرپور میں آکر مقیم ہونا پڑا جو کابل سے باہر ایک مضبوط چھاؤنی تھی جہاں سے کابل پر زد پڑتی تھی۔ مگر باوجودیکہ جنرل میسی کسی طرح غزنی سے ارتباط قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا پھر بھی سر فریڈرک اپنے اس نئے مورچے پر قدم جمائے رہا۔ جنرل گف نے سر فریڈرک رابرٹس کی کمک کے لیئے کوچ کیا اور اختتام سال تک پھر کابل پر برطانوی قبضہ ہوگیا اور اوائل ۱۸۸۰ء میں وہ تمام سرکش گروہ منتشر کردیئے گئے جو شیرپور کی ناکہ بندی کرکے انگریزی فوجوں کو فنا کردینے کی دھمکی دے رہے تھے۔

اس طرح کچھ عرصے کے لیئے امن قائم ہوجانے کے بعد لارڈ رابرٹس نے

باب دوازدہم
فصل پنجم
صفحہ ۶۳۹

وقوع میں آنے والا تھا۔ ایسی حالت میں جب کوئی دوسرا حاکم نہ مل سکا تو عبدالرحمٰن خاں کے ساتھ ہی سلسلۂ نامہ و پیام شروع کیا گیا اور اُس کو شمالی افغانستان کی حکومت پیش کی گئی۔ اس نامہ و پیام میں کچھ دیر اس لئے لگی کہ عبدالرحمٰن خاں کو قندھار پر اور اُن اضلاع پر قبضہ دینا منظور نہیں تھا جو معاہدۂ گندمک کی رو سے برطانیہ کو دے دیئے گئے تھے۔ آخرکار ۲۲ جولائی ۱۸۸۰ء کو سر لیپل گریفن نے امیر عبدالرحمٰن خاں کو ایک اعلان عام کے ذریعے سے شمالی افغانستان کا باضابطہ حاکم تسلیم کر لیا۔ شاہی گورنمنٹ نے عبدالرحمٰن خاں کو ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ ہر طرح کی مالی امداد کی ذمہ داری کی اور تمام قلعہ جات پر قبضہ کرا دینے کا بھی یقین دلایا بشرطیکہ وہ برطانوی فوج کی واپسی پر اُن کو ہر قسم کی تکلیف سے بچائے رکھے۔

انگریزی فوج کی واپسی میں ہرج ڈالنے والی ایک تازہ وجہ تشویش پیدا ہو گئی۔ شیر علی خاں کے کابل سے بھاگ جانے کے بعد سے ایوب خاں نے اپنے قدم ہرات میں جما لیئے تھے اور برابر انگریزوں کے خلاف بحث و یز میں مصروف رہتا تھا اور جون ۱۸۸۰ء میں اُس نے ایک زبردست فوج کے ساتھ قندھار پر پیش قدمی کر ہی دی۔ کچھ عرصے تک تو یہ امر مشتبہ رہا کہ ایوب خاں کا ارادہ جنرل پرم بروز کی انگریزی فوج کے مقابلے میں کوئی مظاہرہ کرنے کا ہے یا والی قندھار سے معرکہ آرائی کرنے کا ہے۔ جنرل بروز کو والی کی افواج کے ساتھ ہیلمند کا راستہ روکنے کو بھیجا گیا لیکن افغانی فوج نے بغاوت کی اور اپنا لشکر چھوڑ کر ایوب خاں کی طرف چلی اور جنرل بروز نے اُن باغیوں کے تعاقب کے جوش میں دریا کو عبور کر لیا۔ واپسی میں جنرل بروز نے مقامِ کشک نخود پر جو قندھار سے ۴۵ میل تھا موضع میوند کے قریب اپنے مورچے اس غرض سے باندھے کہ قندھار اور غزنی کے دونوں راستوں کو اپنی زد میں رکھے۔ بدقسمتی سے جنرل بروز کو دشمن کی پوری قوت کا علم نہیں تھا اور ۲۷ جولائی ۱۸۸۰ء کو جنرل مذکور نے

کرنے کے لیئے بمبئی سے ایک فوج بھیجی گئی اور بنگالی فوج جنرل سٹوارٹ کی قیادت
میں براہِ کابل و غزنی ہندوستان کی طرف واپس لائی گئی۔ غزنی سے ۲۳ میل
کے فاصلے پر مقام احمد خیل پر سولہ ہزار افغانیوں نے اس فوج کا بڑی سختی سے
راستہ روکا۔ انگریزی فوج کی تعداد اگرچہ صرف چھ ہزار تھی اور افغانیوں نے
بھی ایسی مردی کا اظہار کیا تھا جیسی اب تک نہیں کی تھی پھر بھی افغانیوں کو
شکست دے کر بالکل منتشر کر دیا گیا۔ اس حملے میں ناکام ہو کر دشمن سر پر پاؤں
رکھ کر بھاگا اور میدانِ جنگ میں اپنے مقتول و مجروح بھی چھوڑ گیا اور دوسرے دن
بغیر کسی مدافعت کے برطانوی فوج غزنی میں داخل ہو گئی۔

اپریل ۱۸۸۰ء میں انگلستان کے محکمۂ وزارت میں تغیر و تبدل رونما
ہو گیا جس سے برطانیہ کے افغانی اصول عمل میں بھی تغیر ہو گیا۔ لارڈ لٹن
مستعفی ہو گیا اور لارڈ رپن اسکا جانشین ہوا اور لارڈ ہارٹنگٹن وزیر ہند ہوا۔ اب تک سلطنت برطانیہ
کا ارادہ یہ تھا کہ برطانوی اقتدار کو قندھار میں قائم کر دیا جائے اور اس شہر پر کچھ عرصے تک
فوجی قبضہ قائم رکھا جائے اور اس کو ریل کے ذریعے سے ہندوستان کے ساتھ ملا دیا جائے
اور بقیہ افغانستان کا تخلیہ اُس وقت عمل میں لایا جائے جبکہ کوئی دوستانہ حکومت
وہاں قائم ہو جائے۔ اب نئی وزارت نے جو اصولِ عمل اختیار کیا وہ یہ تھا
کہ خواہ ملک کی حالت برطانوی فوج کے چلے آنے کے بعد کچھ ہی ہو جائے
مگر برطانوی فوجوں کو افغانستان سے ضرور واپس کر لیا جائے اور قندھار
پر قبضہ قائم رکھنے یا اٹھا لینے کا فیصلہ بالکل ہندوستانی حکومت کی مصلحت بینی
پر منحصر کر دیا گیا۔ لیکن قبضہ قائم رکھنے کے اخراجات ایسے کثیر تھے کہ
ہندوستان میں بھی عام رائے کا میلان تخلیۂ قندھار ہی کی طرف
پایا جاتا تھا۔

اس تذبذب کے زمانے میں عبدالرحمٰن خاں نے اپنے ترکستانی
گوشۂ تنہائی کو خیر باد کہا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ بلخ پر پیش قدمی
کی اور یہ مشہور رہا کہ اُس کو روس نے مالی امداد بھی دی تھی اور مزید مالی امداد
کا وعدہ بھی کیا تھا۔ برطانوی فوج کی واپسی پر عنقریب تخلیۂ افغانستان

پورے طور پر مستحکم کر لیا۔ یکم ستمبر ۱۸۸۰ء کو انگریزی توپ خانے نے دشمن کے مورچے پر گولہ باری شروع کی اور تھوڑی سی دیر بعد تمام قندھار کی فوج مع ساڑھے چار ہزار انگریزی فوج کے بھی حملے میں شریک ہو گئی۔ رن نہایت سخت پڑا۔ دشمن چپہ چپہ زمین پر خون چھڑک رہا تھا مگر آخر کار اُسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ تمام فوج منتشر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی اور خود ایوب خاں ہرات جا کر پناہ گزین ہو گیا اور جو تحریک اُسکی جنبہ داری کی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی وہ بھی دب گئی ؛

اب جنگ کے ختم ہو چکتے ہی تخلیۂ قندھار کا سوال جو معرض التوا میں پڑا ہوا تھا پھر زیر بحث آیا۔ آخر کار اس کا تصفیہ گورنمنٹ انگلستان کے ایک حکم بنام لارڈ رپن کے ذریعے سے ہو گیا کہ پہلا موقع حاصل ہوتے ہی قندھار سے فوجیں واپس بلالی جائیں۔ ملک ابھی تک غیر مامون حالت میں تھا۔ والی کی حکومت کا ایوب خاں نے فیصلہ کر دیا تھا جس نے خود بھی اپنے دعادی کو اور آگے بڑھاتے وقت شکست کھالی تھی۔ اس لئے اوّل وقت یہ دشواری پیش آرہی تھی کہ جو حکومت انگریز چھوڑنے والے ہیں وہ کس کے ہاتھ میں دے کر جائیں مگر عبدالرحمٰن خاں نے اُسے بھی اپنے ہاتھ میں لے کر اس دشواری کو بھی رفع کر دیا۔ دوسرے سال کے اندر انگریزی فوجیں درۂ خرم اور درۂ خیبر کے راستوں سے ہندوستان کو واپس بلالی گئیں

صفحہ ۵۱۲

اور ریل کا جو حصہ اب تک کوئٹے کی طرف بنایا جا چکا تھا اُس کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔ قندھار اور قرب وجوار کے ملک کو اپریل ۱۸۸۱ء میں بالکل خالی کر کے تمام قلعہ بند مقامات عبدالرحمٰن خاں کے حوالے کر دیئے گئے؛

اس جنگ کا ایک خطرناک نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مالیے پر ناقابل برداشت بار پڑ گیا سوء اتفاق سے اخراجات میں ایک بڑی زیادتی ظاہر ہوئی۔ کونسل کے فنانشل ممبر سر جان اسٹریچی نے سالانہ بجٹ پیش کرتے وقت ۱۸۸۰-۱۸۸۱ء کے آخر میں تین سال کے جمع خرچ میں بہت کچھ بچت دکھائی تھی۔ اس بچت پر شبہہ ہوا اور جب اسکی تحقیق و تدقیق

دوازدہم
شکست میوند

اپنے مقابلے میں ایوب خاں کی بیس ہزار فوج کو پایا۔ لڑائی شروع ہوئی جس میں برطانوی افواج کو شکست ہوگئی اور وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ قندھار آکر پناہ لینے پر مجبور ہوئیں۔ اگر اس شکست کی خبر سنتے ہی جنرل پرم روز نے ایک دستہ مفرورین کو بحفاظت قندھار میں لے آنے کے لیئے نہ بھیج دیا ہوتا تو جنرل بروز کی فوج میں سے بہت کم لوگ صحیح و سالم قندھار پہنچتے۔ توپخانے کا ایک نوجوان افسر لفٹننٹ میکلین دشمن کے ہاتھ پڑ گیا تھا جسے نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا گیا۔ اس شکست کی خبر سنتے ہی تمام ملک میں ایک حشر برپا ہوگیا اور انگریزی فوجوں کو بغیر لڑے بھڑے راستہ کاٹ کر ہندوستان آنے کی کوئی امید ہی نہیں رہی۔ کوئٹے کے ساتھ ارتباط بھی قطع کر دیا گیا اور قندھار کی برطانوی فوج بالکل سب سے الگ گھری رہ گئی۔ کچھ تعویق کے بعد ایوب خاں بھی بڑھ کر آگیا اور قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ شکست میوند کی خبر سن کر تخلیئہ کابل کو ملتوی رکھا گیا۔ جنرل رابرٹس نے اپنے ساتھ نہایت پختہ کار فوج کو لے کر قندھار کا محاصرہ شکست کرنے کے لیئے کوچ کیا۔ دو دن بعد جنرل اسٹوارٹ بھی تمام غیر مبارز لشکریوں کو اور خیمہ و خرگاہ اور بقیہ فوج کو ساتھ لے کر کابل سے چل کھڑا ہوا اور عنان حکومت امیر عبد الرحمن خاں کے ہاتھ میں دے دی۔ عام امید کے خلاف انگریزی فوج کے بڑے حصے کی واپسی بلا دشواری عمل میں آگئی اور رفتہ رفتہ تمام انگریزی فوج خیریت کے ساتھ ہندوستان پہنچ گئی۔ جنرل رابرٹس کی مشہور پیشقدمی قندھار اس جنگ کے ممتاز واقعات میں سے تھی۔ اس نے تین سو اٹھارہ میل کا سفر ۲۳ دن میں طے کیا اور راستے میں غزنی اور قلات غزنی پر دو مقام بھی کیئے اور ۳۱ اگست کو قندھار پہنچ گیا۔ باوجود ملک کی عام شورش کے یہ پیشقدمی بلا روک ٹوک عمل میں آگئی مگر برطانوی پیشقدمی کی خبر سن کر قندھار کا محاصرہ ۲۳ اگست ۱۸۸۰ء کو اٹھا لیا گیا تھا اور ایوب خاں نے جنرل رابرٹس کے ساتھ تھوڑی سی بے اثر تحریک مصالحت کے بعد موضع پیر پایمال پر پسپائی کی اور اُسے

۵۴

باب دوازدہم
فصل پنجم

اس لیئے یہ جائز اعتراض کیا گیا کہ اس صیغے سے ہندوستانیوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ چنانچہ جولائی ۱۸۷۹ء میں یہ احکام نافذ ہو گئے کہ آئندہ سے ہندوستانی گورنمنٹ باختیار خود اتنے ہندوستانیوں کو سول سروس کے اعلیٰ عہدوں پر لے سکتی ہے جن کی تعداد یوربین ملازمین کا پانچواں حصہ ہو۔ اس کارروائی کا کچھ اطمینان سے خیر مقدم کیا گیا مگر سیاسی مظاہرات ۱۸۸۰ء کے دوران میں برابر جاری رہے

سرحد پر معمولی تاختیں آسام کے ایک سرحدی قبیلے موسومہ ناگا کی دیدہ دلیریوں سے بہت بڑھ گئی تھیں۔ ۱۸۷۹ء میں ناگوں نے کوہیمہ کا محاصرہ کر لیا جو انگریزی پولٹیکل ایجنٹ کا مستقر تھا اور یہ محاصرہ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد بہت مشکل سے اٹھوایا جا سکا۔ چھوٹی چھوٹی سی غیر مقامی آویزشیں برابر ہوتی رہیں اور جنگ افغانستان کے بعد کہیں جا کر ناگوں کی قرار واقعی سرکوبی کی جا سکی۔ قیام امن کے بعد یہ ضرورت پڑی کہ ایک سرحدی قبیلہ موسومہ وزیری کے خلاف بھی تعزیری کارروائیاں کی جائیں جس نے جنگ کے زمانے میں بہت تکلیف دی تھی۔ چنانچہ اُن کے چھ سرغناؤں میں سے پانچ کو گرفتار کیا گیا اور تھوڑے ہی دن میں چھٹے نے بھی اطاعت قبول کر لی اور کوہستانیوں کی سرکش طبیعتوں نے پھر کوئی فتنہ نہیں برپا کیا۔

صفحہ ۵۴

۱۸۸۱ء

یہ سال پہلی مردم شماری کی وجہ سے ممتاز ہے جو سرکاری طور پر کی گئی جس میں باستثناء نیپال کے تمام ہندوستان کو شامل کیا گیا مردم شماری کے نقشوں کے مطابق ہندوستان کی کل آبادی پچیس کروڑ چالیس لاکھ آکر ٹھیری جس میں سے بیس کروڑ چالیس لاکھ سے زائد خاص ملک آئین کی آبادی تھی۔

بالائی برہما میں نوجوان بادشاہ تھیبا کی بدکرداریوں کی وجہ سے مشکلات پیدا ہونے لگی تھیں۔ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے اپنے ۸۶ رشتہ داروں کو قتل کرا دیا تھا اور تھوڑے سی دنوں میں ہی اپنے تئیں شراب خواری میں بالکل غرق کر دیا تھا اس ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے خیال سے برطانوی گورنمنٹ نے ذرا سخت لہجے میں اس پر اصرار کیا کہ تاجروں کی شکایات رفع کی جائیں اور برٹش سفیر کا شایان شان خیر مقدم کیا جائے لیکن کوئی فہمائش ملکی حالات کی اصلاح

باب ۲۰ وارن ہیم
فصل تجسیم

کی گئی تو یہ بات نکلی کہ عین مصارف جنگ کو بہت کم کر کے بجٹ میں دکھایا گیا تھا اور بجائے اس کے کہ میزان آمد و خرچ کی مد بجٹ میں کوئی رقم نکل سکتی در اصل مدِ فاضلات میں نکلنی چاہئیے تھی۔ اس سقم کی وجہ یہ تھی کہ حکامِ فوج کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ عین مصارف میں کوئی رقم اُسوقت تک نہیں دکھاتے تھے جب تک وہ محکمۂ حساب و جانچ میں باقاعدہ پڑتال میں پوری نہیں اُتر جاتی تھی۔ اس طرح تخمینۂ اخراجات مندرجۂ تکدمہ (Budget) اور عین اخراجات اداکردۂ خزانہ میں فرق پڑ گیا تھا کیونکہ جتنی رقمیں خزانے سے فوجی مصارف کے لیئے برآمد کی جاتی تھیں اُن میں سے صرف اُن ہی کا اندراج کیا جاتا تھا جو منظور شدہ ابواب سے تعلق رکھتی تھیں اور جن کی باقاعدہ پڑتال بھی ہو چکی ہوتی تھی۔ یہ غلطی بجٹ کے شائع ہونے سے پہلے ظاہر نہ ہو سکی اور اُس کے افشا سے بڑے بڑے مباحثوں کی نوبت آئی۔ سر جان اسٹریچی نے استعفیٰ دے دیا اور اُس کے جانشین سر ایولین بیرنگ نے مالیے کی از سر نو ترتیب کی اور ملک کا اطمینان و اعتماد حاصل کیا۔ تمام اخراجاتِ جنگ کو ہندوستان کے سر منڈھ دینے پر بہت کچھ بے چینی و بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا اس لیئے ان اخراجات کا کچھ حصہ گورنمنٹ انگلستان نے اپنے سر لے لیا۔

اب اُن واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو جنگ افغانستان کے دوران میں ہندوستان میں پیش آتے رہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۷۹ء کو ایسٹ انڈین ریلوے کمپنی توڑ دی گئی اور گورنمنٹ نے ایوان حکومت کے ایک فرمان کے اتباع میں اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شاہی اختیارات کو کام میں لا کر ہندوستانی ریلوں کے خرید کرنے کی کارروائی کی گئی تھی۔

ہندوستانیوں کو گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کیئے جانے کا مسئلہ ۱۸۶۷ء سے اپنی طرف مقامی حکام کی عنان توجہ کو کھینچ رہا تھا چونکہ انڈین سول سروس (صیغۂ ملازمان ملکی) کی تقرریاں لندن میں کی جاتی تھیں

باب دوازدہم
فصل پنجم

حاصل ہونے لگیں۔

لارڈ رپن کا عہد حکومت تقسیم اختیارات کے اصول عمل کی وجہ سے خاص طور سے ممتاز ہے۔ اس اصول کے منشا کے مطابق مرکزی حکومت کے اختیارات کو مقامی حکومتوں کی طرف مناسب حد تک منتقل کر دیا گیا تھا تاکہ ہر مقامی حکومت اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھے۔ چنانچہ مناسب مدات آمدنی قائم کرنے کے لیے اور تعلیمات۔ تعمیرات اور دیگر رفاہ عام کے معاملات کا انتظام کرنے کے لیے مختلف سررشتوں کا ایک جال سا بن گیا۔ سررشتۂ تعلیم کی طرف خاص توجہ کی گئی اور سر ڈبلیو ہنٹر کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا کہ ضروری معلومات فراہم کرنے میں گورنمنٹ کی امداد کرے۔

۱۸۸۲ء میں راجہ کولھاپور کی فاتر العقلی نے یہ ضرورت پیدا کر دی کہ ریاست کا انتظام کسی مجلس حکومت کے ہاتھ میں دیا جائے جس پر برطانوی نگرانی رہے۔ اس رئیس کے مرجانے پر اس کی بیوہ رانی کے متبنّیٰ کیے ہوئے بیٹے کو گدی کا وارث تسلیم کر لیا گیا۔ اس سال کا ایک قابل یادگار واقعہ یہ ہے کہ ایک امدادی فوج زیر سرکردگی سر ہنری میکفرسن اس لیے بھیجی گئی کہ جا کر لارڈ وولزلی کی مہم مصر میں شریک کار ہو۔ اس فوج میں ایک گورہ اور چھ دیسی رجمنٹیں سپاہی توپخانہ وغیرہ کے علاوہ تھیں اور اُن کی اعلیٰ درجے کی قواعد دانی اور اطاعت شعاری کی لارڈ وولزلی نے بڑی تعریف کی۔ واپسی پر اس فوج کا بمبئی میں بڑا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔

فروری ۱۸۸۳ء میں ریاست حیدر آباد اور سلطنت ہندوستان کو سر سالار جنگ کے انتقال سے سخت نقصان اُٹھانا پڑا جنھوں نے نواب نظام الملک بہادر کی نابالغی کے زمانے میں نہایت قابلیت کے ساتھ ممالک آصفیہ کا انتظام کیا تھا۔ سر سالار جنگ کی جگہ ایک مجلس حکومت قائم کر دی گئی اور ۱۸۸۴ء میں سن بلوغ کو پہنچے نواب نظام الملک کی باضابطہ اختیار یابی وائسرائے کے ہاتھ سے عمل میں آگئی۔ اسی سال کے دوران میں ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کناٹ میرٹھ کا ڈویژنل کمانڈر مقرر ہو کر آیا اور بعد کو بمبئی کی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہو گیا۔

باب دوازدہم
فصل پنجم

کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی اور بادشاہ کی خونخوار اور متلون طبیعت کی وجہ سے بالائی برہما میں بہت جلد بدنظمی و مطلق العنانی پھیل گئی۔ ہندوستان کے ساتھ برہما کی تجارت ان پریشان کن اجاروں کی وجہ سے بالکل رک گئی جو شاہ تھیبا نے قائم کر دئیے تھے اس لیئے ایک تجارتی معاہدہ طے کرنے کے لیئے شملے سے تحریک کی گئی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔

برطانوی فوج کی روانگی سے ہمت پاکر ایوب خاں نے پھر ہرات میں اجتماع افواج شروع کیا اور باوجودیکہ روپے کی کمی اور رشتہ داروں کے تنازعات سے اس کو بڑی دشواریاں پیش آتی رہیں مگر اس نے ایک مرتبہ پھر قندھار پر پیش قدمی کر ہی دی۔ پہلے پہل عبدالرحمن خاں کے گورنر نے ایوب خاں کی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیں مگر بعد کو جب ایوب خاں نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی تو معرکۂ میوند کی سالگرہ کے دن گورنر قندھار کو شکست فاش دے کر قندھار پر قبضہ کر لیا۔ عبدالرحمن خاں نے فوراً ایک تازہ دم فوج کو ساتھ لیکر قندھار پر چڑھائی کر دی۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۸۱ء کو دونوں فوجیں قندھار کی فصیلوں کے تلے مقابلے میں آئیں اور ایوب خاں کو پھر شکست کامل نصیب ہوئی اور اس نے بھاگ ایران میں پناہ لی۔ اس فتح نے عبدالرحمن خاں کی قوت کو مستحکم کر دیا اور بعد کو اس نے اپنے تئیں نہایت زبردست اگرچہ جابر حکمران ثابت کیا جو اس ملک کے لیئے خاص طور سے موزوں تھا۔ اور رفتہ رفتہ تمام ملک افغانستان پر بشمولیت قندھار و ہرات قبضہ کر لیا۔ اگرچہ عبدالقدوس خاں نئے گورنر ہرات کی اطاعت اول اول مشتبہ رہی مگر عبدالرحمن خاں نے رفتہ رفتہ اس کو بھی اپنے دامن حکومت سے وابستہ کر لیا۔ لیکن ملک میں اب بھی کبھی کبھی تشویش کے آثار ایوب خاں کے ایک سرحد پر ہاتھ پاؤں مارنے سے اور یعقوب خاں اور اس کے بیٹے موسیٰ جان کے دوسری سرحد پر مظاہرات کرنے سے پیدا ہو جاتے تھے۔

نمبر ۳۴۵

کابل میں برطانوی اغراض کی حفاظت کے لیئے ایک ہندوستانی سفیر محمد افضل خاں کا تقرر کیا گیا جس سے برطانوی حکام کو رفتار واقعات کی بہترین معلومات

باب دوازدہم
فصل پنجم

اور کاشتکار پیشہ طبقے پر پڑتا تھا جو بیرونی علاقوں میں جگہ جگہ پھیلے پڑے تھے۔ مگر تمام ملک کے غیر سرکاری طبقے میں اس کی نہایت شدید مخالفت شروع ہو گئی۔ ایک جوابی احتجاج تعلیم یافتہ ہندوستانی طبقے کی طرف سے شروع کر دیا گیا اور قومی تفریق و مخاصمت کی قابل افسوس حالت پیدا ہو گئی جیسی ۱۸۵۷ء کے بعد سے نہیں ہوئی تھی۔ اس سیاسی جوش و خروش کو فرو کرنے کے لیے تمام مقامی حکومتوں کی رائیں طلب کی گئیں۔ یہ رائیں بحیثیت مجموعی البرٹ بل کے خلاف تھیں اور کوئی ایسی ترمیم بھی نہیں پیش ہو سکی جو اس مخاصمت کو فرو کر سکے جو اس تجویز نے پیدا کر دی تھی۔ اس صورت میں گورنمنٹ کے لیے صرف یہی چارۂ کار رہ گیا کہ اس تجویز کے واپس لینے کی کارروائی کرے۔

اس سال میں سرحدی تاختیں برابر جاری رہیں خصوصاً وادی ژوب ان کی آماجگاہ رہی مگر سر رابرٹ سنڈیمین کمشنر صوبہ سرحدی کی انتظامی قابلیت سے ان کا قرار واقعی تدارک کر دیا گیا۔ اس سال محکمۂ تعمیرات نے خاص کام یہ کیا کہ مقام اٹک کے قریب دریائے سندھ پر پل کی تعمیر مکمل ہو گئی۔

ایشیا میں روس کی مستقل شرقی پیشقدمی نے کچھ عرصے کے لیے حکام ہند کو پھر اپنی طرف متوجہ کیا اور ۱۸۸۱ء میں پانسلافی قوم کا جرنیل سکوبیلاف جو انگلستان کا سب سے پرجوش مخالف تھا ترکستان کے زبردست مقام جیوک ٹپّے کے تسخیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نقل و حرکت سے ہندوستان میں جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ جنرل مذکور کے ۱۸۸۲ء میں انتقال کر جانے سے رفع ہو گیا۔ مگر روس نے اب بھی اپنی پیشقدمی نخلستان سرخس کی طرف جاری رکھی جو ایران و افغانستان کی سرحد کے متوازی واقع ہے۔ وسط ایشیا میں ہر قدم جو روسی فتوحات کا آگے بڑھتا تھا اس کے پیچھے ریل کا سلسلہ بھی چلا آتا تھا۔ اس وقت بھی ریل کا سلسلہ بحیرۂ کاسپینہ سے ۱۴۴ میل مقام قزل عروت تک تیار ہو چکا تھا لیکن ہرات تک پورے ۲۰۵ میل کی پیمائش ہو چکی تھی۔ اوائل ۱۸۸۴ء میں روسیوں نے مرو کے اہم ضلع پر قبضہ کر لیا۔ ایران کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر کے انھوں نے سرخس پر بھی قبضہ حاصل کر لیا اور روسی فوجیں جو گیا

۵۴۵

باب دوازدہم
فصل پنجم
صفحہ ۵۰۴

لیکن ۱۸۸۳ء کا سب سے ممتاز واقعہ یہ ہے کہ کونسل نے قانونی ممبر مسٹر کورٹنے البرٹ نے کونسل میں ایک تجویز البرٹ بل کے نام سے پیش کی جس سے ملک میں بڑا جوش پھیل گیا اس تجویز کا منشا یہ تھا کہ اندرون ملک میں ہندوستانی مجسٹریٹوں کو بھی یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ یورپین ملزمین کے مقدمات میں آخری تجویز صادر کر سکیں۔ اب تک سوائے یورپین کے اور کسی قوم کا آدمی تینوں احاطوں کے صدر مقامات سے باہر عدالت فوجداری کا حاکم اعلیٰ مقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ ہندوستانی اگرچہ حلف لینے والے ملازمان ملکی کے صیغے میں داخل کر لیے گئے تھے مگر وہ اس کے مجاز نہیں تھے کہ قانونی اختیارات کو کسی یورپین کے مقدمے میں کام میں لا سکیں۔ البرٹ بل کا موضوع حسب ذیل الفاظ میں ادا کیا گیا تھا:۔

> "حکومت علیہ کی رائے میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ ضابطہ فوجداری میں سے فوراً وہ قیود نکال دی جائیں جو کسی افسر عدالت کو محض اس کی قومیت کی وجہ سے پورے قانونی اختیارات کام میں لانے سے روکتی ہیں۔"

اس قضیۂ نامرضیہ کا بڑا بے تکا پن یہ تھا کہ خاص بمبئی کلکتہ اور مدراس میں ہندوستانی مجسٹریٹوں کو یورپین ملزموں کے مقدمات میں تجویز آخر صادر کرنے کے اختیارات حاصل تھے اور جب یہی مجسٹریٹ تبدیل ہو کر اندرونی اضلاع میں بالاتر عہدوں پر چلے جاتے تھے تو یہ اختیارات سلب ہو جاتے تھے۔ ہر سہ صدر مقامات پر یورپین طبقے نے جو یہ گوارا کر رکھا تھا اس کی توجیہ وہ اس طرح کرتے تھے کہ ان مقامات پر انگریزی اخبارات اصل معاملے کی قلعی کھولنے والے اور عدالت ہائے اپیل دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کرنے والے موجود ہیں۔ البرٹ بل کا منشا یہ تھا کہ جو اختیارات ہندوستانی مجسٹریٹوں کو صدر مقامات پر حاصل ہیں وہی ہر حلف لینے والے ملازم ملکی کو تفویض ہیں عام اس سے کہ وہ مجسٹریٹ ضلع ہو یا سشن جج ہو۔ یورپین ہو یا ہندوستانی ہو یا غیر آئینی صوبہ جات کا کمشنر ہو۔ اس کارروائی کا خاص اثر بنگال کی یورپین آبادی

روسی گورنر علی خانوف کی سرگردگی میں روسیوں نے درۂ ذوالفقار پر قبضہ کرلیا اور پل خشتی پر بھی قبضہ کرلیا جو افغانی سرحد سے صرف چند فرلانگ پر واقع تھا۔ اب آویزش ناگزیر ہوگئی۔ دوہزار فوج آک تپی پر افغانیوں نے بھی بھیجی جو افغانی سرحد کے اندر تھا۔ ۲۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو روسی سپہ سالار جنرل لوکاروف نے افغانیوں کو آخری تحریر بھیجی کہ وہ اپنی فوجیں وہاں سے فوراً ہٹالیں درانحالیکہ یہ فوجیں افغانی سرحد کے اندر تھیں۔ افغانیوں کے انکار پر ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو لڑائی چھڑ گئی جس میں افغانیوں کو شکست فاش نصیب ہوئی اور روسیوں نے الحاق پنجدیہہ کا اعلان کردیا۔ اس کارگزاری کے صلے میں جنرل کوماروف اور اُس کے دوسرے سرداروں کو زار روس نے اعزازی تلواریں عطا فرمائیں۔

واقعہ پنجدیہہ اور قبضۂ درۂ ذوالفقار نے انگلستان اور ہندوستان میں بڑی ہلچل پیدا کردی۔ جنگ کی تیاریاں سرگرمی سے کی جانے لگیں اور سر پیٹر لمسڈن کو فوراً مشن پر سے بلاکر انگلستان واپس کیا گیا اور کمیشن کی سرکردگی صرف کرنل رجوے کے سپرد رہی۔ برطانوی افسروں کے زیر ہدایات ہرات کے استحکامات کو اور مقامی افواج کو خوب زبردست کردیا گیا اور امیر عبدالرحمٰن خاں کو ہندوستانی گورنمنٹ نے روپیہ اور ذخائر حرب کی دل کھول کر امداد دی۔ انگلستان کے انداز مبارزطلبی اور ایک استقلال مدافعت نے روس کو فرانرمی پر آمادہ کیا چنانچہ اُس نے پھر افغانی حدبست کے متعلق نامہ وپیام شروع کیا اور ضابطے سے یہ اعلان ہوگیا کہ ہر دو دول عظمیٰ خط سرحد کے متعلق اصولی اتفاق کرچکی ہیں۔ اصلی تکمیل گفتگوئے حدبست کی لندن میں ہوئی لیکن ماہ نومبر ۱۸۸۵ء میں ایک روسی کمشنر کرنل کہلبرگ کو مقامی مشکلات کے برسرموقع طے کرنے کے لیئے سرجیس رجوے کی ملاقات کو بھیجا گیا جو سال بھر سے زائد ہوگیا تھا کہ سرحد پر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ درۂ ذوالفقار افغانیوں کو واپس کردیا گیا اور مرچک بھی اُن ہی کے قبضے میں رہنے دیا گیا مگر روسیوں نے ضلع پنجدیہہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا

باب دوازدہم
فصل پنجم

شمال اور مشرق کی طرف سے ہرات کی جانب آگے بڑھائی جانے لگیں امیر عبدالرحمان خان نے مقام پنجدیہہ پر ایک زبردست مقامی فوج تعینات کردی کیونکہ وہاں بھی سرحد پر روسی نظر آنے لگے تھے درانحالیکہ یہ مقام افغانی علاقے میں تھا۔ مرو کو فوجی مستقر بنا لینے کے بعد ہرات تک ایک سڑک نکالنے کا خاکہ تیار کیا گیا اور ہندوستان پر حملہ کرنے کا ایک نظری نقشہ روسی گورنمنٹ کے ملاحظہ و منظوری کی غرض سے بھیج دیا گیا۔ اسی قسم کا ایک نقشہ ۱۸۷۶ء میں جنرل سکوبیلاف نے بھی تیار کیا تھا۔ ایرانی گورنمنٹ اپنی کمزوری کے لیئے ضرب المثل ہو رہی تھی اور روسی کارکنوں کی ریشہ دوانیوں سے تمام ملک میں برابر شورشیں دبے چینی پھیل رہی تھی۔ اس تمام روسی دستبرد کا ردعمل کرنے کے لیئے ایک انگریزی روسی سرحدی کمیشن مقرر کیا گیا تاکہ افغانستان کی شمالی حد بندی کی جاسکے۔ انگریزی کمیشن کی سرکردگی سر پیٹر لمسڈن کو سپرد کی گئی جو براہ طہران افغانستان پہنچ گیا۔ اس کمیشن کا ہندوستانی حصہ سر جوزف رجوے کی سرکردگی میں کوئٹہ سے روانہ ہوا اور دونوں حصے پنجدیہہ کے قرب میں شمالی سرحد کے نزدیک آکر جمع ہو گئے مگر کوئی روسی کمیشن آتا ہوا نظر نہیں آیا بلکہ سال آئندہ کے اختتام تک آکر نہیں پہنچا۔ اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ روسی یہ چاہتے تھے کہ بجائے سر موقع فیصلہ ہونے کے اس تنازع کا تصفیہ لندن میں سفارتی توسل سے ہو جائے۔ اس غرض سے ایک مشہور روسی مدبر ایم۔ لیسار کو لندن بھیجا گیا تھا کہ انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ افغانی حدبست کے تصفیے کے متعلق گفتگو کرے۔ اس اثنا میں روسی مرد اور سرخش کے قلعہ جات کو برابر آگے بڑھاتے رہے اور اپنی ریل کو بھی عشق آباد تک بڑھا کر لے آئے اور ان کے تار برقی سلسلے نے وسط ایشیا کی روسی فوجوں کے دونوں حصوں کو مربوط کر دیا۔ ادھر تو برطانوی مشن کے اراکین لندن کی گفتگوئے حدبست کے نتیجے کے انتظار میں رہے اور ادھر روسی فوجی حکام عشق آباد اور سرخش پر زبردست فوجیں جمع کرتے رہے اور آخرکار انھوں نے افغانی علاقے میں پیشقدمی کر ہی دی۔ مرو کے سلمانان

صفحہ ۵۴۶

باب دوازدہم
فصل پنجم

شاہ تھیبا کے پاس بھیجا جس میں برطانوی رعایا کے ساتھ اس مخاصمانہ سلوک کا جواب طلب کیا گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اس لیے ۱۴ نومبر ۱۸۸۵ء کو جنرل پرنڈرگاسٹ کی سرکردگی میں ایک برطانوی فوج نے کرنل سلاڈن کو بطور سیاسی افسر کے اپنے ساتھ لے کر برہمی سرحد کو عبور کیا اور دریائے اراودی کے اوپر کی طرف برہمی علاقے میں پیشقدمی شروع کردی۔ ایک یا دو مستحکم مقامات پر کچھ مدافعت کی گئی مگر وہ ایسی نہیں تھی کہ اس بحری مہم کی پیشقدمی کو روک سکتی اور ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء کو برطانوی بحری مہم نے آوا کے سامنے کچھ فاصلے پر لنگر ڈال دیا۔ شاہ تھیبا نے ہتھیار ڈال دیئے اور جنرل پرنڈرگاسٹ فوجی جلوس کے ساتھ منڈالے میں داخل ہوگیا اور دارالحکومت کے استحکامات پر قبضہ کرلیا۔ شاہ تھیبا اور اس کے خاندان کو فوراً رنگون بھیجا گیا جہاں سے اُن کو مدراس پہنچا دیا گیا اور اس کے ملک سے ہتھیار داخل کرانے کا اعلان کردیا گیا۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ کارروائی عدم مصلحت اندیشی پر مبنی تھی کیونکہ ہر ضلع میں فوراً برخاست شدہ برہمی سپاہی جا بھکے اور عام طور سے غیر مسلح باشندوں کے خلاف غارتگری کی وارداتیں ہونے لگیں۔ اور برطانوی حکّام کو اُن نقائص امن سے عہدہ برآ ہونے میں اتنی دقّت اُٹھانی پڑی کہ پہلی مرتبہ ملک کے فتح کرنے میں بھی نہیں پیش آئی تھی۔ شاہ تھیبا کی مملکت کا برطانوی ہند کے ساتھ الحاق جنوری ۱۸۸۶ء میں وائسرائے باجلاس کونسل نے باضابطہ مشتہر کردیا۔

صفحہ ۵۴۸

بالائی برہما کچھ عرصے تک غیر مامون حالت میں رہا۔ شروع ۱۸۸۶ء میں تخت برہما کے تین دعویدار پیدا ہوگئے تھے اور ہر ایک بعض اضلاع پر برائے نام حکومت بھی رکھتا تھا۔ کئی برطانوی حکّام اُن ڈکیتوں کے ہاتھ سے مارے گئے جو ملک میں بھرے پڑے تھے اور اُن ڈکیتوں کے خلاف برابر چھوٹی لڑائیاں پیش آتی رہیں۔ ملک کی عام دشوارگزاری نے اور اُن گنجان جھاڑیوں نے جو تمام علاقے پر چھائی ہوئی تھیں اور صحت برباد کرنے والی آب وہوا نے فوجی کارروائی کو نہایت طویل اور دقّت طلب بنا دیا تھا۔ حتّٰی کہ ایک زمانے میں تیس ہزار باقاعدہ فوج کو مسلح کرنا پڑا تھا اور یہ طے کرلیا گیا تھا کہ خاص خاص شہروں میں

باب دوازدہم
فصل پنجم

نومبر ۱۸۸۶ء تک حد بست کی مشکلات کا اختتام نہیں ہو سکا۔ خط سرحد معین کرنے میں مزید مشکلات روسیوں کے اُس دعوے سے پیدا ہو گئیں جو انھوں نے نہروں اور دریاؤں کے سرچشموں پر قبضہ رکھنے کے متعلق کیے تھے جو سرحدی اضلاع کو سیراب کرتے ہیں۔ ان دعاوی کی افغانیوں نے تردید کی جو برابر یہ کوشش کرتے رہے اور اکثر کامیاب بھی ہوئے کہ خطِ سرحد دریائے مرغاب و دریائے سیحول کو رکھا جائے۔ پھر بھی روسیوں نے اپنے خط کو اسطرح قائم کر لیا کہ اُن کے قبضے میں ایک سلسلہ قابل آبادی جو کیوں کا آگیا۔ باوجود متواتر تاخیر اور اکثر رکاوٹوں کے بھی اس مہم کی اصلی غایت حاصل ہو گئی اور کمشنروں نے ہندوستان آکر گورنر جنرل باجلاس کونسل کا شکریہ حاصل کیا۔

مجریہ ۵۴۷

دسمبر ۱۸۸۴ء میں لارڈ رپن مستعفی ہو گیا اور لارڈ ڈفرن اُس کا جانشین ہو کر آیا۔ ان ناگوار سرحدی تنازعات کے پیش آنے سے وائسرائے اور امیر کے درمیان ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا جو اپریل ۱۸۸۵ء میں اتمام کو پہنچا۔ امیر نے روسی مجارحت کو روکنے کی غرض سے روپے اور اسلحہ کی معقول امداد حاصل کی اور اُس کا وظیفہ ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ کا جاری رکھا گیا۔ واپسی کابل پر عبدالرحمن خاں نے ضابطے سے گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اپنے اتحاد کا اعلان کر دیا۔

۱۸۸۵ء کا سب سے ممتاز واقعہ بالائی برہما کا برطانوی محروسات میں شامل کیا جانا ہے۔ شاہ تھیبا کی بدنظمیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں اور اُن کے ساتھ سنگین مالی مشکلات کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ ان مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لیے شاہ تھیبا نے بمبئی اور برہما ٹریڈنگ کمپنی سے ایک رقم خطیر کا مطالبہ کیا۔ کمپنی نے برطانوی برہما کے چیف کمشنر سے رجوع کیا لیکن چیف کمشنر مذکور کی فہمائش نے کوئی اثر نہیں کیا اور شاہ تھیبا نے کمپنی کے اُن تمام متعلقین کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا جو اُس کے علاقے میں موجود پائے جائیں۔ اس پر وائسرائے نے ایک آخری مراسلہ

باب دوازدہم
فصل پنجم
صفحہ ۶۴۹

ملکۂ معظمہ کی تخت نشینی کی پچاسویں سالگرہ کا جشن ۱۶ر فروری ۱۸۸۷ء کو منایا گیا۔ اور اس موقع پر برطانیہ کے ساتھ اظہارِ وفاداری اور اطاعت شعاری کے غیر معمولی مناظر دیکھنے میں آئے۔ لارڈ ڈفرن نے قابلیت کے ساتھ اُن تمام تقریبوں کی صدارت کی جو اس مبارک موقع پر خوشیاں منانے کے لیے منعقد کی گئی تھیں اور بعد کو ماہ جون ۱۸۸۷ء میں جب یہ جشن انگلستان میں برپا کیا گیا تو کئی ہندوستانی رئیس مع سندھیا کے شرکت کی غرض سے لندن گئے۔ ابتدائے ۱۸۸۵ء میں مختلف حصص ملک کے قائم مقاموں کی ایک مجلس موسومہ نیشنل کانگرس نے اپنا پہلا اجلاس کلکتہ میں کیا اور ساڑھے تین سو ہندوستانیوں نے اُس کے اجلاس میں شرکت کی۔ جن موضوعات پر بحث کی گئی وہ عموماً سیاسی تھے مگر اس کے بعد والی مدراس کے اجلاس میں معاشرتی اصلاحات کو بھی شامل کر لیا گیا۔ برہما میں اُس وقت سے ملک کی حالت میں خاص طور سے ترقی ہونے لگی جب کہ یہ ملک برطانیہ کے زیرِ نگیں آگیا اور انسدادِ ڈکیتی کے لیے نہایت زبردست اور سرگرم کارروائیاں کی گئیں۔ تجارت کو فروغ ہو گیا مختلف اضلاع کو مربوط کرنے کے لیے سڑکیں بنا دی گئیں جن کی تعمیر سے بہت سی بے چین طبیعتوں کے لیے وجہ مصروفیت نکل آئی اور مانڈلے تک جو ریل بنائی جا رہی تھی اُسکا کام نہایت سرعت و سرگرمی سے ہونے لگا اُسی اطراف میں چھوٹی سی ریاست ہائے شان سے بھی سلسلۂ ارتباط قائم کرنے کی کارروائیاں اس غرض سے کی گئیں کہ اُن کو آخر کار برطانوی حمایت میں لے لیا جائے۔

۱۸۸۸ء میں افغانستان میں ایک اہم واقعہ پیش آیا کہ امیر عبدالرحمٰن خاں کے ابن عم[1] اسحاق خاں نے اُس صوبے کی حکومت دبا بیٹھنے کا ارادہ کیا جس پر وہ عامل مقرر کیا گیا تھا مگر عبدالرحمٰن خاں نے اُس کو مقام تاشکرغان پر شکست فاش دے دی۔ اس فوجکشی میں اور اسی قبیل کی دوسری فوجکشیوں میں

[1] سرحدی صوبے میں ابن عم کو اور دشمن کو تربور کہتے ہیں ۱۲ مترجم

باب دوازدہم
فصل نہم

مقامی فوجوں کی چھاؤنیاں قائم کردی جائیں ؛

اس سال کا ایک خاص سیاسی کارنامہ یہ تھا کہ لارڈ ڈفرن نے سندھیا کو قلعۂ گوالیار واپس دیدیا جس پر غدر کے وقت سے برطانوی قبضہ چلا آتا تھا۔ روپے کی قیمت کی متواتر کمی نے بجٹ پر بڑا اثر کرنا شروع کردیا تھا اور سر ایلوین ہیرنگ کی کوئی اُستادی اور قابلیت انتظام مالیہ میں پیش نہیں جا سکتی تھی۔ چنانچہ ایک تجویز پیش ہوکر منظور ہوئی کہ اس کمی کو بلا واسطہ محاصل سے پورا کیا جائے اور یہ ایسی کارروائی تھی جس سے خاص طور پر طبقۂ اُمرا کی آمدنی پر اثر پڑتا تھا۔ اس سال میں اور اس سے چار پانچ سال پہلے سے باوجود تجارت اور دیگر کاروبار کی ترقی کے بھی چاندی کی ارزانی سے بجٹ کے آمد و خرچ پر سخت اثر پڑتا رہا۔ ۱۸۸۵ء سے سوائے ۱۸۹۰ء کے عارضی استثناء کے چاندی کی قیمت برابر گھٹتی رہی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ کہاں تک گھٹتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اُس زمانے کی مالی مشکلات کو سکے کے معیار قیمت کے گھٹ جانے سے اور روسی پیشقدمی کی وجہ سے غیر معمولی مصارف جنگ کا بار پڑجانے سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اسکے بعد کے سال میں ایک تحقیقاتی کمیشن نے چند اصلاحات تجویز کیں جن کے ذریعہ سے ساڑھے بارہ لاکھ کی بچت ہوسکتی تھی مگر ابواب مصارف میں ایک مد ایسی بھی تھی جس میں کمی کرنی ممکن نظر نہیں آتی تھی یعنی صیغۂ تعمیرات جسکی اصلی غرض ملک کی مرفہ الحالی تھی۔ جو رقم وسائل آمد و رفت پر صرف کی جاتی تھی اُس میں بھی مناسب کمی ہو گئی نہ اس طرح کہ اصل سرمائے پر سود واپس ملنے لگا بلکہ اس طرح کہ ریل کے جاری ہونے سے وہ مصارف بچت میں رہ گئے جو سلسلۂ ارتباط کو قائم رکھنے مال لانے لے جانے۔ قحط کے زمانے میں غلے کی باربرداری وغیرہ میں برداشت کرنے ہوتے تھے ؛

۱۸۸۶ء پرامن ترقیوں کے لیے ممتاز رہا۔ افغانستان میں ہر وقت تشویش پیدا کردینے والے بواعث کا اس طرح خاتمہ ہوگیا کہ ایوب خاں نے اپنے تئیں برطانیہ کے حوالے کردیا۔ کوئٹہ تک ریل کی تکمیل ہوجانے سے برطانیہ کی گرفت اس ملک پر اور بھی مضبوط ہوگئی ہے اور یہ تجویز کی جارہی ہے کہ ریل کے سلسلے کو بڑھا کر قندھار سے سو میل کے فاصلے تک پہنچا دیا جائے۔

سنہ ۹۴ ۵

باب دوازدہم
فصل پنجم

۱۸۸۵ء کی نیشنل کانگرس کا اجلاس الہ آباد میں ہوا اور مندوبین کی تعداد امسال بارہ سو تھی۔ اس سال کے اختتام پر لارڈ ڈفرن نے سبکدوشی حاصل کی جس پر تمام ملک میں عام طور سے اظہار افسوس کیا گیا۔ لارڈ ڈفرن کا عہد حکومت اس وجہ سے ممتاز رہا کہ اُس زمانے میں انگریزی روسی مشکلات کو سلجھایا گیا۔ افغانی خط سرحد کو مشخص کیا گیا۔ برطانیہ کے تعلقات افغانستان کے ساتھ نہایت قوی ہو گئے۔ خود افغانستان ایک نہایت زبردست سرحدی سلطنت بن گیا اور ہندوستان کے مشرق میں برہما کا الحاق کر لیا گیا۔ لارڈ ڈفرن نے جو کارروائیاں ہندوستان کی بہبودی کے واسطے کیں اُن میں لیڈی ڈفرن نے برابر اُس کی مدد کی اور ۱۸۸۵ء میں ایک سرمایہ اس غرض سے قائم کیا کہ ہندوستانی عورتوں کو طبّی امداد ملنے میں آسانی ہو اور اس سرمائے سے سند یافتہ ڈاکٹرنیوں کی خدمات حاصل کی جاسکیں جن کی اعلیٰ قوم کی خاتونوں کو بہت ضرورت تھی جو مذہبی چھوت پات یا پردہ کی وجہ سے معمولی طبّی امداد سے محروم رہتی تھیں۔ ان حسن خدمات کے صلے میں لندن پہنچنے پر لارڈ ڈفرن نے مارکوئیس آف ڈفرن اینڈ آوا کا منصب و اعزاز حاصل کیا اور لارڈ لینسڈون اُس کا جانشین مقرر ہو کر ہندوستان میں آیا۔

برہمی سرحد پر یہ ضرورت پڑی کہ ۱۸۸۹-۹۰ء میں دو فوجی مہمیں ملک چنلو شائی میں بھیجی جائیں جو ایک وحشی علاقہ ہندوستان اور برہما کی سرحد پر واقع تھا۔ فوجی کارروائی کے دوران میں اس علاقے کی پیمائش بھی کر لی گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ انگریزی فوجوں کی پیشقدمی سے صرف اُن وحشی قبائل کی تاختیں ہی نہیں رُک جائیں گی بلکہ اس علاقے میں سڑکیں بھی بنائی جاسکیں گی جن سے ارتباط قائم ہو سکے گا۔ جنگی مہموں سے یہ فائدہ تو بیشک ہو گیا کہ اس ملک کی آمد و رفت کھل گئی مگر ابھی اس میں کچھ عرصہ درکار ہے کہ وحشی قبائل کو رام کر کے حلقۂ اطاعت میں لایا جاسکے۔

اپریل ۱۸۸۹ء میں کشمیر کی بدنظمیاں اس درجہ ترقی کر گئیں کہ مہاراجہ نے

باب دوازدہم
فصل پنجم

امیر عبد الرحمن خاں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایسا زبردست حکمراں ہے جو اُن تمام مدعیوں کے خلاف اپنی حکومت کو قائم رکھ سکتا ہے جو ادعائے سلطنت کے لیئے کھڑے ہوجائیں۔ امیر موصوف نے آہستہ آہستہ اپنی قوت کو مستحکم کرلیا اور بدخشاں تک افغانستان کا خودمختار بادشاہ بن گیا۔

ہندوستانی گورنمنٹ اور مملکت تبت میں عرصہ سے علاقۂ سکم کے متعلق تنازع چلا آرہا تھا۔ راجۂ سکم کی مملکت کا ایک حصہ تبت کے علاقے میں اور دوسرا برطانوی علاقے میں واقع تھا لیکن اہل تبت سب پر اپنا اقتدار حکومت قائم رکھنا چاہتے تھے اور انھوں نے اُن دروں پر قبضہ کرلیا تھا جو بلاشبہہ برطانوی حد کے اندر واقع تھے۔ مارچ ۱۸۸۸ء میں ایک شاہی فوج نے اُس ملک میں اس غرض سے پیشقدمی کی کہ لنگٹو واقع برطانیہ علاقۂ دامن ہمالیہ کی حوالگی کا مطالبہ کرے جس پر اہل تبت نے ناجائز قبضہ کرلیا تھا۔ انگریزی فوج نے ناٹنگ پر ایک ایسا زبردست مورچہ قائم کرلیا کہ اہل تبت کسی طرح وہاں سے اُس کے قدم نہ ہلا سکے۔ آخرکار انگریزوں نے تبتی فوج کو وادی سے نیچے کی طرف بھگا دیا اور مقام چمبی تک اُن کا تعاقب کیا جو خاص راجہ کی قیامگاہ تھا۔ اسکے بعد سرحدی تنازع کے تصفیے کے متعلق سلطنت چین سے نامہ وپیام شروع ہوا کیونکہ شاہ چین ہی لامائے تبت کا مسلمہ شہنشاہ تھا۔ اس کے بعد کے سال کے دوران میں اہل تبت علاقۂ سکم سے دست برداری کرنے سے اصرار کے ساتھ انکار کرتے رہے اور انگریز بھی اپنی ضد پر اڑے رہے اور برابر اپنا قبضہ اُس پر جمائے رہے۔ آخرکار سلطنت چین کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے برطانوی اقتدار علاقۂ سکم پر تسلیم کرلیا گیا۔

صفحہ ۵۵۰

۱۸۸۸ء میں ایک چھوٹی سی تعزیری مہم پھر سرحدی کوہستان پر بھیجی گئی تاکہ وحشی قبائل کو انکی تاختوں کی سزا دے اور دو برطانوی افسروں کے قتل کا انتقام لے جنھیں اُن وحشی قبائل نے مار ڈالا تھا۔ اس مہم کو پوری کامیابی حاصل ہوئی اور سرحدی قبائل نے سر اطاعت خم کیا۔

باب دوازدہم
فصل پنجم

ہو کر آیا ؟

ابتدائے ۱۸۹۱ء میں پھر یہ ضرورت پڑی کہ ایک تعزیری مہم سرحدی کوہستان میں بھیجی جائے جہاں پہاڑی قبائل نے پھر تکلیف دینی شروع کر دی تھی۔ اس مہم کی تکمیل بڑی شان و شوکت کے ساتھ جنرل لوکھارٹ کی سرکردگی میں ہوئی۔ موسم بہار میں مختلف قبائل کو اطاعت پر مجبور کر لیا گیا تھا اور اختتام سال تک برطانوی حکومت [illegible] گیا۔ اس سال میں روسیوں کی نقل و حرکت سے پھر خدشہ پیدا ہو گیا۔ روسی فوج کا ایک دستہ اضلاع پامیر و چترال میں بڑھ آیا جو افغانستان کے شمال مشرق میں واقع ہے اور وہاں سے ہندوستانی اور افغانی علاقے میں گھس آیا۔ دو برطانوی افسر جو اُس علاقے میں متعین تھے علیحدہ علیحدہ کرنل یانوف کی روسی فوج سے برسرپیکار رہے۔ ایک کو کچھ عرصے تک قید بھی رکھا گیا پھر دونوں کو روسی سپاہیوں نے اپنی حراست میں لیکر بزعم خود اپنے تازہ تسخیر شدہ ہندوستانی علاقے سے باہر پہنچا دیا چینیوں کو بھی روسیوں نے الیچر پامیر سے ہٹ جانے پر مجبور کیا جس پر اب تک چینیوں کو شاہی حکومت کا دعویٰ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ روسی فوجیں کوہستان ہندوکش کے جنوب میں دیکھی گئیں ؟

ایک سیاسی اُلجھن جس سے بعد کو بڑے سنگین نتائج ظہور میں آئے برطانیہ کے زیر حمایت ریاست منی پور میں پیش آئی جو آسام و برہما کی سرحد پر واقع ہے ۱۸۹۰ء میں مہاراجہ منی پور نے گدی چھوڑ دی اور اُس کے چار بھائیوں میں سے ایک اُسکا جانشین ہو گیا جسکو عام طور سے جوبراج کا لقب دیا جاتا تھا۔ برطانوی گورنمنٹ اس جوبراج کے طرز عمل سے مطمئن نہیں تھی اسلیئے یہ ارادہ کیا گیا کہ یا تو اُسے معزول کیا جائے یا بالکل ہی جلاوطن کر دیا جائے۔ مسٹر کوئنٹن چیف کمشنر آسام کو مارچ ۱۸۹۱ء میں اس غرض سے منی پور بھیجا گیا کہ وہ جا کر اس راجہ کی معزولی کا اعلان کر دے اور اُسے نظر بند کر لے۔ یہ تجویز کی گئی کہ جوبراج کو ایک دربار کے موقع پر گرفتار کیا جائے جو مسٹر کوئنٹن کے منی پور پہنچنے کے دوسرے دن منعقد کیا جانیوالا تھا۔ اس تجویز کی تکمیل میں کچھ تاخیر ہو گئی جس سے جوبراج کو کچھ شبہ پیدا ہو گیا اور اُسنے حاضری دربار سے عذر کر لیا چونکہ باوجود اصرار کے وہ حاضری دربار سے انکار ہی کیئے گیا اسلیئے ڈھائی سو سپاہیوں کی جمعیت اُسے گرفتار کرنے

صفحہ ۵۵۲

بطور خود گدی چھوڑ دی۔ نظام حکومت ایک مجلس کے سپرد کیا گیا جس کی صدارت مہاراجہ کے بھائی کو دی گئی اور نگرانی برطانوی رزیڈنٹ کی رہی۔ اسی سال میں صوبۂ سرحدی کی ریل بھی ساڑھے تیرہ کرور کی لاگت سے تکمیل کو پہنچگئی جس کی تعمیر اس وقت سے ملتوی تھی جب سے برطانوی فوجیں ۱۸۸۱ء میں کابل سے واپس آئی تھیں۔ پشین سے ڈیرۂ اسمٰعیل خاں ہوتا ہوا لاہور تک جو سلسلہ آتا تھا اُس کی پیمائش ۱۸۹۰ء میں کی گئی اور خوجک کی سرنگ بارہ ہزار چھ سو فٹ لمبی ۵ لاکھ کی لاگت سے تیار کی گئی۔ سرحدی قلعہ جات بھی سرگرمی سے تعمیر کیئے جاتے رہے اگرچہ اُن کی تکمیل کئی سال تک نہ ہو سکی۔

ان استحکامات میں ایک نہایت زبردست مسلح مورچہ ریل کی آخری منزل پر ہے جو کوئٹہ کے سامنے ہے اور جہاں ایک زبردست مخزن حرب بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ دوسرے مسلح قلعہ بند مورچے اٹک پر۔ راولپنڈی پر اور درۂ خیبر کے دہانے پر ہیں۔ اور ایک اندرونی سلسلۂ استحکامات کا سکھر۔ ملتان فیروزپور شیر شاہ اور بھاولپور پر مشتمل ہے۔ ساحل کے بڑے بڑے بندرگاہ یعنی بمبئی۔ کراچی اور رنگون کو بھی قلعہ بند کر دیا گیا ہے۔ اسی منصوبۂ مدافعت کے اتباع میں باجگزار دیسی ریاستوں کی فوجیں بھی بہتر طریقے پر برطانوی نگرانی میں مرتب کی گئی ہیں۔

اس سال نیشنل کانگرس کا اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں نارتھمٹن کے ممبر پارلیمنٹ مسٹر بریڈ لانے بھی شرکت کی لیکن کانگرس کی طرف سے عام دلبستگی کچھ کم ہوتی چلی تھی اور اس کے بعد کے سال میں مندوبین کی تعداد دو ہزار سے گھٹکر ایک ہزار چار سو تک آگئی۔

۱۸۹۰ء کا قابل امتیاز واقعہ ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کلیرنس کا ورودِ ہند تھا۔ جن کا ہندوستان کے جملہ طبقات نے بڑی مسرت و گرمجوشی کیساتھ خیر مقدم کیا۔ اسی سال ڈیوک آف کناٹ نے بمبئی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے استعفےٰ دے دیا اور سرجی گرویز اُس کی جگہ کمانڈر انچیف

صحت نامہ

تاریخ ہند عہد برطانیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۴	اجاریدار	اجارہ دار	۶۱	۲۱	مرتبے	مرتبہ
۵	۹	پہنچا تھا	پہنچتا تھا	۶۴	۶	ساٹھ	سات
۱۵	۲۱	فرانسیسیو نے	فرانسیسیوں نے	۶۵	۱۰ از حاشیہ	چینورد	چنسورہ
۲۲	۱۹	محاصرے	محاصرہ	۶۵	۱۵	ایضاً	ایضاً
۳۱	۱۲	پریشانیوں نے	پریشانیوں سے	۶۵	۱۹	ایضاً	ایضاً
۳۲	۲۳	سکی	اسکی	۶۷	۲	توٹتی	ٹوٹتی
۳۴	۲ از حاشیہ	محاصرہ تسخیر	محاصرہ و تسخیر	۷۵	۱۲	پانچ سو	پانچ
۳۵	۱۶	کو سپہ سالار	کو جو سپہ سالار	۷۵	۱۴	وصولی نذرانے	وصولی نذرانہ
۳۷	۲۱	کی بہت	کی کہ بہت	۷۶	۴	کٹڑ	کڑا
۳۹	۱۷	بسی	بُسی	۸۰	۶	انڈہاؤس	انڈیا ہاؤس
۴۲	۵	التعداہ	التعداد	۸۳	۱۴	لی تھی	کی تھی
۴۲	۷	سپاہیوں سے	سپاہیوں کے	۸۴	۲۰	رونڈڈالا	روند ڈالا
۴۶	۲	مرورزمانے	مرور زمانہ	۸۸	۱۴	معاہد	معاہدے
۴۷	۱۷	حجاج کعبے	حجاج کعبہ	۹۲	۱۲	یہ	x
۴۸	۱۵	پنہا	پنہاں	۱۰۱	۱۶	مطالعہ	مطالبہ

باب دوازدہم
فصل پنجم

اُسکے محل پر بھیجی گئی۔ اس فوج کا جو براج کی چھ ہزار خاص فوج نے بڑی سختی سے مقابلہ کیا جو رن شہر کی گلیوں میں پڑا اُسمیں ایک برطانوی افسر لفٹنٹ بریکنزی کے مہلک زخم آئے باوجود اس سخت آتشباری کے جس سے انگریزی فوج کی محل پر تواضع کیگئی تھی محل پر قبضہ کرلیا گیا مگر جو براج پہلے سے نکل چکا تھا اسکے بعد مجلس مشاورت کا حیلہ کرکے مسٹر کوئنٹن مشوگرم وڈ رزیڈنٹ اور کرنل سکین قائد فوج کو محل میں بلایا گیا جہاں یہ سب بے تکلف بلا ہتھیار چلے گئے اور بڑی بیرحمی سے قتل کردیئے گئے اسکے بعد جو براج کی فوج نے رزیڈنسی پر حملہ کیا جہاں برطانوی فوج زیر سرکردگی کپتان بچر و کپتان بوئلو جاکر پناہ گزین ہوگئی تھی۔ کچھ عرصے تک دشمن کی آتشباری کا مقابلہ کرنیکے بعد یہ محسوس ہونے لگا کہ اب اس مورچے پر دیر تک قائم رہنا ممکن نہیں ہے اسلیئے برطانوی فوج رزیڈنٹ کی بیم کے ساتھ وہاں سے نکل کر کسی نہ کسی ترکیب سے برطانوی علاقے میں آپہنچی۔ تین ہفتے بعد ایک انگریزی فوج نے منی پور کو فتح کرلیا۔ بغاوت کے سرغناؤں کو گرفتار کرلیا اور جو براج اور سپہ سالار کو پھانسی دے دی گئی جس نے برطانوی افسروں کے قتل کا حکم دیا تھا اور دوسرے سرغناؤں کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں دیگئیں اور سابق شاہی خاندان کے ایک بچے کو تخت نشین کرکے اس کے سن بلوغ کو پہنچنے تک کے لیئے انصرام حکومت برطانوی رزیڈنٹ کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ منی پور کے محصورین کو خلاصی دلانے کی ایک جانباز کوشش لفٹنٹ گرانٹ نے کی تھی جسے صرف مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ قلعہ تھوبل پر قبضہ کرلیا تھا اور چھ سو منی پوریوں کے مقابلے میں اس قلعے پر قبضہ کیئے رہا تھا اس حسن خدمت کے صلے میں اُسکو میجری پر ترقی دی گئی اور وکٹوریہ کراس کا تمغہ بھی عطا ہوا منی پور کی بغاوت کی تحقیقات میں کپتان بچر اور کپتان بوئلو پر کچھ الزامات نااہلیت ثابت ہوئے جس سے ان دونوں افسروں کو اپنی خدمات سے مستعفی ہونا پڑا۔

سنہ ۱۸۹۱ء میں جو مردم شماری سرکاری طور پر قائم کی گئی اُس سے معلوم ہوا کہ برطانوی ہند کی آبادی میں دو کرور بیس لاکھ کا اضافہ ہوگیا تھا۔

صفحہ ۵۵۲

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۸	۱۳	قبیلے جو اسی	قبیلۂ جو اسی	۳۵۷	۲۰	پڑھاکر	بڑھاکر
۲۹۰	۲۱	وہ	دو	۳۶۱	۱۸	ستعفا	استعفا
۲۹۱	۱۶	ہے	سے	۳۶۴	۱۵	کمزوری	کمزورسی
۲۹۱	۲۰	فلس	افلس	۳۶۶	۲۲	مالڈ	بالڈ
۳۰۰	۴	ادا محصول	ادائی محصول	۳۷۸	۹	فراخلدلی	فراخدلی
۳۱۹	۱۲	منقطعے	منقطع	۳۸۶	۱۲	پہنچیا وہ	پہنچیا تو وہ
۳۲۰	۵	دربجے	درجہ	۴۰۳	۹	بچارے	بے چارے
۳۲۲	۱۳	ہو	ہوا	۴۰۴	۱۱	لیا تھا	کیا تھا
۳۲۳	۲۰	اس کے	اپنے	۴۰۶	۱۳	رہنے والے	رکھنے والے
۳۲۶	۴	جزیرے نما	جزیرہ نما	۴۱۴	۸	طبعیات	طبیعیات
۳۲۶	۸	احکام	حکام	۴۲۰	۱۷	ہٹسبر	ہیسٹسبری
۳۲۶	۹	جارتانہ	جارحانہ	۴۴۰	۴	نقاط	مقامات
۳۲۷	۲۵	اجتماع	اجتماعی	۴۴۰	۲۲	بھانہ	بہانہ
۳۳۰	۱	تک پہنچ گئی	تک پہنچ گئی	۴۵۱	۱۰	مرد	مَرَد
۳۳۰	۹	جھفوں	جتھوں	۴۵۳	۶	آنہ تا	نہ آتا
۳۳۱	۱۱	معزز	مغرور	۴۵۸	۷ حاشیہ	ٹوٹ	نوٹ
۳۳۲	۱	تھا	ہے	۴۵۸	۸	ایضاً	ایضاً
۳۳۴	۱۳	پرنے کا	پڑنے کا	۴۶۹	۱۴	کایل	کابل
۳۳۶	۱۹	پرت جی	پرساجی	۴۹۴	۱۰	نوٹ کی	نوٹ کابل کی
۳۳۸	۳	طرحسے	طرف سے	۵۱۷	۱۶	رسالے کہ دشمن	رسالے کو دشمن
۳۴۱	۲۴	قرار پر قرار	فرار پر قرار	۵۱۷	۲۰	پنیر	بن یار
۳۴۹	۱۶	مدبروں	مدیروں	۵۵۶	۳	القاذ	الفاظ
۳۵۳	۶	فرصت	فرصت	۶۰۹	۷	اس قسم کی	نہ اس قسم کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۵	۱۴	عُلیہ	عُلیا	۷۲	۷	معاملے کوکو	معاملے کو
۱۰۵	۲۵	استعفیٰ	استعفا	۱۹۱	۲	ایمنڈ	ریمنڈ
۱۰۷	۱۶	رکھویا	رکھوبا	۱۹۱	۴	ایضاً	ایضاً
۱۰۸	۱۶	نظریں	نظریں	۱۹۱	۱۴	ایضاً	ایضاً
۱۱۲	۱۵	فرنوس	فرنویس	۱۹۳	۱۴	ادغام	تجویز
۱۲۲	۲	لواٹنے	لوٹنے	۱۹۷	۱۶	کمی	کمپنی
۱۳۱	۱۶	جاملا	جاملایا	۱۹۹	۱۱ حاشیہ	سنہ ۱۷۶۸ء	سنہ ۱۷۹۸ء
۱۳۶	۶	نظر آئی	نظر آئیں	۲۰۳	۲۴	تعمیل سے	تعمیل میں
۱۳۷	۱۳ حاشیہ	ہاسٹوارٹ	اسٹوارٹ	۲۱۴	۹	منتقل بھی کردیں	منتقل کردیں
۱۴۴	۱۰	اسی پوس	اسی	۲۲۳	۱۶	اجارہ داریی	اجارہ داری
۱۴۵	۷	حد درجے	حد درجہ	۲۲۶	۲۱	دکھاتا س	دکھاتا اس
۱۴۵	۱۲	ضابطے ورقاعدے	ضابطے اور قاعدے	۲۲۷	۱۹	نکوجی	تکوجی
۱۴۶	۱	جیت سنگھ	جیت سنگھ	۲۲۸	۶	راہئے ملک عدم	راہی ملک عدم
۱۴۶	۱۳	فرض	قرض	۲۲۸	۲۴	اٹھارا	اٹھارہ
۱۵۰	۹	رٹیڈمنڈ	ایڈمنڈ	۲۳۰	۱۸	مذبذ ب	مذبذب
۱۵۱	۷	جمہوریت پسند	جمہوریت پسند ڈھنگ	۲۳۰	۲۳	آمیر	آمیز
۱۵۲	۴	وہیسٹنگز مشرق میں نئی ایک نئی	ہیسٹنگز مشرق میں ایک نئی	۲۳۱	۱۶	بھی	یہی
				۲۳۲	۱۳	اس جلد تر	اس کے جلد تر
۱۵۳	۵	کمپنی کو مجبور ہوکر	مبتلا ہونا پڑا اُکی وجہ سے کمپنی کو مجبور ہوکر	۲۳۴	۲۳	مباجثے	مباحثے
				۲۶۴	۱۱	رانہ اودے پور	رانا اودے پور
				۲۶۷	۱۹	گورنرلاعلمی	گورنر کی لاعلمی
				۲۷۲	۱۸	کرادیا	کرلیا
۱۶۲	۲۳	نے تمام دعووں	نے اُن تمام دعووں	۲۷۷	۹	کابل	کابل
۱۶۷	۸	حانو	جانوں	۲۸۴	۷	میکڈول	میکڈونل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۳۸	۲	ہیڈ	ہیڈلر	۶۳۸	۲۴	ہونے کا تا	ہونیکا
۶۳۴	۱۵	اسٹیشن	اسٹین	.	.	.	.

تمت